

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفسیر طہری

جلد، مشتم

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجذبیؒ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ تفسیر

زیر اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین، بھیر شریٹ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی - پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفسیر مظہری (جلد ہشتم)	نام کتاب
حضرت علامہ قاضی محمد شاہ اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ	تالیف
ضیاء الامت حضرت جلیل القلم کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ	ترجمہ مترجم
الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ	مترجمین
مولانا محمد انور مگھالوی	
فضلاء و دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف	
ایک ہزار	تعداد
دسمبر 2002ء (رمضان المبارک 1323 ہجری)	اشاعت
1Z348	کپیوٹر کوڈ

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ انگریز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:- 042-7238010

14۔ انتقال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:- 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست

- سورہ سبا 9 ایک شخص کا قوم سبا کے متعلق سوالات (حدیث) 26
- تمام زمانے اور ساری کائنات زمانی اللہ کے سامنے 11 حاضر ہے اور اللہ زمانے کے دائرہ سے خارج ہے۔
- 27 میل ارم کے واقعہ کی تفصیل
- 11 اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے لیکن معلوم کے ساتھ اس کا تعلق حادث ہے۔
- 32 (فائدہ) بعض اکابرین پر ایسی حالت بعض اوقات آجاتی ہے کہ وہ دائرہ زمان سے نکل جاتے ہیں اور ماضی اور مستقبل کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں۔ 12
- 35 حدیث: جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا حکم دیتا ہے تو فرشتے اپنے پر پھڑپھڑاتے ہیں
- حضرت عیسا، داؤد، جعفر، سید المرسلین علیہ السلام اور کئی
- لوما حضرت داؤد کے ماقصور، یسوع موم اور گونہ ہے

تفسیر اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

- حضرت شیخ شہاب الدین سروردی کا قول: جو ڈرتا
نہیں وہ عالم نہیں 69
- حدیث: حضور علیہ السلام نے فرمایا ”قسم ہے اس کی
جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو کچھ میں
جانتا ہوں اگر تم جاننے تو زیادہ روئے اور کم ہنستے۔ 70
- حدیث: حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ حضور نبی کریم
ﷺ نے فرمایا اللہ ان کو پورا پورا اجر دے گا۔۔۔ الخ 70
- حدیث: ہم میں جو پیش رو ہے وہ پیش رو ہوگا اور
درمیانی لوگ نجات یافتہ ہوں گے۔۔۔ الخ 73
- حدیث: اللہ قیامت کے دن لوگوں کو دوبارہ اٹھائے گا
پھر علماء کو طبعہ کر کے خطاب فرمائے گا اے گروہ علماء
۔۔۔ الخ 74
- حدیث: مومن کا زیور اس جگہ تک پہنچے گا جہاں تک
وضو کا پانی پہنچے گا۔ 75
- سورۃ یس 85
- مساجد کو جانے میں کثرت اقدام کی فضیلت 90
- سورج کے استقرار اور عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا
بیان 102
- کواکب اور افلاک کی حرکات کی تحقیق 104
- ویل: جہنم کی ایک وادی ہے 109
- جنت میں اہل جنت کا شغل 111
- اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام 112
- حدیث: ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے دوزخیوں کو
لوہے کے صندوق میں الگ الگ بند کر کے دوزخ میں
پھینک دیا جائے گا 113
- اعضاء کی گواہی کے بارے میں احادیث طیبہ 115
- رسول کریم ﷺ بطور تمثیل شعر پڑھتے تھے؟ (عمدہ
- بحث) 117
- اللہ نے فرمایا میرا اور جن و انس کا معاملہ عجیب ہے پیدا
میں کرتا ہوں اور عبادت و دوسروں کی جاتی ہے رزق
میں دیتا ہوں اور شر و دوسروں کا ادا کیا جاتا ہے۔ 119
- مسئلہ: مردار کی ہڈی پاک ہے 121
- سورۃ یس کی فضیلت احادیث کی روشنی میں۔ 125
- سورۃ صافات 127
- حدیث: تم صفیں اس طرح کیوں نہیں بناتے جس
طرح ملائکہ رب کے حضور بناتے ہیں 127
- تمام ستارے آسمان دنیا میں ہیں 129
- حدیث: شہاب اور رجم شیاطین کی حقیقت 131
- قیامت کے دن بندوں سے سوال 137
- زقوم کے بارے میں احادیث 145
- علم نجوم کی تعلیم اور تعلم کے بارے میں احادیث 150
- انبیاء کے خواب وہی ہوتے ہیں 160
- حضرت الیاس اور حضرت خضر بیت المقدس میں
رمضان کے روزے رکھتے تھے اور زمانہ حج میں اکٹھے
ہو جاتے تھے۔ 173
- مسئلہ: انبیاء کرام کی لغزشوں کا ذکر کرنا جائز نہیں 178
- مسئلہ: انبیاء کرام پر اعتراض کرنا کفر ہے 178
- انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے اور ان میں فرق
کرنے کا بیان 178
- موسیٰ علیہ السلام اور حضور سید عالم ﷺ کے فضائل
(احادیث) 178
- آسمانوں میں ملائکہ کی کثرت ہے اور ان میں سے ہر
ایک کیلئے تعین مقام ہے جس سے وہ تہا ورت نہیں کرتا۔ 184
- حضرت علی کا قول: جو چاہتا ہے کہ اس کے اجر کو پورا

188	سبحان رب العزۃ عما یصفون کہے۔	شرح صدر کا بیان	256
189	سورہ ص	طاری ہونے کا انکار اور سماع کے وقت حال کی تفسیر کا	
197	نماز سب سے زیادہ محبوب ہے (حدیث)	بیان	260
197	صلوۃ النبی (حدیث)	قرآن کریم عربی زبان میں کلام لفظی ہے نہ یہ خالق ہے نہ مخلوق	264
205	مسئلہ: رکوع میں مجددہ تلاوت کی ادائیگی	قیامت کے دن لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ	206
206	مسئلہ: سورہ ص کے مجددہ میں اختلاف	جھگڑنے کا بیان	266
208	مجددہ تلاوت کرتے ہوئے دعا کا پڑھنا (حدیث)	سونے کے وقت کی دعا کا بیان	375
211	جو خواہشات کی پیروی کرے گا اس کی رائے میں خرابی واقع ہوگی اور وہ اپنے اجتہاد میں گمراہ ہوگا	دعا کا آغاز اللھم رب جبریل الخ سے کرنے کا بیان	278
214	گھوڑوں کی پیشانی سے خیر و برکت ہوتی ہے (حدیث)	اللہ تعالیٰ کی عفو رحمت اور گناہوں کی مغفرت کے بارے وارو ہونے والی احادیث کا بیان	283
221	حدیث: ایک شیر جن آج رات تھوک اڑاتا ہوا میری نماز تروالے آیا خدا نے اس کو مجھ پر قابو نہ پانے دیا۔	اس کا بیان کہ شرک کے بغیر سب کچھ قدریہ کے مذہب کے خلاف ہے	283
224	اللہ تعالیٰ سے شکایت، دعا اور زاری، مہر کے منافی نہیں	مذہب جبریت کے بطلان کا بیان	289
224	مقام مہر سے مقام رضا کی طرف ترقی	ارتداد و پہلے سے موجود تمام نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے اگر کوئی مرتد ہونے کے بعد اسی وقت اسلام لے آئے تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے اور جس کسی نے مرتد ہونے سے قبل حج کیا ہوا ہو اس پر اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے	295
229	حدیث: میں تم کو دوزخ میں گرنے سے روکتا ہوں	حدیث حضور نبی کریم ﷺ ہر رات بنی اسرائیل اور سورہ زمر کی تلاوت فرماتے تھے	305
232	حدیث: میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا فرمایا فرشتے کس لئے جھگڑتے ہیں؟ (علم مصطفیٰ کا اثبات)	سورۃ المؤمن	307
233	حدیث: میں نے 30 سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے تھے کہ سب سے پہلے ربنا تک الحمد صبرا کثیراً لکھ لیں۔	حالیین عرش اور مومنین کیلئے ان کی دعا کا بیان	312
239	سورہ زمر	ایمان میں مشارکت نصیحت اور شفقت کو حاجت کرتی	249
249	صبر اختیار کرنے پر اجر و ثواب کا بیان	ہے	314
255	جنت کے محلات کا بیان		

- صالحین کے والدین، اولاد اور بیویوں کو درجہ میں ان
 کے ساتھ ملا دینے کا بیان 315
 آسمانوں کے شق ہونے، ملائکہ کے نزول اور قول باری
 تعالیٰ لَیْسَ اِلَیْکَ الْیَوْمَ کَیْبَان 319
 یوم التلاذ کا بیان 329
 دعا کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے دعا قبول
 کرنے کے وعدہ کا بیان 347
 دعا قبول ہونے کی شرائط کا بیان 351
 سنن دعا کا بیان 351
 حدیث طیبہ: لَوْنٌ وَصَاصَةٌ مِثْلُ هَذِهِ (واشار
 الی جھجمہ) ارسلت من السماء الحدیث کا
 بیان 357
 انبیاء و رسول علیہم السلام کی تعداد کا بیان 361
 علم نافع اور علم غیر نافع کا بیان 365
 سورہ فصلت 365
 مریض کے لئے حالت مرض میں ان تمام نیک اعمال
 کا ثواب لکھا جاتا ہے جو وہ حالت صحت میں کیا کرتا تھا 369
 حدیث طیبہ اعضاء کی شہادت کا بیان 378
 استقامت کی تفسیر اور اس کا بیان کہ استقامت کا تصور
 فناء قلب و نفس کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے 382
 حدیث طیبہ: ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے 386
 حدیث طیبہ: اذان اور اقامت کے درمیانی دعا و نذرین
 کی جاتی 386
 اذان کی فضیلت کا بیان 386
 اذان کا جواب دینے کا بیان 387
 مقام بخود کی تحقیق 390
 سورہ شوریٰ 403
 حدیث طیبہ: اطم السماء ان ملائکہ کے کثرت بخود کے
 سبب آسمان میں خاص نوع کی آواز پیدا ہوتی ہے 405
 حدیث طیبہ: رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے آپ
 کے پاس دو کتابیں تھیں 407
 حدیث طیبہ: رسول اللہ ﷺ نے خط کھینچا اور فرمایا یہ
 اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں بائیں بہت
 سے خط کھینچے 410
 جماعت کے ساتھ رہنے اور افتراق سے نبی کے احکام
 کا بیان 411
 حدیث طیبہ: انما الاعمال بالنیات 417
 حدیث طیبہ: اس کا بیان جس نے آخرت کا عمل دنیا
 کیلئے کیا۔ 417
 حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل پاک کی محبت
 واجب ہونے کا بیان 420
 حضرات ابو بکر و عمر و مجاہد کرام، انصار عظام، قریش اور
 اہل عرب سے محبت کرنے کا بیان 420
 توبہ اور گناہوں سے معافی مانگنے کا بیان 425
 حدیث طیبہ: افضل دعا الحمد للہ ہے 427
 اس کا بیان کہ مرض اور تکلیف بندہ مومن کے گناہوں کو
 مٹا دیتے ہیں 430
 حدیث طیبہ: ایمان کے دو نصف ہیں ایک نصف صبر
 میں ہے اور ایک نصف شکر میں ہے 431
 حدیث طیبہ: جس سے مشورہ لیا جائے وہ اس میں امین
 ہوتا ہے 433
 مستقین کا بیان 435
 کیفیت دمی کا بیان 441
 سورہ زخرف 445

- قبروں سے اٹھانے کے بارے میں جو روایات وارد ہوئیں کہ آسمان سے بارش ہوگی تو لوگ سبزہ کی طرح اگ پڑیں گے
- 448 جاناور پر سوار ہوتے وقت کیا پڑھنا چاہئے
- 449 حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرا نکلا ہے (اللہ بیٹ)
- 450 دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں حقیر اور ناپسندیدہ ہے
- 457 دنیا آخرت کے ہتھکڑوں پر حرام ہے اور آخرت دنیا سے محبت کرنے والوں پر حرام ہے دنیا اور آخرت اللہ والوں پر حرام ہے
- 458 جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اپنی آخرت کا نقصان کرتا ہے اور جو اپنی آخرت سے پیار کرتا ہے اسے دنیا میں تکلیف دی جاتی ہے
- 459 رزق حلال کی تلاش اہم ترین فرض ہے
- 459 جو آدمی حلال روزی کماتا ہے
- 459 دنیاوی مال کی طلب اچھے طریقے سے کرو
- 463 خلافت کا معاملہ قریش میں ہے
- 468 جھگڑا کرنے سے ہی لوگ ہدایت پانے کے بعد گمراہ ہوئے
- 469 قیامت کی نشانیوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر اترنا
- 471 یہودی اکابر فرقوں میں بے نصاریٰ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور امت مسلمہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی
- 471 میری امت پر وہی حالات گزریں گے جو یہود و نصاریٰ پر گزرے تھے
- 472 دو مومن دوست اور دو کافر دوست
- 472 میری وجہ سے باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں میں انہیں اپنے عرش کے سائے میں جگہ دوں
- 473 اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے باہم محبت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جمع فرمائے گا۔
- 473 جنت کے گھوڑے اور اس کا پھل
- 474 جہنمی مالک کو پکاریں گے
- 479 سورۃ الدخان
- 479 نصف شعبان کی فضیلت کا بیان
- 481 قیامت کی نشانیوں دھواں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا
- 481 ہر بندے کے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا عمل اوپر جاتا ہے اور دوسرے دروازے سے اس کا رزق نیچے آتا ہے جو آدمی فوت ہے اور دروازے سے اسے نہیں پاتے تو وہ اس آدمی پر روتے ہیں۔
- 485 رقوم جہنمیوں کا کھانا ہے
- 489 جنت کے کپڑے
- 490 حوریں اور جنت کے پھل
- 492 سورۃ دخان کی فضیلت
- 493 سورۃ الجاثیہ
- 502 زمانے کو گالی نہ دو
- 504 گویا میں جہنم دیکھ رہا ہوں کہ تم جہنم سے دور دروازو بیٹھے ہوئے ہو۔
- 504 تمام نامہ اعمال عرش کے نیچے ہیں جب حساب و کتاب ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جو ان اعمال ناموں کو لوگوں سے دائیں بائیں ہاتھوں تک لے جائیں گی۔

- 542 قیامت کے روز کن کا قرض ادا کیا جائے گا
- 506 موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا کا کوئی ذریعہ نہیں
- 507 تم اپنے گھر والوں اور گھروں کے ذریعے دنیا میں اتنے
- 509 متعارف نہیں ہوں گے جتنے جنت میں
- 515 حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کا واقعہ
- 521 اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو
- 521 حمل کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت
- 522 حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل
- 526 حضور ﷺ اور صحابہ کی زندگی
- 531 قیامت کی نشانیاں
- 531 حضور ﷺ تبسم فرماتے کھلکھلا کر نہ ہنستے
- 531 واردات قلبی پردہ میں سو وفد استغفار
- 531 جب تیز ہوا چلتی یا آپ بادل اور بارش دیکھتے تو کیا فرماتے
- 531 حضرت محمد کا فرمان جو اپنے آپ کو کافر سے گناہگار نہ جانے اس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت حرام ہے
- 553 یزید پر لعنت کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا قول
- 557 نفل نماز اور روزے کو شروع کرنے اس کو توڑنے اور اس پر قضا کا حکم
- 538 اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت اور نفل کی مذمت
- 564 قیدیوں کے بارے میں احسان کرنے اور قدیہ لینے کے بارے میں علماء کا اختلاف
- 540 دین اگر ثریا میں ہوا تب بھی فارس کے لوگ اسے مہربانی سے دیکھتے
- 541 مہربانی کی ایک جماعت ہمیشہ جہاد کرتی رہے گی
- 541 شہداء کے مراتب اور ان کی فضیلت

سورۂ سبا

﴿اٰیٰتِهَا ۵۴﴾ ﴿تَنْوِيْۡۃٌ سَبْعِيْنَ مَّكِّيَّةٌ ۳۳﴾ ﴿رَكُوْعٰتِهَا ۶﴾

سورۂ سبا کی ہے، اس میں چوں آیات اور چھ رکوع ہیں
الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد العالمين وخاتم النبيين
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَلَهٗ الْغَنَدُ فِى الْاٰخِرَةِ ۚ
هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَمِيْدُ ۝

”سب تعریفیں اللہ کے لئے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور ہر اس چیز کا جو زمین میں ہے۔ اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں آخرت میں۔ اور وہی بڑا ہر بات سے باخبر ہے۔“

یعنی سب حمد و ستائش اس ذات اقدس کے لئے ہے جو ملکیت اور تخلیق کے اعتبار سے ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی ہے۔ سزا اور جہر آتو صیف و تعریف کا صرف وہی مستحق ہے اس کے علاوہ جس کسی کی بھی تعریف کی جاتی ہے وہ مجازی ہے اور ظاہر کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس نے غیر کو کوئی ظاہری نعمت پہنچائی ہے ورنہ حقیقت میں ہر کمال و بلندی، جمال و جلال اس ذات ہے مثل کا پرتو ہے۔

یعنی آخرت کی نعمتیں بھی اس کی ملکیت اور تخلیق ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ کے جملہ کا لہ الحمد کے جملہ پر عطف، مطلق پر مقید کا عطف نہیں ہے بلکہ مقید کا عطف مقید پر ہے معطوف علیہ اس بات سے مقید ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے کیونکہ

اسم موصول اور صلہ کے ساتھ صفت بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دنیوی نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے کمال قدرت اور تمام نعمت کی وجہ سے دنیا میں بھی وہی حمد و تعریف کا مستحق ہے اور اسی طرح آخرت میں بھی وہی ستائش کے لائق ہے کیونکہ آخرت کی نعمتیں بھی

اس کی پیدا کردہ ہیں اور اسی کی ملکیت ہیں دوسرے جملہ (اَلْحَمْدُ فِى الْاٰخِرَةِ) میں ظرف کو اس لئے مقدم فرمایا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بالواسطہ ہوتی ہے کہ اس شخص کی تعریف کی جاتی ہے جس کے ذریعے نعمت الہیہ میسر آتی ہے تو اس کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی دنیا میں حمد ہوتی ہے لیکن آخرت میں چونکہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کے سوانہ کوئی حقیقت میں کسی چیز کا

مالک ہوگا اور نہ مجاز اس لئے وہاں صرف اسی کی حمد ہوگی (اسی حصر کے لئے خبر کو مقدم فرمایا اور مبتدا کو مؤخر فرمایا۔ بعض علماء فرماتے ہیں

اَلْحَمْدُ فِى الْاٰخِرَةِ سے مراد اہل جنت کی حمد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا ۚ وَمَا كُنَّا لَآلِهَتُهُمْ شٰكِرِيْنَ ۙ اِنَّ هٰذَا لَشَاۤءُ اللّٰهِ (ترجمہ) اور کہیں گے ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے راہ دکھائی ہمیں اس بہشت کی اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو

سکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَّا وَعَدَنَا (ترجمہ) اور وہ (خوش بخت) کہیں گے ساری تعریفیں اس اللہ (کریم) کے لئے جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اٰتٰنَا هٰذَا وَعَدًا (ترجمہ) سب

ملائیکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے دور کر دیا ہم سے غم (واندودہ)

۱۔ اس کی شان یہ ہے کہ امور دین کو پختہ فرماتا ہے اور اشیاء کے ظاہر و باطن کو بخوبی جانتا ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلْجِ فِي الْأَمْرِضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ①

”وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے۔ اور جو اس سے نکلتا ہے، نیز وہ جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا اور جو آسمان

کی طرف عروج کرتا ہے۔ اور وہی ہمیشہ رحم فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔“

۱۔ یہ تعیل کے مقام میں حال یا استیفاء ہے۔ یعنی وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے مثلاً بارش کے قطرے جو زمین کے مسام میں داخل ہوتے ہیں اور وہ ان مردوں اور خزانوں کو بھی جانتا ہے جو زمین کی تہ میں دفن کیے جاتے ہیں۔ اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے اس سے بھی واقف ہے مثلاً نباتات، کھجور اور چشموں کے پانی اور وہ ان مردوں کو جانتا ہے جو قیامت کے روز اٹھائے جائیں گے اور وہ ان چیزوں سے بھی آشنا ہے جو آسمان سے نیچے اترتی ہیں مثلاً بارشیں، بجلیاں، ملائکہ، جھپٹے، تقادیر، رزق، قسم قسم کی برکات اور مختلف قسم کے مصائب و آلام وغیرہ۔ اور اسے ان چیزوں کا بھی علم ہوتا ہے جو آسمان میں عروج کرتی ہیں مثلاً فرشتے اور بندوں کے اعمال اور ان کی غمزدگی اور غمزدگی میں ذوقی ہونے کی دعا میں وغیرہ۔

۲۔ ورحیم ہے، بندوں کی ہر ضرورت کو اتارتا ہے اور وہ غفور ہے، لغتوں پر ناشکری میں کوتاہی کرنے والوں کو بھی معاف فرمادیتا ہے۔ یہ جملہ علم پر معطوف ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ②

”اور کفار کہتے ہیں ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ فرمائیے ضرور آئے گی مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے تم پر قیامت ضرور آئے گی۔ میں نہیں چھپی ہوئی اس سے ذرہ برابر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اور نہ کوئی چھوٹی چیز ذرہ سے اور نہ کوئی بڑی چیز مگر وہ کتاب مبین میں (درج) ہے۔“

۱۔ کفار جو قیامت کے وقوع کے منکر تھے۔ یہاں ان کے انکار کا ذکر ہے۔ اور یہ جملہ ایک متعدد جملہ پر معطوف ہے جو لہ الحمد فی الآخرۃ و هو الرحیم الغفور کے ارشاد سے مفہوم ہے۔ اور یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی حمد کرنے والوں کی مغفرت فرمائے گا اور ان پر اپنی رحمت فرمائے گا۔

۲۔ ہلکی کے کلمہ سے ان کے کلام کا اور جس چیز کی انہوں نے نفی کی تھی اس کا اثبات فرمایا ہے۔ اور دہی قسم ہے ہلکی کے کلمہ سے جو ایجاب فرمایا تھا لَتَأْتِيَنَّكُمْ اس ایجاب کی تکریر کے لئے ہے اور پھر اس ایجاب کو قسم کے ساتھ مؤکد فرمایا ہے اور مقسم یہ ”ربی“ کا علیہ الغیب سے وصف بیان فرمایا ہے کیونکہ مقسم یہ کی عظمت، مقسم کی حالت کی قوت کا شعور دیتی ہے۔ اس صفت (عالم الغیب) میں اشارہ

ہے کہ قیامت کا وقوع غیب ہے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے اثبات کے لئے شہادت الہیہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے غیب کی کسی چیز کا (حایت کرنا) اور نفی کرنا جائز نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے بتانے سے اور تعلیم دینے سے کوئی دوسرا غیب کی خبر دے سکتا ہے۔

حزبہ اور کسائی نے فعال کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ علام پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے فاعل کے وزن پر عالم پڑھا ہے، ناش اور ابن عامر نے عالم الغیب کو مبتدا محذوف کی خبر کی پیشیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ یا یہ مبتدا ہے اور اس کا مبالغہ خبر ہے۔ باقی قراء نے اسے محذوف پڑھا ہے کیونکہ یہ رب کی صفت ہے۔ جس طرح انکار شدید تھا اسی طرح ان کا رد بھی بڑے زوردار انداز میں فرمایا ہے۔ انکے انکار کی بنیاد ان کی جہالت اور حماقت پر تھی اور وہ دوسری ممکنات کی طرح وقوع قیامت کے امکان کو بھی بعید از عقل سمجھتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس قیامت کو ثابت کرنے والا عالم الغیب ہے جو ہر ذرہ اور ہر قطرہ کو جانتا ہے۔ اس لئے اس کے لئے قیامت کا نام ممکن ہے۔

۳۔ کسائی نے بعوض کو ذاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے زاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ان دونوں قراء توں کا معنی ایک ہے یعنی آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے، خواہ اس کا تعلق زمانہ ماضی سے ہو یا مستقبل سے ہو یا حال سے ہو۔ یہ قول درست نہیں ہے کہ فی الحال جو چیز آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اس سے مخفی نہیں ہے کیونکہ یہ جملہ عالم الغیب کی تاکید کے طور پر واقع ہوا ہے اور اس مفہوم کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ اس رب کریم کا علم کائنات کی ہر چیز کو شامل ہے خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے ہو۔ فی الحال تمام اشیاء بعض مخلوق کے لئے بھی حاضر ہوتی ہیں جیسے ہم نے سورۃ الانعام میں آیت کریمہ قوفہ و سلسلہ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ بارگاہ رسالت آب ﷺ میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ملک الموت ایک ہے جبکہ مشرق و مغرب میں دو لشکر آپس میں لڑتے ہیں۔ درمیان میں کچھ بچے پیٹوں سے گرتے ہیں اور ہلاکتیں ہوتی ہیں (ان سب کی رو میں بیک وقت وہ کیسے قبض کرتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ملک الموت ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے۔ حتیٰ کہ اس طرح ہے جیسے میرے سامنے تھاں ہے کیا اس سے کوئی چیز چھپ سکتی ہے۔ اس آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ تمام زمانے اور جو کچھ ماضی حال مستقبل میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہیں اور وہ خود زمانہ سے خارج ہے جیسا کہ تمام امکانہ اور ممکنات اللہ تعالیٰ کے نزدیک حاضر ہیں اور وہ خود مکان سے خارج ہے نہ اس پر زمانہ جاری ہوتا ہے اور نہ کوئی مکان اسے گھیرتا ہے۔ پس زمانہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور حادثہ ہے اور اس کا حدوث بھی ذاتی ہے، اسی طرح مکان بھی اس کی مخلوق ہے۔ پس ماضی اور مستقبل اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں جیسا کہ تمام مکان اس کی نسبت سے برابر ہیں۔ اس نظر پر بعض اکابر علماء نے تنبیہ فرمائی ہے۔ حضرت حلال دوانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ الزواہ میں فرماتے ہیں جب تو امتداد زمانی کو حوادث کوئیہ کے ساتھ یکبارگی دیکھے گا جو امتداد زمانی تغیر و تبدل کا محل اور حوادث کوئیہ کا عرض ہے تو تو اسے علت اولیٰ کی شانوں میں سے ایک شان پائے گا جو شان تمام شیون متناقبہ کو محیط ہے پھر جب تو مزید عمیق نظر سے دیکھے گا تو تجھے اس امتداد کی حدود کا حضور اور ضمیمہ بت زمانیات کی نسبت سے اس شان کے احاطہ میں نظر آئے گا اور مراتب عالیہ کی نسبت سے حوادث متعاقبہ میں کوئی تعاقب نہیں ہے بلکہ مراتب عالیہ کی نسبت سے تمام حوادث حضور میں برابر ہیں پس جو بلند یوں کے انتہائی مرتبہ پر فائز ہیں ان کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سامنے کوئی صبح اور شام نہیں ہے۔ سمیہ۔ اگر تم ٹکڑی کے رنگ میں مختلف اجزاء کو دیکھو تو اس کے اجزاء میں رنگ مختلف ہوگا پھر اگر اسے تم ذرے کے برابر درود

حتیٰ کہ آنکھ اس کے تمام اجزاء کے احاطہ سے عاجز آجائے تو وہ مختلف رنگ حدتہ کی نگہی کی وجہ سے حضور میں متعاقب نہ ہوں گے بلکہ تیرے احاطہ کی قوت کی وجہ سے حضور میں متقارب ہوں گے۔ فَاَعْبُدُوا بِلَا وِلَا اِلٰہَ غَيْرِہٖ۔

فائدہ: کبھی کبھی اللہ کے کسی نیک بندے پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ زمانے کی قید سے نکل جاتا ہے اور وہ ماضی اور مستقبل کو اپنے ہاں برابر دیکھتا ہے۔ اس کی دلیل بخاری اور مسلم کی وہ روایت ہے جو عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے عہد ہمایوں میں سورج گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ اور لوگوں نے نماز کسوف پڑھی آپ ﷺ نے اس نماز میں بہت طویل قیام فرمایا آگے طویل حدیث ہے آخر میں ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم دیکھ رہے تھے کہ آپ اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر کسی چیز کو پکڑ رہے ہیں پھر ہم نے دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے جنت دیکھی اور اس سے انگوٹھا کا ایک گچھا پکڑا۔ اگر میں وہ گچھا تو لیتا تو تم اس سے رہتی دنیا تک کھاتے رہتے اور میں نے آگ دیکھی پس آج کے دن کی طرح میں نے کبھی بھیا تک منظر نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ دوزخ میں زیادہ عورتیں ہیں (الحديث ۱۸) یہ ایک حقیقت ہے کہ عورتوں کا آگ میں دخول قیامت کے بعد ہوگا حالانکہ نبی کریم ﷺ نے وہ منظر اس وقت دیکھا تھا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ شاید نبی کریم ﷺ نے دوزخ اور جنت کی صورت عالم مثال میں دیکھی ہو جیسے خواب میں سونے والا دیکھتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”اگر میں تو لیتا تو تم رہتی دنیا تک کھاتے رہتے“ بالکل صریح ہے کہ آپ ﷺ نے جنت اور دوزخ کو حقیقت دیکھا تھا ان کی مثالیں نہیں دیکھی تھیں۔ اسی طرح امام مسلم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اور میں نے ابوطلحہ کی بیوی کو دیکھا اور میں نے اپنے سامنے چلنے کی آواز سنی تو وہ حضرت بلال کے چلنے کی آواز تھی (2) اسی طرح امام احمد ابوداؤد اور انبیاء نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میرے رب عزوجل نے مجھے معراج عطا فرمائی تو میں ایک قوم کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ وہ اپنے چہروں اور سینوں کو دھو رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے بتایا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتیں لوٹتے تھے (3)۔ حضرت جابر سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر آگ پیش کی گئی میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت دیکھی جسے ایک بیٹی کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا جس کو اس نے باندھ دیا تھا۔ نہ اسے کھانا کھلاتی اور نہ اسے چھوڑتی کہ وہ مشرات ارض کھائے (4)۔ حتیٰ کہ بھوک کی وجہ سے مر گئی۔ میں نے عمر بن عامر الخزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی استریاں آگ میں گھیت کر رہا تھا۔ یہی وہ غنم تھا جس نے سب سے پہلے ساڑھ چھوڑنے کی رسم نکالی تھی۔

یہ اکثر مفسرین فرماتے ہیں لا یعزب عنہ کا معنی یہ ہے کہ اس کے علم سے ذرہ برابر کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور نہ ذرہ سے کوئی چھوٹی اور نہ ذرہ سے کوئی بڑی چیز مخفی ہے۔ یہ جملہ عذوب (چھپنے) کی لٹنی کی تاکید کے لئے ہوگا۔ اگر عذوب سے مراد اس کے علم سے عذوب (چھپنا) ہو۔ یا کتاب مبین سے مراد اللہ کا علم ہو یا لوح محفوظ جو اس کے علوم غیر متناہیہ کا بعض ہے۔ اگر لا یعزب عنہ کا مطلب یہ ہو کہ اس کی ذات سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے تو یہ جملہ تائیس ہوگا، تاکید نہ ہوگا۔ اصغر اور اکبر مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہیں اور اس کی تائید بالفتح کی قرأت کرتی ہے جس میں لافضی جمل کو عمل کرایا گیا ہے۔ اصغر اور اکبر کا متغایل پر مرفوع کی حیثیت سے اور ذرہ پر ماضی جہ

1- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 144 (دور ازت تعلیم)

2- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 292 (قد ہی)

3- سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 313 (دور ازت تعلیم)

4- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 297 (قد ہی)

میں متوجہ کی حیثیت سے عطف جائز نہیں ہے، (کل جر کی صورت میں فتح اس لئے ہوگا کیونکہ یہ دونوں غیر منصرف ہیں) مطلق اور ذرہ پر عطف اس لئے جائز نہیں ہے کیونکہ اشتاء کی وجہ سے معنی میں فساد واقع ہوتا ہے اور الّا حرف اشتاء کو لکن کے معنی میں کر کے مستثنیٰ منقطع بنانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ استدار اور اشتاء منقطع نفی کے بعد اثبات ہوتا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ذرہ برابر کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور نہ کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے پوشیدہ ہے لیکن جو کتاب میں ہے وہ پوشیدہ ہے یہ معنی فاسد ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں ایک صورت میں معنی صحیح ہو سکتا ہے کہ ”عن“ کی ضمیر کا مرعہ غیب کو بنایا جائے اور لوح محفوظ میں جو ثبات ہے اس کو غیب سے خارج کیا جائے کیونکہ وہ دیکھنے والوں (فرشتوں) پر ظاہر ہوتا ہے پھر معنی یہ ہوگا کہ غیب سے کوئی چیز جدا نہیں ہے مگر وہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے (۱) یہ توجہ بہد ضعیف ہے جیسا کہ امام بیضاوی کے انداز کلام سے ظاہر ہے کیونکہ لوح محفوظ میں ہونا اس کو غیب سے خارج نہیں کرتا اور سلسلہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو شامل ہے۔ اور اس توجہ بہد کا مدعی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور سورہ یونس میں یہ آیت کہ یرید اس طرح ہے کہ لَا يُدْرِكُهُ الْبَصَرُ وَلَا يَشْفَعُ لَدَيْهِ شَيْءٌ وَلَا يَظُنُّ أَنَّ فِي يَدَيْهِ الْأَلْهَامَ (ترجمہ) اور نہیں چھپا ہوا آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے۔ وہاں امام بیضاوی کی اس توجہ بہد کی کوئی مناسبت نہیں بنتی۔ بعض علماء فرماتے ہیں۔ یہ کلام مدح بمعنا شبه اللہ (۱) کے طریق پر ہے جیسا کہ اس ارشاد میں وَصَافَتُوهُ بِمِثْلِ مَا رَزَقُوا مِنْهُ لِيُقَيِّدَهُمْ (ترجمہ) اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر۔ اسی طرح عرب بولتے ہیں وَنُذِرُ لَا غَيْبَ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ غَالِمٌ (زید میں کوئی غیب نہیں ہے مگر وہ عالم ہے) یعنی اس میں کوئی غیب نہیں ہے۔ اور آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ذرہ برابر چیز پوشیدہ نہیں ہے مگر کتاب میں اس کا حکم موجود ہے پھر وہ اس سے غائب و پوشیدہ کیسے ہو سکتی ہے۔

لَيَجْزِيَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۱۰﴾

” (قیامت آئے گی) تاکہ اللہ تعالیٰ جزاء دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ یہی وہ (نیک بخت)

لوگ ہیں جن کے لئے بخشش اور رزق کریم ہے۔“

۱۔ یہ قیامت کے آنے کی حکمت بیان ہو رہی ہے۔ اور یہ لفاظیکم کے قول کی علت ہے۔

۲۔ عبودیت کے وہ حقوق جن کی ادائیگی ممکن نہ تھی ان کی ادائیگی میں قصور کو معاف کرنے کا یہ مژدہ ہے۔ اور جو انہوں نے نیکیاں اور اچھے اعمال کئے ان کی جزاء کے طور پر جنت میں عمدہ رزق عطا کیا جائے گا، جس پر نہ کوئی مشقت برداشت کرنی پڑے گی اور نہ اس پر احسان جتلیا جائے گا۔

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۱﴾

” (اور جو) بد بخت (کو شش کرتے رہنے ہیں کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا کر ہمیں ہرا دیں یہی ہیں جن کے لئے بدترین قسم کا درد

ناک عذاب ہے۔“

۱۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کا رزونی جلد 4، صفحہ 391 (الغزل)

(۱) ایسی تعریف جو خدمت کے مقابلہ ہو، سننے والا یہ سمجھے کہ تعریف کے بعد منظم عیب بیان کرنے والا ہے لیکن منظم پھر اپنے محدود کی تعریف کرے۔

۱۔ اس کا عطف الذین امنوا پر ہے اور یہ لیجزی کا مفعول ہے۔ یعنی قیامت برپا کی جائے گی تاکہ جو لوگ اپنی ساری توانائیاں ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے لوگوں کو متغیر کرنے میں کوشاں ہیں ان کو سزا دی جائے۔ معجزین کو ابن کثیر اور ابو عمرو نے معجزین باب تفعلیل سے جیم کی شد کے ساتھ پڑھا ہے (یعنی جو ایمان لانے کا ارادہ کرے اسے اس سے روکیں) باقی قراء نے باب مفاعلہ سے پڑھا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو عاجز کرنا چاہتے ہیں اور قدرت خداوندی کو مغلوب کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یا یہ معنی کہ وہ ہم سے آگے ٹکنا چاہتے ہیں اس گمان سے کہ ہماری ان لچر باتوں سے شاید قیامت برپا کرنے کا ارادہ بدل جائے گا اور عقاب و سزا کا قول تبدیل ہو جائے گا۔

قائد فرماتے ہیں رجز سے مراد سخت عذاب ہے اور کن بیان یہ ہے۔ (۱) الیم سے مراد ذوالیم ہے۔ یعنی دردناک عذاب۔ ابن کثیر، حفص اور یعقوب نے یہاں بھی اور سورۃ الحاشیہ میں الیم کو مرفوع پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ عذاب کی صفت ہے۔ باقی قراء نے رجز کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور پڑھا ہے۔

وَيَسَىٰ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ ۖ وَيَهْدِي
إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ①

”اور جانتے ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ۱ کہ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے وہی (یعنی) حق ہے۔ اور عزت والے سب خوبیوں میں ہے (خدا) کا راستہ دکھاتا ہے۔“

۱۔ یہاں یوی یعنی بعلم ہے۔ اور یہ بلی لتاتینکم کے مضمون پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یجزی پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اوتوا العلم سے مراد اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے علماء ہیں۔ جیسے عبداللہ بن مسلام اور آپ کے دوسرے ساتھی۔ حضرت قائد فرماتے ہیں اس سے مراد صحابہ کرام (2) اور ان کے بعد آنے والے مومنین ہیں۔ یعنی جس طرح صاحب علم لوگ اب دلائل کے ذریعے یقین رکھتے ہیں کہ قیامت ضرور برپا ہوگی اسی طرح قیامت کے برپا ہونے کے وقت وہ اس کے حق ہونے کا آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے۔

ع۔ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ سے مراد قرآن حکیم ہے اور یہ یوی کا مفعول اول ہے اور الحق مفعول ثانی ہے اور ضمیر فصل ہے اور جنہوں نے الحق کو مرفوع پڑھا ہے ان کے نزدیک مہمبدا اور الحق خبر ہے پھر پورا جملہ یوی کا مفعول ثانی ہے۔ اور یوی کا جملہ مستأنف ہے، اس کا ماقبل کلام سے تعلق نہیں ہے (اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ صاحب علم لوگوں کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ وہ قرآن کو حق تسلیم کرتے ہیں اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ قرآن حکیم صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے اور وہ ایمان رکھتے ہیں کہ قیامت واقع ہوگی اور اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے۔ جبکہ جاہل لوگ آیات کی تکذیب میں کوشاں ہیں) تو اس جملہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ جاہل اور آیات کو جھٹلانے والوں پر صاحب علم لوگوں کے ذریعے استہزاء فرما رہے ہیں۔

ع۔ یہدی کا فاعل یا اللہ تعالیٰ ہے یا الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ ہے صراطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ سے مراد اسلام ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُبَشِّرُكُمْ إِذَا مَرَّ قَتَمٌ كُلٌّ مُبْذَرٍ ۚ

اَنْتُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝۱

”اور منکرین (قیامت) کہتے ہیں (اے یارو!) کیا ہم پتہ بتائیں تمہیں اس شخص کا جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ جب تم (مرنے کے بعد) ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو تم از سر نو پیدا کیے جاؤ گے؟“

۱۔ قَالَ الَّذِي نَذَرْتُكَ الْعَذَابَ سَابِقَ قَالَ الَّذِي نَذَرْتُكَ ذَا پر ہے اور ان کے درمیان جملے معترضہ ہیں۔ یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر فرمایا تاکہ حکم کے مدار (کفر) پر تصریح ہو جائے۔ یعنی منکرین قیامت توبہ کرتے ہوئے آپس میں یہ کہتے۔ رحل سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ بینکم رحل کی صفت ہے۔ یعنی یہ شخص عجیب و غریب خبریں دیتا ہے۔ کل مصدر بیت کی بناء پر منصوب ہے کیونکہ مصدر میسی کی طرف مضاف ہے۔ یعنی جب تم مر جاؤ گے اور تمہارے جسم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جائیں گے حتیٰ کہ مٹی بن جائیں گے۔ یا سکل پر نصب ظرفیت کی بناء پر ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوگا کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے اور سیلاب تمہیں ہر رستہ پر بہا کر لئے جائیں گے اور دور دور پھینک دیں گے۔ اَنْتُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بینکم کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس میں قول کا معنی محتمل ہے۔ یعنی بقول انکم لفي خلق جديد اذا امر ققم۔ طرف کو مقدم کیا گیا ہے اس کی وجہ بعد اور مبالغہ پر دلالت ہے، طرف کا عامل محذوف ہے جس پر مابعد کلام دلالت کر رہی ہے۔ اس کے عامل کو محذوف نکالنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ماقبل اس سے متصل نہیں ہے اور اس کا مابعد ان ہے جو اپنے ماقبل میں مل نہیں کرتا ہے۔ تھابل عارفانہ کے طور پر انہوں نے نبی کریم ﷺ کو نکرہ ذکر کیا حالانکہ آپ قریش میں مشہور معروف تھے اور آپ کا قیامت کی خبر دینا بالکل عام تھا۔ اور دوسری وجہ نکرہ ذکر کرنے کی یہ تھی کہ وہ اس کو بہت بعید سمجھتے تھے اور تیسری وجہ آپ کی (نعمو باللہ) تحقیر کرتا تھا۔

اَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كِبًا اَمْ بِرَحْمَةٍۢ لِّیۤ اَنْ اَنۡزِلَ بِالۡحَقِّ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالۡآخِرَةِ فِی الْعَذَابِ وَالصَّلٰی الۡہٰیۡعِیۡ ۝۲

”یا تو اس نے (یہ کہہ کر) اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے، یا یہ دیوانہ ہے (میرا حبیب نہ مغتری ہے نہ دیوانہ ہے)۔ (جہلمک وہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ (کل) عذاب میں اور (آج) دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔“

۱۔ اَفْتَرٰی سے پہلے ہمزہ استفہام ہے اور جب ہمزہ استفہام ہمزہ وصلی پر داخل ہوا تو ہمزہ وصلی لفظ ساقط ہو گیا کیونکہ خبر کے ساتھ کوئی التباس نہیں ہے اور اس کی یہاں ضرورت بھی نہیں ہے اور یہاں ہمزہ وصلی کسور تھا۔ لیکن جب ہمزہ وصلی مفتوح ہو تو پھر ہمزہ استفہام کے دخول کے باوجود ہمزہ وصلی ساقط نہیں ہوتا۔ جسے اللہ ایسے مقامات پر ہمزہ وصلی حذف نہیں کیا جاتا بلکہ تسہیل کیا جاتا ہے یا الف سے بدل جاتا اور مد کی صورت میں پڑھا جاتا ہے اور خطا ء ایسی صورت میں بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ متوطو خلاف قیاس ہوتا ہے۔ کذباً، افتراء کی صورت سے منسوب ہے کیونکہ افتراء بھی کذب (جھوٹ) کی ایک قسم ہے۔ اور وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولنا ہے۔

۲۔ یا یہ جنوں کی مرض میں مبتلا ہے جو اس کے دماغ میں وہم ڈالتا ہے اور پھر وہ ایسی خلاف عقل باتیں زبان پر لاتا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ جنون افتراء کا قسم ہے اور صدق و کذب کے درمیان واسطہ ہے اور وہ واسطہ یہ ہے خبر جڑ جولی وجہ ابھرت نہ ہو۔ لیکن اس قول کا ضعف بالکل واضح ہے کیونکہ افتراء، کذب کے مساوی نہیں بلکہ افتراء کذب سے انھیں ہے کیونکہ کذب وہ خبر ہوتی ہے جو واقع

سے لوہا آپ کے ہاتھوں میں موم اور آنے کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور آپ بغیر آگ اور پتھر سے کی ضربیں لگانے کے اس سے جو چاہتے بنالیتے تھے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ لوہے کا آپ کے ہاتھوں میں نرم ہونا اس وجہ سے تھا کہ آپ کو جب بنی اسرائیل کی بادشاہی عطا کی گئی تو آپ کی عادت مبارک تھی کہ آپ غیر معروف صورت بنا کر باہر نکل جاتے پھر جب کوئی انجان آدمی دیکھتے تو اس کے پاس جا کر پوچھتے کہ تم اپنے والی (بادشاہ) کے متعلق کیسا گمان رکھتے ہو، وہ کیسا آدمی ہے تو لوگ آپ کے سامنے تعریفی کلمات کہتے۔ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے انسانی شکل میں ایک فرشتہ نازل فرمایا۔ آپ نے معمول کے مطابق اس کے پاس آکر پوچھا تو اس فرشتے نے کہا داؤد اچھا آدمی ہے لیکن اس کی ایک عادت اچھی نہیں ہے۔ داؤد علیہ السلام یہ جملہ سن کر گھبرا گئے۔ پوچھا وہ کوئی عادت ہے؟ فرشتے نے کہا وہ بیت المال سے خود بھی کھاتا ہے اور اپنے اہل و عیال کو بھی کھلاتا ہے (اور یہی کام اچھا نہیں ہے) آپ نے اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی کہ روزگار کا کوئی ایسا سبب پیدا فرما دے کہ میں بیت المال کے پیسے سے مستغنی ہو جاؤں اور اپنے روزگار سے خود بھی کھاؤں اور اپنے عیال کو بھی کھاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور آپ کے ہاتھوں میں لوہے کو نرم فرما دیا اور آپ کو زہ سازی کا ہنر سکھایا۔ سب سے پہلے زہ سازی کا کام آپ نے شروع فرمایا۔ روایت ہے کہ آپ ایک زہ چار ہزار درہمیں فروخت کرتے تھے۔ اس سے خود کھاتے تھے اور اپنے اہل و عیال کو بھی کھلاتے تھے اور اس سے کچھ فقراء و مساکین پر صدقہ فرما دیتے تھے۔ یہ بھی ذکر ہے کہ آپ ہر روز ایک زہ بنا دیتے تھے جسے چھ ہزار درہمیں فروخت کرتے تھے۔ دو ہزار درہم اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے تھے اور چار ہزار درہم غم فرماؤں پر صدقہ کرتے تھے (1)۔

حضرت مقدم بن معد کرب سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص نے اس سے بہتر کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھا جائے۔ اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے (2)۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے بھی یہ روایت لکھی ہے لیکن اس کے الفاظ مختلف ہیں اگرچہ مفہوم ایک ہے (3)۔

أَن اَعْمَلْ سِعْتٍ وَقَدْ رَفِي السَّرْدُ وَاَعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

”اور (کلمہ دیا) کہ کشادہ زر ہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو اور (اے آل داؤد!) نیک کام کیا کرو بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو میں انہیں خوب دیکھ رہا ہوں۔“

لے اعمل سے پہلے ان مصدر یہ یا مفرہ ہے۔ سعت سے مراد مکمل اور کشادہ زر ہیں جنہیں پسینے والے زمین پر گھسیٹ کر چلیں۔ السرد کا معنی زہرہ بنا ہے۔ یعنی زرہ ہیں ایسی بناؤ جن کے حلقے مناسب ہوں اور ان کے کیل بڑے مہارت سے لگائے گئے ہوں۔ وہ زرہیں نہ تو اتنی نرم ہوں کہ خود بخود انکھی ہو جائیں اور نہ اتنی سخت ہوں کہ حلقے ٹوٹ جائیں۔ صالحا مفوعیت یا مصدریت کی بناء پر منصوب ہے۔ آخر میں فرمایا جو تم کرتے ہو میں وہ دیکھ رہا ہوں، میں تمہیں اس کی جزا دوں گا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اس لئے وہ پاک چیز کو پسند فرماتا ہے۔ مومنین کو اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کا حکم دیا جس کا اس نے انبیاء کرام کو حکم دیا تھا۔ فرمایا إِنَّا نَحْنُ الْوَسْلُ فَاَعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (الحديث 4)۔

اور ہماری بادشاہی سے خروج پر قادر نہیں ہیں، یعنی جب اپنی مجبوری اور اپنا نرمے میں ہوتا دیکھ چکے ہیں تو اب انہیں ڈرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کیسے انہیں زمین میں دھنسا دے جیسا کہ اس نے قارون کے ساتھ کیا تھا۔ یا ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا رادے جیسے اس نے قوم لوط پر آسمان سے پتھر برسا کے تھے جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول اور آیات کی تکذیب اور انکار کیا تھا۔

۱۔ یہ آسمان اور زمین جس کا وہ مشاہدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے کمال قدرتِ امرنے کے بعد اٹھنے اور مگرین خدا کو عذاب دینے کے جواز پر کھلی دلیل ہیں لیکن اس شخص کے لئے جو تہ دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔ کیونکہ ایسا شخص ہی قدرت کی نشانیوں میں کثرت سے غور و فکر کرتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يُجِبَالٌ أَوْ يَمَعَهُ الطَّيْرُ ۖ وَأَتَيْنَاهُ الْحَدِيدَ ﴿١٠﴾

”بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت بخشی ۱۔ (ہم نے حکم دیا) اسے پہاڑ و تسبیح کو اس کے ساتھ مل کر ملے اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا ہے نیز ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا ہے۔“

۱۔ یعنی حضرت داؤد کو ہم نے بہت سے اپنے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے جہاں بندوں پر فضیلت دینے کا ذکر ہے الحمد للہ الہی فضلنا علی کثیر من عبادہ المومنین۔

ان کریم نوازیوں اور کریم گستری میں نبوتِ کتابِ بادشاہی، حسنِ صوت اور لوہے کا نرم ہونا سب شامل ہیں۔ فضلًا: آئینہ کا مفعول ہے اور ”منا“ اس کا حال ہے۔

۲۔ یہ فضل سے بدل ہے یا قول کی تقصیر کے ساتھ آئینے سے بدل ہے، نقدِ یریں ہوں گی قلنا یا جبال اوبی معہ۔ یعنی اسے پہاڑ و اس کے ساتھ تسبیح بیان کر دو۔ ایاب کا معنی لوہا ہے، یعنی جب داؤد علیہ السلام تسبیح کریں تو تم بھی تسبیح کرو۔ یا ایاب کا معنی تسبیح کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں اؤب۔ جب کوئی تسبیح بیان کرے کیونکہ تسبیح کرنے والا ہر غیر سے مدد موزر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ قصی کہتے ہیں یہ العاویب فی السیر سے مشتق ہے، جس کا معنی پورا دن چلنا ہے اور رات کو نزل کرنا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا جب دن چڑھے تو تم اس کے ساتھ تسبیح کرتے ہوئے چلو۔ وہ سب فرماتے ہیں اوبی معہ کا معنی نوحی معہ ہے یعنی اس کے ساتھ نوحہ کرو۔

۳۔ الطیر۔ الجبال پر معطوف ہے یعقوب نے لفظ پر محمول کرتے ہوئے الطیر کو مرفوع پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے محل کا اعتبار کرتے ہوئے منصوب پڑھا ہے اور فضل پر عطف کے اعتبار سے یا اوبی کے مفعول معہ کے اعتبار سے منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اوبی کی ضمیر پر عطف ہو۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں اصل عبارت اس طرح تھی وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا وَهِيَ تاویب الجبال والطیر۔ لیکن عظمت الہیہ اور شانِ کبریائی کے اظہار پر دلالت کرنے کے لئے اسلوب بیان کو تہیل فرما دیا گویا پہاڑ اور پرندے بھی عقلاء کی طرح اس کے حکم کے سامنے سر اُٹگندہ ہیں اور ہر چیز میں اس کی مشیت کا رد فرما ہے (۱)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح کرتے ہوئے پہاڑوں کے درمیان سے گزرتے تو وہ بھی آپ کی طرح تسبیح کرتے (۲)۔ بعض علماء فرماتے ہیں جب حضرت داؤد علیہ السلام کو کمزوری لاحق ہوئی تو آپ کو چوکنا اور آپ کے جذبات کو برا بھلا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ انہیں پہاڑوں کی تسبیح سنا تے۔

جس لوہا آپ کے ہاتھوں میں موم اور آلے کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور آپ بغیر آگ اور ہتھوڑے کی ضرورتیں لگانے کے اس سے جو چاہتے بنا لیتے تھے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ لوہے کا آپ کے ہاتھوں میں نرم ہونا اس وجہ سے تھا کہ آپ کو جب بنی اسرائیل کی بادشاہی عطا کی گئی تو آپ کی عادت سمار کر تھی کہ آپ غیر معروف صورت بنا کر باہر نکل جاتے پھر جب کوئی انجان آدمی دیکھتے تو اس کے پاس جا کر پوچھتے کہ تم اپنے والی (بادشاہ) کے متعلق کیسا گمان رکھتے ہو، وہ کیسا آدمی ہے تو لوگ آپ کے سامنے تعریفی کلمات کہتے۔ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے انسانی شکل میں ایک فرشتہ نازل فرمایا۔ آپ نے معمول کے مطابق اس کے پاس آکر پوچھا تو اس فرشتے نے کہا داؤد اچھا آدمی ہے لیکن اس کی ایک عادت اچھی نہیں ہے۔ داؤد علیہ السلام یہ جملہ سن کر گھبرا گئے۔ پوچھا وہ کونسی عادت ہے؟ فرشتے نے کہا وہ بیت المال سے خود بھی کھاتا ہے اور اپنے اہل و عیال کو بھی کھلاتا ہے (اور یہی کام اچھا نہیں ہے) آپ نے اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی کہ روزگار کو کوئی ایسا سبب پیدا فرما دے کہ میں بیت المال کے پیسے سے مستغنی ہو جاؤں اور اپنے روزگار سے خود بھی کھاؤں اور اپنے عیال کو بھی کھلاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور آپ کے ہاتھوں میں لوہے کو نرم فرما دیا اور آپ کو زہرہ سازی کا ہنر سکھایا۔ سب سے پہلے زہرہ سازی کا کام آپ نے شروع فرمایا۔ روایت ہے کہ آپ ایک زہرہ چار ہزار درہم ہوں میں فروخت کرتے تھے۔ اس سے خود کھاتے تھے اور اپنے اہل و عیال کو بھی کھاتے تھے اور اس سے کچھ فقراء و مساکین پر صدقہ فرما دیتے تھے۔ یہ بھی ذکر ہے کہ آپ ہر روز ایک زہرہ بناتے تھے جسے چھ ہزار درہم ہوں میں فروخت کرتے تھے۔ دو ہزار درہم اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے تھے اور چار ہزار درہم غریب و مساکین پر صدقہ کرتے تھے (۱)۔

حضرت مقدم بن معد کرب سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص نے اس سے بہتر کھانا نہیں کھایا جو اپنے اتھ کی کمانی سے کھایا جاتا ہے۔ اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمانی سے کھاتے تھے (۲)۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے بھی یہ روایت لکھی ہے لیکن اس کے الفاظ مختلف ہیں اگرچہ مفہوم ایک ہے (۳)۔

اِنْ اَعْمَلْ سَيِّئَةً وَكُنْ مِنْ رِفِ السَّوْءِ اَعْمَلْ اَصْلِحًا ۖ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

”اور (حکم دیا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (انکے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو اور (اے آل داؤد!) نیک کام کیا کرو بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو میں انہیں خوب دیکھ رہا ہوں۔“

۱۔ اعمل سے پہلے ان صدر یہ یا مفسرہ ہے۔ سیخفت سے مراد مکمل اور کشادہ زرہیں ہیں جنہیں سیننے والے زمین پر گھسٹ کر چلیں۔ السرد کا معنی زرہ بنانا ہے۔ یعنی زرہیں ایسی بناؤ جن کے حلقے مناسب ہوں اور ان کے کیل بڑے مہارت سے لگائے گئے ہوں۔ وہ زرہیں نہ تو اتنی نرم ہوں کہ خود بخود اکٹھی ہو جائیں اور نہ اتنی سخت ہوں کہ حلقے ٹوٹ جائیں۔ صالحا مفعولیت یا مصدریت کی بناء پر منصوب ہے۔ آخر میں فرمایا جو تم کرتے ہو میں وہ دیکھ رہا ہوں، میں تمہیں اس کی جزا دوں گا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اس لئے وہ پاک چیز کو پسند فرماتا ہے۔ مومنین کو اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کا حکم دیا جس کا اس نے انبیاء کرام کو حکم دیا تھا۔ فرمایا يٰۤاَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ خُذُوا مِنْ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (الحديث ۴)۔

وَالسَّيِّئِينَ الَّذِينَ عُذِّبُوا فِي أَسْوَاقِهِمْ وَأَسْأَلَهُ عَنِ الْقَطْرِ ۖ وَمِنْ
الْجَنِّ مَنْ يَّعْبُدُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ يَّوْغِرْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا لِنُقِئَهُ
مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾

”اور ہم نے سحر کردی سلیمان کے لئے ہوا۔ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی ہے۔ اور ہم نے جاری کر دیا ان کے لئے پچھلے ہوئے تانبے کا چشمہ۔ اور کئی جن (ان کے تابع کردیے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے۔ اور جو سر تابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چھٹاتے۔ بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے۔“

ابوبکر نے عاصم کی روایت سے الویج کو مرفوع پڑھا ہے۔ اس بناء پر کہ اس کی خبر محذوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے: ولسلیمان الویج مسخرة۔ جملہ اسمیہ ذکر فرمایا تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ حضرت سلیمان کے لئے ہوا کا سحر ہونا عوام الناس میں ثابت شدہ امر تھا اور زبان زد عام تھا۔ یا الویج اس بناء پر مرفوع ہے کہ یہ مسخوف فعل مجہول کا نائب الفاعل ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہے سحر الویج۔ باقی قراء نے الویج کو منصوب پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ فعل محذوف مسخونا کا مفعول ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے مسخونا لسلیمان الویج۔ پھر یہ جملہ یا جبال اوبی معہ والطیر کے کلام سے مفہوم اہہ مسخونا مع داود الجبال یسبحن والطیر پر معطوف ہے۔ اور ان الفاظ کے ساتھ سورۃ الانبیاء میں ذکر بھی ہے۔

یہ جملہ مستند ہے، یعنی صبح سے زوال تک ایک ماہ کی منزل طے کرتی اور زوال سے شام تک بھی ایک ماہ کی منزل طے کرتی۔ حضرت اکمن فرماتے ہیں حضرت سلیمان صبح دمشق سے چلتے تو قیلوہ مسطر میں فرماتے اور ان دونوں شہروں کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہے۔ پھر اصطر سے چلتے اور رات بابل میں گزارتے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان بھی ایک تیز رفتار سوار کے لئے ایک ماہ کی مسافت ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپ صبح کا کھانا یہ میں تناول فرماتے اور شام کا کھانا سمرقند میں کھاتے (۱)۔

س القطر کا معنی پچھلا ہوا تانبا ہے۔ واسلنا الخ کا عطف مسخونا لسلیمان الویج کے جملہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پچھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری فرما دیا ہے۔ چونکہ وہ تانبا پانی کی طرح کان سے نکلتا تھا اس لئے اسے ”عینا“ (چشمہ) فرمایا ہے امام بغوی لکھتے ہیں کہ اہل تفسیر فرماتے ہیں تانبے کا چشمہ آپ کے لئے عین کی طرف پانی کی طرح جاری کیا گیا تھا۔ اب بھی عین کے باشندے اس سے منفعت حاصل کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جاری فرمایا تھا (۲)۔

س الویج کی مرفوع تقدیر کی صورت میں من موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا ہوگا اور خبر مسخرة محذوف ہوگی اور من الجن۔ بعمل کی ضمیر مستتر سے حال ہوگا اور اس جملہ اسمیہ کا عطف ”الویج مسخرة“ جملہ اسمیہ پر ہوگا۔ اور الویج کی منصوب تقدیر کی صورت میں اسم موصول الویج پر معطوف ہوگا اور من الجن اسم موصول سے حال مقدم ہوگا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی مسخونا لہ من يعمل بین یدیه من الجن۔ باذن ربہ بعمل کے متعلق ہے۔ اور اس کا معنی ہامرہ و حکمہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم سے) یا بار اذتہ وتسخیرہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی تفسیر سے) ہے۔

ہے اور جنوں میں سے جو حضرت سلیمان کی فرمانبرداری اور تابعداری میں کوتاہی کا مظاہرہ کرتا، ہم اسے آگ کے عذاب کا مزہ پکھاتے۔ بعض علم فرماتے ہیں عذاب سے مراد عذاب آخرت ہے۔ بعض فرماتے ہیں اس سے مراد دنیا میں آگ سے جلا نا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر ان اور امر سے مراد امر تکلفی ہو تو پھر عذاب کی تفسیر عذاب آخرت سے مناسب ہے کیونکہ آخرت ہی دار جزاء ہے اور اگر ان سے مراد ارادہ اور تغیر ہو جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر عذاب سے مراد عذاب دنیا ہوگا۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جنوں پر ایک فرشتہ مسلط فرمایا تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا تھا، جو جن حضرت سلیمان کے حکم سے سر تاب کرتا تو وہ فرشتہ اسے آگ کا کوڑا مارتا جو اسے جلا دیتا (۱)۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے جنوں سے کام کا ارادہ کیا تھا تو پھر جنوں سے عدول اور تفرمانی کیسے ممکن تھی کیونکہ ان کی سر تاب اور عدول تسلیم کیا جائے تو ارادہ الہیہ سے مراد کا تخلف ہونا لازم آتا حالانکہ ارادہ الہیہ سے مراد کا تخلف محال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ من الجن میں من تعضیہ ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ بعض جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت بجالائیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمایا تھا جو اس جن کو عذاب دیتا تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے اعراض کرتا۔ ظاہر میں اکثر جنوں کا حضرت سلیمان کی خدمت کرنے کا یہی سبب ہے۔ یا یہ معنی ہوگا کہ جو ان میں سے عدول اور تفرمانی کا ارادہ کرتا تو فرشتہ اسے مراد یا حتی کہ وہ انحراف چھوڑ دیتا اور مطیع و فرمانبردار بن جاتا۔

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَ تَسَابِيلٍ وَ جَفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُورٍ
شَرِيسَةٍ ۚ اَعْمَلُوا لَال دَاوُدْ سَكْرًا ۚ وَ قَالِيْلٌ مِّنْ عِبَادِي الشُّكُورُ ۝

”وہ بناتے آپ کے لئے جو آپ چاہتے ہیں ہتھیاروں سے۔ جسے بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں اور بھاری دھلیں جو چاہوں پرچی رہتیں۔ اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو۔ اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔“

۱۔ يَعْمَلُونَ لَهُ۔ یا تو سابقہ آیت میں بعمل کے فاعل سے حال ہے یا جملہ مستانہ ہے۔ محارِب سے مراد مضبوط قلعے، اونچی اور بلند و بالا مساجد اور خوشنما محلات ہیں۔ ان کو محارِب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان پر آسانی سے قبضہ نہیں دیا جاتا بلکہ ان کا دفاع کیا جاتا ہے اور ان کی خاطر جنگ کی جاتی ہے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ جنوں نے جو عبادت گاہیں حضرت سلیمان کے حکم سے بنائی تھیں ان میں بیت المقدس بھی تھا۔ اس کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھی تھی اور آدمی کے قد کے برابر دیواریں کھڑی بھی کی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اس گھر کی تعمیر تیرے ہاتھوں مکمل کرنے کا فیصلہ نہیں کیا لیکن تیرے بعد تیرے بیٹے کو اقتدار عطا کروں گا اور اس کے ہاتھوں اس کی تکمیل کروں گا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا وصال ہوا اور حضرت سلیمان ان کی منہ پر آئے تو انہوں نے بیت المقدس کی تکمیل کا پروگرام بنایا۔ آپ نے جنوں اور شیطانوں کو جمع کیا اور ان میں کام اور ذیوائی کو تقسیم فرما دیا۔ ہر گروہ کو وہ کام سونپا گیا جو وہ کر سکتا تھا۔ پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں اور شیطانوں کو بھیجا کہ سفید رنگ مرمر لے آؤ۔ پھر آپ نے سنگ مرمر اور چٹانوں سے شہر کی بنیادیں بنانے کا حکم دیا۔ آپ نے بارہ محلے بنائے اور ہر محلے میں ایک ایک قبیلہ کو بسایا۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے۔ جب آپ شہر کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو مسجد بنانے کا پروگرام بنایا۔ شیطانوں کے گروہوں کو مختلف چیزیں لانے کے لئے حکم فرمایا۔ بعض کو حکم دیا کہ وہ سونا

چاندی اور یا قوت معادن سے اور سچے موتی سمندر سے ڈھونڈ کر لے آئیں۔ ایک گروہ کی ذیوبی لگائی تھی کہ وہ جواہر اور پتھر لے آئیں۔ ایک گروہ کو کستوری، عذیر اور دوسری پاکیزہ خوشبوئیں لانے پر مقرر فرمایا۔ پس آپ کے حکم سے اتنا خام مال اکٹھا ہو گیا کہ اس کی مقدار صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم تھی۔ اس کا شمار انسانی عقل سے وراہ تھا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے معماروں کو بلایا اور انہیں بلند اور بڑے بڑے پتھروں کے گھڑنے اور تراشنے کا حکم دیا۔ اور ان کی تختیاں اور پلٹیں بنانے کا ارشاد فرمایا۔ پھر جواہر کی اصلاح اور موتیوں کے سوراخ نکالنے کا کام شروع فرمایا۔ مسجد کی تعمیر اس طرح ہوئی کہ اس میں سفید زرد و سبز پتھر استعمال ہوا اور اس کے ستونوں پر صاف شفاف پتھری پلٹیں لگائی گئیں اور چھت پر قیمتی جواہر کی تختیاں لگائی گئیں۔ چھت اور دیواروں پر موتی اور یاقوت اور دوسرے جواہر لگائے گئے۔ فرش پر فیروزج کی تختیاں بچھائی گئیں۔ اس زمانہ میں بیت المقدس سے زیادہ منور اور خوش منظر کوئی دوسری عمارت نہ تھی۔ وہ اس طرح چمکتی تھی جیسے چودھویں کی رات چاند چمکتا ہے۔ جب تعمیر و تزئین کا سلسلہ مکمل ہو گیا تو آپ نے بنی اسرائیل کے علماء کو اکٹھا کیا اور انہیں بتایا کہ یہ گھر خاصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بنایا گیا ہے اور اس میں ہر چیز خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس دن آپ اس عظیم کام سے فارغ ہوئے تو اس دن کو بطور عید منایا (۱)۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ نے رب کریم کی بارگاہ سے تین چیزوں کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں عطا فرمادیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری چیز بھی اس کو عطا فرمادی ہوگی۔ پہلی درخواست یہ تھی کہ وہ ایسا فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو پراز حکمت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمنا پوری فرمادی۔ دوسری گزارش یہ کہ انہیں ایسی بادشاہی عطا کی جائے جو کسی کو پھر کبھی میسر نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش بھی قبول فرمائی۔ تیسری عرض یہ کہ جو اس مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے جیسے بچہ اس دن گناہوں سے پاک ہوتا ہے جس دن والدہ اسے جنم دیتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیز بھی عطا کر دی ہوگی۔ علامہ بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے (۲)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا انسان کی اپنے گھر میں نماز ایک نماز کا ثواب رکھتی ہے اور مسجد قیام بھی کچھ نمازوں کا ثواب رکھتی ہے۔ اور جامع مسجد میں ایک نماز پانچ سو نمازوں کا ثواب رکھتی ہے۔ اور مسجد اقصیٰ کی ایک نماز ہزار نمازوں کا ثواب رکھتی ہے اور میری مسجد کی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کا ثواب رکھتی ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کا ثواب رکھتی ہے۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ثواب کی کثرت کی نیت سے سفر نہ کرو مگر تین مساجد کی طرف ثواب کی زیادتی کی نیت سے سفر کرو۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔ (بخاری، مسلم)

مسئلہ: کیا سونے اور چاندی یا اس جیسی دوسری چیزوں سے مساجد کی آرائش اور تزئین جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں مسجد کی آرائش اور تزئین مکروہ ہے کیونکہ اس میں مال کا ضیاع ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے مساجد کو پختہ کرنا کتابرا ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مساجد کی ضرورت آرائش ہوگی جیسا کہ یہود نے اپنے عبادت خانوں کی آرائش کی تھی، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے مساجد کی تزئین اور آرائش بھی ہے۔ اور بعض

علماء فرماتے ہیں تزئین و آرائش کرنا قربت ہے کیونکہ اس میں مسجد کی تعظیم ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیت المقدس کی مسجد کی تزئین کرنا اس قول کی تائید کرتا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں مسجد کی تزئین اور آرائش اس وقت جائز ہے جب کوئی اپنے مال سے خرچ کر کے ایسا کرے۔ مسجد کے متولی کے لئے صرف اتنا جائز ہے کہ وہ مسجد کی مضبوطی کے لئے وقف مال سے خرچ کرے۔ تزئین و آرائش اور زیب و زینت کے لئے خرچ نہ کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو ضامن ہوگا۔ ابن ہام فرماتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ مسجد کی آرائش پر خرچ کرنے کی ہنسیت فقیر کو مال دینا زیادہ بہتر ہے۔ اور اکثر علماء کے نزدیک مسجد میں پکڑنا ساج اور سونا کے پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علماء کا لایا اس (کوئی حرج نہیں) فرمانا اشارہ ہے کہ مسجد کی تزئین پر خرچ کرنے سے اجڑ نہیں ملے گا لیکن خرچ کرنے سے گنہگار بھی نہ ہوگا، ہدایہ میں اسی طرح لکھا ہے۔ ابن ہام فرماتے ہیں کہ رات باریک باریک نقش و نگار بنانے میں ہے خصوصاً محراب میں دقیق نقش بنانا مکروہ ہے یا کراہت اس صورت میں ہے کہ تزئین تو کی جائے لیکن نماز ترک کی جائے۔ یا تزئین تو ہو لیکن حقوق مسجد ادا نہ کئے جائیں مثلاً لوگ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتے ہوں اور آوازوں کو بلند کرتے ہوں۔ جیسا کہ سرکار کی حدیث میں اشارہ ہے ”کاسکے دل ایمان سے خالی ہیں“ میں کہتا ہوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کو تزئین مسجد کے لئے دلیل بنانے سے نبی کریم ﷺ کی حدیث کی اتباع بہتر ہے کیونکہ سابقہ شریعتوں پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن جب ہماری شریعت میں سابقہ کسی شریعت کے حکم کے مخالف کوئی قول نہ ہو پھر سابقہ شریعت کے حکم پر عمل کرنا جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مسجد کی تزئین کرنا ایک خاص غرض پر مبنی تھا اور وہ غرض یہ تھی کہ شیطان اس کام میں مصروف رہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی انہیں فرصت ہی نہ ملے۔ واللہ اعلم۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں مؤرخین فرماتے ہیں کہ بیت المقدس حضرت سلیمان کی بنیادوں پر قائم رہا اور اس میں کوئی تعمیر و تہذیب نہ ہو تھی کہ بہت نصیر نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور شہر کو توڑ پھوڑ دیا اور مسجد کے نقش و نگار کو بھی اکھیر دیا اور جو کچھ اس کی چھت اور دیواروں پر چھتی جو ابروہ موتی اور سونا چاندی لگا تھا وہ سب اٹھا کر ساتھ لے گیا۔ اس وقت اس کا دار الخلافہ عراق تھا۔

یہن میں جنوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بڑے عظیم الشان پتھروں سے قلعے تیار کئے تھے (۱)۔ جنوں کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ تانبے، پتیل، شیشے اور سنگ مرمر سے بت اور مجسمے بناتے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں وہ درندوں اور پرندوں کے مجسمے بناتے تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ مساجد میں ملائکہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور نیک لوگوں کی تصویریں اور مجسمے بناتے تھے تاکہ لوگ انہیں دیکھیں اور ان کے شوق عبادت میں اضافہ ہو۔ مصوری ان کی شریعت میں مباح تھی۔ میں (مفسر) کہتا ہوں شاید تمنا شیل سے مراد غیر ذی روح کی تصاویر ہوں (جو ہماری شریعت میں بھی جائز ہیں) کیونکہ انسان کے بت اور مجسمے کی عبادت تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے بھی کی جاتی تھی مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا فَاٰتٰیہَا مَآلِکَ وَ الشَّٰمَیْنِیْنِ الرَّحْمٰنِ اَنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ۔

صحیحین میں ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر مصور آگ میں ہوگا (۲)۔ ابن عباس نے ایک شخص سے فرمایا اگر مصوری تیرا پیشہ ہے تو تو درختوں اور غیر ذی روح چیزوں کی تصویر بنایا کر (۳)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث عام ہے، ہر مصور کو شامل ہے، اس امت کے مصوروں کے ساتھ خافہ نہیں ہے۔ یہ خبر ہے اس لئے

نسخ اور تبدیلی کا احتمال نہیں رکھتی۔ حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت ہے کہ جو شخص کوئی تصویر بنائے گا اسے عذاب دیا جائے گا اور اسے قیامت کے روز اس تصویر میں روح پھونکنے پر مجبور کیا جائے گا اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے (1)۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہونگی جو دیکھ رہی ہوں گی۔ دو کان ہوں گے جو سن رہے ہوں گے۔ اور زبان ہونگی جو بول رہی ہوگی وہ کہے گی، مجھے تین قسم کے آدمیوں پر مسلط کیا گیا ہے۔ (1) ظالم جاہل۔ (2) جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو الہ پکارتا ہے۔ (3) مصورین (2)۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری تخلیق کی مثل تخلیق کرنے کی (نا کام) کوشش کرتا ہے وہ جیونی پیدا کریں دانہ پیدا کریں جو پیدا کریں (3) (وہ بگڑا یا نہیں کر سکتے) اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ ان احادیث کا سابق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تصویر کی حرمت اس امت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ حرمت سب امتوں کیلئے ہے۔ یہ نہ کہا جائے کہ مصنی علیہ السلام بھی تو مٹی سے مجسمے بناتے تھے کیونکہ آپ کا صورتیں بنانا باذن الہی تھا کان بخلق من الطین کھینچنا الطیر فیصنع فیہ طیراً باذن اللہ۔

تصویر بنانا اس کے لئے حرام ہے جو اس میں روح پھونکنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اسے قیامت کے روز اس تصویر میں روح پھونکنے پر مجبور کیا جائے گا لیکن وہ اس میں پھونک نہیں سکے گا۔

اس جفۃ کی جمع مغلان ہے اور اس کا معنی بڑے بڑے پیالے ہیں۔ جواب جالبۃ کی جمع ہے۔ جس کا معنی بڑا احض ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے، یہ جسی الخوراج سے مشتق ہے۔ بڑے خوش کو جالبہ اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں پانی جمع ہوتا ہے۔ یہ صفات غالب میں سے ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں وہ پیالے اتنے بڑے تھے کہ ایک پیالہ سے ہزار آدمی بیک وقت کھاتے تھے (4)۔ ابن کثیر نے وصل اور وقف دونوں صورتوں میں یاء کے اثبات کے ساتھ الجوابی پڑھا ہے ورس اور ابو عمرو نے صرف وصل کی صورت میں یاء کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے قدور و امیبات سے مراد بڑی بڑی بھاری بھرم دیکھیں ہیں جو جاست اور بوائی کی وجہ سے اپنی جگہ سے اٹھ کر نہیں جاسکتی تھیں اور بیڑیوں کے ذریعے ان کے اوپر چڑھا جاتا تھا اور یہ سب چیزیں یمن میں تھیں۔

ہم نے داؤد اور آل داؤد کو تحم دیا کہ ہماری ان بے شمار نعمتوں پر شکر ادا کرو۔ شکر پر توبہ قنوت بیان کرنے کے لئے ہے کیونکہ کثرت سے شکر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلہ میں کم ہے اور تمام نعمتوں کا شکر بشری طاقت سے ورا ہے۔ بلکہ ساری مخلوق بھی شکر کی صحیح ادائیگی سے قاصر ہے۔ شکر آیا تو مفعول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یعنی میری نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے میری اطاعت میں اعمال کرو۔ یا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ طاعت کا عمل بھی شکر ہے۔ یا مصدر کی صفت کے اعتبار سے منصوب ہے۔ یعنی اعملوا عملاً شکراً۔ یا حال کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یعنی شکر کرتے ہوئے نیک اعمال کرو۔ یا مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یعنی اعملوا عملاً شکراً (شکر ادا کرو) جعفر بن سلیمان کہتے ہیں میں نے ثابت کو یہ فرماتے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے رات دن کے اوقات کو اپنے خاندان پر اس طرح تقسیم کیا تھا کہ چوبیس گھنٹوں میں کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرتا تھا کہ جس میں آل

داؤد کا کوئی فرد عبادت میں مصروف نہ ہو (۱)۔

۵۔ حمزہ نے عبادی کو یاد کے سکون کے ساتھ اور باقی قراء نے یاد کے فتنہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ شگور وہ شخص ہوتا ہے جو زبان اور جوارح کے ساتھ اکثر اوقات شکر کرتا ہے اور دل کے ساتھ ہمیشہ شکر میں مصروف رہتا ہے۔ اور یہ کیفیت دل کے قیام ہونے اور دوام ضروری کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس فائیت اور استغراقیت کے باوجود شکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ شکر کی توفیق بھی ایک نعمت ہے اس کے لئے پھر شکر کا ضروری ہے۔ گویا یہ سلسلہ لایا نہایت تک چلا جاتا ہے اسی لئے علماء فرماتے ہیں شگور وہ ہے جو اپنے آپ کو شکر کی ادائیگی سے عاجز سمجھے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهِمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَن لَّوْكَأُوهُم بِأَعْيُنِنَا فَوَافَيْنَا فِي الْعَذَابِ الْمُوْحِنِينَ ﴿٥٠﴾

”پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا۔ نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کے دیکھ نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو پس جب آپ زمین پر آ رہے تو جنوں پر یہ بات کھل گئی لگو وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہے اس رسوا کن عذاب میں۔“

۱۔ قَضَيْنَا کا معنی حکمنا ہے، یعنی ہم نے فیصلہ کیا۔ علیہ کی تفسیر مراد سلیمان علیہ السلام ہیں۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ اہل علم فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس میں ایک سال یا دو سال یا ایک ماہ یا دو ماہ یا اس سے کم و بیش عرصہ کے لئے گوشہ نشین ہو جاتے تھے، آپ کے لئے کھانا اور پانی بھی وہاں پہنچایا جاتا تھا۔ پس ایک دفعہ آپ اپنی عبادت گاہ میں داخل ہوئے اور باہر نہ آئے، اندر رہی آپ کا وصال ہو گیا۔ اس سلسلہ کا آغاز اس طرح ہوا کہ ہر صبح بیت المقدس میں جہاں آپ عبادت میں مصروف رہتے تھے ایک بوٹی پیدا ہو جاتی۔ آپ اس بوٹی سے اس کا نام پوچھتے اور اس کا فائدہ پوچھتے تو وہ اپنا نام اور اپنی خاصیت بتا دیتی۔ پھر اگر وہ لگانے والی بوٹی ہوتی تو آپ اسے زمین میں لگوا دیتے۔ اور اگر وہ دواء کیلئے استعمال ہونے والی ہوتی تو آپ لکھ لیتے۔ حتیٰ کہ ثرو بہ کا درخت اگا۔ آپ نے پوچھا تو کون سا درخت ہے؟ اس نے کہا خرد بہ (المناس) پھر آپ نے پوچھا تو کس لئے پیدا ہوا ہے؟ اس نے کہا آپ کی مسجد کو خراب کرنے کے لئے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا اللہ کریم کی یہ شان نہیں کہ میری زندگی میں اس مسجد کو بے آباد کر دے۔ تو ہے وہ جس کی وجہ سے میری ہلاکت ہوگی اور بیت المقدس کی خرابی ہوگی۔ آپ نے اسے اکھیر اور اپنے باغ میں لگا دیا۔ اور پھر دعارفائی اسے اللہ جنوں پر میری موت کو پوشیدہ رکھتا کہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جن غیب نہیں جانتے۔ جن یہ لافیں مارتے تھے کہ ہم غیب کا علم رکھتے ہیں یا جو کچھ کل ہونا ہے اسے بھی جانتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اپنی عبادت گاہ میں داخل ہوئے اور عصا پر سہارا لے کر عبادت میں مصروف ہو گئے۔ آپ کا کھڑے کھڑے انتقال ہو گیا۔ آپ کی عبادت گاہ کے آگے پیچھے روشندان تھے۔ کھنکھن اور مشقت طلب کاموں میں جو جن آپ کی زندگی میں مصروف تھے روشندانوں سے دیکھتے تو یہ گمان کرتے کہ آپ زندہ ہیں۔ انہوں نے آپ کی نماز کی طوالت اور لوگوں کی طرف باہر نہ آنے کو عجیب نہ سمجھا اور آپ کے وصال کے بعد بھی اپنے اپنے کاموں میں جتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کے عصا کو دیکھ گھائی اور آپ زمین پر گر پڑے۔ جب آپ گرے تو جنوں کو آپ کے وصال کا پتہ چلا (۲)۔ ابن عباس فرماتے ہیں

جنوں نے دیمک کا شکر یہ ادا کیا۔ اور وہ اب بھی لکڑی کے خول میں دیمک کے لئے پانی اور مٹی لاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے ابن یزید سے روایت کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ جب تجھے میری روح قبض کرنے کا حکم ملے تو کچھ عرصہ پہلے مجھے آگاہ کرنا۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے کہا اے سلیمان مجھے تیری روح قبض کرنے کا حکم مل گیا ہے۔ اب تجھ کو اعرصہ باقی ہے۔ حضرت سلیمان نے تمام جنوں کو اکٹھا کیا اور انہیں حکم دیا کہ ان پر شیشے کا کمرہ بنادو جس کا دروازہ نہ ہو آپ اس کے اندر اعصاب پر ٹیک لگا کر عبادت میں مصروف ہو گئے۔ اسی حالت میں آپ کی روح قبض ہو گئی (۱)۔ لیکن آپ اسی حالت میں کھڑے رہے۔ حتیٰ کہ دیمک عصا کو کھٹا گئی اور آپ گر پڑے۔ انہوں نے وہ شیشہ کا کمرہ کھولا اور آپ کی موت کا وقت جاننے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے عصا پر دیمک کو رکھا اور ایک دن اور ایک رات میں جتنا اس نے عصا کو کھٹایا۔ اس سے انہوں نے حساب لگایا اس اندازہ سے پتہ چلا کہ آپ ایک سال سے وصال فرما چکے ہیں۔

۲۔ دلہم میں جم غفیر سے مراد جن سلیمان علیہ السلام کی آل ہے دایۃ الارض کو فارسی میں دیوک کہتے ہیں۔ یہ ایک جھوٹا سراسر کڑا ہے جو لکڑی کو کھٹا جاتا ہے۔ اور الارض سے مراد گیلی مٹی ہے۔ دایۃ کھو الارض کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں الارض ارضت الخشبۃ کا مصدر ہے یعنی لکڑی کو دیمک کھٹا گئی۔ یہ کسی شے کو اپنے فعل کی طرف مضاف کرنے کے قبیل سے ہے جیسے بقرہ الحوت اور رجل الحرب میں اسم کو فعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ فاکل دایۃ الارض سے حال ہے۔ منساقۃ کا معنی عصا ہے اور یہ نسات الغنم سے مشتق ہے جس کا معنی بکریوں کو بانک کر لیجاتا ہے۔ اسی سے نساء اللہ فی اجلہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر میں تاخیر فرمائی۔ نافع اور ابو جعفر نے منساقۃ میں ہمزہ کی جگہ الف ساکن پڑھا ہے۔ اور ابن ذکوان نے ہمزہ ساکن کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اصل پر ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ تاکلی کا مفعول ہے اور جزہ جب وقف کرتے ہیں تو اسے بین میں پڑھتے ہیں۔ خو کا معنی گرنا ہے۔ یعنی جب سلیمان علیہ السلام زمین پر گر پڑے تو جنوں پر ظاہر ہوا۔ ان مختلفہ من مسئلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر نشان محمد وصف ہے۔ عذاب مہین سے مراد مشقت طلب کام ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا لیکن وہ آپ کو زندہ گمان کر رہے تھے۔ اُن اپنے صلہ کے ساتھ مل کر الجن سے بدلہ لے رہے تھے، یعنی لوگوں پر ظاہر ہو گیا کہ جنوں کو غیب کا علم نہیں ہے کیونکہ وہ پہلے انسانوں پر مسائل کو مشتبہ کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ سے ان کا پول کھول دیا۔ اور اس طرح لوگوں کو انکی ذہنیوں کا علم ہو گیا۔ اسی مفہوم کی تائید حضرت ابن مسعود اور ابن عباس کی قراءت کرتی ہے فیست الانس۔ یعنی انسانوں کو پتہ چل گیا کہ اگر غیب کا علم ہو گیا ہے تو اس تکلیف میں مبتلا نہ رہتے۔ بعض علماء نے آیت کا معنی نکھا ہے کہ جنوں نے جان لیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے اُن نے تاویل انتہائی غریب اور بعید سے کیونکہ جن اپنی جہالت کو جانتے تھے لیکن انسانوں کے سامنے وہ اپنی طلیعت کا جوئی کرتے تھے۔ علامہ ابنی فرماتے ہیں اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی عمر تین سو سال تھی اور بادشاہی کی مدت چالیس سال تھی۔ آپ جب بادشاہ بنے تو آپ کی عمر تیرہ سو سال تھی۔ اور بادشاہ بننے کے چار سال بعد بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز فرمایا تھا (۲)۔

ابن ابی حاتم نے علی بن رباح سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں مجھے ایک شخص نے بتایا کہ فروہ بن مسیک الخططانی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے نبی قوم سبا کو زمانہ جاہلیت میں عزت حاصل تھی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اسلام سے مرد نہ ہو

جائیں کیا وہ انکار کریں تو میں ان سے جنگ کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابھی تک مجھے انکے متعلق کوئی حکم نہیں ملا ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ ۚ جَاءَتْهُمْ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۚ لُغُؤًا مِنْ بَرَدٍ ۚ
رَبِّهِمْ وَأَشْكَرُوا ۚ وَاللَّهُ بِذَنبِهِمْ ظَلِيمٌ ۖ وَرَبُّ غَفُورٌ ۙ ⑤

”قوم سبا کے لئے ان کے مسکن میں ہی نشانی موجود تھی (وہاں) دو باغ تھے ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور اس کا شکر ادا کرو۔ اتنا پاکیزہ شہر اور ایسا رب غفور! (اے سب! تمہاری خوش بختی کا کیا کہنا) ہے“

یعنی قوم سبا کے مسکن میں ایسی نشانی تھی جو ہماری قدرت کے کمال اور ہمارے شکر کے جواب کی دلیل تھی۔ البری اور ابو عمرو نے سبا کو بغیر تنوین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ قبیلہ کا نام ہے اور غیر منصرف ہے اور اس میں دو سبب تانیث اور طیت ہیں۔ قبیل نے وقف کی نیت سے حمزہ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے تنوین کے ساتھ مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ آدمی کا نام ہے۔ حفص حمزہ اور کسائی نے مسکنہم کو سین کے سکون اور بغیر الف کے مفرد کا صیغہ پڑھا ہے لیکن حمزہ اور حفص قیاس کے مطابق کاف کو فتح دیتے ہیں اور کسائی کسرہ دیتے ہیں ان الفاظ پر محمول کرتے ہوئے جو خلاف قیاس آتے ہیں جیسے مسجد مطلع وغیرہ۔ باقی قراء نے سین کے فتح اور الف کے ساتھ جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بن مسیک الغطیمی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! اس کے متعلق ارشاد فرمائیے وہ مرد تھا یا عورت تھی یا کسی جگہ کا نام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ عربوں میں سے ایک مرد تھا جس کے دس بیٹے تھے، ان میں سے چھ یمن میں سکونت پذیر تھے اور چار شام میں آباد تھے۔ یمن میں تھے ان کے نام یہ ہیں 1۔ کندہ 2۔ اشعر یوں 3۔ ازد 4۔ مذحج 5۔ انمار 6۔ حمیر۔ ایک شخص نے پوچھا انمار کون تھے؟ فرمایا یمن میں سے شعم اور خیل ہیں۔ اور وہ چار جو شام میں آباد تھے ان کے نام یہ ہیں 1۔ عاملہ 2۔ جذام 3۔ لخم 4۔ عسنان۔ اسی طرح احمد وغیرہ نے ابن عباس سے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ سبا کا نسب اس طرح ہے سبا بن شجب بن عراب بن قحطان (1)۔ جنتان۔ آیہ سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ آلایہ جنتان۔ اور جنتان سے بہت سے باغات مراد ہیں۔ یعنی شہر کی دائیں جانب بھی باغات تھے اور بائیں جانب بھی باغات تھے یا یہی معنی کہ ہر شخص کا اپنے مسکن اور رکش کے دائیں بائیں ایک ایک باغ تھا۔

ان کو نبی کے ذریعے یہ کہا گیا کہ ان باغات کے پھلوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق دیا ہے اس سے کھاؤ اور جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں ان پر اس منعم متقی کا شکر ادا کرو۔ یا دلالت حال تقاضا کر رہی تھی کہ انہیں شکر کرنے اور ان باغات سے پھل کھانے کو کہا گیا ہے۔

یا تو یہ مستقل کلام ہے اور شکر کے موجب پر دلالت کرتی ہے، یعنی تمہارا یہ شہر بہت پاکیزہ ہے انہیں ان گنت پھل ہیں اور اس کی زمین شور و غل نہیں ہے۔ سدی اور متاعل فرماتے ہیں کہ ایک عورت ٹوکرا سر پر رکھ کر باغات کے اندر سے گزرتی تو وہ ٹوکرا خود بخود مختلف پھلوں سے بھر جاتا تھا۔ یا تمہ سے توڑنے کی زحمت بھی نہیں اٹھانی پڑتی تھی (2)۔ ابن زید فرماتے ہیں ان کے شہر میں مجھر، بکھی، پونچھو اور سانپ وغیرہ بالکل نہ تھے۔ اگر کوئی شخص ان کے شہر سے گزرتا اور اس کے کپڑوں پر جو کچھ ہوتی تو شہر کی پاکیزہ فضا کی وجہ سے وہ

جوئیں خود بخود مر جائیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد بملۃ طیۃ سے مراد فضاء اور ہوا کی پاکیزگی ہے (۱)۔ رب غفور کے متعلق مقاس فرماتے ہیں وہ رب گناہوں پر قلم غفور بخیرنے والا ہے۔ اگر تم اس کی ادا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرو (۲)۔ وہ رب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سب کی طرف تیرہ انبیاء کرام ببعث فرمائے تھے۔ ہر ایک نے انہیں دعوت تو حیددی اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں انہیں یاد دلایں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں ڈرایا (۳) (لیکن)

فَاَعْرِضُوا اَقْرَبًا سَلَامًا عَلَيْهِمْ سَبِيلَ الْعَرِیرِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ
اُكْلٍ حَظٍّ وَاَثْلٍ وَشَتَّىٰ عِزٍّ یَسْذِرُ قُلُوبَ ۝

”پھر انہوں نے سہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا۔ اور ہم نے بدل دیا ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے جن کے پھل ترش اور کڑوے تھے اور ان میں بھجوا کے بولے اور چند پیری کے درخت تھے۔“

۱۔ اس ناشکری قوم نے انبیاء کرام کی روشن تعلیمات سے اعراض کیا اور انہیں جھٹلایا اور کہنے لگے ہمارے پاس جو کچھ سامان وادویش موجود ہے یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی نعمت نہیں ہے بلکہ ہماری اپنی محنت اور کوشش کا ثمر ہے۔ انبیاء کرام کو کہنے لگے اگر یہ تمہارے رب کی عطا ہے تو اسے کوکھ طافت ہے تو ہم سے یہ نعمتیں روک لے۔ اس گستاخانہ رویہ پر اللہ تعالیٰ نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا۔ العرم کا معنی مشکل ہے اور یہ عوم الرجل سے مشتق ہے جس کا معنی یہ کہ اس کا خلق برا ہے اور سخت ہے یا عرم سے مراد شدید بارش ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر سرخ پانی کا سیلاب بھیج دیا تھا۔ بعض فرماتے ہیں العرم کا معنی وادی ہے۔ اس کی اصل العراء ہے جس کا معنی شدت اور قوت ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی پانی کو روکنے کا بند ہے، بعض فرماتے ہیں اس کا معنی جنگلی چوہا ہے اور بیل کو اس کی طرف مضاف اس لئے کیا گیا کیونکہ چوہے نے اس بند میں سوراخ کیا تھا جو بلیقےس نے لوگوں کی صلاح کے لئے تعمیر کیا تھا۔ قاموس میں ہے عرم نہ فرخہ کے وزن پر ہے اور اس سے مراد وہ بند ہے جو وادی کے سامنے بنایا جاتا ہے اور اس کی جمع غرم ہے یا یہ ایسی جمع ہے جس کا واحد نہیں ہے یا اس سے مراد پانی کے وہ ذخیرے ہیں جو وادی کے اندر مختلف مقامات پر بنائے جاتے ہیں یا اس کا معنی جنگلی چوہا ہے۔ یا تیز بارش ہے یا وادی ہے۔ یہاں ہر معنی مراد ہو سکتا ہے۔

۲۔ علامہ ابنوی لکھتے ہیں ابن عباس اور ابن وہب وغیرہما نے فرمایا عرم سے مراد وہ بند ہے جو ملک بلیقےس نے تعمیر کرایا تھا اور اس کا سبب یہ ہوا کہ لوگ وادی کے پانی پر جنگ و جدل کرتے تھے۔ تو ملک بلیقےس نے فساد کو دور کرنے کے لئے ایک ڈیم (بند) تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ دو پہاڑوں کے درمیان بڑی بڑی چٹانوں اور تارکول کے ذریعے بند بنایا گیا تھا۔ اوپر نیچے اس کے تین دروازے تھے، اس کے نیچے ایک بہت بڑا تالاب تھا جس سے بارہ نہریں نکلی گئیں تھیں۔ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اس کے گیٹ کھولتے اور بند کرتے تھے جب بارش ہوتی تو یمن کی ساری وادی کا پانی اس ڈیم میں جمع ہو جاتا تھا اور پہلے ضرورت کے مطابق اوپر والا گیٹ کھولا جاتا جس سے ڈیم کا پانی نیچے والے تالاب میں پہنچتا اور وہاں سے حسب ضرورت نہروں میں پانی چھوڑا جاتا پھر جب پانی کی سطح کم ہوتی تو دوسرا گیٹ کھولا جاتا پھر جب پانی مزید کم ہوتا تو نیچے والا گیٹ کھولا جاتا۔ پانی اتنا جمع ہوتا تھا کہ پورے سال کی ضروریات کے لئے کافی ہوتا تھا۔ کچھ مدت تو لوگ اللہ تعالیٰ کی عنایات سے لطف اندوز ہوتے رہے لیکن بعد میں سرکشی اور ناشکری کے راستوں

پر چلنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے راہ روی اور کفرانِ نعمت کی پاداش میں ان کو تباہ کرنے کے لئے ان پر ایک جنگلی چوہا مسلط کر دیا۔ اس نے نیچے سے اس ڈھیم میں سوراخ کر دیا جس کی وجہ سے پانی باغات اور فصلوں میں سیلاب کی طرح بکھر گیا اور ساری زمین کی زرخیزی اور بہتری کو ضائع کر دیا (۱)۔

وہب فرماتے ہیں ان کے اپنے کانوں نے بتایا تھا کہ ان کے بند کو ایک چوہا توڑے گا تو انہوں نے ہر دو پتھروں کے درمیان ایک بلی باندھ دی تھی تاکہ چوہے کوئی سوراخ نہ کر سکیں۔ جب قدرت خداوندی نے ان کو غرق کرنے کا فیصلہ فرمایا اور ان کے غرق ہونے کا وقت پہنچ گیا تو ایک بڑا سرخ رنگ کا چوہا آیا اور اس نے بلیوں پر حملہ کر دیا بلیاں ڈر کے مارے پتھروں کے اندر چھپ گئیں اور اس طرح وہ چوہا ایک سوراخ کے اندر داخل ہوا اور اس بند کو اندر سے نکھودنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وہ بند کمزور ہو گیا، جبکہ انہیں اس خفیہ تدبیر کا علم نہ تھا۔ جب بارشوں کا پانی آیا تو وہ اس سوراخ میں داخل ہو گیا حتیٰ کہ اس بارش پانی کی کثرت کی وجہ سے بند ٹوٹ گیا اور ہر چیز کو نیکوں کی طرح بہا کر لے گیا اور ان کے گھروں اور محلوں کو ریت میں دفن کر دیا۔ وہ سب کے سب غرق ہو گئے اور ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ اور ان کی جمیعت مختلف علاقوں میں تہہ بتر ہو گئی۔ حتیٰ کہ وہ عرب میں ضربِ ابلش بن گئے۔ عرب کہتے صارِ هو فلاں ابدی سبا او ابدی سبا۔ یعنی فلاں قبیلہ اس طرح بکھر گیا جس طرح قوم سبا کو راستوں نے ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ فلاں سلنا علیہم سیل العرم کا یہی مفہوم ہے۔ حمیر کی لغت میں بند کو عرم کہتے ہیں (۲)۔

جہ نافع اور ابن کثیر نے کاف کے سکون کے ساتھ ”اُکُل“ پڑھا ہے اور باقی قراء نے کاف کے ضمہ کے ساتھ ”اُکُل“ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ قاموس میں ہے الاکل بالضم وبالضمین النضر والبرق۔ یعنی صرف ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہوا ہمزہ اور کاف دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہوں دونوں کا معنی پھل اور رزق ہے۔ جمہور نے اُکُل پڑھا ہے اور ابو عمر نے اس کو خمط کی طرف مضاف کیا ہے۔ جمہور کی قرأت پر خمط، اکل کی مفت ہے۔ اور اس کا معنی ترش یا کڑوا ہے یا خمط اکل کا عطف بیان یا بدل ہے اور اس کا معنی پیلو کا پھل ہے اور ابو عمر کی قراءت پر ہر وہ بوئی مراد ہوگی جس کا ذائقہ کڑوا ہو۔ یا پیلو کا درخت اور اس جیسا کوئی اور درخت مراد ہے اور یہ لفظ مشترک ہے۔ قاموس میں الخط کے معانی لکھے ہیں ہر چیز کا کڑوا یا ترش حصہ اور ہر بوئی جس کا ذائقہ کڑوا ہو (۳)۔ ایسا درخت جس کی بویری کی طرح ہو ایک قاتل درخت۔ ہر ایسا درخت جس کے کاٹنے نہ ہوں۔ پیلو کا پھل۔ بعض نے اس کا معنی پیلو کا درخت لکھا ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں تھنیر کلام اس طرح ہے اُکل اکل خمط، مضاف کو حذف کیا گیا اور مضاف الیک کو بدل یا عطف بیان ہونے میں مضاف کے قائم مقام رکھا گیا (۴)۔ یہ ترکیب اس وقت ہوگی جب جمہور کی قراءت کا اعتبار کیا جائے اور خط سے درخت مراد لیا جائے۔ امام بخاری نے اکل کا معنی پھل اور خمط کا معنی پیلو اور اس کا پھل لکھا ہے جسے ہر ایک کھا جاتا ہے۔ یہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ میرد کہتے ہیں خط سے ہر وہ بوئی مراد ہے جس کا ذائقہ کڑوا ہو۔ ابن الاعرابی فرماتے ہیں اس درخت کا پھل مراد ہے جسے فسوفہ الصبیح کہا جاتا ہے، یہ شفا کش کی شکل میں ہوتا ہے اور خود بخود جھڑ جاتا ہے۔ اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا جاتا (۵)۔ اکل کا معنی جھاؤ کا درخت ہے اور یہ اکل پر معطوف ہے۔ خمط پر معطوف نہیں کیونکہ اس کا پھل نہیں ہوتا۔ بعض علماء فرماتے

2۔ تفسیر بخاری، جلد 5، صفحہ 235 (التجاریہ)

1۔ تفسیر بخاری، جلد 5، صفحہ 236 (التجاریہ)

4۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کا زرونی، جلد 4، صفحہ 397 (القرن)

3۔ القاموس المحیط، جلد 1، صفحہ 899 (الترغاب والترغی)

5۔ تفسیر بخاری، جلد 5، صفحہ 237 (التجاریہ)

ہیں اٹل ایک درخت ہے جو جھاؤ کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ صدر کی صفت قلیل ذکر فرمائی کیونکہ یہ پیری کا عمدہ درخت ہے اور اس کا پھل بھی اچھا ہے اسی وجہ سے باغات میں اسے لگایا جاتا ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں صدر سے مراد وہ عمدہ پیری کا درخت نہیں ہے جو باغات میں لگایا جاتا ہے بلکہ یہ جنگلی ہیر ہے جو کسی کام میں مفید نہیں ہوتی اور نہ اس کے پتے کسی ضرورت میں کام آتے ہیں (۱)۔ پھلدار یا غوں کے مقابلہ میں ترش درختوں اور چند پیری کے درختوں کو بھی جھینن فرمایا ہے تو یہ مشاکلت کے طور پر ہے (مشاکلت بلاغت کا ایک قاعدہ ہے کہ جس میں ایک کام کی سزا کو بھی اس کام کے الفاظ میں تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسے ارشاد ہے جزاء سببہ سببہ) نیز یہ ان سے استہزاء کرنے کے لئے کہا ہے۔

ذٰلِكَ جَزَاءُ مَنۢ يَّكْفُرۡ اَوْ اٰتٰهُنَّ جَزَآءٌ ۙ اِلَّا اَنۡكَفَرُوۡا ۚ

”یہ بدلہ دیا ہم نے انہیں بوجہ ان کی احسان فراموشی کے اور جزا احسان فراموش کے ہم کے ایسی سزا دیتے ہیں۔“
 لہٰذا مالک مفعول مطلق کی حیثیت سے محل نصب میں ہے یا مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہے اور مابعد کلام اس کی خبر ہے۔ اور ذالک سے مراد عقاب اور بدلہ دینا ہے۔ ان کے کفر سے مراد یا تو کفرانِ نعمت ہے یا رسولوں کی تکذیب ہے۔ حفصؓ حمزہ اور کسائی نے نجازی کو کون اور زاء کے کسرہ کے ساتھ متکلم معروف پڑھا ہے اور کفود پر مفعولیت کی بناء پر نصب پڑھی ہے، جبکہ باقی قراء نے یحجازی یعنی یاہ اور زاء کے فتح کے ساتھ غائب مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور الکفود کو نائب الفاعل کی حیثیت سے رفع دیا ہے۔ یعنی منافق صرف ایسے ناشکرے شخص سے ہوگا۔ متکلم کے صیغہ کی صورت میں یہ معنی ہوگا کہ ہم منافق صرف ایسے ناشکرے اور احسان فراموش سے کریں گے۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمۡ وَبَيْنَ الْفَرَسِ الْيَبْرُكَةَ فَفِيْهَا قُرًىٰ ظٰهِرَةٌ ۙ وَقَدْ رَمٰنَا فِيْهَا
 السَّيْرُ ۚ سَيَّرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ ۙ وَآيٰمًا مِّنْ يَّوْمَيْنِ ۝۱۰

”اور ہم نے بے سادی تمہیں ان کے درمیان اور ان شہروں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی اور کئی بستیاں سرراہ اور ہم نے منزلیں مقرر کر دی تھیں ان میں آنے جانے کی راہ۔ سیر و سیاحت کرو ان میں (جب چاہو) رات یا دن کے وقت امن و امان سے۔“

لہٰذا جَعَلْنَا کا عطف بدلنا پر ہے۔ اگرچہ عیش و نشاط کا سلسلہ اور زمانہ تبدیلی سے پہلے کا ہے لیکن یہاں تبدیلی کے بعد ان کے عیش و آرام کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں داو مطلق جمع کے لئے ہے، ترتیب کے لئے نہیں ہے۔ اس لئے اس اسلوب میں کوئی چیز قابلِ اعتراض نہیں ہے، بیہوشی میں ہم ضمیر کا مرجع اہل سبا ہیں۔ باد کھٹا فیہا سے مراد یہ ہے کہ ہم نے ان بستیوں میں نہریں جاری کی تھیں اور پھل دار درخت لگا دیئے تھے۔ ان بستیوں کے کینوں کو خوشحال بود باش عطا فرمائی تھی، ان بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں۔ قری ظاہرہ سے مراد یہ ہے کہ ہر بستی دوسری کے قریب ہونے کی وجہ سے آنے سامنے تھی۔ ان بستیوں میں سفر کی منزلیں مقرر تھیں۔ جب وہ چلے تو رات ایک بستی میں گزارتے تو قبیلہ دوسری بستی میں کرتے۔ انہیں سفر میں زادہا ساتھ لے جانے کی بھی زحمت نہ اٹھانا پڑتی تھی (ہر بستی میں آرام و سکون اور خورد و نوش کے لئے سرائیں اور شاندار ہوٹل اور ریسٹورنٹ موجود تھے) بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ چار ہزار رات سو بستیاں تھیں جو سب سے شام تک متصل اور قریب قریب تھیں۔ قاعدہ فرماتے ہیں ایک عورت

چرخہ (نگلا) ہاتھ میں لئے اور نوکر اس پر اٹھائے گزرتی تو اپنے چرخہ کے ساتھ ان آبادیوں کو طے کرتی اور ابھی سفر مکمل نہیں ہوا ہوتا تھا کہ نوکر خود بخود مختلف پھلوں سے بھر جاتا تھا۔ یمن اور شام کے درمیان سارا راستہ اسی طرح پھلدار درختوں سے آباد تھا (۱)۔

یعنی ہم نے انہیں حکم دیا کہ ان بستیوں میں بلا خوف دن رات سیر وساحت کرو۔ یا زبان حال سے کہہ تم ان میں بلا روک ٹوک صبح و شام سیر و تفریح کرو کیونکہ جب ان کو سیر وساحت پر قدرت دی گئی تو گویا انہیں ان میں ساحت کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی یہاں سفر جب چاہو کرو صبح و شام کی کوئی پابندی نہیں ہے، رات ہو یا دن ایسا ماحول بنا دیا گیا ہے کہ نہ کسی ڈاکو کا خطرہ ہے اور نہ کسی ڈنڈے کا۔ نہ بھوک کا اندیشہ ہے اور نہ پیاس کا۔ لیکن کم ظرفوں کو نعمتوں کی یہ بھر مار اس نہ آئی سرکشی اور ناشکری کرنے لگے اور کہنے لگے اگر ہماری یہ سفر کی منزلیں کچھ مسافت پر ہوتیں تو زیادہ مناسب تھا۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِنَا أَفْسَافًا ۖ نَاوْظِلُّوهُمۡ ۖ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۖ وَمَثَلَهُمْ
كُلَّ مَثَرَقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝

”پھر وہ بولے اے ہمارے رب! دور دراز کر دے ہماری مسافتوں کو (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان (کی جمعیت) کو پارہ پارہ کر دیا (سبا کی اس داستان) میں عبرت کی نشانیاں ہیں ہر بہت مہربمت شکر کرنے والے کے لئے۔“

۱۔ قالوا کا عطف جملہ پر ہے ابن کثیرؒ ابو عمرؒ اور ہشام نے باعد کو بعد یعنی عین کی تفسیر کے ساتھ باب تقبیل سے پڑھا ہے اور باقی قراء نے الف کے ساتھ باب مفاعلہ سے پڑھا ہے۔ یعنی انہوں نے یہ دعا کی کہ ہمارے دور درمیان اور شام کے درمیان سنناں صحراء اور چٹیل میدان بنادے تاکہ ہم سوار یوں پر سفر کریں اور زارہ ساتھ لے جائیں اور تجارت میں نفع اٹھائیں اور لوگوں پر فخر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی (اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات اور قابل نظارہ سرسبز و شاداب مناظر قدرت نے فوراً ختم کر دیئے) یعقوب نے رینا کو مبتدا کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اور بعد کو مبین اور دال کے فقرے کے ساتھ ماضی کا صیغہ پڑھا ہے گویا انہوں نے شرارۃ اور تکبر ان منازل کے اتنے قریب ہونے کے باوجود ان کی دوری کا شکوہ کیا۔ ظلمو کا عطف قالوا پر ہے۔ فجعلناہم احادیث یعنی ہم نے ان کی عظمت و ارجمندی کو قصہ پارینہ بنا دیا۔ لوگ فقط ان کا اظہار توجہ کے لئے تذکرہ کرتے ہیں اور بطور ضرب المثل ان کا نام استعمال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں تفروا ابدی سبا یعنی کہتے ہیں فلاں قوم اس طرح بکھر گئی اور پارہ پارہ ہو گئی جیسے قوم سبا کو راستوں نے ایک دوسرے سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جدا کر دیا تھا۔ کل معزق مفعول مطلق ہے، یعنی ہم نے ان کی جمعیت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اور ان کو پوری طرح تتر بتر کر دیا ہے۔ مٹھی فرماتے ہیں جب قوم سبا کی بستیوں غرقاب ہو گئیں تو وہ مختلف ممالک میں بکھر گئے قبیلہ نسان شام میں، قبیلہ ازد عمان میں، خزاعہ قحطانہ میں اور خزیمہ عراق میں آباد ہو گیا۔ اوس و خزرج مدینہ طیبہ چلے گئے (۲)۔ اوس و خزرج آل انمار ہیں سب سے پہلے ان کا بزرگ جو مدینہ پہنچا تھا وہ عمرو بن عامر تھا۔

۲۔ اور قوم سبا کی عبرت تاکہ داستان سے صرف وہی لوگ سبق حاصل کر سکتے ہیں جو گناہوں سے اپنے نفسوں کو روکنے والے ہوں مصائب پر صبر کرنے والے ہوں اور طاعات پر دوام اور مواعبت اختیار کرنے والے ہوں نیز ان میں نعمتوں پر شکر کرنے کی صفت بھی

بدرجہ اتم موجود ہو۔ مقابل فرماتے ہیں صبار شکوہ سے مراد اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ایماندار لوگ ہیں جو مصیبتوں پر شکوہ اور آہ و فغاں نہیں کرتے بلکہ صبر کا دامن پکڑے رہتے ہیں اور نعمتوں کے ملنے پر کم تر فخر ویاں اور دوسرے بہت لوگوں کی طرح اپنے نعمت حقیقی کو بھول نہیں جاتے بلکہ ہر لحاظ پر ان اور دل سے شکر ادا کرتے رہتے ہیں (۱)۔ مطرف نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ میں کہتا ہوں صبار اور شکوہ سے مراد وہ شخص ہے جو ہمیشہ صبر و شکر کا مظاہرہ کرنے والا ہو کیونکہ دنیا دار انجمن اور دارالبلاء ہے حتیٰ کہ اس میں نعمتیں بھی آزمائش ہیں۔ بندے کو نعمت کے ذریعے آزمایا جاتا ہے کہ شکر کرتا ہے یا نہیں اس میں موت و حیات دونوں امتحان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَالْحَيَوةَ لِيَمْلَأَهُمُ الْإِيمَانُ أَحْسَنَ عِلْمًا جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔ پس صبار سے مراد وہ شخص ہے جو ہمیشہ گناہوں سے اپنے نفس کو روک رکھتا ہے مصائب پر صبر کرتا ہے اور طاعات پر قائم رہتا ہے۔ ہر مصیبت اور آزمائش گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ اس لئے ہر آزمائش جس طرح صبر کا موجب ہوتی ہے اسی طرح شکر کی بھی مقتضی ہوتی ہے پھر صبر کی توفیق بھی اللہ کی نعمت ہے جو پھر شکر کا تقاضا کرتی ہے۔ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اِلَاحُ الْمَحْضُوبِ الدُّعْوَىٰ انْعَامِهِ فَهُوَ اَوَّلُیْ بِالشُّكْرِ یعنی محبوب کی طرف سے تکلیف اس کے انعام سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔ پس وہ شکر کا زیادہ تقاضا کرتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

فَاتَيْنِي فِي الْوَصَالِ غَيْبُ نَفْسِي وَفِي الْهَجْرَانِ مَوْلَى الْمَوَالِي
(وصال کی حالت میں میں اپنے نفس کا ادنیٰ غلام ہوتا ہوں اور ہجر و فراق کی حالت میں سرداروں کا بھی سردار ہوتا ہوں)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایمان کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ صبر ہے اور دوسرا حصہ شکر ہے (2)۔ اس حدیث کو نبیؐ نے شعب الایمان میں روایت فرمایا ہے میں کہتا ہوں مومن مکمل ایمان والا ہوتا ہے اور ہمیشہ ان دونوں صفات سے متصف ہوتا ہے، کسی ایک صفت سے محروم نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾

”اور جب تک سچ کر دکھایاں (ناگھڑوں) پر شیطان نے اپنا گمان لے سوا وہ اس کی تابعداری کرنے لگے۔ ہر مومنوں کے ایک گروہ کے (جو حق پر ڈھارہا) ہے۔“

۱۔ عَلَیْہِمْ کَیْ حَسْبُہُم کَیْ مَرجع بقول مجاہد تمام لوگ ہیں اور بعض علماء فرماتے ہیں اس کا مَرجع قوم سب کے کافر ہیں۔ یعنی ابلیس نے ان پر اپنا گمان کج کر دکھایا۔ شیطان نے مہلت ملنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ ڈنگ ماری تھی کہ تیری عزت کی قسم! میں تمام کو گمراہ کروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پاے گا۔ اس وقت اسے یہ یقین تھا لیکن جب اس نے ان ناشکرؤں کو اپنے دام ہرنگ زمیں میں پھنسانیا اور وہ اس کے قبیح اور بد و کار بن گئے تو اس نے اپنے گمان کو کج کر دکھایا یا اپنے گمان کو سچا پایا۔ یہ معنی اہل کونہ کی قرأت پر ہے جنہوں نے صدق کو بابت تعمیل سے وال کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی پہلے تو اس نے ان کے متعلق گمان کیا تھا لیکن پھر ان کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہونے کے ساتھ اپنے گمان کی تصدیق کر دی۔

دوسرے قراء نے صدق کو دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ اپنے گمان میں سچا نکلا اور اس فعل کو

مفعول کی طرف بغیر صلہ کے متعدی کرنا جائز ہے جیسا کہ صدق وعدہ ہے کیونکہ یہ قول کی ایک قسم ہے۔ تنبیہ کہتے ہیں جب اہلس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت عطا فرمادی، اس وقت اس نے کہا لا ضلھم ولا غوھم (میں انہیں ضرور گمراہ کروں گا اور راہ راست سے ہٹا دوں گا) یہ بات کرتے وقت اس کو یقین نہ تھا کہ وہ اس دعویٰ کو پورا کر بھی سکے گا۔ اس نے یہ گمان کے ساتھ کہا تھا لیکن جب اہل سب اس کے پیچھے میں پھنس گئے اور انہوں نے اس کی اتباع شروع کر دی تو اس کا گمان درست ہو گیا (۱)۔

۱۔ اہل سب اس سے یا تمام لوگوں میں کچھ ایسے خوش غیب تھے جو اس کی گمراہی سے بچ گئے تھے۔ سدی نے حضرت ابن عباس سے نقل فرمایا ہے کہ من المؤمنین سے مراد تمام مؤمنین ہیں (اس صورت میں من بیان یہ ہوگا) یعنی کسی مومن نے اصل دین میں شیطان کی اتباع نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ جَاؤُكَ نَجِسٌ لَّكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (ترجمہ) بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا۔ (یعنی اس آیت میں عبادی سے مراد مومنین ہیں (2) اور مومنین پر شیطان کو تسلط نہیں ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ مومنین میں سے کسی نے اصل دین میں اس کی پیروی نہیں کی) بعض علماء فرماتے ہیں ”من“ بعض ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بعض مومنین اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لَنَعْلَمَنَّ مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ وَمَنْ هُوَ مِنْهَا
فِي شَكٍّ ۚ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝

”اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو (کہ وہ بے بس ہوں)۔ مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے۔ اور (اے حبیب!) آپ کا رب برجہ پر نگہبان ہے۔“

۱۔ گمان فعل ناقص ہے اور سن زائدہ اور سلطان اس کا اسم ہے۔ لہٰذا طرف مشرق کان کی خبر ہے علیہم ظرف کے متعلق ہے۔ یعنی شیطان کو ان کے دلوں میں دوسرہ انداز کی کرنے اور جھوٹی امیدیں اور آرزوئیں دلانے کی قدرت نہ تھی مگر ہم نے جب اسے ان پر مسلط کر دیا اور اسے کہا وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَفْلَحَ مِنْهُمْ يَفْلُحْ وَيَضْلِكْ وَاسْتَفْلَحَ مِنْهُمْ يَفْلُحْ وَاسْتَفْلَحَ مِنْهُمْ يَفْلُحْ وَاسْتَفْلَحَ مِنْهُمْ يَفْلُحْ (ترجمہ) اور اگر وہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز (کی نفسوں کا رے) سے اور دھوا بول دے ان پر اپنے گھونٹے سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ۔ تو اس میں یہ دوسرہ ڈالنے اور بہکانے کی قدرت پیدا ہوئی۔

۲۔ لعلم کا معنی التعمیر ہے، یعنی ہم تمیز کر دیں کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے تاکہ ہم ہر کسی کو اپنے عمل اور کردار کے مطابق جزاء و سزا دیں۔ حضرت حسن فرماتے ہیں اہلس نے نہ تو بندوں پر تھوڑا سوچی، نہ ان کو کوڑا لگا یا بلکہ اس نے تو صرف جھوٹے وعدے اور جھوٹی آرزوئیں دلائی اور لوگ بھاری اس کے مکر و فریب کے جال میں پھنس گئے (3)۔ اس آیت پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت کا مفہوم تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا۔ شیطان کے لوگوں کو انوار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو علم ہوا کہ کون مومن ہے اور کون کافر ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ کا علم ازلی قدیم اور سرمدی ہے، حادث نہیں ہے لیکن معلوم چیز کے ساتھ علم کا تعلق حادث ہے اور یہاں حصول علم سے مراد تعلق علم ہے۔ پھر اس پر یہ شبہ وارد ہو سکتا ہے علم جب تک معلوم کے متعلق نہ ہو تو معلوم عالم پر منکشف نہیں ہوتا کیونکہ علم معلوم سے تعلق سے پہلے علم بالقہ ہوتا ہے، علم بالفعل نہیں ہوتا۔ پس تعلق علم کا حادث ہونا وجودی سے پہلے جہالت کے پائے جانے کا متقاضی ہے اعتراض پھر باقی رہتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ کا علم حادث کے وجود سے پہلے بھی اس کے ساتھ متعلق تھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا موجود ہونا بھی منکشف تھا۔ یہ چیز پہلے ہی علمی کا تقاضا نہیں کرتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کے معدوم ہونے کے وقت جس طرح اس کے متعلق تھا اسی طرح اب اس کے وجود کے متعلق ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ موجود کے ساتھ ہمارا علم متعلق ہو جائے جس طرح اس کے معدوم ہونے کے ساتھ ہمارا علم متعلق تھا۔ اس پر پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تغیر کو قبول کرتی ہے (پہلے اس کے علم کا تعلق معدوم سے تھا، اب اس کے علم کا تعلق وجود سے ہو گیا) بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ زمانہ اپنے تمام اجزاء کے ساتھ اور جو کچھ زمانہ میں موجود ہے سب کا سب اللہ کی بارگاہ قدس میں حاضر ہے، اس کا علم زمانہ اور زمانیات کے متعلق قدیم اور سرمدی ہے۔ تقدیم و تاخیر کا تعلق زمانہ کے اعتبار سے ہے۔ مثلاً زید جو ایک وقت میں موجود ہے اور ایک وقت میں غائب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں حالات میں حاضر ہے۔ اسی طرح اس کا پہلے ایک جگہ ہونا اور دوسری جگہ نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مقام پر حاضر موجود ہے اس کے مکان کی تبدیلی سے اللہ کی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ پس آیت کا معنی یہ ہے تاکہ ہم اپنے علم قدیم سے جان لیں کہ کون مومن ہے اور کون شک میں مبتلا ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے علم کی مسبوقیت کی منتفی نہیں اور یہ بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ سابقیت اور مسبوقیت تو وہاں متصور ہوتی ہیں جہاں زمانہ کا اجراء ہو، اسی طرح فوق و تحت اس چیز میں ہوتا ہے جس کو کوئی مکان گنیرے ہوئے ہو۔ وہ ذات جو زمان و مکان کی خالق ہے وہ ان صفات (سابقیت مسبوقیت فوق و تحت) سے منزہ اور میرا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے اور معلوم کا حادث ہونا علم کے حادث ہونے کا متقاضی نہیں ہے کیونکہ معلوم زمانہ کے ساتھ گھرا ہوا ہوتا ہے اور علم اس کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ پس ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

سے اللہ تعالیٰ زمانہ اور زمانیات مومن و کافر ہر چیز کو تارنے والا ہے اور ہمیشہ اس کی محافظت کرنے والا ہے، وہ کسی چیز سے بے خبر نہیں ہے اس لئے ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

قُلْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ دَعَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ مَقْعَالَ ذَرِّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ

وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَہُمْ فِیْہَا مِنْ شَیْءٍ وَّ مَا لَہُمْ مِنْ ظٰہِیۃٍ ۝۱۱

”آپ فرمائیے (اے مشرکوں) تم پکارو کچھ جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو۔ یہ تو ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں ہیں۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین و آسمان میں کچھ حصہ ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ان میں سے کوئی مددگار ہے۔“

لے دَعَعْتُمْ کے دونوں مفعول ہم اور اللہ محذوف ہیں۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے زعموہم اللہ۔ پہلے مفعول ”ہم“ کو تنخیف کے لئے حذف کیا گیا کیونکہ موصول اور صلہ کے ساتھ کلام طویل ہو جاتی ہے اور دوسرے مفعول الہ کو مفعول ثانی بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ ہم ضمیر مفعول اول کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔ (ہم من دون اللہ صرف اس صورت میں کہا جاسکتا ہے جب

موصوف کو مقدر مانا جائے) اسی طرح لامعلکون بھی مفعول ثانی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا جن کو تم گمان کرتے ہو کہ وہ مالک نہیں ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ گمان نہیں تھا۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اپنے دھوکے میں سچے ہو تو تو جو جی میں آتا ہے ان سے منفعت کا حصول یا دفع مصیبت طلب کرو شاید وہ تمہاری بات قبول کر لیں۔ گویا یہ کلام قیاس استثنائی سے شرطیہ پر دلالت کرتی ہے۔ تقدیر کا کام اس طرح ہے، یعنی اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا یہ خدا ہیں تو پھر جس تم پکارو گے تو وہ تمہاری پکار کا جواب دیں گے۔ لیکن وہ بے بس صورتیں تو کسی چیز کی مالک ہی نہیں۔ لامعلکون کا جملہ متناہ ہے جو استثناء پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی وہ خیر و شر کسی کے بھی مالک نہیں ہیں، وہ تمہیں جواب نہیں دیتے تو ثابت ہو گیا کہ تمہارا ان کے متعلق الہ (خدا) ہونے کا خیال باطل ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کا ذکر فرمایا کہ ان میں وہ بت کسی ذرہ برابر کے مالک نہیں ہیں۔ تو ان کا یہ ذکر عرف کی حیثیت سے ہے ورنہ وہ تو کسی امر کے کہیں بھی مالک نہیں ہیں۔ یا اس لئے زمین و آسمان کا ذکر فرمایا کہ ان کے بعض اہل سادی تھے جسے ملائکہ اور ستارے اور بعض زمینی تھے جیسے بت۔ یا اس لئے ان کا ذکر فرمایا کیونکہ خیر و شر کے ظاہری اسباب آسمانی اورارضی ہیں۔ شرک سے پہلے من زائد وہ ہے اور شرک بمعنی شرکت (حصہ) ہے۔ مالمہ فیہا من شرک کا جملہ لامعلکون کے جملہ پر معطوف ہے۔ ومالمہ منہم میں لہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور منہم کی ضمیر کا مرجع شرکاء ہیں۔ یعنی زمین و آسمان کی تخلیق اور تدبیر میں تمہارے ان بتوں میں سے اللہ تعالیٰ کا کوئی معاون و مددگار نہیں ہے۔

وَلَا تَتَّقُوا الشَّفَاعَةَ عِنْدَآلِإِلَہِ اذِہِ لَہٗ حَقِّیْ اِذَا قُضِیَ عَنْ قُلُوْبِہِمْ قَالُوْا
مَاذَا قَالِیْ رَبُّکُمْ قَالُوْا الْحَقُّ ۚ وَہُوَ الْعِلْمُ الْکَبِیْرُ ۝

”اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لئے اس نے اجازت دی ہو۔ یہاں تک کہ جب دور کردی جاتی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے تو پوچھتے ہیں کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے نہ وہ کہتے ہیں اس نے حق فرمایا ہے اور وہی بڑی شان والا سب سے بڑا ہے۔“

۱۔ یعنی وہی شفاعت کرے گا جسے شفاعت کرنے کا اذن ملے گا۔ اس صورت میں حق سے مراد شافع (شفاعت کرنے والا) ہوگا اور اس پر لام ایسے ہوگا جیسے اکرم مزید میں سے یا معنی یہ ہے کہ شفاعت نفع نہیں دے گی مگر جس کے لئے سفارش کرنے کا اذن ہوگا۔ اس صورت میں ”من“ کا کلمہ مشفوع لاجلہ سے عبارت ہوگا اور اس پر لام لام اہل ہوگا جیسے اس جملہ میں ہے جنتک لوزید۔ ابو عمرو حمزہ اور کسائی نے اذن کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ جب کفار نے علی سبیل النزل کہا کہ ہم نام لیتے ہیں کہ ملائکہ اور بتوں کو زمین و آسمان کی کسی چیز پر ملکیت نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے کسی چیز میں حصہ دار بھی نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس دُعا کا عمل باطل کر دے گا تو بے فرار ہے ہیں کہ کسی کو کسی کی شفاعت نفع نہیں دے گی مگر جس کو شفاعت کا اذن ملے گا صرف وہی سفارش کرے گا اور اس کے لئے سفارش ہوگی جن کے لئے سفارش کا حق عطا کیا جائے گا۔ تمہارے یہ بت تو شفاعت کے اہل ہی نہیں ہیں کہ انہیں اذن۔ سفارش ملے کیونکہ ان کا مرتبہ تو انتہائی گھٹیا ہے اور کفار اپنی سرکشی اور کفر کی وجہ سے یہ استحقاق ہی نہیں رکھتے کہ کسی کو ان کی سفارش کی اجازت ملے۔ انبیاء کرام اور ملائکہ کا مصرف مومنین کی شفاعت کا اذن ملے گا۔

ع. ابن عامر اور یعقوب نے فروع کو قاء اور زاء کے ساتھ معروف پڑھا ہے اور اس میں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کو بنایا ہے۔ باقی قراء نے قاء کے ضمیر اور زاء کے کسرہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور عن قلوبہم جار مجرور کو نائب الفاعل بنایا ہے۔ تنويع کا معنی خوف اور گھبراہٹ کو دور کرنا ہے جیسا کہ تخریض کا معنی ازالۃ المرض ہے اور قلوبہم میں ضمیر کا مرجع شافعیین اور مشووع لہم میں جو سابق کلام سے مفہوم ہیں۔ اور حتی سابق کلام لا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له سے مقدر جملہ کی غایت بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ سابق کلام سے یہ مفہوم مترشح ہو رہا ہے کہ شفاعت کرنے والے اور مشووع لہم (جن کی سفارش کی جاتی ہے) سب اذن شفاعت کے منتظر ہوں گے اور گھبراہٹ و خوف طاری ہوگا کہ ہو سکتا ہے اذن شفاعت نہ ملے۔ یا جب شفاعت کا اذن ملے گا تو کلام الہی کو سننے کے وقت ہیبت الہی اور جلال الہی کی وجہ سے ان پر سراپت کی طاری ہوگی۔ میں پڑھتا ہوں اسی طرح جب بھی اللہ تعالیٰ کسی معاملہ کا فیصلہ فرمائے گا تو انسانوں پر غشی طاری ہوگی۔ امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ آسمان میں فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پر مارتے ہیں گویا چٹان پر کوئی زنجیر لگ رہی ہے۔ پھر جب ان کی گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کیا فرمایا تمہارے رب نے؟ کہتے ہیں حق فرمایا، وہی بلند و بالا ہے اس کو چوری چھپے سننے والوں (جنوں) نے سنا اور چوری چھپے سننے والے اس طرح ایک دوسرے کے اوپر تھے۔ سفیان نے اپنے ہاتھ کو تر چھا کر کے ترتیب اور انگلیوں کو الگ الگ کر کے بتایا کہ ہر ایک کلمہ سنتا ہے اور پھر وہ اپنے سے نیچے والے کو پہنچاتا ہے پھر وہ اپنے سے نیچے والے کو پہنچاتا ہے حتیٰ کہ سب سے نیچے والا وہ کلمہ جادو گر یا کا بن کی زبان پر ڈالتا ہے۔ بسا اوقات دوسرے کی طرف وہ کلمات پہنچانے سے پہلے شہاب اسے جا لگتا ہے اور کبھی شہاب کے ٹکٹنے سے پہلے وہ دوسروں کو القاء کر دیتا ہے اور وہ اس کلام کے ساتھ سو (100) جھوٹ ملاتا ہے پھر کہا جاتا ہے کیا فلاں دن اس جادو گر یا کا بن نے نہیں ایسا ایسا بتایا نہیں تھا۔ پس اس کلمہ کی وجہ سے جو آسمان سے بن گیا تھا اس کا بن کی نقد بن کی جاتی ہے (1)۔

مسلم نے ابن عباس سے اور انہوں نے ایک انصاری سے روایات کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا۔ ہمارا رب جس کا نام بڑا برکت والا ہے جب وہ کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش (فرشتے) تسبیح بیان کرتے ہیں پھر اس آسمان کے مکین تسبیح کرتے ہیں جو ان عرش اٹھانے والوں کے قریب ہوتے ہیں (پھر ان کے قریب والے) اسی طرح یہ سلسلہ چلتا جاتا ہے حتیٰ کہ آسمان دنیا کے مکین فرشتوں تک تسبیح پہنچ جاتی ہے۔ پھر حاملین عرش فرشتوں سے قریب والے فرشتے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو حاملین عرش (فرشتے) انہیں وہ سب کچھ بتاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح ہر نیچے والے آسمان کے فرشتے اوپر والوں سے پوچھتے ہیں حتیٰ کہ وہ بات پہلے آسمان والوں تک پہنچ جاتی ہے وہاں سے جبریل چھپے سن لیتے ہیں اور پھر وہ اپنے دوستوں کو وہ بات بتاتے ہیں اور جنوں کو شہاب مارے جاتے ہیں۔ پس آسمان کی جو بات وہ صحیح صحیح پہنچاتے ہیں وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ اس کے ساتھ بہت زیادہ جھوٹ کی ملاوٹ کرتے ہیں (2)۔

بخاری نے نو اس بن سحمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی امر کی وحی کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے، آسمان اس کلام الہی کی ہیبت سے لرز جاتے ہیں۔ جب آسمان کے مکین (فرشتے) اس کلام کو سنتے ہیں تو بیہوش ہو جاتے ہیں اور فرور اللہ تعالیٰ کے حضور جمدہ ہو جاتے ہیں پھر سب سے پہلے جبریل جمدہ سے سر اٹھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس سے اپنی وحی کے ساتھ غائب ہوتا ہے۔ پھر جبریل وہ وحی لے کر ملائکہ کے پاس سے گزرتے ہیں۔ جب بھی کسی آسمان سے گزرتے ہیں تو اس آسمان کے ملائکہ پوچھتے ہیں ہمارے رب نے کیا فرمایا؟ تو جبریل بتاتے ہیں اس نے حق فرمایا اور وہ بلند عظمت اور شان رفیع کا مالک ہے۔ یہ سن کر سب فرشتے وہی کہتے ہیں جو جبریل کہتے ہیں۔ پھر جبریل وہ وحی وہاں پہنچا دیتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے پہنچانے کا حکم فرمایا ہوتا ہے (1)۔

إِذَا فُتِحَتْ عَنْ قُلُوبِهِمْ مَا بَعْدَ قَالُوا کے متعلق ہے، یعنی جب لاحق گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے اذن شفاعت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ شفاعت کے متعلق تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ دوسرے جواب دیتے ہیں ہمارے رب نے حق فرمایا ہے۔ یعنی مومنین کے متعلق جو اس نے شفاعت کا اذن فرمایا ہے وہ حق ہے۔

سے اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند اور ارفع ہے اور وہ بہت بڑا ہے۔ کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی اس کی اجازت کے بغیر لب کشائی نہیں کر سکتا۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ قیام قیامت کے خوف سے فرشتے گھبرا جائیں گے۔ مقاتل، کلبی اور سدی نے کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کے درمیان 550 سال کا زمانہ ہے۔ بعض فرماتے ہیں چھ سو سال کا زمانہ ہے۔ ملائکہ نے اس درمیانی عرصہ میں وحی کی آواز نہ سنی۔ پھر جب محمد ﷺ کو رسالت کے تاج زرنگار کے ساتھ مبعوث کیا گیا تو ملائکہ نے وحی کی آواز سنی اور انہوں نے اس کو قیامت تصور کیا کیونکہ آسمان والوں کے نزدیک محمد ﷺ کی بعثت آدم کا قیامت کی علامات میں سے ہونا مسلم تھا۔ پس وہ وحی کی آواز سننے ہی قیام قیامت کے خوف سے بیہوش ہو گئے۔ پھر جب وحی لے کر جبریل ﷺ اترے تو جس آسمان سے گزرتے تو ان کی غشی دور ہوئی اور وہ اپنے سنے اوپر اٹھا کر ایک دوسرے سے پوچھتے تمہارے رب نے کیا کہا؟ تو دوسرے جواب دیتے کہ اس نے حق فرمایا ہے۔ حق سے ان کی مراد وحی تھی (2)۔ اگر یہ کہا جائے کہ مقاتل اور دوسرے علماء نے اس آیت کی جو جو جہد فرمائی ہے اس کے لحاظ سے حَقُّی إِذَا فُتِحَتْ عَنْ قُلُوبِهِمْ کا سابقہ کلام سے ربط اور تعلق کیسے ہوگا۔ تو میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حَقُّی إِذَا فُتِحَتْ کا ارشاد ویروی الذین اوتوا العلم الذی انزل الیک من ربک هو الحق ویہدی الی صراط العزیز الحمید سے متعلق ہے اور الذین اوتوا العلم سے مراد ملائکہ ہیں۔ اور درمیان میں کلام مستعرض ہے۔ معنی یہ ہے کہ ملائکہ جانتے ہیں کہ جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے قرآن نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے۔ اسی وجہ سے اس قرآن کے نزول کے وقت وہ قیام قیامت کے خوف سے گھبرا گئے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا نزول علامات قیامت میں سے تھا۔ حتیٰ کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوئی تو کہنے لگے کیا فرمایا تمہارے رب نے؟ تو دوسرے نے کہا حق فرمایا، وہی بلند عظمت اور بڑی شان والا ہے۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہاں جن لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے وہ مشرک ہیں۔ لیکن اور ابن زید فرماتے ہیں مشرکوں پر حجت قائم کرنے کے لئے ان کی موت کے وقت ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کی جاتی ہے اور فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے اپنے رسولوں کی زبانی دنیا میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ تو مشرک کہتے ہیں کہ اللہ نے حق ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت وہ اقرار کرتے ہیں، جبکہ ان کا اقرار ان کے لئے نفع مند نہیں (3) میں کہتا ہوں اس تاویل پر اس آیت کا تعلق ہو منہافی شک کے ساتھ ہوگا، یعنی وہ مشرک موت کے آنے تک شک کی اندھیری وادی میں بھٹک رہے ہوتے ہیں حتیٰ کہ مرنے کے بعد جب گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو اس وقت نور حق کو دیکھ

کرا قرار کرتے ہیں لیکن اس وقت اقرار ہے سود ہوتا ہے۔

قُلْ مَنْ يَدْرُكْكُمْ مِنْ السَّلَاطِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ إِنَّا كُمْ لَعَلْ
هَذِي أَوْ فِي صَلَاحٍ مُبِينٍ ۝

”آپ فرمائیے کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمانوں اور زمین سے خود ہی فرمائیے اللہ! اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے۔“

اے آئیے صبیح ان مشرکوں سے پوچھئے کہ بارش کے قطرات اور زمینی فصلوں کے ذریعے تمہیں رزق کے انبار کون پہنچاتا ہے۔ یہاں استفہام تقریری ہے، یعنی مخاطب کو براہِ محنت کیا جا رہا ہے کہ وہ اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا رازق نہیں ہے۔ یہ جملہ لا بملکون کی تاکید ہے اور قل ادعوا کے ساتھ متصل ہے۔ اللہ فعل محذوف کا فاعل ہے، یعنی اے محبوب خود ہی فرمائیے کہ تمہیں رزق اللہ تعالیٰ پہنچاتا ہے کیونکہ ان کے پاس بھی اس جواب کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ یہ مشرک الزام اور سفید بھوٹ کے خوف سے جواب میں توقف اختیار کرتے ہیں لیکن دلوں میں اسی بات کے اقرار ہی ہیں۔

۱۔ ہم توحید کے پرستار ہیں اور تم خدا کے شریک ٹھہراتے ہو یقیناً ہم میں سے ایک گروہ ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہی کی دلدل میں گرا ہوا ہے۔ کیونکہ توحید اور شرک ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف نظریات ہیں ہدایت اور گمراہی ایک دوسرے کی نقیض ہیں، ارتفاع نقیضین بھی محال ہے اور اجتماع نقیضین بھی محال ہے۔ پس یہ فقہیہ منفصلہ عناد یہ ہے اور سابق کلام سے یہی مفہوم ہے کہ رزق صرف اللہ تعالیٰ ہی یا ہم پہنچاتا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اہل توحید ہدایت کی شاہراہ پر گامزن ہیں اور مشرک کھلی گمراہی میں ہیں قیاس استثنائی کی یہ مثال ہے کہ موصدین (توحید کے داعی) یا ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں۔ لیکن وہ ہدایت پر ہیں کیونکہ رزق عطا کرنے والا صرف اللہ ہے پس ثابت ہوا کہ گمراہی میں نہیں ہیں۔ یا اس طرح کہ وہ گمراہی میں نہیں پس وہ ہدایت پر ہیں یا اس طرح کہا جائے کہ مشرک یا توحید ہدایت پر ہیں یا گمراہی میں ہیں لیکن چونکہ وہ ہدایت پر نہیں ہیں پس وہ گمراہی میں ہیں یا وہ گمراہی میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رازق نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مشرک ہدایت پر نہیں ہیں۔ یہ کلام شک پر مبنی نہیں ہے بلکہ مختلف احتمالات کے حصر اور ایک نقیض کے ابطال اور دوسری کے اثبات یا ایک کے اثبات اور دوسرے کے ابطال کے لئے اس طرح ذکر کی گئی ہے جیسا کہ مناظرہ کا اصول ہوتا ہے۔ ہدی سے پہلے علی حرف جر اور ضلال سے پہلے فی حرف جر ذکر فرمایا ہے۔ اس اختلاف حرف جارہ کی وجہ یہ ہے کہ گویا ہدایت یا توحید ہدایت پر اس طرح سوار ہے جس طرح سوار اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور اسے اپنی مرضی سے دوڑاتا ہے اور گمراہ شخص گویا تارکیوں اور تیرگیوں میں غوطہ زن ہے، اسے پتہ ہی نہیں چٹا کہ کدھر جائے۔

قُلْ لَا تُسْئَلُونَ عَمَّا أَجْرُ مَنْ أَوْ لَا تُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

”فرمائیے تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان جرموں کی جو ہم نے کئے اور نہ ہم سے باز پرس ہوگی تمہارے کرتوتوں کی۔“

۱۔ یعنی تمہیں جو توحید کی پیروی اور شرک کے چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے یہ فقط تمہاری خیر خواہی کے لئے ہے۔ ورنہ اگر تم شرک سے چھٹے رہو تو دوسروں کو اس کا کچھ نقصان نہ ہوگا کیونکہ جو برائی کرتا ہے سزا بھی اس کو ملتی ہے۔ اس کلام میں توحید پر براہِ محنت کیا گیا ہے اور یہاں جرم کرنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور عمل کی نسبت مخاطب کی طرف کی ہے۔ اس کی وجہ حسن ادب کی رعایت ہے اور نصیحت اور

خیر خواہی کا اظہار ہے اور اس میں تعصب و آفت (بہت دھری) کا شبہ تک نہیں ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبَّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۖ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ۝۱۱

”فرمائیے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (و انصاف) کے ساتھ وہی بہترین

فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

۱۔ یَفْتَحُ، بمعنی محکم و یفصل ہے۔ یعنی قیامت کے روز ہمارا رب فیصلہ فرمائے گا اور اس کا فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ حق کے پرستاروں کو جنت میں داخل کرے گا اور باطل کے طرف داروں کو آگ میں ڈالے گا۔ الفتاح کا معنی فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اور لا ٹیل مسائل کا حل عطا فرمانے والا ہے العلیم جو مناسب فیصلہ کرنا ہوتا ہے اسے وہ جانتا ہے۔ سابقہ آیت میں مناظرہ کے طریقہ پر گفتار کو الزام دیا گیا اور اس کے بعد فصاحت کا انداز تھا اور اس آیت میں تنبیہ کا اسلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کا فیصلہ فرمائے گا۔

قُلْ أُمِرْتُ بِالْإِيمَانِ ۚ أَتَعْتَمِدُونَ عَلَىٰ شُرَكَاءِ اللَّهِ ۚ بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۱۲

”فرمائیے مجھے بھی دکھاؤ تو وہ شریک جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا دیا ہے ہرگز ایسا نہیں بلکہ فقط وہی اللہ ہے جو برست

بڑا دانا ہے۔“

۱۔ اُمِرْتُ کا پسا مفعول ضمیر متکلم منصوب متصل ہے دوسرا مفعول اسم موصول مع صلہ ہے اور تیسرا مفعول شُرَكَاءِ ہے، یعنی جن بتوں کو تم نے عبادت کے استحقاق میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا دیا ہے مجھے بتاؤ کس صفت کی وجہ سے تم نے انہیں اللہ کا شریک بنایا ہے؟ کیا انہوں نے کسی چیز کو پیدا فرمایا ہے یا کسی کو رزق دیتے ہیں یا کسی کو کوئی نفع پہنچاتے ہیں یا کسی کو نقصان پہنچاتے ہیں؟ یعنی ان کو خدا کا شریک کہنے کی کوئی بھی وجہ جو اڑ نہیں ہے۔ اس آیت کا یہ مد میں اس کو لا جواب کرنے میں زیادتی کرنے کے لئے برہان کی اتمام اور جنت کے الزام کے بعد اس کے شبہ کے بارے استفسار کیا جا رہا ہے۔ کلا حرف رد و ہے، یعنی جب وہ کسی صفت میں بھی خدا کے شریک نہیں ہیں تو پھر اتنی بڑی واضح دلیل کے بعد تم انہیں خدا کا شریک کیوں کہتے ہو۔ (خدا اور بہت دھری کی بھی کوئی حد ہوتی ہے) مستحق عبادت تو صرف وہی ذات ہے جو برست توت والا ہے اور حکمت بالغہ کا مالک ہے۔ اس کی صفات کمال اور صفات جلال میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے تو ان پتھروں کو کیسے اس کا شریک ٹھہراتے ہو جو ساری ممکنات سے ادنیٰ ترین ہیں اور علم و قدرت و کمالی طور پر قبول ہی نہیں کرتے۔ جو تعمیر مبتدا ہے جس کا مخرج الحقیق للعبادہ ہے اور اسم جلال اللہ خبر ہے حصر ای ترکیب سے مستفاد ہے۔ العزیز اور الکریم اسم جلال اللہ کی صفات ہیں یا صحت دوسری دو خبریں ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو ضمیر نشان ہو اسم جلال مبتدا العزیز اس کی صفت اول اور الکریم صفت ثانی ہو اور متو حد لاستحقاق العبادۃ خبر محذوف ہو۔

وَمَا أَمْرُنَا سَلَكُ إِلَّا كَأَن نُّفَاكِنَا بِبَشِيرٍ أَوْ نَذِيرٍ ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۳

”اور ہمیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر لیں (اس حقیقت کو) اکثر لوگ نہیں

جانتے۔“

۱۔ کافہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی و ما ارسالناک الا رسالۃ کافہ یعنی عاملۃ شاملۃ۔ یعنی آپ کی رسالت تمام لوگوں کو شامل ہے اور کوئی فرد آپ کی رسالت سے خارج نہیں ہے۔ اس تقدیر پر للناس، کافہ کے متعلق ہوگا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافہ خطاب کی ک ضمیر سے حال ہو اور تاء مبالغہ کے لئے ہو۔ اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی و ما
 اوسلناک الاجامعا لہم فی الابلاغ یعنی ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس حال میں کہ آپ لوگوں کو تبلیغ کرنے والے ہیں۔
 حضرت جابر سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَھُمْ اَحَدٌ قَبْلَیْ نَصْرْتُ بِالرُّعْبِ
 مَسِیْرَةَ شَہْرِ وَ جُعِلَتْ لَیْ اَازْضٌ کُلُّهَا مَسْجِدًا وَ طَہُورًا فَاَیُّمًا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِیْ اَذَرَ کُنْھُ الصَّلَوةِ فَلَیْضَلَّ وَ اَحَلَّتْ
 لَی الغَنائمَ وَ لَمْ یَحُلْ لِاَحَدٍ قَبْلِی وَ اَعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ وَ کَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلَی قَوْمِهِ خَاصَّةً وَ یُعْفَتْ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً
 (بخاری و مسلم) (۱) یعنی اللہ نے مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی و رسول کو عطا نہیں کی گئیں۔ اس نے رعب
 سے میری، فرمائی ایک مہینہ کی مسافت پر دشمن میری ہجرت سے گزرہ برا عدا م ہوتا ہے۔ میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد اور دوزیہ
 طہارت بنایا۔ میرے اتنی کو کہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہ وہاں نماز پڑھ لے اور میرے لئے مال غنیمت کو حلال فرمایا حالانکہ مجھ
 سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا۔ مجھے شفاعت کا منصب عطا فرمایا۔ ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا، مجھے تمام لوگوں
 کی طرف مبعوث فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں
 میں فضیلت دی ہے۔ مجھے اس نے جوامع بالکم عطا فرمائے (یعنی قلیل الفاظ میں کثیر معانی کو بیان کرنا) اس نے رعب سے میری مدد
 کی، میرے لئے مال غنیمت کو حلال فرمایا۔ میرے لئے تمام روئے زمین مسجد قرار دی اور طہارت کا دوزیہ بنایا اور مجھ پر تمام مخلوق کی
 طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور مجھ پر سلسلہ نبوت ختم فرمایا (۲)۔

آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ آپ تمام لوگوں کو دنیا میں کفر و عصیان سے روکیں اور آخرت
 میں دوزخ کی آگ میں گرنے سے روکیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
 میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی اور پھر جب اس کا ارد گرد روشن ہو گیا تو کبڑے بیٹھے اس میں گرنے لگے۔ وہ
 انہیں آگ میں گرنے سے روکنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن وہ غالب آ جاتے ہیں اور آگ میں گھس جاتے ہیں، بالکل اسی طرح میں تمہیں
 آگ میں گرنے سے بچانے کے لئے پکڑتا ہوں لیکن تم اس میں گھس جاتے ہو (۳)۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم نے نقل کی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں للناس اوسلناک کے متعلق ہے اور کافہ، الناس سے حال ہے، اہتمام کی وجہ سے حال کو مقدم کیا گیا
 ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو سرخ و سیاہ تمام لوگوں کی راہنمائی کے لئے بھیجا ہے۔ اکثر نحوی مجرور پر حال کو مقدم کرنا درست نہیں سمجھتے۔ اور ما
 اوسلناک کا جملہ قل ارونٰی کے فاعل سے علی سبیل التنازع حال ہے، یعنی آپ کفار پر جھٹ کے الزام اور ان کو ہدایت کرنے
 کیلئے یہ ارشادات فرمائے جبکہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے یا ان کو روکنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ آپ مومنین کو جنت کی
 خوشخبری دینے والے ہیں اور کافروں کو آگ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ بشر اور نذر یا دونوں کاف خطاب سے حال ہیں کیونکہ یہ
 کافہ کے مترادف ہیں۔ اس تقدیر پر کہ یہ دونوں حال ہوں ایک حرف کے تحت اشتہاء کے تحت داخل ہوں جیسا کہ اس مثال میں ہے
 ماضی صیغہ الا ضرباً شدیداً قائمہ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بشر اور نذر یا کافہ کی ضمیر سے حال ہوں جبکہ وہ ک ضمیر سے حال ہو۔
 لیکن اکثر لوگ یعنی کفار حقیقت کا عرفان نہیں رکھتے اور وہ آپ کی رسالت عامہ اور آپ کی بشارت و نذارت پر ایمان نہیں رکھتے
 بلکہ آپ کی راہنمائی اور شفقت بھر سے اعزاز میں ہدایت انہیں مزید عناد اور مخالفت پر برا سمجھتے کرتی ہے (حیف ہے ان کی عقل اور آف

ہے ان کی سوچی پڑا

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

”اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔“

۱۔ کفار پر جہالت و حماقت کی وجہ سے قیامت کے نظریہ پر سراج کرتے تھے۔ اور اس کو عقلاً بعید سمجھتے تھے اس لئے پوچھتے تھے کہ جس جنت کی تم بشارت دیتے ہو اور جس دوزخ سے ڈراتے ہو وہ کب ملیں گی یا یہ معنی کرم جو جمع و شام ہمیں سناتے رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جمع فرمائے گا اور ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے گا وہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ کفار کا یہ خطاب رسول مکرم ﷺ اور مومنین سے تھا۔ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ شرط ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے جس پر ماقبل کلام دلالت کر رہی ہے، یعنی اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَيُؤْتِيهِمُ الْوَعْدَ فَنُفِثُوا عَنْهُ وَنُقِيَ هَذِهِ ۝ (اگر تم اپنے اس وعدہ میں سچے ہو تو اس کا بتاؤ)

قُلْ لَكُمْ مِيعَادٌ يَوْمَ لَا تَسْتَأْذِنُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ۝

”فرمائیے (اے منکر!) تمہارے لئے وعدہ کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ (ایک لمحہ) آگے بڑھ سکو گے۔“

۲۔ یہ ان کے سوال کا جواب ہے اور ميعاد سے مراد وعدہ کا زمانہ یا وعدہ کا مکان ہے لیکن یہاں وعدہ کے زمانہ کے لئے استعمال ہوا۔ یا ميعاد مصدر ہے اور اپنے زمانہ کی طرف مضام ہوا ہے اور یوم کی طرف ميعاد کی اضافت بیان ہے (کیونکہ یہ عام کی خاص کی طرف اضافت ہے جیسا کہ ثوب خبر میں ہے) اور وعدہ کے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں موت کا وقت مراد ہے، یعنی تمہاری عمر میں نہ اضافہ ہوگا اور نہ کمی ہوگی، تمہارے لئے وقت مقرر ہے (۱)۔ انہوں نے جو اپنے سوال کے ذریعے قیامت کے نظریہ کا مذاق اڑایا تھا اور انکار کیا تھا اس کے جواب میں یہ دھمکی اور وعید ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۖ وَتَوَلَّىٰ

تَوَلَّىٰ اِذَا الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يُنْفِخُونَ بَعْضُهُمْ اِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ ۖ

يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا الْاِلٰهِيْنَ اسْتَكْبَرُوا الْاَوَّلٰ اَلْنُكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝

”کفار (اب تو) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔ کاش! تم (وہ منکر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے روبرو اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دہریں گے کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔“

۳۔ الذی بین یدہ سے مراد تورات اور انجیل ہے جب کفار نے اہل کتاب سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آپ کی تمام صفات ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ کفار اہل کتاب کا یہ جواب سن کر غصہ سے لال پلے ہو گئے اور یہ کہا کہ ہم نہ قرآن کو ماننے ہیں اور نہ پہلی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ الذی بین یدہ سے مراد محمد ﷺ بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں

الذی بین یدیه سے مراد قیامت، جنت دوزخ ہے۔ قَالَ الَّذِیْنِ اٰلُہ کا جملہ و یقولون معنی ہذا الوعد پر معطوف ہے۔ و لو تروی میں خطاب محمد ﷺ کو ہے یا ہر مخاطب کو ہے۔ تروی کا مفعول الظالمین محذوف ہے اِذِ الظَّالِمُوْنَ اَلْاُتْرٰی کے متعلق ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِذِ الظَّالِمُوْنَ، تروی کا مفعول ہو۔ معنی یہ ہو کہ اگر آپ ان کے محاسد کی جگہ کو دیکھیں۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰلُہ بعض اِخ کا جملہ مَوْفُوذُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے یا الظالمون کی خبر ثانی ہے۔ الَّذِیْنَ اَسْتَعْجَفُوْا سے مراد عاویا ہے اور الَّذِیْنَ اَسْتَنْبَرُوْا سے مراد سردار اور رؤساء ہیں۔ لَوْ لَا اَنْتُمْ لَنُکَلِّمُنَّہُمْ فِیْہِمْ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نہیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے باز نہ رکھتے اور ہمیں کفر کی طرف نہ بلاتے تو ہم نبی کریم ﷺ پر ایمان لاتے۔ تم بد بختوں نے ہمیں عذاب کی بھیٹی میں جھونکا ہے۔

قَالَ الَّذِیْنَ اَسْتَكْبَرُوا لِلَّذِیْنَ اَسْتَعْجَفُوا اَنْحَرْنَ صَدْرَکُمْ عَنِ الْهُدٰی
بَعْدَ اِذْ جَاءَ کُمْ بَلٌّ لِّمَنْتُمْ مُّجِرٌ وَّحِیْنٌ ۝۱

”جو اب دیں گے ستمکاران کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا اور حقیقت تم خود مجرم تھے۔“

۱۔ انھن میں ہمزہ استفہامیہ انکار کے لئے ہے، یعنی ہم نے تمہیں ہدایت کو قبول کرنے سے نہیں روکا تھا بلکہ تم نے خود اپنے آپ کو ہدایت سے نور سے محروم کیا تھا کیونکہ تم نے انہی تقلید کی تھی اور کفار کی مطابقت کو بغیر کسی دلیل کے اختیار کیا تھا اور اس رسول کرم ﷺ کی متابعت کو ترک کیا تھا جس کی تائید میں حج و شام معجزات کا تم مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی انکار پر دلالت کرنے کے لئے انہوں نے نحن اسم ضمیر پر ہمزہ ذکر کیا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اَسْتَعْجَفُوا لِلَّذِیْنَ اَسْتَكْبَرُوا بَلٌّ لِّمَنْکُمُ الْبَیْلُ وَالتَّهَارِیْ اِذَا تَمَرُّوْنَ
اَنْ تَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَتَجْعَلَ لَکُمْ اَنْدَادًا وَّاسْرُوا النَّامَةَ لَسَا رَاۤءَ الْعَذَابِ وَّ
جَعَلْنَا الْاَعْنَاقَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هَلْ یُجْرَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۲

”کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے کفر و فریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں اور دل میں پھینکتا نہیں گئے جب دیکھیں گے عذاب کو اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں بدل دیا جائیگا بجز اس کے جو وہ کیا کرتے تھے۔“

۲۔ کمزور و ضعیف لوگ اپنے رؤساء سے کہیں گے کہ ہم نے خود اپنے آپ کو گمراہی میں نہیں ڈالا بلکہ دن رات تمہاری مکاریوں اور حیل ساز یوں نے ہمیں گمراہی کے گرداب میں ڈبوایا ہے چونکہ بیل و نہار ان کی سازشوں کے لئے ظرف زمان ہیں اس لئے مکر کی نسبت ان کی طرف مجازاً فرمادی۔ بعض علماء فرماتے ہیں مَنَّوُا الْبَیْلَ وَالتَّهَارِیْ سے مراد طویل سلامتی اور لمبی آرزوئیں ہیں، یعنی ان دو چیزوں نے ہمیں اسلام قبول کرنے سے روک رکھا۔ اِذَا تَمَرُّوْنَا: الْبَیْلُ وَالتَّهَارِیْ سے بدل ہے۔ ان نکفور میں ان مفسرہ ہے جو امر کی تفسیر بیان کر رہا ہے یا باء کی تقدیر کے ساتھ مصدر یہ ہے۔ وَّاسْرُوا النَّامَةَ یعنی ان دونوں فریقوں میں سے ہر ایک گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے پر

ندامت کو چسپائے ہوئے ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں عار دلانے اور شرمندہ ہونے کا غدر تھا یا اَوْ اَسْرُوَ اَللَّذَّ اَمَدًا کا معنی شرمندگی کو ظاہر کرنا ہے کیونکہ اَسْرُوَ میں ہمزہ اشبات اور سلب دونوں معانی کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ اشکیہ کا معنی شکایت ثابت کرنا بھی ہے اور شکایت دور کرنا بھی ہے۔ جعلنا کا عطف اَوَّ اَلْعَذَابِ پر ہے۔ کفار کی مذمت کے اظہار اور ذنجیروں میں پکڑے جانے کے موجب کو بیان کرنے کے لئے اَلَّذِیْن کَفَرُوا اسم ظاہر ذکر فرمایا ہے۔ اسم ضمیر ذکر نہیں فرمایا۔ میجر و ن کو دو متعدی مفعولوں کی طرف فرمایا حالانکہ یہ بغیر واسطہ کے متعدی بد مفعول نہیں ہوتا۔ 1۔ اس کی دو وجہ ہو سکتی ہیں حرف جر کو مفعول سے پہلے حذف کیا گیا ہے 2۔ اَسْرُو افضیٰ کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔

ابن المنذر اور ابن حاتم نے سفیان بن عاصم بن ابی رزین کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ دو شخص آپس میں شریک تھے۔ ایک ان میں سے شام چلا گیا اور دوسرا (کہ میں) نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو مقيم شخص نے اپنے ساتھی کو خط میں آپ ﷺ کے اعلان نبوت کے متعلق لکھا، پھر مسافر ساتھی نے خط لکھ کر پوچھا کہ آپ ﷺ کی دعوت کا کیا حال ہے، مقيم نے جواب لکھا کہ چند نادار اور مساکین لوگوں نے اس کی اتباع کی ہے۔ مسافر ساتھی نے اپنی تجارت اور کاروبار چھوڑا اور اپنے ساتھی کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا مجھے اس شخص کے متعلق بتائیے۔ یہ مسافر شخص کسی آسانی کتاب کا مطالعہ کرتا تھا۔ وہ شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور پوچھا حضور! آپ کا پیغام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے احکام شریعت بتائے تو وہ شخص فوراً کہنے لگا اشهد انک رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تجھے میری صداقت کا کیسے علم ہوا؟ اس نے عرض کی کوئی نبی مبعوث نہیں ہوتا مگر اس کے پیچ کر مساکین اور معاشی لحاظ سے کمزور لوگ ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ ذیل کی آیت نازل ہوئی (1)۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ
كُفْرًا ۚ (۳۰)

”اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ بر ملا کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ہم اس (دین) کا جو دے کر تم بھیجے گئے ہوا انکار کرتے ہیں۔“

۱۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اس شخص کی طرف پیغام بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق فرمادی ہے قیٰن ثنائیہ میں من زندہ ہے اور نذیر مفعولیت کی بناء پر محل نصب میں ہے الا فال مترو فوها، قد کی تقدیر کے ساتھ قیٰن ثنائیہ سے حال ہے۔ یعنی جب بھی کوئی انجام بد سے ڈرانے والا تشریف لاتا ہے تو اس شہر کے امراء اور خوشحال لوگ اس خبر کے داعی کی تکذیب کرتے ہیں یہاں آسودہ حال اور طبقہ امراء کا تکذیب کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کیونکہ عام طور پر تکذیب اور انکار کرنے والے اسباب تکبر اور مفاخرت ہوتے ہیں اور دنیا دار دنیا کی چمک دک اور پیسے کی ریل پیل پر اتارتے ہیں اور فخر کرتے ہیں نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں ہر دست گمن رہتے ہیں اور غریب لوگوں کی تذلیل اور باہانت ان کا طریقہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں جو تم پیغام ہدایت اور دین طہارت و نظافت لائے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

وَقَالُوا إِنَّا كَثْرَآ مَوْلَاؤَآ وَآوَلَادُآ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۚ (۳۱)

”اور کہتے (تم کون ہو) میں ڈرانے والے (ہمارا مال بھی) تم سے زیادہ ہے اور اولاد بھی اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔“

۱۔ نیز وہ افراد کہتے ہیں ہم تم سے ہزار درجے بہتر ہیں ذرا چشم کھول کر تو دیکھو مکمل و مازیاں ہماری ہیں زرق برق لباس ہمارے ہیں اولاد کی کثرت ہماری ہے۔ اگر ہم غلط راستے پر ہوتے تو ہمیں یہ سب نعمتیں قطعاً نہ عطا کی جاتیں ان سب نعمتوں کا ہمارے پاس ہونا واضح دلیل ہے کہ ہم اللہ کے پیارے ہیں۔ اور ہمیں کوئی عذاب وغیرہ نہیں دیا جائے گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ عذاب ہوگا ہی نہیں۔ اگر تمہارے کہنے کے مطابق قیامت برپا ہو بھی گئی تو اللہ تعالیٰ ہمیں رسوا اور ذلیل نہیں کرے گا بلکہ وہاں بھی ہمیں عزت و عظمت سے نوازے گا کیونکہ دنیا میں وہ ہمیں احترام و اکرام عطا فرما چکا ہے۔

قُلْ إِنْ مَرَّيْتُ بِبَيْتِ الزُّرْقِ لَسَنَ يُكْسَا عَوِيقُهُمْ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٠﴾

”آپ فرمائیے بھنگ میرا رب کشادہ کرتا ہے زرق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور بھنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (ان حکمتوں کو) نہیں جانتے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں کفار کے اس زعم یا باطل کو رد فرما رہے ہیں کہ مال کی کثرت اور اولاد میں اضافہ ہدایت کی علامت ہے فرمایا اسے محبوب ان دولت کی کثرت پر گھمنڈ کرنے والوں کو بتا دو کہ دولت اس عظیم و حکیم رب کے قبضہ قدرت میں ہے، وہ اپنی حکمت سے دنیا میں بطور آزمائش کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم دیتا ہے۔ رزق کی کشادگی اور کثرت تو تین اور حکیم کا معیار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دنیا آزمائش کا دور ہے۔ دار جزاء نہیں ہے اسی وجہ سے دنیا میں خاصائص و صفات میں ہم مثل افراد کے احوال مختلف ہوتے ہیں لیکن کفار اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ مال کی کثرت اور اولاد کی زیادتی باعث عزت و کرامت ہے۔

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالْبَاقِي تَقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا ذُلْفَىٰ إِلَّا مَنِ امْنٌ وَعَمَلٌ صَالِحٌ فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الصَّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفِ مُتَمِنُونَ ﴿٦١﴾

”اور (یاد رکھو) نہ تمہارے اموال اور نہ ہی تمہاری اولاد باقی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں مگر جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا (اسے ہی ہمارا قرب نصیب ہوگا)۔ پس یہی لوگ ہیں جن کے لئے دو گناہہ صلہ ان کے عملوں کا اور وہ بالا خانوں میں امن و امان سے رہیں گے۔“

۱۔ ذلفی اسم مصدر ہے گویا عبادت اس طرح ہے۔ بقربکم عندنا تقریباً (۱)۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باقی سے پہلے بازائدہ ہو اور باقی اموال کی جماعت کے ارادہ سے اموال پر محمول ہو۔ الامن عمل مستثنیٰ منقطع ہے۔ یعنی لیکن جو ایمان لایا اور نیک اعمال کرتا رہا اس کو اس کا ایمان اور نیک عمل ہمارا قرب بخشے گا مال و اولاد ہمارے قرب کا باعث نہیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بقربکم کے مفعول سے مستثنیٰ متصل ہو۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اموال اور اولاد کسی کو اللہ کا قرب نہیں بخشنے مگر مومن نیک صالح شخص جو ایمان باللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے اور اپنی اولاد کو خیر کی تعلیم دیتا ہے اور نیکی اور صلاح پر اس کی تربیت کرتا ہے تو اسے یہ چیزیں قرب الہی عطا فرمائیں گی۔ یا اموالکم اور اولادکم سے مستثنیٰ ہے اور اس سے پہلے ۱۔ تفسیر بخاری، جلد 5، صفحہ 240 (الجماعیہ)

مضاف مخدوف ہے، یعنی مال و ادفع بخش نہ ہوں گے مگر اس کے اموال و ادلا نفع بخش ہوں گے جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا۔
 مع یعقوب نے جزاء کو تمیز یا مصدر کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے مصدر کی صورت میں یہ اس فعل کا مصدر ہوگا جس پر یہ خود لالت کر رہا ہے۔ اور الضعف کو مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہے اور لہم اس کی خبر ہے۔ پھر یہ جملہ اولئک کی خبر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی کہ اولئک لہم الضعف۔ یعجزون جزاء یعقوب سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ الضعف اور جزاء دونوں کو انہوں نے مرفوع پڑھا ہے الجزاء کو مبتدا اور الضعف کو بدل بنایا ہے اور لہم کو خبر بنایا ہے۔ جس پر قراء نے جزاء کو مبتدا کی حیثیت سے مرفوع اور الضعف کو مضاف الیہ کے اعتبار سے مجرور پڑھا ہے۔ یعنی مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیک اور صالح لوگوں کو اللہ تعالیٰ اعمالِ حسنہ کا کئی گناہ زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔ ایک نیکی کے بدلہ میں دس سے سات سو تک اجر عطا فرمائے گا۔ کئی لوگوں کو ان کی اخلاص کے انتہائی مقام کی وجہ سے بے شمار بے انتہا نیکیاں عطا فرمائے گا۔ اور دوسریں کے بالا خانوں میں انہیں امن و آرام عطا فرمائے گا جہاں ان کی زندگی میں کوئی بے اطمینانی اور پریشانی کا کاٹنا اور کوئی چھین نہ ہوگی۔ حذرہ نے غرقات کو العرفہ پڑھا ہے اور جنس کا ارادہ کیا ہے اور باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ الغرق کا معنی کسی چیز کا بلند کرنا ہے۔ یہاں اس سے مراد جنت کے بلند و بالا محلات ہیں۔ ہم نے اس آیت کی تفسیر اولئک یعجزون العرفہ بما صبروا کے تحت سورہ فرقان میں ذکر کر دی ہے۔

وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿٣٥﴾
 ”اور جو لوگ کوشاں ہیں ہماری آیتوں کی تکذیب میں تاکہ ہمیں ہر اویں وہی لوگ عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے۔“
 قُلْ إِنْ سَأَلْتُمْ عَنِ الرِّزْقِ لَيَسَّطِرْ لَكُمْ رِزْقًا وَلَكِنْ كَثُرَ سَوَادُكُمْ أَعْمَىٰ ۖ وَمَا أَتَقَفْتُمْ
 مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٣٦﴾

”آپ فرمائیے شک میرا پروردگار کسادہ کر دیتا ہے رزق جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے۔ اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور دے دیتا ہے۔ مل اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو کبھی کسادگی اور خوشحالی عطا فرماتا ہے اور کبھی اسی شخص کو تنگی اور غربت میں مبتلا کر دیتا ہے اس آیت اور سابقہ آیت میں نکرار نہیں ہے کیونکہ یہ ایک شخص کے متعلق ہے جبکہ پہلی آیت دو شخصوں کے متعلق ہے۔ صاحب البحر الموانع فرماتے ہیں پہلی آیت کریمہ ان کے فقر و غرور کے رد کے لئے ہے اور یہ آیت انا کے نکل کے رد کے لئے ہے۔

۲۔ وَمَا أَتَقَفْتُمْ میں ما شرط محفل نصب میں ہے اور سن شیء کا بیان ہے اور جواب شرط قَدْ هُوَ يُخْلِفُهُ ہے۔ یعنی جو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اسکی جگہ یا تو دنیا میں اور عطا فرمائے گا یا آخرت میں اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا فاضل اور قدر دانی کا مظاہرہ ہے تو تم اپنے اموال کو اللہ کے راستے میں خرچ کیوں نہیں کرتے اور کجی و بخل کیوں کرتے ہو۔ مسند الیہ کو مسند فطری پر تخصیص اور تاکید کیلئے مقدم فرمایا ہے۔

۳۔ صرف اللہ ہی بہترین رزق عطا فرمانے والا ہے کیونکہ دوسرے لوگ رزق پہنچانے کا واسطہ ہوتے ہیں۔ حقیقت رزق کی عطا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ دوسرے لوگوں پر رازق کا اطلاق مجازی ہوتا ہے اور رازق حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ

الزَّوْقَيْنِ میں حقیقت و مجاز دونوں جمع ہیں، ہم کہیں گے یہاں مجاز کا عموم مراد ہے۔

وَيَوْمَ يَرْجُفُهُمْ جَبِينُ عَالَمٍ يَقُولُ لِمَ كُنْتُمْ كَافِرًا ۖ إِنَّا كُنَّا نَعْبُدُونَ ۝

”اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے۔“

۱۔ ہم ضمیر کا مرجع کفار ہیں، یعنی متکبرین اور ضعیف لوگوں کو جمع فرمائے گا۔ يَقُولُ کا عطف یَعْبُدُونَ پر ہے۔ یعقوب ابو جعفر اور مفضل نے یَعْبُدُونَ اور يَقُولُ کو کیا ہے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے دونوں کو ان کے ساتھ پڑھا ہے۔ کفار فرشتوں کی پریش کرتے تھے اور کہتے کہ (نعوذ باللہ) یہ اللہ کی بنیاں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ شرکین کو شرمندہ کرنے کے لئے ملائکہ سے پوچھیں گے کہ یہ لوگ تمہاری پوجا کرتے تھے۔ تو یہ سوال کفار کو رسوا کرنے اور ان کی شفاعت سے انہیں مایوس کرنے کے لئے کیا جائے گا۔ یہاں ملائکہ کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے کیونکہ جن ذوات کی یہ کفار پوجا کرتے تھے اور جن کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے ان میں سب سے معزز یہ ہوں گے اور ان تمام میں خطاب کے اہل بھی یہ ہوں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شرک کی ابتداء ان کی عبادت سے ہوئی تھی۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلٰيِنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُونَ ۝

”فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے ہر شرک سے۔ ہمارا مالک تو ہے ہمارا ان سے کیا واسطہ بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے۔“

۱۔ فرشتے عرض کریں گے ہم تجھے ہر شرک سے پاک سمجھتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ ہمارا تعلق اور دوستی فقط تیرے ساتھ ہے ان بد بختوں نے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مرام نہیں ہیں۔ گویا فرشتے براءت کا اظہار کر رہے ہیں کہ ہم ان کی عبادت سے خوش نہ تھے۔ یہ شیطانوں کی عبادت کرتے تھے جنہوں نے ان کے سامنے فرشتوں کی عبادت کو مزین کر کے پیش کیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ شیطان ان کے سامنے ایسی شکلوں میں آتے تھے کہ وہ انہیں فرشتے سمجھتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ اکثر ہم سے مراد یا کفار ہیں یا اکثر سے مراد اہل ہے اور ضمیر کا مرجع شرکین ہیں۔ بہم کی ضمیر کا مرجع جن ہیں۔

قَالِيَوْمَ لَا يَمِيْلُكَ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ تَفْعَاوْا لَا صَرَٰٓءَ ۙ وَ تَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا دُوْنَمَا عَذَابَ النَّارِ اَلَّذِيْنَ كُنْتُمْ بِهَا تُكْذِبُوْنَ ۝

”پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ نقصان کی اور ہم کہیں گے جنہوں نے ظلم کیا تھا کہ کچھو کچھ (جہنم) کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

۱۔ چونکہ قیامت کے روز حکم صرف اللہ تعالیٰ کا نافذ ہوگا اس لئے جن افس اور فرشتے ایک دوسرے کو بذات خود نفع یا نقصان ٹوٹا ب شفاعت اور عذاب نہ پہنچا سکیں گے۔ اور مشرکوں نے ان کی عبادت کر کے جو لائق عبادت نہیں تھے اپنے اوپر ظلم کیا اس لئے انہیں عذاب نار میں جھونک دیا جائے گا اور کہا جائے گا تم جس عذاب کو جھٹلاتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

وَ اِذَا شِئِلْ عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا رَاجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يُّصَدَّكُمْ عَمَّا كَانِ يَعْبُدُ اٰبَاؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَا اِلَّا فِكْ مَفْتَرٰى ۙ وَ قَالَ الَّذِيْنَ

كَفَرُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنَّ هَذَا آيَاتُ سِحْرِ مُبِينٍ ۝

”اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں انہیں ہماری آیتیں درآں حالیکہ وہ بالکل واضح ہیں کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جس نے ارادہ کر لیا ہے کہ روک دے تمہیں ان (معبودوں) سے جن کی تمہارے باپ دادا چا کیا کرتے تھے نیز کہتے ہیں نہیں ہے یہ قرآن مگر جھوٹ گھڑا ہوا اور کفار کہتے ہیں حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آیا کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا کھلا۔“

۱۔ عَلَیْہِمْ کی ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں۔ اِلَیْہِمْ اِیْنِیْہِمْ سے مراد قرآن کی آیات ہیں جو محمد ﷺ کی زبان پر واضح ہیں۔ افک سے مراد ایسی بات جو واقع کے مطابق نہ ہو۔ الحق سے مراد نبوت یا اسلام یا قرآن ہے۔ یعنی کفار بلا سوچے سمجھے حق کو کھلا جادو کہہ دیتے ہیں۔ معنی کے اعتبار سے حق کا معنی نبوت اور اسلام ہوگا اور لفظ اور اعجاز کے اعتبار سے قرآن مراد ہے۔ قالو کے فعل کو مکرر اور صراحت کفار کا دوبارہ ذکر کرنا اور اَلْیَئِیْنِ کَفَرُوْا میں اسم موصول کلام اور الحق پر لام تعریف ان تمام چیزوں میں اشارہ ہے کہ یہ باتیں کہنے والے کافر تھے اور ان کے کفر نے انہیں اس بات پر برا بھینٹ کیا کہ وہ اس کے نبی مکرم ﷺ اور اس کی کتاب تبیین اور اس کے دین حنیف کے متعلق ایسی بے نکی اور لافنی باتیں منسوب کریں جو تجویزی سی عقل والا بھی نہیں کہہ سکتا اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس چیز کے متعلق ایسی بات انہوں نے کہی ہے وہ حق تبیین ہے، اس پر صرف معاند اور مکار بر طعن کرتا ہے۔ سلیم الفطرت سے ایسی بات کا ہونا ناممکن ہے اور یقیناً ان کی یہ بات انتہائی قبیح ہے اس اسلوب بیان میں اس بات پر آگاہی کرنا مقصود ہے کہ ان کی یہ بات انتہائی ناروا اور انتہائی تعجب خیز ہے۔

وَمَا آتٰیہُمْ مِنْ کُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَہَا وَمَا اُرْسِلْنَا اِلَیْہِمْ قَبْلَکَ مِنْ نَّذِیْرٍ ۝

”اور نہ ہی ہم نے انہیں کوئی کتابیں دیں جن کا یہ مطالعہ کرتے ہوں اور نہ ہی ہم نے بھیجا ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا۔“

۱۔ ہم ضمیر کا مرجع کفار مکہ ہیں یعنی ہم نے کفار مکہ کو کوئی ایسی کتاب نہیں دی جس میں شرک کی سخت کی کوئی دلیل ہو۔ اور نہ ہم نے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا بھیجا ہے جو انہیں شرک کی طرف بلاتا ہو اور شرک کے ترک پر انہیں ڈرا تا ہو پوس ہے کہ سنا یہ شرک کا دعویٰ کرتے ہیں اور کس بنیاد پر قرآن پر بھی جھوٹ کا کبھی تحریک الزام لگاتے ہیں اور کوئی ان کے پاس حجت ہے جس کے سہارے یہ نبی کریم ﷺ کو بھٹلاتے ہیں اس ارشاد میں ان کی جہالت اور سخاوت کو آشکارا کیا گیا ہے اور انہیں دھمکی دی گئی ہے۔ یہ آیت کریمہ اَلْیَئِیْنِ کَفَرُوْا سے حال ہے۔

وَکَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ وَمَا یَبْعُوْا مِنْ اٰیٰتِہُمْ فَاُفٍّ لِّہُمْ فَکَذَّبُکَانَ ۝

”اور (انوریاہی) نکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے اور یہ (کفار مکہ) انہیں پہنچنے والی دھمکیوں (قوت دہ) ہم نے ان کو دیا تھا پس جب انہوں نے بھٹلا میرے رسولوں کو تو کتنا ہولناک تھا میرا عذاب۔“

۱۔ پہلی قوموں سے مراد قوم عاد ثمود قوم ابراہیم قوم لوط اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ ہیں۔ یہ جملہ بھی ترکیبی لحاظ سے قد کی تقدیر

کے ساتھ اَلَّذِي يَنْفَعُ كَفَرًا سے حال ہے یا قَالَ الَّذِي يَنْفَعُ كَفَرًا پر معطوف ہے۔ یعنی کفار کلمہ کے پاس تو ان نعمتوں کا دوسواں حصہ بھی نہیں ہے جو ہم نے پہلی قوموں کو عطا کی تھیں مثلاً تعداد ان کی ان سے کسی گنا زیادہ تھی، معیشت ان کی ان سے ہزار درجہ بہتر تھی، عمریں بھی ان کی ان سے کہیں زیادہ تھیں۔ لیکن اس کے باوجود جب انہوں نے میرے رسولوں کی بد تمیزی کی اور ان کی تکذیب کی تو میرا ان پر ایسا عذاب آیا جس نے ان کی ساری نعمتوں اور غرور و خاک میں ملادیا۔ ان کو جو سرائی اس کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے اور اس پر کیسے اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بالکل اپنے مقام پر واقع ہوئی تھی اور جو اس سزا کے مستحق تھے بالکل ان پر ہی مسلط ہوئی تھی۔ یہ استغناء تو بیچ کے لئے ہے۔ پس جو ان کی شل اب میرے نبی الانبیاء کی تکذیب کر رہے ہیں انہیں ایسی حرکات سے باز آ جانا چاہئے۔ کذب کے فعل میں تکرار نہیں ہے کیونکہ پہلا کذب تحسیر کے لئے ہے اور دوسرا فعل تکذیب کے لئے ہے یا پہلا فعل مطلق ہے، مفعول کے ساتھ متقید نہیں ہے، یعنی اس کے لئے مفعول لا مقدر نہیں ہے بلکہ لازم فعل کے قائم مقام ہے اور دوسرا کذب مفعول کے ساتھ متقید ہے اور اجمال کے بعد تفصیل ہے، اسی وجہ سے ان کے درمیان حرف عطف فاء ذکر کیا گیا ہے۔ صاحب البحر الموانع کہتے ہیں فکذبوا رسلی کی ضمیر کا مرجع کفار کلمہ میں اور اس کا عطف ما بلغو پر ہے۔ پس اس صورت میں تکرار ہو گا ہی نہیں۔ ورش نے نکیروں کو صرف وصل کی صورت میں یاہ کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے اور جمہور علماء نے وصل و وقف دونوں حالتوں میں یا کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَعْطٰكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْا لِلّٰهِ مِثْلِيْ وَفِرَادٰى لِّكُمْ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جُنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لِّكُمْ بَيْنَ يَدٰى عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝

”(اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمائیے میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں (یہ تو ان لوگوں) تم اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دیا کیلئے پھر خوب سوچو (تمہیں) ماننا پڑے گا تمہارے اس رفیق میں جنوں کا شاہد تک نہیں ہے نہیں ہے وہ مگر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے۔“

۱۔ اس آیت کریمہ میں قیام سے مراد وہ قیام نہیں جو بیٹھے اور سونے کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ یہاں قیام سے مراد کسی کام کے لئے تیار ہونا ہے جیسے اس ارشاد میں ہے اَنْ تَقُوْا لِلّٰهِ مِثْلِيْ وَفِرَادٰى لِّكُمْ تَتَفَكَّرُوْا۔ یعنی تم تعصب کی بینک اتار کر اور امدی تقلید سے ہٹ کر رضا الہی کے لئے کبھی گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر یا اپنے کسی دوست اور ساتھی سے مل بیٹھ کر انصاف کی نظر سے محمد ﷺ کے متعلق سوچو تو تم پر حق کا روئے تاباں بالکل عیاں ہو جائے حقیقت اپنا نقاب خود بخود الٹ دے گی اور تم پر واضح ہو جائے گا کہ تمہارا بچپن کا ساتھی جسے کائنات ارضی محمد ﷺ کے اسم مبارک سے یاد کرتی ہے اس میں آسیب و جنون کی کوئی علامت نہیں ہے بلکہ وہ صاحب عقل اور صاحب دانش ہے، اس کی فکر صاحب ہے اس کے اقوال و افعال کو دیکھ کر کوئی بھی سلیم الفطرت اور شعور رکھنے والا اس کی رسالت اور اس کے جذبات خیر کا منکر نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس کا منکر اور اس کو جنموں کہنے والا وہی ہو سکتا ہے جس کی اپنی عقل میں خلل ہو ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں یہ کتنا عام فہم معاملہ ہے کہ کیا کوئی شخص تنہا اور بغیر کسی ظاہری طاقت و ثروت کے بغیر کسی دلیل اور وثوق کے ایسا کام شروع کر سکتا ہے یا کوئی ایسا نظریہ پیش کر سکتا ہے جس کی وجہ سے اپنے بیگانے سب دشمن ہو جائیں۔ اور کوئی ایسا کام کر سکتا ہے جس میں نہ کوئی نفع ہو اور نہ دفع ضرر ہو۔ ذرا چشم ہوش کھولو دل کی آنکھ سے دیکھو، اس کی تبلیغ اور اس کے پیغام روح افزا میں نہ تو کوئی دنیوی نفع مقصود ہے اور نہ مخلوق کی دشمنی کے ضرر کو دور کرنے کا مفاد موجود ہے اس نے خود ہی ارشاد فرمایا اِنَّمَا اَنْتَ نَذِيْرٌ ۝

فَھُوَ لَکُمْ (جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس رکھو) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے پیش نظر جلب زراور اموال و جواہر جمع کرنا نہیں ہے اس کے پیغام اور اس کے نظریات میں کبھی کوئی ایسی کلام اور کوئی ایسا انداز نہیں ملے گا کہ جس سے تم ثابت کر سکو کہ ان کو کوئی معاشی خوشحالی مطلوب ہے اسی طرح ان کے انداز فکر سے کبھی تم یہ بیان نہیں کر سکتے کہ یہ کوئی عوامی اقتدار کے ذریعے کسی دشمن کا ضرر و نقصان دور کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ تم نظراً انصاف سے اس کی سورج سے زیادہ روشن ہیرت چاند سے زیادہ چمکدار صورت اور شہنم سے پاکیزہ تر زندگی میں غور کرو گے تو تم پر بالکل عیاں ہو جائے گا محمد ﷺ تمہارے یہی خواہ ہیں، تمہیں گرداب بلائیت سے بچانا چاہتے ہیں۔ یہ سارے مقدمات آپ کی اتباع کے وجہ پر دلالت کرتے ہیں جبکہ ہجرات کثیرہ بھی آپ کی تائید و سیاق پر واضح دلیل ہیں۔ ان تقو مو و احدہ بدل یا بیان کی حیثیت سے محل جرمیں ہے یا حوض خیر کے امتار کے ساتھ محل رفع میں ہے یا عنی فعل کے امتار کے ساتھ محل نصب میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب آیت کریمہ **وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الَّتِیْ فَطَرَ نَازِل** ہوئی تو آپ ﷺ صفا کی پہاڑی پر چڑھ گئے اور ندا دی اے بنی فہر! اے بنی عدی آپ یہ ندا دیتے رہے حتیٰ کہ سب لوگ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں بتاؤں کہ ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری بات مان لو گے؟ تو سب نے بیک زبان ہو کر کہا بالکل مان لیں گے کیونکہ ہم نے تو تمہیں اپنی ہر بات میں سچ پایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا فانی ندیو لکم بین یدی عذاب شدید میں تمہیں بروقت سخت عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کرنے والا ہوں (ابولہب (لعنہ اللہ علیہ) نے کہا تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں کیا تو نے ہمیں اس لئے جمع کیا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا **ثَبِّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ شَاقِیْ عَلَیْہِ** (1)۔

قُلْ مَا سَأَلْتُکُمْ مِنْ اَجْرِ فَھُوَ لَکُمْ اِنْ اَجَرِیْ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ۝

”فرمائیے (لوگو!) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس رکھو میری (دوسو یوں) کا اجر تو (میرے) اللہ کے ذمہ ہے۔ اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔“

۱۔ میں تمہیں پیغام تو حید پہنچانے پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے جو تمہیں یہ کہا ہے **مَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مِنْ شَآءِ اللّٰہِ** یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے اس (خیر خواہی) پر کچھ اجرت مگر میری اجرت یہ ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کر لے اور جو میں نے کہا ہے **لَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا اَللّٰہُ وَ کَافِی اللّٰہُ** (ترجمہ) میں نہیں مانگتا اس (دعوت حق) پر کوئی معاوضہ ہجرت کی محبت کے۔ اس پر میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا بلکہ یہ چیزیں بھی تمہارے فائدہ اور بھلے کے لئے ہیں کیونکہ جو تم میں سے اللہ تعالیٰ کے راستہ کو اپنانے کا تو اس میں بھی اس کا بھلا ہو گا اور میری قربت تمہاری قربت ہے۔ میں کہتا ہوں نبی کریم ﷺ کے قریبنداروں سے مراد علماء ظاہر و باطن ہیں خواہ اہل بیت سے ہوں یا کوئی دوسرے ہوں۔ اور علماء کی محبت اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث بنتی ہے۔

اجوی کو ابن کثیرؒ حمزہ اور کسائی نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قرآن نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اگر مجھے

میرے رب سے اجر عظیم نہ ملتا ہوتا تو میں یقیناً ایسی اذیتیں اور مشقتیں کبھی نہ اٹھاتا۔ پس تمہارے لئے ضروری ہے کہ میری اتباع کرو اور ایسے اعمال نہ کرو جو تمہارے لئے جہنم الہی میں اجر کو کثرت کر دیں اور نیک اعمال کا جو اس نے وعدہ فرمایا ہے تم انکی مہربانی سے مستحق قرار پاؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے معاذ تجھے علم ہے کہ اللہ کا بندوں پر حق کیا ہے؟ اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ حضرت معاذ فرماتے ہیں میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اسے وہ مذہب نہ دے (۱)۔ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم نے حضرت معاذ سے روایت کی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے پس وہ ہر شخص کو اس کے اعمال اور اعتقاد کے مطابق اجر و عطا فرمائے گا۔

قُلْ إِنْ رَبِّي يَصْفِيكُمْ بِالْحَقِّ عَلَاكُمْ الْغُيُوبُ ۝

”فرمائیے بیشک میرا رب (باطل پر) حق سے ضرب لگا تا ہے۔ وہ سب غیوب کو جاننے والا ہے۔“

۱۔ یعنی آپ اعلان فرمادیں کہ میرا رب وہ ہے جو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے حق کا نزول فرماتا ہے۔ یا یہ معنی کہ حق کے ساتھ باطل طاغوتی قوتوں پر حق کے ساتھ ضرب لگا تا ہے اور انہیں پاش پاش کر دیتا ہے یا یہ معنی کہ آفاق عالم حق کو پہنچائے گا اور غلبہ اسلام کا جو اس نے وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو جائے گا۔ امام احمد نے حضرت مقداد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ سطح زمین پر کوئی نئی کا گھر کوئی اور ن کا خیمہ نہیں رہے گا مگر اللہ تعالیٰ عز و جل کی عزت کے ساتھ اور ذلیل کی ذلت کے ساتھ اس میں کھرا اسلام کو داخل فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ جن کو عزت دے گا ان کو عزت والوں سے بنا دے گا اور جن کو ذلیل کرے گا وہ ذلیل ہو کر دین کی اطاعت کریں گے (۲)۔

۲۔ عَلَاكُمْ الْغُيُوبُ صفت ہے جو ان کے اس عمل پر محمول ہونے یا بقصد فی ضمیر سے بدل پائی کی دوسری خبر یا مستدامت وف کی خبر ہونے کی بناء پر شروع ہے، یعنی وہ سب غیوب کو جانتا ہے اور وہ یہ بھی خوب جانتا ہے کہ وہی کی اہلیت کس میں ہے اور اسے یہ بھی علم ہے کہ دین اسلام کا اچھا انجام کیسے ہوگا؟ وہ دین اسلام کے ساتھ کفر کو دفع کرے گا اور اس کا پرچم شرق و غرب میں ابرائیک۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَهَاطُبُ النَّبَاطِلِ وَهَاطِبُ الْعُيُودِ ۝

”(اے محبوب!) اعلان کرو جیسے حق آگیا اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔“

۱۔ اے پیارے محمد ﷺ اپنی زبان حق ترجمان سے اعلان فرمائیے کہ قرآن اسلام اور تو حید کو غلبہ نصیب ہوگا اور شرک و باطل ختم ہو جائے گا۔ نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا تا کہ وہ کوئی نیا کام شروع کر سکے اور کسی کام کا اعادہ کر سکے گا۔ ارشاد فرمایا۔ بَلِّغْ تِلْكَ الْبَاطِلِ عَلَى النَّبَاطِلِ قَدْ فَازَ الْهُدَىٰ ۝ (ترجمہ) بلکہ ہم تو چیت لگا تے ہیں حق سے باطل پر پس وہ اسے چیل دیتا ہے اور وہ یکا یک نابود ہو جاتا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں باطل سے مراد ابلیس ہے (۳)۔ یعنی ابلیس نے کسی کو پھیرا کر سکے گا اور نہ کسی کو قیامت کے روز اٹھا سکے گا۔ کلی کا بھی یہی قول ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں باطل سے مراد بت ہیں (۴)۔ امام بغوی فرماتے ہیں کفار مکہ

۱۔ مجمع مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۴ (قدیمی)

۲۔ مشکوٰۃ، المساجع، صفحہ ۱۶ (وزارت تعلیم)

۳۔ تفسیر بغوی، جلد ۵، صفحہ ۲۴۲ (انجاریہ)

۴۔ تفسیر بغوی، جلد ۵، صفحہ ۲۴۲ (انجاریہ)

نبی کریم ﷺ کو کہتے کہ آپ راہ راست سے بہک گئے ہیں کیونکہ آپ نے اپنے ابا و اجداد کے دین کو چھوڑ دیا ہے (۱) "تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

قُلْ إِنْ صَلَّيْتَ قَائِمًا أَوْ سَلَّ عَلَى نَفْسِي ۖ وَإِنْ اهْتَدَيْتُ فِيمَا يُؤْتِي إِلَيَّ رَبِّي ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ﴿۵﴾

"فرمائیے (تمہارے گمان کے مطابق) اگر میں بہک گیا ہوں تو اس کا وبال میری جان پر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو (محض) اس وحی کے باعث جو میرا رب میری طرف بھیجتا ہے۔ بے شک وہ سب کچھ سننے والا بالکل نزدیک ہے۔" ۵

۱۔ اے محبوب کرم (ﷺ) ان عقل کے دشمنوں سے کہو کہ اگر میں نے جو دین اختیار کیا ہے یہ گمراہی ہے تو میری گمراہی کا وبال میرے نفس پر ہی لوٹے گا اور میں اپنے نفس پر اس وبال کو کیسے اختیار کر سکتا ہوں کیونکہ نہ تو میں دیوانہ ہوں اور نہ مجھے کوئی سیاسی یا معاشی غرض ہے اور اگر میں دین حق اور دین ہدایت پر ہوں تو یہ بھی میرے نفس کا کمال نہیں ہے اور یہ ہدایت نہیں ہے اس شہر کے کسی عالم سے سیکھی ہے کیوں کہ تم سب کو معلوم ہے کہ میں نہ لکھتا جانتا ہوں اور نہ میں نے کسی کے سامنے زانوئے تہجد طے کیا ہے (ان سب مقدمات کو جمع کر دو تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ میں اللہ کا سچا نبی ہوں اور مجھے تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے) پس تم پر لازم ہے کہ میری اتباع کرو ہدایت پا جاؤ گے جیسا کہ میں نے ہدایت پائی ہے۔ یہ نبوت پر استدلال ہے۔ اس اسلوب میں دو شرطوں کے درمیان مقابلہ ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں ان دونوں شرطوں کے درمیان مقابلہ صرف معنی کے اعتبار سے ہے کیونکہ ان صللت فانما اضل علی نفسی کا معنی یہ ہے کہ میں اگر گمراہ ہوں تو اپنے نفس کے سبب ہوں اور میری گمراہی کا وبال میرے نفس پر ہے کیونکہ وہی میرا نفس ہی گمراہی کا سبب ہے اور بالذات گمراہ اور جاہل ہے اور برائی کا حکم دینے والا ہے (۲) اور اگر میں ہدایت یافتہ ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق سے ہے۔ (ان دونوں شرطوں کے درمیان ظاہر و مقابلہ ہوتا جب دونوں شرطوں میں "علی" کا کلمہ ذکر ہوتا یا باء کا کلمہ ذکر ہوتا) گویا یہ آیت کریمہ مَا أَصْلَابُكَ مِنْ سَيِّئَاتٍ لِّغَلِيظِ الْمَنِّ طرہ ہے۔ ۵ وہ سب کچھ سننے والا اور بالکل قریب ہے۔ ہر گمراہ اور ہدایت یافتہ کے قول و فعل کا ادراک رکھتا ہے اگرچہ وہ اسے نکستی بخفی رکھے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ ذُقْتَ عُوقُلًا تَقُولُ وَ أَخَذُوا مِنِّي مَكَانَ قَرِيبٍ ﴿۶﴾

"کاش! تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہوئے شخص لٹکنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔"

۱۔ شرابی کا قائل عام مخاطب ہے۔ کفار کی گھبراہٹ اور سرانسیگی کے وقت سے مراد ان کی موت کا وقت ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں قیامت کے روز انھیں کا وقت ہے (۳) لوایت امرأ فقطعاً محذوف ہے۔ یعنی موت کے وقت قیامت کے روز ان کی حالت دیدنی ہوگی ان کی خواہش تو ہوگی کہ اللہ تعالیٰ سے کہیں بھاگ جائیں کسی مضبوط مکان میں اپنے آپ کو محفوظ کر لیں یا اپنی جانوں کا قندہ یہ دیں لیکن ان کی خواہش کے مطابق کچھ بھی نہ ہوگا بلکہ موت کے وقت سطح زمین سے زمین کے بطن تک انہیں پکڑ لیا

جائے گا یا روزِ محشر موقف سے دو رخ میں ڈالے جانے تک پکڑ لیا جائے گا اور ضحاک فرماتے ہیں یہ بدر کے دن کفار سے سلوک ہو چکا ہے، انہیں قریب کے مکان سے عذاب دینے کے ساتھ پکڑ لیا گیا تھا۔ لیکن بعد الاقول اس تاویل کی تائید نہیں کرتا۔

وَقَالُوا اَمْتَالِهِمْ ۚ وَاَلَيْ لَهُمُ الشَّاوِشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۵۱﴾

”اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے ان پر لے لیکن اب کیونکر وہ پاس کے ہیں ایمان کو بل اتنی دور جگہ سے ہے۔“

۱۔ یہ کہ ضمیر کا مرجع محمد ﷺ ہیں، آپ کا ذکر پہلے مابصا حکم کے ارشاد میں ہو چکا ہے انہوں نے بدر کے دن تو یہ نہیں کہا تھا کہ ہم محمد ﷺ پر ایمان لائے ہیں بلکہ ابو جہل کو جب قتل کیا جا رہا تھا اور اس کی زندگی میں کچھ رقم باقی تھی حضرت ابن مسعود نے اس کی داڑھی سے پکڑا اور کہا اَلْخَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْرَجَکَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ سب قریبیں اس ذات کے لئے ہے جس نے تجھے رسوا کیا۔ ابو جہل نے کہا اس نے مجھے کیسے رسوا کیا ہے۔ جس کو اپنی قوم ہی قتل کر دے اس کی رسوائی کیسے ہوتی ہے۔ کفار موت کے وقت (جب آنکھیں کھلی ہوگی اور عزرائیل علیہ السلام سختی سے انگ انگ سے روح نکال رہے ہوں گے) کہیں گے ہم محمد ﷺ پر ایمان لائے اور جب قبور سے نکل کر عذاب کا مشاہدہ کریں گے اور عذاب سامنے نظر آ رہا ہوں گا تو کہیں گے ہم محمد ﷺ پر ایمان لائے۔ (اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ سابق آیت کی ضخاک نے جو تاویل بیان کی ہے وہ درست نہیں ہے)

۲۔ نافع ابن اثیر ابن عامر اور حفص نے الشاوش کو داؤ کے ضمد اور بغیر مد کے پڑھا ہے اور اس کا معنی کسی چیز کو لے لینا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اس وقت ایمان اور تو یہ کو پانا ان کے لئے کہاں سے ہوگا۔ باقی قرآن کے داؤ کی جگہ حمزہ اور مد کے ساتھ پڑھا ہے اور حمزہ جب وقف کرتے ہیں تو اسے تین تین کرتے ہیں کیونکہ یہ النش (بابزہ) سے مشتق ہے اور اس کا معنی آہستہ آہستہ حرکت کرنا ہے۔ یعنی ان کے لئے حرکت کرنا اور ایمان و تو یہ کو طلب کرنا کیسے ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ النش سے مشتق ہو جس کا معنی الشاوش ہو۔ اور اس کی اصل داؤ ہو۔ پھر داؤ کے ضمد کے لڑوہ کی وجہ سے داؤ حمزہ سے بدل گئی ہو، اسی وجہ سے حمزہ داؤ کے ضمد کے ساتھ وقف کرتے ہیں۔ اور یہ اپنی اصل پر وارد ہے الدانی نے التیسیر میں اسی طرح لکھا ہے۔ قاموس میں النش (بابزہ) کا معنی لینا، پکڑنا، اٹھنا، تاخیر کرنا لکھا ہے (۱)۔ اور یہاں تاخیر کرنے والا معنی درست نہیں ہے لیکن باقی سب معانی یہاں چسپاں ہو سکتے ہیں۔ النش (بالواؤ) کا معنی کسی چیز کو لینا، طلب کرنا، چمنا اور اٹھنے میں جلدی کرنا ہے۔

۳۔ ایمان کا قبول کرنا اس وقت ہوتا ہے جب انسان مکلف ہو۔ اب تکلیف کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اب تو جزاء و سزا کا زمانہ شروع ہو گیا ہے۔ ایمان قبول کرنے اور توبہ کرنے کا وقت فوت ہو جانے کے بعد کفار کے خلاص طلب کرنے کو محال ہونے میں اس شخص کی حالت سے تشبیہ ہو گئی ہے جو دروالی چیز کو طرح حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسے وہ ایک ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں کفار قیامت کے روز دنیا کی طرف لوٹنے کا سوال کریں گے تو انہیں کہا جائے گا آخرت سے دنیا کی طرف لوٹنا کیسے ہو سکتا ہے (۲)۔

وَقَدْ كَفَرُوا بِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُونَ بِالْعِيبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۵۲﴾

”حالانکہ وہ کفر کرتے رہے ان سے اس سے پہلے اور دور سے بن دیکھے یادہ گویاں کرتے رہے۔“

۱۔ پند کی نصیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یا محمد ﷺ ہے جن کا ذکر مابصاحکم میں ہو چکا ہے یا قرآن ہے جس کا ذکر جاء الحق کے ضمن میں ہوا ہے یا عذاب ہے جو احدوں سے مفہوم ہے۔ یہ جملہ فالو کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی اس سے پہلے جبکہ توحید رسالت اور قرآن کو قبول کرنے اور ماننے کا وقت تھا اس وقت تو ان کے شب و روز اسی مشغولیت میں سر ہوئے کہ کبھی توحید باری تعالیٰ کا انکار کبھی میرے نبی پر لائینی الزامات و اعتراضات کبھی قرآن کی روشن آیات پر اور عقیدہ قیامت پر پڑتیاں۔

۲۔ بغیر کسی دلیل کے بن دیکھے نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں بڑیان کہتے تھے اور آخرت کے تصور اور نظریہ کے متعلق مختلف شبہات بیان کرتے تھے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ شاید ان کی حالت کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو اندھیرے میں تیر مار رہا ہے اور دور دکھڑا ہے جہاں سے اسے نشانہ بھی نظر نہیں آ رہا ہے کیا ایسے شخص کا تیر اپنے نشانہ پر پہنچ سکتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں وہ بد بخت محمد ﷺ کے متعلق ایسی لائینی باتیں کہتے جن کا انھیں خود بھی علم نہیں ہوتا تھا (۱)۔ کبھی کہتے سارحہ بکھی کہتے جنتون ہے۔ ان ہرزہ سرا یوں پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہ تھی۔ لائینی باتیں اور ہرزہ سرائی کرنے کے لئے عرب کہتے ہیں یقذف بالعباب۔ قنادر فرماتے ہیں وہ اپنے گمان سے کہتے کہ نہ قیامت قائم ہوگی، نہ جنت ہے اور نہ دوزخ ہے (2)۔ یقذف بالعباب کا یہی معنی ہے۔ ویقذفون الخ کا عطف کھڑڈا پہ پر ماضی کی حالت کی حکایت کی بناء پر ہے۔ یا اس کا عطف فالو پر ہے۔ اس عطف کی صورت میں ان کی حالت کی تشبیہ ایسے شخص سے ہوگی جو لائینی باتیں کرتا ہے دنیا میں ایمان ضائع کرنے کے بعد اب اس کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

وَجِئِلْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ

كَانُوا فِي شَكٍّ مَُّرِيبٍ ﴿۵۰﴾

”اور رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہوں گے جیسے ان

کے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ پہلے کیا گیا تھا وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو دوسروں کو بھی شک میں ڈالنے والا تھا۔“

۱۔ یعنی ایمان کے نفع دوزخ سے نجات یا دنیا کی طرف لوٹنے یا دنیا کی نعمتوں کو حاصل کرنے کی خواہش کریں گے لیکن ان کے درمیان اور ان کی امیدوں کے درمیان ایسا دیوار پرودہ حائل ہوگا، ایسی مضبوط اور بلند دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس کا کراس کرنا ان کے لئے ناممکن ہوگا۔ بینہ طرف جبل کے نائب فاعل کے قائم مقام ہے یا جبل اپنے مصدر کی طرف منسوب ہے یعنی جبل الحیلولة۔ ابن عامر اور کسائی نے حاء وضمہ کے اشام کے ساتھ پرودہ چاہا ہے اور باقی قراء نے سرکہ کے اخلاص کے ساتھ پرودہ چاہا ہے۔ اشیاء سے مراد گذشتہ منکر قومیں ہیں۔ یعنی اس سے پہلے وہ قیام قیامت اور عذاب میں مبتلا کیے جانے کے بارے میں شک کرتے تھے۔ مرعب ہے یا تو اسم فاعل ہے یا ذی ریبہ کے معنی میں ہے اور یہ مشک یا شاگ سے منقول ہے۔ اور مبالغہ کے لئے شک کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على شفيع المذنبين۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آج مورخہ 16 دسمبر 2000ء، بوقت 9:25 پر سورہ سبا کی تفسیر کا ترجمہ مکمل ہوا۔ اور سورہ ملائکہ کی تفسیر کے ترجمہ

کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو قبول فرمائے و صلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

سورۃ فاطر

ایمان ۲۵ سورۃ فاطر ۲۵ رکوع ۵

سورۃ فاطر کی ہے اس میں پینتالیس آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرماتے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولٰٓئِیْ اُجْعَلُ مَثَلًا
وَلَقَدْ وَرَّیْتُ رَبِّیْ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

”سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ جس نے بنایا ہے فرشتوں کو پیغام رساں جو پر دار باز و قائل ہیں کسی کے کو کسی کے تین اور کسی کے چار وہ زیادہ کرتا ہے بناوٹ میں جو چاہتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ بغیر کسی سابق مثال اور نمونہ کے زمین اور آسمانوں کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ فاطر الفطرہ سے مشتق ہے جس کا معنی نیست سے ہست کرنا ہے۔ فاطر السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اضافت معنوی ہے کیونکہ فاطر اسم فاعل بمعنی ماضی ہے اور یہ اسم جلالت کی صفت ہے۔

یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام اور نیک لوگوں کے درمیان پیغام رسائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے وحی لے کر انبیاء کرام اور رسولوں تک پہنچاتے ہیں اور الہام والقاء یا سچے خوابوں کے ذریعے اُولِیَہِا کرام کو مشرف فرماتے ہیں یا یہ فرشتے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان قدرت الہیہ کے کرشمے ظاہر کرنے پر مامور ہیں۔ جاعل کی ملاحظہ کی طرف اضافت لفظی ہے کیونکہ جاعل رسل میں عمل کر رہا ہے اور یہ دوسرے مفعول میں عامل ہوئی نہیں سکتا جب تک کہ پہلے مفعول میں عامل نہ ہو کیونکہ یہ افعال قلوب کے ملحقات سے ہے اور ان میں ایک مفعول پر اقتصار جائز نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حال یا استقبال میں محمد ﷺ اور آپ کی امت کے خواص تک کے لئے پیغام رساں بنایا ہے۔ جاعل اسم جلالت سے بدل ہے صفت نہیں ہے۔ اُولِیَہِا اُجْعَلُ مَثَلًا سے بدل ہے مَثَلًا وُرَّیْتُ رَبِّیْ اُجْعَلُ مَثَلًا کی صفت ہیں۔ قنادہ اور مقال فرماتے ہیں فرشتوں میں سے کسی کے کو کسی کے تین اور کسی کے چار ہیں (۱) چار تک حصہ نہیں ہے اسی حصہ کے دوام کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ یعنی اپنی مخلوق میں سے جس کے لئے چاہتا ہے اس میں اضافہ فرما دیتا ہے۔ امام مسلم نے ابن مسعود سے نقل دای من آیاتہ الکبریٰ کی آیت کے تحت نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل کو اس کی اصلی صورت میں دیکھا اس کے چہرہ پر تھے (۲)۔

ابن حبان نے اس طرح روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے جبریل کو سدرة المنتہی پر دیکھا۔ اس کے سات سو پر

۱۔ تفسیر بخاری، جلد ۵، صفحہ ۲۴۳ (التجاریہ)

۲۔ صحیح مسلم، جلد ۳، صفحہ ۴، حدیث: ۱۷۴ (الحدیث)

تھے اور اس کے پروں سے موتی اور یا قوت چھڑ رہے تھے۔ یہ حملہ (يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ) مستانہ ہے اور اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ مخلوق میں تفاوتِ شعیث الہی اور حکمت الہی کا مقتضی ہے۔ مخلوق کے اجسام بذاتِ خود اس تفاوت کا تقاضا نہیں کرتے۔ یہ آیت کریمہ جسامت اور معانی جیسے چہرہ کی ملاح، حسن صوت، ساحت نفس، عقل و دانش وغیرہ کو شامل ہے، یعنی جس کے لئے چاہتا ہے ان چیزوں میں زیادتی پیدا فرماتا ہے۔ ابنِ شہاب فرماتے ہیں اس اضافہ سے مراد حسن الصوت ہے (1) قیادہ فرماتے ہیں آنکھوں کی ملاح ہے۔ بعض فرماتے ہیں عقل و دانش مراد ہے (2)۔ یہ تمام چیزیں بطور تمثیل ہیں۔

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

”جو عطا فرمائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اپنی) رحمت سے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو روکے تو اسے کوئی دینے والا نہیں اس کے روکنے کے بعد لے اور وہی سب پر غالب ہوا کرتا ہے۔“

۱۔ یَفْتَحُ کا اصل معنی کسی بند چیز کو کھول دینا ہے لیکن یہاں بطور مجاز معطی (عطا کرنا) کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ سبب کا اطلاق مسبب پر کیا گیا ہے۔ رحمت سے مراد نعمت دینا ہے جیسے ایمان، علم، نبوت اور نیکیوں کی توفیق وغیرہ یا نعمت دینا یہ مراد ہے جیسے بارش، رزق، امن و سکون، صحت، جاہ و حشمت، مال اور اولاد وغیرہ۔ پہلے (فَلَا مُمْسِكَ لَهَا) یعنی ضمیر مومنٹ ذکر فرمائی اور فلا مومل لہ میں ضمیر مذکر ذکر فرمائی۔ غیروں کا یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ پہلے اسم موصول کی تفسیر رحمت سے کی گئی ہے اس لئے وہاں اس کے معنی کی رعایت کی گئی ہے اور دوسری جگہ اسم موصول مطلق ہے جو رحمت اور غضب دونوں کو شامل ہے، اس لئے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ضمیر مذکر ذکر فرمادی۔ اس آیت میں رحمت کے پہلے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔
۲۔ وہ عزیز ہے، یعنی جو اس کا ارادہ اور مشیت ہوتی ہے اس کے کرگزرنے پر غالب ہوتا ہے، کوئی اس سے اس کے ارادہ میں جھگڑ نہیں سکتا۔ وہ حکیم ہے، اس کا ہر کام علم اور اہقان کے ساتھ ہوتا ہے۔ بخاری اور مسلم نے صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ کلمہ پڑھتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتُ وَلَا مُغْطِي لِمَا مَنَعْتُ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَنَّةِ مِنْكَ الْجَنَّةُ (3)۔
جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ وہ تمام اشیاء کا خالق ہے جیسے چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تصرف فرماتا ہے اس لئے تمام لوگوں کو اپنے بے پایاں انعامات پر شکر کرنے کا حکم فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۖ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ قَالُوا بَلَىٰ ۚ فَرَّغْنَا مِنَ الْكَفَرِ ۚ

”اے لوگو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو اس نے تم پر فرمائی (بھلا یہ تو بتاؤ) کیا اللہ کے بغیر کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے نہیں کوئی معبود بجز اس کے سو (اس سے) منہ پھیر کر کدھر جا رہے ہو۔“

۱۔ الناس سے مراد اہل مکہ ہیں اور اس کے عموم میں دوسرے لوگ بھی شامل ہیں۔ یعنی اے لوگو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد رکھو کہ اس نے

جلد ہشتم

تمہیں حرم میں رہائش اور سکونت عطا فرمائی۔ تمہیں ہر قسم کے حسلوں سے محفوظ فرمادیا زمین کو تمہارے لئے بچھوتا فرمایا۔ آسمان کو تمہارے سروں پر بغیر ستون کے بلند فرمایا۔ نیز تمہاری تخلیق فرمائی۔ اور وہ اپنی مخلوق سے جو زیادتی چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ اس نے رزق کے دروازے کھول دیے جنہیں کوئی بند کرنے والا نہیں ہے کسی غیر کو ان نعمتوں کے عطا کرنے میں کچھ دخل نہیں ہے۔ تاکہ اسے خدا کا شریک بنایا جائے۔ اور شاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ایسا خالق ہے جو تم پر آسمان سے بارش برساتا ہو اور زمین سے گونا گونا پودے اور اناج اگاتا ہو۔ خالق سے پہلے من زندہ ہے کیونکہ اسہم نفی کے معنی میں انکار کے لئے ہے۔ اور خالق مبتدا ہے۔ غیر اللہ رفع کی قرأت کے مطابق خالق کا فاعل ہے۔ یا خالق مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی **وَلَمَّا خَلَّيْنَا خَالِقِي غَيْبِ الشُّبُهِ** یا خالق کی خبر غیب الشُّبُہ ہے یا خالق کی خبر یوز فکم ہے اور غیب الشُّبُہ خالق کی صفت ہے یا بدل ہے۔ حمزہ اور کسائی نے غیب الشُّبُہ کو لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مجرد پڑھا ہے اور باقی قراء نے محل پر محمول کرتے ہوئے مرفوع پڑھا ہے یا خالق فعل محذوف کا فاعل ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی **هَلْ يوز فکم من خالق غیر اللہ اور یوز فکم خالق کی صفت کے اعتبار سے محل جریا رفع میں ہوگا۔** یا حال کی حیثیت سے محل نصب میں ہوگا یا یوز فکم، مضمر فعل یوز ف کی تقریر ہے یا یوز فکم علیحدہ ہی مستقل کلام ہے اور ترکیب میں اس کا کوئی محل نہیں ہے۔ جب اس کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں ہے تو تم کس وجہ سے منہ موڑ کر شرک کی گہری وادی بھی سرکش گھوڑے کی طرح سر پٹ دوڑے جا رہے ہو جبکہ تم خود اعتراف بھی کرتے ہو کہ صرف وہی خالق ہے اور وہی رازق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تخلیق کرنے والا ہے اور نہ سامان رزق مہیا فرمانے والا ہے۔

وَأِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٥٠﴾

”اور (اے حبیب!) اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو کوئی نئی بات نہیں) آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے اور

(آخر کار) اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جاتے ہیں۔“

۱۔ اگر انہوں نے تیری دعوت توحید اور نظر پر قیامت اور ثواب و عقاب کو بھلا یا تو اس میں کوئی اتہونی بات نہیں ہے۔ آپ سے پہلے انبیاء کرام کے ساتھ بھی یہ سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اس لئے آپ ان کی دلغراش باتوں پر صبر سمجھئے اور رنجیدہ خاطر نہ رہا کریں۔ وَ اِنَّ يَتَذَكَّرُ لَكُمْ لَئِىْ تَكُونُوْا قَوْمًا كَافِرًا مِّنْ قَبْلِ هٰذَا وَلَٰكِنْ حَسْبُ الْكَافِرِ لَلْعَذَابُ ۝۱۰۱

ہے۔ رسول پر توین تعظیم کے لئے ہے جو تمہاری اور صبر پر برا سمجھتے کرنے پر دلالت کرنے کا تھا خدا کرتی ہے۔ یعنی اے حبیبِ مكرم! ان کے انکار پر دیکھئے نہ ہوا کریں کیونکہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام اپنی اپنی قوموں کے پاس تشریف لائے جن کے پاس اپنی صداقت کے کئی معجزات اور نشانیاں تھیں اور وہ اپنی طویل عمروں میں پوری دوسویں کے ساتھ لوگوں کی شاہراہ حق کی طرف راہنمائی کرتے رہے۔ وہ بھی بڑے مضبوط ارادہ اور بلند عزائم کے مالک تھے لیکن اذلی بد بختوں نے ان کی ہر کوشش کو ٹھکرا دیا اور مگر اسی کے گھپ اندھیروں میں بھٹکتے رہے۔

۱۰۔ تمام امور کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ وہ جنہیں تمہارے صبر پر اپنی نصرت کے ساتھ جزا دے گا، انہیں بڑے ثواب عطا فرمائے گا۔ اور ایمان یا نیکذیب پر دنیاؤ آخرت میں عذاب دے گا۔ جزہ کسائی، خلف اور یعقوب نے ترجیع کو تاء فتح اور جیم کے کسرہ کے ساتھ معروف کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء تاء کے ضمہ اور جیم کے فتح کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّكُمْ بِاللَّهِ الْعَرُوفُ ۝

”اے لوگو! (یاد رکھو) یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دھوکہ میں نہ ڈالو۔ تمہیں دنیوی زندگی اور نہ فریب میں جھٹانا کر دے تمہیں اللہ کے بارے میں وہ بڑا فریبی ہے۔“

۱۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جو توقع قیامت کا وعدہ فرمایا ہے۔ دو یقیناً پورا ہوگا، اس میں خلف کا قطعاً احتمال نہیں ہے۔ پس تمہیں دنیا کی رنگینیاں اور لذتیں اس طرح مشغول نہ کروں کہ تمہیں آخرت کا تقصیری بھجول جائے اور آخرت کو سنوارنے کی کوشش سے غافل ہو جاؤ اور یاد رکھو کہ کیس شیطان مردود تمہیں آخرت کا مذاب بھلا دے یا تمہیں بخشش اور مغفرت کی امیدیں دلا کر محبتیت پر اصرار کی روش پر نہ چلا دے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے اور ممکن بھی ہے کہ اس رب کریم کی رحمت بڑے بڑے مجرموں کو معاف کر دیتی ہے لیکن بخشش کے احتمال اور مغفرت کی امید پر بھی گناہ کا ارتکاب اس چیز کے مشابہ ہو جاتا ہے جو تریاق کے احتمال پر نہر کو کھاتا ہے۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَالْحِزْبُ وَالْعَدُوُّ إِلَّا السَّيْرُ عَوَا جِرِيَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ①

”یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو۔ وہ فقط اس لئے (سرکش کی) دعوت دیتا ہے اپنے گرو کو تاکہ وہ جہنمی بن جائیں۔“

”یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے (اپنا) دشمن سمجھا کرو۔ وہ فقط اس لئے (سرکشی کی) دعوت دیتا ہے اپنے شیرو کو تاکہ وہ چہنبی بن جائیں۔“

۱۔ شیطان تمہارا ازلی اور قدیمی دشمن ہے کیونکہ اس نے دربار الہی سے نکلنے کے وقت قسم اٹھا کر کہا تھا یَعْرِضُكَ لَكَ غَوِيٍّ يَهْمُكَ ۝ (تیری عزت کی قسم میں اس تمام کو براہ راست سے بھونکاؤں گا) جب وہ تمہارا دشمن بنے تو تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو اس کی عداوت اور دشمنی پر یقین رکھو کسی وقت بھی اس کی وسوسہ اندازی سے غافل نہ رہو ہر حال میں جو چاہا ہو اور اس ظالم کی اتباع و اطاعت نہ کرو اس کو دلیل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر وہ کام کرے جو محبوب کو پسند ہو اور اس سے خوش ہو۔ اور دشمنی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان وہ کام کرے جو دشمن کو ناپسند ہو اور اس کو غصہ دلاتا ہو۔ یہ جملہ سابق نبی کی حلت بیان کر رہا ہے۔

۷۔ وہ بد بخت اپنے گرو کو گمراہ ہوں! خواہشات نفس اور دنیا کی طرف میلان و اشتغال کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ دوزخی بن جائیں۔
یہ گمراہ اہل حق کے متعلق ہے اور یہ اس کی عداوت کا ثبوت اور اس کے مقصود کا بیان ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿٥﴾

”جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔“

یہ آیت میں شیطان سے موافقت اور مخالفت رکھنے والوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے، یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور شیطان کی پیروی کی ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا، نیک عمل کئے اور شیطان کی مخالفت کی ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اَفَمِنْ دُئِينَ لَهُ سَوْءٌ عَلَيْهِمْ فَرَاَدَ حَسَنًا ۖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَهُدًى مِّنْ
يَّشَاءُ ۚ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْعَوْنَ ۝

”پس کیا وہ شخص جس کے لئے مہین کر دیا گیا ہے اس کا برا عمل اور وہ اس کو خوبصورت نظر آتا ہے (اس کے لئے آپ
آزادہ کیوں ہوں)۔ ۱۔ بیشک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے پس نہ گھلے آپ کی
جان ان کے لئے فرط غم سے بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔ جو (کرتوت) وہ کیا کرتے ہیں۔“

۱۔ راہ حسنہ کا عطف ذہین پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جسے رسوا اور ذلیل فرمانا چاہتا ہے تو اس کی خواہش نفس اس کی عقل پر غالب آ جاتی
ہے اور شیطان اس کے دل میں وسوسہ اندازی کرتا ہے حتیٰ کہ وہ برائی کو اچھائی سمجھتا ہے اور باطل کا قبیح چہرہ اسے حق کا رنج و زاری نظر آتا
ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ جس کی حق کی طرف راہنمائی فرماتا ہے اور شیطان اپنے تمام فریب اور فسوں استعمال کرنے کے باوجود
اسے پیچھا نہیں سکتا ہے حتیٰ کہ وہ حق و باطل میں تیز کرتا ہے، اچھے اعمال کو تحسن اور برے اعمال کو قبیح چاہتا ہے چونکہ قَوْلُ اللّٰهِ يُفَيِّسُ کا
ارشاد جواب شرط پر دلالت کر رہا ہے اس لئے جواب شرط کو حذف کیا گیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يُفَيِّسُ میں مزید انکار کے لئے ہے اور فاء محذوف
کلام پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے اطعم ان تهندي كل رجل فيكون المخذول من الله والمهدي
سواء لا تطعم ذلك فان الله يضل من يشاء ويهدي من يشاء۔ یعنی کیا آپ ہر شخص کو ہدایت دینے کی خواہش رکھتے ہیں
پھر تو اللہ کی طرف سے ہدایت سے محروم شخص اور ہدایت یافتہ برابر ہوں گے آپ ایسی خواہش نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے
گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

۲۔ آپ ان کی گمراہی اور نوائے پراسوس اور حسرت کرتے ہوئے اپنے نفس کو نہ گھلائیں (یا اس درمندی اور ہمدردی کے مظاہرہ کے
مستحق ہی نہیں ہیں) حسرات علیت کی بناء پر منصوب ہے۔ حسرة کا معنی اس چیز پر انتہائی غم اور حزن کا اظہار کرنا جو موقوف ہو گئی ہو اور
حسرة کی جمع حسرات ہے۔ حسرات یعنی جمع کا لفظ ذکر فرمایا تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ محبوب کریم ﷺ ان کے حالات پر
بہت زیادہ غم کھاتے تھے۔ یا ان کے ان برے افعال پر افسردہ خاطر ہوتے تھے جو انفسوں کرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ علیہم،
حسرات کے متعلق نہیں ہے کیونکہ مصدر کا صلا مصدر سے مقدم نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تذبذب صلا ہے یا تحسر علیہ (جس پر حسرت کا اظہار
کیا جائے) کا بیان ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں تقدیر عبارت اس طرح ہے افعمهم بکفرهم فمن ذہین له سوء عملہ فاضلہ اللہ
تذہب نفسک علیہم حسرة۔ یعنی آپ ان کے کفر سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور ان پر اظہار حسرت نہ فرمائیں۔ فلا تذہب
محذوف جواب پر دلالت کر رہا ہے اور قَوْلُ اللّٰهِ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَهُدًى مِّنْ يَّشَاءُ تعلیل کے طور پر جملہ معترضہ ہے۔ الحسین بن الفضل
فرماتے ہیں اس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ افعمن ذہین له سوء عملہ فراه حسناً فلا تذہب
نفسک علیہم حسرات فان اللہ یضل من یشاء ویہدی من یشاء۔ یعنی جس کے لئے اس کا برا عمل مہین کر دیا گیا ہے اور
وہ اس کو خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔ پس آپ ان پر اظہار حسرت نہ فرمائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسکو چاہتا
ہے ہدایت دیتا ہے (۱)۔ علامہ ابنوی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت کریمہ ابو جہل اور شرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی
۱۔ تفسیر ابنوی، جلد 5، صفحہ 244 (اتحادیہ)۔

ہے (۱)۔ جو میر نے عن الصالح عن ابن عباس کے سلسلہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ دِيْنَكَ بِغَمَزِ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِابْنِ جَهْلٍ نَبِيْ هِشَامٍ (اے اللہ عمر بن خطاب یا ابو جہل کے ذریعے اپنے دین کو تقویت عطا فرما۔ پس آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے عمر بن خطاب کو ہدایت عطا فرمائی اور ابو جہل کو گمراہ کر دیا تو یہ آیت کریمہ ان دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں یہ بدعتی اور خواہش نفس کے پجاریوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں یہ ان خوارج کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مسلمانوں کا خون بہانا حلال سمجھتے تھے اور ان کے مال لے لینا بھی جائز سمجھتے تھے۔ لیکن گناہ کبیرہ کے مرتکب ان میں سے نہیں ہیں کیونکہ وہ گناہ کبیرہ حلال نہیں سمجھتے (۲) بلکہ باطل کو باطل تسلیم کرتے ہیں اگرچہ اس کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے پس وہ اس پر انہیں جزاء و سزا دے گا۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْ اَمْرًا سَلَّ الرَّيْحَ فَتَشِيْرُ سَحَابًا قَسْفُهُ اِلَىٰ بَلَدٍ مَّيْمَنٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ
الْاَرْضَ مَعْدَمًا بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ①

”اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو وہ اٹھالاتی ہیں بادل کو پھر ہم لے جاتے ہیں بادل کو مردہ شہر کی طرف پھر ہم زندہ کر دیتے ہیں اس بادل (کے سینہ) سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد۔ یونہی (انہیں) قبروں سے اٹھایا جائے گا۔“

وَاللّٰهُ الَّذِيْ اَمْرًا سَلَّ الرَّيْحَ کا عطف ان وعدہ اللہ حق پر ہے۔ ابن کثیرؒ حمزہ اور کسائی نے جنس کے ارادہ سے الريح (مفرد) پڑھا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے الریاح (جمع) پڑھا ہے۔ پہلے اوسل ماضی کا صیغہ ذکر فرمایا آجھے فَتَشِيْرُ مضارع کا صیغہ ہے۔ اس اختلاف افعال کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال حکمت پر اس صورت بدیعہ کو ذہن میں حاضر کیا جائے کیونکہ مقصود ہوا کو اس خصوصیت کے ساتھ پیدا کرنے کو بیان کرنا ہے۔ اسی وجہ سے فعل کی نسبت ہوا کی طرف فرمادی کہ وہ بادل کو اٹھالاتی ہیں۔ اختلاف افعال کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ استمرار امر پر دلالت مقصود ہو۔ فسقناہ میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہے کیونکہ کلم کے صیغہ میں کرشمہ سازی میں جوشان کمال ہے اس کا زیادہ اظہار ہوتا ہے۔ ہیبت کو ماضی حمزہ کسائی اور حفص نے یاہ کی شد کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ فاحیینا بہ۔ یعنی ہم بارش کے قطرات سے مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ بادل کا ذکر بارش کے ذکر کی طرح ہے یا بادل چونکہ زمین کے احیاء کے سبب کا سبب ہے اس لئے اس کو ذکر فرمایا۔ یعنی وہ زمین جو خشک سالی کے باعث اجاز اور زری غبار بنی پڑی تھی اس کی سرسبزی نام کی بھی باقی نہ تھی ہمارے ان حیات بخش قطرات کے برسانے سے سرسبز و شاداب ہوگئی زمین کے پودوں اور سبزی کی موت و حیات کی نسبت زمین کی طرف مجازی ہے۔

یعنی جس طرح ہماری قدرت کی کاریگری سے خشک اور اجاز زمین میں آثار حیات نمودار ہو جاتے ہیں بالکل اسی طرح تمہیں زندہ کرنا ہماری قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں کام ہماری قدرت کے تحت داخل ہیں۔ صرف مقیس اور مقیس علیہ کے مادہ میں اختلاف ہے، لیکن اختلاف مادہ کا زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ زندہ کرنے کی کیفیت کی تشبیل ہے کیونکہ عبد اللہ بن عمر سے امام مسلم نے دوبارہ اٹھنے کی کیفیت اس طرح روایت کی ہے کہ ”پھر اللہ تعالیٰ بارش کے قطرات برسائے گا وہ شہنم

کے قطرات کی طرح ہوں گے پس اس کی وجہ سے لوگوں کے اجسام اگ جائیں گے۔ ابوالبشیر نے اعظمیہ میں حضرت دھب سے روایت کیا ہے کہ بخر مجبور (آگ کا سمندر) اس کی ابتداء اللہ کے علم سے ہوگی اور اس کا آخر اللہ کے ارادہ سے ہوگا اس میں مردہ کے مادہ منویہ کے مشابہ گاڑ چھاپائی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سمندر سے مخلوق پر چالیس روز راہد اور راوند (زلزلے) کے درمیان بارش برسائے گا۔ جنت کے پودے سیلابی زمین کے سبزہ کی طرح اگیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی جنوں سے مومنین کی رگوں کو اور دوزخ سے کافروں کی رگوں کو جمع فرمائے گا تاکہ ان کے جسموں میں ڈالے پھر وہ اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم فرمائے گا۔ (پس اس کے صور پھونکنے سے) ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو جائے گی (اللہ بیٹ) بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دونوں صدوروں کے درمیان چالیس (کا فاصلہ) ہے۔ حاضرین مجلس نے پوچھا چالیس دن مراد ہیں فرمایا میں یہ نہیں کہتا پھر انہوں نے پوچھا چالیس مہینے مراد ہیں۔ فرمایا میں یہ بھی نہیں کہتا پھر انہوں نے پوچھا چالیس سال مراد ہیں۔ فرمایا میں یہ بھی نہیں کہتا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے لوگ اس طرح اگ پڑیں گے جیسے سبزیاں اگتی ہیں اور انسان کا سوائے ربڑہ کی ہڈی کے سب کچھ بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ قیامت کے روز اسی سے انسان کی تخلیق کو مکمل کیا جائے گا (1)۔ ابن المبارک نے سلیمان سے روایت کیا ہے کہ دوبارہ اٹھائے جانے سے چالیس دن پہلے گاڑے پانی کی بارش نازل ہوگی۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عرش کے نیچے سے دونوں صدوروں کے درمیان پانی کی ایک واوی ہے گی اور ان دونوں صدوروں کے درمیان چالیس سال کی مدت ہے اس پانی سے انسان پرندہ اور ہر چوپائے کا جسم پیدا ہو جائے گا اگر اس سے پہلے ان کا کوئی شناسا ان کے جسموں کے اوپر سے گزرے گا تو وہ ان کو سطح زمین پر پڑا ہوا دیکھ کر فورا پہچان لے گا پس وہ سب جسم پیدا ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کی رگوں کو آزاد فرمائے گا تو وہ اپنے اپنے جسم کے اندر داخل ہو جائیں گی۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۖ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾

”جو عزت کا طلبکار ہو (دو جان لے) کہ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے۔ اور جو لوگ فریب کاریاں کرتے ہیں برے کاموں کیلئے ان کیلئے شدید عذاب ہے۔ اور ان کا کر (فریب) تباہ ہو کر رہے گا۔“

یعنی جو دنیا اور آخرت میں عزت کا خواستگار ہے تو اسے جانتا چاہئے کہ عزت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ فراء نے اس ارشاد کا یہ مفہوم بیان کیا ہے جو یہ جانتا چاہتا ہے کہ عزت کس لئے ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ عزت سب کی سب اللہ کے لئے ہے (2) آیت کا ظاہر اس مفہوم کا مقتضی ہے کہ جو عزت کا متلاشی ہے تو اسے عزت کا تاج زرنگار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے طلب کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے احکام کی پیروی کے ذریعے عزت حاصل کرے۔ کیونکہ ملکیت اور تخلیق کے اعتبار سے ہر قسم کی عزت اللہ کے لئے ہے جسے جانتا ہے عزت عطا فرماتا ہے۔ اس آیت میں کفار کے اوہام باطلہ کا رد ہے کہ وہ بتوں کی عبادت کر کے عزت کے متلاشی تھے۔ ارشاد فرمایا وَذُنُوبُهُمْ عِظَامٌ كِئْسَ أَهْلُ الْعِلْمِ يَسْتَمِعُونَ (ترجمہ) اور انہوں نے بتائے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا

کہ وہ ان کے لئے مددگار نہیں۔ اور یہ منافقین کے زعم فاسد کا بھی رد ہے جو کفار سے عزت کے طالب تھے۔ ان کی اسی کیفیت کو اسی ارشاد میں بیان فرمایا **يَتَّبِعُونَ عَصَاهُمْ أَلْوَنًا** ﴿۱۰﴾ یعنی وہ اپنی عصاؤں کو رنگ دیتے ہیں۔ عزت مانی ہے وہ عقیدہ توحید اور عمل صالح ہے۔

عَنِ الْكَلِمَةِ فَتَبَيَّنَ سِرُّهُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَتَبَارَكَ اللَّهُ وَغَيْرَ هَؤُلَاءِ كَلِمَاتٍ هِيَ صَعْدُ كَلَامٍ (کلام کے بلند ہونے) سے مراد مجازاً اس کی مقبولیت ہے۔ قنادر سے بھی یہی مفہوم مروی ہے۔ یا صعود کلام سے مراد ان فرشتوں کا چڑھنا ہے جو کلمات خیر کو عرش الہی کی طرف لے کر چڑھتے ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث میں ہے کہ جو شخص ان پانچ کلمات کا ورد کرتا ہے سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَتَبَارَكَ اللَّهُ۔ تو ایک فرشتہ ان کلمات کو اپنے پروں کے نیچے رکھ لیتا ہے۔ اور پھر اوپر بلند ہوتا ہے۔ فرشتوں کے جس مجمع سے گزرتا ہے تو وہ فرشتے ان کلمات کے کہنے والے کے لئے استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد عبد اللہ بن مسعود نے قرآن کا یہ ارشاد تلاوت فرمایا **يُتَّبِعُهُ الصَّعْدُ الْكَلِمَةُ** ﴿۱۱﴾۔ اس حدیث کو بغوی اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ شعلی ابو ابن مردود نے ابو ہریرہ سے یہی حدیث مرفوع روایت کی ہے۔

اسے بھی کہتے ہیں **رفع** یعنی ضمیر مستکن کا مرجع الکلم ہے اور ضمیر مفعول کا مرجع العمل الصالح ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا جب تک عقیدہ توحید کی موجودگی میں صادر نہ ہو۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ مستکن ضمیر کا مرجع اللہ ہے۔ یعنی صرف وہ عمل مقبول ہوتا ہے جس میں ریا کاری نہ ہو اور خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔ اے محمد بن علیؑ کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے کیونکہ اخلاص اعمال اور اقوال کی قبولیت کا سبب ہے۔ کلام کا ظاہر اس بات کا متقاضی ہے کہ ضمیر مستکن کا مرجع عمل صالح ہے۔ کیونکہ یہی قریب ترین ہے۔ اور ضمیر منصوب کا مرجع الکلم ہے۔ الکلم مفرد ہے جمع نہیں ہے اور اس سے مراد جہنم ہے۔ اسی وجہ سے اس کی صفت الطیب ذکر فرمائی ہے یا یہ کہا جائے گا کہ تقدیر کلام اس طرح ہے **بعض الصَّعْدُ الْكَلِمَةُ فَتَبَيَّنَ سِرُّهُ** اور یہ اقوال ہوں گے جو اخلاص پر مبنی ہوں۔ ابن عباسؓ سعید بن جبیر حسن مکرہ اور اکثر مفسرین نے ضمیر کو اس آخری قول کے مطابق لکھا ہے۔ حسن اور قنادر فرماتے ہیں الکلم الطیب سے مراد ذکر الہی ہے اور عمل صالح سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے پس جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے لیکن فرائض ادا نہیں کرتا ہے تو اس کے کلام کو اس کے عمل کی طرف لکھا جاتا ہے۔ ایمان صرف تمنا اور ارادہ کا نام نہیں، اسی طرح نیک اعمال صرف نیک کارنامہ نہیں بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں قرار پائے ہو اور اعمال اس کی تصدیق کرتے ہوں جو شخص باتیں جو اچھی کرتا ہے لیکن اعمال اچھے نہیں کرتا (یعنی اس کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے) تو اس کی اچھی باتوں کو بھی رد کر دیا جاتا ہے اور جو شخص باتیں بھی اچھی کرتا نیک اعمال بھی کرتا ہے تو اس کے اعمال صالحہ اس کی اچھی باتوں کو بلندی اور سرفرازی عطا کرنے کا موجب بنتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **يُتَّبِعُهُ الصَّعْدُ الْكَلِمَةُ فَتَبَيَّنَ سِرُّهُ**۔ حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ کسی قول کو عمل کے بغیر قبول نہیں فرماتا اور کسی قول اور عمل کو بغیر نیت کے قبول نہیں فرماتا (۲)۔

میں کہتا ہوں اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ ایمان بغیر عمل کے قبول نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے یہ گواہی دی **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ** وَأَنَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَآلِ عِيسَى

وَكَلِمَتُهُ الْفَاقَهَا إِلَىٰ مَوْجِمٍ وَزُورُحٌ مِنْهُ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، یعنی علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس کی بندی کے سینے ہیں اللہ کے اس کلمہ کا اثر ہیں جو میری طرف اس نے القا فرمایا تھا اور اللہ کی طرف سے روح تھے۔ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے (تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جنت میں داخل فرمائے گا خواہ اس کا عمل کچھ بھی ہو) (۱)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے عباده بن الصامت سے روایت کیا ہے۔ بلکہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ پاکیزہ کلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرف یا ربانی حاصل کرتا ہے پھر اگر اس کے ساتھ عمل صالح بھی ہو تو وہ عمل صالح اس کی شان کو اور چار چاند لگا دیتا ہے اور اس کے ثواب میں کی گناز یادتی کا باعث بنتا ہے۔ اور حضور ﷺ کے ارشاد لا یقبل اللہ قولاً الا بعمل (اللہ تعالیٰ بغیر عمل کے کوئی قول قبول نہیں فرماتا) کا مطلب یہ ہے کہ منافق کا قول جودل اور جوارح کے عمل سے خالی ہوتا ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح ”وہ قول جو عمل سے متصل ہو بغیر نیت کے قبول نہیں ہوتا۔ اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ جو قول و عمل دل کے اخلاص سے محروم ہوتا ہے وہ قابل ذکر نہیں ہوتا۔ بعض علما فرماتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے کہ عمل صالح ”قابل کے درجہ کو بلند کرتا ہے۔

۱۔ وَالَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ الشَّيَاطِیْنَ مِنَ الْاِیْمَانِ صُدُّوا عَنْ رَحْمَةِ اللَّهِ بِسَبَبِ عَمَلِهِمْ، بِمَكْرُونٍ كَمَا مَكْرُونٌ لَا مَزْمَنَ لَیْسَ بِمَكْرُونٍ الْمَكْرَاتِ السَّیِّئَاتِ۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں مکررات سے مراد اور اللہ وہ میں قریش کا نبی کریم ﷺ کے خلاف سازشی منصوبے بناتا ہے جیسا کہ سورہ انفال میں لڑ چکا ہے وَإِذْ یَسْتَكْبِرُ الْاَنْبِیَاءُ الْكَافِرُوْنَ اَلَمْ یَقْتُلُوْا اَوْ یَمْكُرُوْا اَوْ یَقْتُلُوْا اَوْ یَمْكُرُوْا (ترجمہ) اور یاد کرو جب خفیدہ تمہاری گرد سے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تا آپ کو قیدہ کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں (2)۔ کبھی کہتے ہیں آیت کا معنی یہ ہے الذین یعملون السیئات (جو برائیاں کرتے ہیں) مجاہد اور شبر بن حوشب کہتے ہیں اس سے مراد یا کار لوگ ہیں (3)۔

یہ بیور کا معنی بطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَیَسْکُرُوْنَ وَیَسْکُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ لَا یَسْکُرُ ۚ (یعنی اللہ تعالیٰ ان کی فریب کاریوں اور سازشوں کو باطل فرمادے گا۔ یا آیت کریمہ کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ریاکاروں کے اعمال کو رائیگاں کر دے گا۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحِیْلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا نَقَمٍ اِلَّا عَلَیْہُمْ ۚ وَمَا یُعْصِرُ مِنْ مُّعْصِرٍ وَلَا یُنْقِصُ مِنْ عُمُرٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ۚ اِنَّ ذٰلِكَ عَلٰی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝

”اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے پھر پانی کی بونہ سے پھر تمہیں بنادیا جوڑے جوڑے اور تمہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ بچہ جتنی ہے تمہیں اس کو اس کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی زندگی دی جاتی ہے کسی طویل العمر کو اور نہ کم رکھی جاتی ہے کسی کی عمر (مگر اس کی تفصیل) کتاب میں درج ہے بیشک یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔“

۱۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ کما عطف واللہ اصل پر ہے۔ یہ ارشاد دو بار اٹھائے جانے پر قدرت کی دلیل ہے کیونکہ مشکل کو قیودہ الخلق سے اعادہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ انسان کی بعید اصل مٹی ہے کیونکہ آدم کی تخلیق مٹی سے فرمائی تھی۔ اور قریب کی اصل لطفہ ہے۔ یعنی تمہاری تخلیق

کی ابتداء سے زندگی کے آخری لمحات تک تمہارے حالات و واقعات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور عمر کی زیادتی اور کمی لوح محفوظ یا کراما کا تہین کے محفوظوں میں درج ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں ہر کسی کی عمر لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے کہ اس نے اتنے سال زندہ رہنا ہے پھر اس کے نیچے لکھا جاتا ہے ایک دن گزر گیا، دو دن گزر گئے، تین دن گزر گئے حتیٰ کہ اس کی عمر ختم ہو جاتی ہے (۱) بعض علماء فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی عمر میں اضافہ یا کمی نہیں ہوتی مگر وہ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہوتی ہے کہ گلاں شخص کی عمر اتنے سال ہے پھر بعض نیکوں کی وجہ سے اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے گا یا بعض گناہوں کی وجہ سے کسی کی جانے گی۔ یہ سب چیزیں لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ”لا یرد القضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر“ (قضا کو کوئی چیز دور نہیں کرتی مگر دعا اور عمر میں اضافہ نہیں کرتی مگر نیکی) اس قول کی تائید کرتا ہے۔ اس حدیث کو سلمان فارسی سے امام ترمذی نے روایت کیا ہے (۲)۔

بعض علماء فرماتے ہیں اس کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ لمبی عمر والے کی عمر میں طوالت اور کم عمر والے کی عمر میں کمی اس طرح نہیں ہوتی کہ ناقص عمر والے کی عمر کا کچھ حصہ لمبی عمر والے کو عطا کیا جائے اور ناقص عمر والے کی عمر میں کمی کر کے اسے کم کیا جائے۔ من عمرہ میں ہر عمر کا مرجع منقوص عمرہ ہے۔ اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے لیکن چونکہ اس کے مقابل کے ذکر کی وجہ سے اس پر دلالت موجود ہے۔ اس نے ضمیر کو نانا جاز ہے اور لکی ضمیر کا مرجع معمر کو نانا بھی جاز ہے۔ اور مطلب یہ ہو کہ جس کو لمبی عمر عطا کی گئی اور اس میں سامع کے ضمیر پر اعتماد کیا گیا ہے کیونکہ اس بات میں کوئی التباس نہیں ہے کہ معمر ثانی سے مراد دوسرا عمر ہے جیسا کہ اس مثال میں ہے کہ لَا یُضِبُّ اللّٰهُ عِبَادًا وَلَا یُعَاقِبُهُ إِلَّا بِحَقِّهِ (اس مثال میں اللہ تعالیٰ کے جس بندے کو ثواب دینے کا ذکر ہے وہ اور ہے اور جس کو سزا دینے کا ذکر ہے وہ اور ہے) ان ذالک علی اللہ سیر میں ذالک کا مشار الیہ عمروں اور افعال کا لکھنا ہے۔

وَمَا یَسْتَوِی الْبَحْرَانِ ۚ هَٰذَا عَذَبٌ فَرَاتٌ سَاءَ مَشْرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَمِنْ كُلِّ تَاغُوتٍ لِّحَاطٍ ۚ یَاۤءُ تَسْتَخْرُجُنَّ حِلِیَّةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْکَ فِیْہِ مَوَآخِرَ لِّسَبْعُوۡا مِنْ فِضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوۡنَ ۝۶

”اور کیساں نہیں ہو سکتے پانی کے دو ذخیرے یہ (ایک) میٹھا ہے بہت شیریں اس کا پینا بڑا خوشگوار ہے اور یہ (دوسرا) سخت نمکین، کھاری تھل۔ اور دونوں میں سے تم کھاتے ہوڑ و تازہ گوشت ملے اور نکالتے ہوڑ زیت کا سامان جسے تم پینے ہو ملے اور دو دیکھتے ہے کشتیوں کو پانی میں کہ اسے چیرتی شور مچاتی چلی جا رہی ہیں تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل کو ملے اور یہ سب نوازشات اس لئے) تاکہ تم شکر ادا کرو گے“

۱۔ فورات کا معنی انتہائی میٹھا اور شیریں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں جو پیاس کو بجھا دے۔ سائغ جس کا پینا خوشگوار ہو، خود ہی گلے سے نیچے اترتا چلا جائے۔ هَٰذَا عَذَبٌ فَرَاتٌ اپنے معطوفات سے مل کر البحرین کی صفت ہے جیسے امر علی اللہیم یسبئی میں جملہ اللہیم کی صفت ہے۔ اجاج از حد کھاری، بعض فرماتے ہیں جو اپنے کھارے پین کی وجہ سے علاؤ الے۔ یہ مومن اور کافر کی مثال ہے اور اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کا بیان ہو رہا ہے کہ ایک جنس سے دو چیزیں پیدا فرمائیں جن کے خواص آپس میں مختلف ہیں۔

۲۔ یہ جملہ سمندر کی صفت اور اس کے اندر جو جہتیں ہیں ان کو نہ تازہ کر کیا گیا ہے۔ (کیونکہ قشتیل میں اس جملہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور

دونوں سمندروں کے برابر نہ ہونے کے بیان میں بھی اس کا کوئی تعلق نہیں تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ ہذا عذاب فرات اور ہذا ملح اجاج کا تہ ہے۔ جب ثابت ہو گیا کہ آیت جس مقصود کے لئے ذکر کی گئی اس میں اس جملہ کا کوئی دخل نہیں ہے تو واضح ہو گیا کہ یہ جملہ اسطر اداؤں کا نہیں ہے۔ اسطر ادا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کلام اس انداز میں ذکر کی جائے کہ اس سے ایک دوسری کلام لازم آئے اور مراد بھی دوسری کلام لی جائے (یا یہ بطور اسطر انجیں بلکہ تحشیل کی تشکیل کے لئے ہے۔ معنی یہ ہے کہ یہ دونوں سمندر جس طرح بعض فوائد میں مشترک ہونے کے باوجود جو چیز ان میں مقصود بالذات ہے، یعنی پانی یا اس میں مساوی نہیں ہیں اسی طرح مومن اور کافر بھی بعض خواص انسانی میں مشترک ہونے کے باوجود جو چیز ان کی تخلیق میں مقصود بالذات ہے، یعنی معرفت الہی اور عبادت الہی اس میں برابر نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدَنِ ۝ (ترجمہ) اور انہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں یا یہ جملہ اس لئے ذکر فرمایا کہ کافر پر کھاری پانی کو بھی فضیلت حاصل ہے کیونکہ کھاری پانی تو مانع میں بیٹھے پانی کے ساتھ شریک ہے لیکن کافر میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سے تم کھاری پانی سے موتی اور مرجان نکالتے ہو جنہیں تم بیٹے ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں موتیوں کے نکالنے کی نسبت دونوں قسم کے سمندروں کی طرف کی گئی ہے حالانکہ موتی اور جوہر صرف کھاری سمندر میں ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کھاری سمندر میں بیٹھے چشمے بھی ہوتے ہیں جو نیکین پانی کے ساتھ مل جاتے ہیں اور بعض اوقات بیٹھے چشموں کا پانی کھاری پانی پر غالب آ جاتا ہے۔ پس اتفاق سے وہاں سے کوئی موتی مل جاتا ہے تو وہ موتی حقیقت میں کھاری پانی کی جگہ سے ہوتا ہے۔

بے شک الفلک کا عطف من کل فاکلون پر ہے۔ فی کی ضمیر کا مرجع ہر سمندر ہے۔ مواخو جمع ہے ماخرۃ کی اور یہ البحر سے مشتق ہے جس کا معنی چیرنا ہے۔ لَبَسْتُمْ مِنْ أَفْضَلِهِمْ فُلًا سَعًى مَرَاتِجًا ہے۔ لبسوا کا لام مواخو کے متعلق ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لام اس فعل کے متعلق ہو جس پر مذکورہ افعال دلالت کر رہے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سمندر کو اس طرح بنا دیا ہے تاکہ تم تجارت کرو۔

یہ سب انعامات تم پر اس لئے فرمائے تاکہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ لعلکم کا عطف لبسوا پر ہے کیونکہ حرف تریجی (لعل) استعارۃ لام کے معنی میں ہے اور حرف تریجی کا ذکر کرنا اس کے ظاہر حال کے تقاضا کے مطابق ہے۔

يُولِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّيْءَ وَالْقَمَرَ كُلَّ يَوْمٍ فِي أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَسْمَعُونَ مِنْ قَاطِرٍ ۝

”وہ داخل کرتا ہے (کبھی) رات (کے ایک حصہ) کو دن میں اور (کبھی) داخل کرتا ہے دن کے (ایک حصہ) کو رات

میں اور اس نے پابند حکم کر دیا سورج اور چاند کو ہر ایک رواں ہے مقرر میعاد تک لے یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اسی کی

ساری بادشاہی ہے اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ تو غلطی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہے۔“

لے گرمیوں میں رات کو دن میں اور سردیوں میں دن کو رات میں داخل کرتا ہے اس طرح کہ گرمیوں میں دن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہے جبکہ سردیوں میں اس کا برعکس ہوتا ہے۔ اس آیت کا تعلق واللہ خلقکم من تراب کے ساتھ ہے اور درمیان میں ما

بستوی والا جملہ مقررہ ہے۔ اجل مسمیٰ سے مراد سورج اور چاند کا اپنی اس مدت میں چلنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر فرمائی ہے (چاند ایک ماہ میں آسمان کی مسافت طے کرتا ہے اور سورج ہر سال میں ایک مرتبہ یہ مسافت طے کرتا ہے) یا اجل مسمیٰ سے مراد ان میں سے ہر ایک کا اپنے دورانیے میں اپنی منزل کی مفتی کو پہنچنا ہے یا اجل مسمیٰ سے مراد قیامت کا وقت ہے، یعنی چاند سورج دن اور رات دنیا میں اپنی عادت معروضہ کے مطابق چلے رہے ہیں یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ ان کے چلنے کی عادت کو توڑ دے گا۔ کلّٰیّہ یعنی تسخیر کا بیان ہے۔

ع۔ ذٰلِکُمْ مَبْتَدَاہُ اور اللہ ربّکم اور لَکُمُ الْمَثَلُ اخبار متراوہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان تمام چیز کا فاعل ہونا ان اخبار کے ثبوت کا موجب ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الملک علیحدہ علیحدہ مستقل کلام ہو۔

ج۔ جن بتوں وغیرہ کی تم عبادت کرتے ہو چہ جائیکہ زمین و آسمان کے خالق اور مالک ہوں یہ تو غلطی کے اوپر جو سفید باریک پردہ ہوتا ہے اس کے بھی مالک نہیں ہیں قطعیہ سے پہلے من زندہ ہے اور قطعیہ اس باریک پردہ اور جھلی کو کہتے ہیں جو کجھوڑ کی غلطی پر ہوتی ہے جو اتنی معمولی چیز کا مالک و خالق نہیں تو وہ عبادت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں۔

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَا يُسْمِعُوا مَسْجِدَكُمْ وَلَا يُبَشِّرُكُمْ
الْقَبِيلَةُ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكُمْ مِثْلُ خَبِيرٍ ۝

”اگر تم انہیں پکارو تو نہ سکیں گے تمہاری پکار اور اگر وہ بالفرض سن بھی لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کر سکیں گے اور روز قیامت (خلاف) انکار کر دیں گے تمہارے شرک کا اور (حقیقت حال سے) تجھے کوئی آگاہ نہیں کر سکتا خدا نے خیر کی مانند ع۔“

ا۔ اگر تم انہیں اپنی حاجات کے حل کے لئے پکارو تو یہ تمہاری چیخ و پکار اور فریاد کو قطعاً نہیں سنیں گے کیونکہ یہ بے جان پتھر اور تراشے ہوئے بت ہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو تمہیں کچھ نفع پہنچانے پر قادر نہ ہوں گے۔ یا یہ تسلیم کیا جائے کہ ان کے بعض معبود توحیدی شعور تھے مثلاً انہیں یا فرشتے یا نبی مزیہ علیہما السلام تو یہاں سے جواب نہیں دیں گے کیونکہ ان کے متعلق انہوں نے الوہیت کا دعویٰ کیا تھا حالانکہ وہ اس سے قطعاً بری تھے۔ قیامت کے روز وہ ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے، وہ کہیں گے مَا لَكُمْ اِنْ اِنَّا نَعْبُدُ وُن۔ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (بلکہ تم تو اپنی خواہشات نفس کے پجاری تھے)

ج۔ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و باطن چیز سے آگاہ ہے اس لئے اس خبر حقیقی کی مانند حقیقت حال سے اور کوئی تجھے آگاہ نہیں کر سکتا۔ یا یہ معنی کہ اسے اسباب غرور کے پھگل میں گرفتار شخص تجھے دوسرا حقائق اشیاء سے باخبر نہیں کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ آگاہ فرمائے گا جو خدا اشیاء کے حقائق سے باخبر ہے۔

ان تدعوہم کا جملہ شرطیہ اسم موصول کی خبر ماثلی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمْ أَفْكَرَ أَعْرَ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْعَنَى الْحَيِّدُ ۝

”اے لوگو! تم سب محتاج ہو اللہ تعالیٰ کے اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سر مالہ۔“

ا۔ اپنے وجود اور اپنی بقا، دوزخ سے نجات جنت کے ثواب میں اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت کے محتاج ہو۔ وہ بے نیاز مطلق ہے لیکن پھر

بھی اس کی نوازشات و عنایات عام ہیں۔ مخلوق کے ہر فرد کو شامل ہیں۔ وہ اس بات کا بذات خود مستحق ہے کہ مخلوق اس کی حمد و ثناء میں ہر وقت رطب اللسان رہے۔

انعم مبتدا ہے اور الفقراء خبر ہے خبر کو معارف ذکر فرمانے کا مقصود کمال فقر کو انسان کے ساتھ خاص کرنا ہے یعنی کائنات کی ہر چیز اپنی بقا و رستہ و نما میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے لیکن انسان کا استعلاء باقی چیزوں سے زیادہ ہے کیونکہ انسان تکلف ہے اسے امور و تکلیف کی سرانجام دہی کے لئے اصلاح احوال کی زیادہ احتیاج ہے۔ اس نے ضعیف غلوم اور بھولے کے باوجود امانت خاص (وہی الہی) کو اٹھالیا تھا۔ پس اپنی ذمہ داریوں سے بحسن و خوبی عہدہ برہا ہونے کے لئے اسے نظر رحمت کی ہر لمحہ زیادہ ضرورت ہے۔

إِنْ يَسْأَلْكُمْ عَنْ يَاتِ بِحَقِّ جَدِيدٍ ۖ وَمَا لَكُمْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝

”اگر اس کی مرضی ہو تو سب کو ناپید کر دے اور آلے آئے ایک نئی مخلوق اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قطعاً دشوار نہیں ہے۔“

لے یہ اللہ تعالیٰ کے تم سے بے نیاز ہونے کی دلیل ہے اگر وہ چاہے تو چشم زدن میں تمہیں نیست و نابود کر دے اور ایسی قوم لے آئے جو تم سے زیادہ اطاعت شعار ہو یا یہ کہ وہ ایسا عالم اور جہاں پیدا فرما دے جس سے تم ناواقف ہو۔ اس کے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ الْأُخْرَىٰ ۖ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِهْلَاهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَإِنَّمَا يَكْفُرْ لِنَفْسِهِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝

”اور بوجھ نہیں اٹھائے گا کوئی گنہگار کسی دوسرے کا بوجھ لے اور اگر بلائے گا پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے تو نہ اٹھائی جاسکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو۔ آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے ہن دیکھ ڈرتے ہیں اور صحیح ادا کرتے ہیں نماز سے اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے سودہ اپنی بھلائی کے لئے ہی اختیار کرتا ہے اور (یاد رکھو آخر کار) اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے۔“

لے وَازِرَةٌ مُثْقَلَةٌ ہے اور اس کا موصوف نفس محذوف ہے۔ اسی طرح آخری بھی صفت ہے اور اس کا موصوف نفس محذوف ہے وِزْرًا معنی بوجھ ہے یعنی کوئی گنہگار نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ لیکن سورہ عنکبوت کی آیت میں ہے وَتَحْمِلُ أُنثَىٰ وَهْمًا غَلًّا ۚ فَكَفَّا ۚ فَتَمَثَّلُوا لَمْ يُغْتَابِلُوا فَتَمَثَّلُوا لَمْ يُغْتَابِلُوا ۚ یعنی وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے علاوہ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے تو اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے تو ان کی پشتوں پر دوسروں کو گمراہ کرنے خود گمراہ ہونے کا بوجھ ہوگا۔ گمراہ ہونا جس طرح ان کا فعل تھا اسی طرح دوسروں کا گمراہ کرنا بھی ان کا کثرت تھا۔ اس لئے ان پر یہ حقیقت کسی دوسرے کا بوجھ نہ ہوگا۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز مسلمان پہاڑوں کی مثل گناہ لے کر آئیں گے، ان کو بخش دیا جائے گا اور ان گناہوں کو یہودیوں اور نصرانیوں پر ڈالا جائے گا (1)۔ ایک دوسرے طریق سے یہی حدیث اسی طرح ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی طرف سے ایک یہودی یا نصرانی کو اٹھائے گا اور فرمائے گا یہ تیری طرف سے آگ میں فدیہ ہے

طہرائی اور حاکم نے اس حدیث کو ابو موسیٰ سے پہلی روایت کی طرح روایت کیا ہے جبکہ ابن ماجہ اور طہرائی نے دوسری روایت کی طرح روایت کی ہے۔ ابن ماجہ اور تہجدی نے حضرت انس سے اس طرح روایت کی ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو مسلمانوں کے ہر شخص کی طرف ایک مشرک کو بلانے کا حکم دیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ تیری طرف سے آگ کے عذاب سے فدیہ ہے (۱)۔ میرے نزدیک ان احادیث کی تاویل یہ ہے کہ ان گناہوں سے مراد جو کفار پر ڈالے جائیں گے وہ ہیں جو انہوں نے امت محمدیہ ﷺ میں داخل ہونے سے پہلے کئے تھے اور غلط کاریوں کا آغاز کیا تھا۔ پھر متاخرین ان برائیوں میں ان کے نقش پر چلے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کرم نوازی سے مؤمنین کے گناہ تو معاف فرما دیئے تھے لیکن ان لوگوں کے گناہ باقی رہے جنہوں نے ان گناہوں کا آغاز کیا تھا۔ اور ان کو دوبارہ گناہ طے کا کیونکہ ایک تو انہوں نے خود ان گناہوں کا ارتکاب کیا اور دوسرا انہوں نے اس برائی کا آغاز کیا جس پر بعد میں آنے والے عمل کرتے رہے۔ حدیث میں وضع کے لفظ سے مراد یہ ہے کہ کافر نے جس برائی کو ایجاد کیا اس کو خود کرنے کا گناہ بھی اس پر باقی رہے گا اور جن مسلمانوں نے ان کی پیروی میں گناہ کیا ان کا گناہ بھی اس کافر پر لا دیا جائے گا۔

۱۱۔ اگر گناہوں سے جو حمل نفس کسی دوسرے کو اپنا گناہ اٹھانے کے لئے بلائے گا تو اس سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے نفی فرمادی کہ کسی دوسرے کا گناہ کسی پر نہیں لا دیا جائے گا۔ اگرچہ جس کو پکارا جائے گا وہ پکارنے والے کا رشتہ دار بھی ہوگا، اس کے باوجود وہ اس کے بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ امام بنوئی نے لکھا ہے کہ ابن عباس نے فرمایا ماں باپ اپنے بیٹے سے کہیں گئے بیٹا! ہمارے کچھ گناہ تو اٹھالے (ہم بھی تو دنیا میں تیرے لئے سب کچھ کرتے رہے) بیٹا کہے گا میرا پتا بوجھ زیادہ ہے، میں تمہارے بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا (۲)۔

۱۲۔ انفس نے انما تنذر کا معنی یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ اپنے ڈرانے کے ساتھ انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں (جو ان اوصاف مذکورہ کے حامل ہیں) بالغیب یا تو یخسبون کے فائل سے حال ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جو عذاب سے غائب ہونے کی حالت میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں یا لوگوں سے چھپ کر غلوت میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ یا بالغیب مفعول محذوف العذاب سے حال ہے۔ پہلے یخسبون مضارع اور پھر اقاموا فعل ماضی ذکر فرمایا۔ اختلاف افعال استمرار پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ یعنی آپ کے انداز سے فقط وہی نفع حاصل کرتے ہیں جو ہر زمانہ میں عذاب الہی کے خوف سے کاہنہ رہتے ہیں اور نیکیوں پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ جو پاکیزگی اور طہارت کو اختیار کرتا ہے تو اس میں اس کا پناہ بھلا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے تزکیہ پر بہتر جزاء عطا فرمائے گا۔ یہ جملہ مترجمہ ہے اور مؤمنین کی خشیت کی تاکید کے لئے ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ۚ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ۚ

”اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور اور نہ (یکساں ہے) سایہ اور تیز دھوپ۔“

۱۔ اعمیٰ سے مراد کافر اور جاہل ہے البصیر سے مراد مؤمن اور عالم ہے۔ الظلمات سے مراد کفر ہے النور سے مراد ایمان وظل سے مراد جنت اور ژباہ ہے۔ اور الحرور سے مراد آگ اور عتاب ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا أَنتَ

بُسْبُوحُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ⑤

”نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مردے، چٹک اللہ تعالیٰ سنا ہے، جس کو چاہتا ہے اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں۔“

یہ بھی مومنین اور کافرین کی ایک دوسری مثال ہے جو پہلی مثال سے زیادہ بلیغ ہے۔ اسی وجہ سے فعل کو دو بارہ ذکر فرمایا۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ علماء اور جہلاء کی مثال ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے آیات کی سمجھ اور فصاحت حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔

سے کفر پر اصرار کرنے والوں کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ان سے بالکل مایوس کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ جس طرح قبور والوں کو تم نہیں سنا سکتے اسی طرح آپ ان کفار کو ہدایت کا فائدہ نہیں پہنچا سکتے (کیونکہ ان کے قوتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے)

إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ⑥

”نہیں ہیں آپ مگر بروقت ڈرانے والے۔“

اے پیارے محمد ﷺ آپ انہیں دوزخ کی آگ سے ڈراتے ہیں (اور آپ کے ذمہ ہے بھی صرف یہی فریضہ) آپ ان کو ہدایت کی منزل پر پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ⑦ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ⑧

”ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔“

یہ بالحق یا تو ضمیر مرفوع ہے یا ضمیر منصوب ک سے حال ہے یا محذوف کی صفت ہے، یعنی ارسالا ملتبساً بالحق۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر کے متعلق ہو یا نذر کے متعلق ہو لیکن ان کے متعلق علی سبیل التنازع ہوگا، یعنی جس کے یہ متعلق ہوگا دوسرے کے لئے مقدر مانا پڑے گا۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو بھیجا ہے درآں حالیکہ آپ مومنین کو وعدہ حق کی خوشخبری سنانے والے ہیں اور کافروں کو وعید حق سنانے والے ہیں اور سابقہ قوموں اور گروہوں میں سے کوئی ایسا گروہ نہیں گزرا مگر اس میں نبی یا اس کا نائب کوئی عالم دین آیا ہے جو اس زمانہ کے لوگوں کو عذاب الہی سے ڈراتا تھا۔ یہاں صرف مذکر فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے ہر شخص جانتا ہے کہ نذارت اور بشارت ہر جگہ اکٹھے ہوتے ہیں اور کئی مقامات پر اس سے پہلے بشارت اور نذارت کو متصل ذکر کیا گیا ہے۔ یا صرف حدید کا ذکر اس لئے فرمایا کیونکہ ڈرانا بشارت سنانے کی نسبت زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے کیونکہ تکلیف کا دور کرنا جہل نفع سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ⑨ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَ
بِالنُّذُرِ ⑩ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ⑪

”اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کوئی تعجب نہیں) بیشک جھٹلاتے رہے جو ان سے پہلے تھے۔ تحریف لائے تھے

ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں آسانی صحیفے اور نورانی کتاب لے کر لے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو سلی اور اطمینان قلبی عطا کرنے کے لئے فرما رہے ہیں اسے پیارے اگر یہ نا بھارا اور بد عزت آپ کو جھٹلاتے ہیں تو کوئی انہونی بات نہیں۔ ان سے پہلے لوگ بھی انبیاء کرام کو جھٹلاتے رہے پس آپ ان کی ہنگر پاش پاش کرنے والی باتوں پر افسردہ خاطر نہ ہوا کریں بلکہ اپنے پیشرو انبیاء کرام کی طرح ان کی اذیتوں پر صبر کریں۔ جاء تھم، قد کی تقدیر کے ساتھ کذب کے قائل سے حال ہے۔ بہشت سے مراد معجزات ہیں جو انبیاء کرام نبوت کی صداقت کے شاہد عادل تھے۔ الذہب سے مراد صحیفے ہیں جیسے صحف ابراہیم۔ اور الکتاب العنبر سے مراد تورات اور انجیل ہیں اور اس سے تفصیل کا ارادہ کرتے ہوئے الکتاب العنبر فرمایا، یعنی بعض ان میں سے نبوت اور زبرد لائے اور بعض دوسرے نبیات اور کتاب منبر لائے۔ (یہ مفہوم اس صورت میں ہوگا جب الزہر اور الکتاب میں فرق تسلیم کیا جائے) کیا الزہر اور الکتاب سے ایک ہی چیز مراد ہے اور ان کے درمیان عطف صفات کے تغایر کے اعتبار سے ہے۔

ثُمَّ أَحَدَتْ الَّذِينَ كَفَرُوا كَيْفَ كَانَ نَكِيرٌ ۝

”پھر (جب ان کی سرکشی کی حد ہو گئی) تو میں نے پکڑ لیا کہ ان کو کس (ساری دنیا جاتی ہے) میرا عذاب کیا تھا۔“

۱۔ چونکہ نبی کریم ﷺ کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ کفار پر حد درجہ کا فرمایا تھا اس لئے تسلی کے مقام پر استغناء کا انداز بہت بہتر ہے۔ نکیور سے مراد عقوبت ہے۔ نکیور کو دوش نے صرف وصل میں یاہ کے ثبات کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے وصل ووقف دونوں صورتوں میں یاہ کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخَرَجْنَا بِهِ شَجَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝

”کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اتارنا ہے آسمان سے پانی پس ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے طرح طرح کے پھل جن

کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور پہاڑوں سے بھی رنگ برنگ نکلے ہیں ۱۔ کوئی سفید، کوئی سرخ، مختلف رنگوں میں (کوئی شوح کوئی نہ ہم) اور بعض جھستے سیاہ۔“

۱۔ کلام میں غیبت سے تعظیم کی طرف التفات ہے، یعنی پہلے عاقب کا صیغہ انزل فرمایا پھر فاعل جانا شکلم کا صیغہ ذکر فرمایا۔ قدرت کی صفت گری اور کرشمہ سازی میں غور و خوشی کی دعوت دی جارہی ہے کہ دیکھو پانی ایک ہے لیکن ہماری قدرت سے مختلف اجناس یا مختلف اصناف کے پھل پیدا ہوتے ہیں، ہر صنف ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے یا ہیئت میں مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی زرد، کوئی سبز اور کوئی سرخ ہوتا ہے۔ اور پہاڑ ہیں ان کا پانچ رنگ ہے اور ان میں راستے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں۔ یہ جملہ اسماء، احو جانا کے قائل سے حال ہے۔ جس طرح اس مثال میں ہے اتیک و الشمس طالعة۔

۲۔ کچھ سفید ہیں اور کچھ سرخ ہیں پھر ان کی سفیدی کی شدت اور ضعف میں بڑا فرق ہے۔ غرابیب سود کا عطف بیض پر ہے۔ غرابیب، سود مضمر کی تاکید ہے جس کی تفسیر ابا بعد سود کر رہا ہے کیونکہ غوابیب تاکید ہے اور تاکید ہمیشہ مؤکد کے بعد ہوتی ہے۔ اس کی مثال (تا بغد) کے اس جملہ میں ہے۔ المؤمن عائدات الطیر۔ اس جملہ میں عائذات الطیر مضمر کی صفت ہے جس کی تفسیر

الطیر مذکور کر رہا ہے اس طرح کا اسلوب اس لئے اختیار کیا جاتا ہے تاکہ تاکید میں زیادتی نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس طرح ایک چیز پر اصرار اور اظہار دونوں طریقوں سے دلالت ہوتی ہے۔ امام بیضاوی نے یہی توجیہ لکھی ہے (۱)۔

الجلال لکھی فرماتے ہیں اکثر سود غریب کہا جاتا ہے اور بہت کم غریب سود کہا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں قلیل طور پر مزید تاکید کے لئے ایسے کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غریب کا عطف جدد پر ہو۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ پہاڑوں میں سے بھی کچھ رنگ برنگے ہیں اور کچھ سیاہ ہیں جن کا رنگ ایک جیسا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالْذِّوَابِ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۖ إِنَّمَا يَشْعَى اللَّهُ
مِنَ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۵﴾

”اور انسانوں چارپایوں اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔ چھٹک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بہت بخشنے والا ہے۔“

۱۔ مِنَ النَّاسِ وَالْذِّوَابِ وَالْأَنْعَامِ ما هو مختلف ألوانه۔ کذا الک مصدر مختلف اختلاف کی صفت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی گونا گوں مخلوق کا ذکر فرمایا جو اپنے صانع کی ذات اور اس کی صفات پر دلالت کرتی ہے تو اس کے بعد فرمایا صرف وہی اللہ سے ڈرتے ہیں جو اس کی مخلوق میں غور و فکر کرتے ہیں لیکن مکہ کے نگار جہاں کی کیفیت مختلف ہے۔ اور اسی طرح وہ لوگ ہیں جو جان بو بھ کر جاہل بنے رہے اور اپنے علوم کو اپنے دلوں اور نفسوں میں راسخ نہ کیا جیسے یہود و نصاریٰ کے علماء۔ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت میں اشارہ ہے کہ جس کے دل میں خشیت الہی نہیں وہ عالم نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس کی صفات کمالیہ کی معرفت خشیت کو مستلزم ہے۔ اور جہاں خشیت نہیں ہے تو وہاں علم بھی نہیں ہے کیونکہ لازم کی نفی ملزم کی نفی کو مستلزم ہے۔

امام بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس آیت کا مفہوم و مراد یہ ہے کہ جو میرے قہر عزت اور سلطنت کو جانتا ہے وہی مجھ سے ڈرتا ہے (۲) جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی زیادہ معرفت رکھتا ہے وہی اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے۔ امام بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے کوئی کام کیا اور دوسروں کو بھی اس کے کرنے کی رخصت عطا فرمائی، بعض لوگ اس کام سے پرہیز کرنے لگے جب رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی (کہ بعض لوگ اس کام سے اجتناب کر رہے ہیں جو آپ ﷺ نے کیا ہے) تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور پھر فرمایا اس قوم کا کیا حال ہوگا جو اس کام سے پرہیز کرتے ہیں جس کو میں خود کرتا ہوں۔ قسم بخدا میں ان سے اللہ تعالیٰ کی زیادہ معرفت رکھتا ہوں اور ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں (۳)۔ داری نے کھول سے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم کی عابد پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ فرد پر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت

فرمائی اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (۱)۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم وہ کچھ جانتے ہو جس جانتا ہوں تو تم روتے زیادہ اور ہنستے کم (۲)۔ سب سے زیادہ خشیت انبیاء کرام کو ہوتی ہے پھر اولیاء کو (اور یہی لوگ علماء حقیقت ہیں) اور پھر جو ان سے مرتبہ میں کم لوگ ہوتے ہیں۔ مروق کہتے ہیں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے تو انسان کے لئے اتنا ظلم کافی ہے اور یہی جہالت کافی ہے کہ انسان خدا سے غرور کرنے لگے۔ مثنیٰ فرماتے ہیں عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

علی اللہ تعالیٰ عزیز اور غفور ہے۔ یہ جملہ خشیت کے وجوب کی تعلیل ہے اور اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ غالب ہے اس پر جو سرکشی اور گمراہی میں اصرار کرتا ہے، وہ اسے سزا دینے پر قادر ہے اور جو گناہوں سے مغفرت طلب کرتا ہے اس کی بخشش فرما دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ يَبُورًا ۝

”بیشک جو (غور و تدبیر سے) تلاوت کرتے ہیں اللہ کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اس مال سے جو تم نے ان کو دیا ہے سزا دہاری سے اور اعلانیہً وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں لے۔“

یعنی جو خوش نصیب ہمیشہ قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور اس کے احکام کی اتباع کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ ان کی پہچان بن جاتی ہے۔ کتاب اللہ سے مراد یا تو قرآن ہے یا اللہ کی کتب کی جنس مراد ہے۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے یہ آیت سابقہ امتوں کے علماء و قرائ کی تعریف ہوگی۔ أَقَامُوا الصَّلَاةَ یعنی نماز کو اپنے ظاہری و باطنی حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ سِرًّا اور علانیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اتفاق ہو وہ خرچ کرتے ہیں، علانیہ یا سِرًّا کا وہ ارادہ نہیں کرتے۔ بعض علماء فرماتے ہیں نفل صدقات سِرًّا اور فرضی واجبی صدقات علانیہ دینا بہتر ہے۔ یہ رجوع بہ معاد یعنی طاعت کے ذریعے ثواب طلب کرتے ہیں۔ لکن نبور، تجارۃ کی صفت ہے یعنی ایسی تجارت جس میں خسارہ نہ ہو۔

لِيُوقِبَهُمْ أَجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝

”تا کہ اللہ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے لے اور مزید اضافہ کرے ان کے اجر میں اپنے فضل سے لے بیشک وہ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔“

لِيُوقِبَهُمْ یعنی تو ان کو ثواب کے متعلق ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسی نفع بخش تجارت کرتا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں پورا پورا اجر ملے۔ یا فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر مذکورہ افعال دلالت کر رہے ہیں، یعنی انہوں نے یہ اعمال کئے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے پورا پورا اجر عطا فرمائے۔ یا یہ رجوع کے متعلق ہے۔ اس صورت میں لام عاقبت کے لئے ہوگا معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جس میں کبھی خسارہ اور گھٹا نہ ہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا اجر عطا فرمادے۔

لے ایسے خوش سیرت لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے مقابلہ میں اجر زیادہ عطا فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم اور ابو نعیم نے حضرت ابن مسعود سے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یو فیہم کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنی جنت میں داخل کرے گا و یزیدہم

کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس شخص کی سفارش کا اذن دیا جائے گا جس نے کبھی دنیا میں ان تک میرٹ لوگوں سے کوئی بھلائی کی ہوگی اگرچہ اس کے دوسرے کرتوتوں کی وجہ سے اس پر دوزخ واجب ہو چکی ہوگی۔

۱۔ وہ بہت بخشش والا اور قدر دان ہے۔ یہ جملہ پورا اجر عطا کرنے اور مزید بخشش فرمانے کی علت ہے اور یہی جون، انڈا کی خبر ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ ان کی خبر ہو اور ضمیر عائد مقدر ہو تقدیر کلام اس طرح ہو انہ غفور لفرطہم شکور لظاہم۔ ابن عباس فرماتے ہیں وہ رب کریم اپنے پارسا بندوں کے بڑے بڑے گناہ معاف فرماتا ہے اور چھوٹے چھوٹے گناہ کے لیے اعمال پر قدر دانی فرماتے ہوئے اجر عظیم عطا فرماتا ہے (۱) جب إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ کو ان کی خبر بتایا جائے گا تو یہی جون، انفقوا کے قائل سے حال ہوگا۔ عبد الغنی نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ صہبن بن الحارث بن عبد المطلب بن عبد مناف کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۱﴾

”اور جو کتاب بذریعہ وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے وہی سراسر حق ہے وہ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سارے احوال سے باخبر ہے (اور) دیکھنے والا ہے۔“

۱۔ کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے اور اس سے پہلے من بیان یا نبی کے لئے ہے یا من بعضیہ ہے اور کتاب کے حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ پہلی کتب سادہ کی تصدیق کرتی ہے۔ مصداقاً حال مکہ وہ ہے کیونکہ قرآن کی حقیقت سابقہ کتب کی حقا ئد احکام کے اصول اور اخبار میں موافقت کو مستلزم ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اشیاء کے ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے۔ پس وہ جانتا ہے کہ آپ عظمت وحی کے لائق ہیں کیونکہ آپ کی طرف ایسی کتاب وحی فرمائی ہے جو پھر ہے اور تمام کتب کی صداقت کا معیار ہے۔

لَمْ أَوْسَأُ الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ۚ إِنَّ اللَّهَ ۙ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَصْلُ الْكَبِيرُ ﴿۲﴾

”پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں سے۔ لیکن بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور بعض درمیانہ ہیں۔ اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے۔ لیکن (اللہ تعالیٰ کا) بہت بڑا فضل (و کرم) ہے۔“

۱۔ اوت کا معنی ہے کسی شے کا ایک شخص سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس جانا اور بعض علماء فرماتے ہیں اور شکا معنی اخرونا ہے۔ اسی سے میراث ہے کیونکہ وہ بھی چھپے شخص کو ملتی ہے آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے سابقہ امتوں سے قرآن کو موزع کیا اور ہم نے انہیں عطا فرمایا جو ہمارے بندوں میں سے چنے ہوئے تھے۔ من عبادنا میں من بعضیہ ہے اور اصطفینا کے متعلق ہے یا ام موصول کا بیان ہے اور ضمیر منصوب محذوف سے حال ہے جو ضمیر ام موصول کی طرف راجع ہے۔ تقدیر اس طرح ہوگی الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا کی عباد کی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اضافت فرمائی تو یہ شرف و عظمت عطا کرنے کے لئے ہے۔ الَّذِينَ ام موصول سے مراد محمد ﷺ کی امت

کے علاوہ بھی بکرا مر اور ان کے بعد والے لوگ ہیں۔ یا ساری امت مراد ہے (ابن عباس نے اسی طرح فرمایا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تمام امتوں سے چن لیا ہے اور اسے امت وسط بنایا ہے تاکہ وہ تمام لوگوں پر قیامت کے روز گواہ بن جائیں اور سب سے بڑی فضیلت اس امت کی یہ ہے کہ یہ سید الانبیاء کی طرف منسوب ہے۔

طوبی لنا معشر الاسلام ان لنا من الغنایہ رکنا غیر منہدم
لما دعا اللہ وانصینا لطاعتہ باکرم المرسل کنا اکرم الامم

ترجمہ: اے اسلام کے نام لیاؤ! ہمیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے ہمارا ایک ایسا مبارک ہے جو گرنے والا نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی اطاعت کے لئے سب رسولوں سے معزز رسول کے ذریعے دعوت دی تو ہم بھی ساری امتوں سے بہتر امت بن گئے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ جملہ ان الذین یطعنون پر معطوف ہے اور الذی او حیا حکما معترض ہے۔ میرے نزدیک یہ جملہ والذی او حینا البک کے مضمون پر معطوف ہے۔ یعنی ہم نے آپ کی طرف کتاب حق نازل فرمائی پھر ہم نے تیری طرف سے اس کتاب کا ان لوگوں کو وارث بنایا جو ہمارے بندوں میں سے چیدہ تھے۔

ع جن کو ہم نے کتاب حکیم کی میراث کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ ان میں سے کچھ اعمال میں کوتاہی اور سستی کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ الْخٰوِفُوْنَ مُؤْمِنُوْنَ لَا قَهْرَ لِّلّٰهِ فَاِذَا يَئِسَّ الْعٰمِلُوْنَ مِنْ دَعْوٰیہُمْ وَ اَصَابَتْہُمْ عَذٰبُہُمْ (ترجمہ) اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ملوثی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم (آنے) تک چاہے وہ عذاب دے انہیں اور چاہے وہ قبول فرمائے ان کی۔ ایک اور مقام پر فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَعْلٰی اَنْفُسِہُمْ لَا تَقْضُوْا مِنْ رِّسْمِہِ الْاَلٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الْمُنُوْبَ جِیۡتًا اِنَّہٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (ترجمہ) اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔ بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سہ اور کچھ ان میں سے وہ بندے ہیں جو کتاب کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں لیکن اس کی حقیقت تک رسائی نہیں کر پاتے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَ الْخٰوِفُوْنَ اٰمَنُوْا اَعْلٰی اَنْفُسِہُمْ حٰکِلُوْا عَمَلًا صٰلِحًا وَ اَخْوَفُوْا عَنِ اللّٰہِ اَنْ یَّثُوْبَ عَلَیْہُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (ترجمہ) کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کر لیا ہے اپنے گناہوں کا انہوں نے ملا جلا دینے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ان کی توبہ ہے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

چ اور بعض وہ جو توفیق الہی سے نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ یعنی ارادہ الہیہ سے حقائق قرآن تک پہنچنے والے ہیں، ان کے متعلق ارشاد فرمایا وَ الشّٰیْقُوْنَ الْاَوَّلٰوْنَ مِنَ الْمُہْجَرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اَتَّبَعُوْہُمْ بِاِحْسَانٍ تَرْضٰی اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ (ترجمہ) اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے ہر دو کی ان کی حمد کی سے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے (۱)۔ ایک اور مقام پر فرمایا وَ الشّٰیْقُوْنَ الشّٰیْقُوْنَ (۱) اَوَّلٰی

(۱) حضرت مسیح سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو مہاجرین کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ سبقت لے جانے والے ہیں، شفاعت کرنے والے ہیں، اپنے رب پر ناز کرنے والے ہیں۔ جسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے وہ قیامت کے روز اس شان سے تشریف لائیں گے کہ ان کے کندھوں پر بٹھار ہوں گے۔ وہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ جنت کے درختے پھولیں گے تم کوں ہو۔ وہ کہیں گے ہم مہاجرین ہیں۔ فرشتے کہیں گے کیا تمہارا حساب ہو چکا ہے۔ مہاجرین (یہ جملہ سنی) مکھنوں کے بل بیٹھ جائیں گے اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف

اَلْمُؤْمِنُونَ ۝ (ترجمہ) اور (تیسرا گروہ ہر کار خیر میں) آگے رہنے والوں کا وہ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے وہی مقرب بارگاہ ہیں۔ پہلی دونوں قسمیں اصحاب المیمنہ (دائیں طرف والے) ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں مقصد وہ ہوتا ہے جو غالب اور اکثر اوقات میں قرآن کے احکام پر عمل کرتا ہے اور اسباق وہ ہوتا ہے جو عمل کے ساتھ دوسروں کو تعلیم اور ارشاد کا فریضہ بھی ادا کرتا ہے۔

علامہ بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو عثمان انہدی سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں میں نے عمر بن خطاب کو کسنا کہ انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم میں سے سبقت لے جانے والا تو 'سابق' ہی ہے اور ہم میں سے جو درمیانہ رہیں وہ بھی نجات پانے والے ہیں اور جو ہم میں سے اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں ان کی بخشش ہو جائے گی (۱) ابوقلابہ فرماتے ہیں میں نے یہ حدیث بھی سنی بن مہین کے سامنے بیان کی تو وہ متعجب ہوئے۔ اس حدیث کو علامہ بغوی نے مرفوع روایت کیا ہے۔ سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت عمر پر موقوف روایت کی ہے۔ بغوی نے اپنی سند سے ابوثابت سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا تو یہ دعا مانگی اے اللہ میری غریب الوطنی پر رحم فرما اور میری وحشت کو انس سے بدل دے اور کسی نیک دوست کو میرے پاس پہنچا دے۔ حضرت ابو برداء نے فرمایا اگر تو سچا ہے تو میں تیری ملاقات کی وجہ سے تجھ سے زیادہ سعادت مند ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسنا کہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا سابق بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ مقصد کا آسان حساب ہوگا۔ اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے کو اپنی جگہ روک لیا جائے گا حتیٰ کہ اسے ثم الاحق ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دے گا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنْنَا الْعَوْنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (2)۔

اس حدیث کو احمد ابن حریر طبرانی 'حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور ان کی روایت میں اس طرح ہے کہ خالموں کو محشر کی مدت روک لیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی کوتاہیوں کی تلافی فرمائے گا۔ اس وقت وہ کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنْنَا الْعَوْنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (ترجمہ) سب سائیکشیں اللہ کے لئے ہیں جس نے دور کر دیا ہم سے غم (دائمہ) یقیناً ہمارا رب بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت ابو برداء سے مروی ہے۔ اور جب کسی حدیث کے طرق کثیر ہوں تو یقیناً اس حدیث کی اصل ہوتی ہے۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں اسامہ بن زید سے اس آیت کے متعلق مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تمام (تینوں گروہ) اس امت سے ہوں گے (3)۔ بیہقی نے اسامہ بن زید سے اسی طرح نقل کی ہے۔ اسی طرح حضرت کعب اور عطاء سے

1- تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 248 (التجاریہ) 2- تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 248 (التجاریہ) 3- تفسیر خازن، جلد 5، صفحہ 248 (التجاریہ) بلند کریں گے اور یوں عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار رہا ہمارا بھی حساب ہوگا، جبکہ ہم نے تیری رضا کے لئے لے لی، مال اور اولاد چھوڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بازو سنے کے لگا دے گا اور ان پر زبرد اور یا قوت جزا ہوا ہوگا۔ وہ ان بازوؤں سے پرواز کر کے جنت میں تشریف لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وقالوا الحمد لله الذي اذهب عنا الحزن ولا يمسننا فيها لعوب کا بھی مطلب ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ وہ اپنی جنت کی منازل اور باتش کو دنیا کے گھروں سے زیادہ جانتے ہوں گے۔ حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جب اس آیت کو پڑھا تو فرمایا خبردار ہمارے ساتھیوں میں اور ہمارے مقصد ہمارے شریک ہیں اور ہمارے ظالم بد ہیں۔

(از مضر اللہ تعالیٰ ان کی آرام گاہ کو عشتہا فرمائے)

روایت کیا ہے کہ یہ تینوں گروہ جنت میں ہوں گے! ابن ابی الندیاء اور یحییٰ نے ابن عباس سے اس آیت کے متعلق روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ امت محمد ﷺ کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر اس کتاب کا وارث بنایا جو اس نے نازل کی ہے۔ پس اس امت کے وہ لوگ جو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں ان کو بخش دیا جائے گا اور جو میانہ رو ہیں ان کا آسان طریقہ پر حساب لیا جائے گا اور اس امت کے سابقین کو اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے جنت میں داخل فرما دے گا (1)۔ امام احمد ترمذی اور یحییٰ نے حضرت ابو سعید الخدری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کے متعلق ارشاد فرمایا یہ تمام لوگ ایک جماعت کے قائم مقام ہوں گے اور سب جنت میں ہوں گے (2)۔ الفرہانی نے براہ بن عازب سے فہمہم ظالم نفسہ کے متعلق روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت میں داخل فرمائے گا (3)۔ ابن ابی عاصم اور الاصبہانی نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندوں کو دوبارہ اٹھائے گا پھر علماء کو علیحدہ فرما کر ارشاد فرمائے گا اے علماء گروہ میں نے تم میں اپنا علم نہیں رکھا مگر مجھے تمہارے متعلق علم تھا۔ اور نہ میں نے تمہیں اس لئے علم عطا فرمایا کہ میں تمہیں عذاب دوں جاؤ میں نے تمہاری بخشش فرمادی ہے۔ طبرانی نے لشکر راویوں کے حوالہ سے حضرت ثعلبہ بن النکم سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب بندوں کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنی شان کے لائق اپنی کرسی پر بیٹھے گا تو علماء سے فرمائے گا میں نے اپنا علم اور حکمت تم میں نہیں رکھا مگر اس لئے کہ میں تمہاری بخشش کا ارادہ رکھتا تھا خواہ تم سے کوئی بھی اعمال صادر ہوئے۔ اور مجھے کوئی پروا نہیں (اگرچہ میں نے تمہارے سب گناہوں کو معاف فرما دیا) (4) ابن عساکر نے ابو عمر الصنعانی (مفخص بن میسرہ) سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں جب قیامت کا دن ہوگا تو علماء کو الگ کیا جائے گا پھر جب اللہ تعالیٰ کو دوسرے لوگوں کے حساب سے فراغت ہو جائے گی تو ارشاد ہوگا میں نے تمہارے اندر اپنی حکمت صرف ایک بھلائی کی خاطر رکھی تھی جو آج میں تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں تم سے جو کچھ بھی ہوا اس کے باوجود تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

عقیدہ بن صہبان فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت (اور نشا الکتاب الخ) کے متعلق پوچھا تو حضرت عائشہ نے فرمایا یہ سب لوگ جنتی ہیں۔ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے وہ ہیں جو عہد نبوی میں تھے۔ ان کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے اور جو میانہ رو ہیں انہوں نے آپ ﷺ کی اتباع کی اور آپ کے ساتھ لاحق ہو گئے اور جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا وہ جیسے جیسے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (کسر نفسی کرتے ہوئے) اپنے آپ کو ہمارے ساتھ ملا دیا (5)۔ میں کہتا ہوں ان تینوں گروہوں کو اس امت کے نیک اور چیدہ لوگوں پر محمول کرنا بھی ممکن ہے۔ یعنی کچھ اولیاء کرام ایسے ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کو ان کے جائز حقوق سے بھی روک دیا اور ان کی خواہشات کی پیروی سے روک دیا جیسے رافضیوں اور مجاہدہ کرنے والے لوگ۔ یہ رہبانیت ہے جس کو انہوں نے ایجاد کیا۔ بعض ایسے اولیاء کرام ہیں جو اپنے نفس کو لذتوں سے تو روک رکھتے ہیں اور افکار بھی کرتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں سوتے بھی ہیں نکاح بھی کرتے ہیں اور کھاتے پیتے بھی ہیں جو شرعاً مباح ہوتا ہے۔ ایسے گروہ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی پیروی کی اور آپ کے ساتھ لاحق ہو گئے اور ان میں کچھ اولیاء کرام ایسے ہوتے ہیں جو نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہوتے ہیں اور وہ کمالات نبوت میں

1۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 472 (اعلیٰ) 2۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 472 (اعلیٰ) 3۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 273 (اعلیٰ) 4۔ معجم کبیر، جلد 2، صفحہ 84 (اعلیٰ) 5۔ تفسیر بخاری، جلد 5، صفحہ 248 (اعلیٰ)

مستغرق ہوتے ہیں اور یہ لوگ صحابہ کرام اور صدیقین ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ نے اپنے نفس کو روندنے کے لئے اپنے آپ کو خالوں میں شافر فرمایا اور مخاطبین کو اس لئے اس گروہ میں شامل فرمایا کیونکہ وہ سخت ریاضت کرتے تھے۔ یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ تینوں گروہ موئین سے ہیں یا علماء سے ہیں۔ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ظالم لفظ سے مراد کافر یا منافق ہیں۔ ان کا یہ قول مردود ہے۔ حضرت امام ابو یوسف سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ تینوں گروہ مؤمن ہیں۔ اور کفار کی صفت اس کے بعد بیان ہو رہی ہے وَالَّذِينَ كَفَرُوا الْهَيْمَنَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ (کافروں کے لئے جہنم کی آگ ہے) اور ان تینوں طبقات کے موئین میں سے ہونے کا قرینہ یہ بھی ہے کہ ہر ایک گروہ کے لئے فرمایا مٹھم اور ہم ضمیر کا مرجع المذنبین اصطیعی من عبادہ (یعنی وہی جہنم بندے ہیں) اور وہ اہل ایمان ہیں۔ جمہور کا یہی مسلک ہے۔ اپنے نفوس پر ظلم کرنے والوں کا ذکر پہلے فرمایا کیونکہ وہ زیادہ ہوتے ہیں اور نیکیوں پر سبقت کرنے والے کم ہوتے ہیں ان کا ذکر آخر میں فرمایا۔ درمیانہ دروسط تعداد میں ہوتے ہیں اس لئے ان کا ذکر درمیان میں فرمایا۔ یا یہ وجہ ہے کہ ظلم معنی میلان نفس ہے اور میلان نفس ہر ایک میں پایا جاتا ہے۔ اقتصاد (میانہ روی) اور سبق لاحق ہونے والی کیفیتیں ہیں لیکن اقتصاد دونوں طرفوں کے درمیان ہے۔

یہ یہ تو ریٹ یا الاصطفاء بہت بڑا فضل ہے۔

جَنَّتٌ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوٍ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ
لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝

”سدا بہار باغات! یہ ان میں داخل ہوں گے پہنائے جائیں گے انہیں وہاں سونے کے نگین اور موتیوں کے ہار! اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی۔“

۱۔ جَنَّتٌ عَدْنٍ، مبتدا محذوف ہو کر خبر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر لھم محذوف ہے۔ يَدْخُلُونَهَا، جنت کی صفت ہے یا جنت مبتدا ہے اور يَدْخُلُونَهَا خبر ہے۔ ابو عمرو نے يدخلون کو یاء کے ضمہ اور خاء کے فتح کے ساتھ باب افعال سے مجہول پڑھا ہے اور باقی قراء نے مجرүүл سے یاء کے فتح اور خاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ يدخلون میں ضمیر مرفوع تینوں اصناف کی طرف راجع ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہو چکا ہے۔

يُحَلَّوْنَ يدخلون کے فاعل سے حال مقدر ہے یا بدل اشتمال ہے۔ يدخلون سے یا یہ جملہ مستاتھ ہے یا جَنَّتٌ عَدْنٍ کی دوسری خبر ہے یا دوسری صفت ہے۔ لُؤْلُؤًا کا اساور کے کل پر عطف ہے۔

۲۔ ان کا لباس وہاں ریشمی ہوگا۔ یہ يُحَلَّوْنَ پر معطوف ہے یا جَنَّتٌ عَدْنٍ پر معطوف ہے یا يُحَلَّوْنَ کے فاعل سے حال ہے یا جملہ معترضہ ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جَنَّتٌ عَدْنٍ کی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا جنتیوں کے سروں پر ایسے تاج ہوں گے جن کا وہابی موتی مشرق و مغرب کو روشن کر دے گا (۱)۔ اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح بھی لکھا ہے اور بیہقی نے بھی روایت کی ہے۔ علامہ قرطبی نے فرمایا کہ مفسرین فرماتے ہیں ہر جنتی کے ہاتھ میں تین نگین ہوں گے ایک سونے کا دوسرا چاندی کا اور تیسرا موتیوں کا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا

زبور ہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کیا جاتا ہے (1)۔ (بخاری و مسلم) حضرت حذیفہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ریشم اور دیباچ نہ پہنو اور سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ سونے چاندی کی رکابوں میں کھانا کھاؤ کیونکہ کافروں کے لئے یہ دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں (بخاری و مسلم) (2) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو دنیا میں حریر (ریشم) پہنے گا آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا (بخاری و مسلم) (3) طیلانی نے صحیح سند کے ساتھ اور اسی طرح ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابوسعید الخدری سے روایت فرمایا ہے لیکن ان کی روایت میں یہ زائد ہے کہ اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے گا پھر بھی وہ ریشم کا لباس نہیں پہنے گا۔ ابن ابی حاتم ابن ابی الدنیا نے حضرت کعب سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر جنت کے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا آج پہن لیا جائے تو اسے دیکھنے والا بے ہوش ہو جائے اور لوگوں کی آنکھیں اسے دیکھنے کی تحمل نہ ہوں۔

وَقَالُوا الْحُصْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٥٠﴾

” (شکر نعت کے طور پر) کہیں گے سب ستائشیں اللہ کے لئے ہیں جس نے دور کر دیا ہم سے غم (و اندوہ) لہ یقیناً ہمارا

رب بہت بخشنے والا بڑا قادران ہے۔“

۱۔ قالوا، ماضی کا صیغہ ہے لیکن مراد مستقبل ہے، یعنی قیامت کے روز یہ کہیں گے جیسا کہ گزشتہ احادیث اور آئندہ آیت الہدیٰ احسن دار المقامہ دلائل کر رہی ہے۔ اسی طرح وہ یہی کلمات اپنی قبور سے اٹھنے کے وقت کہیں گے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں ہے لا الہ الا اللہ کہنے والوں پر نہ موت میں وحشت ہے نہ قبور میں اور نہ نشو و نما میں۔ گویا میں صور پھونکنے کے وقت انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ مٹی سے سر جھارتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں الْحُصْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ (4)۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں الْحَزْنَ سے مراد آگ کا غم ہے۔ قنادر فرماتے ہیں موت کا حزن ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں ان کو غم اس لئے ہوگا کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ مکرم فرماتے ہیں حزن سے مراد اگتا ہوں اور خطاؤں کا رد اور عبادتوں کے مسترد ہونے کا خوف ہے کلمی فرماتے ہیں حزن سے مراد وہ غم ہے جو دنیا میں انہیں قیامت کے روز کے متعلق تھا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں دنیا میں رونی کا غم مراد ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں معاش اور معاد کا غم مراد ہے (5)۔ حق یہ ہے کہ جنس حزن مراد ہے۔

۲۔ وہ کہیں گے ہمارا رب واقعی اپنے بندوں کی سیاہ کاریوں اور عسایاں طرازیوں کو بخشنے والا ہے اور مینا نہ رو اور ساقین کی شب خیز ہوں اور جہدہ ریز یوں کی قدر دانی فرمانے والا ہے۔

الَّذِي أَحْلَاكَ أَسْمَاءَ الْمَقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۖ لَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا النَّصَبُ وَلَا يَسْتَأْذِنُ فِيهَا الْخَوْبُ ﴿٥١﴾

”جس نے ہمیں بسایا ہے ابدی عمارت کے پر اپنے فضل (واحسان) سے نہ چھوئے گی ہمیں یہاں کوئی تکلیف اور نہ چھوئے

گی ہمیں کوئی تمسک نہ۔“

۱۔ اَلْاِثْمَةُ مصدر مسمی ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ذات کتنی کریم ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہ راحت و سکون کا دائمی ٹھکانا مرحمت فرمایا۔ ورنہ اس پر یہ واجب تو نہ تھا۔ یہ نظر اس کی بندہ نوازی ہے۔ امام بیہقی نے البعث میں اور ابن ابی حاتم نے تفسیر بن الحارث عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ کے طریق سے روایت فرمایا ہے کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! دنیا میں نیند کے مزے سے اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں کو غش کر عطا فرماتا ہے، کیا جنت میں بھی نیند ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ کیونکہ نیند موت کی شریک ہے (موت کے مشابہ اور موت کا ایک حصہ ہے) جنت میں موت نہیں ہے اس شخص نے عرض کی حضور! پھر راحت کیسے ملے گی حضور ﷺ کو ان کی یہ بات اچھی نہ لگی اور فرمایا وہاں کوئی شخص نہ ہوگی وہاں تو راحت ہی راحت ہوگی۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ جنت میں کوئی شخص اضمحلال اور پروردگی نہ ہوگی (۱)۔ نصب کے بعد لغوب کا ذکر اس لئے فرمایا تاکہ ہر قسم کی درمائی اور محنت کی صراحت نہ ہو جائے اور مزید تاکید پیدا ہو۔ لا یستنا کا جملہ احسن کے مفعول سے حال ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
وَقِنْ عَذَابُهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ نَفُوْرٍ ۝۱۱

”اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے دوزخ کی آگ (تیار) ہے۔ نہ ان کی قضاء آئے گی کہ وہ مرجائیں ۱۔ اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب ۱۔ اسی طرح ۱۔ ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو س“

۱۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا کا عطف ضم اور شائبہ ہے۔ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ کا معنی لَا یَحْکُمُ عَلَيْهِمُ الموت ہے، یعنی ان پر موت کا فیصلہ نہیں ہو گا تاکہ مکر اس عذاب سے نجات و راحت حاصل کر لیں۔ فَيَمُوتُوا میں فاء کے بعد ان مقدمہ ہے کیونکہ یہ نفی کے جواب میں ہے۔ تقدیر کا ام اس طرح ہے لَا یُکُونُ عَلَيْهِمْ قَضَاءُ بِالْمَوْتِ فَيَمُوتُوا شیخین نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان لا کر ذبح کر دیا جائے گا پھر اعلان ہوگا اے جنت کے کیمنو! اب کوئی موت باقی نہیں ہے۔ اے دوزخیو! آئندہ کوئی موت نہ ہوگی۔ اس اعلان سے اہل جنت کو مزید فرحت و انبساط نصیب ہوگا اور دوزخیوں کے غم میں اضافہ ہوگا (2) بخاری اور مسلم نے ابوسعید سے یہی حدیث نقل کی ہے اس میں یہ ہے کہ موت کو قیامت کے روز لایا جائے گا اور وہ چنکرے میں نہ دھری جائے گی۔

۱۔ چنکرے کی جگہ جنت میں بھی عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ جب ان کی کھالیں پک جائیں گی تو انہیں دوسری کھالوں سے بدل دیا جائے گا تاکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کڑے عذاب میں مبتلا رہیں اور دوزخ جب بجھے لگی تو اسے پھر بجھ کر دیا جائے گا۔

۱۔ کذا لک! مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر ناشکر کو یہی سزا دیں گے۔ تقویٰ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ کیونکہ اللہ کے منکر کا کفر اس سے زیادہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے شمع کی نعمتوں کا انکار کرتا ہے۔

ابو عمرو نے نجزی کو دو احواد غائب مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور کل کو رفع دیا ہے، جبکہ باقی قراء نے جمع متکلم معروف کا صیغہ پڑھا ہے اور کل کو مفعولیت کی بناء پر نصب دی ہے۔

وَهُمْ يَصْطَرُخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ

أَوَلَمْ نُعْزِزْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرُ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا كَمَا
لِلظَّالِمِينَ مِنَ النَّصِيصِ ﴿٥٠﴾

”اور وہ اس میں جینے چلاتے ہوں گے (فریاد کریں گے) اے ہمارے رب! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال ہم بڑے تک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے۔ (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں (بآسانی) نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا ہے اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس ڈرانے والا (تم نے اس کی بات نہ مانی)۔ سو پس اب (اپنے کئے کا مزہ چکھو ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے۔“

۱۔ فیصحا میں ضمیر کا مرجع نار (آگ) ہے، اس جملہ کا عطف لہم غار جہنم پر ہے یا لہم کی ضمیر مجروحہ سے حال ہے۔ بصطو خون باب افتعال سے ہے اور یہ صواعق سے مشتق ہے جس کا معنی چیخنا چلانا ہے۔ دہنا الخ کا جملہ بقولون محذوف کا مفعول ہے اور بصطو خون کا بیان ہے۔ محل صاع کو مفتح مذکور سے متعین کیا ہے اس لئے کہ وہ اپنے کرتوتوں پر اظہار افسوس کریں گے یا اس کا اعتراف کریں گے۔ اور اس قید میں یہ بھی شعور ملتا ہے کہ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب دنیا میں ہم جو عمل کرتے رہے پہلے ہم انہیں اچھے اور نیک اعمال سمجھتے تھے اب حقیقت ظاہر ہوئی ہے کہ وہ اعمال تو برے تھے اس لئے ہماری گزارش ہے کہ ہمیں ایک مرتبہ دنیا میں بھیجا جائے ہم ان خطاؤں کی تلافی کریں گے۔ جواب ملے گا۔

۲۔ کیا ہم نے تمہیں اتنی مہلت نہیں دی تھی جس میں نصیحت قبول کرنے والا نصیحت قبول کر سکتا تھا۔ مزہ انکار کے لئے ہے اور اواد محذوف کا م پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی الم فتوحکم فی دار التکلیف ولم نعوذکم ما یصلو کو۔ یعنی کیا ہم نے دنیا میں تمہیں عمر محدود نہ مہلت نہیں دی تھی اور طویل عمر عطا نہیں کی تھی جس میں تو سوچ سکتے تھے۔ اتنی عمر میں ایک مومن تو نصیحت حاصل کر لیتا ہے (لیکن اس وقت تو ہم دنیا کی لذتوں اور نفسانی خواہشات میں یوں گمن تھے کہ ہمارے احکام کی طرف کان بھی نہیں لگاتے تھے) علامہ بخوی نے لکھا ہے کہ حضرت قتادہ عطاء اور بکبی فرماتے ہیں آیت میں مذکور عمر سے مراد اسی سال ہے۔ الحسن فرماتے ہیں چالیس سال ہے ابن عباس فرماتے ہیں ساٹھ سال ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی قول مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی عمر تک انسان کو عذر پیش کرنے کا موقع عطا فرماتے ہیں (1)۔ حضرت ابو ہریرہ نے نبی کریم سے روایت فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو عذر پیش کرنے کی مہلت عطا فرمائے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی عمر چالیس سال ہو جاتی ہے (2) اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابو اراحمہ محمد ابن حمید نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے بطبرانی اور ابن جریر نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو کہا جائے گا ساتھ سال کی عمر والے کہاں ہیں۔ یہی وہ عمر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا أَوَلَمْ نُعْزِزْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرُ (3)۔ میں کہتا ہوں ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ارشاد ہر اس عمر کو شامل ہے جس میں انسان غور و فکر کر سکتا ہے۔ شاید حدیث کا یہ مطلب ہو کہ جب انسان کی عمر چالیس سال ہو جاتی ہے تو اس سے ہر عذر سلب کر لیا جاتا ہے، یعنی اس کے بعد اسے معذرت کی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ ساتھ سال کے بعد اس کی طبیعت عمر کا کچھ باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے اور ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

میری امت کی عمریں ساتھ اور ستر (سال) کے درمیان ہیں۔ اس سے زیادہ عمر والے بہت کم ہوں گے (۱)۔ ورنہ بلوغت کے بعد انسان کے لئے نماز کو چھوڑنے اور دوسرے فرائض کو ترک کرنے کا کوئی معقول عذر نہیں ہو سکتا خصوصاً اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانے کا تو کوئی بہانہ نہیں ہو سکتا۔ اگر میری تاویل نہ مانی جائے کہ ماہیت کو کارشاد ہر اس عمر کو شامل ہے جس میں غور و فکر کرنا ممکن ہے تو پھر قیامت کے روز اس ارشاد کے مخالف طب تمام کافروں کے بلکہ صرف وہی ہوں گے جنہوں نے ساتھ سال یا اس سے زائد عمر پائی ہوگی (حالانکہ یہ حکم تمام کافروں کو ہوگا)

۱۔ تمہارے پاس ڈرانے والا آیا مگر تم نے اس کی تبلیغ کو تسلیم نہ کیا۔ نذیر سے مراد جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ابن ابی حاتم نے سدی سے اور ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے زید سے یہی قول روایت کیا ہے۔ اکثر مفسرین کا بھی یہی خیال ہے کہ نذیر سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ بعض فرماتے ہیں نذیر سے مراد قرآن ہے۔ علماء کی مختلف تفاسیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے نذیر محمد ﷺ اور قرآن ہیں اور دوسرے انبیاء و کرام اور دوسری کتب دوسری امتوں کے لئے نذیر ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں نذیر سے مراد عقل ہے۔ یہ قول ان علماء کی رائے پر ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ ایمان باللہ کے لئے صرف عقل کافی ہے۔ حتیٰ کہ ان علماء کے نزدیک ہر بالغ شخص کافر ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے گا اگرچہ وہ تمہا پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتا ہو اور اسے کسی نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو۔

یہ جملہ (جاء کم التعلیل) سابقہ کلام کے مفہوم پر معطوف ہے۔ یہ عطف دلالت کرتا ہے کہ آیت میں نذیر سے مراد عقل نہیں ہے کیونکہ عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے، جبکہ لمبی عمر ملے جس میں انسان غور و فکر کر سکتا ہے اور عقل آنے کے درمیان کوئی مغایرت نہیں ہے۔ کیونکہ عقل مند ہونا ایسی لمبی عمر کی وجہ سے ہے اور جو بے عقل ہوا ہے تو گویا نصیحت کی عمر ملی ہی نہیں (۲)۔

نکرمہ سفیان بن حمیدہ اور کعب فرماتے ہیں نذیر سے مراد بڑھاپے کے سفید بال ہیں۔ عبد بن حمید اور ابن المنذر نے یہ قول نکرمہ سے نقل کیا ہے۔ ابن مردودہ اور بیہقی نے اپنی نسخ میں ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سفید بال موت کے قاصد ہیں۔ علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ جب ایک بال سفید ہوتا ہے تو وہ دوسروں کو کہتا ہے تم بھی تیار ہو جاؤ موت کا وقت قریب آ گیا ہے (۳)۔ بعض علماء فرماتے ہیں نذیر سے مراد رشتہ داروں اور دوستوں کی موت ہے۔

۲۔ حکم ہوگا بد بختو اپنے کفر اور نافرمانی کے عذاب کا مزہ چکھو۔ اس وقت ان ظالموں سے کوئی بھی عذاب کو دور کرنے والا مددگار نہ ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ غَمِيمٌ السَّلَواتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

”جینک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین میں ہر چھپی ہوئی چیز کو یقیناً وہ جانتا ہے دلوں کے رازوں کو۔“

۱۔ یعنی اس پر کسی انسان کا حال غنی نہیں ہے کیونکہ وہ قول کے نہاں خانہ میں اٹھنے والی آرزوں اور رازوں کو بھی جانتا ہے۔ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ پہلے جملہ کی علت ہے یعنی جو دلوں کے مضمرات کو جانتا ہے جو انتہائی غمی ہیں وہ دوسری چیزوں کو بدرجہ اولیٰ جانتا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ

كُفِّرُوهُمْ عُنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا حَسْرًا ۝

”وہی ہے جس نے تمہیں (گزشتہ قوموں کا) جانئیں بنایا زمین میں۔ پس جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال بھی اس پر ہوگا اور نہیں اضافہ کرے گا کفار کے لئے ان کا کفر الٰہی جناب میں بجز ناراضگی کے اور نہ اضافہ کرے گا کفار کے لئے ان کا کفر بجز گناہ کے۔“

لَا يَجْعَلُهُمْ خَلِيفَةً پہلا مفہوم تو بیان کیا گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کے خلیفے ہو۔ اس معنی کے اعتبار سے خطاب تمام افراد انسانی کو ہوگا۔ بعض مفسرین نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس نے تمہیں تمام امتوں سے بعد میں بھیجا ہے اور ان کی عبرت ناک داستانیں تمہیں دکھائی اور سنائی ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں خلیفہ بمعنی المستخلف ہے، یعنی اس نے تمہیں ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے اور تمہیں کائنات میں تصرف کا اختیار بخشا ہے اور زمین کے اندر اور اوپر جو کچھ خواہے اور معذنیات موجود ہیں سب پر تمہیں تسلط اور غلبہ عطا کیا ہے۔ خلافت خلیفہ کی جمع ہے اور اختلاف و خلیف کی جمع ہے۔

وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ کا کفر اس بات کی دلیل ہے کہ کفر خسارہ اور ناراضگی میں سے ہر کے لئے مستقل ہے۔ پس یہ چیز کفر کی قہارت اور اس سے انتہاب کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے۔

قُلْ أَسَأَأْتِيكُمْ شُرَكَاءُكُمْ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَمْ وَفِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْإِنْسَانِ أَنْ لَهُمْ شَرِكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَمِنْهُ عَلَىٰ بَيِّنَاتٍ مِّنْهُ بَلْ إِن يَبِذُ الظَّالِمُونَ بَصَصَهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ۝

”اے پر مائیے کیا تم نے دیکھے ہیں اپنے شریک جنہیں تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔ مجھے بھی تو دکھاؤ زمین کا وہ گوشہ جو انہوں نے بنایا ہے یا ان کی کوئی شراکت ہو آسمانوں (کی تخلیق) میں۔ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہو اور وہ اس کے روشن دلائل پر عمل پیرا ہوں (کچھ بھی نہیں) بلکہ یہ ظالم محض ایک دوسرے کے ساتھ جھوٹے (دلفریب) وعدے کرتے رہتے ہیں۔“

لَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ سے مراد یہ ہے کہ کفار کما انہیں اللہ کا شریک سمجھتے تھے یا اس لئے کہ وہ اپنے مال میں انہیں شریک کرتے تھے۔ اور وہی، اراہم کی تاکید یا بدل اشتغال ہے کیونکہ اراہم کا معنی اخیر و بی ہے۔ مَاذَا خَلَقُوا، اراہم کا مفعول ثانی ہے اور شرکاء کم پر محمول ہے۔ من الارض سے مراد زمین کا کوئی جز ہے اور شرک بمعنی شراکت ہے۔ یعنی مجھے ان شرکاء کے متعلق بتاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین کے کسی گوشہ میں کوئی تخلیق کی ہے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی آسمان کی تخلیق میں ان کی کوئی شراکت ہے جس کی وجہ سے یہ الوہیت ذاتیہ میں شراکت کے مستحق ہو گئے ہیں۔ ام مقطوعہ بمعنی بل ہے۔ اور ہمزہ کسی زمین کے گوشہ کی تخلیق سے انحراف ہے اور آسمانوں کی تخلیق میں شراکت سے استفہام ہے۔

بَلْ إِن يَبِذُ الظَّالِمُونَ بَصَصَهُمْ بَعْضًا (اگر یہ زمین و آسمان کی تخلیق میں حصہ دار نہیں جس کو تم خود تسلیم کر چکے ہو) تو پھر بتاؤ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں کوئی کتاب ایسی دی ہے جو تمہارے ان شرکاء عقائد کا ثبوت باہم پہنچاتی ہے۔ فہم پر فاجواب شرط محذوف کے لئے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ان کان الامر کذلک فہم علیٰ بینۃ مہد۔ ابن کثیر ابو عمر و حفص اور حمزہ نے بینۃ کو مفرود پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے بینات

(یعنی جمع) پڑھا ہے۔ منہ کی ضمیر کا مرجع کتاب ہے۔ بل سابق تردید سے اضرب اور باقی تمام کلمات ثابت ہے۔
 ۱۔ ان ظالموں کے پاس بے جان صورتوں کے شریک ہونے پر کوئی علمی دستاویز نہیں ہے کہ اس سے استدلال کر سکیں۔ بلکہ ان کے باپ دادا اپنی اپنی نسل کو بلا سند اور بلا دلیل گمراہ کرنے کے لئے جھوٹے وعدے دیتے رہے کہ یہ بت اللہ کی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یقولون ہؤلاء شفعاءنا عند اللہ۔

إِنَّ اللَّهَ يُبْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زُلْزِلَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا
 مِنْ أَحَدٍ قَرْنٍ بَعْدَ إِتْنَاءِ كَانِ حَتَّىٰ مَعْقُومًا ۝

”بیشک اللہ تعالیٰ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو تا کہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں اور اگر وہ سرکے گئیں تو کوئی نہیں روک سکتا انہیں اللہ تعالیٰ کے بعد۔ بیشک وہ بڑا عظیم (اور) بخشنے والا ہے۔“

۱۔ اَنْ تَزُولَا یا تو مفعول نہ ہے یا مفعول بہ ہے۔ (ممکن جس طرح اپنے حدوث میں محدث کا محتاج ہوتا ہے) اسی طرح اس کی جہاں کے لئے بھی اسی اور محتاج کا ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے۔ لہٰذا پر لام قسم کے لئے ہے۔ من بعدہ کی ضمیر کا مرجع ام جمالت ہے، یعنی اللہ کے سوا یا الزوال ہے اور ۱۔ اِنَّ اللّٰهَ یُبْسِکُ الخ کا جملہ جواب قسم ہے اور جواب شرط کے قائم مقام ہے اور جواب شرط پر دلالت کر رہا ہے۔ من احدا میں من زائدہ ہے اور قرین بقیہ میں من ابتداء کے لئے ہے۔

۲۔ وہ عظیم ہے کہ اس نے کفار کو مہلت عطا فرمائی اور فوراٰ عذاب نہیں دیا۔ وہ مغفور ہے کہ مومنوں کی غلطیوں اور خطاؤں کو بخش دیتا ہے۔ اگر اس کا علم اور مغفراں نہ ہوتا تو وہ آسمانوں اور زمین کو گر کرنے سے نہ روکتا تو ان کے گناہوں کی وجہ سے یہ آسمان ان پر گر پڑتے اور زمین ان کے ساتھ دھنس جاتی۔

ابن ابی حاتم نے ابن ابی ہلال سے روایت کیا ہے کہ قریش کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم میں نبی مبعوث فرماتا تو کوئی امت ہم سے زیادہ اپنے خالق کی اطاعت گزار نہ ہوتی اور کوئی امت ہم سے زیادہ اپنے نبی کے ارشاد کو سننے والی نہ ہوتی اور اپنی کتاب پر عمل پیرا ہونے میں ہم سے زیادہ متشدد نہ ہوتی۔ اس وقت اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (۱)۔

وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ
 أَحَدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝

”اور (کفار کہہ) اللہ تعالیٰ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ زیادہ ہدایت قبول

کریں گے پہلی امتوں سے۔ پس جب آسمانیان کے پاس ڈرانے والا تو ان کی (حق سے) نفرت اور بڑھتی گئی۔“

۱۔ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ، اَقْسَمُوا کے مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ ایمان بمعنی اقسام ہے، یعنی دو بڑی مبلغ اور مو کہ قسمیں اٹھاتے تھے یا فعل محذوف کے مصدر کی حیثیت سے منصوب ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اقسما باللہ جہدوا جہد ایمانہم۔ یا اَقْسَمُوا کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی جاہدین فی ایمانہم۔ اس کی مثال یہ ہے مردت بہ و وحدہ۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں بعثت نبوی ﷺ سے پہلے جب قریش کو علم ہوا کہ اہل کتاب نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا ہے اور ان کی نافرمانی کی

ہے تو قریش یہود و نصاریٰ پر لعن طعن کرتے کہ وہ لوگ کہتے بد بخت تھے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور خود قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ ہمارے پاس اگر کوئی رسول تشریف لایا تو ہم سابقہ تمام ایماندار قوموں سے زیادہ بدایت یافتہ ہوں گے (۱)۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ قریش نے یہ لمبے چوڑے دعوے اس وقت کیے تھے جب انہوں نے یہود و نصاریٰ کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو کبرہ رہتے تھے کہ وہ کسی دین پر نہیں ہیں، یہود کہتے نصاریٰ کسی دین پر نہیں۔ نصاریٰ کہتے یہود کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے۔ لیکن لفظ جواب قسم ہے اور معنی جواب شرط ہے۔

۷۔ جب جناب محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ کی آمد سے ان کی حق سے نفرت اور بڑھ گئی (ذکوٰۃ اخلاقی قدر کا پاس رہا اور نہ کسی عہد و بیان کی یاد رہی) از ادھم کی نسبت مذہب کی طرف یا اس کے آنے کی طرف مجازی ہے (یعنی حکم کو سب کی طرف منسوب کیا گیا ہے) کیونکہ نفس مذہبیہ یا اس کی آمد نے حق سے ان کی نفرت میں اضافہ نہیں کیا تھا بلکہ حق سے ان کی نفرت اس مذہب کے سبب یا اس کی آمد کے سبب بڑھی تھی)

اسْتَكْبَرُوا فِي الْاَرْضِ وَمَكَّنَ السَّيِّئُ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهِ ۚ
فَهَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّا ذُلًّا وَلِيْنًا ۚ فَلَئِنْ تَجَدَّدَ لِسُنَّتِ اللّٰهُ تَبْدِيْلًا ۙ وَلَنْ
تَجَدَّدَ لِسُنَّتِ اللّٰهُ تَحْوِيْلًا ۝

”وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے زمین میں۔ اور گناہوں کی سازشیں کرنے لگے اور نہیں گھیرتی گناہوں کی سازش، بجز سازشیوں کے۔“
۷۔ پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو پہلے (افرنانوں) کے ساتھ کیا گیا تھا (اگر یہ بات ہے) تو آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تغیر سے۔“

۱۔ استکبار یا اتونفوراً سے بدل ہے۔ یا نفوراً کا مفعول لہ ہے یا از ادھم کے مفعول اول سے حال ہے۔ مَكَّنَ السَّيِّئُ سے مراد برائے عمل ہے۔ کبھی فرماتے ہیں اس سے مراد ان کا شرک پر جمع ہونا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد نبی کریم ﷺ کے متعلق سازشیں کرنا ہے۔ یا آپ کو قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں۔ اصل میں وان مکروا المکر السیئ تھا۔ صفت کی وجہ سے موصوف کو حذف کر دیا اور پھر ان مع الفعل کو مصدر سے بدلا گیا تو مَكَّنَ السَّيِّئُ ہو گیا۔ یہ مصدر اپنی صفت کی طرف مضایف ہے (جیسا کہ صلوٰۃ الاولیٰ میں ہے) حمزہ نے السیئ کے حمزہ کو اجتماع حرکات کے نقل کی وجہ سے وصل کی حالت میں تخفیفاً ساکن کر کے پڑھا ہے جیسا کہ ابو عمرو نے ہار نکم کے حمزہ کو ساکن کر کے پڑھا ہے اور حمزہ جب وقف کرتے ہیں تو حمزہ ساکنہ کو یا ء سے بدل دیتے ہیں۔ اعش کی قراءت بھی یہی ہے، جبکہ باقی قراء نے حمزہ کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور وقف کی حالت میں حمزہ کو روم اور اسکان کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔
۷۔ جو اسلام اور ادعی اسلام کی مخالفت میں حلیہ سازی کرتا ہے اس کی مکاریوں اور سازشوں کا وبال ان پر پڑتا ہے۔ بدر کے روز کفار کو ان کی اپنی سازشوں نے مصیبت میں گرفتار کیا اور وہ قتل کر دیئے گئے۔ ابن عباس فرماتے ہیں شرک کا برا انجام اسی نقص کو گھیرتا ہے جو شرک کرتا ہے۔ یعنی شرک کا وبال مشرکوں پر ہی پڑتا ہے (۲)۔

۷۔ يَنْظُرُونَ معنی بے نظروں سے یعنی انتظار کر رہے ہیں۔ سُنَّتِ الْاَوَّلِيْنَ، یعنی گذشتہ سرکش قوموں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی یہی سنت

رہی ہے جب انہوں نے کفر پر اصرار کیا تو انہیں نیست و نابود کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اصل مکہ میں کفار کا نام و نشان مٹ گیا اور صرف مومنین باقی رہ گئے۔ اللہ کے عذاب کو کمند بین سے دوسرے لوگوں کی طرف پھیرنے والا کوئی طاقت ور نہیں نہیں ملے گا بلکہ اس کے عذاب کا کوڑا جھٹلانے والوں پر ہی برے گا۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَاثُرُوا أَشْدَ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ۝۱۱

”کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھ لیتے کہ کتنا (دردناک) انجام ہوا ان (سرکشوں) کا جو ان سے پہلے گزر چکے حالانکہ وہ قوت (و طاقت) میں ان سے (کئی گنا) زیادہ تھے اور (سنو!) اللہ تعالیٰ ایسا (کمزور) نہیں ہے کہ اسے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز نچا دکھ سکے۔ وہ ہر بات جانتے والا بڑی قدرت والا ہے۔“

۱۔ اَوَلَمْ يَسِيرُوا میں استفہام انکاری ہے۔ اور اَوَ محذوف کلام پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے الم بشارہوا آثار الماضین ولہم یسروا۔ فینظروا۔ یسروا پر موقوف ہے اور لم کی وجہ سے مجزوم ہے۔ یالقی کے بعد ان مقدرہ کے ساتھ منصوب ہے۔ اَلَّذِینَ مِن قَبْلِهِمْ سے مراد شام، یمن اور عراق کی گزشتہ قومیں ہیں۔ یعنی ان شہروں میں وہ گزشتہ نافرمان قوموں کے عبرت آموز نشان دیکھ چکے ہیں۔ کائنوا، قد کی تقدیر کے ساتھ حال ہے۔ اشد منہم میں ہم ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں۔ یعنی پہلی قومیں قوت و سطوت میں ان سے کئی گنا زیادہ تھیں لیکن جب ان کی سرکشی حد سے بڑھی تو عذاب الہی کا بگولہ آیا اور انہیں تیس تیس کر دیا، انہیں کوئی طاقت اس عذاب الہی سے بچا نہ سکی۔ تو اسے مکہ کے مشرکوں انہیں کیا ہو گیا ہے، تم ان کے نشانات سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے۔ شئی سے پہلے من زائد ہے اور شئی یعجز کے فاعل کی حیثیت سے کل رفع میں ہے۔ فی السموات فی الارض ظرف متصرف ہے اور شئی کی صفت ہے یا یعجزہ کے متعلق ہے اور ظرف انفع ہے۔

۲۔ وہ تمام چیزوں کے خالق کو بھی جانتا ہے۔ جو چیز جس کی مستحق ہے اسے بھی جانتا ہے اور جو چاہتا ہے اس پر قدرت رکھتا ہے۔

وَلَوْ يَدْعُونَ إِلَهُاتِهِمْ اثْنًا أَتَأْتِيهِمْ آتَانَا فَتُحْضَرُونَ عَلَى ظَهْرِهِمْ ۚ وَآيَةٌ وَلَكِنْ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ جَحِيمٍ ۚ فَأَدْبَأْ جَاهِلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝۱۲

”اگر اللہ تعالیٰ (فورا) پکارتا کہ لوگوں کو ان کے کفو تو توں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو

لیکن (اس کی سنت یہ ہے) کہ وہ ڈھیل دیتا رہتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ پس جب ان کی میعاد جائے گی تو بیشک

اللہ کے سب بندے اسکی نگاہ میں ہیں۔“

۱۔ جیسا کہ سابقہ آیات میں گزر چکا ہے کہ کفار کا کفر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان پر عذاب کی بجلی اگر ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے اور انہیں خاک میں ملا دیا جائے جیسا کہ گزشتہ قوموں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے۔ حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ طاقت ور اور جلد ساز تھے لیکن اگر اللہ تعالیٰ گناہوں کے باعث دنیا میں فوراً عذاب دیتا تو سطح ارض پر کوئی نافرمان باقی نہ رہتا یا کوئی

زمین پر چلنے والی روح باقی نہ رہتی لیکن وہ کریم ذات لوگوں کے مؤاخذہ کو ایک خاص مدت تک مؤخر فرماتی ہے۔ اَجَلِ مُتَسَمًی سے مراد موت کے بعد کا وقت ہے یا روز قیامت ہے۔

یعنی جب وقت مقرر پہنچ جائے گا تو سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں، سب کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق سزا و جزاء دے گا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں عباد سے مراد اہل طاعت اور اہل معصیت سب مراد ہیں۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام مھلی سيد المرسلين

اے عظیم و بصیر! میری کوتاہیوں اور سیاہ کاریوں پر قلم غلو پھیر دے اور روز قیامت اپنے محبوب کریم ﷺ کے کوامحمد کے نیچے جگہ عطا فرماتا اور قیامت کی ہولناکیوں اور پریشانیوں سے محفوظ رکھنا۔ تو کریم ہے تو جواد ہے تو رحمن ہے۔

محمد اقبال شاہ گیلانی

23-12-2000

بمطابق 26 رمضان المبارک 1421 ہجری بروز ہفتہ بعد نماز صبح 7:15



سورہ یٰسین

﴿الہٰکثٰثا ۸۲﴾ ﴿مُؤَكَّدًا لِّیْتَ ۳۶﴾ ﴿رُکُوْعَاتُهَا ۵﴾

سورہ یٰسین کی ہے اس میں تراوی آیات اور پانچ رکوع ہیں

آغاز ترجمہ سورہ یٰسین 2000-22 بمطابق 26 رمضان المبارک ص 15:7

سورہ یٰسین کا ایک نام معمر ہے۔ حضرت ابن مردویہؒ اخطیب اور تہنیؒ نے (۱) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ سورہ یٰسین کو معمر کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے پڑھنے والے کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا کرتی ہے۔ اس کا ایک نام وادعہ بھی ہے کیونکہ یہ اپنے پڑھنے والے سے ہر برائی دور کرتی ہے۔ اس کو قاضیہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قضائے حاجات کا باعث بنتی ہے۔ اس کی 83 آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰسین ﴿اے سید (عرب و عجم)﴾

ابو یوسف نے الدلائل میں ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بلند آواز سے قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ کفار قریش کو اس سے برا دکھ ہوا۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ آپ کو پکڑ لیں لیکن قدرت نے ان کے ہاتھ ان کی گردنوں میں باندھ دیئے اور انھوں نے اندھے ہو گئے۔ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے اے محمد خدا کا واسطہ رشتہ داری اور قرابت کا واسطہ ہمارے لئے دعا فرمائیں تاکہ ہماری یہ تکلیف دور ہو جائے۔ قریش کے برخاندان میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ اور تعلق تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مشکل حل فرمادی۔ اس وقت یہ آیات یٰسین لا یومنون بیک نازل ہوئیں۔ لیکن اس واضح معجزہ کو دیکھ کر بھی کوئی ایک بھی ایمان نہ لایا (۱) حمزہ اور ابو بکر نے یٰسین کو براء کے فقرہ کے امال کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اخلاص کے ساتھ پڑھا ہے۔ ورشؒ ابو بکرؓ ابن عامرؒ اور کسانؓ کو نوادوں میں ادعا علم کرتے ہیں اور غزوہ کو باقی رکھتے ہیں۔ اسی طرح ن والقلم میں پڑھتے ہیں لیکن بصریوں میں عام قراء ورش کے مسلک پر وہاں بیان کے ساتھ پڑھتے ہیں،

۱۔ الدر المنثور جلد ۵ صفحہ 485 (احمدیہ)

(۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو رات میں سورہ یٰسین کا نام معمر ہے۔ یہ اپنے پڑھنے والے کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا کرتی ہے۔ دنیا و آخرت کی مصیبتیں اس سے دور کرتی ہے اور آخرت کی ہر تکلیف کو رفع کرتی ہے۔ اس کو وادعہ اور قاضیہ بھی کہا جاتا ہے، یہ اپنے قاری سے ہر برائی کو دور کرتی ہے اور اس کی حاجات کو پورا کرتی ہے۔ جو شخص اس کی تلاوت کرتا ہے اسے تیس حج کا ثواب ملتا ہے اور جو اس کو سنتا ہے اس کو سو بار اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جو اس کو لکھتا ہے پھر اس کو پڑھتا ہے تو اس کے پیٹ میں ہزار درہاں ہزار نور ہزار یسین، ہزار ایتینیاں، ہزار تیس دراصل ہوتی ہیں اور اس کی وجہ سے ہزار گینہ اور مرض نکل جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے والدین کی قبر کی یا ان میں سے ایک کی قبر کی جگہ کے روزِ زیارت کرے اور ان کے پاس سورہ یٰسین پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو سچا پاک کے حروف کی تعداد کے برابر اس شخص کے گناہ معاف فرمادے گا۔

جب کہ باقی قرآن دونوں سورتوں میں نون کے اظہار کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

نہیں معنی اور اعراب میں دوسرے مقطعات کی طرح ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں لغۃ طی میں اس کا معنی یا انسان ہے اور اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اس پہلو پر ہوگا کہ اس کی اصل ایسی ہے پھر کثرتِ ندا کی وجہ سے اس کا ایک حصہ یعنی تین حذف کیا گیا ہے جیسا کہ ابن کثیرؒ کو تحفۃ المؤمن اللہ (ایم اللہ ام اللہ) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ابن عباس سے مروی ہے۔ حسن سعید بن جبیر اور علماء کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں اس کا معنی یا زجل ہے۔ ابو بکر الوراق فرماتے ہیں اس کا معنی یا سید البشر ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ قسم ہے۔

وَالْقُرْآنُ الْحَكِيمُ ﴿١﴾

”قسم ہے قرآن حکیم کی۔“

یہ قرآن بدیع معانی اور نظم و عبارت کے اعتبار سے محکم اور مضبوط ہے۔ واقعہ یہ ہے اگر نبیین کو قسم تسلیم کیا جائے تو داؤد عاقلہ ہوگی۔

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢﴾

”بیٹک! آپ رسولوں میں سے ہیں۔“

۱۔ یہ جملہ جو قسم ہے اس جملہ پر اگر یہ کہا جائے کہ کسی بات کی خبر دینے کی دو اغراض ہوتی ہیں۔ ۱۔ مخاطب کو حکم سے آگاہ کرنا۔ ۲۔ یہ بتانا کہ شکم کو بھی بات کا علم ہے۔ یہاں کوئی معنی بھی متصور نہیں ہو سکتا پھر یہاں خبر دینے کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کفار کو آگاہ کرنا مقصود ہے اور ان کی اس بات کا رد کرنے کے لئے ہے جس پر وہ قوتِ مصرعے کے ”لست مرسلاً“ کہ آپ رسول نہیں ہیں۔

عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٣﴾

”(یقیناً) آپ راہِ راست پر ہیں۔“

۱۔ یہ مومنین کے متعلق ہے اور اس صراطِ مستقیم سے مراد توحید اور امور اسلام پر استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ ہے معنی یہ ہوگا بیٹک! آپ ان رسولوں میں سے ہیں جو صراطِ مُسْتَقِيم پر بھیجے گئے تھے۔ یا علی صراطِ مستقیم ظرفِ مستقر ہے اور ان کی دوسری خبر ہے یا حال ہے اس ضمیر سے جو من المومنین میں ہے۔ اور اس کا فائدہ مدح ہے اور جو شریعت آپ لے کر آئے ہیں اس کے مستقیم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ لمن المومنین سے اسی بات پر التزامِ ادالت ہو رہی ہے۔

تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٤﴾

”نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم کو) عزیز (اور) رحیم نے۔“

۱۔ حفص ابن عاصمؒ حمزہ اور کسائی نے اُنہی کے اُتار کے ساتھ منصوب پڑھا ہے یا مصدر کے فعل کے اُتار کے ساتھ منصوب پڑھا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی نزل (القرآن) تنزیل العزیز فی ملکہ الوحیم بخلقہ یعنی یہ قرآن اس ہستی نے نازل کیا ہے جو اپنی ملک میں غالب ہے اور اپنی مخلوق پر ہمیشہ مہربانیاں فرمانے والا ہے۔ اس کتاب کو نازل فرمایا اور اپنا مکرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا۔ (یہ اس کی کتنی رحمت اور کرم نوازی ہے) فعل کو حذف کیا گیا اور مصدر کو فاعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ باقی

قراء نے تزیل کو مرفوع پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ مبتدا محذوف القرآن کی خبر ہے۔ یہ جملہ صراط کا بیان ہے۔

لِئَلَّيْئَلِيَّ مَا أَتَاكَ رَأْبًا وَهُمْ فُهِمَ غُفْلُونَ ①

”تا کہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصہ سے) نہیں ڈرایا گیا اس لئے وہ غافل ہیں۔“

لے لئالیٰ، یا تو تزیل کے متعلق ہے یا یومئذ الیومئذین کے معنی کے متعلق ہے۔ ما اندر میں ما تانیہ ہے۔ اور یہ جملہ قوم کی صفت ہے۔ یعنی تا کہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو ایک عرصہ سے نہیں ڈرایا گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد مکہ میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ پس وہ دوسرے لوگوں کی نسبت رسالت کے زیادہ ضرورت مند تھے۔ چونکہ اس عرصہ سے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ اس لئے وہ غافل ہو چکے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ما اندر میں ماموصلہ یا موصوفہ ہے۔ معنی یہ ہوگا تا کہ آپ انہیں اس چیز کے ساتھ ڈرائیں جس کے ساتھ ان کے آباء و اجداد کو ڈرایا گیا تھا۔ اس تقدیر پر ما اندر کا مفعول ہوگا۔ یا ما اندر میں ما مصدر یہ ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا تا کہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جس طرح اس کے آباء کو ڈرایا گیا۔ ان تمام صورتوں میں فُهِمَ غُفْلُونَ، اِنَّكَ لَكُمُ الْكُفْرَانِ کے متعلق ہوگا، یعنی ہم تھے ان کی طرف سے آپ کو اس لئے مبعوث فرمایا تا کہ آپ انہیں ڈرائیں کیونکہ وہ غافل ہو چکے ہیں۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی الْكَافِرِيْنَ فُهِمَ لَا يُلِيُّوْنَ ②

”جیک (ان کے کفر و عناد کے باعث) یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

لے قول سے مراد یہ ارشاد ہے۔ لَا تَلْمِزْ لَّهُمْ مِّنْ لَّحْنَةٍ وَّ الْقَائِلِينَ آجِبْنِي ③۔

(ترجمہ) کہ میں ضرور مجھروں گا جنہم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے۔ فُهِمَ لَا يُلِيُّوْنَ میں ہم ضمیر کا مرجع اسکو ہے۔ ابن جریر نے عمرہ سے روایت کیا ہے کہ ابو جہل نے قسم اٹھائی ہے کہ اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو ایسا کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ذیل کی دو آیات نازل فرمائیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَعْيُنِنَا قَبْضَةً اَعْلَا فَوَيْ اِلٰی الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ④

”ہم نے ذال دیے ہیں ان کی گردنوں میں طوق لے پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے سروا پر کواٹھے ہوئے ہیں۔“

لے ابو جہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کے لئے آیا تو قدرت نے اسے اندھا کر دیا۔ لوگ اسے بتاتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کھڑے ہیں (اپنی قسم پوری کر اور انہیں مار) لیکن وہ کہتا وہ کہاں ہے کہاں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نظر پر نہ آتے (۱)۔ علامہ بنوئی نے لکھا ہے کہ یہ آیت کریمہ ابو جہل اور اس کے مخزومی ساتھی کے متعلق نازل ہوئی۔ ایک دفعہ ابو جہل (لعنۃ اللہ علیہ) نے قسم اٹھائی کہ اگر اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو اسے چور چور کر دے گا۔ ایک مرتبہ اسی نے آپ ﷺ کو حالت نماز میں دیکھا وہ پتھر اٹھا کر لایا تا کہ آپ کے سر پر مارے۔ لیکن جو نبی مارنے کے لئے پتھر اوپر کیا تو ہاتھ گردن کے ساتھ لپٹ گیا اور پتھر ہاتھ سے چٹ گیا۔ جب لوٹ کر اپنے دوستوں کے پاس واپس آیا تو انہیں سارا مارا رشتا یا اور پھر زمین پر گر پڑا۔ اس کا دوسرا ساتھی

عزہی اٹھا کر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ای پتر سے قتل کر کے آؤں گا۔ وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی نماز ادا فرما رہے تھے۔ اس نے پتر مارنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بیانی سب کر لی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تو سنتا تھا۔ لیکن اسے دکھائی کچھ نہ دیتا تھا۔ وہ بھی اپنا منہ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا لیکن اندھا ہونے کی وجہ سے ان کو بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے اسے آواز دی کہ تو نے کیا کیا۔ اس نے کہا مجھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نظر ہی نہیں آئے، مجھے ان کی آواز سنانی دیتی تھی لیکن نظر نہیں آتے تھے، میرے اور ان کے درمیان ایک بڑا تیل حائل ہو گیا جو دم ہلا رہا تھا۔ اگر میں تھوڑا سا قریب جاتا تو وہ مجھے کھا جاتا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّا جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ غَاطً (1)۔

یعنی اغلال یعنی ان کے طوق تھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے دوسرے کا نہیں سکتے۔ علامہ بنوئی فرماتے ہیں اغلال ہاتھوں سے کنایہ ہے اگر چہ ان کا ذکر پہلے نہیں ہے کیونکہ الغل کا معنی ہاتھ کا گردن سے جمع کر دینا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے ہاتھوں میں زنجیریں اور گلوں میں طوق ڈال کر جکڑ دیا ہے (2)۔ فہم پر فاسیہ ہے۔ کیونکہ اغلال اقام کا سبب ہے۔ یعنی وہ اپنے سروں کو ادا پر اٹھائے ہوئے ہیں اور انھیں بندھے ہوئے ہیں، کسی چیز کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یہی نے دلائل میں سدی الصغیر عن بکب عن ابی صراح عن ابن عباس کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس نے فرمایا نبی مخزوم کے کچھ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش تیار کی۔ ان میں ابوہل اور ولید بن مغیرہ بھی تھے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور وہ بد بخت آپ کی قرأت سن رہے تھے۔ انہوں نے اپنا مشورہ کے مطابق ولید بن مغیرہ کو بھیجا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دے۔ وہ چل پڑا حتیٰ کہ جہاں آپ نماز پڑھ رہے تھے وہاں پہنچ گیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی آواز تو سن رہا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دکھائی نہ دیتے۔ واپس آ کر اس نے انہیں حقیقت حال بتائی۔ وہ سب آپ کی طرف آئے۔ جب اس جگہ پہنچے جہاں آپ نماز ادا فرما رہے تھے تو انہیں آواز سنانی دیتی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم دکھائی نہیں آتے تھے۔ وہ آواز کی طرف جاتے تو آواز تھوڑی دور پیچھے سے سنانی دیتی، وہ پیچھے آواز کی طرف آتے تو آواز دوسری طرف پیچھے سے سنانی دیتی۔ اس طرح وہ ٹامرا ہو کر واپس پلٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کا کوئی راستہ نہ پاسکے۔ آئندہ آیت سے یہی مراد ہے (3)۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ سِدًّا وَجَعَلْنَا غُطَّتَيْنِ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ لَئِيْلُ يُصْرُونَ (1)

”اور ہم نے بنیادی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔“

۱۔ سداً کو جزرہ، کمرائی اور حفص نے سین کے صفحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراہنے جمعہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں دو لختیں ہیں۔ فاعشينا ہم کا معنی یہ ہے کہ ہم نے انہیں اندھا کر دیا، یہ تعشیہ سے ہے جس کا معنی ڈھانپ دینا ہے۔ فہم لا یُصْرُونَ پر فاسیہ ہے۔ علامہ معانی فرماتے ہیں یہ ارشاد بطور تشبیل ہے۔ وہاں نہ کوئی طوق تھا نہ دیوار تھی۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ ہم نے موانع کے ساتھ ایمان سے روک دیا۔ اغلال اور سداً کو بطور مثال ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کفر میں بہت گہرے ہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہیں، اس لئے نہ تو انہیں آیات سے فائدہ ہوتا ہے اور نہ رسولوں کی پند و نصائح سے۔ وہ ان لوگوں

کی مثل ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہیں۔ جو طوقوں تک پہنچے ہوئے ہیں اور وہ منہ اوپر اٹھائے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کی مثل ہیں جن کے مقصود مرد اور ان کے درمیان دیوار حائل ہے۔ اسی وجہ سے نہ وہ حق کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں اور نہ اپنی گردنیں حق کی طرف پھیر سکتے ہیں اور نہ حق کے لئے اپنے سروں کو جھکا سکتے ہیں۔ اگر بالفرض وہ سر کو جھکا بھی لیں تو ان کی آنکھوں کے سامنے دیوار ہے جس کی وجہ سے انہیں ہدایت کی شاہراہ نظر نہیں آتی۔ یا یہ معنی کہ ہم نے اپنے نبی کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے اس وجہ سے ہم نے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت سے باز رکھا۔ ہو سکتا ہے کہ جعلنا یعنی جعل ہو اور ماضی کا صیغہ بیان فرمایا کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے، یعنی ہم انہیں گردنوں میں طوق ڈال کر جہنم میں پھینکیں گے اور اس کے سامنے ایک دیوار کھڑی کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے آگ کے تابوت بنادے گا۔

وَسَوَّآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑩

”اور یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

لے اس آیت کی تفسیر پہلے سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے۔

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ ۖ فَبَشِّرْهُ بِسَعْفَرَةٍ ۚ وَآذِرْهُ بِكَرِيمٍ ⑪

”آپ تو صرف اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا ہے (خداوند) رحمان سے بن دیکھے لے پس مر وہ سنا ہے اچھے شخص کو مغفرت کا اور بدترین اجر کا۔“

لے یعنی اسے پیارے نبی آپ کے ڈرانے کا فائدہ صرف اس پر مرتب ہو سکتا ہے جو قرآن میں غور و فکر کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ نیز وہ اپنے رحمن رب کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ یا یہ معنی کہ آپ کا ڈرانا اس کے لئے نفع بخش ہوگا جو قرآن کی اتباع کی صلاحیت رکھتا ہو اور خشیت الہی کی استعداد کا حامل ہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء مجاہد اور منتظم کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ الرحمن فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت کی صفت کو ملاحظہ کرتے ہوئے خشیت و خوف کا ہونا کمال خشیت ہے اور میں ایمان ہے کیونکہ ایمان خوف و امید کے درمیان ہوتا ہے۔ باغیب عیشی کے قائل سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ عذاب سے ڈرتا ہے حالانکہ اس نے اس عذاب کا ابھی تک تجربہ نہیں کیا۔ یا یہ معنی کہ وہ غلطی میں بھی اپنے رب کے عذاب سے ڈرتا رہتا ہے۔

لے یعنی شرعی تقاضوں کے باعث جو ان سے کوتاہیاں اور گناہ ہوئے ہیں ان کی مغفرت و بخشش کا مرادہ جانفزا اسناد و نیز جنت میں انہیں اعلیٰ اور عمدہ رزق دھکانے لے کی نوید بھی سنا دو۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَ أَحْسَنِ فِي

إِمَامٍ مُّؤْمِنِينَ ⑫

”جینک ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں (ان اعمال کو) جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے ان آثار کو جو وہ

بھیجتے چھوڑ جاتے ہیں لے اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے لوح محفوظ میں۔“

لے یعنی ہم قیامت کے روز مردوں کو زندہ کریں گے۔ یا معنی یہ کہ ہم جہالت اور گمراہی کے بعد علم اور ہدایت عطا کرتے ہیں۔ آثار سے مراد اچھے اعمال اور آثار ہیں مثلاً کسی کو تعلیم دی مال وقف کر دیا، کسی نیکی کا آغاز کیا جس پر لوگ عمل کرنے لگیں، وغیرہ اور برے

اعمال بھی ہیں جیسے برائی اور بے حیائی کی اشاعت کرنا، ظلم کی بنیاد رکھنا، کفر کی تائید کرنا، کسی بدعت کا آغاز کرنا وغیرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں کسی اچھے کام کا آغاز کیا جس پر بعد میں آنے والے لوگ عمل پیرا ہوئے تو اس شخص کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور جتنے لوگ اس نیک کام پر عمل پیرا ہوئے ان سب کا اجر بھی اسے ملے گا۔ دوسرے جو اس کی اقتداء میں عمل کرنے والے ہیں ان کے اجر میں بھی کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کا آغاز کیا تو جو لوگ اس پر عمل کریں گے سب کے گناہوں کا بوجھ اس پر پڑے گا لیکن برائے عمل کرنے والوں کے گناہ اور بوجھ میں بھی کمی نہ ہوگی (۱)۔ اس حدیث کو مسلم نے حدیث جریر سے روایت کیا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ آثار ہم سے مراد مساجد کی طرف چل کر جانے والے قدموں کے نشان ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ نماز کا ثواب اس شخص کو ہو گا جو دور سے چل کر آیا ہو پھر اس کا جو اس سے تھوڑے کم اور دوسرے سے زیادہ قدم چل کر آیا ہو گا۔ اور جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے منتظر رہتا ہے اس کا اجر اس سے زیادہ ہو گا جو نماز اکیلے پڑھ کر سوجاتا ہے (بخاری و مسلم) (۲)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں مسجد نبوی کے ارد گرد زمین کے کچھ پلاٹ خالی پڑے تھے۔ بنی مسلمہ نے پروگرام بنایا کہ مسجد کے قریب منتقل ہو جائیں۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پروگرام اور ارادہ کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم مسجد کے قریب آنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ انہوں نے عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ! ہمارا ارادہ کچھ ایسا ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی مسلمہ! اپنے گھروں میں رہو تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں (یعنی مسجد کی طرف جتنے قدم چل کر آتے ہو وہ سب لکھے جاتے ہیں ان کا تمہیں اجر و ثواب ملے گا) (۳) اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری نے بھی اس کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی نے نقل کیا ہے اور حسن کہا ہے اور حاکم نے ابوسعید الخدری سے نقل کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔

عن کلّ شیء مضر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر احصینا بیان کر رہا ہے اقامہ فہم سے مراد اولوج محفوظ ہے۔

وَأَصْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ ۖ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۰﴾

”اور بیان فرمائیے ان کے (سمجھانے کے) لئے مثال اس گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں (ہمارے)

رسول۔“

اے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کے لئے مثال بیان فرمائیے۔ عرب کہتے ہیں ہذہ الاشیاء علی ضرب واحد یہ تمام اشیاء ایک جیسی ہیں۔ یہاں اصرب دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے کیونکہ اس کے ضمن میں جعل کا فعل موجود ہے گویا یوں ارشاد ہے جعل لهم مثلاً اصحاب القرية۔ مثلاً مفعول اول ہے اور اصحاب القرية مفعول ثانی ہے۔ القریابی ابن عباس سے، ابن ابی حاتم نے حضرت بریدہ سے، عبد بن حمزہ ابن جریر ابن ابی نعیم نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ قریہ سے مراد اظنا کیہ ہے، یعنی اہل اظنا کیہ کا حال اہل مکہ کے سامنے بیان فرمائیے۔ اذ جاءها المرسلون، اصحاب القرية سے بدل اشمال ہے۔ المرسلون سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں۔ علامہ بخاری نے لکھا ہے کہ مؤرخین فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو حواری اظنا کیہ شہر کی طرف بھیجے۔ جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھے شخص سے ملے جو بکریاں چرا رہا تھا اس کا نام حبیب تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھی تھا جب ان دونوں

حواریوں نے اس شخص پر سلام کیا تو اس نے پوچھا تم دونوں کون ہو؟ حواری نے کہا اللہ کا رسول تمہیں بتوں کی عبادت چھوڑ کر رحمان کی عبادت کی طرف بلاتا ہے۔ بوڑھے نے پوچھا تمہارے پاس کوئی نشانی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں ہمارے پاس بڑی واضح نشانی ہے ہم اللہ کے اذن سے مرلیض کو شفا یاب کرتے ہیں، بادروزادہ سمجھو کہ جینا کرتے ہیں اور کوڑھی کے مرلیض کو درست کر دیتے ہیں۔ بوڑھے نے کہا میرا ایک بیٹا کئی سال سے مرلیض ہے۔ قاصدوں نے کہا ہمیں ساتھ لے چل، ہم اس کی حالت دیکھتے ہیں۔ بوڑھا انہیں گھرنے آیا یا انہوں نے اس کے بیٹے پر ہاتھ پھیرا تو وہ اسی وقت اللہ کے اذن سے صحت یاب ہو کر کھڑا ہو گیا۔ یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی، اس کے علاوہ کئی مرلیضوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں شفا بخشی۔ اس شہر کا ایک بادشاہ تھا، وہب نے اس کا نام اٹفلس لکھا ہے۔ وہ روم کے بادشاہوں سے تھا اور بتوں کا پجاری تھا۔ جب اس کو یہ خبریں پہنچیں تو بادشاہ نے ان دونوں قاصدوں کو بلایا اور پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا تم کیسے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم تجھے یہ دعوت دیتے آئے ہیں کہ ان بتوں کی عبادت چھوڑ دو جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور اس ذات کی عبادت کرو جو سنتی بھی ہے اور دیکھتی بھی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا تمہارا ہمارے خدا کے علاوہ کوئی اور خدا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں ہمارا خدا وہ ہے جس نے تجھے اور تیرے خداؤں کو پیدا کیا۔ بادشاہ نے کہا تم دونوں پتلے جاؤ میں تمہارے معاملہ میں غور و فکر کرتا ہوں۔ پس لوگ ان قاصدوں کے پیچھے لگ گئے پھر انہیں پکڑ کر بازار مارا چٹا۔

وہب لکھتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے ان دو آدمیوں کو انطاکیہ بھیجا۔ وہ انطاکیہ پہنچے لیکن بادشاہ تک نہ پہنچ سکے۔ وہ طویل مدت ٹھہرے رہے۔ ایک دن بادشاہ اپنے محل سے باہر نکلا تو انہوں نے تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا۔ بادشاہ کو ان پر غصہ آ گیا، اس نے دونوں کو قید کرنے کا حکم دیا نیز ہر ایک کو سوسو کوڑے لگانے کا بھی فیصلہ سنایا۔ جب ان قاصدوں کو کھڑا کیا تو انہیں مارا پینا گیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کے سردار شمعون الصفا کو ان کے پیچھے بھیجا تاکہ ان کی معاونت کریں۔ شمعون غیر معروف طریقہ پر شہر میں داخل ہوا اور بادشاہ کے حاشیہ نشینوں سے تعلقات استوار کرنے شروع کر دیئے حتیٰ کہ وہ اس سے مانوس ہو گئے۔ بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلایا اور براہ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اور عزت و احترام کیا۔ ایک دن شمعون نے بادشاہ سے کہا اے بادشاہ سلامت! میں نے سنا کہ آپ نے دو آدمیوں کو قید کر رکھا ہے اور جب انہوں نے تیرے دین کے علاوہ کسی دین کی تجھے دعوت دی تو تو نے انہیں مارا بھی ہے لیکن کیا تو نے ان سے کوئی بات بھی کی تھی اور تو نے ان کی کوئی بات سنی تھی؟ بادشاہ نے کہا مجھے انتہائی غصہ تھا اس لئے میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ شمعون نے کہا بادشاہ سلامت! پسند فرمائیں تو انہیں بلا بھیجیں تاکہ ہم ان کے حالات اور دین پر آگاہی حاصل کریں۔ بادشاہ نے ان دونوں کو بلایا تو شمعون نے ان سے پوچھا تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اس کا حکم فرماتا ہے۔ شمعون نے کہا تمہارے پاس اپنے حق ہونے اور قاصد ہونے کی نشانی کیا ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں ہے شمعون نے انہیں کہا آپ اللہ کی صفات بیان کرو۔ انہوں نے کہا وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ انہوں نے کہا جو تم چاہو ہم دکھا سکتے ہیں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا بلایا جس کی آنکھیں بالکل ختم ہو چکی تھیں بلکہ آنکھوں کی جگہ بھی پیشانی کی طرح برابر تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی شفا کی دعا مانگتے رہے حتیٰ کہ آنکھ کی جگہ کھل گئی۔ ان دونوں نے مٹی کے دو ڈھیلے لے کر اس کی آنکھوں میں رکھ دیئے۔ پس وہ دونوں آنکھ کے ڈھیلے کی طرح ہو گئے اور وہ لڑکا دیکھنے لگ گیا۔ بادشاہ کو اس پر بڑی حیرت ہوئی۔ شمعون نے بادشاہ سے کہا اگر تو اپنے خدا سے ایسی قدرت دکھانے کا سوال کرے اور وہ اس طرح اپنی کرشمہ سازی دکھا دے تو تیرا شرف بڑھ جائے

گا۔ بادشاہ نے کہا جب انہم سے کچھ غلطی نہیں کہ ہمارا خدا جس کی ہم پرستش کرتے ہیں وہ نفع نقصان پر قادر نہیں ہے، نہ وہ سنا ہے اور نہ دیکھتا ہے۔ شمعون نے یہ عادت تھی کہ بادشاہ جب بتوں کے پاس جاتا تو شمعون کثرت سے نماز پڑھتا اور خوب آواز کرتا کرتا تھا کہ لوگ سمجھتے کہ وہ ہمارے دین پر ہے۔ بادشاہ نے ان پیغام رسالوں کو کہا اگر تمہارا خدا مردہ کے زندہ کرنے پر قادر ہے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ انہوں نے کہا ہمارا خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ بادشاہ نے کہا یہاں ایک میت ہے جو سات دنوں سے دفن ہے، وہ ایک کسان کا بیٹھا تھا۔ میں نے اسے دفن نہیں کر دیا تھا تا کہ اس کا باپ جو غائب تھا وہ واپس آ جائے۔ لوگ وہ میت اٹھا کر لائے تو اس کی بوبدل چکی تھی۔ ان دونوں نے بلند آواز سے دعا مانگی شروع کی اور شمعون آہستہ آہستہ اپنے پروردگار کو پکار رہا تھا۔ پس وہ میت کھڑا ہو گیا و کہا کہ میں سات دن سے شرک کی حالت میں مرا تھا مجھے آگ کی سات وادیوں میں داخل کیا گیا۔ میں تمہیں ڈراتا ہوں اس عقیدہ کے برے انجام سے جس پر تم قائم ہو۔ پس تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ پھر اس نے کہا آسمان کے دروازے کھل گئے میں نے ایک جوان دیکھا جو بڑا خوش شکل تھا، وہ ان تین افراد کی سفارش کر رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا وہ تین کون ہیں۔ اس نے کہا شمعون اور یہ دو شخص۔ بادشاہ کو بہت تعجب ہوا جب شمعون نے دیکھا کہ اس کی بات بادشاہ پر موثر ہو گئی ہے تو اس نے بادشاہ کو حقیقت حال سے باخبر کیا۔ پھر بادشاہ بھی ایمان لایا اور کچھ لوگ بھی ایمان لے آئے اور کچھ لوگ منکر ہی رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بادشاہ کی بیٹی فوت ہو چکی تھی۔ اور دفن بھی ہو چکی تھی شمعون نے بادشاہ کو کہا ان دو آدمیوں سے مطالبہ کر کہ تیری بیٹی کو زندہ کر دیں۔ بادشاہ نے بیٹی کے زندہ کرنے کا مطالبہ کیا تو وہ دونوں کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے اور دعا کرنی شروع کر دی۔ شمعون بھی ان کے ساتھ آہستہ آہستہ دعا مانگ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو زندہ کر دیا۔ قبر پھٹ گئی اور وہ باہر نکل آئی۔ اس عورت نے کہا یہ دونوں سچے ہیں لیکن مجھے تو خیال نہیں آتا کہ تم ایمان لے آؤ گے۔ پھر اس لڑکی نے ان دو شخصوں سے کہا کہ مجھے اپنی جگہ واپس لوٹا دیں۔ انہوں نے اس کے سر پر مٹی ڈالی اور وہ اپنی قبر کی طرف لوٹ گئی جیسا کہ پہلے تھی۔

ابن اسحاق نے کعب اور وہب سے روایت کیا ہے کہ بادشاہ نے انکار کیا تھا اور بادشاہ اور اس کی قوم نے ان کا قصدوں کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا۔ جب حبیب نجار کو یہ خبر پہنچی جو شہر کے کنارے پر رہتا تھا۔ دوڑتا ہوا آیا اور انہیں نصیحت کی اور انہیں ان کا قصدوں کی اطاعت کی طرف بلایا۔ اللہ تعالیٰ آئندہ ارشاد میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں (1)۔

﴿إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ آلِهِمُ ابْنَهُنَّ فَكُذِّبْنَ فَبُذِّبُوا فَعَزَّزْنَا بِنَاثِلِشَ فَقَالُوا إِنَّ إِلَيْنَا لِمُنْقُذُ سُلُوكٍ ۝﴾

”جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی (انہیں) ایک تیسرے رسول سے لے تو ان تینوں نے (انہیں) کہا کہ ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔“

لے إِذْ أَرْسَلْنَا، سابقہ اس سے بدل ہے۔ پہلے دو قاصدوں کا نام وہب نے بچئی اور یونس لکھا ہے (2) فعززنا کو ابو بکر نے تخفیف کے ساتھ اور باقی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ان دونوں قرأتوں کا معنی ایک ہے۔ ثالث سے مراد شمعون ہے۔ ابن کثیر نے سعید بن جبیر سے اسی طرح کا قول روایت کیا ہے۔ فعززنا کا مفعول بہ ذکر نہیں فرمایا کیونکہ کلام سے مقصود معزز بہ (شمعون) کا ذکر تھا۔ اس لطیف تدبیر کا بیان مطلوب تھا۔ جس سے حق کو تقویت ملی اور باطل مٹ گیا۔ جب کلام کسی مخصوص غرض کے لئے ذکر کی گئی ہو تو

اسی مخصوص غرض کو ہی ذکر کیا جاتا ہے اور زائد چیزوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ عبدالرزاق، عبدالبن حنبل، جریر، ابن اعمش، راوی ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اہل قریہ کی طرف اپنے دو حواریوں کو بھیجا تھا (1)۔ کعب فرماتے ہیں وہ قاصد صادق اور صدوق تھے اور تیسرا شلوم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھیجے کی نسبت اپنی طرف کی ہے، فرمایا ہم نے بھیجے حالانکہ انہیں عیسیٰ علیہ السلام نے بھیجا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بھیجا تھا (2)۔

ع۔ قالوا کا فاعل تینوں مبلغ ہیں، یعنی ان رسولوں نے قسم اٹھا کر اہل اٹلا کیہ گویا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

قَالُوا مَا أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنزَلَ الرَّحْمَنُ مِن شَيْءٍ إِلَّا أَنْتُمْ لَا تَكْفُرُونَ ﴿٥﴾

”بہستی والوں نے کہا تمہیں ہو تم مگر انسان ہمارے مانند اور نہیں اتاری رحمن نے کوئی چیز نہیں ہو تم مگر جھوٹ بول رہے ہو۔“

ع۔ اٹلا کیہ والوں نے کہا تمہارے اندر کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسالت کے لئے خاص فرمایا ہو۔ رحمن نے تو کوئی وحی نازل نہیں فرمائی ہے، تم دعوائے رسالت میں جھوٹ بول رہے ہو۔

قَالُوا أَمَرْنَا بِتِلْكَ أَلِیْكُمْ لَمَّا رُسِلْتُمْ ﴿٦﴾

”رسولوں نے کہا ہمارا بار جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔“

ع۔ رسولوں نے اللہ کے علم سے استہزاء کیا جو قسم کے قائم مقام ہے۔ اسی وجہ سے جو کہتا ہے کہ اللہ جانتا ہے میں نے ایسا کام کیا ہے۔ حالانکہ وہ اس بات میں جھوٹا تھا تو یہ یقین غوس ہو گئی یعنی جھوٹی قسم ہو گئی۔ چونکہ لوگوں نے ان کی رسالت کا انکار کیا تھا اس لئے لام تھا کہ کیا اور قسم کے ساتھ مذکور جواب دیا۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاءُ الْمُبِیْنُ ﴿٧﴾

”اور ہمیں ہم پر کوئی ذمہ داری جز اس کے (کہ پیغام حق) کھول کر پہنچادیں۔“

ع۔ ہمارا فرض تو صرف اتنا تھا کہ ایسی نشانوں کے ساتھ پیغام پہنچادیں جو ہمارے پیغام کی صحت کی واضح دلیل ہوں۔ مثلاً ماورزادہ انصاری کو زندہ کرنا کوڑی کے کریش کو شفا دینا اور مردوں کا زندہ کرنا۔ یعنی تم جو ہمارے پیغام کا انکار کر رہے ہو اس سے ہمیں تو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ ہمارے ذمہ جو تبلیغ کا فریضہ تھا وہ ہم نے بحسن و بخوبی ادا کر دیا ہے۔ اب اس انکار اور رد و کابل تم پر ہی لوٹے گا۔ جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کا سلسلہ روک لیا۔

قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَكِن لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ جِثَّةٌ وَلَا تُبَدِّلْهُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّكُمْ ﴿٨﴾

”وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لئے قال بدھتھے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں

ہماری طرف سے دردناک عذاب۔“

ع۔ کہنے لگے عرصہ دراز سے اگر ہم پر بارش نہیں ہو رہی تو اس کی وجہ تمہاری نحوست ہے۔ یہ بات انہوں نے اس لئے کہی تھی کہ ان بزرگوں نے جو انہیں دعوت دی تھی اس کو انہوں نے عبید از عقل سمجھا تھا اور انتہائی قبیح جانتا تھا اور حد درجہ اس سے نفرت کی تھی۔ چاہل

لوگوں کی یہی عادت ہوتی ہے کہ ہر اس چیز کی خواہش کرتے ہیں جس کی طرف ان کی طبعی مائل ہوتی ہیں اور اس کو منحوس سمجھتے ہیں جس کو ناپسند کرتے ہیں۔

قَالُوا طَائِفُكُمْ مَعَكُمْ أَيْنَ ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِقُونَ ①

”رسولوں نے فرمایا تمہاری بدفالی تمہیں نصیب ہو (حیرت ہے) اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے (تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو) ۱۔ بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو۔“

۱۔ ان رسولوں نے کہا تمہاری بدفالی اور محسوسات کا سبب تو تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارا کفر ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں خیر و شر کا حصہ تمہارے ساتھ ہے (۱) وہ تم سے جدا نہ ہوگا۔ اَيْنَ ذُكِّرْتُمْ شرط ہے اور اس کا جواب شرط محذوف ہے اور ہمزہ استفہام الٹا کر کے لئے ہے۔ یعنی اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تو تم ہمارے ساتھ بدفالی پکڑتے ہو اور ہمیں رحم کی دھمکیاں دیتے ہو۔ یہ تمہیں مناسب تو نہیں لگتا بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ تم نصیحت قبول کرتے اور احسان سمجھتے۔ ابو جعفر نے دوسرے ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور ذکر تم کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے (۲) تقدیر کلام اس طرح ہوگی تطہیر تم وقوا عدلتم لان ذکر تم۔ یعنی کیا تم بدفالی پکڑتے ہو اور دھمکیاں دیتے ہو کیونکہ تمہیں وضاحت کی گئی ہے۔

۲۔ تم قوم ہی ایسی ہو تم عصیان میں حد سے بڑھ گئے ہو اور اللہ کے برگزیدہ رسولوں سے بدفالی پکڑتے ہو حالانکہ ان سے تو برکت حاصل کرنا چاہئے تھا۔

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ يُسَمَّى قَالَ لِيَقُومُوا لِيُرْسِلِينَ ②

”دریں اثنا ایک پاشہ کے پرے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا۔ اس نے کہا اے میری قوم پیروی کرو رسولوں کی ۱۔“

۱۔ یہ آنے والا شخص حبیب نجار بڑھتی تھا۔ عبدالرزاق ابن ابی حاتم نے قنادہ سے یہی قول نقل کیا ہے۔ سدی فرماتے ہیں وہ دھوئی تھا۔ وہب فرماتے ہیں حبیب ریشم کا کام کرتا تھا اور وہ بیمار تھا اور اس کو جذام کا مرض تھا اور اس کا گھر شہر کے دروازوں میں سے آخری دروازہ کے قریب تھا۔ وہ موسیٰ اور صدقہ دینے والا شخص تھا۔ دن کو مزدوری کرتا اور شام کو اپنی کمائی دو حصوں میں تقسیم کرتا نصف اپنے اہل و عیال کو کھاتا اور نصف صدقہ کر دیتا۔ جب اسے یہ خبر پہنچی کہ اس کی بد بخت قوم نے آئے ہوئے رسولوں کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ بھارا دوڑتا ہوا آیا اور کہا اے میری قوم رسولوں کی اتباع کرو (۳)۔

اَتَّبِعُوا امِنْ لَا يُسَلِّمُكُمْ اَجْرًا وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ③

”پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں ۱۔“

۱۔ یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہے یا بدل ہے۔ ایک زائد فائدہ پر مشتمل ہے، یعنی یہ اللہ کے بندے اپنی تبلیغی سرگرمیوں اور مشقتوں پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے اور یہ لوگ دنیا و آخرت میں ہدایت یافتہ ہیں۔

وَمَا لِيَ لَا آخِذُ بِالَّذِي فَطَرَنِي وَالْيَهُ مُّزَجُّونَ ④

”اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا ۱۔ اور اسی کی طرف تم (سب) نے

لوٹ کر جاتا ہے۔“

۱۔ ما استفہامیہ مبتدا ہے۔ اور ظرف اس کی خبر ہے ولا اعیبد یعنی نہیں مشکلم سے حال ہے پھر یہ جملہ یا قوم اتبعوا المرسلین پر معطوف ہے۔ اس میں غائب سے مشکلم کی طرف التفات ہے، اس کلام میں ایک لطیف انداز تبلیغ ہے۔ اپنے نفس اور اپنے ضمیر کو خالص نصیحت کی جارہی ہے اور مٹنا قوم کو بھی نصیحت کی جارہی ہے کہ تاجح جس چیز کو اپنے لئے پسند کرتا ہے دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرتا ہے تو اس کلام سے مراد قوم کو چھڑکنا اور تنبیہ کرنا ہے اور اس بات پر کہ اپنے خالق کی عبادت ترک کر کے غیروں کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکاتے ہیں۔

۲۔ وَ اَلَيْسَ لِمَنْ جَعَلَنَّا كَاجَلْتُمْ اَدْرَاجًا مِّنْ جُرُودٍ مِّنْ مَّشْجُوعٍ مِّنْ مَّاءٍ لَّيْسَ لَكُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ فَتَعْبُدُوْهُ سِوَا اللَّهِ فَاِنَّكُمْ كَاٰفِيْنَ ۝۱۰

۳۔ یہ روگردانی کر رہے ہو، جب کہ ایک دن تم سب کی اس موجود حقیقی کی بارگاہ میں پیشی ہونی ہے۔

عَا تَجِدُ مِنْ دُوْنِهَا اِلٰهَةً اِنْ يُّرِدَنَّ الرَّحْمٰنُ يَصْبِرْ لَا تَعْنِ عَنِ شَفَاعَتِهِمْ سِيَاوَا لَا يَنْفَعُوْنَ ۝۱۱

”کیا (میرے لئے جائز ہے کہ) میں بتاؤں اسے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ (ہرگز نہیں) اگر رحمن مجھے کوئی تکلیف پہنچاتا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔“

۱۔ ابن المبرد اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حبیب ایک غار میں اللہ کی عبادت کرتا تھا (۱) جب اسے رسولوں کی خبر پہنچی تو وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا اَلَيْسَ لِمَنْ جَعَلَنَّا كَاجَلْتُمْ اَدْرَاجًا مِّنْ جُرُودٍ مِّنْ مَّاءٍ لَّيْسَ لَكُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ فَتَعْبُدُوْهُ سِوَا اللَّهِ فَاِنَّكُمْ كَاٰفِيْنَ ۝۱۰ اس کی یہ نصیحت سن کر وہ بولے تو ہمارے دین کا مخالف ہے اور ان رسولوں کے مذہب کا پیروکار بن گیا ہے۔ حبیب تجار نے کہا وَ مَا عَلَيَّ اَنْ اَعْبُدَ اِلٰهًا غَيْرَ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَ اَلَيْسَ لِمَنْ جَعَلَنَّا كَاجَلْتُمْ اَدْرَاجًا مِّنْ جُرُودٍ مِّنْ مَّاءٍ لَّيْسَ لَكُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ فَتَعْبُدُوْهُ سِوَا اللَّهِ فَاِنَّكُمْ كَاٰفِيْنَ ۝۱۰ مزہ اور یعقوب نے مالی کو یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس شخص نے ”فطرنی“ میں تخلیق کی اضافت اپنی طرف کی ہے، جب کہ وَ اَلَيْسَ لِمَنْ جَعَلَنَّا كَاجَلْتُمْ اَدْرَاجًا مِّنْ جُرُودٍ مِّنْ مَّاءٍ لَّيْسَ لَكُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ فَتَعْبُدُوْهُ سِوَا اللَّهِ فَاِنَّكُمْ كَاٰفِيْنَ ۝۱۰ میں شخص کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تخلیق (پیدا کرنا) نعمت کا اثر ہے اس لئے اس پر اس کا اظہار لازم تھا اور رجوع میں زجر و توبہ ہے۔ اس لئے اس کی نسبت قوم کی طرف کرنا مناسب تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب اس نے یہ کہا اتبعوا المرسلین (رسولوں کی اتباع کرو) تو لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تو ان لوگوں کا پیروکار ہے تو اس نے جواب کیا وَ مَا عَلَيَّ اَنْ اَعْبُدَ اِلٰهًا غَيْرَ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَ اَلَيْسَ لِمَنْ جَعَلَنَّا كَاجَلْتُمْ اَدْرَاجًا مِّنْ جُرُودٍ مِّنْ مَّاءٍ لَّيْسَ لَكُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ فَتَعْبُدُوْهُ سِوَا اللَّهِ فَاِنَّكُمْ كَاٰفِيْنَ ۝۱۰ یعنی کیا وجہ ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جو میرا خالق ہے۔ اور تم سب نے قیامت کے روز حاضر ہوتا ہے۔ وہ تمہیں تمہارے کرتوتوں کی سزا دے گا (۲) اتخذ میں استفہام انکاری ہے۔ من دونہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے علاوہ جنہوں نے من گھڑت خدا ہیں۔ ولا یبقذون کوورش نے وصل کی صورت میں یاء کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے، جب کہ باقی قراء نے دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کیا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دے تو یہ بت اور مورتیاں مجھے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتیں۔ نقصان کو دور کرنے میں اور عذاب سے بچانے میں ان کی شفاعت کی نفی کرنے میں، نفع میں ان کی شفاعت کی نفی میں مبالغہ ہے۔ یعنی جو نقصان اور عذاب سے بچاؤ کی سفارش نہیں کر سکتے وہ نفع پہنچانے کی سفارش کیسے

کر سکتے ہیں؟ کیونکہ رحمت کے حصول کے لئے سفارش کی قبولیت تو بہت بلند مرتبہ ہے جب دفع ضرر کے لئے ان کی سفارش قبول نہیں ہے تو حصول مراتب اور حصول رحمت کیلئے کیسے قبول ہوگی۔ جملہ شرطیہ الہیۃ کی صفت ہے۔

إِنِّي إِذَا نَفِیَّ صَلَّیْتُ مُمِیْنِیْنَ ۝۱۱

”اگر میں شرک کروں تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔“

۱۔ اِنِّیْ کَوْنَا فِعْ اَوْ اَبُو عَمْرُو نے یاء کے فتح کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر میں اس خدا کو چھوڑ کر جس نے مجھے پیدا کیا ان مورتیوں کو خدا تسلیم کروں جو نہ نفع کا باعث ہیں اور نہ نقصان پہنچانے پر قادر ہیں تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گا۔ یہ گمراہی اتنی واضح ہوگی کہ معمولی سمجھ رکھنے والا بھی کہے گا کہ یہ گمراہی ہے۔ یہ جملہ بتوں کو خدا بنانے کے انکار کی علت بیان کر رہا ہے۔

إِنِّيْ اَمْسُتُ بِرَبِّکُمْ فَاَسْبَغُوْۤنِیْ ۝۱۲

”میں ایمان لے آیا ہوں تمہارے رب پر پس (کان کھول کر) میرا اعلان سن لو۔“

۱۲۔ اِنِّیْ کَوْنَا فِعْ اور ابن کثیر نے یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، جب کہ دوسرے قراء نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی اسے میری قوم یا اے بادشاہ میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں جس نے تمہیں پیدا فرمایا پس تم میرے دعویٰ ایمان کو باگ و دہل سن لو۔ یہ آیت سابقہ نصیحت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب قوم سے کہا گیا اَعْبُدُوا الْعَمْرُسُلَیْنِ تو گویا انہوں نے کہا کیا تو ان پر ایمان لایا ہے؟ اس نے کہا اِنِّیْ اَمْسُتُ بِرَبِّکُمْ میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں۔ میں یہ اعلان بھرے مجمع میں کر رہا ہوں تم سب سن لو۔ اگر یہ چیز بہتر نہ ہوتی تو میں اپنی ذات کے لئے اسے قطعاً پسند نہ کرتا۔ رب کی اضافت مخاطبین کی طرف کی ہے، امنت ہو میری نہیں کہا کیونکہ یہ اسلوب ان کو ایمان کی طرف زیادہ دعوت دینے والا ہے۔

علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ اس کے اس اعلان پر قوم اس پر ٹوٹ پڑی اور اسے قتل کر ڈالا۔ ابن مسعود فرماتے ہیں لوگوں نے اسے اپنے پاؤں کے ساتھ روندنا چاہی کہ اس کی انتزاع اور معذہ اس کی دیر کے راستے باہر نکل آیا۔ سدی نے کہا ہے کہ قوم اسے پتھروں سے مار رہی تھی اور وہ یہ کہہ رہا تھا اَللّٰهُمَّ اَعِیْذُ قَوْمِیْ (اے اللہ میری قوم کو راہ راست عطا فرما) آخر کار انہوں نے اس تابع اور مخلص شخص کو کلکے کلکے کرے قتل کر دیا۔ حسن فرماتے ہیں انہوں نے اس کے حلق کو چیر کر شہر کی دیوار سے لٹکا دیا۔ اس شخص کی قبر احاطہ کیہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل فرما دیا تھا۔ وہ وہاں زندہ ہے اور اسے رزق پہنچایا جاتا ہے (۱) یعنی وہ شہداء کی زندگی گزار رہا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں بنار کا یہ خطاب رسولوں کو تھا۔ جب حبیب نے دیکھا کہ لوگ مجھے قتل کرنے والے ہیں تو اس نے اپنے ایمان پر رسولوں کو گواہ بنایا۔ تقدیر کا اس طرح ہوگی کہ اس نے رسولوں کو کہا میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا تو اللہ تعالیٰ نے بندہ نوازی کرتے ہوئے اور اپنے بندے کی عزت افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا (آ جا میری جنت کی بہاریں تیری منتظر ہیں اور تیرے قدم ہم منتظر ہوں گے اس کی زمین مشتاق ہے)

قَبِیْلَ اَدْ حُلَ الْجَنَّةِ قَالَ لَیْلَتٌ قَوْمِیْ یَعْمُوْنَ ۝۱۳

”حکم ہوا (جا) جنت میں داخل ہو جاوہ و لا کاش! میری قوم بھی جان لیتی ہے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ مژدہ چاہنا تھا اس وقت سنایا، جب کہ ابھی اس نے جام شہادت نوش نہیں کیا تھا، یعنی ارشاد فرمایا تو اپنی اس قبر میں داخل ہو جاوہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنادی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قہیل لہ نہیں فرمایا کیونکہ کلام سے مقصود مقبول (جو بات کہی گئی ہے) ہے نہ کہ مقبول لہ (جس کو بات کہی جائے) کیونکہ وہ تو پہلے ہی معلوم ہے اور سلسلہ کلام اسی کے متعلق ہو رہا ہے۔ یہ جملہ مستانہ ہے اور مقدار سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے۔ کہ جب اس نے اپنے دین پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت اس کی کیفیت کیا تھی؟ جب حبیب جنت کی۔ مطر و مہر وادیوں میں پہنچ گیا تو کہنے لگا کاش میری قوم بھی اس حقیقت کو جان لیتی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرِمِينَ ۝۱۱

”بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں۔“

۱۔ ماموصولہ یا مصدر یہ ہے اور باء معلوم کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ کاش میری قوم اس چیز کو جان لیتی جس کی وجہ سے میرے رب نے مجھے معاف فرمایا ہے۔ یا یہ معنی کہ کاش میری قوم میری مغفرت کو جان لیتی یا ما استغفامیہ ہے اور باء غفر کے متعلق ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وجہ سے میرے رب نے مجھے معاف کر دیا۔ اس کی مراد ایمان تھا۔ اور کفار کی اذیتوں پر صبر کرنا تھا (یعنی اس نے کہا میری قوم کو معلوم ہو جانا کہ سچے دل سے ایمان لانے اور کفار کی مہر آ زمانہ تک لطف کو برداشت کرنے کی وجہ سے میرے رب نے میری بشری کمزوریوں کو معاف فرمایا ہے اور مجھے ان لوگوں میں داخل کر دیا ہے جنہیں ابدی اور سرمدی عزت سے نوازا گیا ہے) نیک اور صالح اپنے غصہ اور جذبات پر کتنا ضبط رکھتے ہیں کہ تو تم جان لینے پر پختہ ارادہ کر چکی ہے اور یہ درویش ان کے لئے یہ خواہش کر رہا ہے کہ کاش میری قوم ایمان و طاعت کی شیرینی اور محاسن کو جان لے۔ اللہ کے نیک بندوں کی یہی صفت ہوتی ہے، وہ دشمنوں پر رحم کرتے ہیں اور جاہلوں سے انجھٹے نہیں، حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اللہ کے اس بندے کی اس تمنا کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگوں کو ایمان اور طاعت کے حصول پر براہ راست کر لے۔ یا یہ وجہ تھی کہ تو تم کو علم ہو جائے کہ وہ اس کو قتل کر کے ایک بڑے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں کیونکہ وہ حق کا علمبردار ہے۔

علامہ بخاری فرماتے ہیں جب حبیب کو قتل کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر غضب فرمایا اور فوری انتقام لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ خوفناک کڑک کے ذریعے سب کو ہلاک کر دے۔ تو کفار سب کے سب اس بجلی کی کڑک سے موت کے منہ میں چلے گئے (۱)۔

وَمَا أَرْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ۝۱۲

”اور نہ اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد کوئی لشکر آسمان سے۔ اور نہ ہمیں اس کی ضرورت تھی۔“

۱۔ قَوْمِہ سے مراد حبیب کی قوم ہے۔ وَنِ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ میں من زائدہ ہے۔ وَنِ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ میں پہلا من زائدہ ہے، نفی کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ اور دوسرا من ابتداء کے لئے ہے۔ یعنی ہم نے ان کو ہلاک کرنے کے لئے آسمان سے لشکر نہیں اتارا جیسا کہ ہم نے بدر اور خندق کے روز و لشکر اتارے تھے۔ بلکہ فرشتے کی ایک چٹائی نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اس جملہ میں ان کی ہلاکت کی تحارت کا بیان ہے نیز اس میں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا اظہار ہے۔

۲۔ ما نافیہ ہے یعنی ہمیں ضرورت ہی نہیں کہ ہم قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کے لشکر کو نازل کریں کیونکہ یہ معاملہ ہمارے لئے بڑا آسان ہے اگر ہم نے آپ کی نصرت اور تائید کے لئے فرشتے نازل کئے ہیں تو اس سے مقصود آپ کو کامیابی کی بشارت دینا اور آپ کو عزت و شرف عطا کرنا تھا نیز آپ کے قلب اطہر کو سکون اور اطمینان بخشا تھا۔ ارشاد ہے: **وَجَاءَكَ اللَّهُ بِخَبَرٍ لِّتَمَ يَوْمَ تَلْقَوْنَهُمْ لُوحًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ** اور ہمیں بنایا فرشتوں کے اترنے کو اللہ نے مگر خوش خبری تمہارے لئے اور تم کو مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور (حقیقت تو یہ ہے) کہ نہیں ہے فتح و نصرت مگر اللہ کی طرف سے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ماموصول ہے اور جنت پر معطوف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ جس طرح ہم نے پہلی نافرمان قوموں پر کبھی پتھر بھی اندھی اور کبھی تیز بارشوں کا عذاب نازل کیا، ہم نے حبیب کی قوم پر ایسی کوئی چیز نازل نہیں کی بلکہ ایک کڑک نے چشم زدن میں ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ لَّجُودُونَ ﴿٥﴾

”نہی مگر ایک گرج پس وہ بھیجے ہوئے کو سکے بن گئے۔“

۱۔ صَيْحَةً کو جمہور قراء نے کان کی خبر کی بناء پر منصوب پڑھا ہے۔ ابو جعفر نے کان کو تادم بنایا ہے اور صیحة کو مرفوع پڑھا ہے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا یہ قول ہے کہ جبریل نے شہر کے دروازے کے دونوں کواڑ پکڑ کر زوردار چی ماری تو وہ بھیجے ہوئے کو سکے کی طرح ہو گئے (۱) کفار کو آگ کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ زندگی حرارت غریزہ (فطری) سے قائم ہوتی ہے۔ جب فطری حرارت ختم ہو جاتی ہے تو انسان مر جاتا ہے۔ ما نزلنا کے جملہ کا عطف وجاء من اقضا المدينہ وجعل یسعی پر ہے۔ وما کنا منزلیں کا جملہ محضر ہے۔ ان کانت الا صیحة واحدة کا جملہ علت بیان کر رہا ہے۔ اذا پر فاء مسببیہ ہے۔

يُخَسِرُكَ عَلَى الْعِبَادِ مَا يُأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٥﴾

”صدافوس ان بندوں پر نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول نہ مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کرنے لگ گئے۔“

۱۔ عَلَى الْعِبَادِ، حسرة کی صفت ہے۔ اور حسرة کو منادی بنانے سے مقصود مخاطبین کو تنبیہ کرنا ہے کہ ان لوگوں پر حسرت و افسوس کرنا واجب ہے۔ حسرة پر تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ یعنی حسرت کی بڑائی بیان کر رہی ہے۔ گویا یوں کہا گیا ہے اے حسرت تو آجایہ ایسی حالت ہے جس میں تیرا حاضر ہونا حق ہے اور وہ حالت یہ ہے جس پر **مَا يُأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ** ولالت کر رہا ہے۔ یعنی اللہ کے نبیوں سے مذاق کرنا ایسی حالت ہے جو افسوس اور حسرت کے اظہار کا تقاضا کرتی ہے۔

۲۔ استثناء مفرغ ہے اور یا تیہم کی ضمیر منصوب سے حال ہے یا رسول سے حال ہے یا دونوں سے حال ہے استثناء بشرط و جزاء کے معنی میں ہے، یعنی کلمتا یا تیہم رسول يستهزءون۔ یہ جملہ حسرت کی علت بیان کر رہا ہے کیونکہ جو لوگ اپنے مخلصوں اور نصیحت گذاروں سے مزاح کرتے ہیں حالانکہ ان سے نسبت اور وابستگی دینا و آخرت کی خیر کا موجب ہے۔ تو ایسے لوگ واقعی حسرت کے مستحق ہیں اور اس لائق ہیں کہ حسرت کرنے والے ان پر حسرت کا اظہار کریں۔ ایسے بد بختوں کی حالت زار پر فرشتے اور جن و انس میں سے مومنین حسرت کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حسرت ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو لیکن ان کے جرم کی بڑائی کے اظہار کے لئے بطور استعارہ یہ اسلوب اختیار فرمایا گیا ہو۔ اس قول کی تائید ”یا حسرتا“ کی قرأت کرتی ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں منادی مخدوف ہے اور

حسرة فعل مقدر کی وجہ سے ہے۔ تقدیر اس طرح ہوگی یا ایہا المخاطبون تحسروا حسرة علی العباد حسرة انتہائی غم اور ندامت کو کہتے ہیں۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں اس کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بے ایمان لوگوں کے لئے فرمائے گا کہ بندوں پر حسرت ندامت اور غم ہو دوسرا قول یہ ہے کہ ہلاک ہونے والوں کا قول ہے۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں جب انہوں نے عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو کہایا حسرة علی العباد، العباد پر الف لام بعدی ہے۔ اور اس سے مراد اظہار کیے کے لوگ ہیں یا ہر وہ شخص ہے جو بھی رسولوں پر ایمان نہ لایا اور ان کا مذاق اڑایا۔ یہ اہل مکہ کو عید سنائی جا رہی ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهُمْ اَهْلَكُنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ اَتَنْهَمُ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝

”کیا انہیں علم نہیں کہ کتنی امتوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا۔ (اور) وہ (آج تک) ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے۔“

اَلَمْ يَرَوْا کا معنی الم يعلموا ہے۔ اور یہ کم اہلکنا سے متعلق ہے۔ کیونکہ کم میں اس کا ماقبل فعل عامل نہیں ہوتا اگرچہ وہ کم خبر یہی ہو کیونکہ کم استفہامیہ اصل ہے اور وہ صدر کلام کا تقاضا کرتا ہے۔ اَلَمْ اَهْلَكُنَا کی ضمیر اہل مکہ کے لئے ہے۔ یہ جملہ معنی کے اعتبار سے کم سے بدل اشتغال ہے۔ یعنی کیا انہیں معلوم نہیں کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ وہ ان کی طرف لوٹ کر نہ آئے والے نہیں۔ جب اَتَنْهَمُ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ مردے کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے تو اس وہم اور شبہ کو زائل کرنے کے لئے ذیل کا ارشاد نازل فرمایا۔

وَ اِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَبِیْہُمْ لَدٰیْنَا مُخْمَرُوْنَ ۝

”اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا۔“

ل لما کو عام اور مقررہ اس سورت میں سورۃ زخرف اور سورۃ الطارق میں تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر نے ابن ذکوان کی روایت میں سورۃ زخرف کے علاوہ ہر جگہ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو جعفر نے الطارق میں تشدید کی موافقت کی ہے، جب کہ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ جنہوں نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے ان کے نزدیک ان تائید ہے اور لما بمعنی اِلا ہے۔ اور جنہوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے ان کے نزدیک ان مخففہ من منقلہ ہے۔ اور لام قارنہ ہے اور ماتکید کے لئے زندہ ہے۔ جَبِیْہُمْ بروزن فعل بمعنی مفعول ہے۔ اور لدینا جمع کی طرف ہے یا محضرون کی طرف ہے۔

وَ اٰیۃُ لَہُمُ الْاَرْضُ الْمِیۡتۃُ ۚ اَحِیِّیۡہَا وَاَخْرِجۡنَا مِنْہَا حَبًا قَسِیۡمًا یَّا کُلُوْۤنَ ۝

”اور ایک نشانی ان کے لئے یہ مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کر دیا۔ اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں۔“

ل نافع نے المیۃ کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اَحِیِّیۡہَا والا رض کی خبر ہے۔ آیۃ موصوف لہم صفت ہے۔ پھر یہ موصوف صفت مل کر مبتدا ہے۔ الارض المیۃ پھر مبتدا ہے، اَحِیِّیۡہَا اس کی خبر ہے۔ پھر یہ جملہ اس میں پہلے مبتدا اللہ لہم کی خبر ہے۔ یَّا کُلُوْۤنَ یا اَحِیِّیۡہَا صفت ہے الارض کی۔ (اس ترکیب پر اعتراض ہو سکتا تھا کہ جملہ خبریہ معرف کی صفت کیسے واقع ہو سکتا ہے، جب کہ جملہ کرہ ہوتا ہے)

مصنف اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ الارض سے کوئی معین زمین مراد نہیں ہے۔ اس لئے یہ نکرہ کے حکم میں ہے (یعنی اس پر الف لام عہد و ہنی ہے جس کا مدخول نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اس کے ساتھ نکرہ ام جیسے معاملات کئے جاتے ہیں) اس کی مثال یہ ہے و لقد امر علی النبیسینی (اس مثال میں یسینی النبیس کی صفت واقع ہو رہا ہے کیونکہ النبیس پر الف لام عہد و ہنی ہے۔ یا جو مدخول معرفتیں ہوتا اس لئے یسینی جملہ اس کی صفت ہے) آیت کی یہ ترکیب ہے کہ الارض مبتدا ہے اور ایۃ خبر ہے یا الارض خبر ہے اور ایۃ مبتدا ہے۔ یہ جملہ وان کل لسا پر معطوف ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آجیٹھا جملہ مستانفہ ہو۔ اور زمین کے نشانی ہونے کو بیان کر رہا ہو (یعنی کوئی سوال کرتا ہے کہ زمین کیسے نشانی ہے تو اس کے جواب میں فرمایا آجیٹھا) مع حیۃ مراد جنس حب (دانہ) ہے مثلاً گندم جو وغیرہ کے دانے۔ منہ کی ضمیر کا مرجع حب ہے، ہا کلون کے صلو (مت) کا مقدم فرمایا تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ سب سے بڑی چیز جس کو کھایا جاتا ہے اور جس کے ذریعے زندگی بسر ہوتی ہے وہ اناج اور غلہ ہے۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجْرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ۝۱۱

”اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیئے اس میں چشمے لے۔“

لے کھجور اور انگور کے مختلف اقسام کے پھل ہوتے ہیں اس لئے ان کو جمع ذکر فرمایا لیکن حب (دانہ) کو مفرد ذکر فرمایا کیونکہ جنس خود مختلف اقسام پر دلالت کرتی ہے، جب کہ نوع ایسی نہیں ہوتی۔ نوع ایک حقیقت کے افراد پر دلالت کرتی ہے۔ نخیل (کھجور کا درخت) کا ذکر فرمایا تاہم (کھجور کا پھل) ذکر نہیں فرمایا۔ چاہئے یہ تھا کہ تصریح ہوتا تاکہ پھلوں کے ساتھ اس کی مطابقت ہو جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کھجور کا درخت مزید منافع اور صنعت الہیہ کے آثار پر دلالت کرنے ساتھ خاص ہے اس لئے کھجور کے درخت کا ذکر فرمایا۔ فجرونا فیہا میں ہا ضمیر کا مرجع الارض ہے۔ من العیون میں من بیان یہ ہے۔ شیان من العیون کے معنی میں ہے۔ موصوف کو حذف کیا گیا ہے اور صفت کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ انفس کے نزدیک من زائد ہے (لیکن یہ مرجع قول ہے)

لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِۦ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝۱۲

”تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے لے اور نہیں بنایا ہے اس کو ان کے ہاتھوں نے لے لیا وہ (ان نعمتوں پر) شکر ادا نہیں کرتے لے۔“

لے لیا کُلُوا، فجرونا کے متعلق ہے۔ من ثمرہ کی ضمیر کا مرجع (مذکور کے اعتبار سے) جنات ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ثمرہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ بطریق التفات ہے (یعنی پہلے منظم کے صیغے استعلاء کے لئے پھر غائب کی ضمیر ذکر فرمادی) معنی یہ ہوگا کہ تاکہ وہ کھائیں جو اللہ تعالیٰ نے پھلوں میں سے پیدا فرمائے۔ حزرہ اور کسائی نے ثمرہ کو ثاء اور ميم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بھی ایک لغت یا شمار کی جمع ہے۔

مع حزرہ کسائی اور ابو بکر نے عملت، یعنی بغیر ضمیر کے پڑھا ہے۔ ما موصول ہے اور اس کا مطلق ثمرہ پر ہے۔ معنی یہ ہوگا تاکہ وہ کھائیں جو وہ اپنے ہاتھوں سے تیار کرتے ہیں۔ یعنی جو وہ پھلوں سے مختلف انداز کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں مثلاً عرق شیرہ وغیرہ۔ بعض علماء فرماتے ہیں مانا یہ ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ سب پھل اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظہر ہیں، تمہارا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ پہلے معنی کی تائید کو فیوں کی قرأت کرتی ہے جو عملت ہے، یعنی ضمیر ساتھ نہیں ہے کیونکہ صلوہ سے ضمیر کا حذف کرنا دوسری کلام سے حذف کی

نسبت زیادہ بہتر ہے۔

۱۔ ہمزہ انکار کے لئے ہے اور فاء مخذوف کلام پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے اِیْکُرُوْنَ اِنْعَامَ اللّٰہِ فَلَا یَشْکُرُوْنَ۔ یعنی کیا وہ اللہ تعالیٰ کے انعام کا انکار کرتے ہیں۔ اور شکر ادا نہیں کرتے شکر کے ترک پر انکار شکر کے حکم کی دلیل ہے، یعنی شکر کرنا چاہئے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَاجْلٰہَا وَمَا تُشِیْطُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِہُمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾

”ہر محبوب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفوس کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ (ابھی) نہیں جانتے۔“

۱۔ الْاَرْضَ اِیَّہُ سے مراد مختلف انواع و اقسام ہیں۔ مانند الارض نباتات اور درخت وغیرہ میں سے جو زمین اگاتی ہے۔ وَمِنْ اَنْفُسِہُمْ یعنی مذکر مومنٹ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ وہ چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مخدوم میں پیدا فرمایا ہے اور ابھی تک جن پر کوئی شخص مطلع نہیں ہے۔

وَآیۃُ لِّہُمْ الْبَیِّنُ ۖ سَلَخَ مِنْہُمُ النَّہَارَ فَاِذَا ہُمْ مُّقْلِبُوْنَ ﴿۷﴾

”اور دوسری نشانی ان کے لئے رات ہے ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو تو یکفیت وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔“

۱۔ یعنی ہماری قدرت کاملہ کی ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو اتار لیتے ہیں۔ یعنی اصل تاریکی ہے اور سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ اس تاریکی پر دن کا اجالا چڑھ جاتا ہے پھر جب سورج غروب ہوتا ہے۔ دن کو رات سے اتار لیتے ہیں اور تاریکی ظاہر ہو جاتی ہے۔ انسلخ یہاں سلخ الجلد سے مستعار ہے۔ جس کا معنی بکری کی کھال اتارنا ہے۔ ترکیب میں یہ آیت سابقہ آیت کی طرح ہے۔ فَاِذَا ہُمْ مُّقْلِبُوْنَ کا عطف سَلَخَ مِنْہُمُ النَّہَارَ ہے۔ یعنی جب رات آتی ہے تو فوراً تاریکی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دن جاتا ہے اور رات آتی ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرٰی لِسَبۡتِہَا ۚ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۸﴾

”(یہ) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف۔ یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس (خدا کا) جو عزیز (اور) علیم ہے۔“

۱۔ مستقر مصدر مبی یا اسم مکان ہے۔ یعنی سورج کے چلنے پر ایک مخصوص نفع پر اس کا استقرار مرتب ہوتا ہے (اس طرح کہ ہر برج میں ایک مہینہ اس کا استقرار ہوتا ہے) اور گرمیوں میں اپنے ارتفاع کی انتہا کو پہنچتا ہے اور سردیوں میں اپنے انخفاض کی نہایت کو پہنچتا ہے۔ یعنی سورج چلتا ہے کہ اس کا ارتفاع و انخفاض ایک حد متعین میں ہو۔ اس صورت میں مستقر سے پہلے لام عاقبت کے لئے ہوگا) اسم مکان کی صورت میں مفعول یہ ہوگا یہ اپنے استقرار کی جگہ کی طرف چلتا ہے۔ اس کو مسافر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ مسافر جب سفر کرتا ہے تو اپنی منزل سے تیار نہیں کرتا، اس طرح سورج بھی اپنے مدار اور منازل سے تیار نہیں کرتا۔ یا اس مستقر سے مراد آسمان کا وسط ہے۔ چونکہ اس مقام پر سورج کی حرکت انتہائی سست ہو جاتی ہے اور اس طرح محسوس ہوتا ہے کہ ٹھہرا ہوا ہے یا مستقر سے مراد

گرمیوں میں آسمان کے اندر اس کی بلندی کی نہایت ہے اور سردیوں میں اس کے نزول کی انتہا ہے۔ یا مستقر سے مراد ہر روز کا مشرق و مغرب میں مقدار متغیٰ ہے۔ کیونکہ سورج کے سال میں تین سو بیسٹھ مشرق و مغرب ہیں۔ ہر روز نئے مطلع سے طلوع ہوتا ہے اور نئے مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ آنے والے سال تک پہلے جس مطلع سے طلوع ہوتا ہے پھر کبھی وہاں سے طلوع نہیں ہوتا۔ یا مستقر سے مراد دنیا کی تباہی کے وقت اس کے چلنے کا اختتام ہے۔ یہ سب تاویلات اس بات پر مبنی ہیں کہ ظاہر اُسی وقت سورج کو قمر انہیں ہے اور عبداللہ کی قرأت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سورج کو قمر انہیں ہے۔ عبداللہ بن مسعود کی قرأت کو علامہ بغوی نے عمر بن دینار عن بن عباس کے سلسلہ سے نقل فرمایا ہے کہ آپ والشمس لا مستقر لها پڑھتے تھے (1)۔ لیکن صحیح حدیث میں ہے کہ سورج کا مستقر عرش کے نیچے ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت فرمایا ہے (2)۔

علامہ بغوی نے حضرت ابوذر کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ابوذر جب سورج غروب ہوتا ہے تو تجھے معلوم ہے یہ کہاں جاتا ہے۔ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا یہ جاتا ہے تاکہ عرش کے نیچے سجدہ کرے پھر اجازت طلب کرتا ہے تو اُسے مشرق سے طلوع ہونے کی اجازت مل جاتی ہے۔ عقریب یہ سجدہ کرے گا لیکن اس کا سجدہ قبول نہ ہوگا یہ اجازت طلب کرے گا اور اس کو اجازت نہیں ہوگی۔ حکم ہوگا جہاں سے آیا ہے وہاں لوٹ جا پس سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَالشَّمْسُ شَجُورٌ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الْعِشَاءُ غَدَقَاتٌ فَيَسْجُدُونَ لَهُنَّ أَمَّا الْبُكُورُ فَغَدَقَاتٌ فَيَسْجُدُونَ لَهُنَّ أَمَّا الْبُكُورُ فَغَدَقَاتٌ فَيَسْجُدُونَ لَهُنَّ (3)۔ فرمایا اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے (بخاری و مسلم) حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد اور طلوع ہونے سے پہلے عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے پھر اُسے مشرق سے طلوع ہونے کا اذن ملتا ہے تو طلوع ہو جاتا ہے۔ عقریب اُسے مشرق سے طلوع ہونے کا اذن نہیں ملے گا تو وہ اس وقت مغرب سے طلوع ہو جائے گا اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ سورج کے غروب ہونے کے وقت سے طلوع ہونے تک رات کی مقدار مختلف ممالک میں مختلف ہوتی ہے حتیٰ کہ قطب شمالی کے بلخار کے چیمچ جب اس سرطان کے پاس ہوتا ہے رات کا وقت بالکل مختصر ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہاں عشاء کی نماز کا وقت پایا ہی نہیں جاتا بلکہ سورج کے غروب ہونے کے بعد ایک طرف شفق غروب ہوتا ہے تو دوسری جانب صبح طلوع ہو جاتی ہے تو ایسی صورت حال میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سورج عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے لئے جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں سورج کے غروب ہونے سے لے کر طلوع ہونے تک سورج کا سجدہ کرنا مراد نہیں ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت رات کی تاریکی تمام ممالک پر چھائی ہوئی ہو اور یہ اس وقت ہوتی ہے جب سورج اپنے نصف سفر پر ہوتا ہے۔ اس وقت فرشتے سورج کو عرش کے نیچے لے جاتے ہوں اور وہ وہاں سجدہ کرتا ہو پھر اس کو طلوع ہونے کا اذن مل جاتا ہو۔ مختلف ممالک میں رات کی مقدار کا مختلف ہونا رات کے مبداء اور منتہی کے اختلاف سے متعلق ہے اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے یا سجدہ سے مراد صرف اطاعت و انقیاد ہے۔ کیونکہ سیاق حدیث اس کی تائید نہیں کرتا۔

اس انداز میں سورج کا چلنا جس میں بے شمار ایسی حکمتیں مضمر ہیں جن کا اور اک عقل انسانی سے وراہ ہے۔ اس انداز کا چلانا اس ذات کی طرف ہے جو ہر مقدور پر قادر ہے۔ ہر معلوم کا اپنے علم سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَرًا مِّنَ مَّائِزِلٍ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿٣٥﴾

”اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لئے منزلیں آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند۔“
 لے القمر کو ابن کثیر تابع اور ابو عمر نے القمیس پر معطوف ہونے کی بناء پر مرفوع پڑھا ہے، یعنی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اية لهم الشمس و اية لهم القمر اور القمر کے بعد والا جملہ ترکیب میں اسی طرح ہے جس طرح القمیس کے بعد والا جملہ ہے۔ باقی قراء نے القمر کو فعل مضمر کی بناء پر منصوب پڑھا ہے جس کی تفسیر بعد والا فعل کر رہا ہے۔ یعنی القمر سے پہلے قدر نا محذوف ہے۔ چاند کی انھیں منازل ہیں، ہر رات ایک منزل میں اترتا ہے، نہادھر ادھر سرکتا ہے اور نہ اپنے مقررہ وقت پر پہنچنے میں تاخیر کرتا ہے۔ پھر جب آخری منازل میں ہوتا ہے تو انتہائی باریک قوس نما ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بوسیدہ میز بھی شبی کی طرح ہو جاتا ہے اور مینے کی آخری راتوں میں سورج کی شعاعوں کے نیچے چلا جاتا ہے۔ القدم سے مراد پرانی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد ایسی شبی ہے جس پر سال یا سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہو۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٥﴾

”نہ سورج کی یہ مجال کہ (پچھے سے) چاند کو اکپڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں۔“

لے امام بیضاوی فرماتے ہیں چلنے کی تیزی میں سورج چاند کو نہیں پہنچ سکتا (۱)۔ امام بیضاوی کا یہ قول فلاسفہ کے قول پر مبنی ہے کیونکہ انکا نظریہ یہ ہے کہ چاند سورج سے انتہائی تیز رفتار ہے۔ چاند کا دورانیہ ایک مہینہ میں مکمل ہوتا ہے، جب کہ سورج کا دورانیہ سال میں مکمل ہوتا ہے۔ میرے نزدیک معاملہ اس ہے جیسا کہ آئندہ بیان کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ بہتر یہ ہے کہ اوراک کو تیز رفتاری کے ساتھ مقید نہ کیا جائے بلکہ یہ کہا جائے کہ سورج چاند کو اس کی مخصوص رفتار میں نہیں پہنچے گا حتیٰ کہ دونوں کا چلنا ایک جیسا ہو جائے۔ کیونکہ چلنے میں ان کا متحد ہونا نباتات و حیوانات کی نشو و نما اور زندگی میں خلل کا باعث بنے گا۔ یا یہ کہا جائے کہ سورج منافع اور آوار میں چاند کو نہیں پہنچ سکتا یا یہ کہا جائے کہ سورج چاند کو اس کے مکان میں نہیں پاسکتا (یعنی سورج اس کی منازل میں اتر آئے اور جہاں چاند چلے سورج بھی وہاں چلے ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر ایک کا فلک مقرر ہے۔ چاند آسمان دنیا میں ہے اور سورج چوتھے آسمان پر ہے) یا یہ کہا جائے کہ سورج کے لئے ممکن نہیں کہ چاند کی سلطنت اور اس کے نور کی شعاعوں میں جمع ہو جائے اور اس کے نور کو ختم کر دے۔ میں کہتا ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ القمیس سے مراد دن ہو اور چاند سے مراد رات ہو۔ یعنی دن کے لئے صحیح نہیں کہ رات سے سبقت لے جائے۔ اور یہ رات کے لئے ممکن نہیں کہ وہ دن سے سبقت لے جائے بلکہ ہر ایک اپنے اپنے وقت پر آگے پیچھے آتا ہے۔ کوئی اپنے وقت سے پہلے نہیں آتا۔ علامہ بغوی کے کلام سے یہی مستفاد ہے۔

لے کئی پر توین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی کل واحد منھا۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں اس کی تقدیر کلھم ہے اور ضمیر کا مرجع سورج اور چاند ہیں۔ کیونکہ احوال کا اختلاف ذات میں متعدد ہونے کا موجب ہے اگرچہ بالا اعتباری ہو۔ یا ضمیر کا مرجع ستارے ہیں کیونکہ چاند اور سورج کے ذکر سے انکا بھی شعور ملتا ہے (۲)۔ یعنی سب ستارے آسمان دنیا میں تیر رہے ہیں جس طرح چھٹی پانی میں

تیری ہے اور ستاروں کے آسمان دنیا میں ہونے کی دلیل پر ارشاد ہے۔ **وَيَكُنَّ السَّمَاوَاتُ وَالدُّنْيَا بِمَا يُرَىٰ**۔

یہ آیت کریمہ صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ سورج، چاند اور ستارے سب فرشتوں کے ذریعے یا بلا ارادہ چل رہے ہیں، کیوں کی طرح ایک جگہ آسمان میں سرکھینے میں ہیں۔ ایسا نہیں جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ سب سیارے آسمان میں ایک جگہ جڑے ہوئے ہیں اور آسمان کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔ فلاسفہ اپنے نظریہ پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ تیرنا فلک کے پھٹنے اور جڑنے کو مستزم ہے اور ان کے نزدیک آسمانوں کا پھٹنا اور جڑنا محال ہے۔ فلاسفیاءوں کی حرکات کے تعدد سے آسمانوں کے تعدد پر استدلال کرتے ہیں یعنی کو ایک کی حرکات کے برابر افلاک ہیں۔ وہ کہتے ہیں آسمان سات ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے پیاز کے پتھکے جڑے ہوئے ہیں اور نوں آسمان کو تمام کی حد قرار دیتے ہیں جو ان کے نزدیک ایک منطقہ اور دو قطبوں پر حرکت کر رہا ہے اس حیثیت سے اس کا دائرہ ایک دن اور ایک رات میں مکمل ہوتا ہے۔ باقی آسمان اس کی حرکت سے چلتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی طبعی حرکت مغرب سے مشرق کی طرف دوسرے منطقہ اور دوسرے قطبوں پر ہے۔ اس طرح فلک ثوابت کے دو قطبوں اور فلک الافلاک (نواں آسمان) کے دو قطبوں کے درمیان تقاطع حاصل ہوتا ہے۔ سورج فلک الثوابت کے منطقہ کو لازم ہوتا ہے اور فلک الثوابت کا منطقہ بارہ حصوں میں تقسیم ہوتا ہے جن میں سے ہر حصہ کو برج کہا جاتا ہے، اس فلک کو فلک البروج بھی کہتے ہیں۔ یہ انہوں نے اس لئے کہا ہے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ کو ایک اپنی چال کا دائرہ ایک دن اور ایک رات میں مکمل کرتے ہیں اور جب انہوں نے دیکھا کہ سات سیاروں کے علاوہ تمام سیارے ایک دوسرے سے نسبت میں مختلف نہیں ہیں، ان کی رفتار ایک دن اور ایک رات سے تقویری کم ہوتی ہے اور وہ کئی انتہائی قلیل ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ تمام کے ساتھ سیارے ایک آسمان یعنی آسمان رات سے تقویری کم ہوئے ہیں اور اسی آسمان کا نام فلک البروج بھی ہے اور ان کا چلنا نہ چلنے کی مانند ہے اسی لئے اس کو ثوابت کہتے ہیں اور ان ستاروں کے فلک کو فلک الثوابت کہتے ہیں پھر جب انہوں نے دیکھا کہ سات ستارے جن کی چال ایک دن اور رات سے کم ہوتی ہے کیونکہ چاند تیس یا اسیس دنوں میں دائرہ مکمل کرتا ہے اور سورج تین سو پچیس دن میں اپنا دائرہ مکمل کرتا ہے اور اسی طرح دوسرے سیارے ہیں اور سات سیارے تمام کے تمام مغرب سے مشرق کی طرف چلتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی چال کو ایک دن اور ایک رات سے ناقص دیکھا جاتا ہے۔ جب انہوں نے ان کی چال کو دائرہ سے کم یا زیادہ دیکھا تو ان کی چال کے تیز ہونے کا قول کیا اور کہا کہ چاند فلک تیز ہے کیونکہ چاند ایک مہینہ میں دائرہ کو قطع کرتا ہے اور سورج تین سو پچیس دن میں طے کرتا ہے، اسی طرح وہ تمام ستاروں کے متعلق کہتے ہیں۔ اور پھر جب انہوں نے دیکھا کہ پانچ سیارے عطارد، زہرہ، مشتری، مریخ اور زحل ان کی چال کبھی دائرہ سے زیادہ ہوتی ہے، کبھی کم ہوتی ہے اور کبھی دائرہ کے برابر ہوتی ہے تو ان کو خسرہ متحیرہ کہتے ہیں اور ان کے لئے میر کی تدبیرات ثابت کرتے ہیں اور پادالی تدبیر کی سر نیچے والی سر کے مخالف ہے۔ ان سب چیزوں کو علم ہیئت میں بیان کیا گیا ہے۔

جب نصوص قطعیہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آسمان کی تعداد سات ہے، اس سے زائد نہیں ہے (اسی وجہ سے اس تعداد کے منکر کو کافر کہا جاتا ہے) نیز نصوص قطعیہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ افلاک میں خرق و التیام بھی جائز ہے، اس کے منکر کو بھی کافر کہا جاتا ہے۔ آسمان کے پھٹنے کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے **إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَقَتْ ۝ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَقَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ انْفَطَقَتْ ۝** اور اسی طرح کی دوسری آیات اور احادیث طیبہ بھی دلالت کرتی ہیں کہ آسمان ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے

درمیان فاصلہ ہے۔ جو ان کا فاصلہ تسلیم نہ کرے وہ فاسق ہے۔ امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے ایک طویل مرفوع حدیث نقل فرمائی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین و آسمان اور ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت بیان فرمائی ہے (۱)۔ ترمذی اور ابو داؤد نے عباس بن عبد المطلب سے ایک طویل مرفوع حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان اور ہر دو آسمانوں کے درمیان مسافت اکہتر ہجرت، تہتر سال بیان فرمائی (۲) (شاید یہ اختلاف جملے والوں کی چال کے اعتبار سے ہو، کیست اور کئی تیز چلتے ہیں) ان احادیث کی بناء پر علم ہیئت کے بطلان کا قول ثابت ہو جاتا ہے۔ جو علم ہیئت پر اعتقاد اور یقین رکھے اس پر کتاب و سنت کے انکار کی وجہ سے کفر کا اندیشہ ہے۔ جب آسمانوں میں خرق و التیام کا جواز ظاہر ہو گیا تو کوئی حرج نہیں کہ یہ کہا جائے کہ تمام سیارے آسمان دنیا میں ہیں جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے وَفِیْنَا السَّمٰوٰتِ الدُّنٰیٰ پَصٰیٰیجًا۔

اور سب سیارے اپنے جگہ میں تیر رہے ہیں اگرچہ ان میں سے اکثر کی سیر تقریباً دائرہ و دائرہ نامہ ہے اور یہ مقدار ایک ہے اور سات ستاروں کی سیر مختلف مقدار پر ہے جیسا کہ ملاحظہ کیا گیا ہے اور یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ پانچ ستاروں کی چال کبھی تیز اور کبھی ناقص ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے پانچ ستاروں کو الشمس، القمر، الزہرہ، الیونس، الیونس کہا گیا ہے، حقیقت حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

وَاٰیۃُ لَہُمْ اَنَّا خَلَقْنَا ذُرِّیَّتَہُمْ فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱﴾

”اور ایک نشانی ان کے لئے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی۔“

۱۔ اہل مدینہ اہل شام اور یعقوب نے ذریراتہم (یعنی بیج) اور قاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے مفر د اور قاء کے فخر کے ساتھ پڑھا ہے۔ المشحون وہ جو بھری ہوئی ہو۔ ذریرہ سے مراد ان کی اولاد ہے جو تجارت میں ان کی اجتماع کرتے تھے۔ یا اپنے اور ان کی عورتیں مراد ہیں جو ان کے ساتھ رہتے تھے۔ عورتوں پر بھی ذریرہ کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ وہ ذریرہ کی پرورش کرتی ہیں اور حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقتولہ عورت کو دیکھا تو فرمایا یہ تو جنگ اور قتال کے اہل ہی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کی طرف پیغام بھیجا کہ عورتوں اور مردوں کو قتل نہ کرو۔ اس حدیث میں ذریرہ سے مراد عورت ہے اور یہ ارشاد آپ ﷺ نے مقتولہ عورت کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذریرہ کا استعمال عورت کے لئے کیا ہے فرمایا خُفُوا بِالذُّرِّیَّةِ لَا تَأْكُلُوْا اَرْزَاقَہَا وَتَقْدُرُوْا اَرْزَاقَہَا فِیْ اَغْصَانِہَا۔ یعنی عورتوں کے ساتھ کر جو کذا فی نہا ہے۔ اور الفلک سے مراد چھوٹی بڑی کشتیاں ہیں۔ ذریرہ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ ان کا کشتیوں میں بیٹھنا مشکل ہوتا ہے اور کشتیوں میں ان کا جہاز ہنا عجیب ہوتا ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں فلک سے مراد سفینہ نوح ہے (۳) اور ذریرہ سے مراد آباء ہیں اور ذریرہ کا اطلاق آباء پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ اس کا اطلاق اولاد پر ہوتا ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں فلک سے سفینہ نوح مراد لینے کی صورت میں (۴) آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے آباء کو سوار کیا اور موجود لوگوں اور ان کی اولاد کو ان آباء کی پشتوں میں اٹھایا اور خصوصیت کے ساتھ ذریرہ کا ذکر احسان جملانے میں زیادہ بلیغ ہے اور ایمان و انحصار کے ساتھ ساتھ تعجب انگیزی میں اس کا زیادہ دخل ہے۔

وَخَلَقْنَا لَہُمْ مِنْ وَّسْطِہٖٓ مَآیْرَ کَبُوْنٍ ﴿۲﴾

- 1۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 83 (فاروقی)
2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 167 (فاروقی)
3۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 8 (انجاریہ)
4۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ کارزونی، جلد 4، صفحہ 435 (المنیر)

”اور ہم نے پیدا کیں ان کے لئے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔“
 ۱۔ مسئلہ کی غیر خارج مطلق کشتی ہے یا کشتی نوح ہے۔ یعنی کشتیوں کی مانند یا نوح کی کشتی کے مثل ہم نے ایسی چیزیں پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں مثلاً اونٹ وغیرہ۔ کشتی پانی کے لئے ہوتی ہے اور اونٹ صحرا کے جہاز ہوتے ہیں یا یہ معنی کہ نوح کی کشتی کی مثل دوسری چھوٹی بڑی کشتیاں پیدا کی ہیں۔

وَاِنْ تَسْأَلْنَهُمْ فَمَا صَرِيحٌ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُعْقِلُونَ ﴿۱۱﴾

”اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں کہیں کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور وہ ڈوبنے سے بچائے جاسکیں۔“
 ۱۔ اگرچہ ہم نے ان کے لئے کشتیاں پیدا فرمائی ہیں۔ لیکن اگر ہم انہیں ڈبونا چاہیں گے تو کوئی ان کو غرقاب ہونے سے بچانہ سکے گا۔ فلا صریح محذوف شرط کی جزاء ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ان لغو فہم فلا صریح یا یہ معنی کہ ہم ڈوبیں گے تو آواز بھی نہ نکال سکیں گے۔ لَا يُعْقِلُونَ کا عطف لَصَرِيحٌ لَهُمْ پر ہے۔ یعنی فرق ہونے سے بچائے نہ جاسکیں گے ابن عباس فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے عذاب سے کوئی بچائیں سکے گا۔

اِلَّا مَرْحُومَةً وَاَوْفَاءً اِلٰى حَبِيبٍ ﴿۱۲﴾

”بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں۔“
 ۱۔ استثناء مفرغ ہے اور علت کی بناء پر منصوب ہے۔ حین سے مراد وہ مدت ہے جو ان کی عمروں کے لئے مقرر کی گئی ہے۔

وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّقُوا مَا بَيْنَ يَدَيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۳﴾

”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو (اس عذاب سے) اور تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

۱۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ما بین یدیکم سے مراد آخرت ہے۔ یعنی آخرت کے لئے عمل کرو اور مَا خَلْفَكُمْ سے مراد دنیا ہے۔ پس اس سے محتاط رہو اور اس سے دھمکا نہ کھاؤ۔ بعض علماء فرماتے ہیں مَا بَيْنَ يَدَيْكُمْ سے مراد وہ حادثات ہیں جو گذشتہ قوموں کو پیش آئے اور ما خلفکم سے مراد عذاب آخرت ہے۔ حضرت قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں آسمان اور زمین کے عذاب مراد ہیں جیسے ارشاد ہے۔ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلَّا مَا بَيْنَ يَدَيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ قُرْآنُ الشَّامِ وَالْاُخْرٰیٰ۔

بعض علماء فرماتے ہیں عذاب دنیا اور عذاب آخرت مراد ہے۔ بعض اس کا برعکس فرماتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں پہلے اور پچھلے گناہ مراد ہیں۔ اذکا جواب محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے واذا قيل لهم اتقوا اعرضوا یعنی جب انہیں تقویٰ کا حکم دیا جاتا ہے یا عذاب الہی سے ڈرنے کی نصیحت کی جاتی ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ جواب محذوف کا قرینہ آئندہ آیت ہے۔

وَمَا تَنْتَهِمُ عَنْ اٰیَةِ رَبِّكَ اِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۱۴﴾

”اور انہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کی کرب کی نشانیوں سے مگر وہ اس سے درگزر دانی کرنے لگتے ہیں۔“

۱۔ پہلا جن نئی کی تاکید کے لئے زائد ہے۔ اور دوسرا جمع فیہ ہے۔ استثناء مفرغ ہے جیسا کہ الاکانوا بہ سے مستثنیٰ ہوں استثناء مفرغ تھا۔ یہ آیت کریمہ۔ واذا قيل لهم اتقوا کی علت بیان کر رہی ہے۔ جملہ شرطیہ یعنی واذا قيل لهم اپنے معطوف علیہ یعنی

وماتانیہم من آیۃ سے مل کر مایاتہم من رسول پر معطوف ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْعِقُوا أَبْغَارَكُمْ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا
أَنْطَعُمْ مِنْ لَوْلِيَسَاءَ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝

”اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو کیا ہم انہیں کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ (اے انھو!) تم تو بالکل بہک گئے ہو۔“

ل۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْطَعُمْ ساقبہ جملہ شرطیہ پر ہے۔ یعنی مومنین کفار کو مساکین پر خرچ کرنے کو کہتے تو وہ یہ جواب دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے قدرت کے باوجود انہیں مال نہیں دیا تو ہم بھی مشیت الہی کی موافقت کرتے ہیں، ہم بھی ان کو عطا نہیں کرتے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب قریش کے مشرکوں سے مومنین فقراء کو کھانا کھلانے کی اپیل کی گئی تو انہوں نے یہ کہا تھا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت انس سے اور عبد بن حمید اور ابن المنذر نے اسامعیل بن خالد سے یہی قول روایت کیا ہے۔ کفار کا یہ قول باطل اور مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور امتحان بعض لوگوں کو رزق کی فراوانی عطا فرمائی اور بعض کو تنگدستی اور معاشی بد حالی سے دوچار کیا۔ فقیر کو اللہ تعالیٰ کا مال و دولت نہ عطا کرنا بخل کی وجہ سے نہیں اور غمی کو غرہ اور خستہ حال لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دینا مالی احتیاج کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ مخلوق کی آزمائش ہے اور اس میں اس کی کئی حکمتیں کافر مایں۔ اس کے افعال کی ہر حکمت کو عقل انسانی اور کافر نہیں کر سکتی۔

ل۔ کفار نے کہا تم ہمیں مشیت الہی کی مخالفت کا حکم دیتے ہو تو تم کھلی گمراہی میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار کو جواب ہو۔ یا مومنین نے کفار کو جو جواب دیا اس کی دکایت ہو۔

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

”اور کافر کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو (تو اس کا مقررہ وقت بتا دو)۔“

ل۔ الْوَعْدُ سے مراد قیامت اور دوبارہ اٹھنا ہے۔ اس جملہ کا عطف ساقبہ جملہ شرطیہ پر ہے اور استفہام استبطاء (یعنی تاخیر کا سبب پوچھا جا رہا ہے) کے لئے ہے۔

ل۔ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ قیامت ضرور آئے گی تو ہمیں اس کے آنے کا وقت بتاؤ۔ ان شرطیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے۔ فابینوا عن وقت ایانہ بیان کا سوال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے ہوتا تھا۔

مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ۝

”یہ (ناجانبار) نہیں انتظار کر رہے مگر ایک گرج کا جو (اچانک) انہیں دو بج لے گی جب وہ بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے۔“

ل۔ مَا يَنْظُرُونَ، بقولون کے قائل سے حال ہے۔ الا صیحتہ واحده، استثناء مفرغ ہے۔ اور خصیلت کی بناء پر منصوب ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس صیغہ سے مراد گھنٹہ اولیٰ ہے (1)۔ اگر یہ کہا جائے کہ کفار کو تجھ (صور پھونکنا) پر ایمان ہی نہیں رکھتے تو وہ اس کا انتظار کیسے کر رہے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کنایہ ہے اس بات سے کہ وہ مرتے دم تک گناہوں کو ترک نہیں کریں گے۔

تاتہیم الساعة بغفۃ وهم لا يشعرون (ترجمہ) آجائے ان پر قیامت اچانک اور انہیں اس کی آمد کا شعور تک نہ ہو۔ جب وہ ان باتوں سے نہ کر کے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا تو گویا گناہوں کے چھوڑنے کے لئے اس دل ہلا دینے والی کڑک کا انتظار کر رہے ہیں۔ تاخذہم صیحةً واحدة کی صفت ہے۔ اور ہم ضمیر کا مرجع لوگ ہیں جو سابق کلام سے مفہوم ہیں۔ اسی طرح وہم بخصمون کی ضمیر کا مرجع بھی لوگ ہیں اور ہم بخصمون، تاخذہم کی ضمیر منصوب سے حال ہے۔ یعنی قیامت اس طرح اچانک آجائے گی کہ وہ نذیوں میں خرید و فروخت اور بازاروں میں معاملات زندگی میں بحث مباحثہ کر رہے ہوں گے، انہیں ان کی آمد کا شعور بھی نہ ہو گا کہ اچانک آجائے گی۔ بخصمون اصل میں بخصمون تھا۔ خاء کو ساکن کر کے ص میں ادغام کیا گیا۔ اور پھر عامم ابن ذکوان کسائی کی قرأت پر القاءے ساکنین کی وجہ سے خاء کو کسرہ کر دیا گیا۔ ابن کثیر، ورش، و شام اور یعقوب نے خاء کے فتح کے اختلاس اور صا کی شد خاء کو دینے کی وجہ سے بفتحہ خاء اور ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ قانون اور ابو عمرو نے خاء کے فتح کے اختلاس اور صا کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ قانون نے اسی طرح بھی پڑھا ہے۔ ابو جعفر نے خاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ گویا ابو جعفر اور قانون نے القاءے ساکنین جائز قرار دیا ہے، جب کہ دوسرا حرف مدغم ہو۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کے لئے اس کو پھیلانے ہوئے ہوں گے۔ ابھی سودا نہ ہوا ہوگا اور اس کپڑے کو لپٹا نہ ہوگا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دودھ کر لائے گا، اس کو استعمال کرنے سے پہلے قیامت برپا ہو جائے گی۔ ایک شخص اپنے من میں لقمہ ڈالنے کے لئے اٹھائے گا، اس کے کھانے سے پیشتر قیامت واقع ہو جائے گی۔ فریابی نے حضرت ابو ہریرہ سے اسی آیت کے تحت نقل کیا ہے کہ لوگ بازاروں میں خرید و فروخت کر رہے ہوں گے اور کپڑوں کی پیشکش کر رہے ہوں گے، اپنی اونٹنیوں کا دودھ دودھ کر رہے ہوں گے اور اپنی حواج میں مصروف ہوں گے کہ قیامت برپا ہو جائے گی (1)۔

فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ⑤

”پس نہ وہ (اس وقت) کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آ سکیں گے۔“

1. فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ کا عطف تاخذہم پر ہے۔ اور رابطہ ضمیر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی فلا يستطيعون بعدھا۔ فاء سببیہ ہے۔ عبد اللہ بن احمد نے زوائد اربعہ میں زبیر بن عوام سے روایت کیا ہے فرمایا قیامت برپا ہو جائے گی، جب کہ ایک شخص کپڑے کی پیشکش کر رہا ہوگا ایک شخص اونٹنی کا دودھ دودھ کر رہا ہوگا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لا يستطيعون تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ۔ یعنی لوگ کسی کام کی وصیت بھی نہ کر سکیں گے اور اپنے گھر والوں کا حال دیکھنے کے لئے گھر والوں کے پاس پہنچ ہی نہ سکیں گے بلکہ جو بھی چیز کی آواز سنیں گے مرجائیں گے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَاذْهَبْ أَهْمٌ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ مَا يَبْتَغِيهِ النَّاسُ ⑥

”اور (دوبارہ جب) صور پھونکا جائے گا تو غوراءہ اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جائے

گیں گے۔“

۱۔ نَبُوْح ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا حالانکہ تصور مستقبل میں پھونکا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا وقوع یقینی اور متحقق ہے۔ اس لئے ماضی کا صیغہ استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اس کا عطف کَلَامٌ یَتَّبِعُوْنَ کے مضمون پر ہے، یعنی پہلے وہ مرچا جس کے پھر دوبارہ صورت پھونکا جائے گا اور ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے اور بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں ٹکڑوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ لوگوں نے حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا ہے ابو ہریرہ چالیس سے چالیس دن مراد ہیں؟ فرمایا میں یہ نہیں کہتا پھر لوگوں نے کہا کیا چالیس مہینے مراد ہیں؟ فرمایا میں یہ بھی نہیں کہتا پھر لوگوں نے کہا چالیس سے چالیس سال مراد ہیں؟ فرمایا میں یہ بھی نہیں کہتا (1)۔ ابن ابی داؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں ہے کہ دو ٹکڑوں کے درمیان فاصلہ چالیس سال کا ہے (2)۔ اجداث جمع ہے جدث کی جس کا معنی قبر ہے۔ یسنلون کا معنی بخر جون ہے۔ نسل کا اصل معنی کسی چیز سے جدا ہونا ہے، اسی سے نسل الوبر من البعیر (اونٹ سے اون جدا ہوگی) ہے۔ اولاد کو نسل اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ باپ سے جدا ہوتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی جلدی پنانا ہے۔ قاموس میں بھی یسنل کا معنی تیز چلنا لکھا ہے۔

قَالُوا يٰلَيْلَا مَا نَحْمَدُكَ اَنْتَ مَرَقَدْنَا ۖ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّسُوْلُ وَصَدَقَ الرَّسُوْلُ ۝۲۱

”(اس وقت) کہیں گے ہائے ہم برباد ہو گئے کس نے ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہے ہماری خواب گاہوں سے (آواز آئے

گی) یہ وہی ہے جس کا رخنہ نے وعدہ فرمایا تھا اور حج کہا تھا (اس کے) رسولوں نے ج۔“

۱۔ یہاں بھی یقین اور متحقق کی وجہ سے ماضی کا صیغہ ذکر فرمایا ہے۔ کفار جب قبروں سے اٹھیں گے تو ہلاکت و بربادی کو پکاریں گے اسے بربادی آج اب تیرا آنے کا وقت ہے۔ یا یہاں منادی محدوف ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے یا ایہا المخاطب ویلنا اے مخاطب ہم برباد ہو گئے۔ ویل مصدر ہے جس کا لفظ کوئی فعل نہیں ہے اور یہ مقدر فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ قاموس میں ویل کا معنی طول (شر کا نازل ہونا) لکھا ہے۔ بعض محققین فرماتے ہیں لغت میں اس معنی کے لئے ویل وضع نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ امام احمد زہری ابن جریر ابن ابی حاتم ابن جابر بن یحییٰ ابن ابی الدنیا ہناد اور امام حاکم نے ابو سعید سے روایت کیا ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل جہنم میں ایک وادی ہے جس میں کافراں کی گہرائی تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال گرتا جائے گا۔ اس حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔

سعید بن منصور ابن المنذر اور زہری نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہتی ہے اور یہ جھلانے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ ابن جریر نے عثمان بن عفان کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ویل دوزخ میں ایک پہاڑ ہے۔ ابو ہریرہ نے ضعیف سند کے ساتھ سعد بن ابی قحس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں ایک بچہ ہے جسے ویل کہا جاتا ہے۔ اس پر عرفاء چڑھیں گے اور اتریں گے۔

۲۔ موقدنا پر حفص نے لطیف سکتا کیا ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک یہاں وقف بہتر ہے۔ ابن عباس اور قراء فرماتے ہیں کفار یہ اس لئے کہیں گے کیونکہ دونوں ٹکڑوں کے درمیان اللہ تعالیٰ ان سے عذاب اٹھالیں گے اور وہ سوچا جس گئے پھر جب دوسرے ٹکڑے کے

وقت اٹھ کر قیامت کا منظر دیکھیں گے تو ہلاکت کو پکاریں گے۔ حضرت ابن عباس کا یہ قول معجزہ کے عقیدہ کو باطل کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آیت عذاب قبر کی لٹی پر دلالت کرتی ہے۔ یہ آیت تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ سونے والوں کی طرح تھے اور علماء معانی فرماتے ہیں کفار جب جہنم کے مختلف عذاب دیکھیں گے تو ان کے مقابلہ میں قبر کا عذاب انہیں نیند کی طرح محسوس ہوگا۔ اس وقت وہ کہیں گے ہمیں کسی نے ہماری خواہاںیاں ہوں سے بیدار کر دیا

ہذا مبتدأ ہے اور ما وعد الرحمن خبر ہے۔ ماصدر یہ بمعنی مفعول ہے یا موصولہ ہے اور رابطہ ضمیر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی هذا ما وعد به الرحمن صدق فيه المرسلون۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ صدق المرسلون جملہ متناہد ہو اور یہ سابقہ جملہ پر محظوف ہو۔ یہ انکار اقرار ہے، جب کہ اس وقت اقرار تسلیم کا کوئی قاعدہ نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ جملہ ملائکہ کا قول ہے جو کفار کے سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں یہ کفار کے جواب میں مومنین کا قول ہے۔ لیکن جواب کے انداز میں ذکر نہیں کیا گیا (چاہئے تو یہ تھا کہ اس طرح ہوتا بعثکم الرحمن) اس کی وجہ ان کو انکا کفر یا دلدلا تا ہے اور انہیں اس کفر کے اختیار پر جھجھکنا اور زجر کرنا ہے اور اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ بعثکم الرحمن وعدکم بالبعث وارسل الیکم الرسل فصد قومکم یعنی تمہیں رخصت نے اٹھایا ہے جس نے تم سے دوبارہ اٹھنے کا وعدہ کیا تھا اور جس نے وہ رسول بھیجے تھے جنہوں نے تمہیں سچی باتیں بتائی تھیں۔ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تمہارا خیال ہے کہ اس نے سونے والے کو اٹھا دیا پس تمہیں اٹھانے والے کے متعلق نہیں پوچھنا چاہئے بلکہ تمہیں بعث کے متعلق پوچھنا چاہئے جو بعث اکبر ہے، بڑا ہولناک منظر ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہذہ مرقدا کی صفت ہو اور ما وعد الرحمن مبتدأ محذوف کی خبر ہو۔ یا ما وعد مبتدأ اور خبر محذوف ہو، یعنی اس طرح ہو ما وعد الرحمن حق (جو زمین نے وعدہ فرمایا وہ حق ہے) اس تاویل کی صورت میں مرقدا پر مستند یا وقف مناسب نہ ہوگا

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِنَّهُمْ جُيئَتْ لَهَا مَحْضَرُونَ ﴿٣٦﴾

”نہیں ہوگی مگر ایک زوردار کڑک بھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔“

۱۔ آخری جگہ کے وقت فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔ ان کے قبروں سے اٹھانے اور میدان حشر میں جمع کرنے پر وقت اور اسباب درکار نہ ہوں گے۔ ایک زوردار کڑک آنے لگی اور سب بارگاہ الوہیت میں جمع ہو جائیں گے۔ ہم ضمیر کی تصحیح جئیم لَدَيْنَا پہلی خبر ہے اور مَحْضَرُونَ دوسری خبر ہے۔ اس جملہ میں بعث اور حشر کی ہولناکی کو بیان کیا جا رہا ہے نیز یہ بتایا جا رہا ہے کہ بعث اور حشر ان اسباب پر منحصر نہ ہوگا جن اسباب کا وہ مختلف امور میں مشاہدہ کرتے ہیں۔

فَالْيَوْمَ لَا تَنْظُمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تَجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٧﴾

”پس آج نہیں ظلم کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہ ہی بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے۔“

۱۔ معاملہ کی تصویر کشی اور نفوس میں راسخ کرنے کے لئے اس بات کو بیان کیا گیا ہے جو انہیں قیامت کے روز دکھائی جائے گی۔

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿٣٨﴾

”بیشک اہل بہشت آج (حسب مراتب) اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔“

۱۔ ابن کثیر نافع اور ابو عمرو نے شغل کو غنیمت کے سکون کے ساتھ اور باقی قراء نے غنیمت کے ضمد کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں

ہیں جیسے السخعت اور السخعت۔

شعل کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے، ابن عباس فرماتے ہیں باکرہ (کنواری) عورت سے محبت مراد ہے۔ وکیع بن الجراح فرماتے ہیں ساع مراد ہے۔ بکلی کہتے ہیں شغل سے مراد یہ ہے کہ وہ دوزخیوں سے بالکل غافل ہوں گے اور جس معصیت میں دوزخی مبتلا ہوں گے اس کا انہیں کوئی خیال تک نہ ہوگا اور نہ وہ دوزخیوں کو یاد کریں گے۔ الحسن فرماتے ہیں وہ جنت کی نعمتوں میں اس طرح گمن ہوں گے کہ دوزخیوں کے عذاب سے وہ بالکل بے خبر ہوں گے۔ ابن کیمان کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی زیارت کرنے والے اور اللہ کی مہمان نوازی میں مصروف ہوں گے (۱)۔ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ جس چیز کو پسند کریں گے اس میں مشغول ہوں گے۔ بلند مرتبہ صوفیاء اگر احسن کا مقصود صرف اور صرف اللہ ہوتا ہے وہ اپنے اپنے مدارج کے تجلیات میں مستغرق و منہمک ہوں گے اور دوسرے لوگ اپنے اپنے ذوق اور رغبت کے مطابق ساع خوشبو کھانا پینا اور جماع میں مشغول ہوں گے۔ ابو نعیم نے ہمارے شیخ طریقت ابو یزید بسطامی کا قول نقل فرمایا ہے کہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے ہیں اگر انہیں دیدار جمال الہی سے روک دیا جائے گا تو وہ جنت میں اس طرح آہ و فغاں کرنا شروع کر دیں گے جس طرح جنسی آگ سے نکلنے کے لئے چیخ و پکار کریں گے۔ شغل کی تکمیر اور اس کے ابہام میں اس مقام سرور اور تلذذ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ کے نیک بندے فائز ہوں گے اور اس بات پر حسیہ ہے کہ یہ شغل اتنا رفیع اور بلند ہے کہ عقل انسانی اس کا ادراک اور تصور بھی نہیں کر سکتی اور اس کی حقیقت الفاظ کے دائرہ سے ورا ہے۔ فاکھون! ان کی دوسری خبر ہے۔ ابو جعفر نے ہر جگہ الف کے بغیر فکھون پڑھا ہے۔ اور محض نے سورۃ المطففین میں ابو جعفر کی موافقت کی ہے، بغیر الف کے ہو تو اس میں مبالغہ ہوگا۔ باقی قراء نے الف کے ساتھ فاکھون پڑھا ہے۔ اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے الحاذر اور الخذر ہے۔ اور یہ الفکاحۃ سے مشتق ہے اس کا معنی لطف اندوز ہونا ہے، یعنی جنتی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ نجاہ اور شحاہک نے فاکھون کا ترجمہ معجون کیا ہے۔ یعنی جہاں وہ ہوں گے بڑے خوش و خرم ہوں گے۔ ابن عباس نے بھی اس کا معنی فرحون کیا ہے یعنی وہ خوش ہوں گے (۲)۔

هُم وَاَزْدًا جُھَمٌ فِي ظُلُمٍ عَلٰی الْاَسْرَآئِلَ مُتَكَبِّرُونَ ۝

”وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرصع) ختوں پر تکبر لگائے بیٹھے ہوں گے۔“

۱۔ حمزہ اور کسائی نے ظلال کو بغیر الف کے ظللی پڑھا ہے۔ یہ غلطی کی جمع ہے۔ باقی قراء نے الف اور طاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ وہ وظل کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں دھوپ نہ پڑتی ہو جیسے قہ چھتری وغیرہ۔ اور انک جمع ہے اور یکہ کی، اس مند کو کہتے ہیں جو پردے میں ہو۔ لغوی نے ثعلب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اور یکہ اس مند کو کہتے ہیں جو پردے کے اندر ہو (۳)۔ یتیمی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اور یکہ نہ تو صرف مند کو کہتے ہیں اور نہ صرف پردے کو کہتے ہیں بلکہ دونوں کے مجموعے کو اور یکہ کہتے ہیں۔ یتیمی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ وہ مند متیوں اور یا قوت کی ہوں گی علیٰ اَسْرَآئِلَ جَارِحَر وَاَمَّا مُتَكَبِّرُونَ کے متعلق ہے۔ ہم مبتدا ہے اور فی ظللی خبر ہے۔ علیٰ اَسْرَآئِلَ جملہ متناہ ہے یا مبتدا کی دوسری خبر ہے یا متکون ہم کی خبر ہے فی ظللی اور علیٰ اَسْرَآئِلَ خبر کے متعلق ہیں یا ہم ضمیر شعلی میں جو ضمیر ہے، اس کی تاکید کے لئے ہے۔ اور علیٰ اَسْرَآئِلَ مُتَكَبِّرُونَ ان کی دوسری خبر

ہے۔ ازواجہم انکام میں شراکت کی وجہ سے ہم ضمیر پر معطوف ہے یاغی ظلیل معطوف اور معطوف علیہ سے حال ہے۔

لَہُمْ فِیہَا کَہَنٌ ۖ وَ لَہُمْ مَآئِدٌ ۚ عَوْنٌ ﴿۵۶﴾

”ان کے لئے وہاں (طرح طرح کے لذیذ) پھل ہوں گے اور انہیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے۔“

۱۔ یٰۤاٰیُّہٗمُؤْمِنُوْنَ دعا سے باب افتعال ہے۔ یعنی جو وہ اپنے لئے طلب کریں گے یا یہ عربوں کے قول اذع غلّی ما شئت سے شق ہے جس کا معنی ہے جو چاہے تو مجھ سے تمنا کر، یعنی ان کو وہ ملے گا جس کی وہ تمنا کریں گے یا معنی کہ وہ دنیا میں جو کچھ جنت اور اس کے درجات طلب کریں گے وہ ان کو ملیں گے۔ ماموصولہ یا موصوفہ ہے اور یہ ترکیبی لحاظ سے مبتدا ہے اور اس کی خبر لہم ہے۔

سَلِّمْ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِیْمٍ ﴿۵۷﴾

”تم سلامت رہو! (انہیں) یہ کہا جائے گا اپنے رحیم رب کی طرف سے۔“

۱۔ سَلِّمْ، ما سے بدل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مایہد عون کی خبر یا مبتدا محذوف ہو کی خبر ہو اور اس کی خبر محذوف ہو۔ قولہ مصدر مؤنکدہ فعل محذوف کا اور من رب، قولہ کی صفت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا یا اس کی طرف سے کہا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر ملائکہ کے واسطے سے یا بغیر واسطہ کے سلام فرمائے گا اور یہ ان کی تعظیم کے لئے ہوگا اور یہی ان کا مطلوب دل ہوگا اور ان کی خواہش ہوگی یا قولہ اس پر نصب اختصاص کی بناء پر ہے، یعنی بطور مدح اس کو نصب دی گئی ہو۔ ابن ماجہ ابن ابی النبیاء دارقطنی اور ابوالحریز نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی جنت کی نعمتوں میں مشغول ہوں گے اچانک اوپر سے نور چمکے گا۔ جب وہ سراٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان کا رب ان پر جہانک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! السلام علیکم! سلام قولہ من رب رحیم سے نبی مراد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ اس کی طرف دیکھیں گے جب تک وہ دیکھتے رہیں گے جنت کی کسی نعمت کی طرف متوجہ نہ ہوں گے حتیٰ کہ جلوہ شقی پردہ فرمائے گا۔ لیکن اس کا نور اور اس کی برکت ان کے مکانات پر جلوہ گن رہے گا (۱) علامہ سیوطی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا جہانکنا اور مطلع ہونا مکان اور حلول سے منزہ ہے (یعنی جہانکنا اس کی اپنی شان کے لائق ہوگا) علامہ بغوی فرماتے ہیں فرشتے جنتیوں پر ان کے رب کی طرف سے سلام پہنچائیں گے۔ مقاتل فرماتے ہیں ملائکہ جنت کے ہر دروازے سے سَلَامٌ عَلَیْکُمْ یا اَہْلُ الْجَنَّةِ مِنْ رَبِّکُمْ الرَّحِیْمِ یُعْطِیْہُمْ السَّلَامَةَ اِسْلَمُوا السَّلَامَةَ اِلَّا بِدِیْنِہِ (اے اہل جنت تم پر تمہارے رب رحیم کی طرف سے سلام ہو۔ وہ تمہیں سلامتی عطا فرمائے اور ابدی سلامتی عنایت فرمائے)۔

وَاَمَّا ذٰلِیْہِمْ اَلْیَوْمَ اَلْیَوْمَ اَلْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۸﴾

”اور (تکسم ہوگا) اے مجرمو! (میرے دوستوں سے) آج الگ ہو جائے۔“

۱۔ مقاتل سدی اور زجاج فرماتے ہیں مجرم اور نافرمان بندوں کو تکسم ہوگا کہ میرے نیکوکار بندوں سے جدا ہو جائے، یعنی مؤمنین کو عزت و احترام کے ساتھ جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور مجرموں کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ اس آیت کا عطف سابقہ آیت کے مضمون پر ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں ہر کافر کے لئے دوزخ میں ایک کمرہ ہوگا جس میں وہ داخل ہوگا تو اس کا دروازہ آگ کے ساتھ بند

کر دیا جائے گا پھر وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، نہ وہ کسی کو دیکھ سکے گا اور نہ اسے کوئی دوسرا دیکھ سکے گا (۱)۔ ابن جریر ابن ابی حاتم ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں دوزخ میں جب اس شخص کو ڈالا جائے گا جس نے ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے تو ان کے لئے لوہے کے تابوت بنائے جائیں گے جن میں کیل بھی لوہے کے ہوں گے پھر ان تابوتوں کو دوسرے لوہے کے تابوتوں میں بند کر دیا جائے گا پھر انہیں جہنم کے نچلے طبقہ میں پھینکا جائے گا۔ ان میں کوئی یہ نہیں سوچے گا کہ میرے علاوہ بھی کسی کو عذاب ہو رہا ہے۔ انہیں اور بیہقی نے سوید بن غفلہ سے اسی طرح یہ حدیث نقل کی ہے۔

اَلَمْ اَعِدْ اِلَيْكُمْ يٰۤاَيُّهَا اَدَمُ اَنْ لَا تَعْبُدَ الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَنُكَرِمُ عَدُوَّ مَبِيْنٍ ۝۱

”کیا میں نے تمہیں یہ تاکید کی تھی کہ تم نہیں دیا تھا اے اولاد آدم کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلاشبہ وہ تمہارا دشمن ہے۔“

۱۔ یہ استہتام انگاری ہے اور نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے یعنی میں نے اپنے رسولوں کے ذریعے تمہیں تاکید کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں شیطان کی فرمانبرداری نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے یہ آیت کریمہ کفار کو مومنین سے جدا کرنے کی علت بیان کر رہی ہے ان مفسرہ ہے آخر میں اِنَّهٗ لَنُكَرِمُ عَدُوَّ مَبِيْنٍ فرما کر اس کی اطاعت نہ کرنے کی علت بھی بیان کر دی ہے۔

وَ اَنْ اَعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۲

”اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے۔“

۲۔ اَنْ اَعْبُدُوْنِيْ کا عطف لا تعبدوا پر ہے۔ ہذا کا اشارہ شیطان کی عبادت سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے یہ جملہ مستانہ ہے جو عہد کی مذکورہ دونوں شقوں (شیطان کی عبادت نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا) کے مقتضی کے بیان کے لئے ہے یا دوسری شق (اللہ کی عبادت کرنا) کے مقتضی کے بیان کے لئے ہے اور صراط پر تینوں یعنی نکرہ ذکر کرنا مبالغہ اور تعظیم کے لئے ہے یا تنقیہ بحقیقت کے لئے ہے کیونکہ تو حید صراط مستقیم کا بعض ہے۔

وَلَقَدْ اٰصَلْنَا مِنْكُمْ جَحِيْلًا كَثِيْرًا ۚ اَفَلَمْ تَلُوْا نَوْا تَعْقِلُوْنَ ۝۳

”(ہاں ہر) گمراہ کزد یا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو لے کیا تم عقل (وخر) نہیں رکھتے تھے۔“

۳۔ اَصَلْنَا کا فاعل شیطان ہے۔ چونکہ اوائل مذکورہ اور عاصم نے جیم اور باء کے کسرہ اور لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور یعقوب نے جیم اور باء کے ضمہ اور لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر اور ابو عمرو نے جیم کے ضمہ اور باء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے جیم اور باء کے ضمہ اور بغیر تشدید کے پڑھا ہے۔ یہ تمام لغات ہیں اور تمام کا معنی مخلوق اور جماعت ہے۔ یہ جملہ محذوف قسم کا جواب ہے۔ یہاں سے پھر شیطان کی انسان کے ساتھ دشمنی اور اس کی عداوت کے ظہور اور اس کے بھٹکانے کے واضح ہونے کو بیان کیا جا رہا ہے۔ جس کے پاس تھوڑی سی بھی عقل موجود ہے اور جو ادنیٰ سی فراست رکھتا ہے اس کے لئے شیطان کی کارستانی اور دشمنی واضح ہے۔ کیونکہ وہ ازل ہی بد بخت انسان کو بے حیائی اور برائی پر برا بیٹھتا کرتا ہے خالق رازق نفع و نقصان کے مالک کی عبادت کو چھوڑ کر بے جان، بے نفع اور غیر مضر صورتوں کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو ترک کرنے اور خواہش نفس کی پیروی کا حکم دیتا ہے۔

لے یہ استنبہام تو بخ کے لئے ہے، یعنی اس کی اتنی واضح دشمنی کے باوجود تم اس کی عداوت کو نہیں سمجھتے ولقد اصل کا جملہ تو بخ کے لئے مقرر ہے۔

هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٧﴾ اَصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٨﴾

”یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا آج اس کی آگ بناؤ اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔“

ل جب دوزخی آگ کے قریب پہنچیں گے تو انہیں یہ کہا جائے گا۔

الْيَوْمَ نَجْزِيكَ عَلَىٰ أَقْوَامِهِمْ وَنُكَلِّمُكَ أَيُّدِيهِمْ وَتَشْهَدُ ﴿٣٩﴾ اَلْجُلُومُ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٤٠﴾

”آج ہم مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں

(ان بدکاریوں پر) جو وہ کیا کرتے تھے۔“

ل اس جملہ میں خطاب سے سمجھت کی طرف التفات ہے۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ مسکرائے گئے پھر پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کس وجہ سے مسکرایا؟ عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا (قیامت کے روز) بندہ اپنے رب سے کہے گا اے میرے رب کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں نہیں۔ بندہ کہے گا میں اپنی ذات کے علاوہ اپنے خلاف کسی کی گواہی نہ مانوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کھنٹی بفسفک الیوم غلک شہیدا وبالحکوام الکتابین شہوداً آج تیرے خلاف تیرا نفس اور کرنا کاتین فرشتے گواہی دینے کے لئے کافی ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا۔ پھر اس کے جسم کے اعضاء سے ارشاد ہوگا کہ تم بولو! ہاں انسان کے اپنے اعضاء اس کے کړوتوؤں کے متعلق بول پڑیں گے پھر بندے کو بولنے کی اجازت ہوگی تو وہ اپنے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہے گا تمہارا استیانتاں ہو جائے تم ملیا میٹ ہو جاؤ میں تمہاری طرف سے جھگڑا ہاتھ لایا (اور تم میرے خلاف گواہی دے رہے ہو)

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم قیامت کے روز اپنے رب کا دیدار کریں گے فرمایا کیا وہ چہرہ کے وقت جب کہ کوئی بادل نہ ہو تو تم سورج کے دیکھنے میں کوئی وقت ہوتی ہے۔ صحابہ نے عرض کی نہیں۔ فرمایا چہرہ کی رات جب کہ بادل نہ ہو تو تمہیں چاند کو دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ صحابہ نے عرض کی نہیں۔ فرمایا تم سے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم اپنے رب کا دیدار کرنے میں تکلیف محسوس نہ کرو گے مگر جتنی کہ سورج اور چاند کو دیکھنے میں محسوس کرتے ہو پھر بندہ پیش ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے فلاں کیا میں نے تجھے عزت کا تاج نہیں عطا فرمایا تھا؟ کیا میں نے تجھے سردار نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تجھے بیوی نہیں عطا کی تھی؟ کیا میں نے تیرے لئے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کر دیئے تھے؟ میں نے تجھے قوم کا رئیس بنایا تھا، تجھے مال نیست کا چوتھا کی ملتا تھا۔ بندہ عرض کرے گا مولانا کیوں نہیں یہ سب میری عنایات تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرا گمان تھا کہ تو مجھ سے ملے گا بندہ عرض کرے گا میرا تو یہ گمان نہیں تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس طرح تو نے دنیا میں مجھے بھلا دیا اسی طرح آج میں نے تجھے فراموش کر دیا ہے پھر دوسرے بندے سے ملاقات ہوگی اس سے بھی اسی طرح سوال و

جواب ہوگا۔ پھر تیسرے سے ملاقات ہوگی اس سے بھی اسی طرح کارشاد ہوگا۔ تو وہ عرض کرے گا۔ میں تجھ پر ایمان لایا۔ تیری کتاب پر، تیرے رسول پر ایمان لایا، میں نے نماز پڑھی روزہ رکھا صدقہ کیا اور حسب استطاعت اپنی تعریف و توصیف کرے گا۔ ارشاد ہوگا ہم تیرے خلاف کوئی گواہ پیش کریں؟ وہ وول میں سوچے گا کہ میرے خلاف کون گواہی دے گا اللہ تعالیٰ اس کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور اس کی ران کو ارشاد ہوگا بول! پس اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈی اس کے اعمال بد کے متعلق سب کچھ بتا دیں گے۔ فرمایا یہ منافق ہوگا اور اپنے حق میں عذر پیش کرے گا اور اسی (بد بخت) پر اللہ کا غضب ہوگا (1)۔

امام احمد اور طبرانی نے عقیدہ بن عامر سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جس روز مومنوں پر مہر لگا دی جائے گی سب سے پہلے انسان کی جو ہڈی بولے گی وہ اس کی بائیں ران کی ہڈی ہوگی (2)۔

امام احمد نسائی حاکم اور بیہقی نے معاویہ بن جہدہ کی حدیث بیان کی ہے کہ قیامت کے روز تم اس حال میں آؤ گے کہ تمہارے مژدوں پر غلاف چڑھا ہوگا اور سب سے پہلے انسان کا جو عضو بات کرے گا وہ اس کی ران اور پتھلی ہوگی۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے روز مومن کو حساب کیلئے بلایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر علیحدگی میں اس کے اعمال پیش فرمائے گا۔ مومن ان سب کا اعتراف کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں نے واقعی یہ کوتاہی بھی کی، میں نے یہ بھی گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے وہ سب جرائم معاف فرمادے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔ فرمایا سطح زمین پر کوئی مخلوق اس کے گناہوں کو نہیں دیکھ سکے گی۔ لیکن اس کی نیکیاں ظاہر ہوں گی۔ تمام لوگ ان نیکیوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اور کافر اور منافق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ اس کے اعمال پیش فرمائے گا وہ ان اعمال بد کا انکار کرے گا اور کہے گا اے میرے پروردگار تیری عزت کی قسم اس فرشتہ نے میرے نامہ اعمال میں وہ اعمال بھی لکھ دیئے ہیں جو میں نے نہیں کئے۔ ارشاد ہوگا تو نے فلاں برائی فلاں جگہ فلاں دن کی تھی۔ وہ کہے گا اے میرے پروردگار تیری عزت کی قسم میں نے یہ برائی نہیں کی۔ جب وہ اس طرح جھوٹ کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا (3)۔ ابو موسیٰ فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) سب سے پہلے جو عضو بات کرے گا وہ دائیں ران ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت اَلَّذِي هُمْ يُخَيَّمُونَ اَفُوْا لَهُمْ مَّلاَئِكَةُ فرمائی۔

ابو یعلیٰ اور حاکم نے ابوسعید خدری کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمایا ہے کہ قیامت کے روز کافر کو اس کے اعمال بد پر شرم دلائی جائے گی تو وہ انکار کرے گا اور جھگڑے گا۔ پس اسے کہا جائے گا کہ یہ تیرے پڑوسی تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ وہ کہے گا یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں پھر ارشاد ہوگا کہ تیرے خلاف تیرے گھر والے اور تیرا خاندان گواہی دیتا ہے۔ وہ کہے گا یہ بھی جھوٹ بول رہے ہیں۔ پھر ارشاد ہوگا (تم سچ ہو) تو حلف اٹھاؤ وہ (بد بخت) قسم بھی اٹھا دیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کو خاموش کر دے گا اور ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی پھر اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں ڈال دے گا (4)۔

وَلَوْ تَشَاءُ لَكُم مَّا عَلَىٰ اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبِقُوا الصِّرَاطَ فَإِنَّ يَبْصُرُونَ ①

”اور اگر تم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک جو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑ کر آتے بھی تو ان (اندھوں) کو راستہ کیسے نظر آتا۔“

یعنی اگر ہم چاہیں تو ان کی یہ ظاہری آنکھیں یوں مٹا دیں کہ نہ آنکھ کا گڑھا ہونہ ٹھیکیں۔ طمس کا یہی معنی ہے کہ کسی چیز کا بالکل اثر اور نشان ہی مٹا دینا۔ استبقوا کا عطف طمسنا پر ہے۔ یعنی جس راستہ پر ہر وقت ان کی آمد و رفت رہتی ہے اس راستہ کی طرف دوڑ کر آنکھیں لیکن وہ اندھا ہونے کی وجہ سے اسے دیکھ نہیں گئے۔ الصراط پر نصب یا تو اس اعتبار سے ہے کہ حرف جرحذف کیا گیا ہے یا استباق کے ضمن میں ابتداء کا معنی پایا جاتا ہے یا مسبوق الیہ کو مجازاً مسبوق بنایا گیا ہے یا ظرف کی بناء پر منصوب ہے۔ فانی پر فاعلیت کے لئے اور استفہام انکاری ہے، یعنی آنکھوں کے مٹ جانے کے سبب وہ نہیں دیکھ سکیں گے علامہ بغوی لکھتے ہیں یہ قول حسن اور سعدی کا ہے۔ ابن عباس قتادہ مقاتل اور عطاء فرماتے ہیں اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کی گمراہی کی آنکھیں پھوڑ دیں اور انہیں گمراہی اور ضلالت سے اندھا کر دیں اور ان کی آنکھیں گمراہی سے ہدایت کی طرف پھیر دیں جس سے یہ اپنی شاہراہ ہدایت دیکھ لیں (۱)۔ یعنی ہم نے جب یہ چاہا ہی نہیں تو یہ اپنی ہدایت کا راستہ کیسے دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَوْ تَشَاءُ لَسَخَطْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَاتِحِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿۵﴾

”اور اگر ہم چاہتے تو ہم انہیں سح کر کے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر پھر وہ نہ آگے جاسکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے۔“

ابو بکر نے مَكَاتِحِهِمْ کو مکاناتہم یعنی حق کا صیغہ پڑھا ہے، جب کہ باقی قراء نے مفرد پڑھا ہے، یعنی اگر ہم چاہتے تو انہیں اپنی جگہوں پر ہی بندر اور خنازیر بنا دیتے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں پتھر بنا دیتے جو اپنی جگہ پر پڑتے اور ان میں کوئی روح اور جان نہ ہوتی۔ مضیٰ کا معنی ذہابا (جانا) ہے۔ رجوع کی جگہ ولا یرجعون فعل ذکر فرمایا ہے۔ اس کی وجہ فعل کی رعایت ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا یہ معنی ہے کہ وہ مکذیب ہے قصد یق کی طرف نہایت سخت۔ حضرت حسن کی تاویل کے مطابق اس آیت اور سابقہ آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر اور عہد شکنی کے باعث اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جانا چاہئے لیکن دنیا میں ہماری رحمت سب کو شامل ہے اس لئے ہم ایسا نہیں کرتے نیز ان کے متعلق ہماری حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں ڈھیل دی جائے۔

وَمَنْ يُعْبِدْ لَّغُلُوبِهِ فِي الْحَيَاتِ ۖ أَفَلَا يَتَّقُونَ ﴿۶﴾

”اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کر دیتے ہیں اس کی طبیعت تو توں کو نہ بھڑکیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔“

ابو بکر نے غلوبہ کو عام اور متروہ نے پہلی نون کے ضمہ دوسری کے فتح، کاف کے کسرہ اور تہید کے ساتھ باب تفعیل سے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے پہلی نون کے فتح، دوسری کے سکون، کاف کے ضمہ اور تخفیف کے ساتھ مجرد سے پڑھا ہے۔ تنگیس زیادہ مبلغ ہے اور انکس زیادہ مشہور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اس میں تبدیلی کرتے رہتے ہیں یعنی پہلے بچپن میں بے چارگی کی کیفیت میں ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ قوت و طاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور عنوان شباب پر پہنچتا ہے تو پھر قوتوں میں ضعف اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے حتیٰ کہ مر جاتا ہے۔

جس کا عطف سابقہ جملہ شرطیہ کے مضمون پر ہے اور استفہام انکاری ہے، یعنی ان کو سوچنا چاہئے تھا کہ جو بچپن سے جوانی اور پھر جوانی بڑھاپے میں تبدیلی کرنے پر قادر ہے کیونکہ انسانی زندگی میں قوت و ضعف کا یہ سلسلہ طمس اور محسوس دونوں باتوں پر مشتمل ہے لیکن

اس میں تدریج (آہستہ آہستہ) کسی کام کو پائے تکمیل تک پہنچانا) کا عمل ہے۔ نافع اور ابن ذکوان نے تعقلون (فاء) کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس سے پہلے لہجہ کا ذکر ہے جیسے الم اعدہ الیکم جب کہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ یعقلون غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کی وجہ ولو نشاء لمسخناہم کا ارشاد ہے۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں انکسی نے فرمایا کیا کفار مکہ نے کہا (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شاعر ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں یہ شعر ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (۱)۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴿۱﴾

”اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے۔ نہ نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے۔“

۱۔ اس کا عطف انک لعن المسلمین پر ہے۔ اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے، یعنی ہم نے قرآن کی تعلیم کے ساتھ اسے شعر نہیں سکھایا کیونکہ یہ قرآن اشعار کی طرح نہ ہم قافیہ ہے اور نہ موزون ہے، نہ اس میں اشعار کے باطل معانی کی طرح کوئی معنی اور مفہوم ہے، نہ اس میں بلاوجہ رغبت دلانے والے تخیلات کا تذکرہ ہے اور نہ نفرت آمیز خیالات کا ذکر ہے اور نہ خیالی اور جھوٹے تصورات کی آمیزش ہے اور میرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ اپنے وقت کی حقیقی دولت کو اشعار کہنے اور وزن و قافیہ کی رعایت میں ضائع کرتا رہے۔ اور امام بخاری اور مسلم نے براء بن عازب کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو قول نقل کیا ہے انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب (میں نبی ہوں اور اس میں جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں) (۲)۔

اسی طرح حضرت جناب بن ابی سفیان کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ هَلْ أَتَتْ إِلَّا ابْصَغُ دُمَيْتٌ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتُ (تو انگی ہے جو فحشی ہوئی ہے اور جو کچھ تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اللہ کے راستہ میں پہنچتی ہے) تو یہ دونوں اشعار بغیر کسی تکلیف اور نقص کے صادر ہوئے تھے اور ان سے آپ کا قصد اشعار کہنا نہیں تھا اور جس شخص سے بلا ارادہ منقلی، کتب اور موزوں کلام صادر ہو جائے اسے شاعر نہیں کہا جاتا۔ اس قسم کا کلام اکثر تشرکی عبارات میں بھی پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے غلیل رجز یہ اشعار کو اشعار شاعری نہیں کرتا اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کذب اور عبدالمطلب دونوں کی بے ادبی کو حرکت دی تھی اور دُمیت کی فاء کو بغیر اشباع کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور لقیث کی فاء کو ساکن کر کے پڑھا (اگر یہ ثابت ہو تو پھر شعر کی صورت ہی نہ رہے گی) علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعر کا ایک مصرع بھی شاعری کے انداز میں نہیں پڑھ سکتے تھے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصرع پڑھنے لگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر روانی کے ساتھ جاری نہ ہوتا (۳)۔

علامہ بغوی نے حضرت اُحمر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مصرع پڑھا۔

كُفِّي بِالْأَسْلَامِ وَالشَّيْبُ لِلْمَرْءِ نَاهِيَا (اسلام اور بالوں کی سفیدی انسان کو گناہوں سے روکنے کے لئے کافی ہے) شاعر نے تو اس طرح کہا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا نبی اللہ! كُفِّي الشَّيْبُ وَالْأَسْلَامُ بِالْمَرْءِ نَاهِيَا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پڑھا تو پھر بھی پہلے کی طرح پڑھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے شاہد الک رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔

مقدم بن شریح اپنے باپ سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور مثال شعر پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن رواحہ کے اشعار پڑھتے تھے۔ فرماتی ہیں کبھی آپ یہ مصرعہ پڑھتے تھے۔

يَا بَيْتِكَ الْاَخْيَارُ مَنْ لَمْ تَزِدْ دِي (زمانہ تیرے پاس ایسی نصیحت آموز واقعات لانے کا جو پہلے تیرے پاس نہیں ہیں) (۱)۔

معمر نے قنادہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور مثال اشعار پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر انتہائی ناپسند تھے۔ فرماتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شعر نہیں پڑھا مگر کبھی قبیلہ بنی قیس بن طرف کے شاعر کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

سَبَّحْتَنِي لَكَ الْاَيَّامُ مَا كُنْتُ جَاهِلًا وَيَا بَيْتِكَ بِالْاَخْيَارُ مَنْ لَمْ تَزِدْ دِي

زمانہ تیرے لئے وہ سب کچھ کھول دے گا جس سے تو نا آشنا ہے اور جو تیرے پاس نہیں ہے وہ بھی تیرے پاس لے آئے گا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مصرعہ کو اس طرح پڑھتے ہیں ویا تک من لم تزود بالاحبار۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ شعر کا مصرعہ اس طرح نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ میں شاعر ہوں اور نہ میرے لئے شعر کہنا مناسب ہے (۲)۔ بعض علماء فرماتے ہیں اہل بیت میں لے کر خیر کا مرجع قرآن ہے۔ یعنی قرآن کے لئے شعر ہونا مناسب نہیں۔

یہ قرآن تو سرِ پانصحت اور ارشادِ الہی ہے۔ فرائض احکام حدود اور ماضی مستقبل کے حالات واقعات بیان کرنے والے ہیں، جب کہ شاعر کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔

لَيْسَ مِنْكُمْ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحْيِي الْقَوْلَ عَلَى الْكُفْرَيْنِ ۝

”تا کہ وہ بروقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تا کہ حجت تمام کر دے کفار پر۔“

۱۔ نافع ابن عامر اور یعقوب نے ناء خطاب کے ساتھ لَيْسَ دِ پڑھا ہے اور سورة اتخاف میں بھی خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ابن کثیر نے اتخاف میں ان کی موافقت کی ہے اور باقی قراء نے غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ سابقہ کلام کے متعلق ہے، یعنی ہم نے قرآن نازل کیا اور محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تا کہ قرآن یا رسول بروقت متنبہ کرے مومن کو جس کا دل ابھی زندہ ہے اور حقائک اشیاء کو سمجھتا ہے اور حیات ابدی ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔ اہدیت کی تخصیص اس لئے فرمائی کیونکہ مومن شخص ہی اس قرآن سے نفع حاصل کرتا ہے نہ کہ کافر کیونکہ وہ مردہ کی طرح ہوتا ہے، حسن و قبح کی تمیز سے بھی محروم ہوتا ہے، پتھروں کی پوچھا پاتا کو اچھا سمجھتا ہے اور شیطان کی اتباع کو خیر سمجھتا ہے اور خالق کی عبادت اور رسول کی اتباع کو قبیح جانتا ہے پس ایسا شخص آخرت میں ایسی حالت میں ہوگا کہ نہ مرے گا نہ زندہ

ہوگا۔ کافرین کا ذکر حینا کے مقابلہ میں کیا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ کافر حقیقت میں مردہ ہیں۔ القول سے مراد کلمہ عذاب ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيُّدِيُنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مِلْكُونَ ﴿٥٠﴾

”کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لئے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی مویشتی پھر (اب) یہ ان کے مالک ہیں۔“

لہ ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے اور او اعطف کے لئے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے اینکرون البعث او اینکرون خلق اللہ ولم یروا یعنی کیا یہ بعثت کا انکار کرتے ہیں یا اللہ کی تخلیق کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے پیدا کی ہیں وہ اشیاء جو ہماری دست کاری کا کرشمہ ہیں۔ عمل کی نسبت ایدینا کی طرف فرمائی اختصاص اور تفرّد میں مبالغہ کرنے کے لئے استعارہ یہ اسلوب اختیار فرمایا۔ یعنی سب مخلوق کو عدم سے وجود میں لانے والے ہم ہیں۔ الععام (مویشتی) کا ذکر خصوصی طور پر کیا کیونکہ ان میں فطرت کے انوکھے انداز ہیں اور ان میں منافع کی کثرت ہے۔ آخر میں فرمایا ہم نے انہیں مالک بنایا تو وہ مالک ہیں یا یہ معنی کہ ہم نے ان کے لئے مسخر فرمایا تو وہ ان میں تصرف کر سکتے ہیں۔

وَدَلَّلْنَاهُمْ قِيمَتِهَا رُكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَكُونُونَ ﴿٥١﴾

”اور ہم نے ان کے لئے تا بعد از بنا دیا انہیں ان کا پس ان میں سے بعض پر وہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا (گوشت) کھاتے ہیں۔“

لہ دللنا کا معنی سخرنا ہے۔

وَأَنهَم فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبٌ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾

”اور ان کے لئے ان مویشتیوں میں اور بھی مکی منفعتیں ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے۔“

لہ دوسرے منافع سے مراد ان کی گھالوں اور اون کا استعمال ہے۔ ان کو زمین میں ہل چلانے کے لئے استعمال کرتا وغیرہ ہے۔ مشارب جمع ہے مشربۃ کی۔ یہ اسم ظرف ہے، یا مصدر ہے، اس سے مراد جانوروں کا دودھ پینا ہے۔ أَفَلَا يَشْكُرُونَ میں ہمزہ انکار کے لئے اور فاء منذرفہ کلام پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اینکرون فلا یشکرون یعنی کیا وہ انکار کرتے ہیں اور شکر نہیں کرتے بلکہ اعتراف کرتے ہیں اور ناشکری کرتے ہیں جیسا کہ آئے والا ارشاد دلالت کر رہا ہے۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يَنْصَرُونَ ﴿٥٣﴾

”اور ان (ظالموں) نے بنائے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شاید وہ ان کی مدد کریں۔“

لہ یعنی ان بد بختوں نے باوجود اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور عظیم نعمتوں کو دیکھ لیا اور یہ خوب جان چکے ہیں کہ وہ نفع و ضرر کا مالک ہے کائنات کی ہر چیز کا منفرد خالق ہے لیکن کافروں کے بتوں کو عبادت میں اس کا شریک بنالیا ہے۔ اس جملہ کا عطف خلقنا لہم پر ہے۔ یعنی انعامات کی بارش ان پر ہم نے برساتی اور انہوں نے ہمارے علاوہ کو خدا بنالیا۔

امام بیہقی اور انجمی نے حضرت ابوذرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا اور جن و

اُس کا معاملہ ایک عجیب و غریب صورت میں ہے پیدا میں کرتا ہوں اور عبادت غیر کی کی جاتی ہے۔ رزق میں دیتا ہوں اور شکر دوسروں کا کیا جاتا ہے۔ لعلہم ینصرون' اتخذوا کے فاعل سے حال ہے، یعنی وہ اس امید پر انہیں خدا بناتے ہیں کہ وہ ان کی مشکل حالات میں امداد کریں گے حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔

لَا يَسْتَبِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحَصَّرُونَ ﴿٤٠﴾

”یہ جو نے خدا نہیں مدد کر سکتے ان کی اور یہ کفار ان معبودوں کے لئے تیار شدہ لشکر ہیں۔“

۱۔ ہم خمیر کا مرعہ مشرکین ہیں اور لہم کا مرعہ ان کے معبودان باطلہ ہیں، یعنی ان خداؤں کی حفاظت اور ان کو شکست و ریخت سے بچانے کے لئے لشکر تیار کر رکھے ہیں حالانکہ یہ ہے جب ان مورتیاں نہ ان کو کوئی خیر پہنچا سکتی ہیں اور نہ ان سے کسی شر کو دور کر سکتی ہیں۔ بعض علماء نے یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے روز ہر باطل معبود کو لایا جائے گا اور پھر ان کے ساتھ ان کے پرستار بھی ہوں گے گویا وہ آگ میں ڈالے جانے کے لئے ایک لشکر ہے، یہ جملہ لا یستبیعون کے فاعل سے حال ہے۔

فَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ ۖ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُبْسِرُونَ ﴿٤١﴾

”پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو (اے حبیب!) ان کا قول ہم خوب جانتے ہیں جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔“

۱۔ فاء سمیت کے لئے ہے۔ یعنی جب آپ نے کافروں کے متعلق عذاب کی وعید سن لی تو یہ کافر جو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں الحاد کرتے ہیں اور جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں آپ اس پر کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ ہم ان کی عداوت اور عقائد باطلہ کو جانتے ہیں جو یہ اپنے نہیں خانہ دل میں چھپاتے ہوئے ہیں اور جو یہ اعمال بد کرتے ہیں اور اقوال شنیعہ بولتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں۔ اور ہم ان سب کړوتوں اور کجواسات پر ان کو سزا دیں گے، آپ کی تسلی کے لئے یہی کافی ہے۔ إِنَّا نَعْلَمُ کا جملہ علیحدہ جملہ کی حیثیت سے نہی کی علت ہے۔

حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اسی حدیث کو صحیح بھی کہا ہے فرماتے ہیں عاص بن وائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اس حالت کے بعد اسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا۔ وہ تجھے مارے گا اور پھر تجھے زندہ کرے گا پھر تجھے جہنم میں داخل کرے گا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (۱)۔

أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُّطْفَةٍ قَدْ أَهْوَىٰ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٤٢﴾

”کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے۔ پس اب وہ (ہمارا) نکلا دشمن بن بیٹھا ہے۔“

۱۔ الانسان سے مراد عاص بن وائل ہے۔ ابن ابی حاتم نے متعدد طرق سے مجاہد، یحکمہ اور ابن زبیر سے اور سدی، بیہقی (شعبہ الایمان میں) نے ابو مالک سے اور لغوی نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ یہ آیت ابی بن خلف النخعی کے بارے میں نازل ہوئی تھیں یہی بد بخت دوبارہ زندہ کرنے کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پرانی ہڈی لے کر

آیا اور اپنے ہاتھ سے اسے مسل کر کہنے لگا کیا اس کے اتنا بوسیدہ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ تجھے دوبارہ اٹھائے گا اور پھر تجھے دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (۱)۔ ہمزہ انکار کے لئے ہے اور واو محذوف کلام پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی ایکسو الانسان قد رتسا علی الاعادة ولم یو۔ یعنی کیا انسان دوبارہ زندہ کرنے کی ہماری قدرت کا انکار کرتا ہے اور اس نے دیکھا نہیں کہ ہم نے اسے ایک نطفہ سے پیدا کیا ہے۔

۱۔ فاذا پر فاعطف کے لئے ہے۔ اور اذا مفاع جاتیہ ہے، یعنی ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر ہمارا اٹھلا دشمن بن بیٹھا اور ہمارے ساتھ باطل طریقہ سے جھگڑا کرنے لگا۔ اس کو اب تحقیق حق سے غرض نہیں کیونکہ وہ تو ظاہر باہر ہے یہ جانتا ہے اور اور اپنی ابتدائی تخلیق کا معترف بھی ہے پھر یہ اس بات کا انکار کرتا ہے جو اس کی پہلی تخلیق سے زیادہ آسان ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ کے متعلق جو کچھ یہ بک بک کر رہے ہیں تو انکے نزدیک آسان ہے یہ تو ایسے گستاخ ہو چکے ہیں کہ شر اور قیامت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اس جملہ میں ان کی انتہائی مذمت اور قہر بیان ہو رہی ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ انسان نعمتوں اور بخششوں کے مقابلہ میں مجیدہ شکر ادا کرتا لیکن یہ ناشکری کرتا ہے حالانکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے پانی کی ایک ناپاک بوند سے پیدا فرمایا اور پھر عزت و سربوری کے اس مقام پر پہنچایا کہ شرافت اور کرامت کو اس پر فخر ہے۔ بعض علماء نے فاذا هو خصیم، حسین کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ حقیر پانی ہونے کے بعد آسان عقل و شعور اور قادر الکلام ہو گیا، اپنا مافی الضمیر بیان کرنے پر قدرت رکھنے والا ہو گیا۔ بعض فرماتے ہیں عزت و شرف پانے کے بعد اپنی ذلیل اور گھٹیا اصل پر ہو گیا، اپنے رب سے جھگڑنے لگا اور مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت کا منکر ہو گیا۔ اُولَئِہِیَ الَّذِیْنَ اَنٰی اَخْلَقْنَا لَہُمُ الْاٰیۃَ کَاۡبِلٌ ہ۔

وَصَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ یُّعِی الْعِظَامَ وَہِیَ رَمِیْمٌ ﴿۵﴾

”اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لئے (عجیب و غریب) مثالیں اور اس نے فراموش کر دیا ہے اپنی پیداائش کو (گستاخ)

کہتا ہے ابھی! کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔“

۱۔ انسان ہمارے لئے عجیب و غریب مثالیں بیان کرتا ہے اور مردوں کو زندہ کرنے کی ہماری قدرت کی نفی کرتا ہے اور اپنے خالق کو ایک عاجز بندے سے تشبیہ دیتا ہے اور اپنی پیداائش اور تخلیق کو فراموش کر دیا ہے کہ اسے ایک مٹی کی بوند سے پیدا کیا گیا ہے۔ حالانکہ مٹی سے تخلیق کرنا ہڈی سے پیدا کرنے کی نسبت زیادہ عجیب و غریب ہے۔

وہی رمیم کا جملہ العظام سے حال ہے۔ اور یہ جملہ مثل کے بیان کے لئے علیحدہ مستقل کلام ہے۔ رمیم پرانی اور بوسیدہ ہڈی کو کہتے ہیں۔ یہ فعلیل کا وزن بمعنی فاعل ہے اور یہ دم الٹی سے مشتق ہے پھر غلب کی وجہ سے اسم بن گیا، اس وجہ سے اس کا مونث کا سینہ استعمال نہیں ہوتا یا یہ فعلیل بمعنی مفعول ہے اور دمضہ سے مشتق ہے۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں اس آیت میں دلیل ہے کہ ہڈی میں زندگی ہوتی ہے اور اس میں موت بھی مؤثر ہوتی ہے (۲)۔ امام بیضاوی کی مراد یہ ہے کہ مردار کی ہڈی نجس (پلید) ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ ابن الجوزی نے التحقیق میں امام احمد کا بھی یہی

مذہب ذکر کیا ہے لیکن صاحب رحمۃ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد کا صحیح مذہب یہ ہے کہ دانت پر اور ہڈی پاک ہے۔ جو علماء مردار کی ہڈی کی نجاست کا قول کرتے ہیں انہوں نے اس آیت کریمہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِشَيْءٍ (مردار کی کسی چیز سے نفع نہ اٹھایا جائے گا) سے حجت پکڑی ہے۔ ابو بکر الثانی نے اپنی سند کے ساتھ ابن ابی الزبیر کے سلسلہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ صاحب المغنی اور صاحب تنقیح التفتیح نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند حسن ہے اور ابن وہب نے اپنی سند میں زعم بن صالح عن ابن ابی الزبیر عن جابر کی سند سے روایت کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِشَيْءٍ وَلَا تَنْتَفِعُوا بِالْمَيْتَةِ۔ صاحب التلخیص فرماتے ہیں زعم کے بارے میں کلام ہے اور حدیث میں علت ہے جسے ابن معور وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں مردار کے بالوں اور ہڈی میں زندگی نہیں ہوتی، یعنی ان میں زندگی نہیں ہوتی تو ان پر موت بھی طاری نہیں ہوتی، پس مردار سے انتفاع کی نجی والی حدیث ان دونوں (ہڈی اور بال) کو شامل نہیں ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ کے قول پر یہ آیت کریمہ حجت ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ ہڈی میں حیات کے ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ دلیل دی جائے کہ کسی چیز کی پلیدی کا باعث بننے والا خون ہے اور ہڈی اور بالوں میں بننے والا خون نہیں ہوتا اگرچہ ان میں زندگی ہوتی ہے۔ اس لئے بال اور ہڈیاں ناپاک نہیں ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن جانوروں میں بننے والا خون نہیں ہوتا۔ ان کے پانی میں گرنے سے پانی پلید نہیں ہوتا حضرت سلمان سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر کھانا اور پینے والی چیز میں اگر کوئی ایسا جانور مر جائے جس کا خون نہ ہو تو اس چیز کا کھانا اور پینا حلال ہے اور اس سے وضو کرنا بھی جائز ہے۔ اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے (1)۔ دارقطنی فرماتے ہیں اس حدیث کو الباقی کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے سعید بن سعید الزہدی سے روایت نہیں کیا ہے اور سعید ضعیف راوی ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں سعید جہول ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن میں کبھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر باہر پھینک دو کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا ہے اور دوسرے میں داء (بیماری) ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے (2)۔ ہماری دلیل حضرت ابن عباس کی حدیث بھی ہے کہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردار بکری کے پاس سے گزرے تو فرمایا تم لوگ اس کی جلد سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ یہ مردہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردار کا صرف کھانا حرام ہے (3) اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار جانور میں سے صرف اس کا گوشت حرام کیا ہے۔ لیکن اس کی کھال اس کے بال اور اس کی اون میں کوئی حرج نہیں ہے (4)۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبد الجبار بن مسلم ہے دارقطنی فرماتے ہیں وہ ضعیف ہے لیکن ابن حبان نے اسے ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے۔ ابن حاتم فرماتے ہیں یہ حدیث حسن کے مرتبہ سے کم نہیں ہے۔ حیرت ہے علامہ ابن جوزی پر کہ انہوں نے اسی حدیث سے مردار کی اون اور اس کے بالوں کی طہارت پر حجت پکڑی ہے لیکن ہڈی کی طہارت پر اس حدیث کو حجت نہیں بنایا۔ ہڈی کی نجاست پر اس نے لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِشَيْءٍ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے اور صوف اور بالوں کی نجاست پر اس حدیث سے حجت نہیں پکڑی۔ حق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِشَيْءٍ سے مراد یہ ہے کہ میت (مردار) سے وہ چیز نہ کھاؤ جو کھائی جاتی ہے کیونکہ بننے والے خون کے اختلاط کی وجہ سے ناپاک ہوگئی

2۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 860 (ذرات نعیم)

4۔ سنن الدارقطنی، جلد 1 صفحہ 48 (الحبان)

1۔ سنن الدارقطنی، جلد 1 صفحہ 37 (الحبان)

3۔ صحیح بخاری، جلد 2 صفحہ 830 (ذرات نعیم)

ہے لیکن بال اور ہڈیاں اور اون جن میں خون کا اختلاط نہیں ہوتا ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور دباغت کے بعد اور رطوبت کے ازالہ کے بعد جلد (کھال) کے استعمال میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کے متعلق اور بھی احادیث ہیں۔ دارقطنی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ خمر دار مردار کی ہر چیز حلال ہے لیکن جو چیزیں کھائی جاتی ہیں وہ حلال نہیں ہیں اور کھال بال اون اور ہڈیاں یہ سب چیزیں حلال ہیں کیونکہ ان میں ذبح کر کے پاکیزگی حاصل نہیں کی جاتی (1) (بلکہ وہ پہلے ہی پاک ہوتی ہیں اور ان میں موت مؤخر نہیں ہوتی) اس حدیث کی سند میں ابوبکر الہدیٰ ہے۔ دارقطنی فرماتے ہیں یہ متروک ہے۔ غندر فرماتے ہیں یہ کذاب ہے۔ یحییٰ فرماتے ہیں یہ روایت حدیث میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

دارقطنی نے ام مسلمہ سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مردار کی کھال کی دباغت کر لی جائے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی اون، بالوں اور نیپلوں کو جب پانی سے دھویا جائے تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے (2) دارقطنی فرماتے ہیں یہ حدیث صرف یوسف بن اسطر نے روایت کی ہے۔ اور وہ متروک ہے، جھوٹ بولتا ہے۔ ابو زرعہ اور انسائی فرماتے ہیں وہ متروک ہے۔ رحیم کہتے ہیں وہ کچھ نہیں ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں وہ قابل حجت نہیں ہے۔

ابن الجوزی نے ابو یعلیٰ عن حمید الشاشی عن سلیمان بن ثوبان کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لئے ہاتھی کے دانتوں سے بنے ہوئے دو ننگن اور تانت سے بنا ہوا ایک ہار خریدا۔ ابن الجوزی کہتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس کی سند میں حمید اور سلیمان دونوں مجہول راوی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں میں حمید کو نہیں پہچانتا۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں میں سلیمان کو نہیں جانتا اور عاج سے مراد بھی ذیل ہے (یعنی کچھوے کی کھال) ابن قتیبہ کہتے ہیں یہاں عاج سے وہ عاج مراد نہیں جو عوام میں معروف ہے جو ہڈی اور دانت سے تراش کر بناتے ہیں کیونکہ یہ تو مردار ہے اور اس کے متعلق نجی وارد ہے۔ پھر اس سے حضرت فاطمہ کے لئے کئے گئے ننگن بنائے گئے تھے عاج سے مراد کچھوے کی کھال ہے۔ اصمعی نے بھی یہی کہا ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں اصمعی کا یہ کہنا کہ "عاج سے مراد وہ نہیں جسے عوام جانتے ہیں" یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ شاید لغت میں بھی اس کا یہ معنی نہیں ہے لیکن حقیقت اس طرح نہیں ہے۔ انکم میں ہے عاج ہاتھی کے دانت کو کہتے ہیں، دانت کے علاوہ کو عاج نہیں کہا جاتا۔ جو ہری کہتے ہیں عاج ہاتھی کی ہڈی کو کہتے ہیں اس کا واحد عاج ہے۔ اصمعی نے یہ تاویل اس لئے کی ہے کیونکہ اس کے اعتقاد میں ہاتھی کی ہڈی ناپاک ہے۔ قاموس کی عبارت سے بھی اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ عاج کا لفظ کچھوے کی کھال اور ہاتھی کی ہڈی سے مشترک ہے۔ جزی کی نہا یہ سے بھی یہی مفہوم ملتا ہے۔ اثر بل سمندری یا خشکی کے کچھوے کی کھال کو کہتے ہیں یا سمندری جانور کی پیچھ کی ہڈیوں کو کہتے ہیں جس سے ننگن بنائے جاتے ہیں۔ یہ بتی نے عن یقین عن عمرو بن خالد عن قتادہ عن انس کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھی کے دانتوں سے بنی ہوئی کٹھنی استعمال فرماتے تھے۔ یہ بتی فرماتے ہیں بقیہ کی اپنے مجہول شیوخ سے روایت ضعیف ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں ایسی بہت سی احادیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں اور متن کے اعتبار سے حسن ہیں اور بعض حسن سے کم مرتبہ نہیں اور اس حدیث کی شاید صحیحین کی جہلی حدیث بھی ہے تو کیسے قابل حجت نہ ہوں گی۔ واللہ اعلم۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿١﴾

”آپ فرمائیے (اے گستاخ سن!) زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب

جانتا ہے۔“

یعنی اس کی قدرت پہلے کی طرح باقی ہے کیونکہ اس کی قدرت میں تغیر اور تبدیلی معتنع ہے اور مادہ بھی اسی حالت میں باقی ہے اس کی بالذات قابلیت موجود ہے۔ (تو وہی ذات جس نے ابتدا میں تخلیق فرمایا دوبارہ بھی وہی اٹھائے گا اور زندہ کرے گا) یہ جملہ مستلزم ہے اور وہو یخلق خلقاً علیہم کا جملہ بخجی کے فاعل سے حال ہے، یعنی وہ اپنی مخلوقات کی تفصیل اور ان کی تخلیق کی کیفیت جانتا ہے، وہ اشخاص کے بکھرے ہوئے ذرات کا خوب علم رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کس جگہ ہیں اور کس راستہ پر ہیں، وہ ان ذرات کو ایک دوسرے سے جدا کرنے پھر ان کو آپس میں جوڑنے اور ملانے کا بھی علم رکھتا ہے جو ان افراد میں اعراض اور قوتیں تھیں ان کے اعادہ کو بھی جانتا ہے یا ان کی پہلی قوتوں اور اعراض کی مثل پیدا کرنے کو بھی جانتا ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا آنْتُمْ مِّنْهُ ثَوَاقِدٌ ۖ

”جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لئے ہبز درختوں میں آگ لے پھر تم اس سے اور آگ لگاتے ہو۔“

الْأَخْضَرِ اسم موصول الذی انشاہا سے بدل ہے یا مبتدا مخذوف ہوئی خبر ہے یا مدح کے طور پر بتحدیر اعنی منصوب ہے ان عباس فرماتے ہیں ودرخت پیدا ہوتے ہیں ایک کو اگرچہ اور دوسرے کو اگرچہ کہتے ہیں۔ جو شخص ان کی تروتازہ ٹہنیاں مسواک کی مثل کالے جن سے پانی بہہ رہا ہو اور پھر مرغ کو عفار پر گرے تو ان سے آگ نکلتی ہے عرب کہتے ہیں ہر درخت میں آگ ہے اور مرغ و عفار اس صفت میں ممتاز ہیں۔ علماء فرماتے ہیں سوائے عتاب کے ہر درخت میں آگ ہے۔

یعنی آگ لگانے کے وقت تمہیں ذرا بھر شک نہیں ہوتا کہ ہبز درخت کی ٹہنیوں سے آگ نکل رہی ہے پس جو اذیٰ مفاجا ہے۔ یعنی آگ لگانے کے وقت تمہیں ذرا بھر شک نہیں ہوتا کہ ہبز درخت کی ٹہنیوں سے آگ نکل رہی ہے پس جو ہستی ہبز درخت سے آگ لگا لے کر قادر ہے حالانکہ ہبز درخت میں پانی ہوتا ہے جو آگ کی طبعاً ضد ہے وہ ہستی یقیناً بوسیدہ ہڈی کو پہلے کی طرح تروتازہ کرنے پر بدو جاوٹی قادر ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ

وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝

”کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ اسے ان جیسی (چھوٹی سی)

مخلوق چمکے! (دو ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

لے استفہام انکاری ہے اور او مخذوف پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اخلق السموات والارض کما تعرفون بہ و لیس الذی خلقہما مع کبر جرمہا وعظم شانہا بقادر الخ یعنی میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے جیسا کہ تم اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتے ہو تو وہ ذات جو اتنے وسیع و عریض آسمان و زمین کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ ان جیسی حقیر اور صغیر چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے یا ذات کے اصول اور ذات کی صفات میں ان کی مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ وہ تو وہ ہے کہ ایک تخلیق کے بعد دوسری تخلیق فرماتا ہے۔ کائنات کی سب ممکنات کو بخوبی جانتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ہے جس چیز کی وہ نئی کرتے تھے بلکہ اسے ساتھ اس کا اثبات فرمایا، یعنی وہ ذات یقیناً ان کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٠﴾

”اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جائیں وہ ہو جاتی ہے۔“

اے یحیٰی! کہ ان کا عمر اور کسائی نے بقول کی عطف کی بنا پر منصوب پڑھا ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں یہ ایک تمثیل ہے کہ قدرت الہیہ اپنے مراد میں اس طرح موثر ہوتی ہے جیسے اطاعت گد ار اپنے مطاع کی بغیر کسی توقف و انکار کے اطاعت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا امر کسی آلہ اور عمل کا محتاج نہیں بلکہ اس کا ارشاد ٹھنی ہوتا ہے اور چیز وجود میں آ جاتی ہے اس شے کو ہی ختم فرمادیا کہ شاید اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوق کی طرح مادہ اور عمل کی ضرورت پڑتی ہوگی (۱)۔

فَسُبُّهُمْ الَّذِينَ يَبِيدُ مَلَائِكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ عَزَّ الْيَهُودُ تَرْجَعُونَ ﴿٣١﴾

”پس وہ (ہر صے) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔“

اے سبحان فعل محدود کا مصدر ہے اور فاعل سمیت کے لئے ہے۔ یعنی جب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرت سے پیدا فرمایا ہے وہ ہڈیوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے جب کسی چیز کو تخلیق فرمانے کا ارادہ فرمایا ہے تو وہ فرماتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے تو پھر تم اس سے عیب ذات کی پاکیزگی بیان کرو جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی قدرت ہے ملکوت سے مراد الملک بمعنی قدرت ہے۔ مبالغہ کے لئے واو اور تاء کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کفار جو اللہ تعالیٰ کے لئے ٹھائیں بیان کرتے تھے یہ آیت ان تمام بے تکلی اور لائینی باتوں سے اس کی پاکیزگی اور حقانیت پر بیان کر رہی ہے جو کچھ انہوں نے بک بک کی تھی اس پر تعجب کا اظہار ہو رہا ہے۔ وہ ذات تو ہر چیز پر قادر ہے اس کے لئے اعادہ کوئی مشکل بات ہے۔ والیہ ترجعون میں قیامت کا اقرار کرنے والوں کے لئے وعدہ ہے اور منکرین قیامت کے لئے وعید ہے والیہ ترجعون کا عطف بیدہ پر ہے۔ معقل بین یدار سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں پر سورۃ یٰسین پڑھو۔ اس حدیث کو امام احمد ابوداؤد ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ (سورۃ) یٰسین قرآن کا دل ہے۔ جو شخص رضا الہی اور آخرت کی بھلائی کے لئے تلاوت کرتا ہے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اس کو اپنے مردوں پر پڑھو (۲) جزری نے یہی حدیث الحسن اخصین میں اسی طرح روایت کی ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰسین ہے۔ جو شخص سورۃ یٰسین پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں دس مرتبہ پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب لکھ دیتے ہیں (۳)۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہر رات کو سورۃ یٰسین پڑھے گا اس کی بخشش ہو جائے گی۔ اس حدیث کو ترمذی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو سورۃ یٰسین تلاوت کرے گا وہ صبح کرے تو مغفور (بخش دیا گیا) ہوگا اس حدیث کو ابو نعیم نے الحلیہ میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابوسعید الخدری سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایک مرتبہ سورۃ یٰسین پڑھی گویا اس نے دو مرتبہ پورا قرآن پڑھا۔

اس حدیث کو پہنچنے نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایک مرتبہ سورہ یٰسین پڑھی گویا اس نے دس مرتبہ قرآن پڑھا۔ اس حدیث کو بھی بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت فرمایا ہے حضرت معقل بن یدار سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رضا الہی کے لئے سورہ یٰسین پڑھی اس کے پہلے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے، تم اس کو اپنے مردوں پر پڑھو۔ اس حدیث کو بھی بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ طبرانی نے حضرت انس کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ جو ہمیشہ رات کو سورہ یٰسین پڑھے گا وہ مرے گا تو شہید ہو کر مرے گا۔ داری اور طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث روایت کی ہے کہ جو رضا الہی کے لئے سورہ یٰسین تلاوت کرے گا اس کی بخشش کر دی جائے گی۔ دیلمی اور ابو الشیخ ابن حبان نے فضائل میں حضرت ابو ذر کی حدیث روایت کی ہے جس میں مرے والے پر سورہ یٰسین پڑھی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرماتا ہے۔ بخاری نے امالی میں عبد اللہ بن زبیر کی حدیث روایت فرمائی ہے کہ جو شخص اپنی کسی حاجت کے لئے سورہ یٰسین پڑھے گا اس کی وہ حاجت پوری کر دی جائے گی۔ اس حدیث کی شاہد مرسل حدیث داری نے ذکر کی ہے۔ المستدرک میں ابو جعفر محمد بن علی سے مروی ہے، فرماتے ہیں جس کا دل سخت ہو اسے ایک پیالہ میں زعفران سے سورہ یٰسین لکھ کر پینی چاہئے۔ ابن ضریس نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک پاگل شخص کے اوپر سورہ یٰسین پڑھی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بھی روایت کی ہے کہ جس نے سورہ یٰسین صبح کے وقت تلاوت کی وہ شام تک خوش رہے گا اور جو شام کے وقت سورہ یٰسین تلاوت کرے گا وہ صبح تک شاد رہے گا۔ جن لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہے انہوں نے بھی ایسا ہی بتایا ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين

تفسیر مظہری سورہ یٰسین کا ترجمہ و تفسیر 2 جنوری 2001ء بروز منگل بعد از نماز عشاء بوقت 45-9 (برطانیق چھ شوال 1421) مکمل ہوا۔
مالک الملک کی بارگاہ میں التجاء ہے کہ وہ سورہ یٰسین کے ترجمہ اور تفسیر لکھنے کے طفیل میری کوتاہیوں پر اپنی رحمت کا پردہ ڈال دے اور ہر نیک خواہش کو پورا فرمائے آمین۔

بجاء النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

والصافات

﴿اٰلِہٖاۤیۡہَا ۱۸۲﴾ ﴿سُوْرَةُ الصّٰفٰتِ مِکَّتٰۤیۡہُ ۲۷﴾ ﴿مَرْکُوْعَاتِہَا ۵﴾

سورۃ الصافات کی ہے، اس میں ایک سو بیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالصّٰفَّۃِ صَفًّاۙ

”قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی لے“

۱۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی ہے ان فرشتوں کی جو نمازیوں کی صفوں کی طرح مقام عبودیت میں صفیں باندھ کھڑے ہیں۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صفیں بنائے ہوئے ہیں۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ فرشتے اپنے رب کے حضور کس طرح صف بستہ ہیں؟ فرمایا وہ صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف کو ملا کر رکھتے ہیں (۱)۔ اسی طرح ابن عباس، حسن اور قتادہ کا قول ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ان فرشتوں کی قسم اٹھائی جا رہی ہے جو ہوا میں پرمچیلے حکم الہی کے منتظر کھڑے ہیں اور بعض علماء فرماتے ہیں یہ پرندوں کی قسم اٹھائی جا رہی ہے، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے وَالْاَظْفٰرُ حَافِیۡۃٌ۔

فَالْوُجُوْہُ رَاجِعٰۤاۙ

”پھر خوب جھڑکنے والوں کی لے“

۱۔ زاجحات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بادل کو جھڑکتے ہیں اور اسے ہانکتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو بھلائی کے الہام کے ذریعے لوگوں کو گناہوں سے روکتے ہیں یا وہ شیطانوں کو روکتے ہیں جو انسانوں کو گمراہ کرنے کے درپے ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں اس سے زواجرا فقر آن فرشتے مراد ہیں جو قرآن کی ہر قیامت سے حفاظت کرتے ہیں (۲)۔

فَاللّٰیۡلِیۡۃُ وَنَّجْمٌۭ اَکْۡرَبٌۭ

”پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی لے“

۱۔ اس سے مراد بھی وہ فرشتے ہیں جو ذکر الہی میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ فرشتے مراد ہیں جو کتب سماویہ سے آیات کو انبیاء پر پڑھنے والے ہیں۔ ذکر مفصول کی حیثیت سے منصوب ہے یا التالییات کے معنی سے مصدر کی بناء پر منصوب ہونا بھی جائز ہے۔ یا مذکورہ بالا تینوں قسمیں علماء کی اٹھائی جا رہی ہیں جو نماز میں صفیں باندھ کھڑے ہوتے ہیں، اپنے چند نصاب اور دلائل وبراہین کے ذریعے کفر اور برائیوں سے روکنے والے ہوتے ہیں اور اپنے بلند مرتبہ کی آیات کی تلاوت کرنے والے ہوتے ہیں۔ یا یہ نمازیوں کی قسمیں ہیں جو

اللہ کے راستہ میں غصیں بانٹ رہے کھڑے ہوتے ہیں گھوڑوں اور دشمن کو بھڑکنے، روکنے اور ہانکنے والے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے ہوتے ہیں، ذکر الہی سے دشمن کی مبارزت بھی انہیں غافل نہیں کرتی اور ان کا عطف ذات یا صفات کے اختلاف کی بنا پر ہے۔

فہا ترتیب وجودی کیلئے ہے کیونکہ صف بستہ ہونا کمال ہے اور زجر برائی سے روکنے کی وجہ سے تکمیل ہے یا خیر کی طرف لے جانے کی وجہ سے تکمیل ہے اور تلاوت فیضان ہے یا فہا ترتیب رتبہ کے لئے ہے جیسا کہ لَمْ يَكُنْ مِنْ آلِ بْنِ اَمِيْنُو ایش ہے۔ حمزہ نے فناء ات کو قرعی لفظ میں قریب الحرج ہونے کی وجہ سے ادغام کیا ہے کیونکہ فناء زبان کی طرف اور اصول ثنایا ت ادا ہوتی ہے۔ ابو عمرو نے اپنی اصل پر ادغام کیا ہے (ابو عمرو قریب الحرج حروف کو ادغام کرتے ہیں، جب کہ حمزہ کے نزدیک اصلاً قریب الحرج حروف کا ادغام نہیں ہے)

اِنَّ الْاٰلِهٰمَ لَوَاحِدٌ ۝

”کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔“

لے یہ جملہ کفار کا رد ہے جو یہ کہتے تھے اَجْعَلُ الْاِلٰهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۝ اِنَّ هٰذَا اَشْكٰی وَّجَحَابٌ ۝ (ترجمہ) کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا، بے شک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَسٰرِقِ ۝

”جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک ہے مشرقوں کا۔“

لے یہ سابقہ آیت میں اِن کی دوسری خبر ہے یا مبتدا محذوف ہو کی خبر ہے۔ اور مشارق سے مراد تمام ستاروں کے طلوع ہونے کی جگہیں اور اوقات ہیں یا مشارق سے مراد سورج کے طلوع ہونے کے مقامات اور اوقات ہیں کیونکہ سال میں ہر روز وہ نئے مطلع سے طلوع ہوتا ہے، اسی طرح اس کی تین سو بیسٹھ مشرقیں نہیں گئی۔ جس طرح سورج کے مشارق مختلف ہیں تو مغارب بھی اسی طرح مختلف ہوں گے۔ اسی وجہ سے ایک کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔ دوسری وجہ صرف مشرق کے ذکر کی یہ ہو سکتی ہے کہ طلوع ہونے میں قدرت الہی کا ظہور زیادہ نمایاں ہے اور یہ ظہار نعمت میں زیادہ بلیغ ہے۔

اِنَّا كَرَّمْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمِثْقَلِ ذَرَّةٍ الْكُوْا كِبِ ۝

”بلکہ ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے۔ لے۔“

لے دنیا کا معنی قریب ترین ہے۔ اس آیت میں شیوبت سے تکلم کی طرف التفات ہے۔ جمہور قراء نے بزینۃ الکواکب کو اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ اضافت بیان ہے، یعنی ہم نے آسمان دنیا کو سنگھار دیا۔ اور دو سنگھار ستارے ہیں یا یہ مصدر کی مفعول کی طرف اضافت ہے، یعنی ہم نے ستاروں کو مزین کیا کیونکہ جس طرح زینۃ اللیقۃ کی طرح بطور اسم آتا ہے۔ اسی طرح نسبۃ کی طرح مصدر آتا ہے یا زینۃ مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ستارے اپنی ترتیب کے ساتھ اور اپنی مختلف اشکال کے ساتھ آسمان کو مزین کرتے ہیں۔

حمزہ یعقوب اور غص نے زینۃ کو تھوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور کو اکب کو جر اس سے بدل کی حیثیت سے دی ہے، یعنی زینت سے مراد ستارے ہیں یا ستاروں کی زینت ہے جیسے ستاروں کی روشنی اور چمک ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس سے مراد کو اکب کی روشنی

ہے (۱) یہ قرأت جمہور کی قرأت میں اضافت کے بیانیہ ہونے کی تائید کرتی ہے۔ ابو بکر نے زینۃ کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور کواکب کو مفعولیت کی بناء پر نصب دی ہے۔ یہ قرأت مصدر کی مفعول کی طرف اضافت کی تائید کرتی ہے۔ یا کواکب، اعلیٰ کی تقدیر کے ساتھ منصوب ہے یا زینۃ کے نکل سے بدل کی بناء پر منصوب ہے۔

وَحَفَظْنَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مُّارِدٍ ۝

”اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی رسائی) سے لے۔“

لے۔ حفظاً مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی حفظنا ہا حفظاً یا معنی کے اعتبار سے زینۃ پر عطف کی بناء پر منصوب ہے گویا یوں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ستاروں کو آسمان کے لئے زینت اور شیطانوں سے حفاظت کے لئے تحلیقی فرمایا۔ مارِدُ سرکش کو کہتے ہیں۔ یہ آیت گمراہ دہل کے تمام ستارے آسمان دنیا میں ہیں۔ امام بیضاوی کا یہ قول کہ ثواب آٹھویں کرہ میں مرکوز ہیں اور باقی سارے سوائے چاند کے چھ کروں میں ہیں۔ آسمان دنیا اور ان کروں کے درمیان واسطہ ہے (جب کہ یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ سب ستارے پہلے آسمان پر ہیں) تو پھر اس آیت اور علماء دین کے قول میں تطبیق کیسے ہوگی (امام بیضاوی فرماتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ علماء دینیت کی بات مستحق ہی نہیں ہے اگر تسلیم کر بھی لی جائے تو پھر بھی علماء کی بات اور اس آیت میں تضاد نہیں ہے کیونکہ زمین پر رہنے والے لوگ جب آسمان دنیا کی طرف دیکھتے ہیں تو انہیں آسمان کی نیلی چھت پر تمام جواہر مختلف شکلوں میں جھللاتے نظر آتے ہیں۔ پس لوگوں کی نسبت سے یہی آسمان حزن ہے (۱) علامہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں امام بیضاوی کی یہ تمام بحث فلاسفہ کی نظر کے جواز پر مبنی ہے۔ جب کہ یہ بات ثابت ہو چکا ہے کہ فلاسفہ کا یہ نظریہ کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف ہے اور باطل ہے کیونکہ آسمانوں کا سات ہونا کتاب اللہ سے منصوص ہے۔ پس آٹھویں کرہ (آسمان) کا قول کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ آٹھویں کرہ کا کوئی اور نام رکھنا کچھ مفید نہیں جیسا کہ فخر کا کوئی دوسرا نام رکھا جائے تو وہ حلال نہیں ہوتا۔ آسمان دنیا پر تمام ستاروں کے ہونے کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ دنیا کا لفظ آیت اسماء کی صفت ہے اور صفت کا تقاضا یہ ہے کہ زینت آسمان دنیا کے ساتھ خاص ہے اگر یہ جھڑت ہو تو آسمان کو دنیا کی صفت سے متعید کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ وَحَفَظْنَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مُّارِدٍ کا قول بھی اس بات کی تردید کرتا ہے کہ آسمان دنیا کے علاوہ کسی دوسرے آسمان میں بھی سارے ہیں کیونکہ شیطانوں پر شہاب ثاقب آسمان دنیا سے ہی برستے ہیں شیطانوں کے لئے آسمان دنیا سے اوپر جانے کی کوئی راہ ہی نہیں ہے اور یہ کہنا کہ شہاب آٹھویں آسمان سے نکل کر ساتویں آسمان کو چیرتے ہوئے چوری چھپے ہاتھیں سننے والے شیطان کو لگتا ہے۔ عقل اس قول کو تسلیم نہیں کرتی اور نقل اس کی تائید اور تصدیق کرتی ہے۔

لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ وَيُفْقَدُونَ مِنَ كُلِّ مَكَانٍ ۝

”نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھر اڑا کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے لے۔“

لے۔ حفص حمزہ اور کسائی نے سین اور میم کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی اصل یسمعون ہے، ثناء کو سین میں ادغام کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سنا چاہتے ہیں، اس میں سماع کی لٹی میں مبالغہ ہے۔ باقی قراء نے سین کے سکون اور میم کی تخفیف سے پڑھا ہے۔ یہ مستقل کلام ہے جو آسمان کو محفوظ کرنے کے بعد شیطانوں کی حالت بیان کرنے کے لئے ذکر کی گئی ہے اس کو لکل شیطان

مازہ کی صفت بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ پھر یہ مفہوم ہو جائے گا کہ جوشیطان نہیں سنتے ان کے حفاظت کے لئے ستاروں کو پیدا فرمایا ہے۔ اس طرح اس جملہ کو لام کے حذف کی بناء پر حفظ کی علت بنانا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ جنتک ان فکرمی میں ہے۔ یعنی اصل میں لٹلا یسمعون تھا۔ پہلے لام حذف کیا پھر ان کو بھی حذف کیا گیا اور اس کے عمل کو بھی ختم کیا گیا کیونکہ ان دونوں حدفوں کا اجتماع ناپسندیدہ ہے۔ الی الملاء الا علی جار مجرور لا یسمعون کے متعلق ہے۔ اسماع کی نفی میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے اس میں اصفا کا معنی متضمن فرمایا ہے نیز جس چیز سے انہیں روکا گیا ہے اس کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ملاء اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں۔ یا وہ بلند مرتبہ فرشتے ہیں جن کے سپرد عالم بالا کے تمام امور اور معاملات ہیں۔ یقذفون کا عطف لا یسمعون پر ہے۔ یعنی جب وہ شیطان عالم بالا میں ٹھہرنے یا دہاں کی باتوں کو سننے کا قصد کرتے ہیں تو ان پر آسمان دنیا کی آفتوں سے شہاب ثاقب برستے ہیں۔

دُخُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝۱

”ان کو بھگانے کے لئے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔“

۱۔ دُخُورًا مصدر ہے۔ اور یقذفون کے مصدر موم کو کدی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ قدف اور دحور قریب الٰہی ہیں یا دحورین کے معنی میں حال کی بناء پر منصوب ہے یا حرف جر کے حذف کے ساتھ منصوب ہے اور دحور سے مراد وہ شی ہے جس کے ساتھ کسی کو بھگایا جائے۔ عَذَابٌ وَاصِبٌ سے مراد آخرت کا دائمی عذاب ہے۔ مقابل فرماتے ہیں دنیا میں ان کے لئے دائمی عذاب یہ ہے کہ وہ ٹھہر اونی تک آگ میں جلے رہیں گے۔

إِلَّا مَنْ خُفِّفَ الْخُطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ ثاقِبٌ ۝۲

”مگر جوشیطان کچھ چھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ۔“

۲۔ لا یسمعون کے فاعل سے استثناء ہے۔ اور مَنْ اس سے بدل ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں استثناء منقطع ہے۔ الخطفہ کا معنی سرعت سے کسی چیز کا چک لینا ہے۔ یعنی جو لٹکھ کی کلام سے چوری جیسے کچھ لینا چاہتا ہے چونکہ کلام کا ذکر اسماع کی نفی میں ضررنا ہو چکا ہے اسی وجہ سے الخطفہ پر الف لام عہد خارجی ذکر فرمایا۔ اتبع بمعنی تبع ہے۔ شہاب سے مراد وہ شعلہ ہے جو ٹوٹا ہوا ستارہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ شعلہ ستارہ سے ٹکراتا ہے جو چوری جیسے سننے والے شیطانوں پر مارا جاتا ہے۔

حقیقت اس طرح نہیں ہے جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ شہاب ایک نبار ہے جو طبقات ہوا میں سے طبقہ علیا کی طرف سے بلند ہوتا ہے جو کہہ نار کے ساتھ ملاقع ہے تو وہ نبار مشتعل (روشن) ہو جاتا ہے یہ قول ظن و تخمین پر مبنی ہے اور یہ باطل ہے وَإِنَّ الْقُنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْعَذَابِ شَيْئًا (ترجمہ) اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام نہیں آ سکتا۔

یہ فلاسفہ اس نظریہ کی طرح ہے جو وہ بارش کے متعلق تجویز کرتے ہیں کہ زمین سے بخارات اٹھتے ہیں پھر وہ ہوا کے کرہ زمہریر میں پکچ کر ٹہر جاتے ہیں اور بادل بن جاتے ہیں پھر جب انہیں سورج کی حرارت پہنچتی ہے تو پکھیل کر بارش کے قطرات کی صورت میں برسا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ فلاسفہ کے سن گھڑت اور باطل اقوال اور نظریات ہیں جن پر کوئی عقلی اور نقلی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ بخارات اکثر شدت گرمی کی وجہ سے اوپر بلند ہوتے ہیں لیکن کئی کئی سال تک بارش نہیں برتی، کبھی کبھی موسم سرما میں متوازی کئی دن

بارشیں برتی رکتی ہیں، جب کہ اس موسم میں بخارات کا چڑھنا نہیں پایا جاتا۔ اگر بات اس طرح ہوتی تو کبھی بادل سارے کا سارا اکٹیل جاتا اور پھر کبھی دکھائی نہ دیتا۔ اسی طرح بخارات تو ہر وقت بلند ہوتے رہتے ہیں لیکن شہاب کسی وقت دکھائی دیتے ہیں۔ اگر بخارات سے شہاب بنتے تو ہمیشہ دکھائی دیتے چائیں۔ فلاسفہ کے یہ تمام اقوال اور نظریات کتاب و سنت کے مخالف ہیں اور باطل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَمَنُّونَ بِمَا هُمْ كَاذِبُونَ** (ترجمہ) اور ہم نے انمارا آسمان سے پانی۔ ایک اور مقام پر فرمایا: **وَيُتَوَلَّىٰ وَجْهَ الشَّمْسِ مِرْيَقَ جَهَنَّمَ** (ترجمہ) اور اتارتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ **وَيَذِثُّ السَّمَاءَ الذَّلِيلَةَ بِسُحُبٍ مَشْقُوعَةٍ** (الی قولہ) شہاب ثاقب۔

امام بخاری نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تاروں کو تین وجود کے لئے پیدا فرمایا ہے (1) آسمان کی ترتیب کے لئے (2) شیطانوں کو مارنے کے لئے (3) راہنمائی حاصل کرنے کے لئے بطور علامت بنانے کے لئے۔ جس نے ان کے علاوہ کوئی اور تاویل بیان کی ہے اس نے خطا اور غلطی کی ہے اور اس نے بغیر علم کے گفتگو کی ہے (1)۔

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی کام کا آسمان میں فیصلہ فرماتا ہے تو ملائکہ اس کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے اپنے پر پھڑپھڑاتے ہیں یوں لگتا ہے گویا کسی چٹان پر زنجیر لگ رہی ہے پھر جب ملائکہ کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو پوچھتے ہیں کیا تمہارے رب نے۔ دوسرے کہتے ہیں اس کا فرمان حق ہے وہی بلند والا اور عظمت والا ہے فرشتوں کی اس گفتگو کو چوری چھپے سننے والے (جن) سن لیتے ہیں پھر ان سے اسی طرح دوسرے چوری چھپے سننے والے (جن) سننے ہیں۔ یہ جن ایک دوسرے کے اوپر نیچے قطار میں ہیں (2) (سفیان نے اپنا ہاتھ ترچھا کر کے انگلیوں کو کشادہ کر کے اشارہ فرمایا کہ شیطان اس طرح اوپر نیچے ہیں جیسے انگلیاں اوپر نیچے ہیں) اوپر والے سن کے نیچے والوں کو بتاتے ہیں پھر وہ اپنے سے نیچے والوں کو بتاتے ہیں حتیٰ کہ یہ بات جاوگڑ یا کاہن کی زبان پر پہنچ جاتی ہے۔ اکثر شیطانوں کی بات کو آگے بچانے سے پہلے شہاب ثاقب پہنچ جاتا ہے اور اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔ بعض اوقات شیطان شہاب کے پہنچنے سے پہلے بات نیچے والوں کو پہنچا دیتا ہے پھر وہ سننے والا اس بات کے ساتھ سوجھوت ملا کر بیان کرتا ہے پھر لوگ کہتے ہیں فلاں کاہن اور جادوگر نے ہمیں فلاں دن ایسا ایسا کہا نہیں تھا؟ پس اس ایک بات کی وجہ سے جو اس نے آسمان کی طرف سے سنی تھی اس کی تصدیق کی جاتی ہے یعنی اسے سچا سمجھا جاتا ہے (3)۔

مسلم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ہمارا پروردگار جس کا نام بڑا بابرکت ہے جب کوئی حکم فرماتا ہے تو حاملین عرش اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں پھر ان کے قریب آسمان دنیا والے تسبیح بیان کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ تسبیح آسمان دنیا کے فرشتے کرتے ہیں پھر حاملین عرش کے قریب والے فرشتے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم سناتے ہیں پھر ہر آسمان والے اپنے اپنے اوپر والے آسمان کے فرشتوں سے پوچھتے ہیں حتیٰ کہ یہ سلسلہ آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچتا ہے۔ پس جن چوری چھپے اس بات کو سن لیتے ہیں پھر وہ اپنے دوستوں (کاہنوں) کو پہنچاتے ہیں۔ پس وہ جو کچھ سن کر لائے ہیں وہ تو حق ہے لیکن وہ اس میں جھوٹ کی ملاوٹ کرتے ہیں اور بات میں اضافہ کرتے ہیں۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا

ہے کہ ملائکہ عنان میں اترتے ہیں۔ عنان سے مراد بادل ہے اور اس بات کا ذکر کرتے ہیں جو آسمان میں ہو چکی ہوتی ہے۔ شیطان وہ بات چوری چھپے سننے میں اور کابنوں کو پہنچاتے ہیں۔ وہ اس بات کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملاتے ہیں (۱)۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ جس شیطان کو شہاب لگتا ہے وہ اذیت اٹھا کر واپس آ جاتا ہے یا مل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ لیکن اوپر جانے والے شیطان کو کبھی شہاب لگ جاتا ہے لیکن کبھی (دو فرشتوں کی جگہ بھاگ جاتا ہے جس کی وجہ سے) شہاب اسے نہیں لگتا جیسا کہ کشتی پر سوار کی طرف موجیں بلند ہوتی ہیں کبھی اسے غرق کر دیتی ہیں اور کبھی موجیں کشتی سے ٹکرا کر واپس آ جاتی ہیں۔ اسی لئے لوگ کشتیوں میں سفر کرنے سے بالکل اجتناب نہیں کرتے۔ اسی طرح جن بعض اوقات شہاب کی چوٹ سے بچ نکلتے ہیں۔ اس لئے ایسی حرکتوں سے باز نہیں آتے (۲)۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنِ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ ۝

”پس آپ ان سے پوچھئے آیا وہ زیادہ مضبوط ہیں خلقت کے اعتبار سے یا (دوسری چیزیں) جنہیں ہم نے پیدا فرمایا۔
بے شک ہم نے پیدا کیا ہے انہیں لیسہ اور پکڑ سے“

۱۔ اسٹھم میں ضمیر منصوب کا مرفع مشرکین کہ ہیں اور من خلقتا سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے مثلاً آسمان زمین اور ان کے درمیان موجود مخلوق مشرق مغرب ستارے اور شہاب ثاقب۔ عقلاء کو غلبہ دیتے ہوئے من ذکر فرمایا۔ یہاں استفہام تقریری ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ام من خلقتا سے مراد گذشتہ قوم ہیں مثلاً قوم عاد ثمود، یعنی ان کے علاوہ جو ہم نے گذشتہ قومیں پیدا کیں جنہیں ہم نے ان کے کړوتوں کے باعث ہلاک کر دیا۔ وہ از روئے خلقت مضبوط تھے یا تم مضبوط اور طاقتور ہو۔ ہم نے انہیں جب شہمت و شہوت رعب و دہد بے کے باوجود جس جس کر دیا (تو تم کسی باغ کی مولیٰ ہو) تم کو اس ہمارے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہو۔ پہلی تاویل انهم اشد خلقتا ام السماء کے قول کے مطابق ہے۔ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ کا ارشاد بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ام من خلقتا سے مراد کوئی مخصوص قوم اور چیز نہیں بلکہ عام مخلوق ہے۔

۲۔ طین لَّازِبٍ ہاتھ سے چمٹ جانے والی مٹی۔ مجاہد اور ضحاک نے لازب کا معنی بدبودار کیا ہے (۳) انسانوں کی تخلیق اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں یہی چیز تفریق کرنے والی ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق بغیر کسی سابق مادہ کے ہوئی ہے، جب کہ حضرت انسان کی تخلیق سے پہلے اس کا مادہ مٹی اور پانی موجود تھا، اس سے اس کا جسم تیار کیا گیا۔ اس جملہ میں ایک سوال موجود ہے جو ہم بتساء لون کے بعد عن النبأ العظيم کے ذکر کے طریقہ پر ہے۔ اس کلام سے مقصود دیگرین قیامت کا وہ ہے کیونکہ انسان کی تخلیق کا لیسہ ارٹھی سے ہونا اس کے ضعف پر بہت بڑی گواہی ہے کیونکہ جس کی تخلیق مٹی سے ہو اس میں اتنی صلابت اور قوت نہیں ہو سکتی جس جو ذرات آسمانوں اور دوسری بڑی تخلیقات پر قادر ہے وہ یقیناً اس چیز پر بھی قادر ہوگی جو آسمانوں اور دوسری بڑی اشیاء کے مقابلہ میں حقیر اور بے وقعت ہے۔ اس آیت سے کفار کے قول إِذَا كُنَّا تُرَابًا اَوْ اِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدًا (کیا جب ہم (مر کر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے (دوبارہ) پیدا کیا جائیگا) کا رد فرمایا ہے کہ پہلے جب ان کی تخلیق لیسہ ارٹھی سے ہوئی ہے تو پھر یہ دوبارہ مٹی سے تخلیق کرنے کا انکار کیسے کرتے ہیں۔ لیسہ ارٹھی پانی کے اجزاء کو مٹی کے اجزاء سے ملانے سے بنتی ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد

منیٰ اور پانی دونوں باقی بھی ہوں گے اور ان میں آپس میں ملنے کی کمالیت بھی ہوگی اور جو اس سے انسان کو تخلیق فرمانے والا ہے اس کو قدرت میں کوئی تغیر و تبدل بھی جائز نہیں تو پھر دوبارہ زندہ کرنا کیسے محال اور یہ (عقل کے دشمن) کیسے قیامت کا انکار کرتے ہیں۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝ (١٧)

”آپ تو اظہارِ تعجب کرتے ہیں (قدرت کے کرشمے دیکھ کر) اور وہ تمہیں سزا دیتے ہیں۔“

۱۔ بل اضراب کے لئے نہیں ہے بلکہ ایک غرض ہے دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کے لئے ابتدا یہ ہے۔ جب اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کو انہونی چیز دیکھنے کے وقت لاحق ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو عجبیت کے فعل کے ساتھ اور تعجب کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عَجِبْتُكُمْ مِنْ قَوْمٍ يُسْأَلُونَ إِلَى الشَّيْءِ (۱) اسی طرح سبحانہ ما اعظم شأنہ کا ارشاد ہے۔ اسی طرح عجب کا اطلاق اس شے پر بھی ہوتا ہے جس کی مثال معبود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَكَلَتِ الْمَنَاسِكُ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ (ترجمہ) کیا (یہ بات) لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے۔ اکثر عجب کا لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب انسان کسی چیز کو انہونی حسین اور خوبصورت دیکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے اعجبی کذا مفہوم میں یہ ارشاد الہی بھی ہے وَ هِىَ الْمَنَاسِكُ قَوْمٌ يُّعْجَبُونَ (ترجمہ) اور اے (سننے والے) لوگوں سے وہ بھی ہے کہ پسند آتی ہے تجھے اس کی گفتگو۔ اسی طرح حضور علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے عَجِبْتُ مِنْ مَنَاسِكٍ لَيْسَتْ لَكَ صَبُوءٌ۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عَجِبْتُ مِنْ الْحُكْمِ وَقَوَّطُكُمْ۔

کبھی انتہائی بری چیز دیکھنے کے وقت بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً عرب کہتے ہیں عَجِبْتُ مِنْ بَغْلِكَ وَ مِنْهُ هُكٌ مجھے تیرا بغل اور اناج انتہائی برا لگا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

شَيْئَانِ عَجِيبَانِ هُمَا أَبْرَدُ مِنْ نَارٍ شَيْخٌ يَتَصَبَّى وَصَبٌّ يَتَشَيَّخُ

دو چیزیں بہت بری لگتی ہیں دونوں برف سے زیادہ ٹھنڈی ہیں بوڑھے کا بچہ بیٹا اور بچے کا بوڑھا خانا۔
تعب کا صیغہ اس وقت بھی استعمال کیا جاتا ہے جب انسان کسی چیز کو بہت زیادہ دیکھتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے ما کر مہ، وما اطفاہ وما
اشد استخراجه وما اجهله وما اشد بياضه، یعنی وہ کتنا کریم ہے وہ کتنا تیز رفتار ہے۔ اس کا نکانا کتنا سخت ہے وہ کتنا جاہل ہے
اس کی سفیدی کتنی زیادہ ہے بعض علماء فرماتے ہیں عجب ایسی حالت ہے جو انسان کو اس وقت لاحق ہوتی ہے، جب کر وہ کسی شے کے
سبب سے ناواقف ہو، اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر عجب کا اطلاق درست نہیں کیونکہ اس کا علم تو ہر چیز کو محیط ہے (وہ
سب کو جانتا ہے) بعض علماء فرماتے ہیں عجب وہ حالت ہے جو انسان کو اس وقت لاحق ہوتی ہے جب وہ کسی چیز کو بہت برا اور عظیم سمجھتا
ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں تفسیروں کا کمال بھی وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کیونکہ انسان اپنی چیز کو عظیم سمجھتا ہے جس کی مثل پہلے نہ
دیکھی ہو اور انسان غیر معبود چیز کے سبب سے نا آشنا ہوتا ہے۔ پس حمزہ اور کسائی کی قرأت میں ظاہر ہے پھیرنے کی ضرورت نہیں
ہے۔ عجبت شککم کا صیغہ ہو تو امام ریضیٰ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجب علی سبیل فرض اور تخیل ہو گا یا علی الاستعظام
الازم لہ ہو گا (2) (یعنی اگر میرے لئے تعجب کرنا جائز ہوتا تو میں اپنی قدرت پر تعجب کرتا یا اس پر تعجب کرتا جو قیامت کا انکار کرتا ہے۔

جس کا سب انسان کو معلوم نہ ہو اس کو دیکھ کر جو انسان کو کیفیت لاحق ہوتی ہے اسے عجب کہتے ہیں۔ پس انسان اس چیز کو بڑا سمجھتا ہے جو حد قیاس سے خارج ہوتی ہے (بعض علماء فرماتے ہیں اس سے پہلے قولی مقدر ہے، یعنی قیاس یا محمد عجیب (اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے میں تعجب کرتا ہوں) علامہ بغوی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجب کا مطلب اس کا انکار کرنا اور کسی چیز کی بڑائی بیان کرنا ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکار اور مذمت کے لئے ہوتا ہے جیسے اس آیت کریمہ میں ہے۔ کبھی امتحان کے معنی میں ہوتا ہے جیسے حدیث میں ہے عَجِبَ رَبُّهُمْ مِنْ شَأْنِ لَيْسَ لَهُ صَبُورٌ۔

حضرت جنید (بغدادی) سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی چیز سے تعجب نہیں فرماتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرملی اللہ علیہ وسلم کی موافقت فرماتا ہے فرمایا: **إِنْ لَعَجِبَ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ** یعنی واقعی اس طرح ہے جیسا آپ کہتے ہیں۔ جمہور قراء نے عجبت مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ یہ آپ کو حجتا کرتے ہیں حالانکہ یہ آپ کے امین اور صادق ہونے کے معترف یعنی ہیں اور معجزات آپ کی صداقت کے گواہ بھی ہیں قرآن کے معجزہ ہونے کے بھی اقرار ہی ہیں یا یہ معنی کہ آپ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی دوبارہ اٹھانے کی قدرت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ اس کی قدرت ہر چیز میں نمایاں ہے کیونکہ آپ کے لئے یہ امر معجز نہیں تھا اس لئے آپ تعجب کرتے تھے۔ قیادہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر تعجب کرتے کہ قرآن نازل ہو چکا ہے اور اس کے بعد بھی انسان گمراہ ہو رہے ہیں۔ اس تعجب کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال یہ تھا کہ جو قرآن سنے گا وہ اس پر ایمان لے آئے گا۔ مشرکین نے جب قرآن کی آیات سنیں تو وہ مذاق اڑانے لگے اور اس پر ایمان نہ لائے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمایا اے محبوب آپ تعجب کرتے ہیں اور یہ گستاخ مذاق اڑا رہے ہیں۔ یسخرون ہم مبتدا مقدر کے ساتھ عجب کے فاعل سے حال ہے، یعنی وہ آپ کے تعجب کرنے کا مذاق کرتے ہیں اور آپ دوبارہ اٹھنے کو ثابت کرتے ہیں اس کا تسخر اڑاتے ہیں۔

وَإِذَا دُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ۝

”اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے۔“

۱۔ جب ان کے سامنے حشر کی صحت پر دلالت کرنے والے دلائل بیان کئے جاتے ہیں تو اپنی کندی یعنی اور قلت تدبر کے باعث ان دلائل سے نفع حاصل نہیں کرتے۔

وَإِذَا سَأُوا آلِیَہٖ یَسْتَسْخِرُونَ ۝

”اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق کرنے لگتے ہیں۔“

۱۔ یعنی جب رسول مکرملی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق کرنے میں انتہا کر دیتے ہیں یا یہ معنی کہ وہ ایک دوسرے کو بلا تے ہیں کہ اس معجزہ کا تسخر اڑائیں۔ ابن عباس اور مقاتل فرماتے ہیں آلۃ (معجزہ) سے مراد انشقاق القصور (چاند کا ٹکڑے ہونا) ہے۔

وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

”اور کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔“

۱۔ یعنی جو وہ مجزہ دیکھتے اسے کھلا جاؤ کہہ کر رد کر دیتے۔

عَرَادَا وَشَنَّاوْ كُنَّا شَرَابًا وَعَظَامًا ۖ إِنَّا لَبِيعُونَ ﴿٦﴾

”کیا جب ہم مر جائیں گے اور (مر کر) مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے (تو) کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔“
۱۔ معنا کو نافع حمزہ اور کسائی نے میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِنَّا لَبِيعُونَ اصل میں اُنْبِغْثْ اِدْبِغْنَا تھا۔ پھر کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لئے جملہ فعلیہ کو اس میں سے بدل دیا گیا اور ظرف کو مقدم کیا گیا اور حمزہ کو کمر رلا یا گیا نیز اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ وہ بارہ اٹھنا دے ایسے بھی عجیب ہے لیکن مٹی اور ہڈیاں ہو جانے کے بعد زندہ ہونا تو مزید عجیب تر اور محال ہے۔ یہ قرأت ابن عامر کی قرأت سے زیادہ بلیغ ہے جس میں پہلے حمزہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ نافع، کسائی اور یعقوب کی قرأت سے بھی زیادہ بلیغ ہے جس میں دوسرے حمزہ کو ساقط کر دیا گیا ہے۔

اَوَّابًا وَنَاكَاوُونَ ﴿٧﴾

”اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی ۱۔“

۱۔ اس کا عطف اِنْ کے اسم کے محل پر ہے۔ یا مبعوفون کی ضمیر پر ہے۔ کیونکہ اَوَّابًا وَنَاكَاوُونَ کی وجہ سے مبعوفون سے جدا ہے۔ (اگر درمیان میں حمزہ نہ ہوتا تو ضمیر مرفوع متصل پر بغیر تاکید کے عطف کرنا جائز نہ ہوتا) اور استفہام اس بات کے انکار کے لئے ہے کہ ان کو اور ان کے اگلے باپ دادا کو اکٹھا دوبارہ اٹھایا جائے گا اتنا زمانہ گزرنے کے بعد تو مزید عجیب اور محال ہے۔ نافع اور ابن عامر نے (او) کی واو کو تردید کے معنی پر ساکن کر کے پڑھا ہے۔ اس قرأت پر عطف جائز نہیں ہے۔

قُلْ نَعْمَ وَانْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿٨﴾

”فرمائیے! ہاں (ضرور) اس حال میں کہ تم ذلیل و خوار ہو گے ۱۔“

۱۔ یعنی تمہیں اور تمہارے آباء و اجداد کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ کسائی نے نفع کو نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بھی اس میں ایک لغت ہے۔ وانتم داخرون، مقدّر فعل کے فاعل سے حال ہے داخرون کا معنی انتہائی ذلیل و خوار ہونا ہے۔

فَاَنصَاهِيْ رَجْرَجًا وَاجِدًا ۖ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٩﴾

”پس قیامت تو فقط ایک جھڑکی ہوگی پس وہ (اٹھ کر ادھر ادھر) دیکھنے لگیں گے ۱۔“

۱۔ فَاَنصَاهِيْ الخ یہ مقدار شرط کا جواب ہے، یعنی جب قیامت قائم ہوگی تو یہ ایک جھڑکی ہوگی۔ بعض علماء فرماتے ہیں ہی ضمیر مبہم ہے۔ اور اس کی وضاحت اس کی خبر رَجْرَجًا وَاجِدًا کر رہی ہے۔ رَجْرَجًا وَاجِدًا سے مراد بچھٹانے ہے۔ زجر کا معنی دھکنا اور بخت آواز سے کسی کو منع کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں زجر الواعي غنمہ، یعنی چرواہے نے بکریوں کو واپس آنے کے لئے آواز دی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتدائی تخلیق کے وقت مٹی کا مفرمایا تھا اسی طرح دوبارہ زندہ کرنے کے لئے بھی کن کا ارشاد ہوگا اور سب اگلے پچھلے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس وجہ سے اس کے بعد فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ذکر فرمایا کہ جب تجھ ٹانیہ ہوگا تو سب اپنی اپنی قبروں سے کھڑے ہو جائیں گے اور ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے یا بظرون بمعنی بسترون ہے۔ یعنی منتظر ہوں گے کہ ان کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے۔

وَقَالُوا أَيُّ يَوْمَئِذٍ هَذَا أَيُّومَ الدِّينِ ۝

”اور کہیں گے ہم برباد ہو گئے! یہ تو یوم جزاء ہے۔“

۱۔ لفظ ”یا“ تنبیہ کیلئے ہے۔ دلیل مصدر ہے جس کا لفظ کوئی فعل نہیں ہے۔ قالوا کا عطف بنظرون پر ہے اور قالوا یقولون کے معنی میں ہے۔ یوم الدین سے مراد یوم جزاء ہے، یعنی اس میں ہمارے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

هَذَا أَيُّومُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝

”ہاں ہاں! یہی فصل کا دن ہے جس (کی آمد) کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

۱۔ یعنی یہ وہ دن ہے جس میں نیکوکار اور مجرم کے درمیان فرق کیا جائے گا یا یہ فصل کا دن ہے اس میں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ملائکہ کا جواب ہے۔ منکرین قیامت کی کلام یوم الدین پر مکمل ہو چکی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ کام بھی منکرین کا ہے جو وہ ایک دوسرے سے کریں گے۔

أَحْسِرُوا الَّذِي نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَأَرْوَاهُ مَاءً كَاثِرًا يَحْبِثُونَ ۝

”(اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔“

۱۔ ظکروا سے مراد اشعر کو اے، یعنی جنہوں نے شرک کیا کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے، یعنی فرشتوں کو حکم ہوگا کہ مشرکوں اور ان کے ہم مشرکوں اور ان کے پیروکاروں اور ان کے معبودان باطلہ سب کو میدان حشر میں حساب و جزاء کے لئے جمع کرو۔ علامہ تہجدی نے نعمان بن بشیر کے طریق سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن الخطاب کو یہ فرماتے سنا ہے أَحْسِرُوا الَّذِي نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَأَرْوَاهُ مَاءً كَاثِرًا سے مراد یہ ہے کہ سودخور سودخوروں کے ساتھ جمع کئے جائیں گے بدکار بدکاروں کے ساتھ ہوں گے اور شراب خور شرابیوں کے گروہ میں ہوں گے۔ جنت میں بھی ہم مشرب لوگ اکٹھے ہوں گے اور دوزخ میں بھی ایک جیسے کرتوتوں کے حامل لوگ جمع ہوں گے (۱)۔ تہجدی نے ابن عباس سے ازواجہم کا معنی اشیاء ہم نقل کیا ہے۔ جس کا مطلب ان کے مشابہ لوگ ہیں۔ قادمہ اور بکس فرماتے ہیں ازواجہم سے مراد یہ ہے کہ جو ان کی مشابہت کرتے تھے پس شرابی شرابیوں کے سودخور سودخوروں کے ساتھ ہوں گے۔ ضحاک فرماتے ہیں اس سے مراد شیطان دوست ہیں نہ کہ کافر اپنے شیطان کے ساتھ ایک ذخیرہ میں بکڑا ہوا ہوگا۔ الحسن فرماتے ہیں ازواجہم سے مراد ان کی شرک کرنے والی بیویاں ہیں (۲)۔

مِنْ دُونِ اللَّهِ قَاهُ وَهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ۝

”اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف۔۔۔“

۱۔ یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے تھے مقابل سے دُونِ اللَّهِ سے مراد شیطان لیا ہے۔ اور بطور دلیل یہ ارشاد پیش کیا ہے اَنْ لَا تَعْبُدُوا الْفُلُكُنَّ ۝ اور فرماتے ہیں (۳)۔ لفظ مخصوص ہے عام نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَقَتْ لَهُمْ نَفْسًا لِّمُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ (ترجمہ) بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے مقرر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ یہ آیت بھی دلیل ہے کہ دُونِ اللَّهِ سے مراد وہ سب نہیں ہیں جن کی عبادت کی جاتی

تھی۔ (مثلاً عبادت تو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہودی عزیر علیہ السلام کی کرتے تھے لیکن ان کے لئے یہ حکم نہیں ہے بلکہ من دون اللہ سے مراد شیطان ہے) ابن عباس فرماتے ہیں فَاَنْذَرْتَهُمْ مَا مَطْلَبُ يَهْ بِهٖ كَمَا نِ شَيْشِیْنَ كِی دوزخ کی طرف راہنمائی کرو ان کیساں فرماتے ہیں انہیں دوزخ کی طرف لے جاؤ۔ عرب سائق (بیچے سے ہانکنے والا) کو بھی ہادی کہتے ہیں (1)۔

وَقَفُّوْهُمْ اِنْهُمْ مَّسْكُوْنُوْنَ ﴿۱﴾

”اور (اب ذرا) روک لو انہیں اس سے باز پرس کی جائے گی۔“

۱۔ مفسرین فرماتے ہیں جب مشرکوں کو دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا تو بل صراط کے پاس انہیں روک لیا جائے گا، ارشاد ہوگا انہیں روک لو ان سے باز پرس کی جائے گی۔ اِنْهُمْ مَّسْكُوْنُوْنَ کا جملہ قفو کی علت ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں مشرکوں سے ان سے افعال و اقوال سب کے متعلق باز پرس ہوگی۔ ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ ان سے لا الہ الا اللہ کے متعلق سوال ہوگا (2)۔ مسلم نے ابو ہریرہ السلمی سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے پاؤں بل صراط سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ چار چیزوں کے متعلق اس سے باز پرس کر لی جائے گی۔ 1۔ عمر کے متعلق سوال ہوگا کہ کن مشاغل میں بسر کی۔ 2۔ جسم کے متعلق سوال ہوگا کہ کس کام میں اسے کمر دیا کیا۔ 3۔ علم کے متعلق سوال ہوگا کہ اس پر کتنا عمل کیا۔ 4۔ مال کے متعلق سوال ہوگا کہ کہاں سے مال کمایا اور پھر کس مقصد میں اسے خرچ کیا (3)۔

ترمذی اور ابن مردویہ نے اسی کی مثل حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے۔ طبرانی نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور رواہ اور ابن عباس سے روایت کی ہے۔ ابن المبارک نے الترمذی میں ابو الدرداء سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے سب سے زیادہ خوف ان بات کا ہے جب حساب ہوگا تو مجھ سے پوچھا جائے گا جو تیرے پاس علم تھا اس پر کتنا عمل کیا (4) امام احمد نے الترمذی میں ابو الدرداء سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے قیامت کے روز جو سوال ہوگا وہ یہ ہوگا کہ جو تجھے علم تھا اس پر عمل کتنا کیا۔

ابن ابی حاتم نے اثنین بن عبد اللہ الکافی سے روایت کیا ہے کہ جہنم کے سات بل ہیں، ان پر بل صراط ہے، پہلے بل کے پاس لوگوں کو روکا جائے گا ارشاد ہوگا ان کو روک لو، ان سے باز پرس کی جائے گی پس پہلے نماز کے متعلق محاسبہ ہوگا اور نماز کے متعلق پوچھا جائے گا پس جو ہلاک ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا اور جو نجات پائے گا۔ وہ نجات پا جائے گا جب دوسرے بل کے قریب پہنچیں گے تو امانت کے متعلق محاسبہ ہوگا کہ کیسے اسے ادا کیا اور کیسے اس میں خیانت کی پس جو ہلاک ہوگا وہ ہلاک ہوگا اور جو نجات پائے گا وہ نجات پائے گا۔ جب تیسرے بل پر پہنچیں گے تو رشتہ داری کے متعلق سوال ہوگا کہ رشتہ داری کو کیسے قائم رکھا اور کیسے اسے توڑا پس ہلاک ہو گا جو ہلاک ہوگا اور نجات پائے گا۔ جو نجات پائے گا اس دن رحم (رشتہ قربت) ہوگا میں متعلق ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرش کرے گا اسے اللہ جس نے مجھے ملائے رکھا (آج) تو مجھی اسے ملا اور جس نے (دنیا میں) مجھے توڑا (آج) تو مجھی اسے توڑ دے (5)

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿۱﴾

”تمہیں کیا ہو گیا تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔“

1۔ تفسیر یعقوبی، جلد 4، صفحہ 59-55 (اثر)

2۔ تفسیر یعقوبی، جلد 4، صفحہ 559 (اثر)

3۔ جامع ترمذی، صفحہ 2417 (اثر)

4۔ کتاب الزہد، جلد 1، صفحہ 170 (لعلیہ)

لے اُن کو یہ ارشاد تو بخ کرنے کے لئے ہوگا کہ دنیا میں تو تم سب مجرم ایک دوسرے کے معاون و مددگار تھے آج مدد کیوں نہیں کرتے اس حکم سے مقصود ان کا استہزاء اور ان کا بجز ظاہر کرنا ہوگا۔

بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُتَسَلِّطُونَ ﴿٣١﴾

”بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔“

لے ابن عباس فرماتے ہیں مُتَسَلِّطُونَ کا معنی خاضعون (سر جھکائے ہوئے) ہے۔ حسن فرماتے ہیں مفقادوں (فرمانبرداری کرنے والے) ہے عرب کہتے ہیں استسلم شیء جب کوئی اطاعت کرے اور سر جھکا دے (۱)۔

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٣٢﴾

”اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی طرف (اور) سوال جواب کریں گے۔“

لے گمراہ سردار اور گمراہ پیروکار یا کفار اور ان کے شیطان دوست ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال جواب کریں گے يَتَسَاءَلُونَ اقبل کے فاعل اور مفعول سے حال ہے۔ یعنی ایک دوسرے کو جھڑکنے کے لئے سوال کریں گے۔ اسی وجہ سے يَتَسَاءَلُونَ کی تفسیر ملامت کرنے اور جھگڑنے سے بھی کی گئی ہے۔

قَالُوا إِنَّا كُنْتُمْ نَأْتِيكُمْ مِّنَ الْيَمِينِ ﴿٣٣﴾

”(پیروکار سرداروں سے) کہیں گے کہ تم آ کر تھے ہمارے پاس بڑے کزو فر سے (اور ہمیں کفر پر مجبور کرتے

تھے)۔“

لے الیمین سے مراد قوی ترین دلائل ہیں یا دین ہے یا خیر و بھلائی ہے۔ اسی طرح شحاک اور مجاہد فرماتے ہیں یہ یمنین الانسان سے مستعار ہے، یعنی انسان کی دائیں طرف جو دونوں طرفوں میں سے قویٰ اشرف اور ارفع طرف ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے دائیں طرف کو یمنین کہا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں الیمین سے مراد قسم ہے، یعنی تم قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ ہم جو دین تم پر پیش کرتے اور جس کی دعوت ہم دیتے ہیں وہ حق ہے۔ بعض علماء نے اس کا معنی قوت اور قہر کیا ہے، یعنی تم ہمیں گمراہی پر مجبور کرتے تھے۔ یہ جملہ اور بعد والا جملہ باہم سوال و جواب کا بیان ہے۔

قَالُوا بَلْ لَّمْ تَكُونُوا مَوْفِينَ ﴿٣٤﴾

”وہ جواب دیں گے بلکہ تم ایمان ہی کب لائے تھے (کہ ہم نے تم کو گمراہ کر دیا)۔“

لے رؤسا یا شیاطین کہیں گے ہم نے تمہیں گمراہ نہیں کیا بلکہ تم نے اپنے اختیار سے کفر اور گمراہی کو اختیار کیا تھا۔

وَمَا كَانُوا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ﴿٣٥﴾ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِينَ ﴿٣٦﴾

”اور تمہیں تم پر کوئی غلبہ حاصل تھا بلکہ تم بذات خود سرکش لوگ تھے۔“

لے سلطان کا معنی قہر اور غلبہ ہے۔ یہ جملہ پہلی کلام کا ثبوت اور تقریر ہے۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْبَقِيَّةُ ۝

”پس لازم ہو گیا ہم سب پر اپنے رب کا حکم اب (خوٹاؤ) ہم عذاب کو بچھنے والے ہیں۔“

۱۔ اس کلام کا عطف محذوف کلام پر ہے جو سابق کلام سے منہوم ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی کُنْتُمْ فَوْماً طَاعِينَ كَمَا كُنْتُمْ طَاعِينَ فَحَقَّ عَلَيْنَا جَمِيعًا یعنی تم پھر اپنے رب کے نافرمان تھے جیسے ہم نافرمان اور سرکش تھے پس ہم سب پر ہمارے رب کا حکم واجب لازم ہو چکا ہے۔ قول رہنا سے مراد یہ ارشاد ہے لَا تَمْلِكُنَّ لَهُمْ مِنْ الْجَهَنَّمَ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ ۝ (ترجمہ) کہ میں ضرور بھروسہ کا جہنم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے۔

فَاَعْوِیْلَكُمْ اِنَّا كُنَّا عَوِیْلَیْنِ ۝

”پس ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا ہم خود بھی گمراہ تھے۔“

۲۔ یعنی دونوں گمراہوں کا گمراہ ہونا اور عذاب میں مبتلا ہونا ایسا امر ہے جس کا فیصلہ ازل سے ہو چکا ہے۔ ہم نے تو صرف یہی کیا کہ تمہیں بھی اس گمراہی کی طرف بلایا جس میں ہم خود گرفتار تھے ہماری تو یہی خواہش تھی کہ تم بھی ہماری طرح گمراہ ہو جاؤ۔

فَاَلْهَمُّ یَوْمَیْهِ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝

”پس وہ (سب) اس روز عذاب میں حصہ دار ہوں گے۔“

۳۔ فاء سمیت کیلئے ہے۔ یعنی جب رؤساء متبعین کفار اور ان کے ساتھی سب جب گمراہ تھے تو آج سب عذاب میں حصہ دار ہوں گے۔

اِنَّا كُنَّا لَمَنْ فَعَلَ بِالنَّاسِ الْمَعْرُوفِ ۝

”ہم اسی طرح سلوک کرتے ہیں بھرموں کے ساتھ۔“

۴۔ کُنَّا لَمَنْ مصدریت کی بناء پر عمل نصب میں ہے، یعنی فاعل فعل کے مصدر کی صفت ہے اور مکمل مثل کے معنی میں ہے۔ بھرمین سے مراد ہر مشرک۔ بھرم سے مراد مشرک ہونے کی تائید آنے والا ارشاد بھی کرتا ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

”کفار کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں۔“

وَيَقُولُوْنَ اِنَّا لَنَّا كَارِهُوْا الْاِلٰهَیْنَ الشَّاعِرِ مَجْنُونٍ ۝

”اور کہتے ہیں کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے۔“

۵۔ شاعر اور مجنون سے ان کی مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ہرزہ سرائی کا رد کرتے ہوئے یہ فرمایا۔

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلُونَ ۝

”(دیوانے تو یہ خود ہیں) وہ تو دین حق لے کر آئے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں سارے رسولوں کی۔“

۶۔ جَاءَ کا فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیغام توحید لے کر آئے ہیں جس پر دلائل و براہین قائم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ توحید اٹکھا اور نیا نہیں ہے بلکہ پہلے رسولوں کا دعویٰ بھی یہی تھا۔ یہ تو ان کی تصدیق کرتا ہے اور اس کا

دعویٰ ان کے دعویٰ کے موافق ہے۔

إِنَّكُمْ لَذَاقُوا الْعَذَابَ الْآلِيمَ ﴿٦٠﴾

”(اے مجرمو) تم ضرور دیکھو گے دردناک عذاب کو۔“

۱۔ اس کلام میں غیوہت سے خطاب کی طرف التفات ہے، یعنی اسے مجرموں نے شرک کیا اور رسولوں کی تکذیب کی اس لئے تمہیں دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا۔

وَمَا تَجْزُونَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦١﴾

”اور نہیں بدل دیا جائے گا تمہیں مگر اسی کا جو تم کیا کرتے تھے۔“

۱۔ یعنی دنیا میں جو تم شرک و اعمال کرتے تھے اسی کا ہی تمہیں بدلہ ملے گا۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٦٢﴾

”البتہ اللہ کے مخلص بندے (اس عذاب سے محفوظ رہیں گے)۔“

۱۔ یہ استثناء منقطع ہے لیکن اگر مُخْلَصُونَ میں ضمیر کا مرجع تمام مخلصین ہوں تو استثناء ممانعت کے اعتبار سے ہوگی کیونکہ مخلصین کا ثواب سات سو گنا تک بلکہ جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے گا بڑھادے گا۔ استثناء منقطع بھی اسی اعتبار سے ہوگی (یعنی اگر استثناء منقطع ہو تو گویا مفہوم یہ ہوگا کہ اے کافرو! تمہیں تمہارے اعمال کی جزاء تمہارے اعمال کی مقدار کے مطابق دی جائے گی لیکن موجدین اور مخلصین کے لئے ایسا نہیں ہوگا کیونکہ ان کی جزاء اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے کئی گنا بڑھادی جائے گی پس مشرکین سے مخلص کی استثناء اس اعتبار سے ہوگی کہ مشرکین کی جزاء ان کے عمل کے مطابق ہوگی اور موجدین کی جزاء کئی گنا زیادہ ہوگی)

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٦٣﴾ فَوَٰكِهَةٌ ﴿٦٤﴾ وَهُمْ فِي مَكْرَمُونَ ﴿٦٥﴾ فِي جَنَّاتٍ التَّعِيمِ ﴿٦٦﴾

”وہی ہیں انہیں وہ رزق دیا جائے گا جس کی کیفیت معلوم ہے۔ لذیذ پھل اور ان کا بڑا احترام و اکرام کیا جائے گا۔“

(اور وہ) نعمت کے پانوں میں ہوں گے۔ (زرنگار) پتنگوں پر آنے سے سانسے بیٹھے ہوں گے۔“

۱۔ رزق معلوم سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا رزق ہے جس کی خصوصیات مثلاً ہمیشہ باقی رہنا اور لذیذ ہونا معلوم ہیں۔ اسی لئے رزق معلوم کی تعبیر فواکہ سے کی گئی ہے فواکہ کا معنی فواکہ ہے۔ یہ رزق کا بدل یا بیان ہے۔ اور فواکہ سے مراد وہ ہر وہ چیز ہے۔ جس سے تلذذ حاصل کیا جائے بطور خوراک استعمال نہ ہو اور قوت اسے کہتے ہیں جو بطور غذا استعمال ہو لذت مقصود نہ ہو۔ رزق کا لفظ تلذذ اور خوراک دونوں کو شامل ہے۔ اہل جنت کی تخلیق ہی ایسی ہوگی کہ ان کے اجسام ضائع اور ختم نہ ہوں گے اس لئے انکا رزق خالص پھل ہوں گے (بطور غذا کوئی چیز انہیں استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی تا کہ ان کے اجسام باقی رہیں)

۲۔ ان کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ انہیں ہر چیز بغیر کسی مشقت اور سوال کے ملے گی۔ دنیا کے رزق کے حصول میں جس طرح مشقت اور تکلیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جنت میں ایسا نہیں ہوگا اس جملہ کا عطف سابقہ جملہ پر ہے یا یہ حال ہے یا اولنک کی خبر ہے۔

سے طرف مستقر کے متعلق ہے، یعنی ان کے لئے رزق ہے جو جنت میں معلوم ہے اور جنت میں سوائے نعمتوں کے اور کچھ نہیں ہے یا یہ مکرمون کے متعلق ہے یا مکرمون کی ضمیر سے حال ہے یا اولئک کی دوسری خبر ہے۔

۳۔ علیٰ سرور، حال ہے یا خبر ہے۔ اس کے خبر ہونے کی صورت میں اس میں جو ضمیر ممکن ہے وہ ذوالحال ہوگی اور متقابلین اس سے حال ہوگا۔ یا مکرمون کی ضمیر سے حال ہوگا۔ یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے علیٰ سرور، متقابلین کے متعلق ہو۔ اس صورت میں متقابلین مکرمون کی ضمیر سے حال ہوگا۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّوْنٍ ۖ

”پھر اے جائیں گے ان پر پھٹکتے جام (شراب طہور کے) چشموں سے پر کر کے لے۔“

۱۔ کماں اس جام کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو اور کبھی اس کا اطلاق نفس شراب پر بھی ہوتا ہے جیسے اعمیٰ شاعر کا قول ہے و کماںی شربت علیٰ لذۃ یعنی بہت سی شراہیں میں نے لذت کیلئے استعمال کیں۔ انھیں کہتا ہے قرآن میں کماں سے مراد شراب ہی ہے (۱)۔ یہ جملہ حال ہے یا خبر ہے۔ من موعین یا تو عانہ بعینہ سے اسم مفعول ہے۔ جس کا معنی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ سطح زمین پر وہ شراب جاری ہوگی اور آنکھوں کے لئے ظاہر ہوگی یا یہ عین الماء سے ماخوذ ہے جو پانی کا منبع اور خرج ہوتا ہے اور الماء المعین سے مراد وہ پانی ہوگا جو چشمہ سے نکلتا ہے اور جاری ہوتا ہے۔ جنت کی شراب کی معین سے صفت بیان کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ بھی پانی کی طرح نہروں میں مقفیض جاری ہوگا یا اس لئے کہ جنتیوں کو جو پینے کے لئے شراب ملے گی وہ کمال لذت کی وجہ سے مختلف قسموں کی شراہوں سے جو لذت مطلوب ہوتی ہے اس کی جامع ہوگی۔

بَيضَاءَ كَذَّابٍ لَّيْسَ بَيْنَ ۖ

”(دودھ سے زیادہ) سفید بڑے لذیذ پینے والوں کے لئے لے۔“

۱۔ دنیا کی شراب پینے کے وقت انتہا بد شکل دکھائی دیتی ہے لیکن جنت کی شراب انتہائی سفید ہوگی اور لذت سے بھرپور ہوگی۔ بیضاء اور لذت دونوں کماں کی صفیتیں ہیں۔ حسن فرماتے ہیں جنت کی شراب دودھ سے نکلیں زیادہ سفید ہے (۲) اور مبالغہ کے لئے لذت کو بطور صفت استعمال فرمایا اللذۃ تا بیث ہے لذت کی جس کا معنی لذیذ ہے جیسے طب اور اس کا وزن فَعْلٌ ہے۔

لَا فِيهَا عُوقُولٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ۖ

”نہ اس میں مضرت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس (کے پینے) سے مدہوش ہوں گے لے۔“

۱۔ عول غالہ، بغلو سے مشتق ہے جس کا معنی کسی چیز کو خراب کر دینا ہے۔ لا عول کا مطلب یہ ہے کہ وہ شراب ایسی ہے کہ اس میں فساد نام کی کوئی چیز نہیں ہے جیسا کہ دنیا کی شراب میں مفاسد اور مضرات ہیں مثلاً دنیا کی شراب پینے سے عقل ضائع ہو جاتی ہے، پیٹ میں درد ہوتا ہے، سر جکڑنے لگتا ہے، آتی ہے پیشاب آتا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے بنو فزوں کو باب افعال سے زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے حفص نے سورۃ واقعہ میں ان کی موافقت کی ہے۔ باقی قراء نے دونوں جگہ زاء کے فتنے کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور یاء کے ضمہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، نونو الشارب مجہول بھی بولا جاتا ہے۔ فہو نزیف و منزوف، جب انسان مدہوش و مخمور ہو جائے

اور انوف الشارب اس وقت بولا جاتا ہے جب عقل یا شراب ختم ہو جائے۔ نرف کا اصل معنی ختم ہوتا ہے نرف لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ قاموس میں اسی طرح ہے۔ النرف الشی نرفته سے زیادہ بلیغ ہے۔ نرف کوئی کے ساتھ علیحدہ ذکر فرمایا اور پھر عام پر اس کو عطف فرمایا کیونکہ شراب کا بڑا نقصان اور خسارہ یہ ہوتا ہے کہ عقل ضائع ہو جائے اور شرابی کے لئے سب سے تکلیف دہ امر وہ ہوتا ہے جب اس کی شراب ختم ہو جائے یعنی جنت میں نہ شراب ختم ہوگی اور نہ اس سے ہوش و حواس مختل ہوں گے۔

وَعِنْدَهُمْ قُصِرَاتُ الطَّرَفِ عَيْنٍ ۝۱

”ان کے پاس ہوں گی چٹکی نکالیں والی آہو چشم (عورتیں)۔“

یعنی ان جنت کے عینوں کے پاس ایسی عورتیں ہوں گی جو اپنے خاندنوں پر اپنی نگاہوں کو لگائے ہوں گی، کسی غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا انہیں گوارا نہ ہوگا کیونکہ ان کے خاندانی ان کے نزدیک حسین ترین ہوں گے۔ عین مبتدا محذوف کی خبر ہے، یعنی ہن عین عرب کہتے ہیں۔ رجل عین، موئی موئی حسین آنکھوں والا مرد۔ امرؤ عیناء موئی موئی حسین آنکھوں والی عورت، رجال و نساء عین۔ یعنی جمع کے لئے عین استعمال ہوتا ہے۔

كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ۝۲

”گویا وہ (شتر مرغ کے) انڈوں کے مانند گردوغبار سے محفوظ لے“

ابن جریر نے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عین یعنی موئی موئی آنکھوں والیاں ان کی چٹکیں گدھ کے پروں کی طرح ان کی آنکھوں پر ہوں گی (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ کے متعلق فرمایا ان کی جلد اتنی ملائم و نرم ہوگی جیسے انڈے کے اندر سفیدی کے اوپر باریک پردہ ہوتا ہے (۲) بئض جمع ہے بیضی کی (مکون مذکر لفظ ذکر فرمایا حالانکہ یہ جمع کی صفت ہے) موصوف کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے صفت کو مذکر ذکر فرمادیا۔ حضرت الحسن فرماتے ہیں جنتی خوروں کو شتر مرغ کے انڈوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ شتر مرغ ان کو غبار اور ہوا سے اپنے پروں کے ساتھ چھپائے رکھتا ہے اور اس کے انڈوں میں سفیدی زردی میں ایک لطیف انداز میں ملی ہوئی ہوتی ہے (۳) یہ زردی مائل سفیدی عورتوں کا خوبصورت ترین رنگ سمجھا جاتا ہے۔ عرب اسی وجہ سے عورتوں کو شتر مرغ کے انڈوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝۳

”پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے (اور) سوال جواب کریں گے لے“

یعنی جنتی آپس میں گفتگو کریں گے اور دنیا کا گذشتہ حال پوچھیں گے۔ یہ جملہ بطف علیہم پر معطوف ہے، یعنی وہ شراب طلبور کے جام نوش فرمائیں گے اور شراب پر گفتگو کریں گے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

وَمَا بَقِيَتْ مِنَ اللَّذَاتِ إِلَّا أَخَادِيثُ الْكِرَامِ عَلَى الْمَذَامِ

یعنی اب کوئی لذت باقی نہیں ہے مگر شراب کے اوپر سرداروں کی گفتگو شراب نوشی کے وقت عربوں کی عادت تھی اور یہ گفتگو تمام لذتوں سے زیادہ لذت دہن ہوتی تھی۔ تاکید کے لئے ماضی کے صیغہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَدْرٌ ۝۱

”کہے گا ان میں سے ایک کہ میرا ایک بھگری دوست ہوا کرتا تھا۔“

۱۔ یہ اہل جنت کی گفتگو کا بیان ہے کہ ایک کہے گا دنیا میں میرا ایک لنگوٹیا ہوتا تھا جو قیامت اور دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتا تھا۔ مجاہد فرماتے ہیں اس قرین سے مراد شیطان ہے۔ دوسرے مفسرین فرماتے ہیں انسانوں میں سے ایک دوست کا ذکر ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں یہاں قرین سے مراد بھائی ہے۔ باقی مفسرین فرماتے ہیں یہ دونوں آپس میں شریک تھے، ایک کا فر تھا جس کا نام مطروس تھا اور دوسرا مومن تھا جس کا نام یہود تھا یا یہ ان آدمیوں کا ذکر ہے جن کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کہف میں ذکر فرمایا ہے وَاصْرَبْ لَهُمْ مَثَلًا عَمَّا يُجْحَدُونَ (۱)۔

يَقُولُ أَفَيْتُكَ لِمَنِ الْمَصْدَقِينَ ۝۲ عِزًّا وَمِنَّا وَكَفَرُوا بِالْوَاعِدِ ۝۳

”وہ (مجھے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو قیامت پر ایمان لانے والوں سے ہے۔ کیا جب ہم مریں گے اور (مر کر) مٹی اور

(بوسیدہ) بڑیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہمیں جزا دی جائے گی۔“

۲۔ آپتک میں استفہام تو مخ کے لئے ہے۔ اء ذامتنا میں استفہام انتہائی بعید جاننے اور انکار کے لئے ہے۔

قَالَ هَلْ أُنْتُمْ مُظِلُّونَ ۝۴

”ارشاد ہوگا کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو؟۔“

۳۔ یعنی کیا تم دوزخیوں کو دیکھنا چاہتے ہو میں تمہیں وہ دوست دکھا دوں۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس آیت میں قائل کا فاعل اللہ تعالیٰ یا کوئی فرشتہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ یا کوئی فرشتہ کہے گا کہ کیا تم دوزخیوں پر مطلع ہونا چاہتے ہو۔ تو میں تمہیں وہ دوست دکھاؤں گا کہ تمہیں پتہ چل جائے کہ تمہارا مقام و مرتبہ ان سے کتنا بلند و بالا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں جنت میں ایک روشندان ہوگا جس سے جتنی دوزخیوں کو دیکھیں گے (۲)۔

فَأْتَدَبَكَ فَتَرَاهُ فِي سَوَاءٍ الْجَحِيمِ ۝۵

”پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یا رکوع جہنم کے وسط میں۔“

۴۔ اطلاع کا فاعل مومن ہے، یعنی دوزخیوں پر جھانکے گا تو اپنے دوست کو دوزخ میں دیکھے گا۔ کسی شے کے درمیان کو سواء اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہاں سے اس شے کی تمام جو اسب برابر ہوتی ہیں۔ بنادنے اذن مسعود سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں مومن نے جب دیکھا تو اپنے دوستوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ میں نے قوم کی کھوپڑیاں ابلتی دیکھی ہیں۔

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَتَرُوْنِي ۝۶

”جنتی بول اٹھے گا بخدا تو مجھے ہلاک کرنا ہی چاہتا تھا۔“

۵۔ یعقوب نے دونوں حالتوں میں لترونی کو بقاء متکلم کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے اور ورش نے صرف وصل کی حالت میں بقاء کے اثبات کے ساتھ پڑھا۔ باقی قراء نے دونوں حالتوں میں بقاء کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان مخففہ من منقلہ ہے۔ اور لترونی پر لام فارقہ ہے (یعنی ان نافیہ اور مخففہ من منقلہ کے درمیان فرق کرنے کے لئے ہے)

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْخَاسِرِينَ ⑤

”اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) بیکار کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔“
یعنی جنتی کہے گا اگر میرا رب مجھ پر ہدایت اور رحمت کی نعمت نہ فرماتا تو میں بھی تیرے ساتھ اس بھڑکتی آگ میں ہوتا۔

أَفَمَنْ حُنِيبًا يَمُوتُ ⑥ أَمْ مَوْتَتِنَا الْأُولَىٰ وَمَنْ حُنِيبًا يَمُوتُ ⑦

” (جنتی کہیں گے) کیا اب تو ہمیں مرنا نہیں ہوگا بجز اپنی پہلی موت کے؟ اور نہ ہمیں (اب) عذاب دیا جائے گا؟“

یعنی اب ہمیں موت نہیں آئے گی موتِ ثانوی (یعنی ہمیں) کی وجہ سے مصدر اس کی بناء پر منصوب ہے اور یہ متشکی مفرغ ہے یا یہ معنی کہ ہم اب کبھی نہیں مریں گے مگر جو دنیا میں موت پا چکے، اس صورت میں متشکی منقطع ہوگا۔ فاء تقدیر کلام پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اَنْحُنْ مُخْلَدُونَ مُنْعَمُونَ فَمَا نَحْنُ بِمُعْصِيْنَ یعنی کیا اب ہم ہمیشہ ہیں گے اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور ہم مریں گے نہیں، استفہام تقریری ہے۔ یعنی مخاطب کو اس چیز کے اقرار پر ابھارا جا رہا ہے جس کا وہ دنیا میں انا لمدینون کہہ کر انکار کیا کرتا تھا۔

یہ مومن کی کلام کا تہہ ہے جو وہ اپنے دوزخی دوست کو زبردستی کرنے کے لئے کر رہا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اظہار کے لئے اپنے جنتی ساتھیوں سے کہہ رہا ہو کہ اب ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ایک طرف یہ اپنے دوستوں سے کلام ہے اور دوسری طرف دوزخی دوست کو توبہ بھی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا تو اہل جنت فرشتوں سے اظہار مسرت کے طور پر فرشتوں سے کہیں گے کیا اب ہمیں مرنا نہیں ہوگا فرشتے کہیں گے نہیں تو اہل جنت یہ کہیں گے۔

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقُوَى الْعَظِيمُ ⑧

”یہ ایک ہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے۔“

یہ اہل جنت کا مشا از الہ۔ جنت میں ہمیشہ رہتا ہے۔ یہ اہل جنت کی کلام بھی ہو سکتی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کلام ہو۔

لِيَسْئَلْ هَذَا أَقْلِيْعَبِلَ الْعَبْلُونَ ⑩

”اسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لئے مل کرنے والوں کو مل کر پوچھنا ہے۔“

یعنی اس منزل کے لئے یا اہل نعمتوں کے لئے کوشش اور عمل صالح کرنے چاہئیں نہ کہ دنیاوی مال و متاع کے لئے شب و روز تھکان برداشت کرنی چاہئے۔ جس میں دوزخی اور قلی پریشانی بھی ہے اور بہت جلد فناء ہونے والا بھی ہے۔

أَذَلَّكَ خَيْرٌ نَزَلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّؤُورِ ⑪

”بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟“

یعنی اہل جنت کے لئے جن نعمتوں اور مرفرازیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ بہتر ہیں یا زقوم کا درخت جس کے ساتھ دوزخیوں کی تواضع کی جائے گی۔ زقوم ایک بدنام اور بد صورت درخت ہے جس کا ذائقہ انتہائی کڑوا ہے۔ دوزخی اسے کھانا پسند نہیں کریں گے، مجبوراً انتہائی کراہت کے ساتھ کھائیں گے۔ عرب کہتے ہیں تَرْقَمُ الطَّعَامُ اس نے ناپسند کرتے ہوئے کھایا۔ نزلاً پر نصب تمہور اور حال کی بناء پر

ہے اور اس لفظ کے ذکر میں دلیل ہے کہ اہل جنت کے لئے جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ انہیں ابتداء پیش کی جائیں گی جس طرح آنے والے مہمان کو ابتداً بطور ضیافت کچھ چیزیں پیش کی جاتی ہیں لیکن ان کے علاوہ جو نعمتیں کو نعمتیں ملیں گی ان تک ابھی عقل انسانی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح زقوم دوزخیوں کی خوراک ہوگی۔

ترمذی نسائی ابن ماجہ ابن ابی حاتم ابن حبان حاکم اور بیہقی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر زقوم سے پہنچے والے پانی کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ڈالا جائے تو اہل زمین پر زندگی تلک ہو جائے (اب فیصلہ کرلو) جو اس کو کھائے گا اس کی بد حالی کا کیا عالم ہوگا (۱)۔

عبد اللہ بن احمد نے زوائد میں اور ابونعیم نے ابی عمران الخولانی سے شجرۃ الزقوم کے بارے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ انسان زقوم کے درخت سے جتنا (کھانے کے لئے) چھیلے گا اتنی مقدار وہ درخت آدمی کا جسم پھیل لے گا (۲)۔

إِنَّا جَعَلْنَهَا قُتْنًا لِلظَّالِمِينَ ﴿۱۱﴾

”ہم نے بنادیا ہے اسے آزمائش خالصوں کے لئے۔“

۱۱۔ قتنہ سے مراد آخرت میں عذاب اور آزمائش ہے یا دنیا میں ابتلاء ہے۔ الظالمین سے مراد کفار ہیں۔ کافر کہتے ہیں کہ دوزخ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے، جب کہ آگ تو درختوں کو جلا دیتی ہے۔ ابن ابی بکر اور ابن قریش نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں زقوم سے ڈراتا ہے حالانکہ ہر قوم کی زبان میں زقوم کھن اور کھجور کو کہتے ہیں پھر زہری کو ابوجہل نے گھر لے گیا اور اپنی بوڑھی سے کہا ہمارے قہقہا اے بوڑھی ہمیں زقوم کھلا تو وہ کھن اور کھجور لے آئی۔ ابوجہل نے کہا یہ کھن اور کھجور کھاؤ۔ یہ ہے وہ جس کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں حکم دیا ہے (۳)۔

ابن جریر نے قنادہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ابوجہل نے کہا تمہارا دوست (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے کہ دوزخ میں ایک درخت ہے حالانکہ آگ درختوں کو جلا دیتی ہے۔ قسم بخدا ہم تو زقوم سے مراد صرف کھجور اور کھن ہی مانتے ہیں۔ جب انہوں نے تعجب کا اظہار کیا کہ آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ذیل کا ارشاد نازل فرمایا (۴)۔

إِنَّمَا شَجَرَةُ قُتْنٍ جَوْفِ أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿۱۲﴾ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ﴿۱۳﴾

”ایک درخت ہے جو گہنا ہے جہنم کی تہہ میں اس کے ٹکڑے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔“

۱۲۔ اصل الجحیم سے مراد جہنم کی گہرائی ہے۔ حسن اور سدی کا یہی قول ہے اور اس درخت کی شاخیں جہنم کے درکات تک بلند ہیں (۵) پھل کو طلع کہا جاتا ہے اس کے طلوع و خروج کی وجہ سے۔ ابن عباس فرماتے ہیں شیاطین سے مراد شیاطین ہی ہیں اور کسی چیز کی قباحت اور بد صورتی بیان کرنے کے لئے شیطانوں کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ لوگ جب کسی شے کی انتہائی بد صورتی بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کتنا شیطان اگرچہ شیطان کو کسی نے دیکھا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں ان کی بد صورتی کا تصور موجود ہے (۶) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ شیاطین سے مراد بد شکل بیبت ناک سانپ ہیں جن کی کانٹیاں ہوتی ہیں ان کی عجیب شکل کی

۱۔ جامع ترمذی، حدیث ۲۵۸۵ (الحدیث) ۲۔ الدر المنثور، جلد ۵ صفحہ ۵۲۲ (الحدیث) ۳۔ تفسیر بنوئی، جلد ۴، صفحہ ۵۶۲ (الحدیث)

۴۔ الدر المنثور، جلد ۵ صفحہ ۵۲۲ (الحدیث) ۵۔ تفسیر بنوئی، جلد ۴، صفحہ ۵۶۳ (الحدیث) ۶۔ تفسیر بنوئی، جلد ۴، صفحہ ۵۶۳ (الحدیث)

وہ سے انہیں شیطاں میں کہا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ ایک بد شکل کڑوا اور بدبودار درخت ہے جو درہی علاقوں میں پیدا ہوتا ہے اس کو عرب رُءُؤُسُ الشَّیْطَانِ کہتے ہیں۔

فَاَكْلُهُمْ لَا يَكُونُ مِنْهَا قَسَاوُنٌ وَمِنْهَا الْبَطُونُ ۝

”پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اس سے اور بھر میں گے اس سے اپنے پیٹ ل۔“

۱۔ منہا کی ضمیر کا مرجع شجرۃ (درخت) ہے یا طلع ہے۔ فاء سمیت کے لئے ہے۔ یہ اس درخت کے قندہ ہونے کی علت بیان ہو رہی ہے۔ بھوک کے غلبہ کی وجہ سے ضرور کھائیں گے انہیں اس کے کھانے پر مجبور کیا جائے گا۔ ملاء کا معنی برتن کو اس طرح بھرنا ہے کہ اس میں مزید لگنا مشکل نہ ہو۔

ثُمَّ اِنْ لَّهُمْ عَلَيْهِمْ لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ۝

”پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھوتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔“

۱۔ یعنی پیٹ بھر کر زقوم کھانے اور سخت پیاس لگنے کے بعد انہیں کھوتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ شم کا لفظ انتہائی ناگواری کی حالت میں ان کے پینے کو بیان کرنے کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ شوباً کا معنی غلط ملط کرنا اور ملانا ہے۔ من حمیم شونا کے متعلق ہے۔ حمیم انتہائی گرم پانی کو کہتے ہیں، یعنی وہ کھوتا ہوا پانی ہیں گے تو وہ ان کے پیٹوں میں زقوم سے مل جائے گا۔

ثُمَّ اِنْ مَرَّجَهُمْ لَا اِلَى الْجَحِيمِ ۝

”پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جہیم کی طرف ل۔“

۱۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں وہ بد بخت یہاں سے اونٹ کی طرح کھولتے ہوئے پانی کی طرف چلیں گے۔ یہ جہیم یعنی کھولتے ہوئے پانی کا تالاب جہیم سے جدا ہوگا۔ وہ پانی پینے کے بعد پھر انہیں جہیم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اس توجہ کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی کرتا ہے يَتَذَكَّرُونَ لِيُبَيِّنَ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ الْكَافِرَةِ ۝ (ترجمہ) وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جواز حد گرم ہوگا (1) ابن مسعود نے اس آیت کو اِنْ مَرَّجَهُمْ لَا اِلَى الْجَحِيمِ پڑھا ہے۔

اِنَّهُمْ اَلْقَوْا اَبَاءَهُمْ صَالِحِينَ ۝ فَهُمْ عَلَىٰ اُشْرِهِمْ بِئِهَا عَوْنٌ ۝

”انہوں نے پایا تھا اپنے باپ دادا کو گمراہ۔ پس وہ (بے سوچے سمجھے) ان کے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں ل۔“

۱۔ یعنی وہ اس سزا اس کے لئے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے گمراہ آباء و اجداد کی اندھی تقلید کی تھی۔ اپنی عقل اور اپنی ذہنی صلاحیتوں سے کام نہیں لیا تھا۔ یہ جملہ مذکورہ بالا سزا کی علت بیان کر رہا ہے۔

وَلَقَدْ صَلَّٰ عَلَيْهِمْ اَكْثَرُ الْاُولٰٓئِیْنَ ۝

”اور بھگ گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ ل۔“

۱۔ اس کا عطف انہم الفوا پر ہے۔ فہم میں ضمیر کا مرجع مشرکین مکہ ہیں اور الاولین سے مراد گذشتہ قومیں ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُّذُنِّرِينَ ۝۱

”اور ہم نے بھیجے تھے ان میں ڈرانے والے۔“

۱۔ یعنی ہم نے انبیاء کرام کو بھیجا تھا جو انہیں گمراہی کے برے انجام سے ڈراتے تھے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَكْبِرِينَ ۝۲

”پس (اے مخاطب!) ذرا دیکھ کر اس انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا۔“

۲۔ استغناء تعجب اور استعظام کے لئے ہے۔ جملہ استغناء مہم مفرود کی تاویل میں ہو کر انظر کا مفعول ہے۔ اس سے مقصود استغناء نہیں مگر یقینی خیر دینا مقصود ہے کہ منکر اور نافرمان قوم کا انجام دنیا و آخرت میں عذاب ہے۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝۳

” (مگر وہ نہ سنبھلے) سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے۔“

۳۔ سابقہ جملہ کے مضمون سے یہ استثناء ہے، یعنی وہ نہ سمجھے مگر اللہ کے مخلص بندے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات اور سید پرے فائدہ اٹھاتے رہے۔ انہوں نے خالص دین کو اللہ کے لئے اپنایا اور وہ عذاب سے نجات پا گئے۔ مخلصین کو لام کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، یعنی جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے دین کو خالص فرمایا۔ یہ خطاب (انظر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد قوم ہے کیونکہ انہوں نے بھی پہلی قوموں کے واقعات سن رکھے تھے اور ان کی اجڑی ہڈیوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا نُوحَ قَلْبَهُمُ الْحُجُبُونَ ۝۴

”اور (فریاد کرتے ہوئے) پکارا ہمیں نوح نے ہم بہترین فریادرس ہیں۔“

۴۔ یہاں سے اجمال کے بعد تفصیل کے ساتھ گزشتہ قوموں کے واقعات کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ اس کا عطف ولقد ارسالنا پر ہے۔ اور یہ عام کے بعد خاص کے ذکر کرنے کے قبیل سے ہے، یعنی اسے محبوب ان مشرکین مکہ سے پہلے قوم نوح بھی گمراہی کی دلدل میں گری تھی پھر ان میں ہم نے نوح علیہ السلام کو بطور نذیر (ڈرانے والا) بھیجا تھا۔ اس نے انہیں پوری دلسوزی اور شفقت بھرے انداز میں اسلام کی طرف دعوت دی تھی لیکن وہ ایمان نہ لائے تھے حتیٰ کہ نوح علیہ السلام ان کے اسلام قبول کرنے سے ناامید ہو گئے تھے۔ پھر نوح علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا بجز ان کے جو ایمان لا چکے ہیں تو نوح علیہ السلام نے ہم سے دعا کی کہ اس بد بخت قوم کو ہلاک کر دے۔ ہم نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور ہم بہت بھتر اپنے بندوں کی فریادوں کو قبول کرنے والے ہیں۔ اس جملہ میں کلام مخدوف کر دی گئی ہے کیونکہ مابعد کلام مخدوف کلام پر دلالت کر رہی ہے۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝۵

”اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے گھرانے کو ایسی مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی۔“

۵۔ اس کلام کا عطف فاجبنا مقدر پر ہے۔ اور الکرب العظیم سے مراد وہ تکلیف ہے جو آپ کی قوم آپ کو پہنچائی تھی۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ الْيَقِينِ ۝۶

”اور ہم نے بنادیا فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا۔“

۱۔ یعنی نوح علیہ السلام کی قوم میں سے کسی کی اولاد باقی نہیں رہی تھی صرف نوح علیہ السلام کی اولاد باقی بچی تھی۔

ترجمہ وغیرہ نے سمرہ کے حوالہ سے وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمْ الْبَاقِينَ کے ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ (نوح علیہ السلام کے تین بیٹے) حام سام اور یافث باقی رہے تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سام ابو العرب (عربوں کے باپ) ہیں۔ حام ابو الحشیش (حشیوں کے باپ) ہیں اور یافث ابو الروم (رومیوں کے باپ) ہیں (۱) ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو جتنے آپ کے ساتھ مرد اور عورتیں تھیں سب مر گئے، صرف آپ کی اولاد اور آپ کی ازواج باقی رہ گئیں تھیں (۲)۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان میں روئے زمین پر رہنے والے تمام لوگ غرق ہو گئے تھے۔ صرف آپ کے پیروکار بچے تھے جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے پھر جب کشتی سے اترے تھے تو سوائے آپ کی اولاد کے اور کوئی دوسرا نہیں بچا تھا اور قیامت تک نسل در نسل تمام لوگ آپ کی نسل سے ہوں گے۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کے تین بیٹے سام سام اور یافث۔ سام عربوں، رومیوں اور فارسیوں کا جد اعلیٰ ہے۔ حام سوڈانیوں کا جد اعلیٰ ہے اور یافث ترکوں، خوز اور یاجوج ماجوج کے مشرقی علاقوں کے لوگوں کا جد اعلیٰ ہے (۳)۔

میں کہتا ہوں میرے نزدیک نوح علیہ السلام تمام لوگوں کی طرف مبعوث نہیں کئے گئے تھے کیونکہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہونا ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ حضرت نوح صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے۔ جب آپ کی قوم ایمان نہ لائی تو آپ نے ان کی ہلاکت کے لئے دعا فرمائی پھر ان پر طوفان آیا اور سارے منکر غرق ہو گئے۔ آیت میں لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ عَلَى الْاَنْفُسِ هِيَ الْكَافِرِينَ دِيَانًا ۝ میں الارض سے مراد مخصوص خطہ زمین ہے جس کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا تھا اور آیت میں حصر اضافی ہے، یعنی ہم نے آپ کی قوم سے سوائے آپ کی اولاد کے کوئی باقی نہیں چھوڑا۔

وَسَرَّكُنَّا عَلَيْكَ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلَّمَ عَلَىٰ نُوْحٍ فِي الْعُلُوْٰۤیْنَ ۝

”اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔“

۱۔ آخرین سے مراد آنے والی قومیں اور اشیا ہیں یعنی آنے والی قومیں آپ پر سلام پیش کرتی ہیں گی اور وہ سَلَّمَ عَلَىٰ نُوْحٍ فِي الْعُلُوْۤیْنَ کہتی رہیں گی۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہے اور تو کھٹکا مفعول محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہو گی نُوْحُنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْبَذَخُ الْحَبِيْلُ۔ یعنی آپ کی تعریف اور ثنا خوانی کو تمام جہانوں میں چھوڑا۔ فی الْعُلُوْۤیْنَ ’عالیہ‘ ظرف مستقر کے تعلق ہے۔

اِنَّا كُنَّا لَنَعْرِضُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

”ہم اسی طرح بدلیتے ہیں محسنین کو۔“

۱۔ یعنی ہم ہر محسن کو اسی طرح بہتر جزاء دیتے ہیں یا یہ معنی کہ جو جزاء ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی شہرت اور نیک نامی کو باقی رکھ کر دی

اور اپنی طرف سے سلام بھیجی اسی طرح کی جزاء ہم ہر محسن کو دیتے ہیں۔

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۱﴾

”بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔“

۱۔ یعنی ہم نے نوح کو یہ سرفرازی اور عزت ان کے ایمان اور احسان کی وجہ بخشی ہے۔ اس آیت میں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے صالحین اور نیکو کار لوگوں کے لئے بشارت ہے۔

ثُمَّ أَعْرَفْنَا الْأَخْرِيْنَ ﴿۵۲﴾

”پھر ہم نے فرق کر دیا دوسرے لوگوں کو۔“

۱۔ یعنی جو نیک اور احسان کرنے والے نہیں تھے ان کو ہم نے فرق کر دیا۔ اس کا عطف نجسنا پر ہے۔

وَأَنَّ مِنْ شَيْعَتِهِمُ الْبَاطِلِ ﴿۵۳﴾

”اور ان کی جماعت میں سے ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔“

۱۔ اس کا عطف انہ من عبادنا المؤمنین پر ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جو ایمان اور اصول دین میں یا تمام فروغ میں یا اکثر فروغ میں نوح علیہ السلام کے پیروکار تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کی مدت ہے۔ ان کے درمیان حضرت ہود اور صالح علیہما السلام بھی تشریف لائے تھے۔

إِذْ جَاءَ رَبُّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿۵۴﴾

”جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔“

۱۔ ظرف یا توسیعت میں جو مشائخہ کا معنی ہے اس کے متعلق ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آنے کے وقت حضرت نوح کی اتباع و پیروی کی یا ظرف محدود فعل اذ سکر کے متعلق ہے۔ قلب سلیم سے مراد وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر دوسری ذات سے محبت کرنے اور تعلق رکھنے سے محفوظ اور سلامت ہو اور آپ کے قلب سلیم کی شہادت آپ کا اپنے تحت جگر کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں ذبح کرتا ہے۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿۵۵﴾

”جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو۔“

۱۔ یہ ظرف یا توسیعت اذ سے بدل ہے یا جاء یا سلیم کی طرف ہے اور اس آیت میں استفہام پتھروں کی صورتوں کی عبادت کرنے پر توجہ کے لئے ہے (یعنی کچھ سوچنا چاہئے کہ تم کس کی عبادت کر رہے ہو)

أَفَبِكُلِّ إِلَهٍ اللَّهُ يَسْتَفِيدُونَ ﴿۵۶﴾

”کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو۔“

۱۔ یہ استفہام بھی توجہ کے لئے ہے اللہ، تُوَيْدُونَ کا مفعول ہے اور دُونَ اللہ، اللہ کی عفت ہے۔ افکا مفعول لہ ہے۔ اس کی اہمیت

کی خاطر اس کو مقدم کیا گیا ہے۔ اسی طرح مفعول یہ کو بھی اہمیت کے پیش نظر پہلے ذکر کیا گیا ہے، یعنی ان کا سارا عقیدہ جھوٹ اور باطل پر مبنی ہے (اس میں حقیقت نام کی کوئی چیز نہیں) یہ ترکیب بھی ہو سکتی ہے کہ افکا مفعول پہ ہو اور الہۃ اس کا بدل ہو، یعنی جو ان کو خدا بناتا ہے اس کے جھوٹ میں مبالغہ بیان کرنے کے لئے الہہ کو ہی جھوٹ کہہ دیا۔ یہ ترکیب بھی ممکن ہے کہ افکا آفکین کے معنی میں حال ہو۔

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

”پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں اے۔“

۱۔ یعنی وہ ذات جو واقعی تمام جہانوں کو آہستہ آہستہ مرتبہ کمال تک پہنچانے والی ہے تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے کہ تم نے اس کی عبادت ترک کر دی ہے یا تم نے غیروں کو اس کا شریک بنالیا ہے۔ کیا تم اہل کے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہو، یعنی کوئی قطعی دلیل تو درکنار کوئی قطعی دلیل بھی تمہارے پاس ایسی نہیں جو تمہیں اس ذات کی عبادت سے روکے یا شریک کے جواز کا سہارا بنے یا اس کے عذاب سے بے خوف اور مامون ہونے کا تقاضا کرتی ہو۔ ان تینوں نقاد پر الزام حاصل ہوتا ہے اور کلام ختم ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا باطل ہے اور سفید جھوٹ ہے۔

فَقَضَرُ ظُنُّكَ فِي الشُّجُورِ ۝

”سو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف اے۔“

۱۔ نظرو کا عطف قال پر ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کے مقامات کو دیکھا اور ان کے ملنے کو دیکھا یا علم نجوم یا ستاروں کی کتاب کو دیکھا۔ یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ علم نجوم اور اس کا سیکھنا سکھانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں اس کا سیکھنا اور سکھانا منسوخ ہو گیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے جادو سے کوئی شعبہ لیا اس نے زانہ کر لیا جو زانہ کر لیا (۱)۔ اس حدیث کو امام احمد ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ رزین نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے جو نبی کا بہن سے زانہ ہے اور کا بہن جادوگر ہے اور جادوگر کا فر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں افراد کفر میں برابر ہیں اور یہ تو جہ کہ نبی کا بھی جائز ہے کہ ستاروں کے علم میں غور و خوض اس وقت حرام ہوتا ہے جب حادثات زمانہ کو ستاروں کی طرف منسوب کیا جائے (یعنی یہ کہا جائے کہ فلان ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی وغیرہ) لیکن جب تمام حادثات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو تسلیم کیا جائے اور ستاروں کے ادھر ادھر ہونے کو علامات سمجھا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت مطہرہ ہے کہ ان ستاروں کے اتصال پر بعض اشیاء کی تخلیق فرماتا ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ دواء پینے کے بعد شفا عطا فرمادیتا ہے۔ زہر استعمال کرنے کے بعد موت دے دیتا ہے اور جب کوئی کسی کام کا زمزمہ کرے تو اس کام کو پیدا فرمادیتا ہے۔ اگر یہ نظریہ ہو تو پھر علم نجوم میں غور و فکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستاروں کے علم کے حصول سے اس لئے منع فرمایا ہوتا کہ لوگ حادثات زمانہ کو ستاروں کی طرف منسوب نہ کریں۔ زید بن خالد الجعفی سے مروی ہے فرماتے ہیں رات کے وقت بارش کے بعد صلح حدیبیہ کے مقام پر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم توجہ نہ دے اور ارشاد فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا رب کیا فرماتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے صبح کے وقت میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں اور کچھ میرا انکار کرنے والے ہوتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ ہم پر بارش اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہوئی وہ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور ستاروں کا انکار کرنے والے ہیں اور جنہو کہتے ہیں ہم پر بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی وہ میرا انکار کرنے والے اور ستاروں پر ایمان رکھنے والے ہیں (بخاری و مسلم) (۱)۔
حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ آسمان سے برکت (بارش) نازل نہیں فرماتا مگر صبح کے وقت کچھ لوگ اس بارش کی وجہ سے کافر ہوتے ہیں۔ بارش ہوتی ہے تو لوگ کہتے ہیں فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی۔ اس حدیث کو مسلم نے ذکر کیا ہے۔ حضرت امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المعتقد من المضلل میں لکھا ہے کہ علم طب اور علم نجوم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی پراستارے پھر یہ دونوں علم کفار کے ہتھے چڑھ گئے۔ نجوم بھی علم طب کی طرح خلقی فائدہ دیتا ہے اور اس کی دلیل نجومیوں کا فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خبر دینا اور ان کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت و اقتدار کے خاتمہ کا بتانا ہے۔

امام بخاری نے صبح میں اپنی سند کے ساتھ زہری سے روایت کیا ہے کہ ابن الناطور شام کے نصرانیوں کا پادری تھا۔ اس نے بتایا کہ ہر قل ایک دن صبح کے وقت ایلیا آیا تو پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس سے کسی ہمارے وجہ پوچھی جناب کی حالت کچھ غیری نظر آ رہی؟ (ابن الناطور کہتا ہے کہ ہر قل کا بن تھا اور ستاروں سے امور کا اندازہ لگاتا تھا) ہر قل نے بتایا کہ آج رات جب میں نے ستاروں کی کیفیت پر غور فکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے کا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے۔ مجھے بتاؤ اس امت میں ختنہ کون لوگ کرتے ہیں؟ اس نے اپنے حواریوں کو بتایا کہ صرف یہود ختنہ کرتے ہیں۔ ان سے تو آپ پریشان نہ ہوں اور تم اپنے ملک کے شہروں میں یہ حکم نامہ روانہ کر دو کہ ہر یہودی کو قتل کر دو۔ یہ باہمی مشورہ ہو رہا تھا کہ غسان کے گورنر کی طرف سے ایک شخص ہر قل کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خبر لے آیا جب ہر قل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پہنچی تو اس نے اپنے کارداروں کو حکم دیا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ کیا وہ ختنوں پیدا ہوئے ہیں یا نہیں۔ وہ تحقیق کر کے واپس آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ ختنوں پیدا ہوئے ہیں پھر اس نے عربوں کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ ختنہ کرتے ہیں ہر قل نے کہا اس امت کا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے پھر ہر قل نے اپنے ایک دوست کو یہ تحقیق کے لئے خط لکھا جو اس کی طرح علم نجوم کا ماہر تھا۔ خود ہر قل حمص چلا گیا۔ کچھ وقت کے بعد دوست کا خط ہر قل کو پہنچا۔ اس میں ہر قل کی رائے کی موافقت تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں اور وہ نبی ہیں (۲)۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں زہری کی یہ روایت ابن الناطور سے متصل ہے مطبق نہیں ہے۔ ابو نعیم نے دلائل النبوة میں بیان کیا ہے کہ زہری نے بتایا کہ میں نے عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ابن الناطور سے دمشق میں ملاقات کی تھی اور میرا خیال ہے کہ زہری نے ان سے یہ حدیث ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد لی ہے۔ یہ حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ علم نجوم سے بھی کچھ نہ کچھ علم کا فائدہ ملتا ہے لیکن اس علم میں مشغولیت عقائد کے فساد کا موجب بنتی ہے اور وہ یہ کہ لوگ حادثات زمانہ کو ستاروں کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں۔ دوسرا اس کی مشغولیت میں وقت کے قیمتی سرمایہ کا نقصان ہے کیونکہ اس علم میں کوئی دینی منفعت نہیں ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم میں مشغول ہونے سے منع فرمایا ہے۔ دین نبوی میں علم نجوم میں اشتغال جائز تھا اور نہ علماء نصاریٰ اس میں سر نہ کھپاتے۔ جو علماء فرماتے ہیں کہ علم نجوم باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ستاروں کی طرف دیکھنے کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول بطور شبہ اور ابہام تھا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم علم نجوم کا سہارا لیتی تھی تو آپ نے

ان کے انداز میں یہ معاملہ اختیار فرمایا تاکہ وہ میری بات کا رد اور انکار نہ کر سکیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کے خلاف ایک سازش کرنے کا رد اور فرمایا تھا تاکہ ان پر دلیل اور حجت قائم ہو جائے کہ یہ پتھر مورتیاں عبادت کے لائق نہیں ہیں دوسرے دن آپ کی قوم کا اجتماع اور عید تھی اور ان کا معمول یہ تھا کہ وہ بتوں کے پاس جاتے اور ان کے لئے دسترخوان بچھاتے اور ان کے سامنے عید منانے سے پہلے رنگارنگ کھانے رکھ جاتے اور اس عمل کو وہ تبرک سمجھتے تھے پھر جب عید کا پروگرام مکمل کر کے واپس آتے تو وہ کھانے خود کھا جاتے۔ عید کے اس موقع پر انہوں نے حضرت ابراہیم کو کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کل عید کے پروگرام میں شامل ہوں تو حضرت ابراہیم نے ساروں کی طرف دیکھا (۱)۔

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ①

”پھر کہا میری طبیعت ناساز ہے۔“

۱۔ ابن عباس فرماتے ہیں آپ نے فرمایا میں مضعون ہوں (یعنی مجھے طاعون کا مرض ہے) اور وہ لوگ طاعون کے مرض سے بہت دور بھاگتے تھے۔ حسن نے سقیم کا معنی مریض کیا ہے۔ متاعل نے اس کا معنی درد کا ہے (۲) صحیحین میں حضرت ابراہیمؑ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مواقع پر قرعہ پڑھ دیا۔ دوسرے مرتبہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق فرمایا اسی سقیم میں مریش ہوں بل فعلہ کبیر ہم (۳) اور تیسرا موقع وہ ہے جب آپ نے اپنی بیوی سارہ کو اپنی بہن کہا تھا۔ یہ حدیث تفصیل سے سورہ انبیاء میں گزر چکی ہے۔ حدیث کے الفاظ میں ہے کذبات جس کا معنی جھوٹ ہے لیکن یہاں جھوٹ مراد نہیں بلکہ تو یہ اور قرعہ پڑھ مراد ہے (تو یہ کبیر مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک کلام کے دو مفہوم ہوتے ہیں مخاطب ایک مفہوم سمجھ رہا ہوتا ہے، جب کہ شکم کی مراد دوسرا مفہوم ہوتا ہے)

غصہ کہ نے اسی سقیم کا معنی سقم (یعنی میں بیمار ہوں گا) لکھا ہے (۴) بعض علماء اس کی یہ تاویل فرماتے ہیں کہ جس شخص کی گردن میں موت کا طوق ہمیشہ موجود ہو وہ بیمار ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایک شخص اچانک مر گیا تھا تو لوگوں نے کہا وہ تو صحیح سلامت تھا اور مر گیا ایک اعرابی وہاں موجود تھا اس نے کہا جس کی گردن میں موت کا طوق ہو، کیا وہ صحیح سلامت ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے فکر کی وجہ سے میری طبیعت ناساز ہے۔ بل فعلہ کبیر ہم کی تاویلات ہم نے سورہ انبیاء میں ذکر کر دی ہیں۔

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ①

”چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر (میلہ دیکھنے) چلے گئے۔“

۱۔ جب وہ میلہ اور عید منانے چلے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بت خانہ میں داخل ہوئے اور ان کے بتوں کی خوب درگت بنائی جیسا کہ آئندہ آیات سے واضح ہوتا ہے۔

فَرَاغَ إِلَى إِلَهِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ②

”پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا کیا تم (یہ مٹھائیاں) نہیں کھاؤ گے۔“

2- تفسیر بنوی، جلد 4، صفحہ 565 (القر)

4- تفسیر بنوی، جلد 4، صفحہ 565 (القر)

1- تفسیر بنوی، جلد 4، صفحہ 565 (القر)

3- صحیح بخاری، حدیث: 3179 (ابن اثیر)

۱۔ داغ یا روع الثعلب سے مشتق ہے جس کا معنی لومڑی کا چالاک یا مظاہرہ کرنا ہے۔ اس کا اصل معنی کسی تدبیر اور جیلہ کے ساتھ میل کرنا ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں راغ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کسی کا آجانا پوشیدہ اور مخفی ہو (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استغناء فرمایا یہ کھانا جو تھارے سامنے دھرا ہے اسے تم نہیں کھاؤ گے۔

مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ﴿۱۱﴾

”تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولنے لگے بھی نہیں۔“

۱۔ یعنی ہمیری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ یہ جملہ حال ہے اور اس کا عامل مالکم میں فعل کا معنی ہے۔

قَرَأَ عَلَيْهِمْ هُزْءًا مِّنَ الْكِتَابِ ﴿۱۲﴾

”پھر پوری قوت سے نرب لگائی ان پر داغے ہاتھ سے۔“

۱۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے ان کے بتوں کے پاس گئے۔ داغ کا اصل معنی استعمال فرمایا تاکہ استعلاء اور غلبہ پر دلالت کرے، یعنی ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں پر غالب آگئے یا اس چیز کے اظہار کے لئے ہے کہ مغفول ناپسندیدہ تھا۔ صوباً مصدریت کی بناء پر منصوب ہے کیونکہ داغ بمعنی ضرب ہے یا فعل محذوف ضرب کی وجہ سے منصوب ہے۔ الیمن سے مراد دایاں ہاتھ ہے کیونکہ وہ زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں الیمن سے مراد قسم ہے جس کا ذکر پہلے تاتیلو لا یخید فی اَصَاتِهِمْ بَعْدَ اَنْ یُّكُوْا مُذْ یَبُیْنُ ﴿۱۰﴾ کے الفاظ میں ہو چکا ہے۔

فَاَقْبَلُوْا اِلَیْهِ یٰۤرَٰحُوْنَ ﴿۱۳﴾

”(رنگ رالیاں منانے کے بعد) آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے۔“

۱۔ جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم اپنا جشن منانے کے بعد واپس آئی تو دیکھا کہ بت کو نے پڑے ہیں آپس میں بحث کرنے لگے کہ مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِالْهٰتِیْنِ اِنَّهُ لَکُوْنُ الظَّالِمِیْنَ ﴿۱۰﴾ ہمارے ان خداؤں کا یہ قابل دید مشرکس نے کیا ہے بڑا خالیم ہے؟ جس نے ہمارے بتوں کی ایسی تذلیل کی ہے۔ سب نے یہی گمان کیا کہ سُبْحٰنَ اَقْبٰی یٰۤیُّ کُؤْمُہُمْ یُّقَالُ لَکَ اٰیٰتُہُمْ ﴿۱۱﴾ کہ ایک فوجوان ابراہیم کے متعلق سنتے ہیں کہ وہی ان کا ویری اور دشمن ہے۔ اسی نے یہ سب کچھ کیا ہوگا، تیزی سے دوڑتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے۔ اعمش اور حمزہ نے یزوفون کو یاء کے ضم کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ دونوں لغتیں ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں یزوفون یاء کے ضم کے ساتھ معنی ایک دوسرے کو جلدی دوڑنے پر براعت کرنا ہے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَتَّبِعُونَ ﴿۱۴﴾

”آپ نے فرمایا کیا تم بوجے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو۔“

۱۔ قَالَ کا فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور استفہام انکار اور توہین کے لئے ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم ان بتوں کو پوجتے ہو جنہیں تم خود پتھروں سے تراشتے اور گھڑتے ہو۔ تمہیں ان بے جان مورتیوں کے سامنے سر جھکاتے اور آداب بندگی بجالاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۱﴾

”حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو۔“

۱۔ یہ جملہ تعبدوں کے فاعل سے حال ہے۔ حال کے ساتھ تہقید انکار کے بعد دوبارہ انکار کے اظہار کے لئے ہے۔ ظاہر کلام کا تقاضا یہ ہے کہ ماحصہ یہ ہے، یعنی حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے اعمال کو بھی پیدا فرمایا پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنے خالق کی عبادت ترک کر کے ان مورتیوں کی عبادت کرتے ہو جن کو تمہاری ترش خراش کی احتیاج ہے۔ یہ آیت کریمہ ہمارے نظریہ کی بین دلیل ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں یہ ماحصولہ ہے اور وہ اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا اور جو تم بت گھڑتے ہو ان کو بھی اس نے پیدا فرمایا اور بتوں کو پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف اس لئے فرمائی کیونکہ ان کے جواہر کی تخلیق اللہ کی طرف ہے اگرچہ مخصوص شکل ان مشرکوں کے ہاتھوں کی تیار کردہ ہے۔ اسی وجہ سے شکل کی نسبت ان کی طرف کی۔ لیکن اس طرح شکل بنانے پر قدرت بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے لہذا ان کا مواد اور اسباب بھی جن پر ان بتوں کی تخلیق موقوف ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے یا ماحصہ یہ ہے اور عمل بمعنی معمول ہے تاکہ مانتہتحتوں کے ساتھ مطابقت کر جائے۔ ہمارے نزدیک پہلی توجیہ یہی بہتر ہے کیونکہ دوسری دو تاویلیں حذف اور مجاز کی مقتضی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کا معمول (کام) صرف شکل بنانا ہے، اعنایام کا جوہر تیار کرنا نہیں ہے اور آخری دو تاویلیں کی صورت میں بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ شکل بھی اللہ کی مخلوق ہے بندہ صرف کاسب ہے (المسند (اشاعرہ) کا عقیدہ یہ ہے کہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ کاسب ہے، جب کہ معتزلہ کا نظریہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے)

قَالُوا اَيْنَا لَهٗ بَنِيَّانَا فَاَلْقَوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۱۲﴾

”انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا بتاؤ اس کے لئے وسیع آسٹلکہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں ۱۔“

۱۔ جب مشرک دلائل کے ساتھ بات کرنے اور آپ کی حقائق آئیز باتوں کا جواب دینے سے عاجز آ گئے تو کہنے لگے اسے بھڑکتی آگ میں پھینک دو۔ جحیم کا معنی بھڑکتی آگ ہے اور جحیم پر الف لام اضافت کا بدل ہے (یعنی جحیم ذالک البیان) یہ جملہ چند متوقف جملوں پر معطوف ہے جو ایک دوسرے پر معطوف ہیں۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی فَاَلْقَوْهُ سَطَطًا وَاَضْرَبُوْهُ بِالْاَنۡدَادِ فَاِذَا اَنْفَبَ اَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ، یعنی پہلے اس چار دیواری کو لکڑیوں سے بھرو پھر اس میں آگ جلاؤ۔ جب آگ خوب بھڑک جائے تو پھر ابراہیم کو اس میں ڈال دو۔ مقال فرماتے ہیں انہوں نے پتھروں سے ایک چار دیواری بنائی تھی جس کی بندی تیس ہاتھ اور چوڑائی تیس ہاتھ تھی۔ پہلے انہوں نے اسے لکڑیوں سے بھرا اور پھر اس میں آگ لگا دی (۱)۔

فَاَسَاۤءُ اٰدَآءِہٖمۡ کَیۡدًا فَاَجَعَلۡنَہُمۡ اِلٰہًا سَقۡلِیۡنَ ﴿۱۳﴾

”انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ لڑ کر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا ۱۔“

۱۔ یہ کی خیمہ کا مخرج ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ کید کا معنی شر اور سازش ہے۔ انہوں نے آپ کو جلائے کا منصوبہ اس لئے تیار کیا تاکہ عوام الناس پر یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ وہ مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنے خداؤں کا قلع کرنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کے

ہاتھ اور پاؤں باندھ کر آگ میں پھینک دیا لیکن ہم نے ان کے اس مکروہ عمل کو باطل کر دیا اور ابراہیم کو اپنی شان علوی پر ایک واضح دلیل بنادیا۔ آگ کو ابراہیم پر ٹھنڈا اور سلامتی والا بنادیا۔ آگ نے آپ کا بال بھی نہ جلا یا لیکن قدرت کا کرشمہ کہ جس ری سے آپ کو جکڑ کر باندھ دیا گیا تھا وہ جل گئی۔ یہ واقعہ جابر و ظالم نمرود کے زمانہ میں ہابیل کی زمین پر ہوا تھا۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيِّئِينَ ۝۱۱

”اور آپ نے کہا میں جارہا ہوں اپنے رب کی طرف وہ میری راہنمائی فرمائے گا۔“

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ سے بچنے و سلامت باہر تشریف لائے اور مشرک اتنا بڑا مجروح و کچھ کر بھی ایمان نہ لائے تو آپ نے فرمایا میں تمہارے وارث لکھ کر چھوڑ جا رہا ہوں اور میں ایسی جگہ جارہا ہوں یہاں میں سکون اور دلچسپی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ اس آیت کا عطف فَصَلَّوْهُمْ اِلٰی سَفْلَتِیْنَ کے مفہوم یہ ہے۔ یعنی جب آپ آگ سے سلامتی کے ساتھ باہر تشریف لائے تو فرمایا میں اپنے رب کی طرف جارہا ہوں۔ وہ میری ایسی جگہ راہنمائی فرمائے گا جہاں میرے دین کی صلاح ہوگی یا یہ معنی کہ میں وہاں کا قصد کروں گا جہاں کا میرا رب مجھے حکم فرمائے گا تو آپ شام تشریف لے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے خوف سے ہابیل کی زمین سے حضرت سارہ کو لے کر نکل پڑے اور حضرت سارہ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے جمیل و تکمیل تھیں اور آپ مصر کی حدود سے گزرے، جب کہ مصر کا فرعون اس وقت صاف بن صاف تھا۔ ابن الحلقن نے شرح بخاری میں اس کا نام ثمان بن علوان ذکر کیا ہے جو اہلشاک کا بھائی تھا۔ بعض علماء نے اس کا نام عمرو بن امراء القیس ذکر کیا ہے۔ اس وقت کے فرعون (مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوتا تھا) نے حضرت ابراہیم سے سارہ کو چھین لیا اور انہیں اپنے محل میں لے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے لئے دیواروں اور پردوں کو انڈے کے پروے کی طرح باریک بنا دیا تاکہ آپ حضرت سارہ کو دیکھتے رہیں اور آپ کا دل مطمئن رہے۔ آپ انتہائی غیر متند شخص تھے۔ جب فرعون نے حضرت سارہ کا ارادہ کیا تو محل میں زلزلہ آ گیا۔ فرعون کو معلوم نہ ہوا کہ یہ زلزلہ حضرت سارہ کی وجہ سے ہے وہ دوسرے محل میں منتقل ہو گیا تو وہ بھی لرزنے لگا۔ وہ تیسرے محل میں چلا گیا تو وہ بھی اسی طرح لرزنے لگا۔ حضرت سارہ نے کہا یہ سب کچھ ابراہیم کی وجہ سے لرز رہا ہے۔ فرعون نے حضرت ابراہیم کو اپنی زوجہ واپس کر دی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب فرعون نے حضرت سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ اس نے حضرت سارہ سے فریاد کی اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت سارہ نے اس کی درخواست کے لئے دعا فرمائی۔ اس کا ہاتھ پہلے کی طرح بالکل ٹھیک ہو گیا۔ فرعون نے دوبارہ آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا پھر وہ مطلوب ہو گیا۔ اس نے دوبارہ آپ سے دعا کی درخواست کی اور وہ کچھ ایسی پھر ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی تو وہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ اس بے حیائے تیسری مرتبہ ہاتھ بڑھایا۔ وہ ہاتھ پھر شل ہو گیا۔ اب اس نے قسم اٹھائی کہ اب اگر ہاتھ ٹھیک ہو گیا تو پھر ہرگز ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی اور ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔

امام احمد نے اپنی سند میں اور امام بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کی معیت میں ایک جابر بادشاہ کے پاس سے گزرے، جب کہ اس بادشاہ کو پہلے خبر دی گئی تھی کہ یہاں ایک آدمی آیا ہے جس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت ہے۔ بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا اور سارہ کے متعلق پوچھا کہ اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟ آپ نے فرمایا وہ میری بہن ہے۔ حضرت ابراہیم نے جواب دے کر کہ جب سارہ کے پاس

تشریف لائے تو فرمایا اے سارہ سلج زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔ اس ظالم بادشاہ نے تیرے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا وہ میری بہن ہے تو میری تکذیب نہ کرنا۔ بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلایا۔ جب آپ بادشاہ کے دربار میں پہنچیں تو اس نے بدینتی سے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ پکڑا گیا۔ بادشاہ نے حضرت سارہ سے دعا کی درخواست کی اور کہا میں تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی تو اس کا ہاتھ درست ہو گیا۔ اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو پہلے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ گرفت میں آ گیا اس نے دوبارہ دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ میں تجھے اب کچھ گزند نہیں پہنچاؤں گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی اس کا ہاتھ درست ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنے درباری کو بلایا اور کہا تو میرے پاس کسی انسان کو نہیں کسی جن کو لایا ہے۔ بادشاہ نے حضرت سارہ کو خدمت کے لئے ایک لوٹری ہاجرہ پیش کی۔ جب حضرت سارہ ہاجرہ کو لے کر حضرت ابراہیم کے پاس پہنچیں تو آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابراہیم نے ہاتھ سے اشارہ سے فرمایا کیا ہوا؟ حضرت سارہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فاجر کے مکر اور سازش کو اس کے سینے میں لوٹا دیا اور اس نے مجھے خدمت کے لئے ہاجرہ لوٹری دی ہے (۱)۔

المواہب اللدنیہ میں ایک روایت ہے کہ جب صادف بادشاہ نے حضرت سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ بندھ گیا تھا پھر اس نے ابراہیم علیہ السلام سے فریاد کی تھی۔ حضرت ابراہیم نے دعا فرمائی تو اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو ہاجرہ پیش کی تھی جو حضرت اسماعیل کی والدہ تھیں اور کہا مجھے سارہ پر گرفت کا کوئی اختیار نہیں۔

ہاجرہ امانتدار خازن اور ہم مجلس تھیں اور بادشاہ نے جب وہ حہ کی تھی تو حضرت ابراہیم یا حضرت سارہ کو مخاطب کر کے کہا اے اجوک یہ تیار راہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو ہاجرہ کہا جاتا ہے پھر حضرت ابراہیم نے سارہ کو خوش کرنے کے لئے یہ خادمہ انہیں عطا فرمادی حضرت سارہ کے بطن سے حضرت ابراہیم کی حضرت اسماعیل کی ولادت سے پہلے کوئی اولاد نہ تھی اور حضرت سارہ اپنے آپ کو عقیم (باجبہ) سمجھتی تھیں۔ حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے کہا ہاجرہ ایک مرغوب عورت ہے میں تجھے حہ کرتی ہوں شاید اس کے بطن سے تیری اولاد ہو جائے پس حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل کی ولادت ہوئی تھی۔ میں کہتا ہوں حضرت اسماعیل کی ولادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے بعد ہوئی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱﴾

”دعا مانگی (میرے رب اعطا فرما دے مجھے ایک نیک بچہ۔“

۱۔ مقاتل فرماتے ہیں جب ابراہیم علیہ السلام ارض مقدس (شام) پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے نیک بچہ کی دعا مانگی (۲)۔

فَبَشِّرْنَاهُ بِعِلْمٍ حَلِيمٍ ﴿۲﴾

”پس ہم نے مردہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔“

۱۔ حلیم سے مراد افس مند اور عقل مند ہے۔ قاموس میں حلیم کا یہی معنی لکھا ہے (۳) اور اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہی صحیح قول ہے۔ ابن عمر کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن مسیب، شعبی، حسن بصری، مجاہد الرقی بن انس محمد بن کعب القرظی اور کلبی کا بھی

یہی قول ہے۔ عن عطاء بن ابی رباح و یوسف بن مالک عن ابن عباس کے سلسلہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جن کا فدیہ دیا گیا تھا وہ اسماعیل تھے۔ واندی اور ابن عباس کرنے عن بن سعید عن ابیہ کے طریق سے روایت کیا ہے کہ سارہ حضرت ابراہیم کے عقد میں تھیں اور طویل عرصہ گزر گیا لیکن اولاد نہ ہوئی جب حضرت سارہ نے دیکھا کہ میرے بطن سے اولاد نہیں ہوتی تو انہوں نے اپنی قبیلہ باندی ہاجرہ حضرت ابراہیم کو کہہ کر دی۔ اسی سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے پس حضرت سارہ اسی وجہ سے ان سے غیرت کرنے لگیں۔ یہ واقعہ تفصیلاً ہم نے سورہ ابراہیم میں ذکر کر دیا ہے پھر ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو لے کر مکہ میں آئے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ ابھی حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی تھیں۔ حضرت ابراہیم نے ان دونوں کو کعبہ کے پاس چھوڑ دیا (بخاری میں اسی طرح ہے) ہم نے بخاری کی یہ حدیث بھی سورہ ابراہیم میں ذکر کی ہے۔ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں وہ بچہ جس کے ذبح کرنے کا حکم حضرت ابراہیم کو دیا گیا تھا وہ حضرت اسحق تھے لیکن یہ قول جھوٹ اور باطل ہے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں محمد بن کعب القرظی نے فرمایا کہ عمر بن عبد العزیز نے ایک شخص سے جو علماء یہود میں سے تھا (بعد میں اسلام قبول کیا تھا) کہ حضرت ابراہیم کو کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟ انہوں نے فرمایا اسماعیل پھر اس شخص نے کہا اے امیر المؤمنین یہودی یہ جانتے تھے لیکن اے معشر قریش! تم پر یہود حسد کرتے تھے کہ تمہارا باپ وہ ہو جس کو ذبح کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور وہ کہتے تھے جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اسحاق بن ابراہیم ہے اور حضرت اسماعیل کے ذبح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بدلے میں ذبح ہونے والے مینڈھے کے سینک کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے اور حضرت اسماعیل کی اولاد کے قبضہ میں تھے اور وہ کعبہ کے بدلے تک لٹکے رہے۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر اور حجاج کے زمانہ میں کعبہ کو آگ لگی تھی تو وہ سینک جل گئے تھے (۱) سعید بن منصور اور بیہقی نے اپنی سنن میں عن امراء من بنی سلیم عن عثمان بن طلحہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے اس مینڈھے کے دونوں سینک کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے (۲) علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت شعبی فرماتے ہیں میں نے وہ دونوں سینک کعبہ کے ساتھ لٹکے ہوئے دیکھے تھے۔ ابن عباس فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اسلام کا ابتدائی دور تھا اور مینڈھے کا سر سینگوں سمیت لٹکا ہوا تھا اور کعبہ کا پرنا لٹک تھا۔ اسمعی کہتے ہیں میں نے ابو عمرو بن العلاء سے پوچھا ذبح اسماعیل تھے یا اسحاق؟ ابو عمرو نے فرمایا اسمعی! تیری عقل کہاں چلی گئی مکہ میں اسحاق کب تھے؟ مکہ میں تو صرف اسماعیل تھے۔ انہوں نے ہی اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر کی تھی (۳) علامہ بغوی فرماتے ہیں دونوں قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں (۴)۔ میں کہتا ہوں علامہ بغوی کا یہ قول اشارہ ہے کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایک قول ثابت نہیں ہے کیونکہ ایک قول کو صحیح تسلیم کرنے سے دوسرے قول کا اعتبار اٹھ جائے گا۔ علامہ بغوی نے جو قول ذکر کیا ہے وہ صحابہ کرام میں سے حضرت عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ کا قول ہے اور تابعین اور تبع تابعین میں سے کعب الاحبارؓ سعید بن جبیرؓ قتادہؓ سروقؓ عکرمہؓ عطاء مقلؓ زہریؓ اور سدیؓ کا قول ہے۔ مگر مراد سعید بن جبیر کی روایت میں ابن عباسؓ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ ذبح حضرت اسحاق ہیں سعید بن جبیر فرماتے ہیں حضرت ابراہیم کو شام میں حضرت اسحاق کو ذبح کرنے کا خواب دکھایا گیا۔ حضرت ابراہیم حضرت اسحاق کو لے کر چلے تو ایک ماہ کی مسافت صبح دو پہر تک چلے کر پی ٹی کے آپ سنی میں قربانی کرنے کی جگہ پہنچ گئے پھر جب اللہ تعالیٰ نے مینڈھے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو آپ نے اسے ذبح کر دیا پھر آپ اسحاق علیہ السلام کو لے کر شام کی طرف واپس چلے۔

دو پہرے شام تک ایک مہینہ کی مسافت طے کر لی اللہ تعالیٰ نے وادیوں اور پہاڑوں کو آپ کے لئے لپیٹ دیا (۱) شاید جن لوگوں نے حضرت اسحاق کے ذبح ہونے کا قول کیا ہے انہوں نے یہودی روایات پر اعتماد کیا ہے۔

حضرت اسماعیل کے ذبح ہونے کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ شام کی طرف ہجرت کرنے کے بعد پیدا ہونے والے حضرت اسماعیل تھے اور اللہ تعالیٰ نے قَبْضَهُنَّ بِطُحْمٍ حَلِيمٍ کا عطف وقال انی ذاهب الی ربی سہلین پر فاء کے ذریعے فرمایا ہے جو بلا تاخیر کسی کام کے یکے بعد دیگرے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہے، جب کہ حضرت اسحاق علیہ السلام تاخیر کے ساتھ بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے تھے اور جس کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ شخصیت تھے جن کی بشارت دی گئی تھی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت اس کے بعد اس بچہ کی بشارت پر معطوف ہے تو عطف کے تقاضا کے مطابق یقیناً دوسری بشارت پہلی بشارت سے مختلف ہوگی۔ یہ نہ کہا جائے کہ جو بشارت اس معطوف کے بعد ہے وہ اسحاق علیہ السلام کی نبوت کی بشارت ہے، ولادت کی بشارت نہیں ہے جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی بشارت دو مرتبہ دی گئی۔ ایک مرتبہ ولادت کی اور دوسری مرتبہ ان کی نبوت کی۔ یہ کہنا اس لئے صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت کریمہ کے ظاہر کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَبَشِّرْنَاهُ بِاسْتِخْلَافِ ابْنِ الصَّالِحِينَ (یعنی ہم نے انہیں نفس اسحق کی بشارت دی، جب کہ ان کے نبی ہونے اور ان کے صالح ہونے کا بھی فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے اسحاق کی نبوت اور ان کی صلاح کی بشارت دی اور کلام کو بلا ضرورت ظاہر سے پھیرنا جائز نہیں ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جب اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی گئی تو ساتھ ہی یعقوب علیہ السلام کی بھی بشارت سنائی گئی جو حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قَبْضَهُنَّ بِاسْتِخْلَافِ ابْنِ الصَّالِحِينَ وَوَعَدَآءُ اسْتِخْلَافِ ابْنِ الصَّالِحِينَ (یعنی ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی اور اسحق کے پیچھے یعقوب کی) تو یہ تصور ہو ہی نہیں سکتا کہ یعقوب علیہ السلام کی ولادت سے پہلے حضرت اسحاق کے قریب ابلوغ ہونے کی عمر میں ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔

فَلَمَّا بَدَعُمْ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنِيْ اِيَّيْ اَسْمٰى فِى السَّمَاوٰى اَذْبَحُكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ
يَا بَتِ افْعَلْ مَا تَوْمَرُ سَجَدَ فِىْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصِّدِّيقِ ⑤

”اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑھوپ کر سکے! آپ نے فرمایا اسے میرے پیارے فرزند! میں نے

دیکھا ہے خواب میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں! اب بتا تیری کیا رائے ہے اس عرش کیا میرے پدر بزرگوار! کر ڈالنے جو

آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے“

اس کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے۔ تقدیر کا اس طرح ہے فَوَلَدَ لَهُ الْغُلَامُ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ یعنی آپ کے ہاں بچہ پیدا ہوا پھر جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ کام کر سکے۔ اور آپ کی معاونت کر سکے۔ کبھی کہتے ہیں اُسعی سے مراد اللہ کی رضا کے لئے کام کرنا ہے (2) مس کا یہی قول ہے۔ متقابل ابن حیان اور ابن زید فرماتے ہیں اُسعی سے مراد عبادت ہے۔ ابن عباس اور قتادہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ پہاڑ تک چل کر جائے۔ مجاہد نے ابن عباس سے یہ قول نقل

کیا ہے کہ وہ جب جوان ہو گیا اور ابراہیم علیہ السلام کی کوشش کی طرح کوشش کرنے (۱) بعض علماء فرماتے ہیں اس وقت حضرت اسماعیل کی عمر تیرہ سال تھی۔ بعض فرماتے ہیں سترہ سال تھی۔ ظرف یعنی محدث و ف کے متعلق ہے جس پر اسمعی دالالت کر رہا ہے۔ اسمعی کے متعلق نہیں ہے کیونکہ اسمعی مصدر ہے اور مصدر کا صلہ اس سے مقدم نہیں ہوتا اور یہ بلغ کے متعلق بھی نہیں کیونکہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی بلوغت اسٹھی نہیں ہے گویا یوں ارشاد ہے کہ فلما بلغ السعی جب وہ دوز و صوب کی عمر کو پہنچ گیا فقیل مع من؟ تو سوال ہوا کہ کے ساتھ دوز و صوب کرنے کو پہنچا؟ فقیل : معہ۔ تو فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ معہ ظرف مستقر ہے اور اسمعی سے حال ہے۔ یا سنی کو خفض نے باء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم نے خواب میں واقعی بینے کو ذبح کرتے دیکھا تھا یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی ایسا خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر بینے کا ذبح کرنا تھا۔ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل سے ملاقات کا ارادہ کرتے تو بیراق پر سوار ہوتے۔ شام سے صبح کے وقت چلے اور قیلولہ کہ میں کرتے پھر شام کے وقت مکہ سے چلے اور رات ملک شام میں بسر فرماتے حتی کہ حضرت اسماعیل آپ کے ساتھ چلنے کی عمر کو پہنچ گئے۔ حضرت ابراہیم کی یہ خواہش تھی کہ اسماعیل اپنے رب کی عبادت اور مرات الہیہ کی تعظیم بجالائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خواب میں حکم دیا کہ وہ اپنے ثلث جگر اور نور نظر کو ذبح کریں۔ یہ خواب آپ نے آٹھویں رات کو دیکھا تھا گویا کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو آپ صبح سے شام تک منتظر رہے کہ یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی کوئی فریب کاری ہے۔ اسی وجہ سے آٹھویں کے دن کو یوم الترویہ (خور و فکر کا دن) کہا جاتا ہے۔ جب آٹھی رات ہوئی تو آپ نے پھر وہی خواب دیکھا جب صبح ہوئی تو آپ جان گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اسی وجہ سے نویں ذی الحجہ کے دن کو یوم عرفہ (پیمان کا دن) کہا جاتا ہے (۲)۔ علامہ تہذیبی نے عبی عن ابی صالح عن ابن عباس کے سلسلہ سے شعب الایمان میں اس طرح نقل کیا ہے ابن اسحاق وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بینے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اپنے شیرازے سے فرمایا رسی اور چھری پکڑو۔ اس وادی سے ہم نکڑی کاٹ لائیں۔ جب شعب شہر میں پہنچے تو حضرت ابراہیم نے اپنے صاحبزادے کو اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔ مقابل فرماتے ہیں حضرت ابراہیم نے متواتر تین راتیں یہ خواب دیکھا۔ پھر جب آپ کو یقین ہو گیا تو آپ نے اپنے بینے کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ سدی فرماتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کہ اب ہب لی من الصالحین تو آپ کو نیک صالح بچہ کی خوشخبری سنائی گئی۔ آپ نے خوشخبری سننے کے بعد کہا اللہ تعالیٰ نے پچھدیا تو وہ اللہ کے لئے ذبح کیا جائے گا۔ جب بچہ پیدا ہوا اور اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوز و صوب کر سکتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا اپنی نذر پوری کرو اور بینے کو ذبح کرنے کا جو حکم دیا گیا اس کا یہی نذر سبب تھی (۳)۔ لیکن یہ قول آزمائش کے مترادف ہے۔ علامہ بنوئی فرماتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل کو کہا چلو ہم اللہ کے لئے قربانی دے آئیں۔ انہوں نے چھری اور رسی لی اور اپنے باپ کے ساتھ چل پڑے۔ جب پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو اسماعیل نے کہا ابا حضور! تمہاری قربانی کا جانور کہاں ہے؟ تو اس وقت آپ نے بتایا کہ بیٹا مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں (۴) تا فاع ان کثیر اور ابو عمرو نے انہی کو باء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، جب کہ باقی علماء نے انہی کو دونوں جگہ باء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

2۔ تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 568 (الفر)

4۔ تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 568 (الفر)

1۔ تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 567 (الفر)

3۔ تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 568-69 (الفر)

معنوی کو فخر اور کسائی نے تاء کے ضم اور اء کے کسرہ کے ساتھ باب افعال سے پڑھا ہے اور یہ رای سے مشتق ہے، روایت سے مشتق نہیں ہے، یعنی تیری کیا رائے؟ آپ نے اپنے بیٹے سے اس لئے رائے طلب کی تاکہ امر الہی پر آپ کے ممبر اور طاعت الہی پر آپ کی عزیمت معلوم ہو جائے۔ باقی قراء نے تاء اور اء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو دواء کے فتح میں امالہ کرتے ہیں۔ حضرت اسماعیل نے خندہ پیشانی اور خوشی سے عرض کیا ابا جان! آنپ کو جو حکم دیا گیا ہے آپ وہ کریں۔ ماقوم اصل میں ماقوم رہ تھا۔ یا تو جار مجبور (پ) کو اکٹھا حذف کیا گیا ہے۔ پہلے حرف جر کو حذف کیا گیا اور فعل کو ضمیر کے ساتھ ملا دیا گیا (ماقوموہ) ہو گیا پھر ضمیر عائد کو بھی حذف کر دیا گیا یا امر بمعنی مامور ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے افععل امرک ای مامورک مامور کو تعبیر کرنے کے لئے ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کے خواب وحی الہی ہوتے ہیں اور واجب الاطاعت ہوتے ہیں۔ عبد بن حمید نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ انبیاء کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں (1) بخاری نے اپنی صحیح میں ابو سعید الخدری سے اور مسلم نے ابن عمر اور ابو ہریرہ سے امام احمد اور ابن ماجہ نے ابی رزین سے اور طبرانی نے ابن مسعود سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ سچے خواب نبوت کا جیسا پلوساں جزء ہیں (2) اس میں ذرا شک نہیں کہ انبیاء کرام کے تمام خواب سچے ہوتے ہیں، فساد کا احتمال نہیں رکھتے لیکن دوسرے لوگوں کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں اور غلط بھی ہوتے ہیں۔ مستجدہنی کو نافع نے ہاء کے فتح کے ساتھ باقی قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

فَلَمَّا آسَلَّمُوا وَلَكُمُ الْيَقِينُ

”پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کی تل لٹا دیا۔“

1۔ یعنی باپ جیسا حکم الہی کے سامنے جھک گئے اور ارشاد الہی کی اطاعت کی۔ قتادہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ابراہیم نے اپنے بیٹے کو مطیع بنادیا اور اسماعیل نے اپنے نفس کو مطیع کر دیا (3) ابن عباس فرماتے ہیں حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو زمین پر لٹا دیا، جب کہ پیشانی دونوں پہلوؤں کے درمیان تھی (4) اور یہ واقعہ منیٰ میں محضرہ کے پاس ہوا تھا۔ اس قول کو عبد بن حمید، ابن المنذر، زائین ابی حاتم اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ بغوی نے ان عطاء بن السائب بن رجل من قریش بن ابیہ کے سلسلہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے حضرت اسماعیل کی ذبح کا معاملہ اسی جگہ ہوا تھا جو آج بھی قربانی کرنے کی جگہ ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں مفسرین نے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ حضرت اسماعیل نے حضرت ابراہیم سے عرض کی اے میرے والد محترم میرے اعضاء کو تخت سے باندھ دیں حتیٰ کہ ذبح کے وقت میں حرکت نہ کروں اور اپنے کپڑوں کو اچھی طرح لپیٹ لٹا کہ میرے خون کا کوئی چھینٹا ان پر نہ لگ جائے اور میرے اجر میں کمی نہ ہو جائے اور میرے خون کو دیکھ کر میری والدہ پریشان نہ ہو جائے۔ مزید عرض ابوالہی اپنی پھری اچھی طرح تیز کر لیں اور میرے حلق پر اسے تیزی سے چلاتا تاکہ مجھ پر آسانی رہے کیونکہ موت کا معاملہ بڑا سخت ہوتا ہے اور جب آپ واپس اسی جان کے پاس جائیں تو میرا نہیں سلام عرض کرنا اور اگر آپ میری قمیص ان کے پاس لے جانا چاہیں تو بھی لے جائیں

کیونکہ ہوسکتا ہے اس سے ان کو کچھ تسلی اور اطمینان ہو جائے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے نخت جگر کے بیٹھے بیٹھے کلمات سن کر اور آداب فرزندہ کی دیکھ کر شاد و فرمایا، حکم الہی کی اطاعت میں تو کتنا بہتر معاون ہے۔ جس طرح اسماعیل نے کہا تھا حضرت ابراہیم نے اسی طرح کیا۔ پھر حضرت ابراہیم نے اپنے نخت جگر کو بوسہ دیا اور ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ اس وقت حضرت ابراہیم کی آنکھوں میں رحمت و شفقت کے آنسو اگھیلیاں کر رہے تھے۔ آپ نے رضا الہی میں اپنے بیٹے کے گلے پر چھری رکھ دی لیکن چھری سے اسماعیل کے گلے پر کوئی خراش بھی نہ پڑی۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیم نے کئی مرتبہ گلے پر چھری چلائی لیکن چھری نے گلے کو نہ کاٹا۔ آپ نے چھری کو پتھر پر دو تین مرتبہ تیز کیا لیکن چھری کام نہیں کرتی تھی (۱)۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کئی مرتبہ پوری قوت سے چھری کو چلایا لیکن چھری نے کچھ اثر نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کے گلے پر تانہا پڑھا دیا تھا۔ علماء نے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ حضرت اسماعیل نے عرض کی ابا حضور آپ مجھے پیشانی کے بل پہلو پر لٹا دیں کیونکہ آپ میرے چہرے کو دیکھیں گے تو آپ کو مجھ پر رحم آ جائے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ امر الہی کی اطاعت میں رقت و شفقت کا جذبہ حاکم نہ ہو جائے۔ اس طرح میں چھری کو دیکھ کر جرع فزع بھی نہیں کروں گا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے نو نظر کے مشورہ پر عمل کیا پھر آپ نے ان کی گدی پر چھری رکھی تو چھری اتنی ہوئی۔

عبد بن حمید ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے اور عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے بھی روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے صاحبزادے کو منہ کے بل لٹایا تھا (۲)۔

ابو ہریرہ نے حضرت کعب الاحبار سے اور ابن اسحاق نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو شیطان نے دل میں کہا اگر آج میں آل ابراہیم کو نہ بھڑکاؤ تو پھر کبھی ان میں سے کسی کو نہیں بھڑکاسکوں گا۔ شیطان لعین انسانی عقل میں بچہ کی ماں کے پاس پہنچا اور کہا اسے محترم! تجھے پتہ ہے تیرے نخت جگر کو ابراہیم کہاں لے گیا ہے؟ والدہ نے کہا وہ دونوں باپ بیٹا قریب کی وادی میں لکڑیاں کاٹنے گئے ہیں۔ شیطان نے کہا قسم بخدا ایسا نہیں، ابراہیم تو اسے ذبح کرنے کے لئے لے گیا ہے۔ ماں نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا وہ تو اپنے بیٹے پر انتہائی شفیق ہے اور وہ اس سے بہت پیار کرتا ہے۔ شیطان نے کہا نہیں۔ ایسا نہیں ابراہیم کا خیال ہے کہ مجھے اللہ نے اسے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ اسی ارادہ اور خیال کو پورا کرنے کے لئے لے گیا ہے۔ والدہ نے کہا اگر واقعی اس کے رب نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو پھر اچھا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی اطاعت کریں۔ شیطان کا داؤد جب وہاں نہ لگا تو وہاں سے نامراد ہو کر دوڑتا ہوا بیٹے (اسماعیل) کے پاس پہنچا۔ آپ اپنے باپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ شیطان کہنے لگا اے عزیز تمہیں پتہ ہے تیرا باپ تجھے کس وادی میں لے جا رہا ہے؟ بیٹے نے کہا ہم اس وادی میں اپنے گھر والوں کے لئے لکڑیاں کاٹنے کے لئے جا رہے ہیں۔ شیطان نے کہا نہیں اللہ کی قسم ایسا نہیں۔ وہ تمہیں ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ بیٹے نے پوچھا کیوں؟ شیطان نے کہا ابراہیم کا خیال ہے۔ کہ اسے اس کے رب نے بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا ہے بیٹے نے کہا اگر ان کے پروردگار نے انہیں حکم دیا ہے تو پھر انہیں ضرور ایسا کرنا چاہئے۔ جب بیٹے نے بھی شیطان کے دام ہمرنگ زمین کو تار کر دیا تو شیطان ابراہیم کی طرف متوجہ ہوا۔ کہنے لگا بزرگو! کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا اس وادی میں ایک کام کی غرض سے جا رہا

ہوں۔ شیطان نے کہا نہیں میرا خیال تو یہ ہے کہ شیطان نے تجھے خواب میں بیٹاؤں گے کرنے کا حکم دیا ہے اور تم اسی خیال کو پورا کرنے جا رہے ہو۔ حضرت ابراہیم اپنی فراست سے پہچان گئے کہ یہ شیطان لعین ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا اے اللہ کے دشمن دور ہو جا مجھ سے۔ قسم بخدا میں اپنے رب کے حکم کو بسر و چشم قبول کروں گا اور اس پر دل و جان سے عمل پیرا ہوں گا۔ ابلیس غصے کی آگ میں جل ہوا واپس چلتا اور ابراہیم اور آل ابراہیم کے متعلق جو امیدیں اور آرزوئیں لے کر گیا تھا وہ سب کی سب اس کے دل میں ہی رہ گئیں اور اپنا من لے کر رہ گیا۔ تاہم الہی سے وہ سب شیطان کی نفسوں کا رویوں اور وسوسہ اندازیوں سے محفوظ رہے (۱)۔

ابو الطغیلا نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ملا تو شیطان مشعر (مزدلفہ) کے پاس آپ کے سامنے آیا لیکن ابراہیم علیہ السلام اس سے آگے نکل گئے پھر جب آپ جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریں۔ آپ اپنی منزل کی طرف چلتے گئے۔ جب آپ جمرہ وسطیٰ کے پاس پہنچے تو وہ لعین پھر پہنچ گیا آپ نے یہاں بھی اسے سات کنکریاں ماریں پھر آپ روانہ ہو گئے حتیٰ کہ آپ جمرہ کبریٰ کے پاس پہنچے تو وہ لعین پھر پہنچ گیا آپ نے یہاں بھی اسے سات کنکریاں ماریں اور اپنے مقصد کی طرف گامزن رہے حتیٰ کہ منیٰ میں قربانی کی جگہ پہنچ کر حکم الہی کی تعمیل میں اپنے لخت جگر نور نظر کو زمین پر لٹا دیا۔

وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا اِبْرَاهِيمُ ۝

”اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم (بس ہاتھ روک لو!)۔“

۱۔ امام بغوی فرماتے ہیں واو زائد ہے اور نادینا کا جواب ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں لےوا کا جواب محمدوف ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی کہ جو ہو چکا سو ہو چکا ان دونوں کی مسرت اور خوشی ایسی تھی کہ نہ کوئی حال کو بیان کر سکتا ہے اور نہ کوئی کلام اس کا احاطہ کر سکتی ہے اور ان کا انعام الہیہ پر شکر بھی قابل دید تھا کہ اس پروردگار عالم نے مصیبت کو دور کر دیا اور اطاعت و فرمانبرداری کی ایسی توفیق بخشی کہ ایسی کسی دوسرے کو عطا نہیں فرمائی اور پھر عظیم ثواب کے عطا کرنے کے بعد تمام جہاں پر فضیلت بھی عطا فرمائی (2) میں کہتا ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واو لےوا کے محذوف جواب پر عطف کے لئے ہو۔ تقدیر عبارت اس طرح ہو فُلْمَا أَسْلَمْنَا وَفُلْمَا أَلْمَحِينِ مُنْعَاهُ عَنْهُ الْمَلْبُوعُ وَنَادَيْنَاهُ، یعنی جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے اسے ذبح کرنے سے روک دیا اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم اِنِّی نَادِیْنَا کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّعْيَا ۚ إِنَّا كُنَّا لَمَكْتُبِي الْمُحْسِنِينَ ۝

”جیسا کہ تو نے سچ کر دکھا یا خواب کو۔ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔“

۱۔ اے ابراہیم! آپ نے اپنی قدرت کے مطابق اطاعت حکم کو خوب نبھا دیا اور تکلیف و ابتلاء سے مقصود بندے کا اپنی قدرت کے مطابق عمل کر دکھا ہے، اس کے علاوہ تکلیف و ابتلاء سے کچھ مطلوب نہیں ہوتا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ خون بہاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا وہ عالم بیداری میں بھی کر دکھا یا اس تاویل پر قد صَدَّقْتَ الرُّعْيَا اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوگا اور پہلی تاویل پر مجازی معنی پر محمول ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آخری

تاویل کے مطابق حضرت ابراہیم پر ذبح کرنا واجب نہیں تھا ان پر صرف اسباب ذبح کا مہیا کرنا تھا تو پھر وہ دینا ہ کا کیا معنی ہوگا کیونکہ فدیہ تو وجوب کے بعد ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری تقدیر پر اگر ذبح کے اسباب مہیا کرنا اصلاً واجب تھا تو ذبح والا واجب ہو گیا کیونکہ عادیۃً اسباب کے مہیا کرنے کے بعد چیز کا پایا جانا لازم ہوتا ہے اس لئے فدیہ کا اس پر اطلاق صحیح ہے (یعنی گلے پر چھری چلائی جائے تو عادیۃً ذبح کا پایا جانا لازم ہوتا ہے تو جب آپ نے خواب میں چھری چلانا دیکھا تھا تو ذبح کرنا بھی التزاماً ثابت تھا) یہ آیت کریمہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کسی حکم پر عمل سے پہلے بھی اس حکم کا نسخ ہو سکتا ہے۔

۳۔ یہ جملہ ان کی احسان مندی کی وجہ سے تکلیف کے دور ہونے کی علت بیان کر رہا ہے، یعنی نیکو کاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی فرمانبرداری کی ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں جیسی ہم نے ابراہیم کو عطا فرمائی تھی۔ ہم نے بچہ کو ذبح کرنے کا حکم بھی اٹھا دیا اور اجر عظیم بھی عطا فرمایا اور تمام جہانوں پر فضیلت و برتری بھی عطا فرمادی۔

إِنَّ هَذَا إِلَهُكَ الْوَالِدُ الْمُبِينُ ۝۱۱

”بیٹک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی۔“

۱۔ یعنی بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ایک ایسی آزمائش تھی جس سے مخلص اور غیر مخلص بالکل نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں یا یہ مطلب کہ یہ ایسی مشقت اور صعوبت تھی کہ اس سے بڑی اور کوئی مشکل نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں بلاء سے مراد نعمت ہے، یعنی بیٹے کی جگہ دینہ کا۔ فدیہ بہت بڑی نعمت ہے۔

وَقَدْ يَنْبَغُ ذِبْحٌ عَظِيمٌ ۝۱۲

”اور ہم نے بچا لیا اسے فدیہ میں لے لیا ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔“

۱۔ اس کا عطف دینا پر ہے۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو آسمان کی طرف دیکھا، حضرت جبریل ایک سیاہ سیٹوں والے دے کے ساتھ نظر آئے۔ حضرت جبریل نے فرمایا یہ تمہارے بیٹے کا فدیہ ہے، اسے چھوڑ دیجئے اور اسے ذبح فرمائیے۔ حضرت جبریل نے تکبیر بلند کی اور مینڈھے نے بھی تکبیر بلند کی۔ حضرت ابراہیم نے تکبیر کہی اور آپ کے بیٹے نے بھی تکبیر کہی۔ حضرت ابراہیم نے مینڈھے کو پکڑا اور منی میں مذبح کے اندر لے گئے پھر وہاں اسے ذبح کر دیا فدیہ دینے والے حقیقت میں ابراہیم تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے فدیہ کے طور پر ذبیحہ دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ تھا اور اس کا حکم کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ تھا۔ یہ فدیہ میں مجازاً نسبت میں مجاز کے طور پر ہے۔

۳۔ عظیم سے مراد عظیم الجثہ ہے۔ یعنی مونا تازہ بھاری بھر کم یا عظیم القدر، یعنی ثواب میں بہت عظیم تھا۔ حسین بن الفضل فرماتے ہیں وہ مینڈھا عظیم القدر اس لئے تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا تھا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں اس کا حق تھا کہ وہ عظیم ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں اس کو عظیم اس لئے فرمایا کیونکہ وہ مقبول تھا (۱)۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں اکثر مفسرین کا یہ قول ہے کہ وہ مینڈھا جنت میں چالیس سال رہا تھا۔ اس قول کو ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے۔ سعید بن جبیر سے ابن عباس کا قول مروی

ہے کہ جو مینڈ کا حضرت ابراہیم نے ذبح کیا تھا یہ وہ تھا جسے حضرت آدم کے بیٹے بائبل نے قربانی دیا تھا (۱) اسی آیت کریمہ سے علماء احناف نے دلیل بکڑی ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانے اس پر ایک بکری ذبح کرنا لازم ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں اس آیت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے (۲)۔ ہم نے یہ مسئلہ پوری تفصیل کے ساتھ سورہ حج میں وَ لِيُؤْذِنَهُمْ فِي الْحَقِّ ذَكَرُ دِیَا ہے اور ہم نے ذکر کیا ہے کہ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی نذر ماننے والے پر کوئی چیز لازم نہ ہو کیونکہ اس نے گناہ کی نذر مانی ہے۔ امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے لیکن امام ابو حنیفہ نے استحساناً بکری کا لازم ہونا فرمایا ہے۔ کیونکہ جب شرعاً حقیقت مجبورہ ہو تو مجاز متعین ہو جاتا ہے پس جب کسی نے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو ہم نے اس کا بدل اس پر لازم کیا، یعنی اس پر بکری ذبح کرنا لازم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی یہی تھا جیسا کہ ہم نے سورہ حج میں ذکر کیا ہے۔

وَتَرْكُنَا عَلَيْهِ فِي الْأَخْيَرِ ۖ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝۴۱

”اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر آنے والوں میں سلام ہوا ابراہیم پر لہ“

لہ علیہ کی تفسیر کا مروج ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اس جملہ کا عطف جہاد بہ بقلب سلیم پر ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فدیناہ پر عطف ہو۔ آخرین سے مراد آنے والے لوگ اور اُنہیں ہیں۔ تو رکنا کے مفعول کو سیاق کلام کی دلالت کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ، تو رکنا کا مفعول ہو۔

كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝۴۲ إِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝۴۳

”اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھالے“

لہ یہ جملہ سلام کی علت بیان کر رہا ہے۔ اس قصہ میں چونکہ ”اَنَا“ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس لئے یہاں ذکر نہیں فرمایا۔

وَبَشِّرْهُ بِأَسْحَىٰ نَبِيًّا ۖ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۴۴

”اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحق کی (کہ) وہ نبی ہوگا (زمرہ) صالحین میں سے لہ“

لہ یعنی نبوت اور اصلاح میں سے ہر ایک کو مستحق (جس کا فیصلہ کیا گیا ہو) اور مقدر بنانے کے اعتبار سے نبی اور قبیلہ الفضلین اُتلق سے حال ہوں گے۔ اور مشربہ (اسحق) کا بشارت کے وقت موجود نہ ہونا بھی قدح کا باعث نہیں ہے کیونکہ ذوالحال کا موجود ہونا شرط نہیں ہے بلکہ ذوالحال کے ساتھ فعل کے تعلق کے وقت حال کے مضمون سے ذوالحال کا متصف ہونا شرط ہے پس یہاں مضاف مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے جو حال اور ذوالحال کا عامل ہے۔ مثلاً یہ کہا جائے بشروناہ بوجود اسحاق اور یہ قول فادخلوها خالدين کی مثل نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں داخل ہونے والوں کا خلود دخول کے وقت مقدر تھا۔ جب کہ اسحاق کے پائے جانے کے وقت ان کی نبوت و اصلاح مقدر نہیں تھی۔ نبوت کے بعد صلاح کا ذکر حضرت اسحاق علیہ السلام کی ثناء اور آپ کی عظمت شان کے اظہار کے لئے ہے (تا کہ صراحتاً آپ کی تعریف و توصیف پر دلالت ہو جائے اگرچہ نبوت کے ذکر میں التزائم آپ کی صلاح کا بھی ذکر ہو چکا تھا) اور نبوت کے بعد صلاح کا ذکر اشارہ ہے کہ نبوت کی غایت صلاح ہے کیونکہ نبوت کے ضمن میں بالفعل علی الاطلاق کمال (ذات) اور تحمیل (قوم) کا معنی پایا جاتا ہے۔

وَبَرَكْنَا عَلَيْكَ إِسْحَاقَ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ ۖ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴿١٥﴾

”اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا۔“

یعنی دین و دنیا کی خیرات و برکات کا ہم نے ابراہیم پر فیضان فرمایا۔ بعض علماء نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ہم نے ان کی اولاد میں برکت نازل کی اور اسحاق پر بھی برکتیں نازل کیں۔ حضرت پر خاص برکت یہ تھی کہ آپ کی نسل سے ہزار نبی تشریف لائے۔ ان میں پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے اور آخری عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ ان دونوں یعنی ابراہیم اور اسحاق کی اولاد میں نیک سیرت ہوں گے یا ایمان و طاعت کے ساتھ اپنے نفس سے بھلائی کرنے والے ہوں گے۔ ”مبین“ یعنی ان کا ظلم ظاہر ہوگا۔ اس آیت میں تنبیہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی میں نسب کا کوئی اثر نہیں ہے اور اولاد میں ظلم و معاصی کا پایا جانا بزرگوں کے لئے کچھ نقصان دہ نہیں ہے۔

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿١٦﴾

”ہم نے احسان فرمایا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر۔“

یعنی نبوت اور دوسرے دینی اور دنیوی نعمات سے سرفراز فرمایا۔ اس آیت کا عطف ولقد نادانا نوح پر ہے۔ اور ان کے درمیان پہلے حضرت قہ ہیں۔

وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿١٧﴾

”اور ہم نے بچالیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم و اندوہ سے۔“

یعنی قوم سے مراد بنی اسرائیل ہے۔ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ سے مراد فرعون کی اذیت ہے اور بعض مفسرین نے اس لئے غرق ہونے سے نجات مراد لی ہے۔

وَنَصَرْنَاهُمْ فَاَتَاهُمُ الْغُلَبِيْنُ ﴿١٨﴾

”اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے وہ بنی غلبہ پانے والے۔“

یعنی نصرانیت میں ہم نصر سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم ہے، یعنی وہ فرعون اور اس کی قوم پر غالب آ گئے۔

وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٩﴾

”اور ہم نے بخشی ان دونوں کو ایسی کتاب جو نہایت واضح ہے۔“

یعنی کتاب سے مراد تورات ہے۔ الْمُسْتَقِيمَ یعنی جو احکام الہی اور شرائع کے بیان میں مکمل تھی۔

وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٢٠﴾

”اور ہم نے ہدایت دی انہیں سیدھے راستہ کی۔“

یعنی ہم نے انہیں سیدھے راستہ کی ہدایت دی جو اپنے چلنے والوں کو حق اور صواب تک پہنچاتا ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ﴿٢١﴾ سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٢٢﴾ اِنَّا كَذَلِكِ

نَجَی الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُمْ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝

”اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر ہم اسی طرح جزا دو دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو بیشک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں۔“

ان آیات کا مفہوم پیچھے گزر چکا ہے۔

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنْ الْمُرْسَلِينَ ۝

”اور بیشک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔“

الیاس کو ابن ذکوان نے بروایت النقاش عن الاغشی ہمزہ کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ہمزہ کے تحقق کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس آیت کا عطف ولقد مننا پر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں الیاس سے مراد اور ایس پیغمبر ہیں اور عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں اِنَّ اِدریس لمن المرسلین تھا۔ عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں الیاس بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی تھے۔ ابن عباس فرماتے ہیں یہ حضرت اسع علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں حضرت الیاس کا سلسلہ نسب اس طرح ہے الیاس بن بشر بن انخاص بن عیزار بن ہارون بن عمران علیہ السلام نیز محمد بن اسحاق اور دوسرے مؤرخین علماء نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس سے پہلے نبی کی روح قبض کی تو بنی اسرائیل بدعتوں میں مبتلا ہو گئے، شرک کا غبار ہر طرف پھیل گیا اور لوگوں نے بڑے بڑے بت نصب کر دیئے جن کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نمرائی کے اس گھپ اندھیرے میں توحید و ہدایت کا چراغ روشن کرنے کے لئے حضرت الیاس کو نبی بنا کر بھیجا۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو نبی بھی مبعوث ہوتا وہ ان احکام کی تجدید کے لئے آتا جو وہ تواریت میں سے بھلا چکے تھے۔ بخواس اسرائیل شام کے علاقہ میں کھڑے ہوئے تھے اس انتشار کا سبب یہ تھا کہ یوشع بن نون نے جب شام کو فتح کیا تو اس نے یہاں بنی اسرائیل کو سکونت دی اور یہ علاقہ ان میں تقسیم کر دیا۔ بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ بعلبک اور اس کے گرد و اس میں قیام پزیر تھا۔ ان میں سے حضرت الیاس تھے اور ان کی طرف آپ کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس وقت بعلبک کا بادشاہ اُوب نامی شخص تھا۔ وہ بادشاہ خود بھی بت پرست تھا اور وہ لوگوں کو بھی بتوں کی عبادت پر مجبور کیا کرتا تھا۔ بادشاہ جس بت کی عبادت کرتا تھا اس کا نام بعل تھا جس کا طول میں ہاتھ تھا اور اس کے چار منہ تھے۔ حضرت الیاس لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلاتے لیکن وہ اپنے بادشاہ کا حکم ماننے اور آپ کی کوئی بات نہ سننے اور بادشاہ اس بت کی تصدیق کرتا اور اسی کو تسلیم کرتا تھا۔ حضرت الیاس بادشاہ کی بھی راہنمائی کرتے اور اس کے اعمال بد کو بھی سنوارنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُوب بادشاہ کی ایک بیوی تھی جس کا نام ازبتل تھا۔ بادشاہ جب کسی جنگی مہم یا کسی دوسری غرض سے ملک سے باہر جاتا تو اسے اپنا نائب بنا کر جاتا تھا اور وہ بے حجاب باہر نکلتی اور لوگوں کے مسائل کے فیصلے کرتی تھی وہ بہت سے انبیاء کرام کی قاتل تھی۔ یہ بھی روایت ہے کہ یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو بھی اس بد بخت عورت نے قتل کیا تھا۔ اس عورت کا ایک کاتب تھا جو مومن اور دانشمند تھا، اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا، اس خوش نصیب شخص نے اس ظالم اور قاتل عورت کے ہاتھ سے تین سوانیاں بکرا کر ام کو قتل ہونے سے بچایا تھا، جب کہ وہ ان میں سے ہر ایک کو قتل کرنا چاہتی تھی جب کہ وہ اپنے فرائض نبوت کی ادائیگی کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ ان تین سو کے علاوہ بنی انبیاء کرام کو اس نے قتل کر دیا تھا۔ یہ ایک بدکار عورت تھی، اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ بادشاہوں سے نکاح کیا تھا اور ان کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا۔ یہ طویل العرصہ تھی۔ روایت ہے کہ اس کے

بچے اور بچیاں سڑکی تعداد میں تھے اور اس انجب بادشاہ کا ایک پڑوسی تھا جو ایک نیک سیرت انسان تھا، اس کا نام مزدکی تھا اور اس کا ایک باغ تھا جس پر اس کی معیشت کا دارومدار تھا۔ ہر وقت وہ اس کی آبادکاری اور کاشت چھانت میں مصروف رہتا تھا اور وہ باغ بادشاہ کے محل کے سامنے تھا۔ وہ میاں بیوی اس میں سیر و تفریح کے لئے آتے تھے، اس میں وہ کھاتے پیتے اور غسل کرتے تھے۔ بادشاہ اپنے پڑوسی مزدکی سے حسن سلوک سے پیش آتا تھا اور وہ بھی بادشاہ سے اچھا برتاؤ کرتا تھا لیکن بادشاہ کی بیوی ازبیل اس کے باغ کی وجہ سے اس سے حسد کرتی تھی اور ہمیشہ کسی ایسے حیلہ کی تلاش میں رہتی تھی جس کے ذریعہ وہ باغ اس سے منسوب کر لے کیونکہ وہ سنی تھی کہ لوگ اس باغ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور اس کی خوبصورتی پر انھیں رعب کرتے ہیں۔ ازبیل اس شخص کو قتل کرنے کا حیلہ کرتی تھی لیکن بادشاہ اسے منع کرتا تھا۔ ازبیل کو اب اس کو قتل کرنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا سوئے اتفاق کہ بادشاہ کہیں سفر پر دور چلا گیا اور کافی عرصہ اپنے ملک سے باہر رہا۔ ازبیل نے موقع کو غنیمت سمجھا اور چند آدمی مزدکی کے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار کئے کہ اس نے بادشاہ انجب کو گالیاں دی ہیں۔ گواہ گواہی دینے کے لئے تیار ہو گئے اور اس زمانہ میں قانون یہ تھا کہ جو بادشاہ کو گالیاں دے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ مزدکی کے خلاف جھوٹی گواہی ہو گئی تو ازبیل نے مزدکی کو بلایا اور کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے بادشاہ کو گالیاں دی ہیں۔ مزدکی نے انکار کیا۔ اس نے گواہوں کو بلایا اور جھوٹی گواہی اس کے خلاف پیش کر دی۔ ازبیل نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا اور اس کے باغ پر خود قبضہ کر لیا اس نیک آدمی کو قتل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو گئے۔

جب بادشاہ واپس آیا تو اس کو ساری صورت حال بیوی نے بتائی۔ بادشاہ نے کہا تو نے اچھا نہیں کیا۔ اب ہم کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ بڑے عرصہ سے وہ ہمارا پڑوسی رہا اور ہم نے اس کے پڑوس کو خوب بھایا اور ہم نے اس سے ہر تکلیف کو روک رکھا کیونکہ ہم پر اس کے پڑوس کا حق تھا اور تو نے اس کے جوار کو بڑے انداز میں ختم کیا ہے۔ بیوی نے کہا میں تو تیری وجہ سے اس پر غضبناک ہوئی تھی اور تیرے قانون کے مطابق میں نے فیصلہ کیا تھا۔ بادشاہ نے بیوی سے کہا تیرے لئے ممکن نہ تھا کہ تو اس کے پڑوس کی حفاظت کرتی بیوی نے کہا جو ہو گیا سو ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے الیاس کو انجب بادشاہ اور اس کی قوم کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ انہیں بتاؤ کہ اللہ تم لوگوں پر ناراض ہے کیونکہ تم نے اس کے دوست کو قتل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے کہ اگر انہوں نے اپنے اس کرموت کی توبہ نہ کی اور باغ اس کے ورثہ کو نہ دیا تو انہیں بھی انجب اور اس کی بیوی کو باغ میں ہلاک کر دے گا پھر ان کے جسم باغ میں مرداروں کی طرح پڑے رہیں گے حتیٰ کہ بڑیوں سے گوشت اتر جائے گا اور وہ اپنے جسموں سے بہت تھوڑا عرصہ متبوع ہو گئے۔ حضرت الیاس بادشاہ کے پاس آئے اور جو اللہ تعالیٰ نے اس کے اور اس کی بیوی کے متعلق باغ واپس کرنے کا ارشاد فرمایا تھا وہ من و عن سنا دیا۔ بادشاہ نے جب یہ پیغام سنا تو غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور کہنے لگا الیاس جو کچھ کہہ رہے ہو سب باطل ہے۔ فلاں فلاں افراد جو بتوں کی عبادت کرتے بالکل ہماری مشل تھے، وہ کھاتے پیتے رہے اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور جس چیز کو تم باطل سمجھتے ہو اس کے ہوتے ہوئے ان کے کسی دنیوی معاملہ میں کوئی نقصان اور خسارہ نہ ہوا۔ ان پر ہمیں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ بادشاہ نے حضرت الیاس کو سزا دینے اور قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت الیاس نے سمجھا کہ وہ مجھے تکلیف پہنچانے کے درپے ہے تو آپ اس کو چھوڑ کر چلے گئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ بادشاہ نے دوبارہ محل کی عبادت شروع کر دی، حضرت الیاس ایک مشکل پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے اور پھر اس کی غار میں داخل ہو گئے۔ روایت ہے کہ آپ سات سات سال ڈرتے اور گھومتے رہے، گھاٹیوں اور غاروں میں بسر اوقات کرتے

رہے، زمین کی بوٹیوں کے پتے اور درختوں کے پھل کھاتے رہے۔ بادشاہ کے حواری حضرت الیاس کی تلاش میں رہے اور انہوں نے کچھ جاسوس چھوڑے لیکن اللہ تعالیٰ نے الیاس کو ان ظالموں سے بچائے رکھا۔ پھر جب سات سال مکمل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کو اپنے اکلبار اور اپنے خضر کو بخشنا کر نئی اجازت مرحمت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے اُنُج کے بیٹے کو بعرض کر دیا۔ اُنُج کو وہ بیٹا بہت پیارا تھا اور اس کی مشابہت رکھتا تھا اس کا بیٹا سخت مریض ہو گیا حتیٰ کہ بادشاہ اس کی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنے بت بعل سے دعا مانگی۔ اس وقت کے لوگ بعل کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا تھے وہ اس بت کا بہت احترام کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے چار سو خادم اس کے لئے مقرر کر رکھے تھے۔ ان مجاوروں اور خادموں کو انبیاء کہتے تھے شیطان بت کے اندر داخل ہو جاتا اور باتیں کرتا تھا۔ یہ چار سو مجاور پورے انہماک سے شیطان کی باتیں سنتے اور شریعت کے متعلق ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا۔ شیطان سے سنی ہوئی باتیں مجاور لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور لوگوں کو سکھاتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ انہیں انبیاء کہتے تھے۔ جب لڑکے کا مرض شدت اختیار کر گیا تو بادشاہ نے ان مجاوروں سے درخواست کی کہ بعل کے سامنے سفارش کریں اور اس سے اس کے بیٹے کے لئے شفا طلب کریں۔ مجاوروں نے دعائیں مانگیں لیکن اس بت نے کوئی جواب نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دفعہ شیطان کو بعل کے اندر داخل ہونے سے روک لیا حالانکہ مجاور ہیں گویا اگر پورے خشوع خضوع سے دعا مانگتے رہے۔ جب عرصہ دراز گزر گیا اور بت کے سامنے کچھ کشوائی نہ ہوئی تو مجاوروں نے اُنُج سے کہا شام کے فلاں علاقہ میں چند اور خدا ہیں ان کی طرف ان مجاوروں کو بھیجو شاہد تیرے خدا بعل سے سفارش کریں کیونکہ تیرا خدا بعل تجھ سے ناراض ہے اگر وہ تجھ سے ناراض نہ ہوتا تو تیری گزارش ضرور قبول کرتا۔ بادشاہ نے کہا مجھ سے ناراض کیوں ہے؟ میں تو اس کی اطاعت کرتا ہوں۔ مجاوروں نے بتایا اس کی ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ تو نے الیاس کو قتل نہیں کیا اور تو نے اس کے معاملہ میں کوتاہی کی حتیٰ کہ وہ سلامتی کے ساتھ نکل گیا۔ حالانکہ وہ تیرے خدا کا منکر ہے۔ اُنُج نے کہا میں الیاس کو اب کیسے قتل کر سکتا ہوں میرا بیٹا بیمار ہے میں اس کو تلاش کر کے قتل کروں گا اور اپنے خدا کو ٹھکانے اور جگہ کا علم ہے کہ میں اس کا قصد کروں۔ اگر میرے بیٹے کو عافیت ہوگی تو میں اس کو تلاش کر کے قتل کروں گا اور اپنے خدا کو راضی کروں گا پھر اس نے اپنے وہ چار سو انبیاء (مجاوروں) دوسرے شام کے خداؤں کی طرف بھیجے تاکہ وہ بادشاہ کے بت کے پاس سفارش کریں کہ اس کے بیٹے کو شفا ہو جائے۔ جب وہ چار سو کا جھنڈا جا رہا تھا اس پہاڑ کے سامنے پہنچے جس میں حضرت الیاس پوشیدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کو وحی فرمائی کہ پہاڑ سے اتر دُان کے سامنے جاؤ اور ان سے بات چیت کرو اور فرمایا ڈر نہیں میں تجھ سے ان کے شر کو بیکھر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ حضرت الیاس پہاڑ سے نیچے تشریف لائے۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہیں روک لیا۔ جب وہ پھرے تو فرمایا اللہ نے مجھے تمہاری طرف اور تمہارے پیچھے ساتویں کی طرف بھیجا ہے۔ اے میری قوم اپنے رب کا پیغام غور سے سنو تاکہ تم اپنے بادشاہ کے پاس بھی یہ پیغام پہنچا دو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ اور کہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے اُنُج کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں ہی بنی اسرائیل کا خدا ہوں جس نے انہیں پیدا کیا رزق عطا فرمایا، انہیں زندہ کرتا ہوں۔ تیرے علم تک میں نے تجھے اس بات پر ابھارا ہے کہ تو میرا شریک نہیں ہے اور میرے علاوہ دوسروں سے اپنے بیٹے کی شفا طلب کرتے ہو جن کے پاس اگر میں نہ چاہوں تو کچھ بھی نہیں کر سکتے میں نے اپنے نام کی قسم اٹھائی ہے کہ میں ضرور تجھ پر تیرے بیٹے کے متعلق غصہ بنا کر ہوں گا اور فوراً سے مار دوں گا حتیٰ تجھے پتہ چل جائے گا کہ میرے سوا کوئی دوسرا کسی چیز کا مالک

نہیں ہے۔ حضرت الیاس نے انہیں یہ فرمایا اور وہ واپس پلٹ گئے، جب کہ ان کے دل رعب سے بھرے ہوئے تھے۔ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے بتایا کہ الیاس ہمارے سامنے پہاڑ سے اترے تھے۔ وہ ایک بلند قامت و بے پلنگ جسم والے تھے، ہر کے بال گر چکے تھے، جلد سبزی ہوئی تھی اور انہوں نے بالوں کا بنا ہوا جب پہنا ہوا تھا اور کانٹوں سے اس کا گریبان یں رکھا تھا۔ اس نے ہمیں روک لیا۔ جب وہ ہمارے پاس پہنچا تو ہمارے دل جیت اور خوف سے بھر گئے اور ہماری زبانیں لنگ ہو گئیں۔ ہم اتنی کثیر تعداد میں تھے لیکن نہ تو اس سے بات کر سکے اور نہ اسے پکار کر لائے۔ حتیٰ کہ ہم اپنا منہ لے کر تیرے پاس لوٹ آئے پھر انہوں نے الیاس کا پیغام بادشاہ کو سنایا۔ اُنہوں نے کہا جب تک الیاس زندہ ہے زندگی سے نفع بے سود ہے اور اس پر قبضہ پھر کسی مکر و فریب سے کیا جاسکتا ہے۔ پس اس نے ایک سازش کے تحت پچاس مرد اپنی قوم سے پنے جو بڑے طاقتور اور جنگ جوتھے۔ انہیں اس نے الیاس کی گرفتاری اور قتل کے لئے مقرر کیا۔ اس نے انہیں تاکید کی کہ انتہائی حیلہ اور منصوبہ بندی کر کے جانا اور اسے دھوکے سے قتل کرنا اور یہ ظاہر کرنا کہ ہم اور ہمارے پیچھے جتنے لوگ ہیں سب ایمان لا چکے ہیں تاکہ الیاس مانوس ہو جائے اور دھوکا میں آ جائے پھر اسے پکار کر بادشاہ کے پاس لایا جائے۔ وہ پچاس افراد بادشاہ کی نصیحت و مشورہ قبول کرتے ہوئے چل پڑے حتیٰ کہ جس پہاڑ میں حضرت الیاس رہتے تھے اس پر چڑھ گئے پھر اس کے اوپر جدا جدا ہو کر بلند آواز سے حضرت الیاس کو پکارنے لگے اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی ہماری طرف تشریف لا۔ ہم پر اپنی زیارت کا احسان فرمائیے، ہم سب تم پر ایمان رکھتے ہیں اور تیری تصدیق کرتے ہیں۔ ہمارا بادشاہ اُنہوں اور تمام لوگ جھجھ پر ایمان لا چکے ہیں۔ آپ اپنے متعلق بے خوف ہو جائیے۔ تمام بنی اسرائیل آپ پر سلام بھیجتے ہیں اور دل و جان سے اقرار کر رہے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان لائے ہیں اور تیری دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ آپ ہمارے پاس تشریف لائیے اور ہم میں اپنے احکام نافذ فرمائیے۔ آپ جو حکم دیں ہم تعمیل کریں گے اور جس کام سے آپ منع کریں گے اس سے رک جائیں گے۔ اب تمہیں ہمارے ایمان قبول کرنے کے بعد چھپ کر رہنے کی اجازت نہیں۔ آپ ہماری طرف تشریف لائیے۔ یہ سب باتیں مکر و فریب جھوٹ اور دھوکا تھا۔ جب حضرت الیاس نے ان کی یہ باتیں سنیں تو ان کے ایمان کی کچھ امید ذہن میں آئی اور سوچا کہ اگر اب ظاہر نہ ہوا تو شاید اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں الہام فرمایا کہ غم نہ کرو اور ان کے لئے دعا کرو تو حضرت الیاس نے یہ دعا کی اے اللہ اگر یہ اپنی باتوں میں سچے ہیں تو مجھے ظاہر ہونے کی اجازت دے دے اور اگر یہ سب جھوٹ ہے تو میری طرف سے تو ان کا کام تمام کر دے اور ان پر آگ کے گولے برسائو انہیں جلا کر رکھ کر دیں۔ ابھی تک الیاس کی کلام مکمل نہ ہوئی تھی کہ ان پر آگ برسنے لگی جس کے ساتھ وہ سب جل گئے۔ جب یہ خبر اُنہوں کو پہنچی تو پھر بھی وہ اپنے برے ارادہ سے باز نہ آیا۔ اس نے دوبارہ سازش کرنے کا پروگرام بنایا اور پہلی تعداد کے برابر ایک گروہ تیار کیا جو پہلے لوگوں سے زیادہ طاقتور اور جلد ساز تھا بادشاہ کے حکم سے وہ پہاڑوں کے اوپر چڑھ گئے اور پکارنے لگے اے اللہ کے نبی! ہم اللہ کے غضب اور اس کی پکڑ سے تیرے وسیلہ کی بناء لیتے ہیں۔ ہم پہلے لوگوں کی طرح نہیں ہیں، وہ منافق تھے اور ہمارے مشورہ کے بغیر تیرے خلاف سازش کرنے آئے تھے۔ اگر ہمیں ان کا پتہ چل جاتا تو ہم انہیں تہ تیغ کر دیتے اور تیری حفاظت کرتے پس تیرے رب نے ان کا کام تمام کر دیا اور انہیں ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا۔ اس پروردگار عالم نے ہماری طرف سے اور آپ کی طرف سے ان سے انتقام لے لیا۔ جب حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کی یہ باتیں سنی تو پہلے کی طرح اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی پس ان پر بھی آگ برسی اور ان کو جلا دیا۔ اس دوران بادشاہ کے بیٹے کی مرض شدت اختیار کر گئی۔

جب بادشاہ نے دوسرے گروہ کی ہلاکت کی خبر سنی تو وہ انتہائی غضبناک ہوا اور اس نے خود الیاس کی تلاش میں نکلنے کا ارادہ کیا لیکن بیٹے کی مرض اس کے اس ارادہ میں آڑے آ گئی۔ اس کے لئے خود جانا ممکن نہ ہوا تو اس نے الیاس کی طرف عورت کے مومن کا تب کو بھیجے کہ ارادہ کیا اس امید سے کہ الیاس اس سے مانوس ہوگا اور پہاڑوں سے نیچے اتر آئے گا۔ اس نے کا تب کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ اب وہ الیاس کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا اور بادشاہ نے کا تب کے سامنے یہ ارادہ اس لئے ظاہر کیا کیونکہ بادشاہ کو اس کے ایمان لانے کا علم تھا اور بادشاہ اس کے ایمان پر مطلع ہونے کے باوجود اس کی تعریف کیا کرتا تھا کیونکہ وہ انتہائی کفایت شعار امانتدار اور دانشمند آدمی تھا۔ جب اس کا تب کو بادشاہ نے حضرت الیاس کی طرف بھیجا تو اس کے ساتھ آدمیوں کا ایک جھنڈ بھیجا۔ بادشاہ نے کا تب کے علاوہ باقی تمام لوگوں کے سامنے اپنے بغض اور کینہ کا اظہار کیا۔ انہیں کہا کہ الیاس کو اعتماد میں لینا اور پھر اگر وہ تمہارے ساتھ نہ آنا چاہے تو باندھ کر لے آنا اور اگر کا تب کے ساتھ آ جائے تو تم اسے خوف زدہ نہ کرنا۔ بادشاہ نے کا تب کے سامنے اپنی توبہ کا بھی ذکر کیا اور مزید کہا کہ اب مجھ پر حقیقت منکشف ہو گئی ہے کہ جتنی مجھے مصیبت پہنچی ہے مثلاً میرے ساتھیوں کا جمل جانا اور میرے بچے کا شدید مرض میں مبتلا ہونا یہ سب الیاس کی بددعا کی وجہ سے ہے۔ اب مجھے خدشہ ہے کہ ہمارے باقی باندہ لوگوں کے لئے بھی وہ بددعا نہ کر دیں اور ہم سب ہلاک نہ ہو جائیں۔ تم اس کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ ہم سب نے توبہ کر لی ہے اور ہماری توبہ درست نہیں ہو سکتی اور ہم رضا الہی کو حاصل نہیں کر سکتے اور توں کو مکمل طور پر نہیں چھوڑ سکتے جب تک کہ الیاس ہمارے درمیان موجود نہ ہوں اور وہ ہمیں احکام کا حکم نہ دیں اور عمرات سے منع نہ کریں اور جب تک کہ الیاس ہمیں خود آ کر رب کی رضا کے افعال نہ بتائیں۔ بادشاہ نے اپنی توبہ کو مکمل دیا کہ قربت کی عبادت سے الگ ہو جاؤ۔ لوگوں نے بھی کا تب کو کہا کہ تم الیاس کو بتانا کہ ہم جن بتوں کی عبادت کرتے تھے ان کی عبادت ہم نے ترک کر دی ہے۔ الیاس خود آ کر انہیں جلا نہیں اور انہیں ہلاک کریں۔ یہ سب بادشاہ کی طرف سے دہل اور فریب تھا۔

کا تب اور مقررہ افراد الیاس کی تلاش میں چل پڑے حتیٰ کہ اس پہاڑ پر چڑھ گئے جس میں حضرت الیاس رہتے تھے پھر اس مومن کا تب نے آپ کو آواز دی حضرت الیاس اس کی آواز کو پہچان گئے۔ آپ کے دل میں اس کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کو وحی فرمائی کہ تم اپنے نیک بھائی کے لئے ظاہر ہو جاؤ اور ان سے ملاقات کرو نیز اس کی بیعت کی تجدید کرو آپ ظاہر ہوئے، اس مومن پر سلام کیا اور مصافحہ فرمایا۔ آپ نے پوچھا کیا خبر ہے؟ اس کا تب مومن نے بتایا کہ اس ظالم جابر نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے پھر اس نے وہ سب کچھ بیان کیا جو قوم نے کہا تھا۔ مزید اس مومن نے کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ شریف نہ لے گئے تو مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ آپ مجھے جو حکم فرمائیں میں تعمیل ارشاد کروں گا۔ اگر آپ چاہیں تو میں انہیں چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو جاؤں اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی طرف سے ان کے ساتھ جہاد کروں اگر آپ چاہیں تو مجھے کوئی پیغام مزید میں انہیں پہنچاؤں اگر آپ چاہیں تو اپنے پروردگار سے دعا فرمائیں کہ وہ ہمیں اس مصیبت سے نکلنے کا کوئی راستہ عطا فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کی طرف وحی فرمائی یہ جو کچھ قوم کی طرف سے پیغام لے آئے ہیں یہ سب دھوکا اور فریب ہے، یہ اس کذب بیانی کے ساتھ آپ پر قبضہ چاہتے ہیں۔ انہیں کے بھیجے ہوئے لوگ جب اسے بتائیں گے کہ آپ کی اس مومن کا تب سے ملاقات ہوئی ہے اور وہ آپ کو لے کر نہیں آیا ہے تو بادشاہ اس پر تہمت لگائے گا کہ اس نے آپ کو لانے میں کوتاہی کی ہے۔ خدشہ ہے کہ وہ اسے قتل کر دے۔ آپ اس کے ساتھ چلے جائیں میں تم دونوں کو اس سے محفوظ رکھوں گا۔ میں اس کے بیٹے کی بیماری بڑھا دوں گا حتیٰ کہ وہ اس کے غم و علاج میں

مصرف رہے گا۔ پھر میں اس کو بری حالت میں موت دے دوں گا۔ جب لڑکا فوت ہو جائے تو آپ واپس آ جانا۔ حضرت الیاس اس مومن کا تب کے ساتھ چل پڑے۔ حتیٰ کہ کُتب کے پاس پہنچ گئے۔ ادھر وہ بچے ادھر اللہ تعالیٰ نے لڑکے کو شدید تکلیف میں مبتلا کر دیا حتیٰ کہ موت اس کے حلق میں انگ لگی۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو لڑکے کی مصیبت کی وجہ سے الیاس سے غافل کر دیا۔ وہ اس کی پریشانی میں گرفتار تھے تو حضرت الیاس صحیح سلامت واپس آ گئے۔ جب کُتب کا بیٹا مر گیا اور وہ اس کے معاملات سے فارغ ہو گئے، غم اور پریشانی کم ہو گئی تو وہ الیاس کے معاملہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ بادشاہ نے کاتب سے کہ تب سے حضرت الیاس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا مجھے تو ان کی کوئی خبر نہیں، مجھے تو میرے بیٹے کی موت اور غم نے ہر چیز سے غافل کر دیا تھا، میرا تو خیال یہ تھا کہ آپ نے اس پر اعتقاد کر لیا ہوگا۔ بادشاہ نے کاتب کی بات سے اعراض کیا اور اس کو چھوڑ دیا کیونکہ اسے بھی اس کے بیٹے کی موت پر پریشانی لاحق تھی۔ جب حضرت الیاس کو پہاڑوں پر رہتے ہوئے عرصہ دراز ہو گیا اور انہیں لوگوں کے ساتھ رہنے کا اشتیاق پیدا ہوا تو آپ پہاڑ سے نیچے اترے اور قیل پڑے حتیٰ کہ آپ بنی اسرائیل کی ایک عورت کے پاس پہنچ گئے اور یہ عورت یونس بن مٹی پھلی والے کی والدہ تھی، حضرت الیاس اس کے پاس چھ مہینے چھپے رہے اس زمانہ میں یونس بن مٹی معصوم بچے تھے اور دودھ پیتے تھے۔ حضرت یونس کی والدہ خود حضرت الیاس کی خدمت کرتی تھی اور اپنے مال سے ان کی معائنہ کرتی تھیں۔ چونکہ حضرت الیاس پہاڑوں کی کھلی فضا میں رہنے کے عادی ہو چکے تھے اس لئے آپ مکانوں کی تنگی سے اکتا گئے۔ آپ نے پہاڑوں میں رہنا پسند کیا۔ آپ شہر کی فضا سے نکل کر اپنی جگہ پہاڑ میں چلے گئے۔ حضرت یونس کی والدہ حضرت الیاس کی جدائی اور فراق کی وجہ سے پریشان ہو گئی اور ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے وحشت میں گھر گئی پھر کچھ عرصہ بعد اس کا بچہ یونس فوت ہو گیا۔ یہ اس وقت ہوا جب اس نے اس کا دودھ چھڑا یا، اس کی مصیبت ان کے لئے بہت عظیم تھی۔

یونس کی والدہ حضرت الیاس کی تلاش میں نکل پڑی پہاڑوں پر چڑھتی اور ان میں چکر لگاتی رہی حتیٰ کہ اس نے الیاس کو تلاش کر لیا۔

اس نے حضرت الیاس کو کہا تیرے جانے کے بعد میں اپنے بیٹے کی موت کی وجہ سے انتہائی پریشان ہوئی اور اس کی مصیبت مجھ پر ناقابل برداشت ہو گئی کیونکہ اس ایک بچہ کے سوا میری اور کوئی اولاد نہیں ہے۔ آپ مجھ پر رحم فرمائیے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ میرے بیٹے کو زندہ کر دے۔ میں نے اپنے بیٹے کو دفن نہیں کیا ہے بلکہ اسے کپڑے میں لپیٹ آئی ہوں اور میں اس کو ایک خفیہ جگہ رکھ آئی ہوں۔ حضرت الیاس نے فرمایا مجھے ایسے امور کا حکم نہیں دیا گیا، میں اللہ تعالیٰ کا عہد مامور ہوں، وہی کرتا ہوں جس کا وہ مجھے حکم فرماتا ہے۔ عورت نے انتہائی آواز ماری کہ اور لڑکائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کے دل کو موت کی طرف مائل فرما دیا۔ حضرت الیاس نے فرمایا تیرا بیٹا کب مرا تھا؟ اس نے کہا اسے سات دن ہو گئے ہیں۔ حضرت الیاس اس عورت کے ساتھ چل پڑے اور سات دن چلتے رہے جب بچے کے پاس پہنچے تو اسے مرے ہوئے چودہ دن گزر چکے تھے۔ آپ نے پہلے وضو فرمایا اور ناز ادا کی اور پھر دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے یونس بن مٹی کو زندہ فرما دیا۔ جب وہ زندہ ہو کر بیٹھ گیا تو حضرت الیاس جلدی سے اسے وہیں چھوڑ کر اپنی جگہ لوٹ آئے۔ جب حضرت الیاس کی قوم کی عافریانی کا عرصہ طویل ہو گیا تو آپ بہت پریشان ہو گئے۔ اسی پریشانی کی کیفیت میں سات سال گزر گئے۔ سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اور فرمایا اے الیاس پریشانی اور غم کیوں ہے؟ کیا تو میری وحی کا مین نہیں ہے۔ زمین میں تو میری جنت نہیں ہے اور میری مخلوق میں تو میرا برگزیدہ نہیں ہے تو مجھ سے مانگ میں تجھے عطا کروں گا۔ میری رحمت وسیع ہے اور میرا فضل عظیم ہے۔ حضرت الیاس نے عرض کی تو مجھے موت دے دے اور مجھے میرے آباء کے ساتھ ملا دے۔ میں بنو اسرائیل سے تنگ ہوں اور وہ مجھ سے تنگ

ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے الیاس آج وہ دن نہیں کہ میں زمین اور اہل زمین کو تجھ سے محروم کروں۔ یقیناً زمین کا قیام اور اس کی اصلاح تیرے اور تیرے جیسے دوسرے بزرگوں کی وجہ سے ہے اگرچہ بعد اومیں تم تھوڑے ہو لیکن تم مجھ سے کوئی اور سوال کرو میں عطا کروں گا۔ حضرت الیاس نے عرض کی اگر تو مجھے موت نہیں دیتا تو مجھے بنی اسرائیل سے بدلہ لینے کی قوت عطا فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے کہ میں تجھے عطا کروں۔ حضرت الیاس نے عرض کی تو مجھے سات سال کے لئے آسمان کی فزائوں پر قدرت عطا فرمادے پس ان پر میری دعا کے بغیر بادل نہ آئے اور نہ میری سفارش کے بغیر بارش کا قطرہ برے۔ کیونکہ اس طریقہ سے وہ مطیع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے الیاس میں اپنی مخلوق پر بہت رحم فرماتا ہوں اگرچہ وہ ظلم بھی کرتے رہیں۔ حضرت الیاس نے عرض کی پھر چھ سال کے لئے بارش کا سلسلہ میرے حکم کے تابع کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے زیادہ میں اپنی مخلوق پر رحم فرماتا ہوں۔ آپ نے عرض کی پھر پانچ سال بارش کا کنٹرول مجھے دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی میری رحمت سے بہت بعید ہے، میں تجھے تین سال تک ان سے انتقام لینے کی قدرت عطا فرماتا ہوں۔ تین سال تک بارش کا سلسلہ تیرے ہاتھ میں دیتا ہوں۔ حضرت الیاس نے عرض کی میں کیسے زندہ رہوں گا؟ فرمایا میں تیرے لئے پرندوں کا ایک لشکر سخر کر دوں گا جو سبز وادیوں سے کھانے پینے کا سامان لائے گا۔ حضرت الیاس نے عرض کی اب میں خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے انافرمایا قوم سے بارش روک لی حتیٰ کہ مال مویشی کیڑے پتنگے درخت سب ہلاک ہو گئے، لوگ انتہائی پریشان اور مشقت میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت الیاس اسی طرح اپنی قوم سے پوشیدہ رہے۔ آپ جہاں ہوتے آپ کا رزق وہاں پہنچا دیا جاتا۔ آپ کی قوم کو اس بات کا احساس ہو گیا انہیں جس گھر میں روٹی کی خوشبو محسوس ہوتی وہ کہتے اس مکان میں حضرت الیاس داخل ہوئے ہیں۔ وہ آپ کو تلاش کرتے (لیکن آپ نہ ملتے) تو لوگ گھر والوں کو ازیتیں دیتے۔ ابن عباس فرماتے ہیں بنی اسرائیل تین سال قحط میں مبتلا رہے ایک دفعہ حضرت الیاس ایک بوڑھی کے پاس سے گزرے، آپ نے بوڑھی سے پوچھا کہ تیرے پاس کوئی کھانا ہے۔ بوڑھی نے کہا کچھ تھوڑا سا آنا اور تھوڑا سا زیتون ہے۔ آپ نے وہ دونوں چیزیں منگوا کیں اور ان پر برکت کی دعا کی اور اپنے ہاتھ سے کھانے کو کس کی تھی کھاتے آپ کی دعا اور ہاتھ کی برکت سے پوری آٹے سے بھر گئی اور اور ملکا زیتون سے بھر گیا۔ جب لوگوں نے اس بوڑھی کے پاس یہ سامان دیکھا تو پوچھا یہ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے بتایا میرے پاس سے ایک ایسے علیہ کا آدمی گذرا ہے اس نے آپ کی میت و صفات بیان کیں۔ لوگ پہچان گئے اور کہنے لگے وہ الیاس تھا۔ وہ آپ کو تلاش کرنے لگے لوگوں نے آپ کو دیکھ لیا لیکن آپ پلان سے بھاگ گئے پھر آپ نے بنی اسرائیل کی ایک عورت کے گھر پناہ لی جس کا ایک بیٹا تھا۔ اس کا نام الیسع بن اخطوب تھا۔ وہ زکات و خیرت تکلف میں مبتلا تھا اس عورت نے آپ کو اپنے ہاں پناہ دی اور آپ کو چھپا لے رکھا۔ حضرت الیاس نے اس کے بیٹے کے لئے دعا فرمائی تو وہ بچک ہو گیا۔ الیسع نے الیاس کی پیروی شروع کر دی اور آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی اور آپ کے ساتھ ساتھ رہنے لگا جہاں آپ تشریف لے جاتے وہ بھی وہاں پہنچ جاتا۔ اس وقت حضرت الیاس بو حاسب کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور الیسع جوان تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کی طرف فرمائی کہ تو نے بہت سی مخلوق کو ہلاک کر دیا ہے، بارش کے روکنے کی وجہ سے جانور کیڑے مکوڑے پرندے بے گناہ ہلاک ہو گئے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت الیاس نے عرض کی اے میرے پروردگار تو مجھے اجازت دے کہ میں ان کے لئے دعا کروں تاکہ جس مصیبت میں یہ گرفتار ہیں اس سے باہر نکل آئیں۔ شاید اب یہ لوٹ آئیں اور تیرے علاوہ جن مورتیوں کی عبادت کرتے ہیں ان سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے کرنے کی تجھے اجازت ہے۔ حضرت

الیاس بنی اسرائیل کے پاس آئے اور فرمایا تم بھوک سے مر چکے ہو اور مشقت میں مبتلا ہو چکے ہو، تمہاری سیاہ کاریوں کی وجہ سے چوپائے پرندے، کیڑے مکوڑے اور درخت سب ہلاک ہو چکے ہیں اور تم غلط راستے پر ہو۔ اگر تم غلط روئی کو جاننا چاہتے ہو تو اپنے بتوں کو میرے مقابلہ میں لے آؤ اگر وہ تمہاری بارش کے متعلق درخواست قبول کرتے ہیں تو پھر جو تم کہتے ہو وہ سچ ہے اور اگر وہ تمہاری اس درخواست کو قبول نہیں کرتے تو تم جان لو کہ تم غلط عقیدہ پر ہو اور تم اس عقیدہ کو ترک کرو پھر میری اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا وہ تمہیں اس مصیبت سے نجات دے گا۔ لوگوں نے کہا یہ تو نے انصاف کی بات کی ہے۔ وہ اپنے بتوں کو نکال کر لے آئے اور ان سے دعائیں مانگیں لیکن بارش نہ ہوئی اور مصیبت سے نجات نہ ملی پھر انہوں نے حضرت الیاس سے کہا ہم ہلاک ہو چکے ہیں تم ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ آپ نے دعا کی اور حضرت الیسع بھی اس دعا میں شریک تھے فوراً بادل سمندر کے درمیان سے ڈھال کی طرح نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی طرف آگیا پھر وہ پورے اقیانوس پر پھیل گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی اور بادل ان پر اتنا برساکر مردہ زمینیں زندہ ہو گئیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیف دور فرمادی تو انہوں نے عہد عہنی کا مظاہرہ کیا اور اپنے کفر سے باز نہ آئے اور اپنے پرانے غلط اور باطل عقیدہ پر قائم رہے۔

جب حضرت الیاس نے ان کی یہ ناشکری اور نافرمانی دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اس نافرمان قوم سے نجات اور راحت دے دے۔ علماء فرماتے ہیں آپ کو کہا گیا کہ تم فلاں دن کا انتظار کرو جب وہ دن آئے تو فلاں مقام کی طرف نکل جانا اور جو سواری تیرے پاس آئے اس پر سوار ہو جانا اور خوف نہ کرنا۔ حضرت الیاس نکلے تو حضرت الیسع بھی آپ کے ساتھ نکل پڑے حتیٰ کہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ آگ کا ایک گھوڑا آیا بعض علماء فرماتے ہیں اس گھوڑے کا رنگ آگ کے رنگ کی طرح تھا وہ گھوڑا آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ حضرت الیاس چلا گیا لگا کر اس پر سوار ہو گئے۔ گھوڑا آپ کو لے کر چل پڑا۔ پیچھے سے حضرت الیسع نے آواز دی اے الیاس میرے لئے کیا حکم ہے؟ حضرت الیاس نے ان کی طرف اوپر سے اپنی چادر پھینک دی۔ یہ علامت تھی کہ آپ بنی اسرائیل سے میرے نائب اور خلیفہ ہیں۔ یہ آپ کا آخری عہد اور ملاقات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قوم سے اٹھالیا اور آپ سے کھانے پینے کی خواہش ختم کر دی اور پڑ عطا فرمادیے پس آپ انسان بھی ہیں فرشتہ بھی ہیں، آسمانی بھی ہیں اور زمینی بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انجب بادشاہ اور اس کی قوم پر ایک دشمن مسلط کر دیا وہ ان پر وہاں سے حملہ کرتا جہاں سے انہیں علم ہی نہ ہوتا حتیٰ کہ وہ ان پر غالب آگیا۔ اس نے انجب بادشاہ اور اس کی بیوی ازبتل کو سوزی کے باغ میں قتل کر دیا۔ پھر ان کے جسم مرداروں کی طرح اس باغ میں پڑے رہے حتیٰ کہ ان کے گوشت سڑ گئے اور ہڈیاں پرانی اور بوسیدہ ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیسع کو تاج نبوت عطا فرمایا اور انہیں رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا اور ان کی طرف وحی فرمائی۔ ہوا اسرائیل حضرت الیسع پر ایمان لائے اور آپ کی تعظیم اور احترام کرتے رہے اور آپ کے وصال تک ان میں آپ کا حکم نافذ رہا۔

اسری بنی یحییٰ عن عبد العزیز کے سلسلہ سے مروی ہے کہ حضرت الیاس اور خضر علیہما السلام رمضان شریف کے روزے بیت المقدس میں رکھتے ہیں اور ہر سال حج کرتے ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت الیاس بیابانوں پر مقرر ہیں۔ اور حضرت خضر سمندر پر مقرر ہیں علامہ بغوی نے اپنی تفسیر میں ذی الالیاس لویس الثیوسیون کے تحت اسی طرح لکھا ہے (۱)۔

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾

” (یا کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟“

۱۔ یعنی حضرت الیاس نے فرمایا کیا تم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں۔

أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿٣٢﴾

” کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑتے ہو احسن الخالقین کو؟“

۱۔ تَدْعُونَ بمعنی تعبدون ہے۔ بعل بنی اسرائیل کا ایک بت تھا۔ جس کی وہ عبادت کرتے تھے اسی وجہ سے ان کے شہر کا نام بعلبک تھا۔ مجاہد، ٹکرم اور قنادہ فرماتے ہیں اہل یمن کی لغت میں بعل رب کو کہتے ہیں یہ کلام سابقہ کلام کا بیان یا بدل ہے (۱)۔

اللَّهُ رَبُّكُمْ وَمَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُبْدِي السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ ﴿٣٣﴾

” (یعنی) اللہ کو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔“

۱۔ اللہ کو حمزہ کسائی، یعقوب اور حفص نے احسن الخالقین سے بدل کی بناء پر منصوب پڑھا ہے اور باقی قراء نے استیناف کی بناء پر مرفوع پڑھا ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنذَرْتَهُمْ مَوَعِدًا ﴿٣٤﴾

” پھر انہوں نے اسے کوجھٹلایا پس یقیناً انہیں (کچڑ کر) حاضر کیا جائے گا۔“

۱۔ حاضر کرنے سے مراد عذاب میں حاضر کرنا کریمہ کی وجہ سے عذاب کا ذکر نہیں فرمایا یا اس لئے عذاب کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ مطلق اذہار عرافہ کے ساتھ خاص ہے۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٣٥﴾

” بجز اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں۔“

۱۔ یہ استثناء فکذبہ کے فاعل سے ہے لکن خبرین سے استثناء نہیں کیونکہ اس ترکیب سے معنی میں فساد پیدا ہوگا بعض علماء فرماتے ہیں یہ استثناء منقطع ہے یا لکن خبرین سے متشقی متصل ہے بشرطیکہ لکن خبرین اس مفہوم میں ہو کہ بعض کے وصف کے ساتھ تمام کا وصف بیان کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں اسی اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے اَنْتُمْ الْعَبِيدُ اِنْ كُنْتُمْ لَسَوْفَتُونَ ﴿۳۵﴾ (اے قافلہ والو! بلاشبہ تم چور ہو) (اس جملہ میں سارے قافلہ کو چور کہا گیا ہے حالانکہ سب چور نہ تھے پیالہ تو کسی ایک کی خورجی میں تھا)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٣٦﴾ سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿٣٧﴾

” اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں سلام ہو الیاس پر۔“

۱۔ اِبْرَاهِيمَ سے مراد الیاس ہی ہیں۔ یعنی الیاس میں ایک لغت ال یاسین ہے جیسے سیناء اور سینین اسماعیل اور سمعین میکائیل اور میکائین مختلف لغتیں ہیں۔ فرما کہتا ہے اِبْرَاهِيمَ جمع ہے۔ اور اس سے مراد الیاس اور ان کے مؤمن پیروکار ہیں (۲)

اس تاویل پر یہ اس طرح ہوگا جیسے اشعریین (اشعری اور اس کے پیروکار) یحییٰ (حی) لوگ) لیکن اس تاویل پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب کسی علم کی جمع بنائی جائے تو اس پر الف لام تعریف کا داخل کرنا واجب ہوتا ہے۔ نافع اور عامر نے ال یاسین کو مزہ کے فقرہ کے ساتھ اور لام کو سرہ کے ساتھ یا سین سے جدا پڑھا ہے کیونکہ یہ لفظ میں عہدہ علیحدہ لکھے ہوئے تھے (یعنی ال مضاف اور یاسین مضاف الیہ علیحدہ علیحدہ دو کلمے ہیں) اس قرأت پر یاسین الیاس کا باپ ہوگا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یاسین الیاس کا بی ام ہو اور الیاسین سے مراد الیاس اور ان کے پیروکار ہوں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یاسین سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن یا دوسری کتب سماوی ہیں لیکن یہ قول نظم قرآن کے مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ دوسرے انبیاء کے واقعات کا سلسلہ چل رہا ہے (یعنی ماقبل اور مابعد کلام سے یہ مفہوم کوئی علاقہ اور مناسبت نہیں رکھتا)

إِنَّا كَذَّبْنَا نَجْمِي الْخُسَيْنِينَ ﴿٣٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾

”ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔“
 لے افہ کی ضمیر کا مرفع الیاس ہیں۔ ابن مسعود کی قرأت میں سلام علی ادریسین ہے، یعنی ادریس اور آپ کے پیروکاروں پر سلام ہو کیونکہ ابن مسعود نے بھی اِن ادریس لَیْمَنَ الْمَرْسَلِیْنَ پڑھا ہے۔

وَإِنَّا لَوَظَّا لَیْمَنَ الْخُسَیْنِ ﴿٣٢﴾ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَآهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٣٣﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِی الْعُیُودِ ﴿٣٤﴾

”اور بیشک لوط بھی پیغمبروں میں ہیں (یا درود) جب بچالیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ کو بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔“

لے یعنی جب لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوا تو ہم نے ان کی بیوی کے سوا سب گھر والوں کو اس عذاب سے بچالیا اور ان کی بیوی عذاب میں باقی رہنے والوں میں رہی۔

ثُمَّ دَمَرْنَا الْآخَرِينَ ﴿٣٥﴾

”پھر ہم نے برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو۔“

لے دَمَرْنَا کا معنی اھلکا ہے، یعنی ہم نے ہلاک کر دیا۔

وَإِنَّا لَنَسُوذُنْ عَلَيْهِمْ مُّصِیْحِينَ ﴿٣٦﴾ وَبِالْبَیْلِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٣٧﴾

”اور ہم گزرتے رہتے ہو ان (کے جزے و یاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت لے کیا تم (انتا بھی) نہیں سمجھتے ج۔“

لے کم ضمیر سے مراد اہل مکہ ہیں، یعنی اے مشرکین مکہ جب تم شام کی طرف سفر کرتے ہو تو سدوم کی بہتی تہارے رات میں آتی ہے۔ تم ان کے تباہ شدہ مکانوں کے کھنڈرات سے صبح و شام گزرتے ہو۔ یا یہ معنی کہ دن اور رات کے وقت ان اجڑی بیٹیوں سے گزرتے ہو۔ شاید سدوم کی بہتی مسافروں کی قیام گاہ کے قریب واقع ہو اور مسافر اپنی قیام گاہ سے کوچ کرتا ہو تو صبح ہی اس بستی سے گزرتا ہو اور جو

مسافر قیام گاہ کا ارادہ رکھتا ہو وہ شام کے وقت اس بستی سے گزرتا ہو۔ یہ اس صورت میں ہے اگر سفر دانہ کے وقت ہو اور اگر سفر رات کے وقت کا ہو تو معاملہ الٹ ہوگا۔

۱۔ اَفْلَا تَعْقِلُونَ یعنی کیا تم صاحب عقل نہیں کہ تم ان بستیوں سے عبرت حاصل کرو۔ یہ جملہ مقررہ ہے۔

وَإِنْ يَنْفُسْ لَكُمْ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٠﴾ إِذْ بَقِيَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَحْمُورِ ﴿٦١﴾

”اور بے شک یونس بھی (ہمارے) رسولوں میں سے ہیں جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف (سوار ہونے کے لئے)۔“

۱۔ ابقی کا معنی اصل میں آقا سے غلام کا بھاگ جانا ہے لیکن حضرت یونس علیہ السلام اپنے رب کی اجازت کے بغیر بھاگ گئے تھے اس لئے یہاں بھی اس کا اطلاق درست ہے۔

عبدالرزاق اور احمد نے الزجد میں ‘عبد بن حمید اور ابن المنذر نے طاووس سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام نے قوم کو عذاب کی وعید سنائی اور پھر عذاب میں تاخیر ہو گئی تو آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے قوم کو چھوڑ کر چلے گئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ آپ سوار ہوئے تو کشتی رک گئی۔ طراح کہنے لگے اس میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔ انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ یونس کے نام کا نکلا تو حضرت یونس علیہ السلام نے کہا میں ہی بھاگا ہوا غلام ہوں، آپ نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ علامہ بغوی نے ابن عباس اور وہب کا قول اسی طرح نقل کیا ہے۔ علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے تین مرتبہ قرعہ اندازی کی تھی اور ہر بار آپ کا نام نکلتا تھا (۱)۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں روایت ہے کہ جب آپ سمندر کے کنارے پہنچے تو آپ کے ساتھ آپ کی بیوی بھی تھی اور آپ کے دو بیٹے بھی تھے۔ کشتی آئی تو آپ نے اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ سوار ہونے کا ارادہ کیا لیکن جب آپ نے بیوی کو سوار ہونے کے لئے آگے بڑھایا تو کشتی اور اس کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی (جواسے بہا کر لے گئی) پھر ایک موج آئی جو ان کے بڑے بیٹے کو گل گئی پھر ایک بھیڑیا آیا جو آپ کے چھوٹے بیٹے کو اٹھا کر لے گیا۔ آپ تمہارے گئے پھر ایک دوسری کشتی آئی آپ اس پر سوار ہوئے اور آپ لوگوں سے جدا ایک کونہ میں بیٹھ گئے۔ جب کشتی سمندر میں پہنچی تو رک گئی۔ لوگوں نے قرعہ اندازی کی (۲) ہم نے یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ سورہ یونس میں ذکر کر دیا ہے۔

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿٦٢﴾

”پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور جھیلے ہوؤں میں سے ہو گئے۔“

۱۔ مساهم = المساهمہ سے مشتق ہے جس کا معنی قرعہ اندازی کے لئے تیر ڈالنا ہے کان بمعنی صار ہے یعنی آپ قرعہ کی وجہ سے مخلوق میں سے ہو گئے۔ دحض کا اصل معنی کامیابی کے مقام سے پھسلنا ہے لیکن یہاں مفلوب ہونا ہے۔

فَاتَّقَبَةَ الْحَوْتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿٦٣﴾

”پس نکل یا نہیں حوت نے دریاں حالانکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔“

۱۔ التقبم کا معنی اقمہ بنانا ہے۔ وَهُوَ مُلِيمٌ کا معنی یا تو یہ ہے کہ آپ ملامت میں داخل ہونے والے تھے (یعنی اس وقت ہوگا جب

(الَام) کا ہمزہ اس ہمزہ کی طرح ہو جو اس میں ہوتا ہے کیا یہ معنی کہ آپ ایسا کام کرنے والے تھے جس پر ثناء کی جاتی ہے یا یہ معنی کہ آپ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ یہ جملہ (ذَوُو مُلْتِمٍ) النقمہ کی ضمیر مفعول سے حال ہے۔

فَكَوَلَا اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسِيْحِيْنَ ﴿٦٠﴾ لَكِنَّتِ فِي بَطْنِهٖ اِلٰى يَوْمٍ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦١﴾

”پس اگر وہ اللہ کی پائی جان کرنے والوں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے پھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک“

۱۔ ابن عباس فرماتے ہیں الْمُسِيْحِيْنَ کا معنی المصلین ہے۔ یعنی اگر وہ نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ حضرت وہب نے اس کا معنی العابدین کیا ہے، یعنی اگر وہ عبادت کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ الحسن فرماتے ہیں پھلی کے پیٹ میں آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی لیکن اس سے پہلے کوئی ٹیک مل گیا تھا۔ ضحاک فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی سابقہ عبادت کی قدر دانی فرمائی (۱) میں کہتا ہوں یہ ممکن ہے کہ آپ نے پھلی کے پیٹ میں اشارہ سے نماز پڑھی ہو کیونکہ وہاں آپ زندہ تھے اور باوش تھے اور بہتر یہ قول ہے کہ آپ پھلی کے پیٹ میں لا الہ الا انت سبحانک کے کلمات کے ساتھ تسبیح نہ فرماتے تو قیامت تک پھلی کے پیٹ میں رہتے جیسا کہ قرآن کی واضح نص موجود ہے۔

۲۔ یعنی پھلی کے پیٹ میں مر جاتے اور وہی پھلی ان کے لئے قبر ہوتی اور پھلی کے اجزاء کے ساتھ ملے رہتے جیسے اللہ تعالیٰ کو علم تھا اور قیامت تک اسی کیفیت میں رہتے۔

فَنَبَّأْنَاهٗ بِالْعَآرِۤى وَهُوَ سَوۡیٌ ﴿٦٢﴾

”پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔“

۱۔ یعنی ہم نے پھلی کو ان کے نگل جانے کا حکم دیا۔ العواء ایسا مکان جو درختوں اور جھاڑیوں سے خالی ہو۔ وَهُوَ سَوۡیٌ یعنی ایسے چوڑے کی مانند تھے جس کے اوپر بال نہ ہوں۔ بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ آپ کا گوشت بوسیدہ ہو گیا تھا اور ہڈیاں نرم ہو گئی تھیں اور آپ کے اعضاء میں کوئی قوت و طاقت نہ تھی۔ علماء کا اختلاف ہے کہ آپ کتنی مدت پھلی کے پیٹ میں رہے تھے۔ علامہ بنوئی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے تین دن کی مدت لکھی ہے (۲) اسی طرح ابن المہدیٰ، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم نے قتادہ سے نقل کیا ہے۔ علامہ بنوئی فرماتے ہیں عطاء نے سات دن بیان فرمائے ہیں (۳) اسی طرح ابن المہدیٰ، ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے۔ علامہ بنوئی نے ضحاک کا قول میں دن نقل فرمایا ہے۔ سعدی بکلی اور مقاتل بن سلیمان نے چالیس دن لکھے ہیں (۴) ابن عباس سے حاکم نے اور ابن ابی شیبہ امام احمد (فی الزہد) عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المہدیٰ، ابن ابی حاتم اور ابو اسنیخ نے ابوامرؤس سے عبد الرزاق ابن مردودہ سے ابن جریج سے عبد بن حمید اور ابن المہدیٰ نے عمرہ سے اسی طرح کا قول نقل کیا ہے۔ عبد بن حمید نے زوائد المرحوم میں دن کا کچھ حصہ بیان کیا ہے۔ ابن ابی حاتم حاکم اور بنوئی نے بعض سے نقل کیا ہے کہ پھلی نے چاشت کے وقت آپ کو نگلا اور شام کے وقت اگل دیا تھا (۵)۔

وَأَنۡبَشَا عَیۡنَیۡہٗ سَجَرًا مِّنۡ یَّتَطٰوۡنُ ﴿٦٣﴾

”اور (ان کی حفاظت کے لئے) ہم نے اگادی ان پر کدو کی بیل“

1- تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 581 (الفر)

2- تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 581 (الفر)

3- تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 581 (الفر)

4- تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 581 (الفر)

5- تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 581 (الفر)

۱۔ علامہ بنوئی لکھتے ہیں حسن اور مقاتل فرماتے ہیں انہی بوٹی جس کا تاناہ ہو اور زمین پر پھیلتی اور کھلتی ہو اور سردیوں میں باقی نہ رہتی ہو جیسے کدو، کھجور کی تیل، اس کو عظیمین کہتے ہیں (۱) علامہ بنوئی فرماتے ہیں خلافِ عادت اس تیل کا تاناہ بھی تھا۔ یسقطین، قطن بالکان سے مشتق ہے جس کا معنی کسی جگہ ٹھہرنا ہے اور اس کا وزن بغضیل ہے۔ میں کہتا ہوں وہ کدو کی تیل تھی جس نے آپ کو اپنے پتوں کے ذریعہ بکھیوں کے کانٹے سے محفوظ کر لیا تھا۔ ان پتوں کی وجہ سے وہ آپ کے جسم پر نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔ علامہ بنوئی فرماتے ہیں یہ تمام مشرین کا قول ہے۔ اسی طرح عبد بن حمید اور ابن جریر نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ مقاتل بن حبان فرماتے ہیں حضرت یونس علیہ السلام ایک درخت (تیل) کے سایہ میں رہتے تھے اور ایک پہاڑی بکری آپ کے پاس آتی تھی جس کا صبح وشام آپ دودھ پیتے تھے حتیٰ کہ آپ کا گوشت مضبوط ہو گیا۔ بال آگ آئے اور اعضا میں قوت آ گئی پھر آپ سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو درخت (تیل) خشک ہو چکا تھا پھر جب آپ کو وجوہ لگی تو آپ بہت پریشان ہوئے اور رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل کو بھیجا اور فرمایا تم ایک درخت کے سوکھ جانے پر غمگین ہو اور اپنی امت کے ایک لاکھ افراد پر غم نہیں کرتے جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور تائب ہو چکے ہیں (۲)۔

مسئلہ: انبیاء کرام کی لغزشوں کو ذکر کرنا ناجائز نہیں کیونکہ ان کی لغزش رجوع الی اللہ اور ان کے مراتب کی بلندی کا باعث ہوتی ہے۔ جس نے کسی نبی کی گستاخی کی وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تُفْقِدُوا بَيْتًا أَصْحَابُ يَوْمَئِذٍ سَلَامٌ (ترجمہ) (نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے رسولوں سے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے لئے یہ کہنا مناسبت نہیں کہ میں یونس بن حنی سے بہتر ہوں (بخاری و مسلم) (۳)۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ جس نے یہ کہا کہ میں یونس بن حنی سے افضل ہوں اس نے جھوٹ بولا (۴)۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک مسلمان اور یہودی کے درمیان تلخ کلامی ہوئی، مسلمان نے کہا قسم ہے اس کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے یہودی نے کہا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔ یہودی نے جب یہ کہا تو مسلمان نے ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ یہودی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور جو کچھ اس کے اور مسلمان کے درمیان معاملہ تھا وہ عرض کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو بلایا اور واقعہ کی تفصیل پوچھی۔ مسلمان نے واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔ کیا قیامت کے روز لوگ بے ہوش ہوں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہوں گا اور میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا اور اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرض کی ایک طرف کو پکڑے ہوئے ہوں گے اور معلوم نہیں وہ بھی ان لوگوں سے ہوں گے جو بے ہوش تھے اور پھر مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا ان لوگوں میں سے تھے جن کی اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے والوں سے استثناء فرمائی ہے (۵) ایک روایت میں ہے فرمایا مجھے معلوم نہیں طور کے دن کی بے ہوشی اس دن کی بے ہوشی کے عوض کر دی گئی ہے یا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے ہیں اور میں نہیں کہتا کہ کوئی یونس بن حنی سے افضل ہے۔ ابو سعید کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء کے درمیان فضیلت (کا موازنہ) نہ کرو۔ بخاری و مسلم (۶) حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے فرمایا اللہ کے نبیوں کے درمیان فضیلت (کا موازنہ) نہ کرو (۷)۔

3- صحیح بخاری، حدیث: 3234 (ابن کثیر)

2- تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 581 (القر)

1- تفسیر بنوئی، جلد 4، صفحہ 581 (القر)

6- صحیح بخاری، حدیث: 2281 (ابن کثیر)

5- صحیح بخاری، حدیث: 2280 (ابن کثیر)

4- صحیح بخاری، حدیث: 4328 (ابن کثیر)

7- صحیح بخاری، حدیث: 3233 (ابن کثیر)

اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انبیاء کے درمیان فضیلت نہ کرنے کا ارشاد فرمایا ہے اس کا مفہوم کیا ہے، جب کہ آیت قرآنی اور اجماع سے انبیاء کرام کی فضیلت ثابت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تِلْكَ اَنْزَلْنَاهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (یہ رسول کی جماعت ہے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَنَا سَيِّدٌ وَلَدُ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشْفِقٍ (میں اولاد آدم کا قیامت کے دن سردار ہوں گا سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی) (1) اس حدیث کو امام مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنَا سَيِّدٌ وَلَدُ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرٌ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَضْلًا سِوَايَ الْاَنْحَثِ لِبَوَائِي وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرٌ وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشْفِقٍ وَلَا فَخْرٌ (2) (میں قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور میں بطور فخر نہیں کہہ رہا بلکہ اظہار حقیقت کے لئے کہہ رہا ہوں۔ اس دن میری یعنی آدم اور ان کے علاوہ سب انبیاء میرے جہنم کے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے میری قبر کھلے گی اور میں یہ بطور فخر نہیں کہہ رہا اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری سفارش قبول ہوگی اور میں یہ بطور فخر نہیں کہہ رہا۔ اس حدیث کو امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں تمام رسولوں کا قائد ہوں گا اور میں یہ بطور فخر نہیں کہہ رہا اور میں خاتم النبیین ہوں اور میں یہ بطور فخر نہیں کہہ رہا۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور میری شفاعت قبول ہوگی اور میں یہ فخر یہ نہیں کہہ رہا۔ اس حدیث کو دارمی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے (3)۔

(سوال کا حاصل یہ ہے کہ جب فضیلت دینے اور فضیلت نہ دینے دونوں قسم کی روایات موجود ہیں تو تطبیق کیسے ہوگی)

مصنف فرماتے ہیں میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ ظن و تخمین کے ساتھ انبیاء کے درمیان فضیلت کا موازنہ نہ کرو۔ جب تک کوئی الہی کے ذریعے کسی کی فضیلت ظاہر نہ ہو جائے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کی دوسروں پر فضیلت بیان ہو تو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ نفس نبوت میں انبیاء کے درمیان فضیلت بیان نہ کرو، یعنی بعض پر تو تم ایمان لاؤ، ان کی تعظیم و توقیر بھی کرو اور بعض پر ایمان نہ لاؤ۔ اللہ اعلم

وَأَمْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿٦٦﴾

”اور ہم نے بھیجا تھا نہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف لے“

۱۔ علامہ ربوئی نے لکھا ہے کہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں حضرت یونس علیہ السلام کو اس نصیب میں مبتلا ہونے سے پہلے موصول کے علاقہ نینوا میں معبوث کیا گیا تھا (4) عبد بن حمید ابن اسلمند راو ابن ابی حاتم نے اسی طرح نقل کیا ہے اور حسن سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے اسے ایک لاکھ کی طرف بھیجا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے پھیلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد دوبارہ ہم نے اسے ان لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف پہلے بھیجا تھا۔

بعض علماء فرماتے ہیں دوبارہ جس قوم کی طرف معبوث کئے گئے وہ پہلی قوم سے مختلف تھی۔ مقاتل اور کلبی فرماتے ہیں او بمعنی بل

ہے (5) ابن عباس فرماتے ہیں او بمعنی واو ہے۔ جیسا کہ عذراؤد راہیں او بمعنی واو ہے۔ زجاج کہتا ہے او یہاں اپنی اصل پر

1- صحیح مسلم، جلد 15، صفحہ 30، حدیث: 3 (اعلیٰ) 2- جامع ترمذی، حدیث: 3148 (دارالحدیث)

3- سنن دارمی، جلد 1، صفحہ 31، حدیث: 50 (الحسان) 4- تفسیر ربوئی، جلد 4، صفحہ 582 (الفر) 5- تفسیر ربوئی، جلد 5، صفحہ 582 (الفر)

ہے۔ یعنی تمہارے اندازے اور گمان پر یا لاکھ سے زائد تھے جیسے کوئی شخص کسی افراد کے جھگڑو دیکھتا ہے اور کہتا یہ ہزار یا اس سے زائد ہیں پس یہاں تک مخلوق کے اعتبار سے ہے (1) (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تعداد میں کوئی شک نہیں) یہ زائد تعداد کتنی تھی؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل فرماتے ہیں وہ بیس ہزار تھے (2) ترمذی نے ابی بن کعب سے یہی روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زائد بیس ہزار تھے (3) حسن فرماتے ہیں تین ہزار سے کچھ زائد تھے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں وہ ستر ہزار تھے (4)۔

فَاسْتَقْبِلْهُمْ اِلٰی حَبِیْن ۝

”پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک لے۔“

یعنی جن لوگوں کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا وہ عذاب کو دیکھنے کے بعد یونس علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ عین سے مراد متعین مدت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس اور حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ کو سلام کے ساتھ ختم نہیں فرمایا جیسا کہ باقی انبیاء کرام کے واقعات کو سلام کے ساتھ ختم فرمایا (مثلاً فرمایا سلام علی ابو اہیم سلام علی موسیٰ و ہارون سلام علی الیاسین) شاید اس کی وجہ اصحاب شراغ اور اولوالعزم رسولوں اور ان کے درمیان فرق بیان کرنے کے لئے سابقہ اسلوب اختیار نہیں فرمایا یا سورت کے آخر میں چونکہ سب رسولوں پر سلام فرمایا ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے ان کے لئے علیحدہ سلام کا ذکر نہیں فرمایا۔

فَاسْتَقْبِلْهُمْ اِلٰی الْبَنَاتِ وَلَهُمُ الْيَمُونُ ۝

”ذرا پوچھئے ان (نادانوں) سے کیا آپ کے رب کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے لے۔“

اس کلام کا عطف فاستقبتہم اھم اسد خلقا افرق خلقا پر ہے۔ سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا تھا کہ ان منکرین قیامت سے وجہ انکار دریافت کریں کہ کیا ان کی تخلیق مشکل ہے یا ان کے علاوہ زمین و آسمان اور ملائکہ کی تخلیق مشکل ہے۔ یا جو ان سے پہلے قومیں گزر چکی ہیں ان کی تخلیق مشکل تھی پھر جب وہ زبان سے یا حال سے اقرار کر دیں کہ پہلے لوگوں کی تخلیق مشکل تھی تو پھر انہیں اس ذات سے ڈرانا جس نے ان طاقتور اور توانا لوگوں سے ان کی نافرمانی کا انتقام لیا اور ان کو ان کے کفر کی وجہ سے جہنم میں کر دیا۔ جب وہ ذات ان سے طاقتور لوگوں پر قادر ہے اور ہر مخلوق پر وہ قادر ہے اور وہ قیامت کے قائم کرنے پر بھی قادر ہے اور تم جیسے عقیدہ و توانا لوگوں کو عذاب کی بھی میں دھکیلنے پر بھی قادر ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے مناسب واقعات ذکر فرمائے۔ اب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرما رہے ہیں کہ انہوں نے جو کج گھڑت تقسیم بنا رکھی ہے اس کی ان سے وجہ دریافت کریں یہ کہتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے ہیں۔ مشرکوں میں سے بعض کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں ان کے اس شرک پر کسی اور گمراہیاں بھی مانی جاتی تھیں مثلاً وہ اللہ کے لئے جسم ثابت کرتے تھے اور اللہ کے لئے بیٹیاں جائز قرار دیتے تھے۔ کیونکہ ولادت اجسام کا خاصہ ہے جو تکریم و تبدل کو قبول کرتے ہیں (یعنی جب اللہ کے لئے بیٹیاں مانتے ہیں تو گویا خدا کا

2- تفسیر نذوی، جلد 4، صفحہ 582 (القر)

4- تفسیر بنوری، جلد 4، صفحہ 528 (القر)

1- تفسیر بنوری، جلد 4، صفحہ 582 (القر)

3- جامع ترمذی، حدیث 3229، (دارالحدیث)

جسم مانتے ہیں کیونکہ ولادت (پیدا کرنا اور پیدا ہونا) اجسام کا خاصہ ہے) دوسری گمراہی یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنے آپ کو فضیلت دیتے تھے کیونکہ اللہ کے لئے کمزور ترین صنف اور اپنے لئے بہتر اور قوی صنف کا عقیدہ رکھتے تھے۔ تیسری گمراہی یہ کہ فرشتوں کی توہین کرتے تھے کیونکہ انہیں انوث کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کے ابطال اور انکار کو قرآن حکیم میں کی مرتبہ ذکر فرمایا ہے اور ان کی اس بات کو اتنا قبیح فرمایا ہے کہ اس کی محسوس سے آسمان پھٹنا چاہتے ہیں، زمین پھٹتی ہے اور پہاڑ گرتے ہیں۔ یہاں انکا صرف آخری دو باتوں پر ہے کیونکہ ان میں سے ایک گروہ ان دو بد عقیدہ گروں میں ملوث تھا جہیہ اور بنی سلمہ بن عبد الدار قبائل کے عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ دوسری ان دونوں باتوں (اللہ کے لئے بیٹیاں ہونا اور ملائکہ کا مونث ہونا) کے نفاذ کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں عقیدوں کا فساد ایسا ہے کہ عام لوگ اپنی طبیعت اور فطرت کے اعتبار سے بھی جانتے ہیں۔ اسی وجہ سے خود ان سے سوال کرنے کے متعلق فرمایا (یعنی تمہارے گھراگر بچی پیدا ہو جائے تو لوگوں سے منہ چھپانے سے بچھڑے ہو، جب کہ اس خالق کے لئے تم اولاد ثابت کرتے ہو اور وہ بھی لڑکیاں جو صنف انسانی میں کمزور اور عاجز صنف ہے تمہاری اس بے انصاف ذہنیت اور پرصاحت سوچ پر تھف ہے؟ تم خوری بناؤ اس تفسیر کی دلیل کیا ہے؟)

أَمْ حَقُّنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَّا نَنْبَأُكُمْ عَنْهُمُ شَهِدُونَ ﴿۵۷﴾

”آیا جب ہم نے فرشتوں کو مونث بنایا تو کیا وہ موجود تھے؟“

۱۔ اس ارشاد میں ان سے استہزاء ہے اور یہ تصور ہے کہ وہ لوگ انتہائی جاہل تھے کہ وہ اسی بے بنی تائیں کرتے تھے اور ایسے من گھڑت فیصلے کرتے تھے گویا وہ فرشتوں کی تخلیق کے وقت موجود تھے۔

إِلَّا أَنَّهُمْ مِنَ الْفَكِهِمْ يَتَقُولُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَكِنَّ اللَّهَ وَانَّهُمْ لَكِن يَبُونُ ﴿۵۹﴾

”غور سے سنو! وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بچے بنے! اور وہ بلاشبہ جھوٹ کہتے ہیں ج۔“

۱۔ افک ایسے جھوٹ کو کہتے ہیں جس کا بطلان ظاہر ہو اور دلیل جس کے سراسر ممانی ہو

۲۔ إِنَّهُمْ لَكِن يَبُونُ یعنی یہ تمام عقلمندوں کے نزدیک یقیناً جھوٹے ہیں۔

أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ ﴿۶۰﴾

”کیا اس نے پسند کی ہیں (اپنے لئے) بیٹیاں بیٹوں کو چھوڑ کر؟“

۱۔ اصطفیٰ کو ابو جعفر نے ہمزہ مکسورہ وصلی کے ساتھ پڑھا ہے اور درمیان کلام میں وہ اس کو ساقط کرتے ہیں اور نافع سے بھی یہی روایت ہے اور اس کی وجہ یہ بات ہے کہ ہمزہ استعمال لفظاً حذف ہے یا قالوا کی تقدیر کے ساتھ یہ خبر ہے۔ یعنی یہ جھوٹ کہتے ہیں جب یہ کہتے ہیں کہ اس نے بیٹیوں کو پسند فرمایا ہے۔ عام قرآن نے ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ پڑھا ہے جو ہمزہ وصل پر داخل ہے اور یہ استہزام انکار کے لئے ہے یا قالوا لَهُمْ اصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِينَ کی تقدیر پر استبعاد کے لئے ہے (یعنی ان سے پوچھا جائے گا کیا اللہ تعالیٰ نے بیٹوں پر بیٹیوں کو ترجیح دی ہے)

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۶۱﴾

”تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟“

جائے گا۔“

یہ جملہ قدس کی تقدیر کے ساتھ استغنیہ کی منسوب ضمیر سے حال ہے۔ جو یہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ قریش کے قبائل سلیم جبہہ اور خزاعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی (۱) مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں الجنت سے مراد فرشتے ہیں۔ ان کو جنت اس لئے کہا کیونکہ یہ عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں (۲) (جن کا معنی پوشیدہ ہوتا ہے) میں کہتا ہوں فرشتوں کو جن کے نام سے تعبیر کیا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہونے کے مرتبہ کے حامل نہیں ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں ملائکہ کا ایک گروہ ہے جسے جن کہا جاتا ہے اور ان میں سے ابلیس ہے۔ عرب کے مذکورہ قبائل ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ کبھی فرماتے ہیں وہ کہتے اللہ تعالیٰ نے ایک جنی سے نکاح کر لیا ہے اور اس سے فرشتے پیدا ہوئے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ بعض قریش نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت ابوبکر الصدیق نے فرمایا پھر ان کی مائیں کون ہیں؟ کہنے لگے جنوں کی سردار عوریں (۳) اسی طرح ابلیسی نے شعب الایمان میں مجاہد سے نقل کیا ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمَتْ الْأُمَمُ كُلُّهَا جَمْلَةَ مَعْرَضِهِمْ۔ انہم میں ضمیر کا مرجع یا تو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنے والے لوگ ہیں یا مطلقاً انسان مراد ہیں یا جن مراد ہیں اور فرشتوں کو بھی شامل ہے۔

سُبُحْنَ اللَّهُ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۵۸﴾

”پاک ہے اللہ تعالیٰ ان (تفویات) سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔“

یعنی اللہ تعالیٰ بیٹے اور نسب سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ یہ ایک اور جملہ معترضہ ہے۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۵۹﴾

”مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے (ایسی ہر ذہ مراد نہیں کرتے)۔“

اگر انہم کی ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنے والے لوگ ہیں تو یہ اس سے مستثنیٰ منقطع ہے۔

فَأَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۶۰﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاعِلِينَ ﴿۶۱﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿۶۲﴾

”پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی پوجا کرتے ہو تم (سب ملکر) اللہ کے خلاف (کسی کو) نہیں بہکا سکتے مگر اسے جو

تا چنے والا ہے پھر کئی آگ کو۔“

یہ ما سے مراد بت ہیں۔ علیہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ فاعلتین مگر اہ کرنے والے ہیں، یعنی تم اور تمہارے یہ باطل معبود خواہ کتنی ہی تنگ دو کر کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے لیکن ان بد بختوں کو تم گمراہ کرو گے جن کا جہنم ہو نا علم الہی میں پہلے ہی متعین ہے۔

وَمَا مِمَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعَكُمْ ﴿۶۳﴾

”اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے۔“

یہ جملہ بتقدیر قول ولقد علمت الجنة پر معطوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی قَالَتْ مَا مِمَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعَكُمْ فَيَوْمَ تَعْلَمُونَ فرشتوں کا قول ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا مرتبہ عودیت میں متعین ہے یا آسمانوں میں اللہ کی عبادت کرنے کے لئے جگہ متعین ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان چرچرا یا اور چرچرا تا اس کا حق ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے بقدر قدرت میں میری جان ہے آسمان میں چار انگلیوں کے برابر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے پیشانی رکھے ہوئے نہ ہو۔ اس حدیث کو بغوی نے روایت کیا ہے (1) یا مقام معلوم سے مراد مراتب قرب میں متعین مقام ہے جس سے کوئی فرشتہ تجاوز نہیں کرتا سجدی فرماتے ہیں قرب اور مشاہدہ میں مقام متعین ہے۔ ابو بکر الوراق فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرشتہ کیلئے متعین مقام ہے جس پر وہ کروہ اللہ کی عبادت کرتا ہے جیسے خوف رجا، محبت اور رضا وغیرہ (2) میں کہتا ہوں فرشتوں کا مقام متعین ہے لیکن حضرت انسان قرب کی منازل متواتر طے کرتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اس حدیث کو بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے (3) ملائکہ اپنے مقامات سے تجاوز نہیں کرتے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین سے فرمایا اے جبرئیل تو نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ جبرئیل نے یہ جملہ سن کر جبرجہری کی ادھر عرض کی یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نور کے سر حجابات ہیں اگر ان میں سے کسی ایک کے بھی قریب جاؤ تو میں جل جاؤں۔ مصابیح میں ذرا دہ بن اونی سے یہ حدیث اسی طرح روایت ہے (4) اسی حدیث کو ابو نعیم نے علیہ میں حضرت انس سے روایت کیا ہے لیکن اس میں جبرئیل کے جبرجہری لینے کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسرائیل کو جس دن سے پیدا فرمایا ہے وہ پاؤں ملا کر کھڑا ہے، اپنی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر نور ہیں اگر وہ ان نوروں میں سے کسی کے قریب جائے تو جل جائے (5) اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح بھی کہا ہے یہ آیت کریمہ ملائکہ کی عبادت کرنے والوں کی تردید کر رہی ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے لَقَدْ نَفَخْنَا الْنُّفُوسَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ وَقَالَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ إِنَّمَا يُعِيتُ إِسْرَافِيْلَ عَصِيْبًا وَاللَّهُ رَبُّنَا رَبُّكُمْ إِنَّهُ هُوَ يُفْثِكُمْ بِاللَّهِ فَقَدْ خُذُوا لِلَّهِ عَهْدَ عَلَيْهِ الْغَنَّةَ وَمَا لَهُ الْفَاكِرُ (ترجمہ) بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ جس مریخ میں تو ہے حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے اے بنی اسرائیل عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔

وَأَن تَلْبِثُوا الصَّافُونَ ﴿٦﴾

”اور ہم پرے باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں۔“

ابن ابی حاتم نے یزید بن مالک سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں لوگ متفرق اور منتشر ہو کر نماز پڑھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (وَأَن تَلْبِثُوا الصَّافُونَ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو صفیں باندھنے کا حکم دیا (6) ابن کثیر نے ابن جریج سے اسی طرح روایت نقل کی ہے بلکہ فرماتے ہیں ملائکہ آسمان میں عبادت کے لئے اسی طرح صفیں باندھتے ہیں جس طرح لوگ زمین میں (نماز کے لئے) صفیں باندھتے ہیں (7) امام مسلم نے جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس طرح صفیں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے حضور صفیں باندھتے ہیں۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ فرشتے

- | | |
|---------------------------------------|---|
| 1- تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 584 (الفر) | 2- تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 584 (الفر) |
| 3- صحیح بخاری، حدیث: 6137 (ابن کثیر) | 4- مصابیح اللہ، حدیث: 2388 (العمدی) |
| 5- مختار المصابیح، حدیث: 5731 (الفر) | 6- الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 550 (العمدی) |
| 7- تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 584 (الفر) | |

اپنے رب کے حضور کس طرح صفیں باندھتے ہیں؟ فرمایا وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں زیادہ فاصلہ نہیں رکھتے ہیں (۱) آیت کا مطلب یہ ہے کہ طاعت کی ادائیگی میں قدم ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿۳۶﴾

”اور بیشک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔“

یعنی اس کی پاکی بیان کرتے ہیں ہر اس چیز سے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔ مثلاً بیٹا بنانا وغیرہ۔ پہلے ان حرف تاکید ذکر فرمایا پھر لام تاکید ذکر فرمایا پھر درمیان میں فصل ذکر فرمایا یہ تمام چیزیں تاکید اور اختصاص پر دلالت کرتی ہیں اور اس تاکید بالائے تاکید سے مقصود ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ کفار کی نسبت سے حصر اضافی ہے، یعنی ہم کفار کی طرح تسبیح اور عبادت میں شریک کرنے والے اور ہم کفار کی طرح تسبیح و تہلیل کو ضائع کرنے والے نہیں ہیں۔

وَإِنْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ ﴿۳۷﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۸﴾ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

الْمُحَافِظِينَ ﴿۳۹﴾

”اور وہ (بےعت نبوی سے پہلے) کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی پہلے لوگوں کی طرف سے تو ہم اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔“

یعنی شریکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بےعت سے پہلے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے کہ اگر پہلے لوگوں پر جو سب نازل ہوئیں ان میں سے کوئی کتاب ان کی طرف سے ہمیں پہنچتی تو ہم خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اس کے حکام کی مخالفت نہ کرتے اور ان کا نشانہ ان مختلف من مشغلہ ہے۔ اور لام فائدہ ہے، یعنی ان نافیہ اور محققہ میں فرق کرنے کے لئے ہے اور ان دونوں کے ذکر میں اشارہ ہے کہ وہ یہ بات تاکید کے ساتھ کرتے تھے۔ اس لئے ان کے پہلے اور آخری امر کو تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا۔

فَكَفَّرُوا بِهٖ فَمَسُوفٌ يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾

”پس (جب نصیحت آئی) تو اسے ماننے سے انکار کر دیا وہ عنقریب (اپنا انجام) جان لیں گے۔“

یعنی یہ کہ ضمیر کفار مجر ذکر ہے اور سوف پرفا سید ہے۔ کیونکہ کفر و عید کا سبب ہے، یعنی جب اشرف ترین کتاب ان کے پاس پہنچی تو اس کا انکار کر دیا پس عنقریب اپنے کفر کا انجام جان لیں گے اور اس کفر کی وجہ سے انتقام کا کوڑا ان پر برے گا تو ان کو کفر کی برائی پر آگاہی ہو جائے گی۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُؤْمِلِينَ ﴿۴۱﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ﴿۴۲﴾ وَإِنَّ

جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۴۳﴾

”اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرورت مدد کی جائے گی اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔“

لَ اِنَّهُمْ لَیْلَهُمُ السُّجُودُ ۝۱۰۱ وَ اِنْ جَدُّنَا لَیْلَهُمُ الْخَبْرُ ۝۱۰۲ کَلِمَتَا کا بیان ہے۔ اسی وجہ سے درمیان میں حرف عطف و کرئیں فرمایا، یعنی ہمارا وعدہ ہے کہ ہمارے لشکر کی کامیاب و کامران ہوں گے (یہ ہمارا قانون عام ہے) میں کہتا ہوں اگر کبھی مسلمانوں کے لشکروں کو بریت اور شکست کا سامنا ہوتا ہے تو یہ انسان کے گناہوں کی غصت کا نتیجہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنْتُمْ اَسْكُرْتُمْ اِلَيْهِمُ الشَّيْطٰنَ يَخٰبِتُ مِنْكُمْ ۝۱۰۳ (تو پھلادیا تھا انہیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے) ایک اور مقام پر فرمایا اِذَا غَضِبْنَا عَلَيْكُمْ كُنْتُمْ قُلُوبُكُمْ فَاَتَمُّ عَنَّا ۝۱۰۴ شَيْئًا وَ صَافَتْ عَيْنُكُمْ الْاَسْرَافُ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۱۰۵ (ترجمہ) جب کہ گھمبند میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) بھی اور شک ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔

فَقَوْلَ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۝۱۰۶

”پس آپ رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر لے“

ل ابن عباس فرماتے ہیں جین سے مراد موت ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں اس سے مراد وہ دن ہے جس دن دنیا میں ان پر عذاب آئے گا۔ مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد بدر کا دن ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی سے اسی طرح کا قول نقل کیا ہے۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں سدی نے فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ جنگ کرنے کا حکم دے گا (۱) مقابل کے قول نسخنا آيَةُ الْقِتَالِ (قتال کی آیت نے اس آیت کو منسوخ کر دیا) کا بھی یہی مطلب ہے۔

وَاَبْصَرُ لَهُمْ فُسُوفٌ يَّجِيرُونَ ۝۱۰۷

”اور ملاحظہ فرماتے رہئے ان کے (حالات) کو وہ (خود بھی) اپنا انجام دیکھ لیں گے لے“

ل یعنی آپ ان کو مقتول مغلوب اور عذاب میں مبتلا دیکھئے۔ آیت کے اسلوب میں اشارہ ہے کہ یہ کام غریب ہونے والا ہے گویا وہ آپ کے سامنے ہے اور جو دنیا میں ہم نے آپ کے لئے تائید و نصرت یا آخرت میں ثواب اور دنیا و آخرت میں ان کفار پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے وہ یقیناً یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ آیت میں سوف دودی کو بیان کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ وعید کے لئے ہے۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب فُسُوفٌ يَّجِيرُونَ کا ارشاد ہوا تو مشرکین مکہ کہنے لگے وہ عذاب کب آئے گا؟ جویر نے ابن عباس سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اس وقت یہ ارشاد نازل ہوا۔

اَفَبَعْدَ اٰیٰتِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝۱۰۸

”کیا وہ ہمارے عذاب (کے اترنے) کے لئے جلدی چار ہے ہیں لے“

ل استفہام کا اور توخ کے لئے ہے اور فاعل حذف کلام پر عطف کے لئے ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اِنۡجٰهَلُوْا خٰفَتَا فَبَعْدَ اٰیٰتِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ یعنی کیا یہ ہماری شانِ علو سے ناواقف ہیں اور ہمارے عذاب کو اترنے کے لئے جلدی چار ہے ہیں۔

فَاِذَا اُنۡزِلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنۡدَرِیِّیۡنَ ۝۱۰۹

”جس جب وہ اترے گا ان کے آنگن میں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوگی جنہیں ڈرایا جاتا تھا۔“

لے سنا کہ فاعل عذاب ہے، یعنی جب عذاب ان کے صحن میں آئے گا۔ فرما کہتے ہیں عرب قوم کی جدّ ساحہ کے لفظ پر اکتفا کرتے ہیں (۱) یا یہ معنی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ کفار کے آنگن میں آئیں گے صبح کے لفظ عذاب کے نزول کے وقت کے لئے استعارۃ استعمال ہوا ہے۔ یہ صبح العیش المعبیۃ (صبح کے قریب حملہ کرنے والا لشکر) سے مستعار ہے عموماً حملہ اور غارت گری صبح سورے کی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے حملہ کو صبح کہتے ہیں اگرچہ وہ حملہ کسی دوسرے وقت بھی ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خبیر پر حملہ کرنے کے لئے نکلتے تو آپ اس قلعہ کے پاس رات کے وقت پہنچتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب کسی قوم کے پاس رات کے وقت پہنچتے تو اسی وقت حملہ نہ کرتے بلکہ صبح کا انتظار فرماتے حضرت انس فرماتے ہیں جب صبح ہوئی تو یہودی اپنے بچاؤ سے اور نوکرے لئے باہر نکلے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہنے لگے قسم بخدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کے ساتھ لشکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر خبیر تباہ ہو گیا جب ہم صحن میں اترتے ہیں تو ان کی صبح بڑی خوفناک ہے جنہیں ڈرایا گیا تھا۔ اس حدیث کو علامہ بغوی نے روایت کیا ہے (۲) صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں لے کر کسی قوم پر حملہ کرنے کے لئے جاتے تو صبح تک حملہ نہ فرماتے اور انتظار فرماتے اگر (اس ہستی) سے اذان کی آواز سننے تو حملہ نہ فرماتے اگر اذان کی آواز نہ سننے تو صبح کے وقت ان پر حملہ کر دیتے۔ ہم خبیر کی طرف نکلے تو ہم خبیر کے پاس رات کے وقت پہنچے۔ جب صبح ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی آواز نہ سنی تو آپ سوار ہوئے اور میں ابو طلحہ کے پیچھے سوار ہوا اور میرا پاؤں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کو مس کر رہا تھا۔ راوی فرماتے ہیں یہودی ہماری طرف اپنے نوکروں اور بچاؤوں کے ساتھ نکلے۔ جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے محمد احمس بخدا محمد اور لشکر آیا ہے اور وہ قلعہ میں چاہ گزیں ہو گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خربت خیبر انا اذا نزلنا بمساحة قوم فساء صباح المنذرين (۳)۔

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ جِئْنَاهُمْ ۖ وَآبِئِرْ فُسُوفَ يُبِصِرُونَ ﴿۵﴾

”اور رخ انور پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور (قدرت الہی کا تماشا) دیکھتے رہیں وہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے لے۔“

لے یہ ارشادات تاکید کے لئے دوبارہ ذکر فرمائے۔ پہلی آیت میں ابصر ہم فرمایا تھا، یعنی مفعول کے ساتھ مقید فرمایا تھا تو دالات کے مقام کی وجہ سے فُسُوفَ یُبِصِرُونَ بھی مقید ہوگا۔ لیکن اس آیت میں مفعول کے ساتھ مقید نہیں فرمایا بلکہ مطلق ذکر فرمایا اس بات کا شعور دلانے کے لئے کہ آپ گونا گوں ایسی خوشیاں اور مسرتیں دیکھیں گے جن کا احاطہ زبان ذکر کے لئے ممکن نہیں اور یہ کافر ایسی نکالیف دیکھیں گے جن کا تذکرہ ناممکن ہے یا پہلا ارشاد دیا کہ عذاب کے لئے ہے اور دوسرا آخرت کے عذاب کے لئے ہے۔

سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۶﴾

”پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان (نامز اباتوں سے) جو وہ کیا کرتے ہیں لے۔“

۱۔ عزت کا معنی غلبہ اور قوت ہے اور رب کی عزت کی طرف اضافت کا مقصود یہ ہے کہ وہی عزت کا مالک ہے۔ یہ عزت اس کے ساتھ خاص ہے کیونکہ لا عزة الا له عزت فقط اس کے لئے ہے یا اس عزت سے مراد وہ عزت نہیں جو ازلی اور ذاتی ہوتی ہے اور صفات الہیہ میں سے ہے بلکہ اس عزت سے مراد وہ عزت ہے جس کی طرف رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین منسوب ہیں (اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ عزت حادثہ جو پہلے نہ ہو بعد میں پیدا ہو) بھی اسی کی مملوک ہے اور اس کے ساتھ خاص ہے جہاں چاہتا ہے وہاں رکھتا ہے (اس آیت میں اشارہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ اس کی ذات کے لئے واجب ہیں اور اس کی ذات ان کی مقتضی ہے۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ اور بیوقوفیہ کو داخل فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں توحید کا شعور بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس بات سے منزہ ہے جو شرک کہتے ہیں جن کا ذکر سورۃ میں ہو چکا ہے۔

وَسَلَّمَ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝

”اور سلامتی ہو سب رسولوں پر“

۱۔ یعنی سلام ہو ان رسولوں پر جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفات بیان کیں۔ اس جملہ میں تمام رسولوں کے لئے سلامتی کا ذکر ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

”اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔“

۱۔ یعنی سب تعریفات کا وہی مستحق ہے کیونکہ رسولوں کو مبعوث فرما کر اور کتابوں کو نازل فرما کر اس نے مومنین کو اپنی ذات اور صفات کی معرفت عطا فرمائی، انبیاء کرام کو اپنی تائید کا مژدہ سنایا۔ داعیان اسلام کے دشمنوں کی تباہی اور بربادی کی خبر بیان فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کے روز اجر کا پورا پورا پیمانہ بھرے تو اس کی مجلس کا آخری کلام یہ ہونا چاہئے۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۱) اس حدیث کو علامہ بغوی نے اپنی تفسیر میں اور عبد بن رجب نے الترغیب میں روایت کیا ہے۔

(دو اس وقت مہربانی کرتے ہیں جب کوئی مہربانی کرنے والا نہیں ہوتا اور وہ اس وقت کھلاتے ہیں جب کوئی کھلانے والا نہیں ہوتا) مناص 'ناصہ بنو صہ سے مصدر میسی ہے۔ کاموں میں انہوں کا معنی المناح اور المناص کا معنی ملجاء (پناہ گاہ) لکھا ہے (۱)۔ ابن عباس فرماتے ہیں کفار مکہ جب لڑتے اور جنگ میں بھاگنے پر مجبور ہو جاتے تو ایک دوسرے کو کہتے مناص یعنی بھاگ جاؤ اور اپنا بچاؤ کرو۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ پر بدر کی جنگ میں عذاب نازل فرمایا تو کہنے لگے مناص بھاگ کر جان بچاؤ تو اس وقت یہ کہا گیا لات حین مناص اب بھاگ جانے کا وقت نہیں ہے (۲) یہ جملہ نادو اسکے فاعل سے حال ہے، یعنی انہوں نے آواز اری کی لیکن اس وقت آہ و فغان کا وقت گزر چکا تھا اور بھاگنے کا کوئی راستہ نہ تھا اور کوئی پناہ گاہ موجود نہ تھی۔ کفار مکہ کو پہلے لوگوں کی بے بسی کا ذکر سنایا گیا لیکن ان کو کوئی درس عبرت نہ ملا۔

وَعَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكُفْرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۝

”اور وہ (اس پر) حیران تھے کہ آیا ہے ان کے پاس ایک ذرے والا ان میں سے اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے۔“

عَجَبُوا کا عطف طرف مستقر (یعنی فی غزوة و شقاق) پر ہے۔ یا یہ قد کی تقدیر کے ساتھ ظرف میں جو ضمیر مشتر ہے اس سے حال ہے۔ کفار کا پہلے ذکر ہو چکا تھا پھر اس ضمیر کا ذکر کافی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر اظہار غضب کے لئے اور ان کی مذمت کرنے کے لئے اسم ظاہر الکافرون ذکر فرمایا نیز اس چیز کا ظہور مقصود تھا کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کذاب اور سارحی جو انہوں نے نسبت کی ہے اس کی وجہ محض ان کا کفر ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جادو کی کرشمہ سازی کہتے اور آپ کی پر حکمت باتوں کو جھوٹ کہتے۔ العباد باللہ۔

أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۚ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝

”کیا نادیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا بیچک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔“

لے یہ کلام فالو کے حذف پر محمول ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے دعوت تو حید دی تو انہوں نے بڑے تعجب سے کہا کیا انہوں نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا بنالیا ہے؟ یعنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہوا و ہیت ایک جماعت اور پورے گروہ کے لئے بھی وہ ایک کے لئے کیسے ہوگی؟ یہ بڑی عجیب بات ہے، آج تک جو کام ہم نے اپنے آپ باوجود اذکار کرتے دیکھا ہے اور ان سے سیکھا ہے یا اس کے بالکل خلاف ہے۔ ہمہر کہتے ہیں کہ ایک ذات کا علم اور قدرت بہت سے امور اور اشیاء کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب نے جب اسلام قبول کیا تو قریش پر یہ انتہائی ناگوار ہوا لیکن مسلمان آپ کے اسلام سے خوب شادال و فرح حال ہوئے۔ ولید بن مغیرہ نے قریش کے سردار لوگوں کو اکٹھا کیا تقریباً پچیس سردار ان قریش جمع ہوئے جن میں سے ولید عمر میں سب سے بڑھا تھا۔ ولید نے مشورہ دیا کہ ہم ابوطالب کے پاس جائیں (اور انہیں کہیں کہ اپنے بیٹھے کو سمجھا کہیں کہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا نہ کہے) ابوطالب کے پاس پہنچے تو کہنے لگے آپ ہمارے بزرگ ہیں، آپ کو مظلوم ہے ان یہود تو فوں نے ہمارے آباء و اجداد کے عقائد و اعمال پر کیسے تحقیر شروع کر رکھی ہے۔ ہم جناب کے پاس حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمارے اور اپنے بیٹھے کے درمیان فیصلہ فرمائیں۔ ابوطالب نے نبی کریم ﷺ کو بلا بھیجا اور کہا اے بیٹھے! یہ تیری قوم ہے

تھہ سے گواہی کرتے ہیں کہ آپ ان پر زیادتی نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا چاہتے ہیں؟ وہ کہنے لگے آپ ہمارے خداؤں کا تذکرہ چھوڑ دیں اور ہم آپ کو اور آپ کے خدا کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے ایک بات کی ضمانت دے دو جس کے تسلیم کرنے پر تم عرب کے مالک بن جاؤ گے اور تم بھی تمہاری فرمانبرداری قبول کر لیں گے۔ ابوجہل نے کہا تیرے باپ کی قسم ہم تیری ایک نہیں بلکہ دس بائیس ماننے کے لئے تیار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بولا لا الہ الا اللہ۔ پس آپ کی یہ بات سنتے ہی تخریب ہو گئے اور کہنے لگے کیا اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا بنالیا ہے، ایک خدا ساری مخلوق کی دعائیں کیسے سنے گا؟ (1)۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اے عجیب اس عجیب بات کو کہتے ہیں جس کی کوئی مثال ہو اور عجب اس کو کہتے ہیں جس کی کوئی مثال نہ ہو۔

وَأَنْطَلَقَ الْمَلَكُ مِنْهُمْ أَنَّ امْسُؤُوا أَصِدُّوا عَلَى الْهَيْتُمْ إِنَّ هَذَا الشَّيْءُ عِبْرَادُ ۝

”اور تیزی سے چل دیئے قوم کے سردار (رسول کے پاس سے) اور (قوم سے کہا) یہاں سے نکلو اور جے رہو اپنے بتوں پر۔“

۱۔ انطلق کا جملہ قالوا اجعل لہ لالہ الخ پر معطوف ہے۔ یعنی حضرت ابوطالب کی مجلس سے منادیہ کفار اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اپنے معبودوں کی عبادت پر ثابت قدم رہو۔ ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ امسؤا سے پہلے اُن مفسرہ ہے کیونکہ انطلاق میں قول کا معنی موجود ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں انطلاق سے مراد الا ندفاع بالقول ہے۔ یعنی باتوں سے دفاع کرنا۔ امسؤا یہ مثبت المصروف سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کہ اس نے کثرت سے بچنے بنے۔ اسی سے المراسیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اسی بات پر جمع ہوئے ہیں۔

۲۔ یہ جو تو حید کا پرچار کر رہے ہیں ان کا اس میں کوئی ذاتی نفع ہے۔ یہ جملہ امسؤا کی علت بیان کر رہا ہے۔ علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ جب حضرت عمر نے اسلام قبول کیا تو ان کی وجہ سے مسلمانوں کو تقویٰ مل گئی۔ کفار یہ منظر دیکھ کر کہنے لگے ان هذا الشیء یراد کہ انکا اس میں کوئی ذاتی مقصود و مدعا ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ جو ہم آئے دن دیکھ رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائوں میں صبح و شام اضافہ ہو رہا ہے یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے متعلق کچھ ارادہ رکھتے ہیں (2) جس کو ہم سے روکنے والا کوئی نہیں۔ بعض فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اہل زمین کے متعلق کوئی ارادہ فرمایا ہے بعض علماء نے لکھا ہے یہ معنی ہے کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اوپر سرداری دینے کا ارادہ فرمایا ہے یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو حید کا پیغام دیتے ہیں یا انکا ارادہ عرب و عجم پر اپنی حکومت کا قیام ہے یا ایسی چیز ہے جس کا ارادہ ہر شخص کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تمہارا دین ایک ایسی چیز ہے جو مطلوب ہے تا کہ تم سے حاصل کیا جائے۔

مَا سِعَ مَا يَهْدُ فِي الْبِلَدَةِ الْأَخْدَةِ ۝ إِنَّ هَذَا إِلَّا اخْتِلَافٌ ۝

”ہم نے تو ایسی بات آخری ملت (نصرانیت) میں بھی نہیں سنی یا نکل من گھڑت مذہب ہے۔“

۱۔ ہذا کا اشارہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تو حید کی طرف ہے اور یہ کلمہ بطور تحقیر انہوں نے استعمال کیا۔ ابن عباسؓ اہلبی اور مقاتل فرماتے ہیں ملت آخرہ سے مراد نصرانیت ہے کیونکہ یہ آخری ملت ہے اور یہ بھی موحدا اور تو حید پرست نہیں رہے تھے بلکہ یہ بھی خدا کو

تیسرا اقداماتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں اس سے کفار کی مراد قریش کی ملت اور ان کا وہ دین جس پر وہ قائم تھے (۱) یعنی ہم نے اپنے آباء کو جس عقیدہ پر پایا اس میں ہم نے یہ تو حید کا تصور نہیں سنا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی المثلۃ الاخذۃ حال کے محل میں ظرف مستقر ہو، یعنی ہم نے اہل کتاب سے اور کافروں سے یہ تو حید کا عقیدہ نہیں سنا۔ انہوں نے تو ہمیں نہیں بتایا کہ آخری ملت (اسلامیہ) میں ایسا نظریہ ہوگا یہ تو من گھڑت جھوٹ ہے۔

عَنْزِلَ عَلَيْهِ الْكِتَابُ مِنْ بَيْنِنا اَبْلُ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِى بَلْ لَّمَّا يَدُورُ قَوْلُ اَعْدَابِ ۝

”کیا نازل کیا گیا ہے اس پر الذکر (قرآن) ہمارے درمیان میں ہے۔ بلکہ یہ کفار شک میں مبتلا ہیں میرے ذکر کے متعلق بلکہ انہوں نے ابھی نہیں چکھا میرے عذاب کا سزا ہے۔“

۱۔ الذکر سے مراد قرآن ہے اور استفہام بمعنی انکار ہے پس استفہام بمعنی نفی ہے اور یہ ان هذا الاختلاف کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے، یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو ہم سے عمر میں بڑا ہے نہ مال و جاہ کے اعتبار سے زیادہ ہے تو پھر ان پر قرآن کیسے نازل ہوا۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ ان کی تکذیب کی وجہ صرف حسد تھا۔ نیز ان کی نگاہوں میں عظمت کا تصور صرف دنیوی مال و متاع کی کثرت تھی۔

۲۔ مل کے ساتھ اضراب انکار اور شک کے اثبات کے لئے ہے کیونکہ ان کے پاس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور کذاب کہنے کی کوئی حجت اور دلیل نہیں تھی۔ اس وجہ سے تقلید کا سہارا لینے لگے اور دلیل سے اعراض کرنے لگے، قرآن کا انکار کرنے کے بجائے قرآن لانے والے کا انکار کیا۔ ابھی تک انہوں نے ہمارے عذاب کا سزا نہیں چکھا اگر چکھا ہوتا تو کبھی انکار کی جرأت نہ کرتے۔ یقیناً یہ عذاب کا سزا چکھیں گے اور اس وقت ان کا شک زائل ہو جائے گا لیکن اس وقت کا اعتراف نفع مند نہ ہوگا۔ دوسرا مل شک سے اضراب کے لئے اور قرآن کی حقیقت کی نفی کا جو ان کا اعتقاد اور یقین تھا اس کے اثبات کے لئے ہے۔ پہلے شک کا اثبات فرمایا، ان کے پاس حجت نہ ہونے کے اعتبار سے پھر یقین کا اثبات فرمایا ان کی ہمت دھری اور جہل مرکب کے اعتبار سے بعض علماء فرماتے ہیں مل دونوں مقامات پر ابتدا ہے، اضراب کے لئے ہے۔ پہلا جملہ کفار کے کلام کا جواب ہے اور دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہے۔

اَمْرُ عِندَ هُمْ خَرَّ اٰیِنٌ رَّحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۝

”کیا ان کے قبضہ میں ہیں خزانے آپ کے رب کی رحمت کے جو عزت والا ہے بے حساب عطا کرنے والا ہے۔“

۱۔ یعنی کیا نبوت کی چابیاں ان کے پاس ہیں کہ جسے چاہیں دے دیں۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں، نبوت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے کیونکہ وہ غالب ہے، اس پر کوئی چیز غالب نہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ ام مقطوعہ بمعنی مل ہے اور مزہ بعض علماء کے نزدیک ایک دعویٰ سے دوسرے دعویٰ کی طرف اضراب کے لئے ہے یا مزہ اس دعویٰ کے انکار کے لئے ہے۔

اَمْرُهُمْ مُّلْكُ السَّلٰوٰتِ وَالْاَمْْرِضُ وَمَا يَنْبَغِيْهُمَا فَلْيَدْرِكُوْنِ الْاَسْبَابِ ۝

”کیا ان کے لئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (ہاں) چاہیے کہ چڑھ جائیں

(آسمانوں پر) اس کی راہوں سے لے۔“

۱۔ پہلے کفار کا رد فرماتے ہوئے فرمایا ان کے پاس رحمت کے خزانے نہیں ہیں پھر فرمایا ان کا اس عالم جسمانی میں کوئی دخل نہیں جو رحمت رب کے خزانے کا ایک چھوٹا سا جز ہے تو پھر انہیں مقام نبوت جیسے بلند و بالا امر میں تصرف کرنے کا کیسے حق ہوگا۔
۲۔ یہ شرط محذوف کا جواب ہے، یعنی اگر انہیں آسمانوں اور زمین میں کچھ اقتدار اور سلطنت ہے تو نیز بھی لگا کر عرش پر چڑھ جائیں اور اس پر بیٹھ کر اس کا نکتہ کی تدبیر کریں اور جن کو اچھا سمجھتے ہیں ان پر وحی نازل کریں، ان سے استہزاء کے لئے فرمایا آسمان پر چڑھو۔ یہ امر زبرد تو بیچ اور ان کے بکھر کے اظہار کے لئے ہے۔ قتادہ اور مجاہد فرماتے ہیں اسباب سے مراد آسمان کے دروازے ہیں اور وہ راستہ ہیں جو ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ الغرض ہر وہ چیز جو کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ ہو خواہ وہ دروازہ ہو یا راستہ ہو وہ اس کا سبب ہے (۱)۔

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِنَ الْأَحْزَابِ ۝۱۱

”(رحمیت) کفار کے لشکروں میں سے یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے وہاں (بد رشت) شکست دے دی جائے گی لے۔“

۱۔ ما قلت بیان کرنے کے لئے ہے۔ اور جند مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مہزوم جند کی صفت ہے، یعنی کفار کا یہ ایک چھوٹا سا لشکر جسے مغرب بدر کے میدان میں شکست سے دوچار کیا جائے گا، یہ بھی ان کفار کے لشکروں میں سے ایک ہے جنہوں نے گذشتہ زمانے میں میرے رسولوں کے خلاف محاذ بنائے تھے لیکن ان کی ساری سختیوں اور فرسوسوں کے ساتھ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا تھا تو پھر یہ (میں باغ کی مولیٰ ہیں) انہیں امور الہیہ میں کس نے تصرف اور تدبیر کا اختیار دیا ہے یا یہ معنی کہ اے پیارے حبیب! جو کچھ یہ ہرزہ سراہی کر رہے ہیں اس سے آپ پریشان نہ ہوں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی بتا دیا کہ مشرکین کا لشکر شکست اٹھائے گا (۲) فرمایا سَمَکُومُ الْيَوْمَ وَيَوْمَئِذٍ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۝۱۱۔

مغربیہ پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ کھیر کر بھاگ جائیں گے۔ اس نوید کا اظہار بدر کی جنگ میں ہوا۔ ہنالک کا اشارہ بدر اور ان کی قتل گاہوں کی طرف ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اس جگہ کی طرف اشارہ ہے جہاں کفار موجود ہوں اور اس قسم کے محبوب کبریاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازیبا کلمات کہیں اور پیارے حبیب کی تکذیب کریں۔

كَذَٰبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ ثُوًجٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنٌ ذُو الْأَوْتَادِ ۝۱۲

”جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم ثوج، عاد اور ستیوں والے فرعون نے لے۔“

۱۔ ابن عباس اور محمد بن کعب فرماتے ہیں ذُو الْأَوْتَادِ سے مراد مضبوط عمارتوں والا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں اس کا معنی مضبوط اور طاقتور حکومت والا ہے۔ قسمیں کہتے ہیں عربوں کا قول ہے هُمْ فِي الْعِزِّ الثَّابِتِ الْأَوْتَادِ اور اس سے ان کی مراد دائمی طاقتور شخص ہوتا ہے (۳) ضحاک نے بھی اس کا معنی قوت والا اور سخت پکڑ والا کیا ہے۔ عطیہ فرماتے ہیں بہت زیادہ لشکروں والا، یعنی وہ لشکر اس کے اقتدار کی مضبوطی کا باعث تھے۔ جس طرح کیل کسی کو مضبوط کر دیتا ہے وہ لشکر اسی طرح اس کی سلطنت کو مضبوط کرتے تھے۔ لشکروں کو اوتاد اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سفر میں کثرت سے خیمے لگاتے ہیں اور کیل لگاتے ہیں۔ ابن عباس سے عطیہ کی ایک

روایت میں اوتاد کا معنی میان ہوا ہے (۱) کبھی اور مقاتل کہتے ہیں اوتاد جمع ہے وند کی۔ فرعون نے کیلوں کی طرح ستون بنار کھے تھے، لوگوں کو ان پر عذاب دیتا تھا۔ جب کسی پر ناراض ہوتا ہوتا تو اسے ان چار ستون کے درمیان چت لٹا دیتا اور اس کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے ان ستونوں کے ساتھ باندھ دیتا پھر اس زمین و آسمان کے درمیان معلق لٹکا ہوا چھوڑ دیتا حتیٰ کہ وہ آدمی تپ تپ کر مر جاتا تھا۔ مجاہد اور مقاتل بن حبان کہتے ہیں تو وہ زمین پر کسی کو چت لٹا دیتا پھر اس کے ہاتھ اور پاؤں زمین پر کیلوں کے ساتھ باندھ دیتا۔ سدی لکھتے ہیں وہ ایک شخص کو لٹا دیتا اور سیوں کے ساتھ کیلوں سے باندھ دیتا اور اس شخص پر پتھر اور سانپ چھوڑ دیتا۔ قتادہ کہتے ہیں فرعون کو ڈھانڈا ڈٹاؤ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ پاریاں تھیں اور کھیل کے میدان تھے۔ وہ کھلاڑی اس کے سامنے ان میدانوں میں کرتب اور کھیل کے مظاہرے کرتے تھے (۲)۔

وَقَدْ وَدَّ قَوْمُ لُوطٍ أَنْ أَصْحَبُ لَيْكَةً أُولَئِكَ الْأَحْزَابُ ⑤

”اور شوق قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گذر چکا)۔“

۱۔ اَصْحَبُ لَيْكَةً سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔ اَلْأَحْزَابُ پر الف لام عہدی ہے، یعنی یہی وہ گروہ ہیں جن کا ذکر جند ہا نکالنے کے ارشاد میں گذر چکا ہے۔ انہوں نے رسولوں کے خلاف گروہ تیار کئے تھے۔ مشرکین مکہ کا گروہ بھی انہی کا ہتھیار قوموں میں سے ایک ہے۔

إِنْ كُنْ إِلَّا كَذَّابٌ الْمُرْسَلُ فَحَقَّ عِقَابُ ⑥

”ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو (ان پر) لازم ہو گیا میرا عذاب۔“

۱۔ یہ کلام اس تکذیب کا بیان ہے جو پہلے ان کی طرف مبہم طور پر منسوب کی گئی ہے اور یہ کلام تاکیدی کی مختلف انواع پر مشتمل ہے (مثلاً تکذیب نکرار اہام کے ایضاح، جملہ استثنائے جس میں ان کی تکذیب کا اثبات ہے جو تخصیص و تاکید کے انداز میں ہے) اس کلام کو تاکید بالائے تاکید اس لئے فرمایا تا کہ ان کے سخت عذاب کے مستحق ہونے پر مہر لگ جائے۔ اسی وجہ سے اس جملہ پر فحَقَّ عِقَابُ کو مرتب فرمایا ہے، یعنی ان پر میرا عذاب واجب ہو گیا اور ان پر میرا وہی عذاب نازل ہوا جس کے وہ مستحق تھے۔ عِقَاب کو یعقوب نے وصل اور وقف دونوں حالتوں میں یاد کے ساتھ، یعنی عقابی پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاد کے حذف کے ساتھ کرہ پر اکتفا کرتے ہوئے پڑھا ہے۔

کلی کذب المرسل کے جملہ پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ گزشتہ قوموں نے اپنے اپنے رسول کی تکذیب کی تھی، کسی دوسرے رسول کی انہوں نے تکذیب نہیں کی تھی تو پھر اس طرح کیوں فرمایا کہ ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی تھی۔ مصنف فرماتے ہیں یا یہ جمع کے مقابلہ میں جمع کے اصول پر ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے رسول کی تکذیب کی (جیسے عرب کہتے ہیں القوم دسکوا دواہم اس کا مطلب نہیں کہ قوم کا ہر فرد ہر سواری پر سوار ہوا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنی سواری پر سوار ہوا) یا اس لئے کہ رسولوں میں سے ایک کی تکذیب سب رسولوں کی تکذیب ہے کیونکہ تمام رسولوں کی دعوت اور پیغام ایک تھا (لا الہ الا اللہ)

وَمَا يَنْظُرُوهُ إِلَّا صِحَّةً وَاحِدَةً مَّا لَهُمْ قَوَاتٍ ⑦

”اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ (کفار کد) مگر ایک کڑک کی جس کے بعد کوئی مہلت نہیں ہوگی۔“

۱۔ مَآیَظٌ کَامَعْنٰی مانتظر ہے۔ اس کا عطف وقال الکافرون پر ہے یا یہ حال ہے اور ہو لاء سے مراد کفار قریش ہیں۔ صبیحۃ واحده سے مراد فجر صبح ہے، یعنی یہ ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ عذاب الیم دیکھ لیں گے لیکن اس وقت کا ایمان نفع بخش نہ ہوگا۔ مالہا من فوق، صبیحۃ کی دوسری صفت ہے۔ جزہ اور کسائی نے فواق کوفاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی علماء نے فاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں، فتح کے ساتھ قریش کی لغت ہے اور ضمہ کے ساتھ تمیم کی لغت ہے۔ ابن عباس اور قتادہ فرماتے ہیں اس کا معنی لوٹنا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اس کا معنی مہلت ہے۔ سخاک فرماتے ہیں اس کا معنی پھرتا ہے۔ فراء اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی راحت اور افاقہ ہے جیسے جواب بھی اجابتہ ہوتا ہے۔ فراء اور ابو عبیدہ کا خیال ہے کہ یہ افاقہ المریض سے مشتق ہے جب مریض غلبہ مرض سے صحت یابی کی طرف آئے اور ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی دوسرے دودھ دہنے کے درمیان کا وقت ہے (۱) یعنی ایک مرتبہ اونٹنی کا دودھ دودھ لیا جائے پھر اسے کچھ وقت کے لئے چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ اس کی کھیری میں دوبارہ دودھ جمع ہو جائے تو اس درمیانی وقفہ کو فواق کہتے ہیں، یعنی کفار کے لئے اتنی بھی مہلت نہ ہوگی جتنی دوسرے دودھ دہنے کے درمیان ہوتی ہے۔ بعض علماء فرماتے فوق (بالفتح) اور فوق (بالضم) دونوں استعارۃ رجوع کے معنی میں ہیں کیونکہ درمیانی وقفہ میں دودھ دوبارہ کھیری میں لوٹ آتا ہے اور مریض صحت کی طرف رجوع کرتا ہے، یعنی پھر چھوٹے جانے کے بعد دنیا کی طرف ان کو لوٹنا نہیں ہوگا یا یہ معنی کہ جب صورت چھوٹنے کا وقت آئے گا تو اسے ملتی اور پھیر انہیں جانے لگایا یہ معنی کہ انہیں دوسرے دودھ دھونے کے درمیانی وقفہ کی مدت بھی مہلت نہیں ملے گی یا یہ معنی کہ نہ انہیں عذاب سے افاقہ ملے گا اور نہ انہیں آرام و راحت نصیب ہوگی۔ بکلی کہتے ہیں جب فَاَصَاغْنَ اُوْتٰی کَثِیْرًا مِّنْ مَّاءٍ فَاصَاغْنَ اُوْتٰی کَثِیْرًا مِّنْ مَّاءٍ اِذَا کَانَ شَدَا نَا زِلْ ہوا تو کفار بطور استہزاء کہنے لگے اے ہمارے رب یوم حساب سے پہلے جلدی ہمیں اپنے عذاب کا حصہ دے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا۔

وَقَالُوا اِمْسَا رِبَّآ عَلٰی عَجَلٍ لَّنَا وَقَطْنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ①

”وہ (نفاقا) کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصہ (کا عذاب) یوم حساب سے پہلے۔“

۱۔ لفظ اس صیغہ کو کہتے ہیں۔ جس میں ہر چیز کا شمار ہو چکا ہو۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے اسی طرح کا مفہوم روایت کیا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنا نامہ اعمال دنیا میں ہی دے دے۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ کفار کی مراد یہ تھی کہ اے ہمارے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس جنت کا تذکرہ کرتا ہے اس میں سے ہمارا نصیب ہمیں دنیا میں ہی عطا کر دے۔ حسن قتادہ مجاہد اور سدی فرماتے ہیں کفار کی مراد یہ تھی ہمیں ہمارے عذاب اور سزا کا حصہ دنیا میں دے دے۔ عطاء فرماتے ہیں نصر بن الحارث نے یہی کہا تھا اَللّٰهُمَّ اِنْ کَانَ ذٰلَکَ اَھُوَ بِالْحَقِّ مِنْ عِلْمِکَ فَاصْطُرْ عَلَیْنَا جَنَّتَآ جَنَّتَآ فِی السَّمَآءِ اے اللہ! اگر ہو سکی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو ہر سامع پر پتھر آسمان سے۔ مجاہد فرماتے ہیں قطنا سے مراد حسابنا (ہمارا حساب) ہے (2)۔

اَصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُولُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدًا دَاوُدَ الَّذِیْۤ اٰتٰہُ اَوَابَ ②

”(اے حبیب!) صبر کرو ان کی (نامعقول) باتوں پر اور یاد فرماؤ ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا وہ (ہماری

طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔

۱۔ (مُضِیْعٌ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ) کا جملہ مستأنفہ ہے۔ اور واذکر عبدنا اس پر معطوف ہے۔ فرمایا میرے بندے داؤد کو یاد کرو کیونکہ پہلے انبیاء کرام کے حالات واقعات کا ذکر پانپندیدہ باتوں پر مہر کرنے اور نفس کو طاعت پر رکھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ ذالایلا کا معنی انتہائی طاقت ور اور طاعت پر مضبوطی سے قائم رہنے والا ہے۔ آذاب کا معنی ہے کائنات سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا یا یہ معنی کہ معصیت کو چھوڑ کر طاعت کی طرف رجوع کرنے والا۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس کا معنی طاعت گزار ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں جس کی نیت میں اس کا معنی تسبیح کرنے والا ہے (۱) انہ او اب کا جملہ ”الایلا“ کی علت بیان کر رہا ہے اور یہ جملہ دلیل ہے کہ ذالایلا سے مراد وہ ہے جو دین میں مضبوط ہے۔ شیخین نے صحیحین میں امام احمد نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پندیدہ ترین روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین نماز داؤد علیہ السلام کی نماز ہے آپ آدھی رات سوتے پھر رات کا تیسرا حصہ فرماتے اور رات کا آخری چھٹا حصہ پھر سوتے (۲)۔

إِنَّا لَنَسْحَرْنَكَ أَجْبَالًا مَّعَهُ یُسَبِّحُنَ بِالْأَشْرَاقِ ۝

”ہم نے فرما کر دار بنادیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت۔“

۱۔ یہاں سے فصل الخطاب تک ان انعامات اور نوازشات کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر کئے تھے۔ یہ داؤد سے بدل اشتمال ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں داؤد علیہ السلام کی کرامت کو یاد کرو۔ چاہیے یہ تھا کہ یُسَبِّحُنَ کی جگہ مسبحات ہوتا لیکن اسلوب میں یہ تبدیلی ماضی کی حالت کی حکایت اور سامع کی نظر میں اس حالت کو حاضر کرنے کے لئے ہے تاکہ سامع پہاڑوں کی تسبیح کے حدود اور تجدد کا مشاہدہ کرے اور قدرت ربانیہ پر تعجب کرے۔

کبھی کہتے ہیں عشی اور اشراق سے مراد صبح و شام ہے اور اشراق اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج انتہائی روشن ہو۔ ابن عباس نے اشراق سے مراد چاشت کی نماز لی ہے (۳) علامہ بخوی نے اپنی سند سے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس کا قول نقل فرمایا ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں اس آیت پر ایمان رکھتا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا مطلب کیا ہے حتیٰ کہ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے ام ہانی یہ چاشت یہ اشراق کی نماز ہے (۴) اس اثر کو طبرانی نے الاوسط میں اور ابن مردودہ نے نقل کیا ہے۔ ابن جریر اور حاکم نے عبد اللہ بن الحارث کے حوالہ سے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے چاشت کی نماز کا علم اس آیت سے ہوا۔ اس قول کو سعید بن منصور نے بھی روایت کیا ہے۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُورًا ۖ كُلُّ لَكَ أَوَابٌ ۝

”اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے اور سب ان کے لئے فرمانبردار تھے۔“

۱۔ الطیر کا عطف العجبال پر ہے محشور کا معنی مجتمع ہے کئی سے مراد پہاڑ اور پرندے ہیں۔ پہلی آیت میں بھی فرمایا کہ

۲۔ صحیح بخاری، حدیث: 3238 (ابن کثیر)

۴۔ تفسیر بخوی، جلد 4، صفحہ 591 (القر)

۱۔ تفسیر بخوی، جلد 4، صفحہ 591 (القر)

۳۔ تفسیر بخوی، جلد 4، صفحہ 591 (القر)

پہاڑ ان کے ساتھ تہج کرتے ہیں۔ یہاں پھر فرمایا **لَنْ أَذَابَ**۔ اس نگرار کی وجہ یہ ہے کہ پہلا جملہ (یسبحن معہ) صرف تہج میں موافقت کرنے پر دلالت کرتا ہے جب کہ یہاں جملہ اسمیہ ہے تہج کے دوام پر دلالت کرتا ہے یا اس آیت کا مفہوم ہے کہ داؤد علیہ السلام، پہاڑ اور پرندے سب اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اس صورت میں ”لہ“ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہوگا۔

وَسَدَنًا مِّنْ مَّلكٍ وَأَتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخُطَابَ ۝

”اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ۔“

۱۔ ہیبت، نفرت اور لشکر کی کثرت کے ذریعہ ہے ہم نے ان کے اقتدار کو مستحکم کیا، بغوی فرماتے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام زمینی بادشاہوں میں سب سے زیادہ اقتدار کے مالک تھے۔ آپ کی عبادت گاہ کے ہر رات چھتیس ہزار افراد نگہبان اور محافظ ہوتے تھے (۱) بغوی نے مکرّمہ کے حوالہ سے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ایک سردار کے خلاف مقدمہ پیش کیا کہ اس نے میری گائیں غصب کر لی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی علیہ سے پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا پھر آپ نے مدعی (دعویٰ کرنے والے) سے گواہی طلب کی تو اس کے پاس گواہی نہ تھی۔ حضرت داؤد نے ان دونوں کو فرمایا تم باہر جاؤ میں تمہارے معاملہ میں سوچ بیچار کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ مدعی علیہ (جس پر دعویٰ کیا گیا ہے) کو قتل کر دو حضرت داؤد علیہ السلام نے سوچا کہ یہ خواب ہے، میں غیبت سے کام نہیں لوں گا حتیٰ کہ کوئی واضح حکم مل جائے۔ دوسرے دن بھی خواب میں ایسا ہی اشارہ پایا لیکن آپ نے اس پر بھی عمل نہ کیا پھر تیسرے دن بھی اسی طرح خواب دیکھا کہ یا اسے قتل کر دو یا اس کو تخت سزا دو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی علیہ کو بلایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے قتل کرنے کا حکم بھیجا ہے۔ مدعی علیہ نے کہا (کیا) تم مجھے بغیر گواہی کے قتل کر دو گے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم بخدا میں تیرے اوپر اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کروں گا۔ جب مدعی علیہ نے دیکھا کہ آپ اسے قتل کرنے والے ہیں تو اس شخص نے کہا بتاؤ آپ جلدی نہ فرمائیں میں آپ کو بتاتا ہوں کہ قسم بخدا مجھے اس گناہ کی وجہ سے نہیں پکڑا گیا بلکہ میں نے اس کے باپ کو دھوکے سے قتل کیا تھا اس کی وجہ سے مجھے پکڑا گیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے قتل کرنے کا حکم فرما دیا۔ اس واقعہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کی ہیبت بنی اسرائیل کے دلوں پر چھا گئی اور داؤد علیہ السلام کا اقتدار مضبوط ہو گیا (۲) عہد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے اسی طرح کا واقعہ روایت کیا ہے۔ حکمت سے مراد نبوت کمال علم اور پختہ عمل ہے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا فصل الخطاب سے مراد یہ قاعدہ ہے کہ ”گواہی مدعی پر ہوگی اور قسم مکر پر ہوگی“ (الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُذْنِبِ وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُنْكَرِ) کیونکہ اس طرح فیصلہ کرنے سے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ بغوی نے یہ لکھا ہے کہ ابی بن کعب سے بھی یہ مروی ہے کہ فصل الخطاب سے مراد گواہ اور قسمیں ہیں۔ مجاہد عطاء بن رباح کا بھی یہی قول ہے فرماتے ہیں ابن مسعود حسن کلبی اور قتادہ فرماتے ہیں فصل الخطاب سے مراد فیصلہ کرنے کی بصیرت ہے (۳) فرماتے ہیں ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد بیان الکلام ہے، یعنی ایسی کلام جس کا مقصد بغیر کسی التباس کے مخاطب پر ظاہر ہو جائے اور اس میں فصل وصل عطف استئناف اضمار اظہار حذف اور تکرار وغیرہ کی پوری رعایت رکھی ہو اور اس میں نہ تو اتنا اختصار ہو کہ سمجھنے میں غلط واقع ہو اور نہ اس میں اتنی طوالت ہو کہ سننے والا اکتاہٹ

محسوس کرے جیسا کہ امام معبد کی حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بالکل واضح ہوتا تھا۔ نہ اتنا قہور اور مخمخ ہوتا تھا کہ سمجھنے میں غل ہو اور نہ اتنا زیادہ ہوتا کہ سننے والا اکتا جاتا۔ اس حدیث کو ہم نے سورج توبہ میں قائلین اللہ سبکھنہ علیہ السلام کی تفسیر میں حجت کے واقعہ میں ذکر کیا ہے۔ معنی سے مراد یہ ہے کہ فصل الخطاب سے مراد حمد و ثناء کے بعد اَمَّا بعد کا قول ہے (1) امام بیضاوی فرماتے ہیں اما بعد کو فصل الخطاب اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے حمد و ثناء مقصود سے جدا ہو جاتی ہے (2)۔

وَهَلْ أَشْكَبُوا الْخَصِمَ إِذْ نَسُوا وَالْمَحْرَابَ (۳)

”اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقان مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پناہ کی عبادت گاہ کی لہ۔“

۱۔ یہ استفہام تعجب کے لئے اور مخاطب کو واقعہ کے سننے کے لئے چونکا کرنے کے لئے ہے۔ یہ جملہ اذکر پر معطوف ہے۔ الخصم اصل میں مصدر ہے اسی وجہ سے اس کا اطلاق تشبیہ اور جمع پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں خصم سے مراد دو جھگڑنے والے ہیں اور تسود و اش جمع کا صیغہ مجاز اذکر کیا گیا ہے جیسے مجاز اس ارشاد صَحَّتْ فَلَمْ يَلْمَاۤءَ میں تشبیہ کے لئے (قلوب) جمع ذکر کیا گیا ہے۔ تسود السور سے مشتق ہے جیسے نسفتم شام سے شفق کیا گیا ہے۔ تسود کا معنی دیوار پر چڑھنا ہے۔ المحراب سے مراد قلعہ ہے، اس کو محراب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی دیواروں پر چڑھ کر جنگ کی جاتی ہے یا محراب سے مراد مسجد ہے کیونکہ مسجد میں انسان شیطان سے جنگ کرتا ہے اس لئے اسے محراب کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دیوار پھلانگ کر آنے والے زیادہ ہوں جیسا کہ جمع کا صیغہ اور ضمیریں دلالت کر رہی ہیں۔ اذیاتو تعاصم محذوف کے متعلق ہے یا نبأ کے متعلق ہے اس بناء پر کہ اس واقعہ سے مراد داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ اسی کی طرف دبا کی نسبت مصافحہ کے حذف کی تقدیر پر ہے، یعنی لفظ ایک قصہ نبأ الخصم یا طرف الخصم کے متعلق ہے کیونکہ اس میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے۔ طرف لفظ کے متعلق نہیں ہے کیونکہ یہاں فعل اور ظرف کا زمانہ ایک نہیں ہے۔ کیونکہ اس خبر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اس وقت نہیں تھا یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا امتحان تھا۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں علماء کا اختلاف ہے کہ اس امتحان کا سبب کیا تھا بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک خواہش کی کہ مجھے بھی اپنے آباء و اجداد حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا مقام مل جائے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے سوال کیا کہ اسے بھی امتحان میں مبتلا کیا جائے جس طرح ان کے بزرگوں کو امتحان میں مبتلا کیا گیا اور انہیں ایسی فضیلت عطا فرمائی جیسی ان بزرگوں کو عطا فرمائی (3)۔ سدی مکی اور مقاتل نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے وقت کو تقسیم کر رکھا تھا آپ ایک دن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے، ایک دن اپنے رب کی عبادت کے لئے غلو ت شغی فرماتے اور ایک دن اپنی ازواج اور دوسرے مشاغل میں صرف فرما لیتے (4)۔ عبد بن حمید ابن جریر اور ابن المنذر نے حسن سے روایت کیا ہے کہ آپ نے چار حصوں میں اپنے وقت کو تقسیم کیا ہوا تھا (5) ایک دن وعظ فرماتے تھے۔ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی کتاب میں حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے فضائل پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اسے میرے رب ساری خیر اور بھلائی تو میرے آباء و اجداد لے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں نے انہیں ایسی آزمائشوں میں مبتلا کیا تھا جس میں تمہیں جہنم جہنم کیا اور انہوں نے ان مصائب پر صبر کا مظاہرہ کیا تھا۔ حضرت ابراہیم کو غرود جیسے

2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شہاب، جلد 8، صفحہ 137 (اعلیٰ)

4۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 593 (القر)

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 593 (القر)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 593 (القر)

5۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 566 (اعلیٰ)

ظالم بادشاہ سے واسطہ پڑا، بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت اسحاق کو ذبح ہونے اور بیٹائی کے سلب ہونے میں مبتلا کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف کی جدائی کے غم میں مبتلا کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی میرے رب مجھے بھی تو ان جیسی تکالیف میں مبتلا کر، میں بھی صبر کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اے داؤد تجھے فلاں سینے فلاں دن آزمائش میں ڈالا جائے گا، محتاط رہنا، جب وہ دن آیا جس کا اللہ نے وعدہ فرمایا تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام اپنی عبادت گاہ میں تشریف لے گئے، نماز اور تورات کی تلاوت میں مصروف ہو گئے، آپ اسی ذکر و فکر میں مشغول تھے کہ شیطان ایک سونے کے کپوتر کی شکل میں سامنے آ گیا، اس کا ہر پر بڑا خوبصورت تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کے پرموتوں اور زبرد کے تھے۔ وہ آپ کے سامنے بیٹھ گیا، وہ آپ کو بڑا حسین لگا، آپ نے پکڑنے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تا کہ بنی اسرائیل کو وہ کپوتر دکھا کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کر انہیں۔ جب آپ نے اسے پکڑنے کا ارادہ فرمایا تو وہ اذکر قرب ہی بیٹھ گیا۔ آپ نے پھر اسے پکڑنا چاہا تو تھوڑا دور ہو گیا۔ آپ نے اس کا پیچھا کیا تو وہ اذکر و شدان میں جا بیٹھا پھر آپ اس کو پکڑنے کے لئے پیچھے گئے وہ رو شدان سے بھی اڑ گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اسے رو شدان سے دیکھنے لگے کہ یہ کہاں جا کر بیٹھتا ہے تاکہ کسی کو پیچھے بھیج کر شکار کر انہیں۔ اس نظارہ کے دوران اچانک آپ کی نظر ایک عورت پر پڑ گئی جو ایک تالاب کے کنارے غسل کر رہی تھی۔ یہ کبھی کا قول ہے اور سدی فرماتے ہیں آپ نے اس عورت کو ایک چھت پر غسل کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک خوبصورت ترین عورت تھی۔ حضرت داؤد کو وہ عورت پسند آئی عورت نے بھی دیکھ لیا اسے کوئی سایہ محسوس ہوا تو اس نے اپنے لیے لیے بال کھول کر بدن کا حواض لیا اتنی لمبی ریش دیکھ کر آپ مزید متعجب ہوئے۔ حضرت داؤد نے اس عورت کے متعلق پوچھا۔ بتایا یہ شائع کی بیٹی شائع ہے، اور یا بن حتنا کی بیوی ہے اور اس کا خاندان ایوب بن صوریہ کے ساتھ بقاء کے غزوہ میں شریک ہے۔ ایوب بن صوریہ حضرت داؤد علیہ السلام کا بھائی تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خواہش تھی یا اس عورت کا خاندان شہید ہو جائے اور آپ اس عورت سے نکاح کر لیں۔ آپ کا گناہ صرف اسی قدر تھا کہ آپ نے یہ خواہش کی تھی۔ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے بھائی ایوب کو لکھا کہ ادا کو فلاں محلہ لڑنے کے لئے بھیج دو اور انہیں تابوت سے آگے رکھو۔ اس وقت جس شخص کو تابوت سے آگے رکھا جاتا اس کے لئے پیچھے لوٹنا جائز نہ ہوتا تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے فتح عطا فرمائے یا وہ خود شہید ہو جائے۔ اس نے اسے آگے کیا فتح نصیب ہوئی ہے پھر داؤد علیہ السلام نے ایوب کو لکھا کہ اسے فلاں دشمن کے مقابلہ میں بھیج دو بڑا جنگجو ہے (قدرت نے اسے پھر بھی فتح عطا فرمائی) پھر آپ نے لکھا کہ اسے فلاں جنگجو کے مقابلہ میں بھیج دو تیسری مرتبہ شہید ہو گیا۔ جب عورت کی عدت گزر گئی تو داؤد علیہ السلام نے اس عورت سے نکاح کر لیا یہی عورت حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ تھی (۱)۔

علامہ بغوی لکھتے ہیں حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام کا گناہ یہ تھا کہ آپ نے ایک شخص سے کہا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے (تاکہ آپ اس سے نکاح کر لیں) مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ امر اس وقت مباح تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد کا یہ عمل پسند نہ آیا کیونکہ یہ کام دنیا میں رشت اور ازواج کی کثرت کی طرف شوق رکھنے کی دلیل تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ پہلے بھی اتنی عورتیں عطا فرمادی تھیں کہ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی (۲) علامہ بغوی فرماتے ہیں حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا جیسا کہ عبد بن حمید وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ جب بنی اسرائیل کے وعظ کا دن ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ کا خود بھی ذکر کرتے اور انہیں بھی ذکر کروا دیتے۔ خود بھی روتے اور لوگوں کو بھی رلاتے۔ ایک دن محفل میں یہ تذکرہ ہوا کہ کیا کوئی

ایسا شخص ہے جس کا دن اس طرح گزرے کہ اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے دل میں سوچا کہ میں اس کام کی طاقت رکھتا ہوں بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ محفل میں عورتوں کے قندک ذکر ہوا (کہ کیا کوئی اس سے محفوظ رہ سکتا ہے) آپ نے دل میں سوچا کہ اگر مجھے عورتوں کے قندک میں مبتلا کیا جائے گا تو میں محفوظ رہوں گا۔ جب آپ کی عبادت کا دن ہوتا تو آپ اپنی عبادت گاہ میں داخل ہو جاتے اور دروازہ بند کر لیتے اور حکم فرماتے کہ کوئی اندر داخل نہ ہو۔ آپ ایک دن اسی کیفیت میں کمزور کے اندر تورات پر جبکہ کراس کی تلاوت کر رہے تھے کہ سونے کا ایک کیوتر آپ کے پاس آ بیٹھا جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا ہے۔ علامہ بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس عورت کے خاندان کو اپنے لشکر کی طرف بھیجا اور اسے لکھا کہ فلاں جگہ تم چلنا وہ جب وہاں چلا تو شہید ہو گیا۔ آپ کو اس کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ جب داؤد علیہ السلام نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو تھوڑے عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کے دن انسانی شکل میں دو فرشتے بھیجے۔ جب انہوں نے آپ کی عبادت گاہ میں داخل ہوئے کا ارادہ کیا تو چکیداروں نے ان کو روک لیا وہ انسانی شکل میں فرشتے دیوار بھانڈ کر آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ کو محسوس نہ ہوا کیونکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے لیکن آپ کو اس وقت معلوم ہوا جب وہ آپ کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں وہ فرشتے جبرئیل اور میکائیل تھے (۱)۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَهِمُوهُ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَحْضُرُ حَصْنٌ بَعِيٌّ بَعْضًا عَلَىٰ بَعْضٍ
فَأَحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تَشْطُطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝

”اور جب آپ تک داخل ہوئے داؤد پر آپ کچھ گھبرا گئے ان سے۔ انہوں نے کہا دے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں۔ زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمائیے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھائیے ہمیں سیدھا راستہ۔“

۱۔ اِذْ دَخَلُوا اذ تصور اسے بدل ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ وہ دواؤی اس دن آپ کے پاس پہنچے؟ جب کہ کسی کو چکیدار اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ دوسرا یہ لوگ اوپر سے آئے اس وجہ سے آپ کو اندیشہ لاحق ہوا۔ آنے والوں نے کہا ہمارا آپس میں جھگڑا ہے، یہ کلام علی کبیل الفرض ہے اور اس سے قصود تقریباً اور اشارہ کرتا ہے گویا انہوں نے کہا ہمارا آپس میں جھگڑا ہے، ہم میں سے بعض نے بعض پر بغاوت کی ہے اور ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں شط الرحل شططاً واشط اشطاطاً اس کا معنی ہے حکم اور فیصلہ میں ظلم کرنا اور یہاں معنی ہو گا حد سے تجاوز کرنا یہ شط الدار واشطت سے مشتق ہے۔ جس کا معنی دور ہونا ہے سوا مصدر بمعنی فاعل ہے اور یہ حقیقت میں الصراط کی صفت ہے لیکن صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے جیسا کہ اخلاق شباب میں صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے، یعنی ہمیں آپ عدل کا راستہ دکھائیں۔

إِنَّ هَٰذَا أَنَّىٰ لَا تَسْمَعُ وَتَسْمَعُونَ نَعَجَةً وَلَي نَعَجَةً وَاحِدَةً فَقَالَ أَكُفِّنِيہَا
وَعَرَّيْنِي فِي الْخَطَابِ ۝

” (صورت نزاع یہ ہے کہ میرا بھائی ہے اور اس کی نانوائی ہیں اور میرے پاس صرف ایک دینی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کرے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔“

۱۔ آنحضرتؐ سے مراد وہی اور ہم مسلک بھائی ہے۔ نعتہ سے مراد عورت ہے کنایہ عورت کو نعتہ کہا جاتا ہے۔ حسن بن فضل فرماتے ہیں کلام تنبیہ اور تنہیم کے لئے ہے کیونکہ وہاں کوئی دنیاوی نہ تھیں۔ یہ جملہ ظرفیہ ان کی دوسری خبر ہے ”ولی“ کو خفض نے یاہ کے فقر کے ساتھ اور باقی قرآن نے یاہ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ”وَلِي تَحْتَهُ وَاجِدًا“ کا جملہ ظرفیہ حال کی بناء پر محل نصب میں ہے۔ اور اس میں عامل سابق ظرف ہے قال کا عطف له تسع وتسعون نعتہ پر ہے۔ ابن عباس نے اکفلیہا کا معنی اعطیہا (یعنی یہ مجھے دے دو) کیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اس عورت کو طلاق دے دے تاکہ میں اس سے نکاح کر لوں (۱) حقیقت یہ ہے کہ اس کو تو میرے ساتھ ملا دے اور اس کو اس طرح کر دے تاکہ میں اس کی کفالت کروں جس طرح میں دوسری عورتوں کی کفالت کرتا ہوں۔ بعض علماء نے یہ معنی لکھا ہے اجعلہا کفلی و نصیبی (اسے میرا کفل اور نصیب بنا دے)

عزنی کا عطف قال پر ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ مجھ پر بھگڑے میں غالب آ جاتا ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کلام کرتا ہے تو مجھ سے زیادہ فصیح ہے اور اگر جنگ کرتا ہے تو مجھ سے زیادہ پکڑ کرنے والا ہے کیونکہ میرے ہاتھوں میں کمزوری ہے اگر چہ حق پر میں ہوتا ہوں (۲) بعض علماء نے یہ معنی لکھا ہے کہ عورت کو پیغام نکاح دینے میں وہ مجھ پر غالب آ جاتا ہے۔ میں بھی ایک عورت کو پیغام نکاح بھیجتا ہوں اور میرے پیغام کے اوپر اپنا پیغام بھیجتا ہے پس وہ مجھ پر غالب آ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس سے نکاح کر لیتا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْتِكَ إِنِّي نَعَا جَهُ ۖ وَإِنْ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۖ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۝

”آپؑ نے فرمایا بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دینی کو اپنی دنیوں میں ملا دے اور اکثر حصہ دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں اور فوراً خیال آ گیا داؤد کو کہ ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں لے“

۱۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا اگر معاملہ واقعی اس طرح ہے جیسا تم بیان کر رہے ہو تو اس نے تم پر یقیناً ظلم کیا ہے ظلمت کا جملہ محذوف قسم کا جواب ہے اور اس اسلوب سے مقصود اس کے ملانے کے فعل پر انکار اس کے لالچ کی مذمت کرنا مقصود ہے سوال مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور دوسرے مفعول کی طرف اس کا الی کے صلہ کے ساتھ متعدی ہونا اضافت کے معنی کی تعیین کے لئے ہے۔ خطا سے مراد شرکاء ہیں اور یہ خلیفہ کی جمع ہے وَإِنْ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ کا عطف لَقَدْ ظَلَمَكَ پر ہے۔ قَلِيلٌ مَّا هُمْ ایہام اور ان کی قلت سے تعجب کے لئے ہے۔ جب داؤد علیہ السلام نے فیصلہ سنایا تو ان آنے والوں میں سے ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنس پڑا اور وہ دونوں پھر آسمان کی طرف چڑھ گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو فوراً یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس فیصلہ کے ذریعے امتحان میں مبتلا کیا ہے کہ اس فیصلہ سے چونکا ہوا ہوں یا نہیں۔ سدی نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ جب ان آنے والوں میں سے ایک نے اپنا دعویٰ پیش کیا تو داؤد علیہ السلام نے دوسرے سے پوچھا (کہ کیا معاملہ واقعی اسی طرح ہے) اس نے کہا

میری نانوائے دنیاں ہیں اور میرے بھائی کی ایک دینی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس سے ایک دینی لے کر اپنی سودنیاں پوری کر لوں اور یہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا اگر تو نے ایسا کیا تو میں تجھے ناک اور پیشانی پر ماروں گا۔ اس نے اسے کہا اے داؤد آپ اسی سزا کے حقدار ہیں کیونکہ اور یا کی صرف ایک بیوی تھی اور آپ کی نانوائے بیویاں تھیں۔ اسے تم قتل ہونے کے لئے تابوت سے آگے بھیجے رہے حتیٰ کہ وہ قتل ہو گیا اور پھر آپ نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے دیکھا تو وہ غائب ہو گئے اور آپ کو کوئی شخص نظر نہ آیا آپ سمجھ گئے کہ یہ کیا معاملہ تھا۔ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام گناہ سے معصوم ہوتے ہیں وہ فرماتے ہیں داؤد علیہ السلام کا صرف اتنا قصور تھا کہ آپ نے خواہش کی تھی کہ اور یا کی بیوی ان کے لئے حلال ہو جائے اتفاقاً اور یا جنگی لشکر میں شامل تھا وہاں شہید ہو گیا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کی شہادت کی خبر پہنچی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے ایسا افسوس کا اظہار نہ کیا جیسا کہ کسی دوسری لشکریوں کی ہلاکت پر کرتے تھے پھر آپ نے اس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اتنی بات پر آپ کو عتاب فرمایا کیونکہ انبیاء کرام کے قصور اگر چہ انتہائی چھوٹے بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے ہوتے ہیں کیونکہ ان کی شان بہت بلند ہوتی ہے۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا قصور صرف اتنا تھا کہ اور یا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا اور وہ اس سے نکاح کرنے کا پورا ارادہ کر چکا تھا لیکن جب وہ جنگ پر چلا گیا تو داؤد علیہ السلام نے اسی عورت کی طرف پیغام نکاح بھیج دیا۔ اس عورت نے داؤد علیہ السلام کی عظمت و جلالت کی وجہ سے ان سے نکاح کر لیا۔ اور یا کو اس پر بہت رنج ہوا۔ اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو عتاب فرمایا کیونکہ آپ نے یہ ایک عورت بھی اس کے منگیتر کے لئے نہ چھوڑی حالانکہ آپ کے پاس پہلے نانوائے عورتیں تھیں (۱) علامہ بغوی نے حضرت انس بن مالک کی حدیث نقل کی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب اس عورت کی طرف دیکھا تو آپ نے ارادہ کر لیا اور پھر لشکر کے جزل کو پیغام بھیجا کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو تو فلاں شخص کو تابوت کے آگے رکھنا کیونکہ اس دور میں تابوت کے ذریعے فتح طلب کی جاتی تھی جو تابوت کے آگے ہوتا تو وہ واپس نہ آ سکتی کہ شہید ہو جائے یا مخالف کا لشکر شکست سے دو چار ہو جائے۔ اس عورت کا خاندان قتل ہو گیا پھر دوسرے نازل ہوئے جنہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ معاملہ کو سمجھ گئے اور عہدہ میں گر گئے اور آپ چالیس روز تک عہدہ میں پڑے رہے حتیٰ کہ آپ کے سر پر آنسوؤں کی وجہ سے گھاس اگ آئی اور زمین پیشانی کو کھانسی اور عہدہ میں آپ یہ کہتے رہے اے رب کریم! داؤد سے اسکی لغزش ہوئی ہے جو شرق و مغرب سے زیادہ ہے۔ اے میرے پروردگار اگر تو نے رحم نہ فرمایا تو داؤد (علیہ السلام) کا گناہ معاف نہ ہوگا اور تو اس کے گناہ کو آنے والے لوگوں میں کہانی بنادے گا چالیس دنوں کے بعد حضرت جبرئیل آئے اور کہنے لگے داؤد اللہ تعالیٰ نے تیری خواہش کو معاف فرمادیا ہے جس کا تو ارادہ کر چکا تھا۔ داؤد علیہ السلام نے کہا میرا رب اس بات پر قادر ہے کہ میرا ارادہ اور خواہش معاف فرمادے جو میں نے کی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ عادل ہے، اس کا کسی کی طرف جھکاؤ نہیں ہے۔ اس وقت کیا حالت ہوگی جب قیامت کے روز فلاں شخص آئے گا اور عرض کرے گا اے میرے پروردگار میرا خون جو داؤد کے ذمہ ہے (اس کا بدلہ دیا جائے) جبرئیل نے کہا میں نے یہ تو اللہ تعالیٰ سے نہیں پوچھا اگر آپ چاہتے ہیں تو میں ایسا کروں گا۔ آپ نے فرمایا یاں جاؤ پوچھ

آؤ (کراسخون کا کیا بنے گا) جبرئیل اوپر چڑھ گئے اور داؤد علیہ السلام سجدہ میں گر گئے جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ سجدہ میں رہے پھر جبرئیل امین تشریف لائے تو کہا اے داؤد میں نے اس کام کے متعلق اللہ تعالیٰ سے پوچھا ہے جس کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا اور اس نے مجھے یہ فرمایا ہے کہ داؤد کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو قیامت کے روز جمع فرمائے گا اور پھر اس سے فرمائے گا داؤد پر جو تیرا خون ہے وہ انہیں معاف کر دے۔ وہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار تجھے اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے شخص تو اس معافی اور بخشش کے بدلے جنت میں جو چاہتا ہے لے لے (۱)۔ حضرت ابن عباس، کعب الاحبار اور وہ بن مہبہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جب فرشتے آئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے خلاف خود ہی فیصلہ دے دیا تو وہ دونوں فرشتے اپنی بیعت میں ہو گئے اور اوپر چڑھ گئے اور یہ کہہ رہے تھے اس شخص نے اپنے خلاف فیصلہ سنایا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو حقیقت حال کا پتہ چل گیا اور پھر آپ چالیس دن سجدہ میں پڑے رہے، نہ کھانا کھایا، نہ پانی پیا۔ صرف قضاے حاجت اور فرضی نماز کے وقت سر اٹھاتے تھے۔ اس چالیس دن کے عرصہ میں آپ روتے ہی رہے حتیٰ کہ آپ کے سر کے ارد گرد گھاس، آگ آئی اور آپ اپنے رب سے یہ التجا کرتے رہے۔ اور تو کیا سوال کرتے رہے آپ کی سجدہ میں دعا کے یہ الفاظ تھے پاک ہے ہر عیب اور نقص سے جو بادشاہ عظیم ہے جو جیسے چاہتا ہے اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے پاک ہے نور کا تخلیق کرنے والا پاک ہے جو دلوں کے درمیان حائل ہوتا ہے پاک ہے وہ ذات جو نور کی خالق ہے اے میرے معبود تو نے مجھے اور میرے دشمن ابلیس کو خلیا پھوڑ دیا جب اس کا فتنہ مجھ پر اترا تو میں قائم نہ رہ سکا۔ پاک ہے نور کا خالق اے میرے معبود تو نے مجھے پیدا کیا تو تیرے علم میں تھا کہ میں ایسا کرنے والا ہوں پاک ہے نور کا خالق اے میرے معبود بلا تک ہوگی۔ داؤد کے لئے جب اس سے پردہ اٹھے گا اور کہا جائے گا یہ داؤد خطا کار ہے پاک ہے نور کا خالق اے میرے معبود قیامت کے روز میں کس آنکھ سے تیری زیارت کروں گا ظالم پوشیدہ اور خفیہ نظروں سے دیکھیں گے پاک ہے نور کا خالق اے میرے معبود میں کن قدموں سے تیرے آگے چلوں گا اور کیسے تیرے سامنے کھڑا ہوں گا؟ جب خطا کاروں کے قدم پھسل جائیں گے۔ پاک ہے نور کا خالق اے میرے معبود غلام ہمیشہ اپنے آقا سے ہی مغفرت طلب کرتا ہے۔ پاک ہے نور کا خالق میرا معبود میں وہ شخص ہوں جو سورج کی گرمی بھی برداشت نہیں کر سکتا تو پھر تیری دوزخ کی گرمی کیسے برداشت کروں گا۔ پاک ہے نور کا خالق میرا معبود میں وہ شخص ہوں جو بجلی کی کڑک کی آواز برداشت نہیں کر سکتا پھر میں دوزخ کی آواز کیسے سن سکوں گا۔ پاک ہے نور کا خالق میرا معبود بلا تک ہو داؤد کے لئے اس عظیم گناہ کی وجہ سے جو اس سے سرزد ہوا۔ پاک ہے نور کا خالق میرا معبود تو میرے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔ میرا عذر قبول فرما۔ پاک ہے نور کا خالق میرا معبود اپنی رحمت کے طفیل میرے گناہ معاف فرمادے اور اپنی رحمت سے مجھے میری خواہشات کے باعث دور نہ کر دے۔ پاک ہے نور کا خالق میرا معبود میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے نور سے ان گناہوں کی جنہوں نے مجھے ہلاک کر دیا۔ پاک ہے نور کا خالق میرا معبود میں اپنے گناہوں سے بھاگ کر تیری طرف آیا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کیا ہے تو مجھے مایوس ہونے والوں سے نہ کر اور قیامت کے دن مجھے رسوا نہ کرنا۔ پاک ہے نور کا خالق (۲)۔

مجاہد فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن سجدہ میں پڑے رہے اور سر نہ اٹھایا حتیٰ کہ آپ کے آنسوؤں کی نمی سے گھاس آگ آئی حتیٰ کہ گھاس نے آپ کا سر ڈھانپ دیا پھر آواز آئی اے داؤد کیا بھوکا ہے کہ تجھے کھانا کھلایا جائے کیا پیاسا ہے کہ تجھے پانی پلایا جائے کیا تو پرہیز ہے کہ تجھے کپڑے پہنانے جائیں پس آپ کو وہ جواب ملا جو آپ نے طلب نہیں کیا تھا پس آپ نے پھوٹ پھوٹ

کے سجدہ تلاوت کے قائم مقام ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو رکوع کا اطلاق بخود پر فرمایا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقصود تعظیم ہے خاص سجدہ نہیں ہے۔ اور تعظیم کا معنی رکوع و سجود دونوں میں ایک ہے اور تعظیم الہی کی ضرورت یا تو ان لوگوں کی اقتداء میں ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی یا ان کی مخالفت میں ہے جنہوں نے تعظیم الہی سے انکار کیا اور یہی معنی ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے اس کو قیاس کہا جاتا ہے۔ آخر خلافت یعنی امام مالک امام احمد اور امام شافعی فرماتے ہیں سجدہ کی جگہ رکوع جائز نہیں ہے اور یہ استحسان (قیاس خفی) ہے اور وجہ استحسان یہ ہے کہ واجب مخصوص جہت پر تعظیم ہے اور وہ بخود ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص فوراً آیت سجدہ پر رکوع نہ کرے حتیٰ کہ زیادہ قرأت پڑھ جائے اور پھر سجدہ کی نیت سے رکوع کرے تو بالا جماع جائز نہیں ہے اور اس آیت میں رکوع کے ساتھ سجدہ کی تعبیر بھی غیر مسلم ہے اگر تسلیم کیا بھی جائے تو یہ محض حجاز ہو گا اور یہ ایک کدو سرے کے قائم مقام رکھنے کا تقاضا نہیں کرتا۔

امام ابوحنیفہؒ یہاں قیاس کو استحسان پر ترجیح دیتے ہیں اور قیاس استحسان سے قوی ہے اور قیاس کی تائید عبداللہ بن مسعود اور ابن عمر کی روایت سے بھی ہوتی ہے یہ دونوں حضرات نماز میں رکوع کو سجدہ کے قائم مقام سمجھتے تھے اور کسی دوسرے صحابی کا ان سے اختلاف بھی مروی نہیں ہے نیز قیاس خفی کو قیاس کے خلاف اور قیاس جلی کو اس کے ظہور کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جاتی بلکہ ترجیح کسی متصل معنی کی وجہ سے دی جاتی ہے اور قیاس جلی کو قیاس خفی کی معارضیت کی صورت میں بہت کم ترجیح دی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے دس سے کچھ زائد مواقع پر قیاس جلی کی قیاس خفی پر ترجیح کا ذکر کیا ہے۔ اصول فقہ سے یہ مواقع پہنچانے جاسکتے ہیں لیکن قیاس خفی کو قیاس جلی پر اتنی زیادہ ترجیح دی گئی ہے کہ مواقع کا شمار ممکن نہیں۔

مسئلہ: اگر آیت سجدہ کی تلاوت کے فوراً بعد رکوع کر لیا اور سجدہ تلاوت کی نیت نہ کی پھر نماز کا سجدہ کیا تو نماز کے فرضی سجدہ کی ادائیگی سے سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا خواہ نمازی نے سجدہ تلاوت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اگر آیت سجدہ کے بعد ایک آیت یا دو آیات تلاوت کرے اور پھر رکوع کر لے تو نماز کے سجدہ میں سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا۔ لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں اور آیت سجدہ کے بعد تین آیات پڑھنے کے بعد نماز کے سجدہ میں سجدہ تلاوت کی ادائیگی کے متعلق علماء کا اختلاف ہے اور تین سے زائد آیات پڑھنے کے بعد سجدہ تلاوت کے قائم مقام نہ رکوع ہو گا اور نہ سجدہ ہو گا خواہ سجدہ تلاوت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نمازی جب تک نماز میں ہے اس پر سجدہ تلاوت کی تقاضا واجب ہے۔ جمہور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔ محمد بن مسلمہ کا خیال ہے کہ نماز کے سجدہ کا سجدہ تلاوت کے قائم مقام ہونا قیاس ہے۔ اور استحساناً یہ جائز نہیں ہے کیونکہ نماز کے سجدہ کا سجدہ خود فرض ہے کسی دوسرے کے قائم مقام نہیں ہوتا جیسے رمضان شریف کا روزہ کسی دوسرے دن کے قضاء روزہ اور اس دن کے ادار روزہ دونوں کے قائم مقام نہیں ہوتا پس یہاں قیاس استحسان پر مقدم ہے۔ رہا رکوع کا سجدہ تلاوت کے قائم مقام ہونا تو قیاس اس کے خلاف ہے لیکن یہ استحساناً جائز ہے اور استحسان قیاس خفی ہے پس اس صورت میں استحسان کو قیاس پر ترجیح دی گئی ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورہ ص کی اس آیت کو تلاوت کرنے والے پر سجدہ واجب ہے اور امام مالک کے نزدیک اس آیت کی تلاوت کرنے والے پر سجدہ کرنا سنت ہے جیسے مطلقاً سجدہ تلاوت ان کے نزدیک سنت ہے۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک بھی ایک روایت کے مطابق سنت ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اور احمد کی مشہور روایت کے مطابق یہ سجدہ شکر ہے اور نماز کے باہر ادا کرنا مستحب

ہے اور نماز میں اس کو ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ ابن جوزی نے ابن عباس کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ یہ واجب جہدوں میں سے نہیں ہے ابن عباس فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ ص کا جہدہ کرتے دیکھا لیکن یہ واجب جہدوں میں سے نہیں ہے (1)۔ اس حدیث کو ابن الجوزی نے ترمذی کے طریق سے بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے اس طرح روایت کیا ہے فرماتے ہیں سورۃ ص واجب جہدوں میں سے نہیں ہے اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں جہدہ کرتے ہوئے دیکھا (2) ایک روایت میں ہے کہ مجاہد فرماتے ہیں میں نے ابن عباس سے پوچھا کیا میں سورۃ ص میں جہدہ کروں تو ابن عباس نے ومن ذریعہ داؤد و سلیمان سے لے کر فہد اہم اقصہ تک تلاوت فرمائی۔ اور پھر ارشاد فرمایا تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کی اقتداء کریں (3)۔ تو حضرت ابن عباس کا یہ جواب وجوب کا تقاضہ کرتا ہے اور یہ حدیث ہمارے حق میں حجت ہے اور ہمارے مسلک کے مخالف نہیں ہے اور ابن عباس کا یہ قول کہ فیئست من غزائهم الشجود (واجب جہدوں میں سے نہیں) موقوف ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے) پہلے قول کے معارض ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مرفوع ہے۔ ابن الجوزی نے ابوسعید الخدری کی حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے، فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطاب فرمایا اور سورۃ ص تلاوت فرمائی جب آیت جہدہ سے گزرے تو آپ پیچھے اترے اور جہدہ فرمایا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہدہ کیا۔ پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ص کی آیت جہدہ پڑھی تو ہم جہدہ کرنے کے لئے نکھر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح جہدہ کی تیاری کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ ایک نبی کی توبہ کا جہدہ ہے لیکن میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تم جہدہ کرنے کے لئے تیار ہو پھر آپ منبر سے پیچھے تشریف لائے، آپ نے جہدہ کیا اور ہم نے بھی جہدہ کیا (4) اس حدیث کو ابن الجوزی نے دارقطنی کے طریق سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بھی ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی۔ اس میں زیادہ سے زیادہ مطلقاً جہدہ تلاوت کے عدم وجوب پر دلالت ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے۔ میرے نزدیک فتویٰ کے لئے یہی قول مختار ہے۔ احناف میں سے امام غلامی کا بھی یہی فتویٰ ہے لیکن امام صاحب کا قول جہدہ کے وجوب کا ہے اور ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ص میں جہدہ کیا (5)۔ اس حدیث کو ابن الجوزی نے دارقطنی کے طریق سے روایت کیا ہے ابوسعید کی حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ص میں جہدہ کیا۔ اس حدیث کو غلامی کا ابو داؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے سورۃ ص میں جہدہ کیا (6)۔

مسائب بن یزید سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی تو آپ نے سورۃ ص تلاوت فرمائی اور اس میں جہدہ تلاوت کیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنین کیا یہ جہدہ واجب جہدوں میں سے ہے؟ حضرت عمر نے حجر بابا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں جہدہ کرتے تھے (7) ابو مریم سے مروی ہے، فرماتے ہیں حضرت عمر شام پہنچے تو داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ میں آئے اور نماز ادا فرمائی اور اس میں سورۃ ص تلاوت کی۔ جب آیت جہدہ پر پہنچے تو جہدہ کیا (8)۔ ابن عباس کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ ص میں جہدہ تلاوت ادا فرمایا اور فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام نے توبہ کے طور

- 1- جامع ترمذی، حدیث: 577 (دارالحدیث)
- 2- صحیح بخاری، حدیث: 3240 (ابن کثیر)
- 3- صحیح بخاری، حدیث: 3239 (ابن کثیر)
- 4- سنن الدارقطنی، جلد 1، صفحہ 408 (الحاکم)
- 5- سنن الدارقطنی، جلد 1، صفحہ 406 (الحاکم)
- 6- سنن کبریٰ از بیہقی، جلد 2، صفحہ 319 (الاکثر)
- 7- الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 572 (العلینی)
- 8- الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 572 (العلینی)

پر مجیدہ ادا کیا اور ہم اس آیت کا سجدہ بطور شکر ادا کرتے ہیں (۱) اس حدیث کو نسائی نے حجاج بن محمد بن عمر بن زبیر سے موصولاً روایت کیا ہے۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور امام شافعی نے الام میں ابن عیینہ عن ایوب عن عکرمہ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے نقل کی ہے، عبد اللہ بن بزیع بن عمر بن زبیر عن ابیہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے بھی روایت کی ہے اور ابن بزیع کی وجہ سے اس کو معلول کہا۔ فرماتے ہیں ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابن بزیع قابل جہت نہیں ہیں۔ ابن اسکن نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اسی طرح ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن ہمام نے فرمایا اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داؤد علیہ السلام کے حق میں جو مجیدہ کی کیفیت تھی اسے بھی بیان فرمایا اور جو حیثیت ہمارے حق میں ہے اسے بھی بیان فرمایا اور شکر کا سبب ہونا وجوب کے منافی نہیں ہے کیونکہ فرض اور واجبات کا وجوب بھی تو اللہ تعالیٰ کی مسلسل نعمتوں کے شکر کی بناء پر ہے۔

مسند امام ابو حنیفہ میں ابو حنیفہ عن ماک بن حرب عن عیاض الاشعری عن ابی موسیٰ کی سند سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ ص میں مجیدہ کیا۔

امام احمد نے بکر بن عبد اللہ مزینی کے واسطہ سے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے خواب دیکھا کہ سورہ ص لکھ رہا ہوں۔ جب میں آیت مجیدہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دو اوت قلم اور جو کچھ میرے سامنے پڑا ہے وہ سب مجیدہ کرتے ہوئے اٹ گیا ہے۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں میں نے اپنا یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ نے مجیدہ نہ فرمایا (۲)۔

ابن ہمام فرماتے ہیں سورہ ص میں مجیدہ کا حکم بھی دوسرے مجیدوں کی طرح مواظبت اور دوام اختیار کر کر گیا اور ابھی تک اس پر عمل ہو رہا ہے اگرچہ اس پر پہلے عزیمت نہ تھی لیکن ابوسعید کی پہلی روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس واقعہ سے پہلے کی ہوگی۔

فصل۔ ابن عباس فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ آج رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں ایک درخت کے چھ پر نماز پڑھ رہا ہوں، میں نے مجیدہ کیا تو اس درخت نے میرے مجیدہ کے ساتھ مجیدہ کیا۔ میں نے اس درخت کو یہ کہتے ہوئے سنا اَللّٰهُمَّ اَكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وَزْرًا وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذَخْرًا وَتَقْبِلْ مِنِّيْ كَمَا تَقْبِلُنِيْ مِنْ عِنْدِكَ ذَاوُدَ (اے اللہ میرے لئے اس مجیدہ کے عوض اجر لکھ دے اور اس کے عوض میرے گناہ ساقط کر دے اور اس کو میرے لئے اپنی بارگاہ میں ذخیرہ فرمائے اور مجھ سے اس کو اس طرح قبول فرما جس طرح تو نے داؤد علیہ السلام کی طرف سے قبول فرمایا تھا) ابن عباس فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مجیدہ پڑھی اور پھر مجیدہ فرمایا اور پھر اس شخص نے درخت کے جو الفاظ بتائے تھے ان کے ساتھ دعا پڑھی (۳) اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو غریب کہا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کی ہے۔ اسی طرح ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے لیکن اس میں تَقْبِلُنِيْ مِنْ عِنْدِكَ ذَاوُدَ کے الفاظ نہیں ہیں۔

فَقَعَّرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَكُلِّ نَفْسٍ وَحَسَنَ مَّآلٍ ﴿۱۵﴾

”پس ہم نے ان کی ہر نفس اور ہر نیکی کے لئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے۔“

۱۔ یعنی ہم نے ان کی تقصیر معاف فرمادی اور مغفرت کے بعد ہماری بارگاہ میں ایسا قرب اور ایسا مقام حاصل ہو گیا جو بلا جملہ اور

احاطہ تحریر سے وراء ہے اور جو کمال اور قدر و منزلت کمال نہ امت اور انتہائی توبہ و استغفار کی وجہ سے نصیب ہوا اگر ان سے یہ تقصیر نہ ہوئی تو انہیں حاصل نہ ہوتا۔ بعض علماء نے زلفی کا معنی دنیا میں خیر اور قدر کی زیادتی کیا ہے۔ حسن مآب کا معنی حسن مرجع اور آخرت میں بہتر انجام ہے۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ جو روایت کیا گیا ہے آپ نے اور یا کو بار بار جنگ میں بھیجا تا کہ وہ قتل ہو جائے اور پھر اس کی بیوی سے نکاح کر لیں۔ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ شان نبوت اس قسم کے الزامات سے بہت بلند ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ تو صرف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ نے خواہش کی ایک ایسی چیز کی جو آپ کے پاس نہیں تھی، جب کہ آپ کے پاس اس جیسی ننانوے چیزیں موجود تھیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس فیصلہ کے ذریعے آپ کو اس خواہش پر تنبیہ فرمادی کہ یہ آپ کی شایاں شان نہیں ہے تو اب آپ نے فوراً توبہ و استغفار کیا اور اس خواہش سے رجوع کر لیا۔ صاحب مدارک فرماتے ہیں روایت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کے لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تا کہ میں اس سے نکاح کر لوں اور یہ اس دور میں ایک عام رواج اور معمول تھا اور ہمدردی کا مظاہرہ ہوا کرتا تھا جس طرح کہ انصار نے مہاجرین سے اس قسم کا حسن سلوک پیش کیا تھا۔ اتفاقاً حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر اور یا کی بیوی پر پڑی تو وہ انہیں اچھی لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اور یا سے رواج کے مطابق اسے طلاق دینے کی فرمائش کی تو وہ حیا کی وجہ سے آپ کی بات کو رد نہ کر سکا۔ اس نے اسے طلاق دے دی اور پھر داؤد علیہ السلام نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

میں کہتا ہوں داؤد علیہ السلام نے وہ عمل نہ کیا جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ جب حضرت زینب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آئیں تو آپ نے ان کے خاندان حضرت زید سے فرمایا اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ (اپنی بیوی کو اپنے پاس روک رکھو اور اللہ سے ڈرو) تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو خطاب فرمایا پھر داؤد علیہ السلام نے استغفار کیا اور رجوع فرمایا۔ قرآن کے الفاظ بھی اس روایت کے مؤید ہیں کیونکہ مدنی نے یہی کہا تھا کہ یہ کہتا ہے اَلْفَنِيْهٖمَا وَعَرَّيْنِي فِي الْغَطَابِ ۝ مدنی نے تو یہ نہیں کہا کہ یہ میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے اور داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کرتے ہوئے بھی صرف اتنا کہا تھا کہ لَنْكُنَّ ظَلَمًا لَّكَ بِسُؤَالِ نَفْسِكَ اِلٰى غَايَةٍ (دیکھ اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دینی کو اپنی دنیا میں ملا دے)۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں وہب بن منبہ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی تو آپ تیس سال اپنی خطا پر روتے رہے اور دن رات آپ کے آنسو بہتے رہتے تھے اور جب آپ سے خطا سرزد ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ستر سال تھی۔ اس خطا کے بعد آپ نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک دن بنی اسرائیل کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتے ایک دن اہل و عیال میں گزرتے اور ایک دن جنگوں اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے اور ایک دن اپنے گھر میں خلوت میں چلے جاتے۔ آپ کے گھر میں چار ہزار عبادت کی جگہیں تھیں۔ اس میں راہب لوگ جمع ہوتے تھے۔ آپ ان کے ساتھ اپنے اوپر روتے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ روتے پھر جب باہر جانے کا دن ہوتا تو آپ جنگوں میں نکل جاتے اور بلند آواز سے ایک خاص میں لے روتے۔ جب آپ روتے تو پہاڑ جھڑ جانوڑ پتندے سب آپ کے ساتھ روتے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے وادیاں بننے لگتیں پھر آپ ساحل

سمندر پر آتے یہاں بھی بلند آواز سے ایک مخصوص انداز میں روتے۔ آپ روتے تو سمندر کی چھیلیاں سمندری جانور پرندے اور درندے سب آپ کے ساتھ روتے پھر جب شام ہو جاتی تو واپس تشریف لاتے اور جب اپنے نفس کی خطا پر رونے کا دن ہوتا تو ایک نذر کرنے والا ندا دیتا کہ آج داؤد علیہ السلام کے رونے کا دن ہے پس ان کے معاونین حاضر ہو جائیں۔ آپ اپنے اس عبادت خانہ میں داخل ہو جاتے جس میں بہت سی عبادت کی جگہیں بنی ہوئی تھیں پھر آپ بوریا کے تین فرش بچھاتے جن کے اندر بھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے۔ آپ ان کے اوپر بیٹھتے وہاں آپ کے پاس چار ہزار راب آتے جن کے سروں پر ٹوپیاں ہوتی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں لاشعیاں ہوتی تھیں وہ ان عبادت کی مخصوص جگہوں میں بیٹھ جاتے تھے پھر داؤد علیہ السلام بلند آواز سے روتے اور اپنے نفس پر فوج کرتے۔ درویش اور صوفیاء جو آپ کی مجلس میں ہوتے وہ بھی آپ کے ساتھ بلند آواز سے روتے تھے اور وہ متواتر روتے رہتے تھے حتیٰ کہ فرش ان کے آنسوؤں میں ڈوب جاتا تھا اور داؤد علیہ السلام سرخ کے بچے کی طرح اس میں گر پڑتے اور بکلی کی طرح بھڑکتے رہتے پھر آپ کے بیٹے حضرت سلیمان آتے اور آپ کو اٹھالیٹے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان آنسوؤں کے پانی سے چلو بھر کر اپنے منہ پر ملتے تھے اور دعا کرتے اے میرے پالہار مجھے معاف کر دے۔ اگر داؤد علیہ السلام کے رونے کا تمام دنیا کے لوگوں کے رونے کا موازنہ کیا جائے تو برابر ہوگا۔ وہب فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا سر کبھی اوپر نہ اٹھایا حتیٰ کہ فرشتے نے یہ مژدہ سنایا۔ آپ کے معاملہ کی ابتداء لغزش ہے اور اس کا آخر مغفرت ہے، سر اٹھائے اس وقت آپ نے سر اوپر اٹھایا پھر کبھی بعد کی پوری زندگی کبھی پانی نہ پیا مگر اس میں آپ کے آنسو ملے ہوتے تھے کبھی کوئی کھانا تناول نہیں فرمایا مگر اس میں آپ کے آنسوؤں کی آمیزش ہوتی (۱)۔

اوزاعی نے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی آنکھیں مشکیزوں کی طرح تھیں جن سے ہر وقت پانی پھٹتا رہتا تھا اور آپ کے چہرے پر آنسوؤں کی وجہ سے اس طرح گڑھے پڑ گئے تھے جس طرح زمین میں پانی کے چلنے سے گڑھے پڑ جاتے ہیں (۲) وہب کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تو عرض کی یا رب توبہ نے مجھے بخش دیا لیکن میں کیسے اپنی خطائیں بھولوں گا پس میں اپنے لئے اور تمام خطاکاروں کے لئے قیامت تک معافی مانگتا رہوں گا۔ وہب فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی خطا کو آپ کے دائیں ہاتھ میں کندہ فرما دیا تھا جب بھی آپ کھانے یا پینے کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو اسے دیکھ کر رونے لگ جاتے۔ جب لوگوں کو خطاب فرماتے تو اپنے لئے معافی مانگتے سے پہلے دوسرے خطاکاروں کے لئے معافی مانگتے۔ قتادہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام میں خطا کے بعد ہمیشہ خطاکاروں کے پاس بیٹھتے تھے۔ آپ ان لوگوں کو بلا لیتے اور کہتے خطا کا رد اود کے پاس آؤ آپ پانی بھی پیتے تو اپنے آنسو ملا کر پیتے اور جو کی خشک روئی پر آنسو بہا کرتے حتیٰ کہ وہ تر ہو جاتی پھر اس پر نمک اور اڑکھ چھڑک کر تناول فرماتے تھے اور کہتے یہ خطاکاروں کا کھانا ہے۔ وہب فرماتے ہیں خطا سے پہلے داؤد علیہ السلام نصف رات قیام کرتے اور ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے۔ جب یہ خطا سرزد ہوئی تو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور ساری رات قیام فرماتے تھے (۳)۔ ثابت فرماتے ہیں جب داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عتاب (سزا) کو یاد کرتے تو آپ کے اعضاء اتر جاتے تھے پھر ان کو کسی بندھن کے ساتھ باندھا جاتا تھا اور جب اللہ کی رحمت کو یاد کرتے تو اعضاء اپنی جگہ درست ہو جاتے تھے۔ آپ کے اقدہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ پہلے وحشی اور پرندے آپ کی تلاوت سنتے تھے پھر جب آپ سے تفسیر ہوئی تو وہ

آپ کی تلاوت نہیں سنتے تھے اور یہ بھی روایت ہے کہ ان وحشیوں اور پرندوں نے کہا اے داؤد! آپ کی خطائے آپ کی آواز کی مناس کو ختم کر دیا ہے۔ (۱)

يٰۤاٰدُۤا۟دُۤا۟ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ
الْبَهْوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْسُدُوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهِمْ
عَذَابٌ شَدِيْدٌ يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

”اے داؤد ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں پس آپ فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ بہرہ کی یاد کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے بیشک جو لوگ بھگ جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے بھلا دی تھا یوم حساب کو۔“

۱۔ یٰۤاٰدُۤا۟ سے پہلے قلنا محمد دف ہے اور یہ لغو فوٹا لہ پر معطوف ہے، یعنی اے داؤد ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا یا معنی کہ ہم نے آپ کو پہلے انبیاء کرام کا نائب اور خلیفہ (۱) بنایا۔ فاحکم پر قائم ہے۔ بالحق سے مراد اللہ کے حکم سے ہے۔ وَلَا تَتَّبِعِ کا عطف فاحکم پر ہے۔ فَيُضِلَّكَ نہیں کے جواب میں ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ سبیل اللہ سے مراد وہ دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حق کے ثبوت پر قائم فرمائے ہیں۔ اس ارشاد میں دلیل ہے کہ جو خواہشات نفس کا پیروکار ہوتا ہے اس کی رائے صائب نہیں ہوتی اور وہ اپنے اجتہاد میں ٹھوکر کھا جاتا ہے جیسا کہ وہ بہتر فرقہ ہیں جو اسلام کے مدعی ہیں اور راہ خدا سے بھٹکنے والوں کے لئے سخت عذاب اس لئے ہے کیونکہ وہ یوم حساب کو بھول گئے ہیں۔ اس دن کی یاد راہ حق کو لازم پکڑنے اور خواہشات نفس کی مخالفت کا تقاضا کرتی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اِلٰح کا جملہ جملہ مستفاد ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اَبَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ قَوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا مِنْ النَّارِ ۝

۱۔ تفسیر بنوئی، جلد ۴، صفحہ 601 (الکر)

(۱) حضرت عمر بن خطاب نے حضرت طلحہؓ زبیرؓ کب اور سلمان رضی اللہ عنہم سے پوچھا خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے کہا ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلمان نے کہا خلیفہ وہ ہے جو رحمت سے عدل کرتا ہے، ان میں مال تقسیم کرتا ہے اور راہی راہ عایا طرح مہربان ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر مہربان ہوتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کرتا ہے حضرت کعب نے فرمایا میرا تو خیال تھا کہ میرے سو کوئی دوسرا فرقہ نہ جانتا ہوگا۔ حضرت سلمان سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے پوچھا میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ ہوں۔ حضرت سلمان نے فرمایا اگر تم مسلمان کی زمین ایک روز ہم یا اس سے کم پیش لے کر غیر مستحق کو دیتے ہو تو تم بادشاہ ہو خلیفہ نہیں ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس جملہ سے عبرت حاصل کی۔ سلمان بن حو جاہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ ہوں۔ ایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنین ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا خلیفہ وہ ہوتا ہے جو لیتا ہے تو حق و انصاف سے لیتا ہے اور اسے خرچ بھی صحیح جگہ پر کرتا ہے اور آپ اللہ کے فضل و احسان سے ایسا ہی کرتے ہیں اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر ظلم و ستم کرتا ہے، اس سے لیتا ہے اس کو دیتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ حضرت معاویہؓ جب منبر پر بیٹھے تو یہ ارشاد فرماتے اے لوگو! خلافت مال جمع کرنے اور تقسیم کرنے کا نام نہیں بلکہ خلافت تو حق کے ساتھ مل کرنے سے عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے اور حکم الہی کے مطابق لوگوں کا مواخذہ کرنے کا نام ہے (از علامہ شفاء اللہ پانی پتی)

”اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ بل یہ تو کفار کا گمان ہے بل جس بربادی ہے کفار کے لیے آگ کے عذاب سے۔“

۱۔ پانچواں سہ ماہیہ کا نام ہے جس میں کوئی نعمت نہ ہو یا پانچواں ذوی باطل کے معنی میں ہے، یعنی ہم نے زمین و آسمان کی تخلیق بے مقصد اور بغیر حکمت کے نہیں فرمائی۔ یا معنی کہ ہم نے زمین و آسمان کی تخلیق بے مقصد اور عبث نہیں کی یا یہ مفہوم ہے کہ ہم نے زمین و آسمان کی تخلیق اس باطل کے لئے نہیں کی جو خواہشات کی پیروی کرتا ہے بلکہ ہم نے اس کی تخلیق اس حق کے لئے کی ہے جو صانع کے وجود کا استدلال ہے۔ اس کے اوامری کی پیروی اور منہیات سے اجتناب کر کے اس کی نعمتوں کا شکر کرنا ہے۔ یہ جملہ مترضہ ہے۔

۲۔ یہ کفار کا گمان ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق عبث اور حکمت سے خالی ہے کیونکہ وہ دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے ہیں اور اطاعت گزار کے ثواب اور گنہگار کے عذاب کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا یہ انکار اس بات کا متعنی ہے کہ نظام عالم کی رنگینیاں عبث اور بے مقصد ہیں۔ ۳۔ ویل پر جو تعین تقسیم کے لئے ہے اور فناء سمیت کے لئے ہے۔ کفار کی مذمت اور برائی بیان کرنے کے لئے ضمیر کی جگہ پھر اسم ظاہر اَلَّذِينَ كَفَرُوا کو دوبارہ ذکر فرمایا انار سے پہلے اس سبب ہے۔

أَمْ دَجَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَمْثَلِ
نَجْعَلُ الشَّقِيقِينَ كَالْفَجَّارِ ۝۱۱

”کیا ہم بنادیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یا ہم بنادیں گے پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح۔“

۱۔ اسم منقطع بمعنی بل ہے اور ہمزہ دونوں فریقوں، یعنی نیکو کاروں اور فساد یوں کے درمیان برابری کے انکار کے لئے ہے جو برابری زمین و آسمان کی تخلیق کے بے فائدہ ہونے کے لوازم میں سے ہے۔ یہ اسلوب استفہام اس لئے اپنایا تاکہ اس برابری کے تصور کی نفی ہو جائے۔ کفار جو گمان کرتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق بے مقصد ہے ان کی اس لابیعی باتوں سے اعراض کے لئے اسم بمعنی بل ذکر فرمایا۔ دوسرا اسم بھی منقطع بمعنی بل ہے۔ پہلے مومنین اور کفار کے درمیان برابری پر انکار کیا پھر مومنین میں سے متقین اور مجرمین کے درمیان برابری پر انکار فرمایا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دوسرا انکار پہلے انکار کے تکرار کے لئے ہو کہ آخری دو وصف بھی حکیم ذات کے نزدیک برابری کا تقاضا نہیں کرتے تو پھر پہلے دو گروہوں کے درمیان برابری کا سلوک کیسے ہو گا؟ یہ آیت کریمہ ایک عقلی دلیل ہے جو حشر کے وقوع کے وجوب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ دنیا میں تو ان دونوں فریقوں کے درمیان عمومی طور پر کوئی فضیلت نہیں ہے بلکہ دنیا میں تو معاملہ الٹ ہے کہ مومنین کی نسبت کافر زیادہ عمدہ عیش و آسائش میں ہیں۔ پس ضروری ہے کہ کوئی دوسرا موقع عمل ایسا ہوتا چاہیے جہاں متقین کو اپنے اچھے اعمال کا نیک صلہ ملے اور کفار اور بدکار لوگوں کو اپنے کفر اور بد اعمالیوں کی سزا ملے۔

مقابل فرماتے ہیں کفار فریاد کیا کرتے تھے کہ ہمیں آخرت میں اسی طرح خیرات و برکات میسر ہوں گی جیسے جہنم میسر ہوں گی۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (۱)۔

كُتِبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكًا لَّيْلًا نَّزِيلًا وَيَذَرُونَ إِلَيْهِمْ وَيَلْتَمِسُونَ لَهُمْ وَلَوْ أَنَّ لِلنَّاسِ

”یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف بڑی بابرکت تاکہ وہ تذکر کریں انکی آیتوں میں لے اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقلمند لے“

لے کٹھنٹ سے مراد قرآن کریم ہے اور ترکیب نحوی کے اعتبار سے یہ هذا القرآن کی خبر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی هذا القرآن کتبت من اللہ، یعنی یہ قرآن اللہ کی طرف سے ایک کتاب ہے۔ مبارک یعنی بڑی بابرکت اور نفع بخش ہے اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اسے محبوب تم اور تمہاری امت کے علماء اس میں غور و فکر کرو تاکہ اس کے ظاہری مفہوم اور صحیح تاویلات کو پہچان لو اور معانی مستنبط کی معرفت حاصل کر لو یا یہ معنی کہ ہر وہ شخص جسے عقل کی دولت و نعمت سے نوازا گیا ہے وہ اس میں غور و فکر کرے تاکہ وہ جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے، کسی بشر کا ایسی کلام پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ حضرت الحسن فرماتے ہیں تذکرات آیات سے مراد آیات کی اتباع کرنا ہے۔

لے دوسرا مقصد اس کتاب کے نزول کا یہ ہے کہ عقول سلیمہ رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں یا یہ معنی کہ صاحب عقل لوگوں کے ذہنوں میں معرفت الہی کو حاصل کرنے کی جو قوت اور استعداد و ودیعت کی گئی ہے اس کے ذریعے وہ معرفت حاصل کریں، جس معرفت پر دلائل بھی قائم کئے گئے ہیں کیونکہ کتب الہیہ اس چیز کو بیان کرتی ہیں جو صرف شریعت سے معلوم ہوتی ہے نیز کتب مادیہ اس چیز کی طرف راہنمائی کرتی ہیں عقل خود جس کے حصول پر قادر نہیں ہوتی شاید ہر پہلے معلوم کرنے لے ہو اور تذکر دوسرے معلوم کرنے لے ہو۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ ۖ إِنَّا مُبْلِسُونَ ۝۱۰۰

”اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان (جیسا فرزند) بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا لے“

لے وَهَبْنَا کا عطف ففعلاً پر ہے اور ان کے درمیان جملے متر سے ہیں۔ العبد سے مراد سلیمان علیہ السلام ہیں۔ إِنَّا مُبْلِسُونَ کا جملہ آپ کی تعریف کی علت اور وجہ بیان کر رہا ہے۔ آپ اللہ کی بارگاہ میں بہت زیادہ توجہ کرنے والے تھے یا تسبیح کی صورت میں بہت زیادہ اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے اس لئے آپ کی صفت آؤاؤا ذکر فرمائی۔

إِذْ عَرَضَ عَلَيْكَ بِالْعَشِيِّ الصُّفُوفُ الْجِبَادِ ۝۱۰۱

”جب پیش کئے گئے آپ پر سر پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے لے“

لے اذ ظرف ہے آؤاؤا کی با نعم کی اور خیر کا مرجع حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ عشی سے مراد ظہر کے بعد کا وقت ہے۔ صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین قدموں پر کھڑا ہوتا ہے اور جو تھے قدم کے ہم کا کنارہ زمین پر ٹیکتا ہے۔ یہ عمل گھوڑے کی خوبیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جیاد جمع ہے جواد یا جود کی اور اس سے مراد تیز رفتار گھوڑا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں جیاد جید کی جمع ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس سے مراد سہمت لے جانے والے گھوڑے ہیں (۱) بعض علماء فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے صفوں اور جودۃ دونوں صفات کو بیان فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان میں ٹھہرنے اور چلنے کے دونوں اچھے اوصاف جمع تھے، یعنی جب وہ کھڑے ہو تے ہیں تو اپنی جگہوں پر بڑے سکون سے کھڑے ہوتے ہیں اور جب دوڑتے ہیں۔ تو برق رفتاری سے دوڑتے ہیں کبھی کہتے ہیں حضرت سلیمان نے اہل دمشق اور نصیبین سے جنگ کی تھی اور وہاں سے انہیں ہزار گھوڑے لے تھے۔ مقاتل فرماتے ہیں حضرت سلیمان کو اپنے والد ماجد

حضرت داؤد کی میراث سے ہزار گھوڑے ملے تھے (۱) لیکن اس قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نَحْنُ مُعْشَرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُؤْثِرُ مَا نَحْنُ خَلْفَا صَدَقَةٍ (ہم انبیاء کا گروہ کوئی میراث نہیں چھوڑتے جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے) اردو کرتی ہے۔ عبد بن حمید فرمائی ابن جریر ابن ابی حاتم نے ابن ابی عمیر التیمی سے روایت کیا ہے کہ میں ہزار پروں والے گھوڑے تھے جن کی حضرت سلیمان نے کوچیں کاٹ ڈالی تھیں (۲) عبد بن حمید اور ابن المنذر نے عوف بن الحسن کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ جن گھوڑوں کی حضرت سلیمان نے کوچیں کاٹی تھیں وہ پروں والے گھوڑے تھے اور آپ کے لئے وہ مندر سے نکالے گئے تھے۔ آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی کے پاس ایسے گھوڑے نہ تھے (۳)۔ علامہ نبوی نے مکرمہ سے روایت کیا ہے کہ وہ میں ہزار پروں والے گھوڑے تھے (۴) علماء نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نماز ظہر اور افرامی اور پھر اپنی کرسی پر تشریف فرما ہو گئے اور وہ گھوڑے آپ پر پیش کئے جانے لگے۔ آپ پر نو سو گھوڑے پیش کئے گئے تو آپ کو نماز عصر یاد آئی لیکن اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور نماز کا وقت گزر چکا تھا لیکن آپ کے رعب و بیت کی وجہ سے کسی نے آپ کو نماز کے متعلق آگاہ نہ کیا۔ نماز کے فوت ہونے کا آپ کو بہت دکھ ہوا۔

فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۖ

”تو آپ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لئے (پھر انہیں چلانے کا حکم دیا) یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے پیچھے۔“

۱۔ قال کا غلط محذوف جملوں پر ہے۔ نقد پر کلام اس طرح ہوگی اِذْ غَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَبَسِي الصَّافِيَاتِ الْجَبَادُ فَانْتَفَلَ بِهَا حَتَّى فَاتَتْهُ الْعَصْرُ فَقَالَ الْخَيْرِ سے مراد مال کثیر ہے اور اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جن کے ساتھ آپ مشغول ہوئے تھے یا الخیر کا اطلاق الخیل (گھوڑوں) پر کیا ہے کیونکہ عرب لام اور راء کے درمیان تبادلاً کرتے رہتے ہیں مثلاً کہتے ہیں خَلْتُ الْوَجْلَ وَخَسْرَتُهُ جس کا معنی صدمہ دینا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں خیل کو خیر اس لئے فرمایا کیونکہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر لکھی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر باندھی گئی ہے اجر اور نعمت (۵) اس حدیث کو بخاری نے متعدد صحابہ سے روایت کیا ہے۔ اصل میں احببت بمعنی انورت اعلیٰ کے صلہ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے لیکن جب اسے انبت کے قائم مقام لکھا گیا تو غن کے صلہ کے ساتھ متعدی کیا گیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں احببت بمعنی تقاعدت ہے اور حب الخیر علت کی بناء پر منصوب ہے اور معنی یہ ہوگا تقاعدت لمح الخیر یعنی میں گھوڑوں کی محبت کی وجہ سے بیٹھا رہا۔

تورات کا فاعل ضمیر التمس کی طرف راجع ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے لیکن العشی کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ علامہ نبوی فرماتے ہیں حجاب ایک پہاڑ ہے جو کوہ قاف سے ایک ماہ کی مسافت پر ہے اور سورج اس کے پیچھے غروب ہوتا ہے (۶)۔

رَأَوْهُمَا عَلَى طَرَفٍ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ۖ

”(حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر۔“

۱۔ رَأَوْهُمَا عَلَى قول کی تقدیر کے ساتھ قال انہی احببت پر معطوف ہے۔ حاشیہ کا مرجع گھوڑے ہیں، یعنی آپ نے فرمایا ان گھوڑوں

- | | | |
|---------------------------------------|--|--|
| 1۔ تفسیر نبوی، جلد 4، صفحہ 603 (الفر) | 2۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 580 (العدی) | 3۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 579 (العدی) |
| 4۔ تفسیر نبوی، جلد 4، صفحہ 603 (الفر) | 5۔ صحیح بخاری، حدیث: 2697 (ابن کثیر) | 6۔ تفسیر نبوی، جلد 4، صفحہ 603 (الفر) |

کو میرے پاس واپس لاؤ تو گھوڑے پیش کئے گئے۔ طفق بمعنی اخذ ہے اور اس کا عطف قال ردوہا پر ہے۔ مسحا بمسح کا مصدر ہے۔ یعنی بمسح السیف مسحا یعنی تلوار کے ساتھ ان کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے لگے اور یہ عربوں کے قول مسح علاوہ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے اس کی گردن کاٹ دی۔ ابن عباس، حسن، قتادہ، مقاتل اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ ابن المنذر نے ابن جریج کے حوالہ سے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت سلیمان نے تلوار کے ساتھ ان کی پنڈلیاں کاٹ دیں (۱) بطرانی نے الاوسط میں، اسماعیل نے اپنی معجم میں اور ابن مردويه نے حسن سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان نے تلوار کے ساتھ گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹ دیں (۲) اور آپ کا یہ فعل اللہ کے حکم سے ذکر الہی سے غفلت پر توبہ کے طور پر تھا اور رضا الہی کے قرب کے حصول کے لئے تھا۔ حسن فرماتے ہیں جب آپ نے گھوڑوں کو مار دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نعم البدل عطا فرمایا اور وہ بھی جو آپ کے حکم سے چلتی تھی (۳) بعض مفسرین فرماتے ہیں آپ نے گھوڑوں کو ذبح کیا اور پھر ان کا گوشت صدقہ کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گھوڑوں کا گوشت حلال تھا جس طرح ہماری شریعت میں بھی جمہور علماء کے نزدیک گھوڑوں کا گوشت حلال ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے ان گھوڑوں کو اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے مخصوص فرما دیا اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر داغ لگا دیئے۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حکایت ہے کہ آپ نے مَرْدُءَ عَائِلَہ کی یہ تفسیر بیان فرمائی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے فرشتوں کو حکم دیا کہ سورج کو واپس لاؤ۔ فرشتے سورج کو واپس لانے حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز اپنے وقت پر ادا فرمائی۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کے پاس خدا میں جہاد کے لئے گھوڑے پیش ہوتے رہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا (۴)۔ زہری اور ابن کثیر فرماتے ہیں آپ گھوڑوں سے محبت اور ان سے شفقت و پیاری وجہ سے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں سے اپنے ہاتھ کے ساتھ غبار جھاڑ رہے تھے۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں یہ قول ضعیف ہے اور مشہور پہلا قول ہے (۵) میں کہتا ہوں اس قول کا رد حضرت سلیمان علیہ السلام کے قول اِنِّیْ اَخْبِیْتُ خُبَّ الْفَخْرِ غِنَ ذِکْرَ رَبِّیْ حَتّٰی تَوَازَتْ بِالْحِجَابِ سے بھی ہو جاتا ہے۔

وَلَقَدْ قَتَلْنَا سُلَیْمٰنَ وَ اَلْقِیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا اَمًّا ۚ اَب ۝۳۱

”اور ہم نے قتل میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے تحت پر ایک بے جان جسم پھردہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے۔“

۱۔ یہ جملہ محذوف قسم کا جواب ہے اور وہ بنا پر اس کا عطف ہے۔ فتنہ کا معنی اختصار نا اور ابتلینا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمان نے کہا میں آج رات نانوے عورتوں سے صحبت کروں گا (ایک روایت میں سو عورتوں کا ذکر ہے) اور ہر ایک سے شہسوار پیدا ہوگا جو راہ خدا میں جہاد کرے گا فرشتے نے کہا ان شاء اللہ کہو آپ نے یہ نہ کہا اور بھول گئے۔ آپ نے عورتوں سے صحبت کی لیکن ایک عورت کے سوا کوئی بھی عامل نہ ہوئی اور اس سے بھی

3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 603 (القر)

6۔ مشکوٰۃ المصابیح، حدیث 5720 (القر)

2۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 580 (اعلیٰ)

5۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 604 (القر)

1۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 579 (اعلیٰ)

4۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 604 (القر)

ایک اور راوی پچھرا بنوا۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر حضرت سلیمان ان شاء اللہ کہتے تو سب راہ خدا کے عاجز اور شہسوار ہوتے (بخاری مسلم) (۱) بعض علماء نے لکھا ہے کہ دایہ نے وہ اور اچھا آپ کی کرسی پر ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ ذَا أَلْقَيْنَا لَهٗ فِي سِدْرِهِ مَجْداً کا یہی مفہوم ہے۔ ثم اناب کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے آئندہ ان شاء اللہ چھوڑنے سے رجوع کر لیا۔ طاؤس نے تم اناب کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے۔ یہ تاویل تمام اقوال سے بہتر ہے کیونکہ اس کو صحیحین کی حدیث کی تقویت و تائید حاصل ہے اور اس تاویل میں انبیاء کرام کی تقدیس کا چیلو بھی ہے کیونکہ جسداں جسم کو کہتے ہیں جس میں روح نہ ہو تو اس تاویل پر جسداں کا مفہوم صادق آتا ہے۔ طبرانی نے الاوسط میں اور ابن مردویہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا پیدا ہوا تو جنوں نے کہا اگر یہ بچہ زندہ رہا تو ہم اس جبری مشقت اور فرائد واری سے کبھی فارغ نہ ہوں گے پس ہمارے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اسے قتل کر دیں یا اسے دیوانہ بنا دیں۔ حضرت سلیمان کو جب جنوں کی اس سازش کا علم ہوا تو آپ نے شیطانوں کے خوف سے اسے بادل میں چھپا دیا پھر آپ کو اس کا کچھ علم نہ تھا حتیٰ کہ وہ مردہ حالت میں آپ کی کرسی پر گر پڑا۔ یہ سب کچھ اس الغرض پر تصدیقی کہ آپ نے اپنے رب پر بھروسہ کیوں نہیں کیا۔

علامہ بغوی لکھتے ہیں محمد بن اسحاق نے وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان نے سنا کہ سمندر کے جزیرہ میں ایک شہر ہے جس کا نام میدون ہے اور اس کا ایک عظیم الشان بادشاہ ہے چونکہ وہ سمندر کے جزیرہ میں رہتا ہے کوئی شخص اس تک پہنچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو ایسی سلطنت اور بادشاہی عطا فرمائی تھی کہ بحر و بر کی کوئی چیز ان کے سامنے رکاوٹ نہ تھی۔ آپ ہوا پر سوار ہوئے اور ہوا پانی کے اوپر سے آپ کو اٹھا کر لے گئی تھی کہ آپ جن دانس کے لشکر سمیت اس جزیرہ میں اترے اور اس بادشاہ کو قتل کر دیا اور جو کچھ مال و متاع تھا سب پر قبضہ کر لیا۔ اس مال غنیمت میں آپ کو اس بادشاہ کی جرارہ نامی لڑکی بھی ملی تھی جو بڑی حسین و جمیل تھی۔ حضرت سلیمان نے اس کا اپنے لئے انتخاب فرمایا اور اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس عورت نے بادل نخواستہ اسلام قبول کر لیا۔ حضرت سلیمان اس سے انتہائی محبت فرماتے تھے ایسی محبت آپ دوسری عورتوں سے نہیں کرتے تھے۔ اس عورت کا آپ کے نزدیک ہر مقام و مرتبہ تھا لیکن وہ ہمیشہ مغفوم رہتی تھی اور اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو نکلتے رہتے تھے۔ حضرت سلیمان پر اس کی یہ کیفیت بہت گراں تھی۔ آپ نے پوچھا کیا وجہ ہے تو ہر وقت غمگین رہتی ہے اور تیرے آنسو رکتے ہی نہیں ہیں۔ اس لڑکی نے کہا مجھے اپنے باپ کی یاد رلاتی ہے کبھی مجھے اس کا ملک یاد آتا ہے کبھی اس پر ٹوٹنے والی مصیبت یاد آتی ہے اس لئے میں ہر وقت روتی رہتی ہوں۔ حضرت سلیمان نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجھے اس سے بہتر ملک عطا فرمایا ہے، اس سے بڑی سلطنت عطا کی ہے، اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اور یہ نعمت سب نعمتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ وہ کہنے لگی بات بالکل اسی طرح ہے لیکن میں جب اپنے باپ کو یاد کرتی ہوں تو میری یہی کیفیت ہو جاتی ہے جو تیرے سامنے ہے اگر آپ جنوں کو حکم فرمائیں اور وہ میرے گھر میں میرے والد کی ایک موتی بنادیں اور صبح و شام اس کو سیکھا کر دیں تو شاید میرا غم ہلکا ہو جائے اور مجھے کچھ تسلی ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں کو حکم فرمایا کہ اس کے لئے گھر میں اس کے باپ کی موتی بنادو حتیٰ کہ وہ اس کے باپ کی بعینہ تشبیہ ہو، کچھ فرق محسوس نہ ہو۔ جنوں نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے اس کے باپ کا بت بنادیا۔ اس نے دیکھا کہ بالکل اس کا باپ ہے مگر اس میں صرف روح نہیں ہے۔ اس

عورت نے اس مورتی کو ویسا لباس پہنا دیا جو اس کا باپ زندگی میں پہنا کرتا تھا پھر جب حضرت سلیمان گھر سے نکل جاتے تو صبح شام وہ اپنی خادماؤں کے جلوس میں اس مورتی کے پاس جاتی اور اسے سجدہ کرتی۔ خادما میں بھی سجدہ کرتیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چالیس دنوں تک اس واقعہ کا علم نہ ہوا۔ جب آصف بن برخیا کو اس کی خبر پہنچی جو ایک سچا انسان تھا اور اس کے لئے حضرت سلیمان کے دروازے پر کسی قسم کی رکاوٹ نہ تھی جس وقت حضرت سلیمان کے گھر آتا چاہتا آ سکتا تھا تو حضرت سلیمان گھر میں ہوں یا نہ ہوں وہ آیا اور اس نے عرض کی اے اللہ کے نبی میری عمر بڑی ہو گئی ہے، میری ہڈیاں نرم پڑ گئی ہیں اور میری عمر ختم ہونے والی ہے میرے جانے کا وقت قریب ہے۔ میں اس چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے ایک جگہ کھڑے ہو کر گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کروں اور اپنے علم کے مطابق ان کی تعریف کروں اور لوگوں کو ان کی وہ باتیں بتاؤں جن سے وہ غافل ہیں۔ حضرت سلیمان نے فرمایا ایسا کرو اور اجازت ہے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کو جمع کیا اور آصف بن برخیا بحیثیت خطیب کھڑے ہو گئے انہوں نے گذشتہ انبیاء کرام کا تذکرہ کیا اور ہر نبی جو جو خوبیاں تھیں اور اللہ نے جو فضیلت عطا فرمائی تھی سب کو بیان کی تھی کہ سلیمان علیہ السلام کے تذکرہ تک پہنچے اس نے کہا اے سلیمان تم بچپن میں بڑے سلیم الطبع تھے، انتہائی نیکو کار اور متقی تھے، انتہائی انصاف کے ساتھ فیصلے فرماتے تھے اور ہر ناپسندیدہ کام سے پرہیز کرتے تھے۔ آپ کے بچپن اور چھوٹی عمر کا تذکرہ کر کے خاموش ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس بات پر بہت غصہ آیا تھی کہ آپ غصہ سے بھر گئے۔ جب سلیمان علیہ السلام گھر گئے تو آصف کو بلا کر فرمایا آصف! تو نے گذشتہ انبیاء کرام کا تذکرہ کیا، تو نے ان کے ہر زمانہ کی تعریف اور ان کے ہر حال کو بیان کیا لیکن میرا ذکر تو نے صرف بچپن کے زمانہ کے ساتھ کیا اور پھر تو خاموش ہو گیا میری بعد کی زندگی کا تو نے ذکر نہیں کیا بعد میں میری زندگی میں کیا واقعہ ہوا ہے آصف نے کہا ایک عورت کی خواہش پر چالیس دنوں سے تمہارے گھر میں غیر اللہ کی عبادت ہو رہی ہے۔ حضرت سلیمان نے پوچھا میرے گھر میں۔ آصف نے کہا ہاں جناب کے گھر میں۔ حضرت سلیمان نے کہا ان الله وانا اليه راجعون یقیناً اب میں سمجھ گیا ہوں آپ نے جو کہا وہ کسی ایسی خبر کی وجہ سے کہا تھا جو تجھے پہنچ چکی تھی۔ حضرت سلیمان اپنے گھر کی طرف پہلے اور وہ بت توڑ دیا اور اس عورت کو اور ان کی لوٹ یوں کو سزا دی پھر پاک کپڑے لانے کا حکم دیا۔ آپ کے پاس ایسے کپڑے لائے گئے جن کے سوت کو نا بالذبح عورتوں نے کاٹا تھا، نا بالذبح عورتوں نے ہی بنا تھا اور ان کو دھوئی بھی نا بالذبح عورتیں تھیں، ان کو کسی نا بالذبح عورت نے چھوا نہیں تھا پھر آپ وہ کپڑے پہن کر صحران میں اکیلے نکل گئے اور وہاں آپ نے راکھ کا فرش بچھانے کا حکم دیا پھر آپ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے لگے، اسی راکھ پر بیٹھ گئے اور کپڑوں کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں تضرع و زاری کرنے کے لئے راکھ پر لوٹنے لگے اور ان کے گھر میں جو کچھ غیر اللہ کی عبادت ہوتی تھی اس پر رونے لگے اور مغفرت طلب کرنے لگے۔ آپ اسی آدھو کا کی کیفیت میں شام تک رہے اور پھر واپس گھر تشریف لائے۔

آپ کی ایک ام ولد لونڈی تھی جس کا نام امینہ تھا۔ جب آپ قضائے حاجت یا کسی بیوی سے محبت کے لئے جاتے تو اپنی انگوٹھی اسی لونڈی کے پاس رکھ جاتے۔ آپ کے غسل کرنے سے پہلے تک وہ انگوٹھی اس لونڈی کے پاس رہتی۔ آپ اس انگوٹھی کو ہمیشہ طہارت کی حالت میں چھوتے تھے اور آپ کی حکومت اسی انگوٹھی کی وجہ سے تھی ایک دن اس انگوٹھی کو امینہ کے پاس رکھ کر بیت الخلا میں چلے گئے۔ سمندری جن اس لونڈی کے پاس آیا جس کا نام صحران تھا وہ بالکل حضرت سلیمان کی شکل میں آیا تھا کچھ فرق محسوس نہ ہوتا تھا۔ اس جن نے امینہ سے کہا میری انگوٹھی مجھے دو امینہ نے وہ انگوٹھی اسے دے دی وہ اسے پہن کر باہر نکلا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تحت پر جا کر بیٹھ

گیا۔ سب پرندے جن اور انسان اس کے حکم کے پابند ہو گئے۔ حضرت سلیمان امینہ کے پاس آئے تو آپ کی حالت بدلی ہوئی تھی آپ نے فرمایا امیر انگوٹھی دو۔ اس نے کہا تو کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں سلیمان بن داؤد ہوں۔ امینہ نے کہا تم جھوٹ بول رہے ہو۔ سلیمان تو مجھ سے اپنی انگوٹھی لے کر اپنے تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت سلیمان جان گئے کہ اس خطا کی وجہ سے گرفت ہو گئی ہے۔ آپ بنی اسرائیل کے گھروں کے دروازوں پر جاتے اور کہتے ہیں سلیمان بن داؤد وہوں لیکن وہ آپ پر مٹی پھینکتے اور برا بھلا کہتے اور کہتے دیکھو یہ جھوٹ ہے۔ کیا کہہ رہا ہے؟ کہتا ہے میں سلیمان بن داؤد ہوں۔ جب سلیمان علیہ السلام نے معاشرہ کا یہ ناروا برتاؤ دیکھا تو آپ سمندر کی طرف نکل گئے۔ آپ چھیروں کی مچھلیاں بازار میں لے آتے اور وہ آپ کو ہر روز دو مچھلیاں دیتے۔ جب شام ہوتی تو آپ ایک مچھلی روٹیوں کے بدلے فروخت کر دیتے اور دوسری خود بخون لیتے۔ یہ سلسلہ چالیس دن تک جاری رہا۔ کیونکہ چالیس دن آپ کے گھر میں بت کی پوجا ہوتی رہی تھی۔ آصف بن برخیا اور علماء بنی اسرائیل نے ان چالیس دن میں اس اللہ کے دشمن شیطان کے احکام کو عجیب دیکھا۔ ایک دن آصف نے کہا اے بنی اسرائیل کیا تم ابن داؤد کے احکام مختلف دیکھتے ہو جیسے میں مختلف دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں ہم بھی ان کے احکام پہلے کی نسبت مختلف دیکھ رہے ہیں۔ آصف بن برخیا نے فرمایا میں ان کی بیویوں سے جا کر پوچھتا ہوں کیا ان کو بھی یہ تبدیلی محسوس ہو رہی ہے جیسا کہ ان کے عام امور میں ہم تبدیلی محسوس کر رہے ہیں۔ بیویوں کے پاس آصف بن برخیا گئے اور ابن داؤد کے احکام میں تبدیلی کے متعلق پوچھا سب نے کہا ہم بہت زیادہ تبدیلی محسوس کر رہے ہیں۔ اب وہ جنس والی عورتوں کو بھی نہیں چھوڑتا اور غسل جنابت بھی نہیں کرتا۔ آصف بن برخیا نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تو کھلی آزمائش ہے۔ پھر آصف بنی اسرائیل کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ خاص امور میں تبدیلی تو عام امور سے بھی زیادہ ہے۔ جب چالیس دن گزر گئے تو جن اپنی جگہ سے اڑا اور سمندر کے پاس سے گزرا اور وہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی۔ اس انگوٹھی کو ایک مچھلی نے نگل لیا۔ پھر اس مچھلی کو کسی شکاری نے کھڑا۔ اتفاق سے حضرت سلیمان اس دن اس شکاری کی مزدوری کرتے رہے شام کے وقت اس نے آپ کو دو مچھلیاں دیں جن میں ایک وہ مچھلی تھی جس نے انگوٹھی نگلی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مچھلی روٹیوں کے عوض فروخت کر دی اور جس کے پیٹ میں انگوٹھی تھی اسے کاٹا تا کہ اس کو بھون لیں۔ آپ کو اس کے پیٹ سے انگوٹھی مل گئی آپ نے وہ پہن لی اور اللہ کے حضور مجددہ میں گر گئے اس طرح پھر جن اور پرندے آپ کے ساتھ ہو گئے اور انسان بھی آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ سمجھ گئے کہ جو کچھ ان کے گھر میں بت کی پوجا ہو چکی تھی اسی کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔ آپ دوبارہ تخت شاہی پر متمکن ہو گئے اور اپنے گناہ کی توبہ کی پھر آپ نے جنوں کو حکم دیا کہ صحرانامی جن کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ جنوں نے اسے تلاش کیا اور پکڑ کر آپ کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک چٹان کو کاٹا اور پھر صحر کو اس میں داخل کیا پھر اس کے اوپر دوسری چٹان رکھ دی پھر لوہے اور تانبے کے ساتھ اسے مضبوطی سے باندھ دیا اور حکم دیا کہ اسی حالت میں اسے سمندر میں پھینک دو۔ یہ واقعہ وہب نے بیان کیا ہے (۱)۔

سہی کہتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کا سبب یہ ہے کہ آپ کی سو بیویاں تھیں ان میں سے ایک کا نام جرادہ تھا۔ آپ سب عورتوں پر اسے ترجیح دیتے تھے اور اس پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے تھے جب آپ قضاء حاجت کے لئے جاتے تو اس کے پاس اپنی انگوٹھی رکھ جاتے ایک دن جرادہ نے آپ کو کہا کہ میرے بھائی اور فلاں شخص کے درمیان ایک تنازع ہے میں چاہتی ہوں کہ

جب فیصلہ تمہارے پاس آئے تو فیصلہ میرے بھائی کے حق میں کر دینا۔ حضرت سلیمان نے کہا ٹھیک ہے ایسا کروں گا لیکن آپ نے ایسا کیا نہیں تھا، پس آپ اسی جواب کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کئے گئے تھے۔ آپ انگوٹھی جڑا وہ کوڑے کریت الخلاء میں گئے تو پیچھے سے شیطان آپ کی شکل میں آیا اور اس سے انگوٹھی لے گیا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تحت پر جا کر بیٹھ گیا۔ آپ جب فارغ ہوئے اور اپنی بیوی سے انگوٹھی پوچھی تو اس نے کہا کیا تم وہ لے نہیں گئے ہو؟ حضرت سلیمان نے فرمایا نہیں۔ آپ اپنی جگہ چھوڑ گئے اور چالیس دن تک شیطان لوگوں پر حکمرانی کرتا رہا۔ لوگ اس کے احکام کو عجیب دیکھتے (لیکن بولنا کوئی نہیں تھا) ایک دن بنی اسرائیل کے قراء اور علماء جمع ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کے پاس گئے اور کہا کہ ہم اس شخص کے احکام میں تبدیلی دیکھ رہے ہیں۔ اگر واقعی یہ سلیمان ہے تو پھر اس کی عقل ضائع ہو گئی ہے یہ سن کر عورتوں نے رونے لگیں۔ لوگ واپس آئے اور اسے ترجمی لگا ہوں سے دیکھنے لگے اور پھر تورات کھول کر پڑھنے لگے۔ وہ جن ان کے سامنے سے اڑا اور غل کی بالکونی میں جا بیٹھا۔ ابھی تک انگوٹھی اس کے پاس تھی۔ پھر وہ اڑا اور سمندر پر پہنچ گیا وہ انگوٹھی اس کے ہاتھ سے سمندر میں گر گئی اور ایک مچھلی نے نگل لی۔ حضرت سلیمان ایک شکاری کے پاس آئے، جبکہ آپ کو شہید بھوک لگی ہوئی تھی۔ آپ نے شکاری سے کہا نا طلب کیا اور اسے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا میں سلیمان ہوں۔ کسی شکاری نے آپ کے سر پر ڈنڈا مارا اور آپ کا سر زخمی کر دیا۔ آپ سمندر کے کنارے اپنے خون کو دھونے لگے دوسرے شکاریوں نے آپ کو مارنے والے شکاری کو ملامت کی اور آپ کو دودھ بھیاں بھی دے دیں جو انہوں نے پہلے پکڑ رکھی تھیں آپ نے ان دونوں کا پیٹ چاک کیا اور پھر ان کو دھوا شروع کیا۔ ایک مچھلی کے پیٹ سے آپ کو اپنی انگوٹھی مل گئی۔ آپ نے وہ جہنم کی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی حکومت اور شان و شوکت واپس فرمادی۔ پرندے آپ کے اوپر گھومنے لگے لوگوں نے بھی آپ کو بچان لیا کہ آپ سلیمان علیہ السلام ہیں اور جو کچھ وہ آپ سے اب تک سلوک روا کرتے رہے اس پر معذرت کرنے لگے آپ نے فرمایا میں تم سے تمہارے عذر پر کوئی بات نہیں کرتا اور تم جہنم اپنے کئے پر ملامت کرتا ہوں یہ سب کچھ اسی طرح ہوا تھا پھر آپ اپنے تخت حکومت پر تشریف لائے اور امور مملکت سنبھال لئے۔ آپ نے حکم دیا کہ انگوٹھی لینے والے شیطان (جن) کو پکڑ کر لایا جائے۔ آپ نے اسے ایک لوہے کے صندوق میں بند کر دیا اور اوپر سے اسے تیل کر دیا اور اپنی مہر لگا دی پھر آپ نے حکم دیا کہ اسے اسی حالت میں سمندر میں پھینک دو وہ اب بھی اسی طرح زندہ ہے اور قیامت تک اسی طرح رہے گا (۱)۔

سعید بن مسیب سے مروی ہے، فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام تین دن لوگوں سے چھپے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے سلیمان تم تین دن چھپے رہے اور میرے بندوں کے معاملات پر توجہ نہیں دی۔ پس اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا۔ پھر انہوں نے بھی انگوٹھی اور شیطان کے انگوٹھی لینے کا واقعہ بیان کیا ہے جیسا کہ پیچھے ہم نے ذکر کیا ہے (۲)۔ حسن فرماتے ہیں یہ شان الہی سے بعید ہے کہ وہ حضرت سلیمان (جبرگیر) کی عورتوں پر ایک شیطان کو مسلط کر دے (۳)۔ (بنوئی کا کلام یہاں ختم ہوا)

عبد بن حمید نے ابن عباس سے اور بن جریر نے سدی سے نسائی اور ابن مردودہ نے ابن عباس سے یہ واقعہ وہب بن منہب کی طرح روایت کیا ہے لیکن بعض طرق میں ہے کہ صخر جن جب سلیمان علیہ السلام کے تحت پر بیٹھا تو حضرت سلیمان اور آپ کی ازواج کے علاوہ ہر چیز میں اس کا حکم نافذ ہوا۔ اسی طرح پہلے علامہ بنوئی کے حوالہ سے نقل ہو چکا ہے کہ حضرت حسن نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی یہ

شیانِ شان نہیں کہ اس نے حضرت سلیمان کی ازواج پر شیطان کو مسلط کر دیا ہو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں انگوٹھی شیطان اور حضرت سلیمان کے گھر میں بت کا ہونا سب یہودی خرافات ہیں (اللہ ان پر لعنت کرے) علامہ بغوی لکھتے ہیں بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت سلیمان کی آزمائش شروع ہوئی تو آپ کی انگوٹھی ہاتھ سے گر گئی جس میں آپ کی حکومت کا دار و مدار تھا۔ حضرت سلیمان نے دوبارہ اس کو پہنا تو پھر وہ گر گئی حضرت سلیمان کو اس کے بار بار گرنے سے یقین ہو گیا کہ آزمائش شروع ہو گئی ہے۔ آصف بن برخیا آئے تو اس نے حضرت سلیمان کو کہا آپ اپنے گناہ کی وجہ سے آزمائش میں ڈالے گئے ہیں انگوٹھی چودہ دن تک آپ کے ہاتھ میں نہ ٹھہری پھر آپ اپنی سرانے میں چلے گئے آصف نے وہ انگوٹھی اٹھائی اور اپنے ہاتھ میں پہنی تو وہ نہ گری جس سے یہی مراد ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وَالْقَيْنَا عَلٰی سَبِيْهِ جَسَدًا میں ذکر فرمایا ہے۔ پس آصف بن برخیا آپ کی سیرت کے مطابق چودہ دن تک آپ کی حکومت چلاتے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو اس کی حکومت واپس فرمادی۔ آپ اپنی کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور انگوٹھی پہنی تو وہ نہ گری (۱)۔

میں کہتا ہوں وہ جب کی روایت کے بطلان پر دلیل یہ بات ہے کہ اس روایت میں ہے کہ سمندر کے جزیرہ مدیون میں ایک عظیم الشان بادشاہ رہتا تھا اس پر آپ نے حملہ کیا تھا، جبکہ سمندر میں ہونے کی وجہ سے وہاں تک کوئی شخص پہنچ نہیں سکتا تھا۔ حضرت سلیمان اس شہر کی طرف نکلے، جبکہ ہوا آپ کو اٹھائے ہوئے تھی تو آپ ہوا کے ذریعے پانی کے اوپر سے گزر کر اپنے لشکر سمیت اس شہر میں جا اترے۔ جب قرآن صراحتاً کہہ رہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کی تخیر اس آزمائش اور بوج کے بعد ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فسخو نالہ الویج یعنی تختہ اور انابت کے بعد ہم نے اس کے لئے ہوا کو سخر کیا۔ اسی طرح آپ کی یہ عاروب ہب لی ملکنا اٹھ بھی آزمائش کے بعد کی ہے۔

میں کہتا ہوں اس قصہ کو اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو حضرت سلیمان سے معصیت کا صدور پھر بھی لازم نہیں آتا کیونکہ صورتوں کا بنانا اس زمانہ میں جائز تھا اور آپ کو ان کے سجدہ کرنے کا علم نہیں تھا اس لئے ان کا یہ عمل آپ کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَبْغِيْ ۚ لَا اَحْصِيْ مِنْ بَعْدِي ۙ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۷

”عرض کی میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میرے بعد نہ ہو۔ میرے بعد! بیشک تو ہی

بے انداز عطا کرنے والا ہے۔“

۱۔ انبیاء کرام اور صالحین کی سنت و عادت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے بادشاہی کا سوال کرنے سے پہلے استغفار کیا۔ تافع اور ابو عمر نے من بعدی کی یا کو کتخہ کے ساتھ اور باقی قراء نے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

اس آیت کے سیاق سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش و ابتلاء دنیا و آخرت میں ان کو بلند درجات عطا کرنے کے لئے تھی جس طرح حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش ان کو بلند مراتب عطا کرنے کے لئے تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے نہ کوئی لغزش ہوئی تھی اور نہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا اگر کوئی گناہ سرزد ہوا ہوتا تو وہ دستغفار اور شرمندگی کے اظہار میں وہ انتہائی مبالغہ کرتے اور توبہ و مغفرت کے سوا کسی چیز کا سوال نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی اس طرح ہوتا فغفروا لہ ذالک (ہم

نے اس کو بخش دیا جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا تھا۔

مقاتل ابن کیمان فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد کسی کے لئے ایسی شای نہ ہو (1)۔ بعض فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ میرے سوا میرے دور میں کسی کو ایسی بادشاہی نہ ملے۔ جیسے یہ ارشاد ہے فَتَنَ يَحْيٰى وَيُؤَيِّنُ بِحُكْمِ اللّٰهِ عِطَاءَ بِنِ اِبْنِ رِبَاعٍ فرماتے ہیں آپ کی طلب کی مراد یہ تھی کہ مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ آخری عمر میں پھر مجھ سے چھین نہ لے اور کسی غیر کو نہ عطا فرما دے (2) جیسا کہ پہلے تو نے مجھ سے چھین لی ہے بعض علما فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سوال اس لئے کیا تھا تاکہ یہ بادشاہی ان کی نبوت کے لئے نشانی بن جائے اور ان کے لئے معجزہ ہو جائے۔ مقاتل فرماتے ہیں سلیمان علیہ السلام پہلی بادشاہ تھے لیکن اس سوال سے وہ ہواؤں پر نندوں اور جنوں کی تسخیر چاہتے تھے۔ اس کی دلیل بعد والی آیات ہیں (3)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گزشتہ رات ایک بہت بڑے جن نے تھوکا تاکہ میری نماز کو توڑ دے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت عطا فرمادی میں نے اسے پکڑ لیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اس کو دیکھ لو (لیکن) مجھے اپنے بھائی (سلیمان علیہ السلام) کی دعا یاد آگئی کہ رَبِّ هَبْ لِيْ مَلِكًا لَا يَافِيْخِيْ لِأَحَدٍ مِّنْهُمْ بغدیدی اس لئے میں نے اسے دھکارتے ہوئے واپس لوٹا دیا۔ (تشفیق علیہ) (4)

میں کہتا ہوں ہو سکتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی مراد یہ ہو کہ اسے ایسی حکومت نہ دینا جو میرا ہم مرتبہ ہو اور آپ کا یہ کہنا لوگوں پر اظہار شفقت کے لئے تھا، یعنی میری طرح جس شخص کا دنیا سے رشتہ منقطع ہو اور دل محبت الہی اور معرفت الہی سے سرشار ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کے نقصان دینے کا تصور اس کے دل میں نہ ہو اور کوئی چیز اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی نہ ہو تو اس کے لئے دنیا میں یہ نیکیاں حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے لیکن جو اس مرتبہ علیا پر فائز نہ ہو تو دنیا اس کے لئے یاد الہی سے غفلت کا سبب بنتی ہے اور اس کے لئے دنیا ہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث تو تمہاری تاویل سے موافقت نہیں رکھتی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام سے بلند مرتبہ تھے لیکن اس کے باوجود آپ کو ان کی مثل حکومت و شاہی عطا نہیں کی گئی اسی وجہ سے آپ نے جن کو ستون کے ساتھ باندھا بھی نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام سے بلند مرتبہ تھے لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرح حکومت عطا نہیں کی گئی تھی کیونکہ سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ میرے بعد کسی کو ایسی حکومت نہ ملے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ملک (بادشاہ نبی) اور نبی عبد بنیہ میں اختیار عطا فرمایا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی عبد بنیہ پسند فرمایا تھا کیونکہ فقر آپ کے نزدیک افضل تھا اور حدیث شریف صراحۃً دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن کو ستون سے باندھنے کی قدرت عطا فرمائی تھی لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا خیال کرتے ہوئے اپنے اختیار سے اسے چھوڑ دیا تھا ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو جن و انس پر نافذ تھا۔

تَأْتِيْ بِدَعْوَتِهِ اِلَّا شَجَارًا سَاجِدَةً تَفْشِيْ اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بَلَا قَدَمٍ

1- تفسیر بنوی، جلد 4، صفحہ 609 (القر)

2- تفسیر بنوی، جلد 4، صفحہ 609 (القر)

3- تفسیر بنوی، جلد 4، صفحہ 609 (القر)

4- مجمع مسلم، جلد 5، صفحہ 26، حدیث 39: (احمدیہ)

(حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب درختوں کو اشارہ فرماتے ہیں تو وہ جھک جاتے ہوئے قدموں کے بغیر اپنے تنے کے سہارے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفر کی زندگی اور ان کا لباس مرغوب تھا۔ اسی طرح تمام خلفاء و راشدین کو بھی خلافت اور فخر و دنوں عظمتیں حاصل تھیں اور دونوں کے فضاں میسر تھے۔ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وَآخِصَّہٖ اَجْمَعِیْنَ۔
اے اللہ تعالیٰ تیری ذات و باب (بہت زیادہ عطا کرنے والا) ہے جسے چاہتا ہے جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے جسے تو عطا کرے کوئی اسے محروم کرنے والا نہیں اور جسے تو عطا نہ فرمائے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں۔

فَسَخَّرَ لَہٗ الرَّیْحَ تَجْرِیْ بِأَمْرِہٖ مُرَحَّآءٍ حِیْثُ أَصَابَ ۝۱

”پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنادیا۔ جلتی تھی آپ کے حسبِ حکم آرام سے جدرہ آپ چاہتے۔“

۱۔ ابو جعفر نے المرتضیٰ کو جمع کا صیغہ یعنی الريح پڑھا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے جنس کے ارادہ سے مفرد پڑھا ہے۔ یہ جملہ محذوف جملہ پر معطوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی فَاسْتَخَّرْنَا دُعَاءَہٗ فَسَخَّرْنَا لَہٗ۔ یعنی ہم نے اس کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور ان کے لئے ہوا کو فرمانبردار بنادیا۔ تجری بامورہ 'الريح کی صفت ہے جس طرح ولقد امر علی اللیثم یسبنی میں یسبنی اللیثم کی صفت ہے یا تجری الريح سے حال ہے۔ و دعاء کا معنی نرم ہے، یعنی اس میں لو کھڑا ہوتے ہوئے تھی۔ یا یہ معنی کہ ہوا آپ کے ارادہ کے مخالف نہیں جلتی تھی حث اصاب، تجری کی طرف ہے۔ یعنی جہاں کا آپ ارادہ فرماتے اور چلتی تھی۔ عرب کہتے ہیں
أَصَابَ الصَّوَابَ فَأَخْطَأَ الْخُضَابَ۔

وَالشَّیْطٰنِیْنَ کُلَّ بَغَاۃٍ وَّعَوَاۤیِصٍ ۝۲

”اور سب دیوبہی ماتحت کر دیے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور۔“
۲۔ یعنی ہم نے جنوں کو بھی آپ کے لئے سخر کر دیا، کوئی قلعہ اور محلات تعمیر کرتے تھے اور کوئی آپ کے لئے سمندر کی تہ سے موتی نکال کر لاتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمندر سے موتی نکلائے تھے۔ کل، الشیاطین سے بدل ہے۔

وَأَخْرَجْنَا مَقَرَّیْنِیْنِ فِی الْاَصْفَادِ ۝۳

”اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیے گئے زنجیروں میں۔“

۳۔ اَخْرَجْنَا کا عطف کل پر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہوا تھا ایک گروہ مشقت طلب کام کرتا تھا جسے مکان تعمیر کرنا اور سمندر کی تہ میں غوطہ زنی کر کے موتی نکالنا اور دوسرا گروہ سرکش شیطانوں کا تھا جن کو آپ نے زنجیروں میں علیحدہ علیحدہ جکڑ رکھا تھا تاکہ شر انگیزی نہ کر سکیں۔

میں کہتا ہوں شاید ایلیس پر آپ کو تسلط نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے وعدہ فرمایا تھا فَإِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝۱ اِنِّیْ یُؤْخِرُ الْوَقْتُ الْمُنْعٰثِرِیْنَ ۝۲۔

هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِتَعْرِیْ حَسَابٍ ۝۴

” (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے کوئی باز پرس نہ ہو۔“

گی۔

یعنی ہم نے سلیمان کو کہا اے سلیمان ہم نے تجھے وسیع شاہی اور تسلط عطا فرمایا جو کسی دوسرے کو عطا نہیں فرمایا اور یہ ہماری بخشش اور عطا ہے تو جس کو چاہے عطا کر دے اور جس سے چاہے روک لے، آپ سے اس معاملہ میں کوئی باز پرس نہ ہوگی کیونکہ ان میں تصرف کرنے کا اختیار تیرے سپرد کیا گیا ہے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جس کسی پر بھی انعام فرمایا تو وہ اس کے لئے بوجھ بن گیا لیکن سلیمان علیہ السلام کے لئے ایسا نہیں تھا اگر وہ کسی کو عطا کریں تو ان کے لئے اجر ہے اور اگر کسی سے اپنی نوازشات روک لیں تو ان پر کسی قسم کا مواخذہ نہیں (۱)۔ اس مفہوم کے اعتبار سے پختہ حلیہ فاضل کی ضمیر سے حال ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عطا سے حال ہو یا اس کے متعلق ہو اور درمیان میں کلام اعتراض ہو۔ یعنی ہم نے آپ کو اتنا کثیر عطا فرمایا جس کا شمار اور کتنے ممکن نہیں۔ مقاتل کہتے ہیں اس کا یہ معنی ہے کہ جنوں کی تسخیر ہماری عطا ہے جنوں میں سے جس کو چاہے ہو چھوڑ دو اور جس کو چاہے ہو باندھ دو آپ پر ان کے چھوڑنے اور باندھنے کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا (۲)۔

وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَكُرْسِيًّا وَحُسْن مَّآبٍ ﴿۵﴾

”اور بیشک! انہیں ہمارے پاس بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام لے۔“

یعنی دنیا میں ملک عظیم پر اتنا وسیع تسلط عطا فرمایا لیکن آخرت میں بھی ان کا ہماری بارگاہ میں بڑا قرب و مرتبہ ہوگا۔ حسن مآب سے مراد جنت ہے۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّهُ ۖ اِذْنَادِيْ رَبِّهِۦ اَنِّىۡ مَسْنِيۡ الشَّيْطٰنَ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿۶﴾

”اور یا فرما میں نے ہمارے بندے ایوب کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الہی) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ لے۔“

اے اَیُّوبُ، عِبْدُنَا سے عطف بیان ہے اور اس جملہ کا عطف و اذکو عبدنا داؤد پر ہے۔ اذ نادىٰ من عبدنا سے بدل اشتغال ہے۔ جزہ نے مَسْنِيٰ کو یا، کے سکون کے ساتھ اور باقی قراء نے یا، کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اُنّیٰ اپنے اسم خبر سے مل کر حضرت ایوب علیہ السلام کی کلام کی حکایت ہے۔ نصب کو ابو جعفر نے نوں اور صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یقوت نے دوںں کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے نوں کے ضمہ اور صاد کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے تمام کا معنی مشقت اور تکلیف ہے۔ عذاب سے مراد دکھ ہے۔ مقاتل اور قتادہ فرماتے ہیں نصب جسمانی تکالیف اور عذاب مالی پریشانی ہے (۳) ہم نے سورۃ انبیاء میں حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف اور مدت آزمائش کا تذکرہ کر دیا ہے۔ پھر جب آپ کی مدت آزمائش مکمل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا۔

اُنْمِطْ بِوُجْهِكَ ۖ هٰذَا مَغْتَسِلٌۢ بِاَمْرِ دَوْشَرَابٍ ﴿۷﴾

”(حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لئے لے۔“

لے یہ جملہ قلنا کی تقدیر کے ساتھ متعلق ہے۔ ہذا مغتسل الخ کا جملہ حذف جملہ پر معطوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے
فَرَحَضَ فَخَرَجَتْ غَيِّثٌ فَلَقْنَا لَهُ هٰذَا مَغْتَسِلٌ یعنی جب آپ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو ایک چشمہ جاری ہو گیا پھر ہم نے فرمایا

یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے جب اس پانی سے غسل فرمایا تو تمام ظاہری بیماریاں ختم ہو گئیں اور جب اس چشمہ کا پانی پیا تو باطنی ہر تکلیف دور ہو گئی۔ بعض علماء فرماتے ہیں آپ نے دوسرے درمیں پر پاؤں مارا تو دو چشمے جاری ہوئے۔ ایک گرم تھا اور دوسرا ٹھنڈا۔ ایک سے آپ نے غسل فرمایا اور دوسرے سے نوش فرمایا۔ عبد بن حمید اور ابن المنذر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے دایاں پاؤں مارا تو ایک چشمہ جاری ہو گیا پھر دایاں ہاتھ چینیے کے پیچھے زمین پر مارا تو دوسرا چشمہ جاری ہو گیا۔ ایک سے آپ نے نوش فرمایا اور دوسرے سے غسل فرمایا (۱)۔

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمَشِئْتُمْ مَعَهُمُ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝

”اور ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کا اہل و عیال اور ان کی مانند ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لئے۔“

۱۔ اس کلام کا عطف سابق کلام کے مفہوم پر ہے، یعنی ہم نے انہیں شفا بخشی اور یہ سب کچھ عنایت فرمایا۔

وَحَدِّثْهُمْ بَيْنَهُمْ فَاصْرَبْ لَهُ وَلَا تَخْشَ ۚ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝

”اور (حکم ملا) پکڑ لو اپنے ہاتھ سے ٹیکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بیشک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا اور بخوبیوں والا بندہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ۔“

۱۔ خذ کا عطف اور کھس پر ہے۔ اس ترکیب کے اعتبار سے وَوَهَبْنَا لَهُ اِنْجِلْ جملہ معترضہ ہوگا یاخذ قلنا کی تلقین پر وہبنا پر معطوف ہے۔ ضغنا مٹھی بھر درخت کی ٹہنیاں یا گھاس کے ٹکے۔ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی اس ترکیب کے مطابق حضرت ایوب علیہ السلام نے گھاس کا ایک مٹھا لے کر جس میں سوتیلیاں تھیں (اپنی بیماری کی حالت میں اٹھائی گئی قسم پوری کرنے کے لئے) اپنی بیوی کو مارا۔ یہ جملہ وہبنا کی علت بیان کر رہا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جو جسمانی تکلیف پہنچی اور مال و اہل کا جو نقصان ہو سکی چیز پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زبان شکایت نہ کھولی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ہم نے انہیں صابر پایا۔ عافیت کی تمنا اور شفا کی طلب کو جزع فرغ نہیں کہا جاتا جیسا کہ ہم نے سورۃ انبیاء میں ذکر کیا ہے۔ ہمارے شیخ شہید (حضرت مرزا جان جاناں شہید) نے یہاں بڑی لطیف کلام فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں حضرت ایوب علیہ السلام نے کئی سال تک اپنی مصیبت پر صبر کر رکھا (جیسا کہ ہم نے پیچھے ذکر کیا ہے) پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیف کو دور کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ اے ایوب اللہ تعالیٰ تجھ سے آزمائش دور کرنے کے لئے تصرع و زاری اور اپنی بارگاہ میں مجروح و انکسار کے اظہار کا ارادہ فرماتے ہیں تو ایوب علیہ السلام نے رضائے الہی کو چاہتے ہوئے تصرع و زاری کو اختیار فرمایا حالانکہ آپ کی طبیعت صبر کی مقتضی تھی۔ پس اس طرح آپ مقام صبر سے مقام رضا کی طرف ترقی کر گئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے صبر کی قدر دانی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا اور ان کے مقام رضا کی طرف ترقی کرنے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ ۚ إِنَّهُ أَوَّابٌ کہ ایوب خوبییوں والا بندہ ہے اور اپنے ضمیر اور نفس کے ساتھ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والا ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولٰٓئِیْنِیْ وَالْاَبْصٰرِیْ ۝

”اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم اسحاق اور یعقوب کو بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔“

۱۔ تینوں اسماء عبدنا سے عطف بیان ہیں۔ ابن کثیر نے مع کی جگہ جس کو رکھنے کی بناء پر عبدنا پڑھا ہے یا مفرد معنی کے اعتبار سے عبدنا پڑھا ہے اور صرف ابراہیم اس کا عطف بیان ہے اسحاق اور یعقوب معطوف ہیں۔ ان پاکباز لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ بجا لانے کی قوت عطا فرمائی تھی نیز انہیں دین کی بصیرت اور معرفت الہی بھی عطا کی گئی تھی۔ ابن عباس قتادہ اور مجاہد نے اُولٰٓئِیْنِیْ وَ الْاَبْصٰرِیْ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے اطاعت الہی میں اعمال صالحہ کرنے کو ابدا ہی سے تعبیر فرمایا کیونکہ اکثر اعمال صالحہ انھوں کی مدد سے کئے جاتے ہیں۔ معارف کو ابصار سے تعبیر فرمایا کیونکہ ابصار حصول معرفت کا قوی ترین مبداء ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ جاہل لوگ اپنا جہل اور اندھوں کی مانند ہوتے ہیں۔

اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةِ ذِكْرِیْ الدَّارِیْنِ ۝

”ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاوتھی۔“

۱۔ یعنی ہم نے انہیں ایک مخصوص خصلت عطا کی تھی جو صرف ان میں پائی جاتی تھی اور وہ خصلت آخرت کی یاوتھی، یعنی ان کی زندگیوں کا ہر لمحہ یاد آخرت میں بسر ہوتا تھا۔ وہ آخرت کو سنوارنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ ذکر الدار یا تو مبتدا محذوف کی خبر کی حیثیت سے مرفوع ہے یا معنی کی تقدیر کے ساتھ منصوب ہے یاخالصہ سے بدل کی حیثیت سے مجرور ہے، یعنی ہمیشہ آخرت کے گھر کی یاد میں رہتے ہیں اور لوگوں کو بھی آخرت کی یاد دلاتے ہیں جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عادت طیبہ ہوتی ہے اور ان کی ہر لمحہ یہ یاد طاعت میں اخلاص کے سبب ہوتی ہے کیونکہ جو اعمال بجالاتے ہیں یا جو ترک کرتے ہیں ان سب میں انہیں رضا الہی مطلوب ہوتی ہے ان کا مطلع نظر فقط رب تعالیٰ کی ملاقات ہوتی ہے اور یہ صرف آخرت میں ہی پائی جائے گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہو تقدیر عبارت اس طرح ہو ذکر ی صاحب الدار یعنی وہ دار کے مالک کی یاد میں رہتے ہیں اور دار کا مالک اللہ تعالیٰ ہے آخرت پر دار کا اطلاق کر کے یہ شعور یا کہ حقیقت میں دار (گھر) تو آخرت ہی ہے۔ دنیا تو فقط گزرگاہ ہے جس میں کسی کو قہر انہیں اور جس میں قرار نہ ہوا سے دار (گھر) نہیں کہا جاتا۔

نافع اور ہشام نے خالصہ کو ذکر کی طرف بیان کے لئے مضاف کر کے پڑھا ہے یاخالصہ مصدر بمعنی خلوص ہے اور اپنے فاعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ مالک میں دینار فرماتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت اور دنیا کی یاد نکال دی ہے اور آخرت کی محبت اور آخرت کی یاد کے لئے ہم نے ان کو مختص کر دیا ہے۔ مقال فرماتے ہیں وہ آخرت کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلا تے تھے۔ سدی فرماتے ہیں وہ آخرت کے خوف کے ساتھ مختص تھے (۱)۔ ابن زید فرماتے ہیں خالصہ کو مضاف کر کے پڑھنے کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم نے انہیں خاص فرمایا ہے ان نعمتوں کے لئے جو آخرت کی نعمتوں میں سے افضل ترین ہیں۔ انا احلصناہم کا جملہ اپنے معطوف کے ساتھ مل کر سابق کلام کی علت ہے۔

وَ اِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰیْنَ الْاَخْیَارِ ۝

”اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہترین لوگ ہیں۔ ل۔“
 ل۔ اختیار جمع ہے خبر کی۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ خبر کی جمع ہے جیسے بیت اور میت کی جمع اموات آتی ہے۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰیعیْلَ وَ اَلِیْسَعَ وَ ذَا الْکِفْلِ ۝ وَاذْكُرْ مِمَّنْ اَلَاٰخِیَارِ ۝

”اور یاد فرمائیے اسماعیلؑ، یسعؑ اور ذی الکفلؑ کو یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں۔“

ل۔ یسعؑ اخطوب کے بیٹے تھے جنہیں بنی اسرائیل پر غلبہ بنایا گیا تھا اور پھر نبی بنائے گئے تھے۔ حمزہ اور کسائی نے لام مشدود کے ساتھ اور یاء کے سکون کے ساتھ لیسع سے مقول کرتے ہوئے وَالِیْسَعِ پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے لام ساکن اور یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ذاکفلؑ لیسع کے چچا کا بیٹا تھا یا شر بن ابوب کا بیٹا تھا۔ ان کے نبی ہونے میں ملأء کا اختلاف ہے۔ آپ کا یہ لقب ہونے کی وجہ بعض علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی طرف بنی اسرائیل کے سونبی تشریف لے گئے تھے اور اس نے ان سب کو پناہ دی تھی اور ان کی کفالت کی تھی۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس نے ایک ایسے نیک شخص کی کفالت کی تھی جو ہر روز سونمازیں پڑھتا تھا۔ کل من الاخیارؑ اذکر کے مقول سے حال ہے۔

هٰذَا اِذْ كُرُوْا۟ اِنَّ لِّلْمُتَّقِیْنَ لِحُسْنِ مَّآ۟بٍ ۝

”یہ نسیحت ہے اور بیشک پرہیزگاروں کے لئے بہت عمدہ ٹھکانہ ہے۔ ل۔“

ل۔ ہذا کا اشارہ گزشتہ انبیاء کے واقعات کی طرف ہے، یعنی یہ ان کے لئے باعث شرف تھے یا یہ معنی کہ جو قرآن آپ پر تلاوت کیا جا رہا ہے یہ ان کی پاکیزہ حیات کا ذکر جمل ہے۔ آگے ان انعامات کا تذکرہ فرمایا جو انبیاء کرام اور ان کے متبعین کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ مآب کا معنی مرجع ہے۔ یعنی متقین کے لئے بہترین لوٹنے کی جگہ ہے۔

جَنَّتٍۭ عَدْنٍۭ مَّقْصُودَۃٌ لِّہُمْ الْاَبْوَابُ ۝

”سدا بہار باغات کھلے ہوں گے ان کے لئے سب دروازے۔ ل۔“

ل۔ جَنَّتِ عَدْنٌ حسن مآب سے عطف بیان ہے یا اس سے بدل ہے اور عدن اعلام عالیہ میں سے ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے جَنَّتٍۭ عَدْنٍۭ اَلَّتِیْ وَعَدَ الْوَحْیُ عَلَیْہَا ذَا۔ (سدا بہار جن جن کا وعدہ (خداوند) رحمن نے اپنے بندوں سے کیا ہے) مقصودہٗ حال کی بناء پر منصوب ہے اور اس میں عامل متقین میں فعل کا معنی ہے لھم الابواب اس بناء پر مرفوع ہے کہ اس کی طرف مقصودہ کو منسوب کیا گیا ہے اور ذوالحال کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی مَقْصُودَۃٌ لِّہُمْ الْاَبْوَابُ یا الابواب پر لام مضاف الیہ کے عوض ہے تقدیر اس طرح ہوگی مَقْصُودَۃٌ لِّہُمْ اَبْوَابُہَا یا جنات کی طرف لوٹنے والی ضمیر مستر سے بدل اشتمال ہے۔

مُتَّكِئِیْنَ فِیْہَا یَدْعُوْنَ فِیْہَا بِمَا كُھُوْا کَثِیْرًا وَّ شَرَابٍ ۝

”تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان میں طلب فرماتے ہوں گے وہاں طرح طرح کے پھل اور مشروبات۔ ل۔“

ل۔ فاکھہ کی صفت کثیرہ ذکر فرمائی پھر اس پر اکتفاء کرتے ہوئے شراب کی صفت کثیرہ کو حذف کیا گیا ہے۔ متکئین اور یدعون دونوں حال مترادف یا حال متداخل ہیں لھم کی ضمیر سے۔ المتقین سے حال نہیں ہیں کیونکہ درمیان میں فاصلہ ہے۔ اظہر یہ ہے کہ یدعون جنیتوں کی جنت میں حالت بیان کرنے کے لئے جملہ متاثرہ ہے اور متکئین اس کی ضمیر سے حال ہے۔ فاکھہ پر اکتفاء

فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جنتیوں کا کھانا محض تلذذ کے لئے ہوگا کیونکہ بطور غذا کھانا اس لئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ جسم میں جو طاقت کی کمی واقع ہوتی ہے اسے پورا کیا جائے، جبکہ جنت میں تو کوئی کمزوری اور تحلیل ہوگی ہی نہیں۔

وَعِنْدَهُمْ فُصُحَاتُ الْكَوْثَرِ ۝۵۱

”اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (عزیزانِ وکمال میں) ہم خسل (حوریں) ہوں گی۔“

یعنی ان کے پاس ایسی حوریں ہوں گی جو اپنے خادموں کے علاوہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔ فرمایا اُشُرَابُ یعنی ہم عمر ہوں گی ان کی عمر تینتیس 33 سال ہوگی۔ اُشُرَابُ جمع ہے توب کی۔ مجاہد فرماتے ہیں اُشُرَابُ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ باہم محبت و پیار کرنے والیاں ہوں گی، ان کی سوتلوں کی طرح آپس میں رقابت نہ ہوگی (۱) اور ایک دوسرے سے غیرت نہ کھائیں گی۔ یہ جملہ ظریف حال ہے یا ہم ضمیر کی خبر ہے۔

هَذَآ مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝۵۲

”یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ روزِ حساب (تمہیں ملے گا)۔“

۱۔ ابنِ کثیر نے یہاں اور سورۃ ق میں غائب کا صیغہ یوعدون پڑھا ہے اور ضمیر متقین کے لئے ہے۔ ابو عمرو نے یہاں ابنِ کثیر کی موافقت کی ہے۔ باقی قراء نے مؤمنین کے لئے خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ یوم پر لام علت کے لئے ہے کیونکہ حساب جزاء کے ملنے کی علت ہے یا اس کا معنی فی یوم الحساب ہے۔

إِنَّ هَٰذَا الرَّزْقَ أَتَمَّ ۝۵۳

”بیشک یہ ہمارا (دیا ہوا) رزق ہے جو کبھی قتم نہ ہوگا۔“

۱۔ مالہ من نفاذ کا جملہ رزقنا سے حال ہے۔ ہذا کی دوسری خبر ہے۔

هَٰذَا وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنَّا آتٍ مَّآبٍ ۝۵۴

”یہ (تو) ہیزگاروں کے لئے (اور بلاشبہ سرکشوں کے لئے براہِ کاندہ ہوگا)۔“

۱۔ ہذا یا تو الامر کی خبر ہے یا مبتدا ہے کما ذکر اس کی خبر ہے، یہ خذ کا مفعول ہے۔ ظالغین سے مراد کافر ہیں۔ مآب کا معنی لوٹنے کی جگہ ہے۔

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَيَسَّوْنَ فِيهَا الِأْبْدَادَ ۝۵۵

”یعنی (جہنم) وہ داخل ہوں گے اس میں تو یہ کتنا تکلیف دہ چھوٹا ہے۔“

۱۔ جہنم بشرِ مآب سے بدل یا عطف بیان ہے۔ یصلونہا، جہنم سے حال ہے۔ یسّس کا مفعول بالذم جہنم یا مہادہم محذوف ہے۔

هَٰذَا لَا يَلْقَاكَ فِيْهِمْ دُقُوْكَ حَيِّمٌ وَعَسَآ ۝۵۶

”یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے جس کا پیے کہ وہ اسے چکھیں۔“

لے۔ ہلکی اکاشار الیہ العذاب ہے اور یہ مفسر فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر فلیذوقو اگر رہا ہے یا ہذا مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، یعنی یہ ان کی مہمان نوازی ہے، چاہیے کہ وہ اسے پسندیں یا مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی العذاب ہذا۔ یا ہذا مبتدا ہے اور حمیم اس کی خبر ہے۔ فرائے نے یہی ترکیب کی ہے۔ اس آخری ترکیب کی صورت میں فلیذوقو کا جملہ مضرہ ہوگا اور اسباق تاویلات کی صورت میں حمیم، مبتدا محذوف ہو کی خبر ہوگا۔ حمیم، انتہائی گرم پانی کو کہتے ہیں۔ غساق کا عطف حمیم پر ہے۔ حمزہ کسائی اور حفص نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے، بروزن فعال جیسے خباز اور طباخ۔ جبکہ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ مذاب کی طرح فعال کے وزن پر پڑھا ہے۔

غساق کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ ان عباس فرماتے ہیں یہ انتہائی ٹھنڈک ہے جو دو زنجیوں کو اس طرح جلانے کی جیسے آگ ان کو جلانے کی (1)۔

مجاہد اور مقاتل فرماتے ہیں اس سے مراد وہ چیز ہے جو انتہائی ٹھنڈی ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں لغت ترک میں اس کا معنی بد بودار چیز ہے۔ قنادر فرماتے ہیں وہ چیز جو ہے، یعنی دو زنجیوں کی کھالوں اور گوشت سے بننے والی پیپ اور زنجیوں کی شرمگاہوں سے نکلنے والا بد بودار مادہ (2)۔ یہ عسقت سے مشتق ہے جس کا معنی بہنا ہے اور غساق کا معنی انصاب (بہنا) ہے۔

تیسری نے عطیہ سے روایت کیا ہے کہ غساق سے مراد بننے والی پیپ ہے (3)۔ اسی طرح ابراہیم اور ابو زین کو قول نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم ابن ابی الدنیا اور الفیاء نے حضرت کعب سے روایت کیا ہے کہ غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس کی طرف سانپ، بچہ وغیرہ ہرزہ ہرزہ لے جاتے ہیں اور کازر بہر کہ جاتا ہے (4)۔ پھر ایک شخص کو لایا جائے گا اور اسے غوطہ دیا جائے گا وہ نکلے گا تو اس کی جلد ہڈیوں سے گر چکی ہوگی اور اس کی جلد اور گوشت اس کے ٹخنوں سے معلق ہوگا اور وہ اس طرح اپنے گوشت کو گھسیٹ رہا ہوگا جیسے انسان اپنے کپڑے کو زمین پر گھسیٹ کر چلتا ہے۔

وَآخَرُ مِنْ شَجَلَةٍ أَرْوَاهُ ۝

”اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب لے“

ابو عمر اور ابو جعفر نے حمزہ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ یہ اخوی کی جمع ہے جیسے کبریٰ اور کبر۔ ابو عبیدہ نے اسی قول کو اختیار کر لیا ہے کیونکہ اس کی صفت ازواج بھی جمع ہے۔ باقی قراء نے حمزہ کے فتح اور اس کے بعد الف کے ساتھ مفرد پڑھا ہے، یعنی عذاب اخر یا مذوق اخر۔ مِنْ شَجَلَةٍ اخو کی صفت ہے، یعنی حمیم اور غساق کی مثل۔ مفرد ضمیر ما ذکر کے لئے ہے یا شراب کے لئے ہے جو حمیم اور غساق کو شامل ہے۔ ضمیر مفرد عذاب کے لئے ہے۔ ازواج کا معنی ہے حمیم کا۔ یہ اخو کی خبر ہے یا اس کی صفت ہے یا مذکورہ تینوں اسماء کی صفت ہے یا پھر مجرور کے ساتھ مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے جو ضم ہے۔

هَذَا قَوْلٌ مِمَّنْ هُمْ أَهْلٌ لَّمْ يَهْتَدُوا لَهَا ۝

”یہ (لو) دوسری فوج گھسانا جتنی ہے تمہارے ساتھ کوئی خوش آمدین نہیں انہیں یہ ضرور آگ تانے والے ہیں لے“

۱۔ انہیں عباس فرماتے ہیں یہ کلام دوزخ کے دروغ و دوزخیوں کے قائدین سے کریں گے۔ لیڈر اور قائدین جب آگ میں داخل ہوں گے اور پھر ان کے پیروکار داخل ہوں گے تو دوزخ کے واروغے قائدین سے مخاطب ہو کر یہ کہیں گے (۱)۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ کلام قائدین اور لیڈر آپس میں کریں گے، یعنی یہ پیروکاروں کی فوج بھی آگ میں تمہارے ساتھ گھسنا چاہتی ہے۔ اقتحام کا معنی کسی شے میں اپنے آپ کو داخل کر دینا ہے۔ کبھی کہتے ہیں دوزخیوں کو پہلے گرز مارے جائیں گے حتیٰ کہ وہ گرزوں کے خوف سے خود بخود دوزخ میں چھٹکنیں لگا لگیں گے (2)۔ میں کہتا ہوں اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین لوگوں کو آگ میں گرنے سے روک رہے ہیں اور آگ کا موجب بننے والے اعمال سے منع کر رہے ہیں لیکن لوگ براہین میں ملوث ہو کر دوزخ میں گھسنا چاہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ روشن کی پھر جب اس کا ارد گرد روشن ہو گیا تو پتھلے اور کیڑے اس آگ میں گرنا شروع ہو گئے۔ میں انہیں اس آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں لیکن وہ اس پر غالب آ جاتے ہیں اور وہ اس آگ میں گھس جاتے ہیں۔ فرمایا یہ میری اور تمہاری مثال ہے، میں تمہیں آگ سے بچانے کے لئے پیچھے سے روکتا ہوں (اور کہتا ہوں) آگ سے بچو آگ سے بچو لیکن تم مجھ پر غالب آ جاتے ہو اور اس آگ میں گھس جاتے ہو (بخاری و مسلم) (3)۔

هَذَا الْقَوْلُ مُفْتَضِحٌ كَمَا جَلَسَ قَوْلُ كِي تَقْدِيرُ كَيْ سَاوِيَةً مَعَهُ، یعنی بعض سرکش دوسروں کے متعلق کہیں گے کہ یہ جماعت بھی تمہارے ساتھ گھسنا چاہتی ہے یا لیڈروں اور رؤسا کو کہا جائے گا کہ تمہارے متبعین آگ میں تمہارے ساتھ ملنا چاہتے ہیں۔ پھر وہ لیڈر کہیں گے لا مرحبا بهم۔ ان متبعین کو خوش آمدید نہ ہو۔ یہ متبعین کی اپنے متبعین کے لئے بددعا ہے اور یہ جملہ قول کی تقدیر کے ساتھ قابل کلام کے ساتھ متصل ہے۔

إِنَّهُمْ صَلَوَاتُ الْعَالَمِينَ كَمَا جَلَسَ قَوْلُ إِيَّاهُمْ كِي عِلَّتْ بَيَانُ كَرَّرَ هَا هِيَ، یعنی وہ بھی اپنے اعمال کی وجہ سے ہماری طرح اس آگ میں داخل ہونے والے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لا مَرْحَبًا بِإِيَّاهُمْ فَوْجُ كِي صِفَتٌ هِيَ يَأْجَالُ هِيَ، یعنی انہیں کہا جائے گا انہیں خوش آمدید نہ ہو۔ عرب آنے والے کو دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں مرحبا، یعنی تو وسیع اور کھلے مکان میں آیا جس میں کوئی ٹنگی نہیں ہے۔ الرحب کا معنی وسعت ہے۔ اس لفظ (مرحبا) سے آنے والے کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اور جس کے لئے بددعا کرنی ہو اسے عرب کہتے ہیں لا مرحبا۔ یعنی اس کی تحارت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔ آیت میں بھی ہم کا کلمہ ان کے بیان کے لئے ہے جس کے لئے بددعا کی گئی ہے۔

قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَكُمْ مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ قَدْ مَسَّوْا لَنَا فِيمَنْسَ الْقَرَامِ ۝

”وہ کہیں گے (ظالمو!) تمہیں کوئی خوش آمدید نہ ہو تم نے ہی آگے کیا اس عذاب کو ہمارے لئے سو بہت برا بھلا کہہ رہے ہیں۔“

۱۔ یہ بلند کلام ہے، یعنی اتباع کرنے والے اپنی قائدین سے کہیں گے کہ تم جو کچھ ہمیں کہہ رہے ہو یا ہمارے متعلق کہا گیا ہے تم اس کے زیادہ مستحق ہو کیونکہ خود بھی گمراہ تھے اور ہمیں بھی تم نے گمراہ کیا۔ یہ عذاب تم نے ہمارے لئے آگے کیا کیونکہ تم ہی ہمیں کفر کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ ہمارے اور تمہارے لئے یہ جہنم بہت برا بھلا کہہ رہے۔

قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَزِدْهُ عَذَابًا أَوْ أَضْعَفْنَا فِي النَّارِ ۝

”کہیں گے اے ہمارے رب! جس (بد بخت) نے آگے کیا ہے ہمارے لئے یہ عذاب پس بڑھا دے اس کا عذاب دو گنا آگ میں۔“

لے یہ متاملہ جملہ ہے، یعنی اتباع کرنے والے یہ کہیں گے، یعنی جو بد بخت ہماری اسی سزا اور عذاب کا باعث بنائے اس کو وہ ہر اعتبار سے۔

وَقَالُوا إِنَّا لَا نَرَىٰ رَجَاءَ لَنَا كُنَّا نَعُدُّهُمْ قَوْمَ الْأَشْرَارِ ۝

”اور کہیں گے کیا وجہ ہے کہ ہمیں نظر نہیں آرہے (یہاں) وہ لوگ جنہیں ہم شمار کرتے تھے برے لوگوں میں۔“

لے لا نری کا جملہ لانا کی ضمیر منکمل سے حال ہے اور اس کا عامل فعل کا معنی ہے۔ اشرار جمع ہے شریر کی۔ شر خیر کی ضد ہے اور خبر وہ چیز ہوتی ہے جس میں ہر شخص رغبت رکھتا ہے اور شر وہ ہوتا ہے جسے ہر شخص ناپسند کرتا ہے، یعنی کافر کہیں گے کیا وجہ ہے کہ دنیا میں جنہیں ہم ناپسند کرتے تھے اور جنہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے وہ ہمیں دکھائی نہیں دے رہے۔ ان کی مراد غضیب بلال مصیب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے مومن فقراء ہوں گے جن سے دنیا میں یہ دولت کے نشے میں مست لوگ مذاق کرتے تھے اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

أَتَّخَذْتُمْ مِصْرَئِيلَ أَمْرًا عَظِيمًا أَلَّا يَبْصُرَ ۝

”ہم جن کا استخراج کیا کرتے تھے لے یا پھر گئی ہیں ان کی طرف سے ہماری آنکھیں۔“

لے اہل اصرہ، حمزہ اور کسائی نے حمزہ وصلی کے ساتھ اَتَّخَذْتُمْ پڑھا ہے اس حیثیت سے کہ یہ رجلا کی دوسری صفت ہے یا فقد کی تقدیر کے ساتھ حال ہے یا کسائی کی دوسری خبر ہے۔ اہل جازا بن عامر اور عاصم نے استفہام کی بناء پر حمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ ان سے مذاق کرنے میں اپنے اوپر انکار کر رہے ہیں۔ نافع حمزہ اور کسائی نے مصخر یا کوسین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ سورۃ المؤمنین میں گزر چکا ہے اور باقی قراء نے سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

لے فراء کہتے ہیں یہ استفہام تعجب اور توجع کے معنی میں ہے (1) اور مالنا لا نری کے قول سے مفہوم مقدر جملہ میں حمزہ کے لئے ام معادلہ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی مَا لَنَا لَا نَرِیْهُ هُوَ لَا الَّذِیْنَ اتَّخَذْنَا هُمْ مِصْرَئِيلَ اَلِیْسُوْا هَٰؤُلَاءِ ذَا عِثْ عَنْهُمْ اَبْصَارًا فَلَمْ نَرَهُمْ وَهُمْ هَٰؤُلَاءِ یعنی کیا وجہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھ رہے جن سے ہم مذاق کرتے تھے۔ کیا وہ یہاں نہیں ہیں یا ہماری آنکھیں ان سے پھر گئی ہیں پس ہمیں وہ نظر نہیں آرہے جبکہ وہ یہاں موجود ہیں یا دوسری قرأت کے مطابق اتَّخَذْنَا هُمْ کَا مِثْرِهِ اِیُّ الْاٰخِرِ مَا فَعَلْنَا بِهِمْ قَبْلَ الْاَوَّلِیْنِ سَخَارِ مِنْهُمْ اَمْ تَحْقِیْرُ هُمْ کے معنی میں ہوگا، یعنی اپنے نفوس پر مذاق اڑانے اور ان کی تحقیر کرنے کا انکار کر رہے ہیں کیونکہ انھیں کچھ کا بھگنا کسی مفہوم سے کنایہ ہے۔ یا ام مقطوعہ ہے اور مراد ان کو ذلیل سمجھنے اور ان سے مذاق کرنے پر دلالت کرتا ہے، یعنی ہماری نگاہوں کا ٹیڑھاپا جن ہماری نظروں کا قصور تھا کہ ہم ان کی ظاہری بوسیدہ حالت کو دیکھتے رہے (اور ان کے دلوں میں جو جو ہر ایمان اور ان کے اندر جو پاکیزہ اخلاق کے سدا بہار پھول تھے وہ ہمیں نظر نہ آئے) ان کیساں کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ درویش صفت لوگ تو ہم سے ہزار درجہ بہتر تھے لیکن ہم ان کی عظمت شان کو نہ پہچان سکے اور ہماری آنکھیں ان

کے جوہر باطن کو دیکھنے سے قاصر ہیں (۱)۔

إِنَّ ذَلِكَ لَحَقُّ تَخَاصُّمِ أَهْلِ النَّارِ ۖ

”یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے۔“

۱۔ یعنی دوزخیوں کے متعلق جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ یقیناً ہوگا، ان کا آپس میں یہ مکالمہ ضرور ہوگا۔ تَخَاصُّمِ أَهْلِ النَّارِ، حق سے بدل ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے دوزخیوں کا آپس میں جو سوال و جواب ہوگا اس کو جھگڑنے والوں کے درمیان جاری ہونے والی کلام سے تشبیہ دی گئی ہے اس لئے اس کو تَخَاصُّمِ فرمایا یا اس لئے کہ قاعدین اپنے قبیعین سے کہیں گے لا مرحبا ہم اور قبیعین قاعدین سے کہیں گے بل انتم لا مرحبا بکم تو یہ جھگڑا ہے اس لئے ان کی ساری گفتگو کو جھگڑے سے تعبیر فرمایا۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۚ وَمَا مِنَ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۖ

”(اے حبیب!) آپ فرمائیے میں تو فقط ڈرانے والا ہوں اور نہیں ہے کوئی خدا مگر اللہ جو ایک ہے سب پر غالب ہے۔“

۱۔ قل اپنے مقولہ سے مل کر جملہ متانت ہے اور انصافِ قلب کے لئے ہے اور یہ قَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۖ کے ساتھ متصل ہے، یعنی میں ساحر و کذاب نہیں ہوں بلکہ میں تو عذاب الہی سے بروقت متنبہ کرنے والا ہوں ما من الہ الا اللہ کا عطف انصاف پر ہے اور یہ أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا کے ساتھ متصل ہے۔ الواحد یعنی اللہ ایک ہے وہ اپنی ذات اور صفات میں شرکت کو قبول نہیں فرماتا، وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ یہ کلام کفار کے لئے وعید ہے۔

سَرَابُ السَّيِّئَاتِ وَالْأَمْرُضُ وَمَا يَبِيهَمَا الْعَزِيزُ الْعَقَّارُ ۖ

”مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عزت والا بہت بخشنے والا۔“

۱۔ عزیز کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی کو مراد سے تو اسے کوئی مغلوب کرنے والا نہیں۔ الْعَقَّارُ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جس کے لئے چاہتا ہے اس کے چھوٹے بڑے سب گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ان اوصاف کے ذکر میں تو حید کا ثبوت موحدین کے لئے وعدہ اور مشرکین کے لئے وعید ہے۔ نیز پہلے تو قہر کی صفت ذکر کی تھی اس سے جوشید اور وہم پیدا ہوتا تھا ان صفات سے اس شبہ کازالہ ہو گیا۔ (کہ یعنی وہ صرف صفت قہر سے متصف نہیں بلکہ اپنے اطاعت گزار بندوں کے لئے غفار بھی ہے)

قُلْ هُوَ يَبْهَوُ الْعَظِيمَ ۖ

”فرمائیے یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے۔“

۱۔ ابن عباسؓ نے عباد اور قوادہ فرماتے ہیں اس آیت میں ہو کا مرجع قرآن ہے (۲) بعض علماء فرماتے ہیں اس کا مرجع قیامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عَنْ يَمِينِهِ سَاءَ لَوْ ۖ عَنِ الْيَمِينِ الْعَظِيمِ ۖ میں قیامت کو نبیاء عظیم فرمایا ہے۔ بعض فرماتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے تمہیں بتایا کہ میں تمہیں اس ذات کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں جو اس صفت سے متصف ہے، وہ معبود برحق الوہیت میں یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس صورت میں یہ کلام انصاف الامتداز الخ کے ساتھ متصل ہوگی۔

تو مجھے بغیر آزمائش میں ڈالنے اپنی بارگاہ میں بلا لے)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے یہ سب باتیں حق اور سچ ہیں (۱)۔

اس حدیث کو بغوی نے شرح السنۃ اور اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ اسی حدیث کو داری نے من الموقنین تک روایت کیا ہے۔ ترمذی نے عبد الرحمن بن عائش سے بغوی کی طرح یہی حدیث روایت کی ہے۔ امام ترمذی نے ابن عباس اور معاذ بن جبل سے بھی اس کے ہم معنی عبارت کی کچھ تبدیلی کے ساتھ روایت کی ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کی کفارات میں بحث و تجسس سے مراد وہ تمام اعمال ہوں جو لکھنے میں فرشتے ایک دوسرے سے جلدی کرتے ہیں اور ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ سب سے پہلے رحمان کی بارگاہ میں انہیں پیش کروں جیسا کہ قاعد بن رافع کی حدیث میں ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا تو کہا سمع اللہ لمن حمدہ، پیچھے سے ایک شخص نے کہا ربنا ولك الحمد حمدا کثیرا طیباً مبارکاً فہیہ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا میرے پیچھے ابھی یہ کلمات کس نے پڑھے ہیں؟ اس شخص نے کہا حضور میں نے پڑھے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمیں 30 سے کچھ زائد فرشتے ان کلمات کو لکھنے میں جلدی کر رہے تھے کہ کون پہلے انہیں لکھتا ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے (2)۔ اذ علم کی طرف ہے یا معذوف کے متعلق ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی **مِنْ عِلْمِهِمْ بِكَلِمَاتِ الْمَلَائِكَةِ الْاُولٰٓئِی**۔

اِنْ یُؤْخَذِ اِلٰی اِلَّا اَنْتَا اَنْتَ ذِیُّ الْمُبِیْنِ ۝

”نہیں وہی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں۔ لے“

لے انہا اپنے جملہ سے مل کر یا تو عمل رفع میں ہے کیونکہ یوحی کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یا محل نصب میں ہے اور یہ اغراب علیت کی بناء پر ہے اور اس صورت میں یوحی فعل سے مفہوم مصدر کی طرف منسوب ہوگا، یعنی مَا اَوْحٰی اِلَیْیَ اِلَّا الْاِنْذَارُ الْمُبِیْنُ اَوْ مَا اَوْحٰی اِلَیْیَ اِلَّا لَا یَاْخِلُ الْاِنْذَارُ (میری طرف وہی نہیں کی جاتی مگر واضح ڈرانا یا میری طرف وہی نہیں کی جاتی مگر ڈرانے کے لئے) اور رسول بنا کر بھیجے کا مقصود بھی یہی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں النبا العظیم سے مراد آدم علیہ السلام اور انہیں کا واقعہ ہے اور بغیر اس واقعہ کی خبر دینا ہے۔ العلماء الاعلیٰ سے مراد ملائکہ آدم علیہ السلام اور انہیں ہیں جو اس واقعہ سے متعلق ہیں کیونکہ وہی آسمان میں تھے اور ان کے درمیان گفتگو تھی۔

اِذْ قَالَ رَبِّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝

”(اے حبیب!) یا فرمائیے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کچھ سے لے“

لے اِذْ قَالَ اذ یختصمون سے بدل ہے اور اس کا بیان ہے کیونکہ یہ واقعہ جس پر اِذ داخل ہوا ہے۔ ملائکہ اور انہیں کی اس گفتگو پر مشتمل ہے جو انہوں نے آدم علیہ السلام کی تحقیق ان کے خلاف کے استحقاق اور ان کو سجدہ کرنے کے متعلق کی تھی جیسا کہ سورہ بقرہ میں لُز چکا ہے لیکن یہاں اسی تفصیلی واقعہ کو اختصار کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور جو مقصود تھا صرف اسی پر انحصار فرمایا ہے اور وہ مقصود

مشرکین کو تکبر اور ہٹ دھرمی کی سزا ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبر و بڑائی کا مظاہرہ نہ کرو ورنہ تمہیں بھی اسی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جس میں ابلیس کو مبتلا کیا گیا تھا، جب اس نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے گفتگو کرنا کسی فرشتے کے واسطے سے ہو یا علماء اعلیٰ سے مراد عام ہو جو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو شامل ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اذکو کی وجہ سے منصوب ہو۔

قَدْ اَسْوَيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لِسُجْدِيْنَ ۝

”پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔“

۱۔ سَوَيْتُهُ کا معنی اتممت خلقہ ہے، یعنی جب میں اس کی تخلیق مکمل کر دوں۔ آدم علیہ السلام کو شرف عطا کرنے یا روح کو شرف بخشنے کے لئے روح کو اپنی طرف مضاف فرمایا۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجَمُوْنَ ۝

”پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے۔“

۱۔ مسجد کا عطف قال ریک پر ہے۔

اِلَّا اِبٰلِیْسَ ۝ اَسْتَكْبَرُوْا وَاَنۡ كَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۝

”سوائے ابلیس کے اس نے گھمنڈ کیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔“

۱۔ اِسْتَكْبَرُوْا استثناء کی علت بیان کر رہا ہے اور کان بمعنی صار ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تکبر کرنے کی وجہ سے یا اس کی اطاعت سے تکبر کرنے کی وجہ سے وہ کافروں میں سے ہو گیا یا علم الہی میں تھا کہ وہ کافروں میں سے ہے۔

قَالَ يٰۤاِبٰلِیْسُ مَا مَعَكَ اَنْۢ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیْ ۝ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِیْنَ ۝

”اشارہ ہوا ابلیس، کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے لے کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔“

۱۔ یٰۤاِبٰلِیْسُ کا کلمہ متشابہات میں سے ہے سلف صالحین اس کی کوئی تاویل نہیں کرتے تھے وہ فقط اس پر ایمان رکھتے تھے اور اس کا مراد وہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے تھے، جبکہ متاخرین علماء اس کی تاویل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آدم (علیہ السلام) کو ماں باپ کے واسطے کے بغیر پیدا فرمایا اور بعد کا شنیذ ذکر فرمایا تاکہ اس کی تخلیق میں مزید قدرت کا اظہار ہو جائے اور پھر آدم علیہ السلام کے بغیر واسطہ کے اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہونے پر اس کے انکار کو مرتب فرمایا تاکہ یہ شعور ملے کہ اس کا قدر مطلق کی تخلیق ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے یا اس لئے اس کے انکار کو اس پر مرتب فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ آدم کو سجدہ نہ کرنے پر جو دلیل اس لعین نے پکڑی ہے وہ سجدہ سے مانع ہونے کی اہلیت نہیں رکھتی کیونکہ سر دار اور آقا کے لئے جائز ہوتا ہے کہ وہ اپنے بعض

غلاموں کے لئے بعض کو خادم بنادے خصوصاً جس کو کوئی خصوصیت حاصل ہے اس کے لئے دوسروں کو خدمت بھالانے کا حکم دے دے تو یہ کوئی قبیح امر نہیں ہے۔

۷۔ ہمزہ استہفام تو بخ اور انکار کے لئے ہے جو ہمزہ وصلی پر داخل ہوا ہے۔ یعنی کیا تو نے بغیر استحقاق کے تکبر کیا ہے یا تو ان میں سے ہے جو متفوق اور برتری کے حقدار ہیں۔ پہلی شق پر تو بخ ہے اور دوسری پر انکار ہے (یعنی اگر محض تکبر کی بناء پر مجبورہ کرنے سے انکار کیا ہے تو تو نے بہت برا کیا ہے اور اگر تو نے یہ سمجھا کہ یہ حکم کم درجہ فرشتوں کو ہے یہ بھی تیری کمزوری ہے)

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاَنْتَ كَرِيْمٌ ۝

”وہ (گستاخ) بولا میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کچرے سے۔ حکم ملا (اے بے حیا) نکل جا جنت سے بیشک تو پھنکارا گیا۔“

۸۔ وٹھنہ کی ضمیر کا مرجع جنت ہے۔ بعض کے نزدیک آسمان ہیں۔ حسن اور ابوالعالیہ فرماتے ہیں اس کی وہ خلقت مراد ہے جس پر اسے پیدا کیا گیا تھا۔ حسن بن فضل فرماتے ہیں یہ تاویل صحیح ہے کیونکہ ابلیس نے اپنی خلقت کی وجہ سے تکبر کیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت میں تبدیلی فرمادی وہ کالا سیاہ اور انتہائی بد صورت ہو گیا، جبکہ پہلے بڑا حسین تھا (۱)۔ فَاَنْتَ كَرِيْمٌ ۝ نکل جانے کے حکم کی علت ہے، یعنی تو بھلائی کے ساتھ نہ ہوگا۔

وَ اِنْ عَلَيْكَ لَعْنَتِي اِلٰى يَوْمِ الدَّيْنِ ۝

”اور بیشک تجھ پر میری لعنت برے گی قیامت تک۔“

۹۔ لَعْنَتِي کو نافع نے پاء کے فتح کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جب قیامت آئے گی تو لعنت ختم ہو جائے گی بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس پر صرف لعنت قیامت تک ہے لیکن پھر لعنت کے ساتھ عذاب بھی مل جائے گا۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

”ابلیس بولا (اگر یہی اہل فیصلہ ہے) تو میرے رب مجھے مہلت دیجئے روزِ حشر تک۔“

۱۰۔ فَأَنْظِرْ پر فاء سمیت کے لئے ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کی دشمنی کی وجہ سے اسے دھکارا گیا تھا اس لئے اس نے مہلت طلب کی تاکہ بنی آدم کو راہِ راست سے بھٹکا نہ رہے۔

قَالَ فَاَنْتَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝

”جواب ملا بیشک تو مہلت دینے والوں میں سے ہے۔“

۱۱۔ انک پر فاء سمیت کے لئے ہے کیونکہ اس کا سوال اس جواب کا سبب تھا۔ جملہ اسمیہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو مہلت دینے کا فیصلہ پہلے ہی علم الہی میں ہو چکا تھا۔ یہ اس کی دعا کا نتیجہ نہیں ہے۔

إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۝

” (یہ مہلت) مقررہ وقت کے دن تک ہے۔ لے۔“
لے وقت مقررہ سے مراد بھی اولیٰ ہے۔ اس پر تفصیلی بحث سورہ جہر میں گزر چکی ہے۔

قَالَ فَبَعَثَ تِلْكَ الْأَعْوِيَةَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

”کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو۔ لے۔“

لے یہاں بھی فاء سمیت کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اس کو مہلت دینا اس کے لوگوں کے گمراہ کرنے کے عزم کے سبب تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت نہ ہوتی تو وہ بھی لوگوں کے گمراہ کرنے پر قادر نہ ہوتا۔ یعین نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اٹھائی تاکہ یہ اس کی مراد پر تسلط اور غلبہ کا وسیلہ بن جائے۔

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ۝

”سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے۔ لے۔“

لے یعین جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کرنے اور گمراہی سے بچانے کے لئے منتخب فرمایا ہے یا یہ معنی کہ جنہوں نے اپنے دلوں کو اللہ کے لئے خاص کر دیا ہے۔ یہ دونوں مفہوم قرآنوں کے اختلاف کی بناء پر ہیں۔ ابن کثیر ابوعمر و ابن عامر نے اَلْمُخْلِصِينَ کو لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ دوسرے قراء نے لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ أَقُولُ ۝

”فرمایا تو میں حق ہوں لے اور میں سچ ہی کہتا ہوں لے۔“

لے فَالْحَقُّ کو عامم حمزہ اور یعقوب نے مبتدا محذوف کی خبر کی بناء پر مرفوع پڑھا ہے یعنی انا الحق یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور الحق اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہوگی الحق یعنی او قسمی۔ باقی قراء نے حرف جر کے حذف کے ساتھ منصوب پڑھا ہے، یعنی حرف قسم حذف کیا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہو فالحق۔
لے الحق قول: جملہ مقررہ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں قسم کے تکرار کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم اٹھائی۔

لَا مَلَكَ جَهَنَّمَ مِثْلَ شِيعَتِكَ وَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

”میں ضرور مجھ دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے۔ لے۔“

لے یہ جملہ جواب قسم ہے اور منک سے مراد من جسک ہے تاکہ تمام شیطانوں کو شامل ہو جائے۔ وَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ سے مراد بنی آدم ہیں۔ یعنی تم میں سے اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ من تبعک سے مراد کفار ہیں۔ اگر سابقہ جملہ کی تقدیر انا الحق یا حق الحق ہو تو یہ جملہ محذوف قسم کا جواب ہوگا۔ اجمعین دونوں ضمیروں کی تاکید ہے۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَبِّرِينَ ۝

”آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجرا اور نہ میں بناؤں کرنے والوں میں سے ہوں۔ لے۔“

۱۔ علیہ کی ضمیر کا مرجع اندازاً بقرآن ہے یعنی میں تم سے انجام بد سے ڈرانے اور قرآن سناتے پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا اور نہ تو میں قرآن اپنی طرف سے گھڑنے والا ہوں یا یہ معنی کہ تم میرے حال سے واقف ہو۔ میں اپنے لئے کسی ایسی بات کا دعویٰ نہیں کرتا جو میرے پاس نہ ہو۔ یعنی میں بغیر حقیقت کے نبوت کا دعویٰ نہیں کرتا۔ خَلْقَ مَا أَسْأَلُكُمْ الْخِجَ کا جملہ سابقہ جملوں کے مضامین کو جاہت کرنے والا ہے۔

امام بخاری نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہمیں تکلف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ علامہ بغوی نے مسروق سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں ہم عبد اللہ بن مسعود کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا اے لوگو! جسے کسی بات کا علم ہو وہ اسے کہہ دینی چاہئے اور جو نہ جانتا ہو، اسے جواب میں اللہ اعلم کہنا چاہیے کیونکہ جس بات کا علم نہ ہو اس کے متعلق اللہ اعلم کہنا بھی علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اسرافر فرمایا اسے محبوب تم کہہ دو میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا اور نہ میں جھوٹے مدعیین میں سے ہوں (۱)۔ میں کہتا ہوں ما انا من المتکلفین ما استلکم الخ کے مضمون کی تاکید ہے کیونکہ جو کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتا اسے بات میں تکلف کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝

”نہیں ہے یہ (قرآن) مگر نصیحت سب جہانوں کے لئے۔“

۱۔ لُحُو کا مرجع قرآن ہے عالمین سے مراد جن و انس ہیں۔ یعنی یہ قرآن جو تمام جہانوں کے لئے موعظت ہے میری طرف دی کیا جاتا ہے اور میں اس کی تبلیغ کرتا ہوں۔

وَلَنَعْلَمَنَّ بَابًا بَعْدَ جِينٍ ۝

”اور (اے کفار) تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد۔“

۱۔ یہ محذوف قسم کا جواب ہے۔ یعنی قرآن میں جو وعدہ اور وعید ہے اس کو جان لو گے یا اس کی صداقت کا تم اعتراف کر لو گے۔ ابن عباس اور قتادہ فرماتے ہیں بعد حین سے مراد بعد الموت ہے، یعنی مرنے کے بعد تم اس کی حقیقتوں کو جان لو گے۔ مکرر فرماتے ہیں بعد حین سے مراد قیامت کا دن ہے۔ حسن فرماتے ہیں اے ابن آدم مرنے کے بعد تیرے پاس یقینی خبر آ جائے گی (۲)۔

☆

سورہ ص کی تفسیر المظہری اللہ تعالیٰ کی توفیق سے 1207 ہجری کو مکمل ہوئی اور اس کے بعد ان شاء اللہ سورہ الزمر کی تفسیر ہوگی۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر رعایت سے سورہ ص کی تفسیر مظہری کا ترجمہ، مرفوری 2001ء بروز بدھ بعد نماز عشاء 10:45 اختتام کو پہنچا۔

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَوْلِيَاءِ أَهْلِهِ وَغُلَمَاءِ أَهْلِ شَيْبَةِ أَجْمَعِينَ۔

اے مالک الملک ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں منظور و مقبول فرما اور ہمارے عیوب پر پردہ فرما دے اور ہماری کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور فرما دے، ہمارے گناہوں پر قلم غلو پھیر دے۔ تو معنی ہے، معنی ہے، رحمن ہے، رحیم ہے، غفار ہے، ستار ہے۔ اے ہمارے پروردگار میرے والدین پر اپنی خصوصی رحمت فرما ان کا سایہ عافیت تادیر میرے سر پر قائم فرما۔ یا حی یا قیوم میری اولاد کو نیک سیرت بناؤ انہیں دین اور قرآن کی نعمت عطا فرما۔ اے کریم ان کی دنیا بھی بہتر فرما اور آخرت بھی بہتر فرما۔ اے کریم دارالعلوم محمدیہ نوشہہ اور اس کی برانچوں میں پڑھانے والے اساتذہ پڑھنے والے طلباء اور ان کے معاونین پر ہمیشہ کرم و احسان فرمائے رکھ۔ اے کریم میرے مرشد کریم کے آستانہ عالیہ کو اپنے ذکر اور اپنے دین کی خدمت سے آباد رکھنا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔



إِلَّا يَقْرَبُونَا إِلَى اللَّهِ ذُلُّنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ بِحَكْمٍ بَيْنَهُمْ فِي مَآهُمْ فِيهِ يَحْتَلِفُونَ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ۝

”خبردار! صرف اللہ کے لئے ہے دین خالص۔ اور جنہوں نے بنائے اس کے سوا اور والی (اور کہتے ہیں) ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنادیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان جن باتوں میں یہ اختلاف کیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا (اور) بڑا ناشکر ہو۔“

۱۔ آلا یقربوننا إلہ اللہ ذلننا۔ جملہ مترجمہ ہے اور یہ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ امر اللہ تعالیٰ کے ساتھ محض اور لازم ہے کہ طاعت و عبادت خاصہ اسی کے لئے ہو کیونکہ وہی صفات الوہیت میں منفرد ہے اور اسرار و رموز پر اطلاع پانے اور دل میں چھپی باتوں پر آگاہ ہونے میں یکتا ہے۔

۲۔ اور وہ کفار جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور والی بنائے ہیں اور کہتے ہیں ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر محض اس لئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنادیں۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی قرأت اسی طرح ہے۔ گویا نعبدهم سے پہلے قالوا اهل مقدہ رہے جو کہ ترکیب کلام میں اتخذوا اصل سے بدل ہے یا پھر قالوا سے قبل قدم مقدہ رہے اور جملہ اتخذوا کے فاعل سے حال ہے۔

ذلفی مصدر ہے جو قربی کے معنی میں ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ذلفی اسم ہے جسے مصدر کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ گویا کہ یہ فرمایا لیقرّبونا الی اللہ تقریباً (یعنی ذلفی ترکیب کلام میں مفعول مطلق ہے) یا حال ہے۔ الدین اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ ملکر مبتدا ہے اور اس کی خبر ان اللہ یحکم بینہم ہے۔ یعنی جن دینی امور کے بارے میں یہ اختلاف کیا کرتے ہیں قیامت کے دن ان کے بارے اللہ تعالیٰ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اس طرح کہ وہ حق کی راہ اختیار کرنے والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور باطل پرستوں کو جہنم کے حوالے کرے گا۔ بینہم کی ضمیر کا مرجع کفار اور ان کے مقابل اہل ایمان تمام لوگ ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسم موصول مبتدا کی خبر قالوا کا نعبدهم کا جملہ ہو۔ ان اللہ یحکم بینہم اور جملہ متناقد ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موصول سے مراد معبودان باطلہ ہوں اور (ضمیر عائد) اور لوٹنے والی ضمیر کلام سے محذوف ہو۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اذین اتخذوہم بین ذلینہ اولیاء۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن ملائکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بتوں کو انہوں نے والی (کار ساز) بنا رکھا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اور جملہ ما نعبدہم قالوا مقدور کے ساتھ حال واقع ہو گا یا صلہ سے بدل ہو گا۔ اس رت میں وہ جبر نہیں ہو سکتا۔

جوہر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے آیت تین قبیلوں عامر کناہ اور بنی سلمہ کے بارے نازل ہوئی کیونکہ وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے اور یہ نظریہ رکھتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور ساتھ یہ کہتے ہیں مَا تَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ ذُلُّنَا (کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اسلئے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرب بنادیں) (2) علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ان لوگوں سے جب یہ کہا جاتا تھا تمہارا رب کون ہے؟ جنہیں کس نے پیدا کیا؟ زمین و آسمان کو کس نے بنایا ہے؟ تو کہتے اللہ نے۔ پھر ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ ان بتوں کی عبادت اور پوجا پاٹ کا کیا مقصد ہے؟ تو جواب دیتے تھے

کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔ (يُخَيِّرُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ اللَّهِ نَفْيًا)

اس سے حق ہو کہ لکھتے ہیں کہ مراد وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بت ہماری سفارش کریں گے۔

کفار سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والے لوگ ہیں۔ اس طرح کہ وہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو ہدایت دینے کا نہ ارادہ فرمایا ہے نہ فرمائے گا۔ کیونکہ اگر وہ چاہتا تو انہیں بالیقین ہدایت دے دیتا جتنی تیرا نہ وہ جھٹلائے اور نہ کفر کرتے۔ ترکیب کلام میں یہ جملہ محض غرض ہے۔

لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْتَرِدَ وَلَدًا لَصَلَفَى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ سُبْحَنَهُ هُوَ اللَّهُ
الْوَّاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يَكُونُ اللَّيْلُ عَلَى
النَّهَارِ وَيَكُونُ النَّهَارُ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ
مُّسَمًّى ۝ أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝

”اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو جن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا۔ وہ پاک ہے۔ وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست ہے۔ اس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر۔ اور اس نے ستر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقرر میعاد تک۔ غور سے سنو وہی عزت والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔“

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے جیسے ان کا گمان ہے تو اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا جن لیتا۔ آیت طیبہ میں ”ما“ موصولہ ہے اور جملے میں اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر منصوب محذوف ہے اور پھر موصول اپنے صلہ کے ساتھ ملکر لا صطفی فعل کا مفعول ہے۔ اور مما یخلق اس سے حال ہے اور اس میں بھی ضمیر عائد منصوب محذوف ہے۔ یعنی ترتیب عبارت اس طرح نفی ہے لَوْ أَرَادَ اللَّهُ اتَّخَذَ وَلَدًا لَصَلَفَى مَا يَشَاءُ ۝ مِمَّا خَلَقَ۔ کیونکہ جو بھی موجود ہے وہ اس کی مخلوق ہے اور دائیں سے یہ امر ثابت ہے کہ دو کا واجب الوجود ہونا متنع ہے اور جو واجب الوجود نہیں اس کی طرف واجب ہونے کی نسبت کرنا بھی متنع ہے اور اس میں بھی کوئی غیر نہیں کہ مخلوق خالق کی مثل نہیں ہو سکتی کہ وہ اس کے بیٹے کے قائم مقام ہو۔ لہذا یہ کلام اس قول کی قوت میں ہے لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَا يَنْصُورُ ذَالِكَ۔ (اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا) کلام ہے جزاء کو حذف کر دیا گیا ہے اور اس کی دلیل کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مما یخلق میں ما موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر مرفوع ہو اور معنی یہ ہو لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَصَلَفَى وَلِذَا يَقْدَرُ عَلَى خَلْقِ الْإِنْسَانِ (اگر اللہ تعالیٰ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا تو وہ کسی کو بیٹا بنانا چاہتا جو چیزوں کی تخلیق پر قادر ہوتا) اور یہ امر محال ہے کیونکہ اس سے الھوں کا متعدد ہونا لازم آتا ہے اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو بیٹا بنانے کا ارادہ کرنا متنع ہے۔ پھر اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے مضبوط اور پختہ کیا کہ سُبْحَنَهُ وہ پاک ہے اس سے کہ اس کو کوئی بیٹا ہو۔ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست ہے) یعنی الوہیت

وجوب کے تابع ہوتی ہے (یعنی اللہ کے لئے واجب الوجود ہونا لازم اور ضروری ہے) اور وجوب ذات و صفات میں یکتا اور منفرد ہونے کو مستلزم ہے اور مماثلت و مشارکت کی نفی کرتا ہے (یعنی نہ کوئی اس کی مثل ہو سکتا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی شریک ہو سکتا ہے) تو پھر اس کا جتنا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جتنا تو والد کا ہم جنس ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اس کے بعض اجزاء سے بنتا ہے اور اس کی قبریت کا مطلق ہونا سب سے زبردست اور قوت والا ہونا بھی اس بات کی نفی کرتا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو اور اس کا کوئی بیٹا ہو۔ کیونکہ اولاد کی حاجت اسے ہوتی ہے جو زوال پذیر ہو مٹا ہونے والا ہو اور اللہ تعالیٰ تو زوال پذیر ہونے اور فنا ہونے سے پاک اور ہمراہ و منزه ہے۔

پھر مابعد قول اس پر بطور استدلال ذکر فرمایا۔ حَقِّقِ السُّلُوٰتِ وَالْاَنْهَاصَ بِالْحَقِّ الْاَلِیْفِ

جہ کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، ان میں سے کوئی بیکار اور ناکارہ نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے پیدا فرمایا تاکہ وہ صانع بنانے والے کی قدرت پر دلیل ہو جائیں۔ وہی رات اور دن میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے سے ڈھانپ لیتا ہے۔ گویا کہ وہ انہیں ایسے ایک دوسرے پر لپیٹ دیتا ہے جیسا کہ لباس اپنے پہننے والے کے ساتھ لپٹ جاتا ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے سبب غیب کر دیتا ہے۔ جیسا کہ لٹافہ کے سبب اس کے اندر موجود چیز غیب ہوتی ہے۔ یا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر مسلسل لگاتار اور تہہ در تہہ اس طرح رکھ دیتا ہے جیسے عماد کے تل تہہ در تہہ اور مسلسل ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ وہ رات اور دن میں سے ہر ایک کو دوسرے کے پیچھے لاتا ہے۔ حسن اور بکلی نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ رات کو کم کرتا ہے اور دن کو بڑھا دیتا ہے اور پھر دن کو کم کرتا ہے اور رات میں اضافہ کر دیتا ہے (۱)۔

جہ اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو کہ ان میں سے ہر ایک مقررہ میعاد یعنی قیامت کے دن تک فلک میں روانی ہے۔ غور سے سنو! وہی غالب ہے اور ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اور بہت بخشش والا ہے اس طرح کہ وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور نہ وہ اس دنیا میں اپنی رحمت و منفعت سے کسی کو محروم کرتا ہے۔

حَقَّقْكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَانَزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ
ثَلَاثِينَ ذَوْاجًا يُخْلِقُكُمْ فِي بَطْنٍ أُمِّهِتُمْ خُلُقًا مِنْ بَعْدِ حَقِّقٍ فِي طُلُوتٍ ثَلَاثًا
ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ السُّلْطَانُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَىٰ مُصْرَفُونَ ۝

”اس نے پیدا کیا ہے تمہیں فرد واحد سے پھر بنایا اسی سے اس کا جوڑا اور پیدا کئے تمہارے لئے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے جہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں (مدریجا) ایک حالت سے دوسری حالت تین اندجروں میں۔ یہ قدرت والا (اللہ) تمہارا رب ہے اسی کی حکومت ہے۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ پھر تم کدھرنہ پھیر کر جا رہے ہو۔“

لہ نفس واحدہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جنہیں بغیر ماں باپ کے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا) یہ رب کریم کی توحید پر دوسری دلیل ہے کہ اس نے نفس واحدہ سے ہی اس عالم سقلی کو وجود بخشا۔ کلام میں لفظ ثم حذف کلام پر عطف کے لئے ذکر کیا گیا ہے اور وہ حذف کلام نفس کی صفت ہے اور وہ ہے خلقہا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نفس واحدہ کو پیدا فرمایا اور پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا یا اس کا عطف معنی واحدہ پر ہے۔ یعنی من نفس واحدہ ثم

جعل منها زوجا فشفعنا بها: ایک نفس کو نکالنا یا پھر اس سے جوڑنا یا آپس اس کے سبب وہ دو ہو گئے (اور پھر ان دو سے تم تمام کو پیدا فرمایا) یا پھر اس کا صطف خلقکم پر ہے۔ اس صورت میں لفظ تم دو آیتوں کے درمیان تفاوت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ پہلی آیت میں عادت جاریہ کا ذکر ہے، جبکہ دوسری آیت میں اس طرح نہیں بلکہ تخلیق کی دوسری قسم کا اظہار ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ خلقکم فن نفوس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیٹاق لیا تو تمام اودام کو ان کی پشت سے باہر نکالا پھر انہی سے ان کی زوجہ حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا۔

وَأَنزَلْنَا لَكُمْ كَامَعْنٰی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے فیصلہ فرمایا اور تمہارے لئے بنادئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وہ فیصلے جو لوح محفوظ میں لکھے ہوتے ہیں ان کے نفاذ کو نزول من السماء سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے یا معنی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے ایسے اسباب کے ساتھ (جانور) پیدا کئے جو اسباب آسمان سے نازل ہوتے ہیں مثلاً ستاروں کی شعاعیں اور بارش وغیرہ۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے آٹھ جوڑے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت میں پیدا کئے پھر وہاں سے ان کے ساتھ تمہارے فائدہ کے لئے انہیں اتار دیا۔ ثمنیۃ ازواج سے مراد آٹھ جوڑے، یعنی آٹھ جانور مذکر و مؤنث (اور وہ اونٹ گائے بھینس اور بکری جوڑا جوڑا ہیں۔ ترکیب کلام میں ثمنیۃ ازواج، الانعام سے حال ہے۔

یَخْلُقُكُمْ اَنْیٰ یہ سابقہ کلام کی وضاحت کے لئے ہے، جملہ مبینہ ہے۔ یعنی وہ انسانوں اور جانوروں کو اپنی ماؤں کے شکموں میں تدریجاً پیدا فرماتا ہے۔ لیکن ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر ترجیح دیتے ہوئے خطاب صرف انہیں ہی کیا گیا ہے۔ حلقہ منہ بعد خلق کا معنی ہے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف یعنی پہلے نطفہ پھر ہما ہوا خون پھر گوشت کا لوتھڑا پھر ہڈیاں پھر ان پر گوشت چڑھایا جاتا ہے اور بعد ازاں اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

فَاَظْلَمْتُ لَمْثًا کا معنی ہے تین تاریکیوں میں۔ یعنی پیٹ کی تاریکی، رحم کی ظلمت اور جملی کا اندھیرا۔ یا پھر حلب (پشت) رحم اور پیٹ کا اندھیرا مراد ہے۔

ذَلِكُمْ اَللّٰهُ رَبُّكُمْ۔ یعنی جو یہ تمام افعال کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہی اللہ ہے تمہارا رب ہے۔ ترکیب کلام میں ذالکم مبتدا ہے لفظ اللہ خبر اول ہے۔ ربکم خبر ثانی ہے لکہ انشئت (اس کی حکومت ہے) تیسری خبر ہے اور لا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں) یہ چوتھی خبر ہے۔ یعنی اس کے بغیر کوئی بھی عبادت کے مستحق اور لائق نہیں کیونکہ پیدا کرنے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

فَاَلَمْ تَعْلَمُوْا (پھر تم کدھر منہ پھیر کر جا رہے ہو اس میں فاء سببیہ ہے اور استفہام حقیقت سے دوری اور تعجب کے اظہار کے لئے ہے۔ یعنی تم اتنے واضح اور کامل استدلال و بیان کے باوجود براہ حق سے کدھر منہ پھیر کر جا رہے ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کی پوجا پاٹ میں مصروف ہو۔

اِنْ تَكْفُرُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَنِّيْ عَنكُمۡ وَلَا يَرْهٰیٰ عِبَادَہِ الْکٰفِرُوْنَ اِنْ تَشْكُرُوْا
يَرْضٰہُ لَكُمْ وَلَا تَرْمُوْا اَزْسَہٗ وَرَآءَ اٰخِرٰی ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَيُنَبِّئُکُمْ
بِمَا لَکُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّہٗ عَلَیْمٌ بِذٰلِ الصُّدُوْرِ ۝

”اگر تم ناشکری کرتے ہو تو بیشک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو۔ اور

اگر تم شکر ادا کرو تو وہ پسند کرتا ہے تمہارے لئے سچے اور نہیں اٹھانے لگا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ بھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹا ہے۔ پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے۔ بیشک وہ خوب جانتے والے ہے سینوں کے رازوں کو۔“

اگر تم ناشکری کرتے سو تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں، یعنی اسے تمہارے ایمان لانے کی کوئی حاجت نہیں (وہ تو تم سے اور تمہارے ایمان سے مستغنی ہے) اِنْ تَكْفُرُوا اشْرَطَ ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے اور دلیل جزاء یعنی فَاِنَّ اللّٰهَ عَسٰی عَنكُمْ كُوزًا عَمَّ کے قائم مقام رکھ دیا گیا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ تَكْفُرُوا يَنْعُودُ وَيُنَالُ كُفْرُكُمْ اَلَيْسَ بِاللّٰهِ تَعَالٰی فَاِنَّ اللّٰهَ عَسٰی عَنكُمْ۔ یعنی اگر تم کفر اختیار کرتے ہو یا ناشکری کرتے ہو تو اس کفر کا وبال تمہیں پر پڑے گا نہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب لوٹے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو تم سے اور تمہارے ایمان سے مستغنی ہے، اسے کوئی ضرورت اور حاجت نہیں تم اس کے محتاج اور ضرورت مند ہو کہ تمہیں ہی کفر اور ناشکری کے سبب ضرر اور نقصان پہنچے گا اور ایمان کے سبب تمہارا ہی فائدہ اور نفع ہوگا۔

وَلَا يُلْغِيْ اِلَيْهَا ذُنُوبُكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ الْغُیْبِ پر عطف ہے۔ یعنی کفر اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ہے اگرچہ وہ اسی کے ارادے اور مشیت سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ فَتَنْبِذُ اللّٰهُ اَنْ يَّخْلُقَ بِهٖ يَتَّبِعُ صَدْرًا لِّلْاِسْلَامِ وَهَنْ يُّرَدُّ اَنْ يَّخْلُقَ يَجْعَلُ صَدْرًا كَاصِفًا سَوِيًّا۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کے سینے کو انتہائی تنگ کر دیتا ہے۔ یہی علماء سلف کا قول ہے اور اسی پر اہل السنۃ والجماعہ کا اجماع ہے۔ معتزلہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ (وہ کفر اور معصیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کی طرف نہیں کرتے)

علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی نے کہا ہے اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا (۱) اور ان سے مراد وہی لوگ ہیں جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے (شیطان کو) فرمایا تھا اِنَّ عِبَادِيْ لَشَرِّ لَّدُنِّيْكُمْ سُلْطٰنٌ۔ بیشک میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ اس قول کا معنی اور بنیاد اس پر ہے کہ یہاں رضا مجازی طور پر ارادہ رکھنے کے معنی میں ہو۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ نہ تو رضا ارادہ کو مستلزم ہے (کہ رضا کے لئے ارادہ کا پایا جانا ضروری ہو) اور نہ رضا ارادہ کا مرادف ہے اور ہم معنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تو خیر اور شر تمام کو شامل ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اور مراد کا اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہونا محال ہے (یعنی یہ ہوتی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کچھ ہو جائے یا وہ چاہے تو کچھ نہ ہو ایسا ہونا محال ہے) اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے اِنَّمَا تَوَلَّوْا لِنَاسٍ يَّهْدِيْ اِلَآ اَزْدًا لَّهُمْ اَنْ يَقُولُوْا لَنَا فَيَقُوْلُوْا ۝۱۰۔ اِنْ تَشْكُرُوْا يَزِدْهُمْ مِّنْ فَضْلِهِمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ الْغُیْبِ

سچے اِنْ تَشْكُرُوْا يَزِدْهُمْ مِّنْ فَضْلِهِمْ اور اگر تم شکر ادا کرو تو وہ تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔ یعنی اگر تم اپنے رب کے ساتھ ایمان لے آؤ اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو تو وہ تمہیں اس پر اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ یہی حاصل معنی ہے کیونکہ رضا ثواب دینے کو مستلزم ہے (یعنی رضایہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کے سبب اجر و ثواب دیا جائے) یوضہ اصل میں یوضاہ تھا۔ جواب شرط ہونے کی وجہ سے حالت جزئی میں الف ساقط ہو گیا۔

نافع عاصم مزہود ہشام نے حام حمیر کی حرکت کو اپنی حالت پر برقرار رکھتے ہوئے اختلاس (بغیر پرکے حرکت کو پڑھنا) کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس کا ما قبل تقدیر آساکن ہے۔ جبکہ ابو عمرو وابن کثیر ابن ذکوان اور کسایی نے حرکت کو اعتبا (حرکت کو پڑھنا اس

طرح کر حرکت کی بجائے حرف علت کی آواز پیدا ہو جائے) کے ساتھ پڑھا ہے۔ کیونکہ حاء ضمیر الف کے حذف ہونے کے سبب حرف متحرک کے ساتھ متصل ہے۔ یریزی سے ابوہمدان وغیرہ کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ ابو عمرو سے ایک روایت حاء کو ساکن کرنے کی بھی ہے اور یعقوب نے اسی طرح قرأت کی ہے۔

وَلَا تَتْرُكُوا زَيْنًا وَلَا نَفْسًا كُوفِي بوجہ اٹھانے والا نفس کسی دوسرے نفس کا بوجہ نہیں اٹھائے گا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے کفر اور ناشکری کا وبال تم سے دوسروں کی طرف تجاوز نہیں کرے گا (بلکہ اس کا سارا نقصان تمہیں کو پہنچے گا) حضور نبی کریم ﷺ کو تمہارے کفر پر رہنے کے سبب کوئی نقصان اور ضرر نہیں ہوگا۔ پس آپ ﷺ کا تمہیں ایمان لانے کی دعوت دینا فقط تمہارے نفع اور بہتری کے لئے ہے۔ (ورنہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا) پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹا ہے۔ پس وہ تمہیں تمہارے ان کاموں کی جزا دے آگاہ کرے گا جو تم کیا کرتے تھے بیشک وہ سینوں کے رازوں کو خوب جاننے والا ہے پس وہ تمہاری نیکیوں کے مطابق تمہارے اعمال پر جزا عطا فرمائے گا۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْ رَبِّهِ
كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعْ
بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝

”اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (اس وقت) پکارتا ہے اپنے رب کو دل سے رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب عطا کرتا ہے اسے نعمت اپنی (جناب سے) تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کے لئے فریاد کرتا رہا تھا اس سے پہلے اور بناتا ہے اللہ کے ہم مثل تاکہ بہکا دے اس کی راہ سے (اے مصطفیٰ! آپ اسے) فرمائیے لطف اٹھالے اپنے کفر سے تھوڑے دن۔ بیشک تو دوڑھیوں میں سے ہے۔“

۱۔ جب کسی کا فرما انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اس وقت وہ اپنے رب کو اس کی طرف دل سے رجوع کرتے ہوئے اور اس سے مدد کی فریاد کرتے ہوئے پکارتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے نعمت عطا کر دیتا ہے یا اسے صاحب جاہ و چشم اور غلاموں اور خادموں والا بنا دیتا ہے۔ خول کا معنی ہے خدمتگار اور شمعین رسول اللہ ﷺ نے غلاموں کے بارے ارشاد فرمایا وہ تمہارے بھائی اور خدمتگار ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے۔ یا خول کا معنی ہے حفاظت کرنا دیکھ بھال کرنا۔ جیسا کہ حدیث طیبہ میں ہے کان علیہ السلام یتخولنا ای یتعهدنا بالمو عظة کہ رسول اللہ ﷺ وعظا و نصیحت کے ساتھ ہماری حفاظت اور دیکھ بھال فرمایا کرتے تھے۔ اسی معنی میں عربوں کا یہ قول بھی ہے فلان خائف مال۔ فلاں آدمی مال کی حفاظت کرنے والا ہے اور اس کا انتظام درست رکھتا ہے۔ نہایہ اور قاموس میں اسی طرح ہے۔

نِعْمَةً مِّنْ رَبِّهِ تَرْكِب کلام میں یا تو خول کا مفعول ثانی ہے جبکہ خول کا معنی اعطی ہو۔ یا پھر یہ مفعول اول ہے۔

۲۔ (تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کے لئے فریاد کرتا رہا تھا نعمت سے پہلے) یعنی وہ ضرر اور تکلیف جسے دور کرنے اور زائل کرنے کی رب کریم کی بارگاہ میں التجا میں بھول جاتا ہے یا پھر اپنے اس رب کو بھول جاتا ہے جس کی بارگاہ میں وہ مجزو انکساری کے ساتھ زاری کیا کرتا تھا۔ اس آیت میں اس تفسیر کے مطابق ما بمعنی من ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ وَمَا كَانَ لِلَّذِينَ

وَالْأُنْبِيَاءُ ۝ میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنالیتا ہے تاکہ دین اسلام کی راہ سے بہکا دے۔ ابن کثیر ابو عمر اور روئیس نے لیضل کو یاد کے فحشہ کے ساتھ لیضل پڑھا ہے اور باقیوں نے یا کو ضمہ کے ساتھ ہی پڑھا ہے۔ جب ضلال اور اضلال اس ترتیب پر مذکور ہوں تو انہیں علت غائیہ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا لازمی نتیجہ خود گمراہ ہونا اور دوسروں کو گمراہ کرنا ہی ہوتا ہے گویا یہی علت غائیہ اور مقصود ہو جاتا ہے) جیسا کہ اس ارشاد میں بھی (لا تعلیل علت غائیہ کے بیان کیلئے مذکور ہے) فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَكَمًا (آل فرعون نے (موسیٰ علیہ السلام) کو اٹھالیا تجتہ وہ ان کے لئے دشمن اور باعث غم بن گئے)۔

یعنی اے محمد ﷺ! آپ اس کا فرکو کہہ دیں تھوڑے دن اپنے کفر سے لطف اٹھالے۔ اس قلیل مدت سے مراد مرنے کے وقت تک دنیوی زندگی کے دن ہیں۔ یہ امر تہدید اور جھکر کے لئے ہے۔ اس میں کفار کو آخرت میں (نعمتوں سے) لطف اندوز ہونے سے مایوس اور ناامید کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ (یعنی آخرت میں ان کے لئے کوئی ایسی نعمت نہیں ہوگی جو ان کے لئے راحت بخش اور سکون آور ہوگی) یہی وجہ ہے کہ اس کی علت استیفاف کے طریقے پر اپنے اس قول کے ساتھ بیان فرمائی اِنَّكَ يَوْمَ تَصُطْبُ الظَّالِمِينَ (وجہ یہ ہے) کہ بیشک تو دو روزیوں میں سے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت عیینہ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا ہے یہ آیت ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی (۱)۔

اَمَنْ هُوَ قَانِتٌ اِنَّآءَ الْبَلِيلِ سَاجِدًا وَّاقَابًا يَّسَّيْحَدُمُ الْاِخِرَةَ وَ يَرْجُو اَسْرَحَصَةَ رَبِّهٖ ۝ قُلْ
هَلْ يَسْتَوِي الْاَنۡبِيَاۗءُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَوِي كَسْرًا وَّلَوْلَا الْاَلْبَابُ ۝

”بھلا جو شخص عبادت میں بسر کرتا ہے رات کی گھڑیاں کبھی تجدد کرتے ہوئے کبھی کھڑے ہوئے (بائیں ہمہ) ڈرتا ہے آخرت سے اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی۔ آپ پوچھئے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل۔ البتہ صرف عقل مند ہی فصاحت قبول کرتے ہیں۔“

بھلا جو شخص عبادت کے وظائف ادا کرتے ہوئے رات کی گھڑیاں ادا کرتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ قنوت سے مراد قرآن کریم کی تلاوت اور (عبادت کی غرض سے) طویل قیام کرنا ہے۔

ابن کثیر باغ اور حزرہ نے منن کی سیم کو تحفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ نقدیر کلام اس طرح ہے کیا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے رات گزارتا ہے وہ اس کی مثل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے کئی شریک اور مقابل بنا رکھے ہیں؟ باقیوں نے نیم کو تشدید پڑھا ہے۔ اس صورت میں اَمَّ مقطوع ہوگا اور معنی اس طرح ہوگا اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ كَمَنْ جَعَلَ لَهٗ اَنْدَادًا۔ (کیا طاقت و عبادت میں ہمہ تن مشغول رہنے والا اس کی مثل ہو سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئی شریک بنا رکھے ہیں) یا پھر اَمَّ متصل ہوگا اور کچھ عبارت محذوف ہوگی تقدیر کلام اس طرح ہوگی اَمَّنْ جَعَلَ اللّٰهُ اَنْدَادًا وَّلَمْ يَشْكُرْ نِعْمَتَهُ خَيْرٌ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ۔ کیا وہ آدمی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئی شریک بنا رکھے ہیں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا وہ بہتر ہے یا وہ جو طاقت و عبادت کرتے ہوئے رات کی گھڑیاں بسر کرتا ہے؟

ساجدا و قائما یہ دونوں فائز کی نصیر سے حال ہیں۔ معنی یہ ہوگا درآ خدائیکہ وہ حالت نماز میں کبھی سجدہ کر رہا ہوتا ہے اور کبھی سر اُپا ادب بن کر ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عمل کے اعتبار سے اپنے آپ کو انتہائی حقیر اور کمزور خیال کرتے ہوئے آخرت کے عذاب سے ڈرتا رہتا ہے اور فقط اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔ اپنے اعمال پر اعتقاد اور بھروسہ نہیں کرتا، یعنی وہ خوف ورجاء (امید) دونوں کو جمع کئے ہوتا ہے۔ نہ تو اتنا زیادہ خوف رکھتا ہے کہ بالکل ہی مایوس اور ناامید ہو جائے کیونکہ اس کے بارے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا يَأْتِيَنَّ مِنْ فَوْقِ اللَّهِ الْقُوفُ وَالْخُفُوفُ ①۔ کہ فقط تو م کفار ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور ناامید ہوئی ہے اور نہ ہی رجاء (امید) میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ وہ بالکل ہی پر امن اور مطمئن ہو جائے۔ کیونکہ اس کے بارے ارشاد خداوندی ہے فَلَا يَأْتِيَنَّ مِنْ مَلَكُ اللَّهِ إِلَّا الْقُوفُ وَالْخُفُوفُ ②۔ (اللہ تعالیٰ کی تدبیر (گرفت) سے فقط خسارہ اٹھانے والے لوگ ہی مطمئن اور پر امن ہوتے ہیں)

ترکیب کلام میں دونوں جملے (يعذر الاخيرة اور يوجو رحمة ربه) حال کے محل میں واقع ہیں یا پھر علت بیان کرنے کے لئے محل ایضاً میں ہیں۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ضحاک کی روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی۔

ابن ابی سعید نے کلبی سے ابوصالح کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی (1)۔

جوہر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابن مسعود عمار بن یاسر اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہوئی (2)۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ضحاک نے کہا ہے یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے نازل ہوئی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی (3)۔ اسی طرح ابن ابی حاتم نے بھی آپ سے نقل کیا ہے۔

کلبی نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابن مسعود عمار اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم کے بارے نازل ہوئی (4)۔ مذکورہ تمام اقوال میں وجہ اجتماع و تطبیق یہ ہے کہ یہ آیت ان تمام افراد کے بارے میں نازل ہوئی۔

آپ پوچھنے کی راہ پر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات جلال و جمال سے متصف ہے پھر اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اس کی طاعت و عبادت کے اعمال کرتے ہیں اور معاصی و گناہوں سے بچتے ہیں اور وہ لوگ جو یہ نہیں جانتے (ایسے نظریات اور اعمال سے وہ ناواقف اور جاہل ہیں) اس آیت طیبہ میں استفہام انکاری ہے، یعنی بالیقین یہ لوگ آپس میں مساوی اور برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ جملہ پہلے جملے کی علت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مضمون کی تائید بھی کرتا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ جملہ پہلے جملے کی تائید کرتا ہے مگر تشبیہ کے طریقے پر۔ یعنی جس طرح عالم اور جاہل آپس میں برابر

اور ہم رتبہ نہیں ہو سکتے اسی طرح اطاعت شعار اور گنہگار مطہر و فرمانبردار اور معصیت اور گناہ کا ارتکاب کرنے والا بھی آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔ (گویا پہلے جملے کی اس جملے میں تشبیہ بیان کی گئی ہے)

بعض نے یہ کہا ہے کہ پہلے جملے میں دونوں فریقوں کے مابین قوتِ عملیہ کے اعتبار سے مساوات کی نفی کی گئی ہے اور اس کے بعد اس جملے میں دونوں کے درمیان قوتِ عالیہ کے اعتبار سے مساوات کی نفی کر دی گئی ہے تاکہ دونوں کے مابین کامل فرق ظاہر ہو جائے اور ایک فریق کی دوسرے پر فضیلت اور فوقیت بالکل واضح ہو جائے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے کہا گیا ہے اور اَلَّذِينَ لَا يَخْشَوْنَ اَوْحَادًا يَفْعَلُونَ کے لئے۔ انعام یہ تذکرہ سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے بیانات اور امثلہ سے صرف عقلمندی نصیحت قبول کرتے ہیں۔

قُلْ لِّیْعَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اَتَقُوْا رَبَّكُمْ لِذٰلِکَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَةً
وَاَرْضٌ لِّلّٰہِ وَاَسْعَہُ اِنَّمَا یُوَفِّی الصّٰدِقُوْنَ اَجْرَہُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ①

”آپ فرمائیے اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے۔ (اور یاد رکھو) ان کے لئے جنہوں نے نیک اعمال کئے اس دنیا میں نیک صلہ نہ لے۔ اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ (معصائب و آلام میں) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“

۱۔ اَحْسَنُوا یعنی جو لوگ ایمان لائے اور خوب اچھی طرح عمل کئے یعنی اعمال کو خوب خشوع و خضوع اور عاجزی و انکساری کے ساتھ ادا کیا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا الاحسان ان تعبد ربک کما انک تہوا فان لم تکن تہوا فانه یواک۔ احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تجھے یہ کیفیت حاصل نہ ہو (یعنی اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا) تو پھر یہ یقیناً جانے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے (پس یہی کسی طاعت و عبادت کی خوبی اور حسن ہے) اَحْسَنُوا فِیْ هٰذِہِ الدُّنْیَا، اَحْسَنُوا کے متعلق ہے (یعنی جنہوں نے اس دنیا میں نیک عمل کئے ان کے لئے آخرت میں اچھا صلہ ہے۔ اور وہ جنت ہے۔ (حسنہ سے مراد یہی ہے) ترکیب کلام میں حسنہ مبتدا ہے اور اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا خبر ہے۔ اور یہ جملہ قول باری تعالیٰ اَتَقُوْا رَبَّکُمْ کی علت بیان کر رہا ہے۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ فی الدُّنْیَا ظرف مستقر حصہ سے حال ہے اور پھر وہ ظرف مستقر کا فاعل ہے اور اس سے میری مراد قول باری تعالیٰ اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا ہے۔

سہمی نے کہا ہے کہ فی ہٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَةً سے مراد صحت اور عافیت ہے (۱) لیکن یہ قول صحیح اور قوی نہیں ہے کیونکہ صحت و عافیت تو جس طرح مومن کو عطا ہوتی ہے اسی طرح کافر کو بھی ملتی ہے بلکہ کبھی معاملہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ (یعنی کافر صحت و عافیت کے ساتھ ہوتا ہے اور مومن اس نعمت سے محروم ہوتا ہے)

۲۔ اور اللہ تعالیٰ کی زمین بڑی وسیع ہے لہذا کفار کی مزاحمت کے پیش نظر طاعت و عبادت میں کوتاہی اور غفلت کرنے والوں کے لئے کوئی عذر نہیں۔ اس آیت میں اشارہ ایسے شہر سے ہجرت کر جانے کا مطالبہ ہے جس میں خیر اور نیکی کے اعمال کرنے میں دشواری اور تکلیف کا

سامنا ہو۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا مکہ مکرمہ سے کوچ کر جاؤ، یعنی ہجرت کر جاؤ (۱)۔
مجاہد نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے میری زمین وسیع ہے پس تم ہجرت کر جاؤ اور (مکہ مکرمہ سے) جدائی اور علیحدگی اختیار کر لو (۲)۔

حضرت سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ جس آدمی کو گناہ کرنے اور معصیت کا ارتکاب کرنے کا حکم دیا جائے اسے چاہئے کہ وہاں سے بھاگ جائے چلا جائے (۳)۔ ترکیب کلام میں یہ جملہ یا تو قول باری تعالیٰ لَقَدْ يَنْبَغُ أَنْ تُهَاجِرُوا فِي ظِلِّهِ الْإِسْلَامُ حَسَنَةً پر معطوف ہے یا پھر اَشْفَا تَرْتَلِمُ پر کیونکہ یہ بھی ہاجروا ہے۔ (یعنی اپنے رب سے ڈرو اور ہجرت کر جاؤ)
اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے (مصائب و آلام میں) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حکم کی جانب سے ازجہوں اور تکلیفوں کے باوجود اپنے دین پر ڈٹے رہے اور اسے کبھی نہ چھوڑا۔ یا وہ لوگ ہیں جنہوں نے (دین کی خاطر) وطن اور عزیز و اقارب کی جدائی اور مفارقت پر صبر اختیار کیا۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور اپنے دین کو نہیں چھوڑا تھا۔ جب ان پر (مکہ مکرمہ میں) مصائب و آلام بڑھ گئے، تکالیف شدید ہو گئیں تو یہ انتہائی صبر اور حوصلے کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہے اور مکہ مکرمہ کو خیر باد کہہ کر حبشہ کی طرف ہجرت فرما ہو گئے۔ چونکہ آیت کریمہ میں لفظ عام ہے اس لئے یہ انہیں بھی شامل ہے اور ہر اس آدمی کو بھی جو مصائب و آلام برداشت کرنے کی طاعت و عبادت کی مشقت اٹھانے اور نفس کو معصیت و گناہ سے روکنے پر صبر کرتا ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر طاعت شعار اور نیک عمل کرنے والے کو ناپ تول کر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا سوائے صبر کرنے والوں کے، کیونکہ ان پر تو (بغیر ناپ تول کے) لپ بھر بھر کر ثواب پھینکا جائے گا (۴)۔
اصحابی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ترازو نصب کئے جائیں گے اور نماز پڑھنے والوں کو بلایا جائے گا انہیں بھی وزن کر کے پورا پورا اجر دیا جائیگا پھر حج کی سعادت حاصل کرنے والوں کو لایا جائے گا انہیں بھی ترازو پر وزن کر کے اجر دیا جائے گا اور پھر مصائب و آلام اور دین کی خاطر دکھ، درد اور طرح طرح کی آزمائشوں پر صبر اختیار کرنے والوں کو بلایا جائیگا تو ان کے لئے کوئی میزان نہیں لگایا جائے گا اور نہ ہی ان کے اعمال کے اجر کھولے جائیں گے بلکہ ان پر تو بغیر حساب و شمار کے اجر و ثواب کی برسات کر دی جائے گی یہاں تک کہ دنیا میں محنت و عافیت کے ساتھ رہنے والے وہاں مقام حساب میں یہ تمنا اور رزق کرنے لگیں گے کاش دنیا میں ان کے جسموں کو بھی قینچیوں کے ساتھ کاٹا جاتا۔ ان میں یہ طلب اور خواہش اس اجر و ثواب کو دیکھ کر پیدا ہوگی جو تکالیف اور طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرنے والوں کو عطا ہوگا (۵)۔
اَشْفَا تَرْتَلِمُ اَجْرُهُمْ پختہ چسپاب میں اسی چیز کا بیان ہے۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

طبرانی اور ابویعلیٰ نے ناقابل اعتراض سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن شہید کو لایا جائے گا اور حساب کیلئے اسے کھڑا کیا جائے گا پھر صمدتہ و ذکوۃ دینے والے کو لایا جائے گا اور اسے حساب کیلئے کھڑا کیا جائے گا (یعنی ان لوگوں کو

1- تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 77 (المنکر)
2- الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 605 (المنیہ)
3- تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 7 (المنکر)
4- تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 8 (المنکر)
5- تفسیر قرطبی، جلد 15، صفحہ 241

اگر وہ اب عطا فرمانے کیلئے ترازو لگائے جائیں گے اور ان کے اعمال کا پورا پورا اجر دیا جائیگا) اور پھر مصائب و آلام پر صبر اختیار کرنے والوں کو لایا جائے گا اور ان کے لئے میزان نصب نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے اعمال کے رجسٹر کھولے جائیں گے بلکہ ان پر تو اجر کی بارش کر دی جائے گی حتیٰ کہ عافیت و صحت کے ساتھ رہنے والے بھی وہاں مقام حساب میں یہ تمنا اور آرزو کرنے لگیں گے کاش ان کے جسم بھی قیچیوں کے ساتھ کاٹے جاتے۔ ان میں یہ خواہش مصائب برداشت کرنے والوں کے اجر و ثواب کو دیکھ کر پیدا ہوگئی (۱)۔

ترمذی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کے دن (دین کی خاطر) مصائب برداشت کرنے والوں اور اذیتوں پر صبر اختیار کرنے والوں کو اجر و ثواب سے نوازا جائیگا تو دنیا میں عافیت کے ساتھ رہنے والے بھی یہ خواہش کرنے لگیں گے کہ اگر ان کے جسموں کو بھی قیچیوں کے ساتھ کاٹا جاتا (۲) (تو آج انہیں بھی ان صبر کرنے والوں کا سا اجر و ثواب ملے)

میں کہتا ہوں شاید اہل البلاء سے مراد اہل عشق ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شہید کو اہل بلاء میں سے شمار نہیں کیا گیا حالانکہ دنیا کی مصیبتوں اور آزمائشوں میں سے شدید ترین آزمائش قتل ہے اور شہید نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے پر صبر اختیار کیا ہے۔ (اور اس تکلیف کو برداشت کیا ہے۔)

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۚ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ

أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ۚ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ مَرْيَةَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

”فرمائیے! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کیلئے اطاعت کو۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ آپ فرمائیے! میں ڈرتا ہوں اگر میں حکم عدویٰ کروں اپنے رب کی اس بڑے دن کے عذاب سے۔“

۱۔ نافع نے اُنی میں یا کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے سکون کے ساتھ۔

مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ کا معنی ہے کہ میں فقط اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کروں (کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہو)

۲۔ مجھے اخلاص کا حکم دیا گیا ہے تاکہ میں دنیا میں اور آخرت میں تمام سے آگے بڑھ جاؤں کیونکہ سبقت کا انحصار اخلاص پر ہی ہے یا پھر اس لئے اخلاص کا حکم دیا گیا تاکہ میں قریش اور ان حبیبا دین رکھنے والوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں۔

دونوں آیتوں کے درمیان حرف عطف مغازت کے لئے ہے چونکہ دوسرا امرت علت کے ساتھ مقید ہے اس لئے دو پہلے کا مغائر ہے۔ کیونکہ پہلا امر تو ایسی عبادت کا ہے جو اخلاص کے ساتھ مقترن ہو (یعنی پہلی آیت میں اخلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم ہے) چونکہ عبادت کا حکم دیا گیا ہے اس لئے وہ ذاتی طور پر اس کا تقاضا کرتی ہے کہ اس میں اخلاص پایا جائے اور عبادت اس لئے بھی اخلاص کا تقاضا کرتی ہے تاکہ سبقت دینی حاصل ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ لان اکون میں لام زائد ہو جیسا کہ اردت لان الفعل میں نے ایسا کرنے کا ارادہ کیا میں ہے تو اس صورت میں امر سب سے اول خود اسلام قبول کرنے کیلئے ہوگا تاکہ اسلام کی دعوت دینے کے امر کے بعد اس دعوت کا آغاز اپنی ذات سے ہو کیونکہ آپ ﷺ کو لوگوں کو دعوت اسلام دینے کے لئے بھیجا گیا ہے اس لئے یہ تقاضا

کرتا ہے کہ آپ ﷺ سب سے پہلے مسلم ہوں کیونکہ کسی غیر کو دعوت دینا اپنی ذات کو اس دعوت کے ساتھ متصف کرنے کی فرج ہے۔ اس اسلوب بیان میں دوسروں کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہے، یعنی میں تمہیں ایسی چیز کی طرف ہی دعوت دے رہا ہوں جو تمہارے لئے انتہائی نفع بخش اور بہتر ہے۔ کیونکہ اگر وہ مفید اور بہتر نہ ہوتی تو میں ذاتی طور پر اسے کبھی اختیار نہ کرتا حالانکہ سب سے پہلے میں نے اپنے لئے اسے اختیار کیا ہے۔

اس نافع ابو بکر وادراہن کثیر نے انی کو کیا کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے سکون کے ساتھ۔

آپ فرمادیتے کہ اگر اخلاص ترک کر کے اور جس شرک و بے اعمال میں تم مبتلا ہو ان کی طرف مائل ہو کر میں اپنے رب کی حکم عدولی اور نافرمانی کروں تو میں اس بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس آیت میں بھی سابقہ آیت کی طرح غنا ہوں (کے انجام) سے ڈراتا اور اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ کو اپنے آباء و اجداد کا دین اپنانے کی دعوت دی گئی (۱)۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِيْنِيْ ۚ فَاَعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ قُلْ اِنَّ الْخُسْرٰنَ
الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاهْلِيْهٖمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرٰنُ الْمُبِيْنُ ۝

”فرمائیے اللہ کی ہی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے دین کو۔ پس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا (نیز) فرمادیتے اصل نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو گمناے میں ڈالیں گے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن میں سنو! یہی کھلا گناہ ہے۔“

پہلے یہ خبر دینے کا حکم ارشاد فرمایا کہ آپ کو عبادت کرنے اور اس میں اخلاص پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس آیت میں یہ خبر دینے کا حکم دیا گیا ہے کہ میری عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ ایک تو یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ اس کی مخالفت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوفزدہ رہیں اور ساتھ ہی کفار کی تمام آرزوں اور امیدوں کو منقطع کرنے کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے۔ (کیونکہ وہ یہ امید رکھتے تھے کہ شاید رسول اللہ ﷺ ان کی رائے اور تجویز قبول فرما کر اپنے آباء و اجداد کے دین پر چل پڑیں لیکن یہ حکم فرما کر انہیں مطلع کر دیا گیا کہ ایسا ممکن ہی نہیں بلکہ میری عبادت خالص اللہ کے لئے ہے۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا فَاَعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ انہیں خوفزدہ کرنے اور رسوا کرنے کے لئے انہیں فرمایا تم اللہ کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو۔ ترکیب کلام میں یہ جواب شرط ہے اور اس کی شرط محذوف ہے۔ تقدیر عبادت اس طرح ہے اِنْ لَّمْ تَوْفَّقُوْنِيْ فِی الْعِبَادَةِ خَالِصًا فَاَعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ۔ اگر تم عبادت کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرنے میں میری موافقت نہیں کرتے تو پھر تم جس کی چاہو عبادت کرتے رہو۔ پس اس کے سبب جو عذاب تم پر آئے گا اور جو خسار تم اٹھاؤ گے عقرب تمہیں اس کا طم ہو جائے گا، تم اس کا مشاہدہ کر لو گے۔

آپ فرمادیتے اصل نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور گھر والوں کو گمراہی کے سبب خسارے میں ڈالیں گے، (اہلہم سے مراد ان کے تبعین یعنی بیویاں اولاد اور خدمتگار غلام ہیں) جبکہ قیامت کے دن انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

ترکیب کلام میں یوم القیامۃ خسروا کی طرف ہے۔ یہ خسر التاجور سے ماخوذ ہے۔ یہ تب کہا جاتا ہے جب کوئی تاجر اپنی تجارت میں دھوکہ کھا جائے اور نقصان اٹھائے تو چونکہ ان لوگوں نے بھی خود گمراہ ہونے اور اپنے گمراہ والوں کو گمراہ کرنے کے سبب جنت میں اپنے حصوں کو جہنم میں موجود اپنے حصوں کے ساتھ بدل ڈالا ہے (یعنی انہوں نے جنت میں اپنے حصے اہل ایمان کے حوالے کر دیئے اور ان کے بدلے اہل ایمان کیلئے جہنم میں مقرر شدہ حصے ان سے لے لئے اس لئے ان کے لئے خسارے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے) خسر فعل اصل لازم ہے لیکن یہاں متعدی استعمال ہوا ہے۔ (کیونکہ اَلْفَتْحُ مَوْجُودٌ فَاَنْتُمْ اَنْتُمْ کا مفعول ہے) علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خسروان الاہل کے بارے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے جنت میں ایک گھر اور اس کے لئے اہل بنار کئے ہیں۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے اعمال کئے تو وہ اس گھر اور اپنے اہل کو پالے گا اور جس نے گناہ اور معصیت کا ارتکاب کیا تو اس کا گھر اور اہل اس کی بجائے دوسرے اطاعت و شعار اور فرمانبرداری کے حوالے کر دیئے جائیں گے (۱)۔

میں کہتا ہوں کہ اس تفسیر کی بناء پر خسروان کا معنی ہے فوت اہل۔ یعنی اس نے اپنے اہل کو ضائع کر دیا یا گم کر دیا۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ خسروان الاہل کا مفعول یہ ہے کہ اگر اس کے گھر والے اہل جہنم میں سے ہیں تو وہ اس کے گمراہ کرنے کے سبب دوزخ میں پھنپے ہیں اور گمراہ اہل جنت میں سے ہیں تو یہ خود گمراہ ہو کر جہنم میں جا پھنپا۔ جس سے واپسی ممکن نہیں۔ لہذا اس طرح یہ ان سے دور ہو گیا۔

اس سنو ا قیامت کے دن کہ خسارہ ہی انتہا واضح اور کھلا خسارہ ہے کہ خسارے کی تمام اقسام میں سے کوئی بھی اس جہمی نہیں۔ کیونکہ دنیا کا خسارہ آسان ہے اور تبدیل ہو سکتا ہے (جبکہ قیامت کے خسارے میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں) اس آیت میں کئی مبالغات کے ذریعے ان کے خسارے کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ جملہ مستاتھ ہے اور اس کی ابتداء لفظ الا سے کی گئی ہے پھر درمیان میں ضمیر فصل ہو کر ذکر کی گئی ہے اور لفظ خسروان کو ضمیر ذکر کیا گیا اور پھر اس کی صفت المؤمن ذکر کی گئی ہے اور پھر مابعد آیت میں خسروان کی وضاحت فرمائی۔

لَهُمْ مِنْ قَوْعِهِمْ ظُلْمٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلْمٌ ۚ ذَٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِ عِبَادَهُ ۚ لِيُعَذِّبَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا آلَ اللَّهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُسْمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْوَالِدُونَ ۝۱۱

”ان (بد بختوں) کے لئے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے۔ اس (عذاب الیم) سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اُن سے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو! اور جو لوگ بچتے ہیں شیطان سے کہ اس کی عبادت کریں اور (دل سے) جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے لئے عذاب ہے۔ پس آپ حذر منادیں میرے ان بندوں کو! جو غور سے سنتے ہیں بات کو پھر بیزاری کرتے ہیں اچھی بات کی۔ یہی وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے۔ اور یہی لوگ دانشور ہیں۔“

ان بد بختوں کے لئے اوپر سے بھی آگ اور دھوئیں کے چھا جانے والے پردے اور نیچے سے بھی انتہائی گہرائی

تک آگ کے فرش اور بستر ہوں گے۔ بیچے والے فرش کو بھی ظلل (سائبان) کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھی اپنے نیچے والوں کے لئے سائبان ہی ہوں گے۔ یہی وہ عذاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس میں واقع کرنے سے بچائیں (یعنی ایسے کاموں سے اجتناب کریں جن کے سبب وہ اس عذاب الیم میں مبتلا ہو سکتے ہیں) اسے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو اور اپنے کام نہ کرو جو میری ناراضگی اور عذاب کا موجب ہوتے ہیں۔

۳۔ اور جو لوگ شیطان سے بچتے ہیں (طاغوت کا معنی ہے سرکشی میں حد سے تجاوز کرنے والا۔ انتہائی زیادہ سرکشی۔ یہ فعلوت کے وزن پر ہے، مصدر میں ہانڈ کے اظہار کے لئے لام کلے کو عین پر مقدم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دعوت ہے۔ پھر صفت میں اظہار ہانڈ کے لئے اسی کے ساتھ وصف بیان کر دیا گیا۔) تو چونکہ سرکشی میں حد سے تجاوز کرنے والا شیطان ہے اس لئے طاغوت کا لفظ شیطان کے لئے مجھس ہو گیا۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے طاغوت سے مراد بت لئے ہیں۔ کیونکہ قول باری تعالیٰ ان بعددوہا میں حاضر مومن کا مرجع لفظ طاغوت ہے اور یہ ضمیر طاغوت سے بدل اشتغال ہے اور یہی اس کی دلیل ہے کہ طاغوت سے مراد بت ہیں۔

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے کو چھوڑ کر دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں ان کے لئے اجر و ثواب کی بشارت ہے۔ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کی زبان سے اور موت آنے کے وقت ملائکہ کی زبان سے ان کے لئے خوشخبری اور مرثیہ ہے۔ یعنی وہ لوگ اس کے مستحق ہیں کہ انہیں بشارت دی جائے انہیں مرثیہ سنایا جائے۔ اسی وجہ سے اس کے بعد فرمایا فبشرو عبادا۔ اے محمد ﷺ! آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنادیں۔

ابو شیبہ نے حالت وصل میں عباد کو یا مفتوحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حالت وقت میں یا ہماکن کے ساتھ اور ابو احمد و غیرہ نے یزیدی کی روایت سے حالت وصل میں یا مفتوحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حالت وقت میں یا ہماکھف کر دیا ہے۔ ابو عمرو کے قول کا قیاس بھی یہی ہے کہ وہ حالت وقت میں صرف علامت کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بقیہ قراء نے حالت وصل اور حالت وقت دونوں میں یا ہماکھف کر دیا ہے۔

جویر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب آیت طیبہ لہا سبعة ابواب الایۃ نازل ہوئی تو انصار میں سے ایک آدمی حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے سات غلام ہیں میں نے (سات دروازوں میں سے) ہر ایک سے (داخل ہونے کے لئے) اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا (تو اس وقت آیت کریمہ فبشرو عبادی نازل ہوئی۔

سے یَسْبِقُونَهُ الْقَوْلُ سے مراد یہ ہے کہ وہ قرآن کریم اور دوسرا کلام سنتے ہیں۔ پھر اتباع اور بیرونی قرآن کریم کی کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی سنتے ہیں اور کفار کا کلام بھی۔ لیکن بیرونی رسول اللہ ﷺ کے کلام کی کرتے ہیں (پہلے معنی کے مطابق احسن سے مراد قرآن کریم اور دوسرے کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے۔ اور قول سے مراد مطلق کلام ہو گا چاہے وہ کوئی ہو اور کسی کا ہو۔)

سیاق کلام کا اقتضا تو یہ ہے کہ یہاں فبشرو ہم مذکور ہوتا۔ لیکن ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھتے ہوئے فرمایا فبشرو جہاد اذ ان یَسْبِقُونَهُ الخ تو یہ اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ ان کے شیطانوں سے بچنے کا مبداء اور بنیاد یہ ہے کہ وہ مختلف اقوال کا تنقیدی تجزیہ کر سکتے ہیں پاکیزہ اور خبیث کلام کے مابین تمیز کر سکتے ہیں۔ اچھے اور برے کے درمیان فرق کر سکتے ہیں اور پھر حسن اور احسن کے مابین

بھی امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

حضرت عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایمان لے آئے تو حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم ان کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کے ایمان لانے کے بارے میں دریافت کیا۔ پس آپ نے انہیں اپنے ایمان لانے کی خبر دی تو وہ بھی ایمان لے آئے۔ چنانچہ ان تمام کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ مذکورہ تفسیر کے مطابق احسن (اسم تفضیل) بمعنی حسن (صفت مشبہ) ہے کیونکہ کفار کے کلام میں کوئی حسن اور خوبی موجود نہیں (کہا اس کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کو احسن کہا جائے۔)

ابن زید نے کہا ہے کہ یہ دونوں آیتیں ان تین افراد کے بارے میں نازل ہوئیں جو زمانہ جاہلیت میں لا الہ الا اللہ کہا کرتے تھے اور وہ ہیں زید بن عمرو بن نفیل یا سعید بن زید ابوزرقاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اس صورت میں احسن سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے (۱)۔ سدی نے کہا ہے کہ جن احکام کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ان میں سے حسین ترکی وہ پیروی کرتے ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ظالم سے بدلہ لینے اور اسے معاف کر دینے کا ذکر کیا ہے لیکن ان دونوں امروں میں سے معاف کر دینا احسن امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عزائم اور رخصتوں کا ذکر بھی کیا ہے مگر ان میں سے عزائم احسن ہیں (۲)۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ دانشور ہیں۔ یعنی ان کی عقلیں توہمات اور رسوم و رواج کی معارضت سے محفوظ اور پاک ہیں۔ اس آیت میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور نفس کے اسے قبول کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت کو پیدا کرتا ہے اور نفس انسانی اسے قبول کرتا ہے۔)

اَفَنُحْشِ عَلَيْهِ الْعَذَابَ اَفَاَنْتَ تُنْفِذُ مَن فِي النَّارِ لٰكِن الَّذِيْنَ
اَتَّقُوا رَبَّهُمْ لَّهُمْ عَرْفٌ مِّنْ فَوْقِهَا عَرْفٌ مُّبِيْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ
وَعَدَ اللّٰهُ لَا يَخْلِفُ اللّٰهُ الْوَعْدَ ۝

”بھلا جس پر واجب ہو گیا عذاب کا حکم۔ تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں۔ رواں ہیں جن کے نیچے سے نہریں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتا۔“

بھلا اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں جس پر عذاب کا حکم واجب ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کہا ہے۔ یعنی میں نے انہیں آگ کے لئے پیدا کیا ہے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اے محمد ﷺ! تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے۔ یعنی آپ اس کی قدرت نہیں رکھتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد ابولہب اور اس کا بیٹا ہے (۳)۔ ترکیب کلام میں جملہ شرطیہ محذوف جملہ پر معطوف ہے جس پر کلام دلالت کر رہا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے اَنْتَ مَالِكٌ اَمْرُهُمْ فَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ عَذَابُ الْعَذَابِ فَانْتَ تُنْفِذُ مِنَ النَّارِ۔ کیا آپ اس کے معاملے کے مالک ہیں جس پر عذاب کا حکم واجب ہو چکا ہے اور آپ

اسے آگ سے بچانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ (یعنی ایسا قطعاً نہیں ہو سکتا) اس انکار کی تاکید اور بعید از امکان کو ظاہر کرنے کے لئے جزاء میں ہمزہ استفہامیہ کو مکرر ذکر کیا گیا ہے اور اسی لئے ضمیر کی جگہ پر من فی النار اسم ظاہر رکھا گیا ہے اور ساتھ ہی اس پر دلالت کرنے کیلئے کہ جس کے لئے عذاب کا حکم ہو چکا ہے ایسے ہی ہے گویا اس میں واقع ہو چکا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وعدہ خلافی منع ہے۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا انہیں ایمان کی طرف دعوت دینے میں انتہائی جدوجہد اور کوشش کرنا انہیں آگ سے بچانے کی ہی سعی اور کوشش تھی۔

اور یہ کہنا بھی جائز ہے کہ امانت تنقذ جملہ مستافہ ہو اور اسی معنی پر دلالت کرنے کے لئے ہو اور جزاء محذوف ہو۔ تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ اَقْمَنَ حَقٌّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ فَهَدِيَهُ اَقْلَنتَ تَنْقِذَ مَنْ فِي النَّارِ۔ کیا جس پر عذاب کا حکم واجب ہو چکا ہے آپ اسے بدایت دے سکتے ہیں۔ کیا آپ اسے چھڑا سکتے ہیں جو آگ میں ہے۔ (یعنی یہ ممکن نہیں) کیونکہ جس پر عذاب کا حکم واجب ہو چکا ہے گویا کہ وہ ابھی سے آگ میں ہے۔ پھر اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید رسول اللہ ﷺ کسی کو شش مطلقاً غیر مفید اور بے سود ہے تو اس وہم کا ازالہ کرنے کے لئے مابعد کلام ارشاد فرمایا۔

لیکن وہ لوگ جن کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں رحمت کا حکم واجب ہو چکا ہے تو وہی اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ آیت طیبہ میں اس مقام پر صیغہ ماضی یہ معنی ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کے لئے تقاضی بننے کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ ایسے ہی ہیں گویا کہ تقویٰ کی صفت سے متصف ہو چکے ہیں۔ ان کے لئے جنت میں انتہائی عالیشان اور بلند بالا بالا خانے ہیں اور پھر ان کے اوپر ان سے بھی بلند تر بالا خانے ہیں اور ان تمام اوپر والے اور نیچے والے بالا خانوں کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ان بالا خانوں کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ یہاں وعدہ مصدر ہے جو تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ لہم غفر وعدہ کے معنی میں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتا کیونکہ وعدہ خلافی نقص اور عیب ہے (اور اللہ تعالیٰ نقص و عیب سے پاک اور منزہ ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت محال ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت اوپر کے بالا خانوں میں رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم دور مشرق و مغرب کے اقیانوس پر باقی رہ جانے والے چمکتے ستارے کو دیکھتے ہو اور ایسا ان کے درمیان مراتب و درجات کے باہمی تفاضل اور فرق کی بناء پر ہوگا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اوہ تو انبیاء علیہم السلام کے محلات ہوں گے کوئی اور ان تک نہیں پہنچ سکے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے وہ محلات ایسے لوگوں کے لئے بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لائے اور انبیاء و رسل کی تصدیق کی (۱)۔

اس بارے میں جو احادیث موجود ہیں ہم نے وہ سورہ فرقان میں اَوْ تَقُولُ لَمْ يَخْزَ فِى الْغُرَّةِ يٰ اَيُّهَا سَيِّدُ الْاَنْبِيَاءِ کی تفسیر میں ذکر کر دی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يٰ اَيُّهَا سَيِّدُ الْاَنْبِيَاءِ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يَخْرِجُ مِنْهُ
زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُ ثُمَّ يَمِيزُ فِتْنَتُهُ مُصَفًّاءً ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا اِنَّ فِى

ذٰلِكَ لَنْ كُوْنِيْ لَآوِلِي الْاَلْبَابِ ①

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے آسمان سے پانی پھر جاری کیا اسے زمین کے چشموں سے پھر اگاتا ہے اس کے ذریعہ فصلیں جن کے رنگ جدا جدا ہیں پھر وہ خشک ہونے لگتی ہے پس تو دیکھتا ہے اسے زردی مائل پھر وہ اس کو چورا چور کر دیتا ہے۔ یقیناً اس (کرشمہ و قدرت) میں نصیحت ہے اہل عقل کے لئے۔“

۱۔ مَلَاو سے مراد بارش ہے۔ ہبلے میں استفہام انکاری ہے (چونکہ تم شہر) تم نہیں دیکھتے (فعل نفی ہے) اور نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے (تم دیکھتے ہو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش نازل کی ہے) ترکیب کلام میں ان اپنے جملہ کے ساتھ مل کر لم تو کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ فَسَلَكْنَا بَيْنَ الْاَنْهَارِ کا معنی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین کے چشموں میں داخل کیا۔ اس میں ظرف سلكہ کے متعلق ہے جیسا کہ اس ارشاد میں ہے كُنْ يٰكَ سَلَكْنَا بَيْنَ الْاَنْهَارِ ② اور بنایع ضمیر منصوب سے حال ہے۔ شععی نے کہا ہے کہ زمین میں جو پانی ہے وہ آسمان سے ہی آتا ہے (۱)۔ یہ بھی جائز ہے کہ بنایع سلكہ کا مفعول ثانی ہو کیونکہ اس میں یہ وسعت ہے جیسا کہ اس جملے میں ہے ادخله بِنَا فِي الدَّاءِ۔ ینبوع کا اطلاق چشمہ اور چشمہ سے نکلنے والے پانی پر ہوتا ہے۔ پہلی ترکیب کے مطابق اس کا معنی چشمے سے نکلنے والا پانی ہے اور دوسری ترکیب کے مطابق اس کا معنی چشمہ ہے۔ پھر اس پانی کے سبب فصلیں اگتا ہے جن کے رنگ جدا جدا ہیں۔ مختلفا اللونہ سے مراد یا تو فصلوں کی مختلف اقسام ہیں مثلاً گندم جو وغیرہ۔ یا اس سے مراد رنگوں کی مختلف کیفیات ہیں جیسے بڑی اور سرخی وغیرہ۔

پھر وہ خشک ہونے لگتی ہے۔ پس تو اسے سرسبز و شاداب ہونے کے بعد خشکی کے وقت زردی مائل دیکھتا ہے۔ پھر وہ اسے چورا چور کر دیتا ہے۔ یعنی وہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

۲۔ یقیناً اس کرشمہ و قدرت میں اہل عقل کے لئے نصیحت ہے (ذکر کی معنی تذکیر ہے، اس کا معنی ہے یاد دہانی۔ یعنی یقیناً ان ایجادات اور تغیرات میں اس صانع قدیم کے وجود کی یاد دہانی ہے جو قادر بھی ہے اور ایسا حکیم بھی جس کی تدبیر شے میں کار فرما ہے۔ گویا اس آیت میں اس پر تشبیہ کیا کہ حیات دنیوی کی زمین سے اگنے والی فصل کی مثل ہے (اسی کی مثل اس میں تغیرات اور تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں) لہذا اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے (اور نہ اس پر فریفت ہونا چاہئے) لیکن اہل عقل کے سوا کوئی اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتا اور جو نصیحت نہیں پکڑتا اس کا شمار اہل عقل و دانش میں نہیں بلکہ وہ تو چوپایوں کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَكَ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُوْبٍ مِّنْ رَّبِّهِ ط قَوْلٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

فَلَوْ هُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ط اَوْ لَيْكَ فِي صَلَاتِ مُّہِیْنِ ③

”بھلا وہ (سعادت مند) کشاروہ فرمایا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیے ہوئے نور پر ہے۔ پس بلا کثرت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔“

۱۔ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ایک نور ڈال دیتا ہے جس کی روشنی اور چمک سے وہ حق کو حق اور

باطل کو باطل پہچان لیتا ہے۔ اور جو دین حضور نبی کریم ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کر آئے یا شک و شبہ کا مل پر اس کے بارے میں یقین آ جاتا ہے۔ کیونکہ سید دل اور روح کا مکمل ہے اور دل ہی اسلام کو قبول کرتا ہے تو جب اس کا دل احکام اسلام کو قبول کر لیتا ہے تو وہ اس طرف کی طرح ہو گیا جو اپنے منظر و ف کے لئے کھل جائے اور وسیع ہو جائے حتیٰ کہ منظر و ف مکمل طور پر اس میں سما جائے۔ پس جس آدمی کا سیدنا اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے کشادہ فرماوے تو وہ شخص اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے۔ نور سے مراد بصیرت اور دل کی چٹائی ہے۔

الفمن میں دھڑہ استفہام انکاری کے لئے ہے اور فاء سا بقہ اس ارشاد کے مفہوم پر عطف کے لئے ہے اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كِتَابُ الْفَعْلِ اَبْ اَفَا كُنْتُمْ تُشْكِكُوْنَ فِي الْاَمْرِ اَلَيْسَ الَّذِي اَنْشَقَّ اَمْرُهُمْ۔ کیونکہ اس سے کافر اور مومن کا فرق سمجھا جا رہا ہے۔ ترکیب کلام میں من موصول مبتدا ہے اور اس کی خبر مضاف ہے جس پر مابعد کلام دلالت کرتا ہے اور انکار مضمون فاء کی طرف راجع ہے۔ گویا کہ اس طرح فرمایا کہ جب مومن اور کافر کے درمیان فرق ثابت ہو چکا تو پھر وہ آدمی جس کا سیدنا اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کشادہ فرمادیا اور پھر اپنی جناب سے ایسی بصیرت اور نور عطا فرمایا جس کے سبب وہ ایمان کی سعادت سے بہرہ ور ہوا اور ہدایت سے مزین و آراستہ ہو گیا تو وہ اس آدمی کی طرح نہیں ہو سکتا جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی اور اس کا دل سخت ہو گیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كِتَابُ الْفَعْلِ اَبْ اَفَا كُنْتُمْ تُشْكِكُوْنَ فِي الْاَمْرِ اَلَيْسَ الَّذِي اَنْشَقَّ اَمْرُهُمْ تلاوت فرمائی تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس آدمی کا سیدنا وسیع ہو جاتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جب وہ نور دل میں داخل ہوتا ہے تو اس کا سیدنا وسیع اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ پھر ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اسکی علامت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اَلَا نَاظِرِي اِلَى ذَا الْخُلُوْدِ وَالتَّجَاوِي عَنْ ذَا الْغُرُوْرِ وَالتَّاهِبِ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نَزْوِلِہَا (۱)۔ دارالخلو یعنی یوم آخرت کی طرف بہت متنوج ہونا دارالغور و مقام فریب یعنی دنیا سے دور ہونا اور موت آنے سے قبل اس کے لئے تیاری کرنا۔ اسے علامہ بغوی حاکم اور علامہ بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے۔

ع (پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے) فقویلی میں فاء وسیع ہے اور من ذکر اللہ، المقاسیہ کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے ان کے دل سخت ہوتے ہیں۔ یعنی جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے یا ان پر آیات الہیہ کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کی قساوت اور سختی اور بڑھ جاتی ہے۔ شدید ہو جاتی ہے اور یہ انداز من کی جگہ غن لگانے کی نسبت زیادہ تلخ ہے کیونکہ جس شے کی وجہ سے دلوں میں قساوت اور سختی آ جاتی ہے اسے وہ قطعاً قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے بلکہ قبول کرنے سے انکار انتہائی شدید ہوتا ہے بخلاف ایسی صورت کے کہ (دعوت اور شے کی طرف ہو) اور قساوت و سختی کا سبب اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہو (تو پھر اسے قبول کرنے سے انکار انتہا شدید نہیں ہوتا)

جن لوگوں کا سیدنا اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے کشادہ فرمادیتا ہے ان کے وصف قبول اور سخت دلوں کے وصف انکار میں اظہار مبالغہ کے لئے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کا ذکر فرمایا تو سیدنا وسیع کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی اور جب اس کے بالمقابل قساوت قلبی کا ذکر کیا تو اس کی نسبت دل کی طرف کی (کیونکہ بندہ مومن ذکر الہی سے متاثر ہوتا ہے اور کافر کی قساوت قلبی او ر بڑھ جاتی ہے اور وہ اس کا انکار کرتا ہے) پس یہ آیت معنی کے اعتبار سے اس آیت کی طرح ہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَنْتَظِرُوْنَ فِتْنَةً مِّنْ رَّبِّہُمْ

قَدْ اَتَيْنَهُمْ بِجَسَائِيٍّ رَّجِيمَةٍ وَمَسَاءَ وَهْمٍ يُفْرَوْنَ ۝

بعض نے کہا ہے کہ ذکر اللہ سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی اصل عبارت مِنْ تَوَكُّبٍ ذِكْرُ اللَّهِ ہے۔ یعنی جن کے دل اللہ کا ذکر ترک کرنے کی وجہ سے سخت ہو گئے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

مالک بن دینار نے کہا ہے کہ کسی بندے کے لئے قساوت قلبی سے بڑھ کر سزا مقرر نہیں کی گئی اور کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کا غضب تب ہی آتا ہے جب اس کے افراد سے رحمت اور نرمی کے جذبات چھین لئے جاتے ہیں (۱)۔ (یعنی جب ان میں رافت و رحمت اور باہمی نرمی ختم ہو جاتی ہے تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی گرفت آ جاتی ہے) حاکم وغیرہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ پر قرآن کریم نازل ہوتا رہا اور ایک طویل زمانہ تک آپ لوگوں پر اس کی تلاوت کرتے رہے تو آخر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ہمارے ساتھ (اس کے علاوہ بھی) کچھ گفتگو فرمائیں (تو وہ بہتر ہوگی) امین جریر نے حضرت عون بن عبد اللہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کچھ آتا گئے تو عرض کی اگر آپ ہمارے ساتھ (اس کے علاوہ بھی) کچھ گفتگو فرمائیں۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (۲)۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانٍ تَنْشُرُ مِنْهُ جُودُ الْإِنِّ
يُخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلْبِثُونَ جُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكِ هُدًى مِنَ اللَّهِ
يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝

”اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں لے بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کا پختہ لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے جوڑتے ہیں اپنے پروردگار سے۔ پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔“

لے اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ اور شاد باری تعالیٰ اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ کے لئے تقریر و تائید ہے اور ان کے درمیان تمام آیات بطور جملہ مقررہ کے مذکور ہیں۔ اس آیت کی ابتداء میں اسم جلال لفظ اللہ ذکر کیا گیا ہے اور پھر اس کے بعد نزل مذکور ہے تو یہ انداز بیان ایک تو اللہ تعالیٰ کی طرف قرآن کریم کی نسبت ہونے میں تاکید پیدا کرتا ہے۔ دوسرا نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے اور تیسرا حقیقتاً اس کے حسین اور خوبصورت کلام ہونے کی شہادت دیتا ہے۔

کِتَابًا کا لفظ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ سے بدل ہے یا اس سے حال ہے۔ اور مُتَشَابِهًا، کِتَابًا کی صفت ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات طیبات صحت معنی منافع عامہ پر دلالت کرنے اور مجرمانہ حسن میں باہم ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں (ایسا قطعاً نہیں کہ کوئی آیت دوسری کی تکذیب کرتی ہو)

لے مُثَانً، کِتَابًا کی دوسری صفت ہے، یہ مثلاً کی جمع ہے اور یہ اسم ظرف ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں وعدہ و وعید امر و نہی اور اخبار و احکام کا ذکر بار بار کیا گیا ہے اس لئے ان کی تفصیل کے اعتبار سے کتاب کی صفت مثنائی ذکر کی گئی ہے (یعنی بار بار دہرائی اور پڑھی

جانے والی کتاب) پس یہ ہمارے اس قول کی طرح ہے کہ قرآن سورس ہے اور آیات ہے اور انسان رگیں ہے ہڈیاں ہے گوشت ہے اور اعصاب (پٹھے) ہے۔ (تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ان تمام کا مجموعہ ہے) یا پھر مثانی مُثَنِّبًا سے تفسیر ہے۔ جیسا کہ قول ہے زَائِتٌ وَجَلَّاجٌ جَبِينًا حَسَنًا مَثَانِي۔ (تو اس میں مثانی، حسنا سے تفسیر ہے) یا پھر مثنیٰ اسم فاعل کی جمع ہے کیونکہ قرآن کریم کی آیات اللہ تعالیٰ کی ذلت اور صفات کمال کی شاربیان کرتی ہیں اس لئے اس کی صفت مثنیٰ (ثنائیاں کرنے والیاں) ذکر کی گئی ہیں۔ اور کا پٹنے لگتے ہیں اس کے پڑھنے سے ان کے بدن جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ یعنی جب آیات و وعید پڑھی جاتی ہیں تو اس کے خوف سے یہ کانپ جاتے ہیں۔ ترکیب کلام میں فقہر منکاجملہ کتبایا کی تیسری صفت ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عموم مغفرت کا ذکر آتا ہے تو اس کے سبب ان کے بدن اور دل نرم ہو جاتے ہیں۔ آیت طیبہ میں مطلقاً ذکر اللہ فرمایا تو یہ اس بات پر متبکر کرنے کے لئے ہے کہ اصل امر تو رحمت ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے (اس لئے ذکر اللہ کے ساتھ علیحدہ رحمت کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں)

ثانی فعل الی کے واسطے کے ساتھ ذکر اللہ کی طرف متعدی ہو رہا ہے حالانکہ الی ذکر اللہ کی بجائے لہ ذکر اللہ ہونا چاہئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ذکر اللہ سے اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے تو گویا تین فعل اطمینان اور سکون کے معنی کو متضمن ہے اور ان کا صلا الی آتا ہے۔ (لہذا اسی مناسبت سے یہاں لام کی بجائے الی ذکر کیا گیا)

ذکر اللہ سے قبل قلوب کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شہیت کا بنیادی اثر دل پر ہی پڑتا ہے اور یہ دل کے عوارض میں سے ہی ہے۔ کیونکہ قرآن کی آیات و وعید میں جب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مومنین کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور ان کے بدن کا پٹنے لگ جاتے ہیں۔ فقہر ارکام معنی ہے خوف کے وقت انسان کے بدن کا قنض ہو جانا، سکر جانا اور اس میں تغیر رونما ہونا۔ رعبہ طاری ہونا اور جب قرآن کریم کی ان آیات کی تلاوت کی جاتی ہے جن میں رحمت کا وعدہ ہے تو مومنین کے بدن نرم پڑ جاتے ہیں اور ان کے دلوں کو اطمینان و سکون نصیب ہو جاتا ہے۔

پہلے قرآن کریم کے بارے فرمایا کہ وہ مثانی ہے کیونکہ اس کی آیات وعدہ و وعید کا ذکر بار بار کیا جاتا ہے اور اس مقام پر وہ اثر بیان فرمایا جو اہل ایمان وعدہ و وعید کی آیات سنتے وقت قبول کرتے ہیں۔ پس تقدیر کلام اس طرح ہے يَخَافُ مِنْهُ قُلُوبُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَتَفْشَعُونَ جُلُودَهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ۔ (قرآن کریم پڑھتے وقت ان کے دل خوفزدہ رہتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور ان کے بدن کا پٹنے لگتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوتے وقت ان کے بدن نرم پڑ جاتے ہیں اور ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی بندے کا بدن اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپنے لگتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے خشک درخت سے اس کے پتے گرتے ہیں (1)۔ اسے طہرائی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور علامہ بغوی نے ایک روایت میں اس طرح بیان کیا ہے کہ جب بندے کا بدن اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام قرار دیتے ہیں (2)۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ صوفیاء کرام میں سے بعض اہل عشق پر قرآن کریم سنتے وقت غشی طاری ہو جاتی ہے تو کیا ایسا ہونا قابل

تعلیف اور پسند یہ دو وصف ہے یا کہ قبیح اور ناپسندیدہ؟

اس کے بارے امام محمدی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی تفسیر میں انتہائی سخت موقف اختیار کیا ہے اور اسے انتہائی قبیح اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قنودہ نے اس کے بارے یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت اللہ تعالیٰ کے خوف سے بدن کا کانپ جاتا یہ اولیاء اللہ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود ان کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ ذکر اللہ کے سبب ان کے بدن کا پھٹنے لگتے ہیں اور ان کے دل راحت و سکون حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کا یہ وصف بیان نہیں فرمایا کہ تلاوت قرآن کے وقت ان کی عقلیں ماؤف ہو جاتی ہیں اور ان پر غشی اور بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ لہذا ایسا کرنا اہل بدعت کا خاصہ ہے اور یہ کیفیت شیطان کی جانب سے طاری کی جاتی ہے (۱)۔ ہمیں یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ میں نے اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے پوچھا (اس مقام پر حضرت عبداللہ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بعدی (دادی) کہا ہے حالانکہ آپ ان کی والدہ تھیں اور جدہ کا لفظ ماں کے لئے مستعمل نہیں۔ شاید یہ عبارت میں سمجھو ہے) کہ رسول اللہ کے صحابہ کرام کے پاس جب قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی تھی تو ان کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا تلاوت قرآن کے وقت جو کیفیت ہونے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان کی وہی کیفیت ہی تھی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی جھڑ رہے ہوتے اور ان کے بدن لرزہ برآمد ہوتے۔ پھر میں نے یہ عرض کی کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کے پاس قرآن کریم پڑھا جاتا ہے تو وہ غش کھا کر گر پڑتے ہیں؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب میں یہ پڑھا اعدوہ باللہ من الشیطان الرجیم (۲)۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گزر (اہل عراق میں سے) ایک کے پاس سے ہوا جو گرا پڑا تھا اور اس پر غشی کی کیفیت طاری تھی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ کیا ہوا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ جب اس کے پاس قرآن پاک پڑھا جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سنے تو یہی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے اور یہ گرجاتا ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا بلاشبہ یسحقین ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں لیکن اس طرح نہ کرتے ہیں نہ بے ہوش ہوتے ہیں اور آپ نے مزید فرمایا کہ شیطان لوگوں کے پیٹ میں داخل ہو جاتا ہے (اور وہ انہیں اس طرح گرا دیتا ہے) حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام تو اس طرح نہیں کرتے تھے (۳)۔

میں کہتا ہوں کہ اس حالت کے طاری ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ کی جانب سے برکات و تجلیات کا کثرت سے نازل ہوتا ہے۔ جبکہ صوفی کا ظرف تنگ اور قوت برداشت اور استعداد کمزور ہوتی ہے۔ لیکن یہ کیفیت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر طاری نہیں ہوتی تھی اس کے باوجود کہ ان پر برکات و تجلیات کا نزول وافر اور کثرت سے ہوتا تھا تو اس کا سبب اور وجہ یہ تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے ان کے ظرف انتہائی وسیع اور قوت برداشت انتہائی مضبوط اور زیادہ تھی۔ (لہذا ان پر غشی طاری ہوتی اور نہ وہ بیہوش ہو کر گر گئے) صحابہ کرام کے علاوہ دیگر صوفیاء میں سے جن پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی تو اس کا سبب یا تو نزول برکات کا کم ہونا ہے یا پھر ان کے حوصلہ اور ظرف کا وسیع ہونا ہے۔ لیکن تعجب ہے امام محمدی رحمۃ اللہ علیہ پر کہ انہوں نے ان صوفیاء کا کیسے انکار کر دیا ہے جن پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے لیکن انہوں نے انہیں ناپسندیدہ اور قبیح قرار دیا۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد

بجول گئے۔ حَقِّیْ اِذَا فُلُوْهُمۡ عَلٰی اَصۡدَاقٍ قَالُوْا اَلَاۤ اِنَّکُمْ لَعِنُوْۤا ﴿۵﴾ حالانکہ آپ نے خود اس آیت کی تفسیر میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی حکم کا ارادہ فرماتا ہے اور وحی کے الفاظ بیان فرماتا ہے تو اس کے سبب (یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے) تمام آسمانوں پر شدید لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور جب آسمانوں کے سکین اسے سنتے ہیں تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں۔ اللہ بیٹ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد اسی طرح نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو کلام حق کہ عجز و انکاری کے ساتھ مانگا اپنے پر مارتے ہیں تو اس سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے چٹان پر زنجیر گرنے سے آتی ہے۔ پھر جب ان کے دلوں سے وہ گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو (آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمہارا رب نے کیا کہا ہے؟ تو دوسرے انہیں جواب دیتے ہیں (اس نے جو فرمایا ہے) وہ حق ہے الحمد للہ (۱)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے۔

فَلَمَّا أَجَلَىٰ رَبُّكَ الْبَهِيمَ جَعَلَهُ دَكَّاءَ وَهُوَ يُسَمَّى صَٰعِقًا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ شیطان تمہارے پیٹ میں داخل ہو جاتا ہے اور اسی طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا عود باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا تو انہیں اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ اس مقام پر ان دونوں کو یہ گمان ہوا کہ اس آدمی نے مکرو فریب کے ساتھ اپنے اوپر غشی طاری کر رکھی ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے ایسے آدمی کی نسبت شیطان کی طرف کی اور اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے حوصلے وسیع تھے خود استعلا و قوی نفسی اس لئے ان پر اور ان کی مثل دیگر افراد پر ایسی حالت کبھی طاری نہ ہوتی تھی۔ (اسی بناء پر انہیں یہ شبہ ہوا کہ اس آدمی نے مکرو فریب سے یہ حالت بنا رکھی ہے) جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر بطور دلیل یہ بھی ہے کہ ابن سیرین کے پاس ایسے لوگوں کا ذکر کیا گیا جو قرآن کریم کی تلاوت سن کر غش کھا کر گر پڑتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے اور ان کے درمیان فرق اس طرح ظاہر ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی مکان کی چھت سے پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھ جائے۔ پھر اسکے پاس اول سے لے کر آخر تک قرآن کریم پڑھا جائے تو اگر وہاں سے قرآن کریم سن کر وہ گر پڑے اور بیہوش ہو جائے تو جان لو وہ سچا ہے (2)۔ بصورت دیگر اس کی غشی اور اس کے گرنے کو جھوٹ اور مکرو فریب پر ہی محمول کیا جائے گا۔ گویا آپ نے اس کی سچائی اور ایک بلند ہوا مکان کی چھت سے اسے آپ کو گرانے کے ساتھ متعلق کر دیا (تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی ایسے لوگوں کو فریب خیال کرتے تھے)

جاننا چاہئے کہ انسان کی قوت برداشت ملائکہ کی نسبت زیادہ قوی ہے اور انسان کا حوصلہ اور ظرف ملائکہ کی نسبت زیادہ وسیع ہے۔ جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی شاہد ہے **﴿إِنِّي جَاعِلٌ لِلْإِنْمْرِضِ حَافِيَةً ۖ أَلِي قَوْلِهِ إِنَّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾** اور مزید فرمایا **﴿إِنَّا نَحْنُ الْغَالِبُونَ عَلَى السُّلُوبِ وَالْإِنْمْرِضِ الْآلِي﴾** یہی وجہ ہے کہ ملائکہ جب بھی جتنے ہیں تو ان پر غمی کی حالت طاری ہو جاتی ہے لیکن انسان پر ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کا نزول جب مکمل ہو جاتا ہے تو سوائے کسی نادر مثال کے ان کی حالت میں کوئی تغیر و تبدل رونما نہیں ہوتا اور جب انسان کا عروج تو مکمل ہو لیکن نزول ناقص ہو تو پھر اکثر حالت بدل جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب صوفی حالت شکر میں ہوتا ہے تو شعر اور تقویٰ کی صورت میں محبوب کا ذکر سنتے وقت اسکی حالت اکثر بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء سماع کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن سماع قرآن کے وقت حالت کا تبدیل ہونا اس سے کہیں اشرف واعلیٰ ہے۔

کیونکہ قرآن کریم میں تلاوت کے وقت ان برکاتِ اصلہ کا کثرت سے نزول ہوتا ہے جو تجلیات و اتیاد اور صفاتِ حقیقیہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ لیکن ایسے کثیر صوفیاء جو ایک ہی مقام پر رکے ہوئے ہیں (یعنی ان کے روحانی درجہات و مراتب میں ترقی نہیں ہو رہی) وہ ان برکات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ سماع کے وقت توان کی حالت بدل جاتی ہے مگر تلاوتِ قرآن کے وقت ان میں کوئی تغیر و تماثل نہیں ہوتا۔

لیکن ایسے صوفیاء جو ترقی کے مدارج طے کرتے کرتے ہوئے اعلیٰ تک جا پہنچے پھر رب العزت کے قریب تر ہوئے اور دنیا فُتِنی فُتِنانِ قَآبِ قَوْسِ سَیْفِیْنِ اَوْ اَذُنِی کے مقام پر فائز ہوئے ان کی حالت میں قطعاً تغیر و تبدل رونما نہیں ہوتا مگر صرف اتنا جتنا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے حال میں تغیر رونما ہوتا تھا کہ انکی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی بہنے لگتے تھے اور ان کے بدنوں پر لرز و طاری ہو جاتا تھا پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہونے کے ساتھ ان کے بدن نرم پڑ جاتے ہیں اور ان کے دل قرا و اطمینان حاصل کر لیتے ہیں۔

[illegible]

أَفَمَنْ يَتَّبِعِي بِوَجْهِهِ سَوَاءٌ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ

تَكْسِبُونَ ﴿٢٦﴾ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاتَّهَمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٧﴾

فَأَذَقَهُمُ اللَّهُ الْعَذَابَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝

”بھلا وہ شخص جو حالِ باطن کا شہید یا عذاب کے سامنے اپنے چہرہ اور روزِ قیامت (وہ کتابتِ بصریہ ہوگا) لے اور کہا جائیگا خالقوں کو (اب) چکھو جو کچھ تم کمایا کرتے تھے ۱۔ جھٹلیاؤ ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے تو آیا ان پر عذاب وہاں سے جہاں سے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ پس پکھائی انہیں اللہ نے ذلت اس دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے۔ کاش! وہ جان لیتے۔۔۔“

۱۔ اَلْعَبْدُ يَتَّقِي میں استہمام انکار ہی ہے اور فاعل محذوف کلام پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر کلام اس طرح اس اَيْسَتَوَى الْقَرِيفَانِ فَمَنْ يَتَّقِي بوجہ یہ کیا و فریق برابر ہو سکتے ہیں؟ ایک وہ شخص جو اپنے نفس کو بچانے کے لئے اپنے چہرے کو بلیورڈِ حمال اور پر آگے رکھے گا۔ اصول یہ ہے کہ جب بھی کسی انسان کو کسی حملہ آور کا سامنا ہوتا ہے تو وہ اپنے چہرے کو اس کے حملہ سے بچانے کے لئے اپنے آگے کر لیتا ہے تاکہ وہ حملہ کو اپنے ہاتھوں پر روک سکے۔ کیونکہ چہرہ تمام اعضاء بدن میں سے اشرف و اعلیٰ عضو ہے لیکن کافر کو جب جہنم میں پھینکا جائے گا تو اس کے دونوں ہاتھ اٹکی گردن کے ساتھ بندھے ہوں گے۔ لہذا اس کے لئے اپنے آپ کو بچانے کے لئے چہرے کو آگے کئے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔

مجاہد نے کہا ہے اسے الٹا کر کے چہرے کے بل کھینچ کر آگ میں ڈال دیا جائے لہذا سب سے پہلے اس کا چہرہ ہی آگ میں پھینچے گا۔

میں بہت بڑے پہاڑ کی مثل گندھک کی ایک چٹان لگی ہوگی۔ پس فوراً اس پتھر میں آگ بھڑک اٹھے گی (۱)۔ یعنی کیا ایسا کافر اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو عذاب سے مکمل طور پر پراسرار اور محفوظ ہوگا۔ یہاں بھی مبتدا کی خبر محذوف ہے جیسا کہ اس جیسے مقامات پر خبر محذوف کر دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ کتابہ نصیب ہوگا۔

۱۔ اور ظالموں کو کہا جائیگا۔ اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے ایک تو اس لئے کہ ان کے ظالم ہونے پر مہر تقدیر ثبت ہو جائے اور دوسرا اس لئے تاکہ وہ اس سبب پر مطلع ہو جائیں جس کی بنا پر انہیں یہ کہا جا رہا ہے **لَا تَقْضُوا زَلَّاتٍ مِّنْهُنَّ لَتَكُونُنَّ**۔ کہ اب اس کا وبال پکھو جو تم کو مایا کرتے تھے۔ ترکیب کلام میں **فَتِلْكَ لَظَالِمُونَ** کا جملہ یقینوں کے قائل سے حال ہے اور اس سے پہلے قد مقدر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ سابقہ کلام کے مضبوط پر معطوف ہوا اور وہ ہے عذاب۔

۲۔ کفار کہہ سے پہلے آنے والے لوگوں نے بھی اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کو جھٹلایا اور انہوں نے بھی عذاب آنے کی خبر کی تکذیب کی۔ لیکن ان پر عذاب ایسی جہت اور سمت سے آیا جہاں سے عذاب آنے کے بارے ان کے دلوں میں تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دنیوی زندگی میں ذلت چکائی مثلاً ان کی شکلیں مسخ کر دیں زمین میں وحشا دیا قتل و غارت ان پر ہوا اور چیخ کا مسلط کرنا پتھروں کا برسا اور ان کا فرق کیا جانا وغیرہ۔

اور ان کے لئے جو عذاب آخرت تیار کیا گیا ہے وہ اس دنیوی عذاب کی نسبت اپنی شدت، سختی اور دائمی ہونے کے اعتبار سے بہت بڑا ہے۔ اگر اہل مکہ اہل علم اور نظروں پر رکھنے والے لوگ ہوتے تو بالیقین اپنے سے پہلے آنے والے لوگوں کے حالات سے درس عبرت حاصل کرتے۔ یا معنی یہ ہے کہ اسی جھٹلانے والے اس تکذیب کے انجام کو جاننے ہوتے تو کبھی تکذیب نہ کرتے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۱۱﴾
عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِلْمٍ لَّعَلَّهُمْ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۱۲﴾

”اور ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے لئے اس قرآن (حکیم) میں ہر قسم کی مثالیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ اور ہم نے دیا ہے (انہیں) قرآن جو عربی زبان میں ہے جس میں ذرا کچھ نہیں تاکہ وہ اللہ سے ڈر سکیں۔“

۱۔ ہم نے لوگوں کے فائدے اور ہتھرے کے لئے اس قرآن حکیم میں ہر قسم کی ایسی مثالیں بیان کی ہیں جن کی امور دینیہ میں غور و فکر کرنے والے آدمی کو ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اس کے سبب نصیحت قبول کریں۔

۲۔ **فَرَأَيْنَا تَكَدُّبًا** یا تو مدح کی بناء پر منصوب ہے (کہ اس سے پہلے امدح فعل محذوف ہے) یا اخذ اسے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ بشرطیکہ ہم یہ کہیں کے مجرور مفعول یہ ہے۔ یا پھر تقدیر کلام اس طرح ہے **فِي تَنْزِيلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ** تو اس صورت میں **هَٰذَا الْقُرْآنِ**، تنویل مقدر کا مفعول ہو جائیگا اور اس میں استعاضت پر ہوگا جیسا کہ اس قول میں ہے **جَاءَ نِي زَيْدٌ رَجُلًا صَالِحًا**۔

غَيْرَ ذِي عِلْمٍ کا معنی ہے کہ اس میں کسی بھی اعتبار سے کوئی غلطی اور اختلا نہیں اور یہ لفظ مستقیم کی نسبت زیادہ طیف ہے اور یہ معانی کے ساتھ مختص ہے۔ (یعنی معنوی اعتبار سے بھی اس میں کسی نوع کا کوئی ضعف یا غلطی موجود نہیں ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی ہے قرآن کریم میں کوئی اختلاف (بیان) نہیں ہے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ

قرآن کریم میں کوئی التماس اور تنگ موجود نہیں اور سدی نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ قرآن کریم مخلوق نہیں۔ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بھی یہی معنی روایت کیا گیا ہے (۱)۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ صفیان بن عیینہ نے سترتا بعین سے یہ قول نقل کیا ہے کہ قرآن کریم نہ خالق ہے اور نہ ہی مخلوق (۲)۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ یہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا عین ہے کہ یہ خالق ہو اور نہ یہ اس کا غیر ہے اور اس سے جدا ہے کہ یہ حادث اور مخلوق ہو جائے۔ یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ کلام لفظی قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ کیونکہ وہ کلام نفسی جس پر کلام لفظی دلالت کرتی ہے وہ عربی ہونے کی صفت سے متصف نہیں ہو سکتی (کیونکہ عربی اور عجمی ہونا الفاظ کی صفت ہے نہ کہ معانی کی)۔

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کلام لفظی کے حروف اس کے حادث ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ (کیونکہ یہ حروف یکے بعد دیگرے ملا کر ایک جملہ اور کلام بنتا ہے اور یہ ترتیب حروف اس کے حادث ہونے کی علامت ہے۔) تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کلام تنگ ہے اور حادث ہے۔ اس لئے تمام حروف یکے بعد دیگرے استعمال ہو کر سارے کلام کو حادث بنا دیتے ہیں۔ لیکن وہ کلام جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس میں حروف کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے کا وہم کرنا حاضر پر غائب کو قیاس کرنے کی طرح ہے۔ جیسا کہ روایت باری تعالیٰ کا انکار کرنے والے ایسے ہی وہم میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے روئے مخلوق پر روئے خالق کو قیاس کرتے ہوئے یہ شرانگہ ذکر کر دیں کہ آئندہ کے ساتھ دیدار کے لئے جہت اور مسافت وغیرہ کا پایا جانا شرط ہے۔ لیکن خالق کی روایت ان سب شرانگہ سے پاک ہے کیونکہ نہ تو کوئی ایسی شئی ہے جو اس کی ذات میں اس کی مثل ہو اور نہ کوئی ایسی شئی ہے جو اس کی صفات کے ساتھ متصف ہونے میں اس کی مثل ہو اور نہ کسی نفسی میں اس کی صفات میں کوئی صفت اس جیسی موجود ہے بلکہ وہی سب سے اعلیٰ شان والا ہے اور وہی غالب حکمت والا ہے وَ يَذِيقُوا الْعَذَابَ أَلَمًا عَلَىٰ أُولَٰئِكَ الْعَذَابُ الْحَكِيمُ تاکہ وہ کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ لعلمہم یتقون دوسری علت ہے جو پہلی علت لعلمہم یتذکرون پر مرتب ہے۔ یا اس سے بدل ہے یا پھر پہلی علت کا بیان ہے۔

صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّبُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا الْخَصْدُ لِلَّهِ تَبْلُ الْكُفْرُ هُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

”بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں جو سخت بد خوئیں۔ اور ایک غلام ہے جو پورا ایک مالک کا ہے۔ کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“

لے اللہ تعالیٰ نے شرک اور موصد کی ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ ترکیب کلام میں رجلاً مثلاً سے بدل ہے اور رجلاً سے پہلے مضاف مقدر ہے، یعنی مثل رجلاً۔ مُتَشَكِّبُونَ کا معنی ہے باہم اختلاف رکھنے والے سخت بد خو۔ ترکیب کلام میں یہ شہکار غلطی صفت ہے اور وہ ظرف مستقر کے لئے فاعل ہے۔ یا پھر شرکاً مبتدا ہے اور (فید) ظرف اس کی خبر ہے اور پھر مکمل جملہ رجلاً کی صفت ہے۔ چونکہ شرک اپنے زعم

باطل کے مطابق متعدد خدا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال ایسے غلام سے بیان فرمائی جو متعدد بد خوہ داروں کا مشترک غلام ہو کہ ان مالگوں میں سے ہر ایک اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور تمام شرکاء ہماری باری اسے اپنے اپنے کاموں میں مشغول رکھتے ہیں۔ جس کے سبب وہ غلام حیرت اور پریشانی میں مبتلا رہتا ہے اور اس کا دل ہمہ وقت مضطرب اور غمزدہ رہتا ہے، کبھی بھی اسے راحت و سکون نصیب نہیں ہوتا۔ (تو جس طرح مشترک غلام ہمہ وقت پریشان رہتا ہے اسی طرح مشرک بھی سکون اور راحت نہیں پاسکتا)

وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ كَاسَمْعِي يَوْمَ تُنْفَخُ الصُّفُوفُ اسْمُ فَاصل کے وزن پر پڑھا ہے۔ اور باقیوں نے بغیر الف کے حسن کے وزن پر۔ اللہ تعالیٰ نے مومن موعد کی مثال ایسے غلام کے ساتھ بیان فرمائی ہے جس کا مالک صرف ایک ہے، اس کی ملکیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ (مقصود یہ ہے کہ جس طرح یہ غلام پر سکون اور راحت و آرام کی زندگی بسر کرتا ہے۔ پریشانیاں اور غموں سے دور رہتا ہے اسی طرح بندہ مومن بھی اطمینان قلب پاتا ہے اور پر سکون زندگی بسر کرتا ہے)

۱۱۔ هَلْ يَسْتَوِيَنَّ مُشْكًا ۖ کیا ان دونوں غلاموں کا حال یکساں اور مساوی ہے۔ یہ استفہام انکاری اور تقریری ہے۔ یعنی مخاطب سے یہ اقرار کرنا مقصود ہے کہ ان دونوں کی حالت یکساں نہیں (یہ قطعاً مساوی حال میں نہیں) کیونکہ بائقین ایسا غلام جس کا مالک صرف ایک ہو اس کا حال اس غلام کی نسبت بہت اچھا اور بہتر ہوگا جس کی ملکیت میں کسی شریک ہوں تو اسی طرح مومن موعد کا حال بھی مشرک کے مقابلہ میں کہیں بہتر اعلیٰ اور راحت بخش ہوگا۔ هَلْ يَسْتَوِيَنَّ مُشْكًا میں تقدیر کلام اس طرح ہے قَالَ اللَّهُ هَلْ يَسْتَوِيَنَّ مُغْلًا (یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کا حال یکساں ہوتا ہے) اور یہ جملہ ضرب اللہ مثلاً کے مقصود کا بیان ہے اس کی وضاحت کے لئے ہے اور هَلْ يَسْتَوِيَنَّ مُشْكًا میں مثلاً کا لفظ تہجیر ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔

۱۲۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ یعنی سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ فی الحقیقت حمد و ستائش کے لائق ہونے میں کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں۔ کیونکہ وہی بذات متعم ہے اور مالک مطلق ہے (کوئی شی اس کی ملکیت اور قدرت سے خارج نہیں) لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ لہذا وہ اپنی فرط جہالت کی بناء پر دوسروں کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں تقدیر کلام اس طرح ہے قُلْ الْحَمْدُ لِلّٰہ یعنی الحمد للہ سے پہلے لفظ قُلْ مقدر ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو نعمت و حید سے نوازنے والا ہے اور تمام تر تعریفیں اسی وحدہ لا شریک رب کے ساتھ مختص ہیں جو ہیضہ قابل ستائش ہے۔ اس صورت میں بل اضراب کے لئے نہیں بلکہ یہ ابتداء ہے جو کہ جالبین کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿۱۴﴾

”جینک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرماتا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔ پھر تم (سب) روز حشر اپنے رب کے حضور میں آپس میں جھگڑو گے۔“

۱۳۔ جینک آپ نے بھی دنیا سے غفر رب انتقال فرماتا ہے۔ یہاں میث مفت مشبہ کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے جو کہ ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے (مضارع کا صیغہ نسوت وغیرہ ذکر نہیں فرمایا) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ موت ایک یقینی امر ہے اس کے وقوع پذیر ہونے میں

ذہبہ بھرتک و شب نہیں (تو ای یقین پر دلالت کرنے کے لئے صفت مشبہ کا صیغہ ذکر کیا) اور کفار مکہ یا تمام لوگوں نے موت سے اعراض کے باوجود بالیقین مرتا ہے۔ لہذا موت کو عیب یا نقص نہیں۔

محمی نے لکھا ہے کہ جب کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کے جلد انتقال کرنے کی خواہش کرنے لگے تو حب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فرما اور کسانے نے کہا ہے کہ میت (یعنی گریہ مند ہوتو) اس آدمی کو کہتے ہیں جو مرنا ہوا اور مستقبل میں مرنے والا ہوا اور میت (یعنی گریہ مخفف ہوتو) اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو مر چکا ہو۔ انکی روح اس سے جدا ہو چکی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں میت اور مہون کو یاہ مشد کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے نہ کہ مخفف کے ساتھ۔

۱۔ پھر آپ اور کفار مکہ یا سب لوگ روزِ حشر اپنے رب کے حضور میں آپس میں جھگڑو گے۔ پس آپ ان کے خلاف جہتِ پیش کرنے کو بے کہیں گے۔ **يَوْمَ لَا يَنْفَعُ اُولَئِكَ اَلْعُرَا وَ اَلْمَنْفَعُونَ** انہوں نے میری تکذیب کی حالانکہ میں عقیدہ تو حید میں تھی پر تھا اور یہ عقیدہ و شرک میں باطل رہے تھے۔ میں نے انہیں وعظ و ارشاد اور تبلیغ کرنے کی کوشش کی اور یہ اپنے عداو اور تکذیب پر ہی ڈٹے رہے اور کفار اپنے باطل اور جھوٹے اقوال کے ساتھ معذرت پیش کرنے کی کوشش کریں گے مثلاً کہیں گے **وَ اَللّٰهُ بِمَا تَاْمُرُوْنَ اَشْفَقُ مِنْكُمْ** ۵۔ قسم اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے ہم شرک نہیں تھے۔ **هَاجَا عَاثُوْا لِمَنْ يَّكْفُرُوْا لَكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا مِنْ اُولَئِیْہِمْ** ہمارے پاس کوئی خوشخبری کی سنائے والا اور ڈرانے والا آیا نہیں اور یہ کہیں گے **اِنَّا اَطَعْنَا مَا دَاوُدُ وَاٰدَمُ**۔ چنگ ہم نے تو اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور ان کے کہنے پر چلتے رہے) **مَا وَدَّعَا عَلٰکُمْ اٰبَاؤُکُمْ**۔ ہم اسی راہ پر چلتے رہے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا۔ لوگ آپس میں (حقوق سے متعلق) ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔ پس سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون (قتل) کے بارے فیصلہ کیا جائیگا (۱)۔

چتر ندی ابن ماجہ طبرانی اور ابن مردودہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مقتول حاضر ہوگا اس طرح کہ ایک ہاتھ میں اپنا سر لٹکاے ہوئے ہوگا اور دوسرے ہاتھ سے قاتل کو پکڑے ہوئے ہوگا اور اس کی گردن کی رگوں سے خون ابلے رہا ہوگا یہاں تک کہ عرش کے پاس پہنچ کر عرض کرے گا اے رب العالمین! اس نے مجھے قتل کیا تھا تو اللہ تعالیٰ قاتل سے فرمائے گا تو ہلاک و بر باد ہوا۔ پھر اسے جہنم کی طرف لے جایا جائیگا (2)۔ اسے ترندی نے حسن کہا ہے۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مقتول اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے حاضر ہوگا اور اس وقت اس کی گردن کی رگوں سے خون نکل رہا ہوگا اور عرض کرے گا اے میرے رب! اس سے بچو پھر اس نے مجھے قتل کیا تھا؟ تو قاتل کہے گا میں نے اسے قتل کیا تھا تا کہ فلاں کو عزت (غلبہ) حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تاہم تر عزت تو حفظ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے (3)۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے ذکر فرمایا۔ قاتل اور مقتول دونوں کو لایا جائیگا اور انہیں جہان کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ پھر قاتل سے پوچھا جائیگا کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا تھا؟ اگر اس نے اسے اللہ تعالیٰ کے لئے قتل کیا ہوگا تو کہہ دے گا میں نے اسے قتل کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے (دین کو) عزت و غلبہ نصیب ہو تو جواب دیا کہ کیا جائیگا کہ جب تک

عزت وعلیہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے اور اگر اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے لئے نقل کیا ہوگا تو پھر کہے گا میں نے اسے اس لئے نقل کیا ہے تاکہ فلاں کو عزت وعلیہ نصیب ہو تو پھر جواباً یہ کہا جائیگا کہ عزت وعلیہ فلاں کے لئے نہیں ہے۔ چنانچہ انتقاماً ہر اس ظالم کو قتل کر دیا جائیگا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو قتل کیا ہوگا اور اسے اتنے دنوں تک موت کا سہرہ چکھایا جائے گا جتنے دنوں تک اس نے مقتول کو دنیا میں زندگی سے محروم رکھا ہوگا۔

احمد ترمذی اور حاکم نے عبد بن زبیر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ان کے باپ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب آیت طہ ۱۰۱ آئی **وَإِنَّكُمْ مَعِيشَتُكُمْ بِأَنْفُسِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** نازل ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا دنیا میں ہمارے مابین سرزد ہونے والے ہمارے بڑے بڑے گناہ دوبارہ ہمارے سامنے لائے جائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! انہیں تم پر دوبارہ لایا جائیگا یہاں تک کہ ہر حقدار کو اس کا حق پہنچ جائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا قسم بخدا! معاملہ بڑا سخت اور شدید ہوگا۔ اسے حاکم نے صحیح کہا ہے (۱)۔

طبرانی نے ایسی سند کے ساتھ جس پر کوئی اعتراض نہیں حضرت ابوالعباس انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے مرد اور عورت کا جھگڑا پیش کیا جائیگا۔ قسم بخدا! مرد اپنی زبان سے کچھ نہیں بولے گا۔ البتہ عورت کے ہاتھ اور پاؤں اس کے اپنے خلاف ان عیوب کی شہادت دیں گے جو وہ اپنے خاوند میں نکالا کرتی تھی اور پھر مرد کے ہاتھ اور پاؤں اس زیادتی کی شہادت دیں گے جو وہ عورت پر کیا کرتا تھا۔ پھر مرد کو اپنے خدام سیٹ بلایا جائیگا پھر اصل بازار کو بلایا جائیگا۔ وہاں واقع اور قریب اطین پائے جائیں گے۔ بلکہ وہاں ظالم کی نیکیاں ہوں گی جو مظلوم کو دے دی جائیں گی اور مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر ظلم کرنے والوں کو لوہے کے گرزوں کے ساتھ لایا جائے گا اور کہا جائیگا انہیں جہنم میں پھینک دو (۲)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے اپنا جھگڑا پیش کرنے والے دو پروسی اور ہمسائے ہوں گے (۳)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کسی آدمی نے ظلماً اپنے بھائی کا حق لے رکھا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ دنیا میں ہی اسے ادا کر کے اپنے ذمے سے اتار دے کیونکہ قیامت کے دن کوئی درانہم و دنیا نہیں ہوں گے۔ بلکہ اگر اس کے کوئی اعمال صالحہ ہوں گے تو اس حق کی مقدار وہ اس سے لئے جائیں گے اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے (۴)۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت جانتے ہو غفلت کون ہے؟ تو صحابہ کرام نے عرض کی ہم میں غفلت وہی ہے جس کے پاس کوئی درہم ہو نہ ہی کوئی ساز و سامان تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں غفلت وہ ہے جو قیامت کے دن نماز روزے اور زکوٰۃ جیسے اعمال صالحہ سے کرا آئے گا۔ لیکن اس نے کسی کے ساتھ بدکامی کی ہوگی کسی پر تہمت عائد کی ہوگی کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا یا کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ پس ایسے برے اعمال کے بدلے اسے پکڑ لیا جائے گا اور اس کی نیکیوں میں سے ان کا بدلہ چکھایا جائیگا اس طرح کہ کچھ نیکیاں ایک

1- مستدرک حاکم، حدیث: 2981 (اعلیٰ)

2- معجم کبیر از طبرانی، حدیث: 3969

4- مشکوٰۃ الصالح، حدیث: 5126 (فکر)

3- مسند احمد، جلد 4، صفحہ 151 (صادر)

حقدار کو کچھ دوسرے مستحق کو (حتیٰ کہ تمام حقداروں کو ظلم و زیادتی کے سبب اس کی نیکیاں دی جائیں گی) اگر تمام گناہوں اور زیادتیوں کا بدلہ مکمل ہونے سے قبل اس کی نیکیاں ختم ہوں گی تو پھر ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اسے جہنم میں بھیج دیا جائے گا (۱)۔

میں کہتا ہوں کہ وہ نیکیاں جن کا اجر مظلوم ظالم سے لے جایگا ان سے مراد ایمان کے علاوہ دیگر نیکیاں ہیں کیونکہ ظلم اور اس کے علاوہ دیگر برائیاں کفر کے سوا تمام گناہوں کی سزاقتناہی ہے۔ ختم ہو جانے والی ہے۔

اہل سنت والجماعت کا یہی نظریہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کرنے والا ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہے گا اور ایمان کی جزاء ہمیشہ جنت میں رہنا ہے اور یہ غیر متناہی ہے۔ لہذا جو عمل (ظلم وغیرہ) متناہی ہے اس کا بدلہ غیر متناہی نہیں ہو سکتا۔ حاصل کام یہ ہے کہ جب خطاؤں اور مظالم کا بدلہ چکا نہ جائے تو قتل ظالم کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور صرف ایمان اس کے پاس باقی رہ جائیگا تو پھر مظلوموں سے ان کے کفر کے سوا دیگر گناہ اور غلطیاں لے کر ظالم کے حصہ میں ڈال دی جائیں گی کیونکہ کفر کی سزا غیر متناہی ہے لہذا کفر کو ایسے عمل کا بدلہ نہیں بنایا جا سکتا جس کی سزاقتناہی ہے کہ اسے ظالم پر ڈال دیا جائے۔ پھر ظالم کو جہنم میں ڈال دیا جائیگا اگر مظلوم نے اسے معاف نہ کیا اور وہ اپنے گناہوں کی سزا مکمل ہونے تک جہنم میں ہی رہے گا۔ بعد ازاں اسے جہنم سے نکال کر اس کے ایمان کے سبب جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہے گا۔ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی میرے قول کی طرح ہی بیان کیا ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن ضرور بر ضرر و حقوق ان کے اہل تک لوائے جائیں گے۔ حتیٰ کہ سیٹگوں والی بکری سے اس بکری کو بھی حق دلایا جائیگا جس کے سینک نہیں (۲)۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بغیر سیٹگوں والی بکری کو سیٹگوں والی بکری سے اور سرخ بیوی کو دوسری بیوی سے حق دلوا دیا جائے گا۔ ان کے علاوہ اس بارے میں کثیر احادیث ہیں۔

علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے قول نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَشْرٌ نَافِلَةٌ مِمَّا كَتَبْتُمْ يَوْمَئِذٍ﴾ تو ہم نے کہا تھا کہ ہم کیسے جھگڑا کریں گے حالانکہ ہمارا دین اور ہماری کتاب ایک ہے حتیٰ کہ میں نے اسے دیکھ لیا ہے کہ ہم میں سے بعض بعض کے چہروں پر تلواریں مار رہے ہیں تو میں نے پہچان لیا کہ واقعہ یہ آیت ہمارے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کی ہے (۳)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں روایت ہے کہ ہم کہا کرتے تھے ہمارا بار ایک ہے ہمارا نبی ایک ہے اور ہماری کتاب ایک ہے پھر یہ خصومت اور قیامت کے دن حق طلبی کا مطالبہ کیا ہے؟ پھر جب جنگ صفین ہوئی اور ہم میں سے بعض بعض پر تلواروں کے وار کئے تو پھر ہم نے کہا ہاں یہی وہ (خصومت ہے جس کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے) (۴)۔

ابراہیم کا قول ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَشْرٌ نَافِلَةٌ مِمَّا كَتَبْتُمْ يَوْمَئِذٍ﴾ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے کہا ہم کیسے جھگڑا کریں گے؟ حالانکہ ہم تو بھائی بھائی ہیں۔ پھر جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو جب انہوں نے کہا یہی وہ

1- صحیح مسلم، جلد 16، صفحہ 111، حدیث: 59 (اعلیٰ)

2- صحیح مسلم، جلد 16، صفحہ 112، حدیث: 60 (اعلیٰ)

4- تغیر بنوی، جلد 5، صفحہ 15 (الفر)

3- تغیر بنوی، جلد 5، صفحہ 15 (الفر)

ہمارا جھگڑا ہے (۱)۔

مذکورہ تمام اقوال کا مہتمی یہ ہے کہ صحابہ کرام یہ گمان کرتے تھے کہ قتل و خون کے جھگڑے فقط مومنین اور کفار کے درمیان ہوتے ہیں۔ لیکن جب مسلمانوں کے درمیان باہمی بغاوت اور فساد ظاہر ہوا تو تب ان پر یہ واضح ہوا کہ یہ جھگڑے اصل ایمان کے درمیان بھی ہو سکتے ہیں۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالْصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ أَكْيَسُ فِي جَهَنَّمَ
مُشْوًى لِّلْكَافِرِينَ ۝ وَالَّذِي جَاءَهُ بِالْصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

”پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور نکتہ یہ کرتا ہے اس سچ کی جب وہ اس کے پاس آیا۔ کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانا نہیں ہے اور وہ جستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں ملے۔“

۱۔ فَمَنْ أَظْلَمُ میں فاء سیبہ ہے۔ کیونکہ کفار کا حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ جھگڑا کرتا ہی ان کے تمام لوگوں سے بڑھ کر ظالم ہونے کا سبب ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور یہ گمان رکھتا ہے کہ اس کی اولاد ہے اور (الہ ہونے میں) اور بھی اس کا شریک ہے۔

وَكَذَّبَ بِالْحَقِّ میں صدق سے مراد قرآن کریم اور دیگر پیغام خداوندی ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ لے کر ان کے پاس تشریف لائے۔ لیکن اس نے بغیر کسی توقف کے اور اس کے بارے غور و فکر کیے بغیر ہی اس کی تکذیب کر دی حالانکہ اس کی صداقت اور سچائی پر واضح شواہد اور قطعی دلائل موجود ہیں۔ (کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم ہو سکتا ہے؟) اُنْہُمْ فِي جَهَنَّمَ مُشْوًى لِّلْكَافِرِينَ۔ مشوئی کا معنی ہے اترنے کی جگہ ٹھہرنے کی جگہ یعنی کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانا نہیں ہے۔ یہاں استفہام تقریری ہے۔

انک میت وانہم میتوں سے لے کر اس آیت تک تمام آیات میں حضور نبی کریم ﷺ کے لئے تسلی اور اطمینان کا پیغام ہے کہ آپ کی قوم آپ کی تکذیب کرتی ہے۔ آپ ان سے انتقام کے بارے قطعاً فکر مند نہ رہئے کیونکہ ان کے اعمال کی سزا کے طور پر ان کے لئے جہنم ہی کافی ہے۔

۲۔ وَالَّذِي جَاءَهُ بِالْصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ میں مراد جس ہے۔ تاکہ یہ آیت تمام رسل علیہم السلام اور تمام مومنین کو شامل ہو جائے۔ اور اس پر ارشاد باری تعالیٰ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ صیغہ جمع کے ساتھ مذکور ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت والذین جاءوا بالصدق وصدقوا به بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جَاءَهُ بِالْصِّدْقِ سے مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ لا الہ الا اللہ لے کر تشریف لائے اور وَصَدَّقَ بِهِ سے مراد بھی آپ ﷺ کی اپنی ذات ہی ہے کہ آپ ﷺ نے خود اس کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک یہ پیغام پہنچا دیا۔ اس تفسیر کی بناء پر جرم اس لئے ذکر کی گئی کہ اُولَٰئِكَ سے آپ ﷺ اور آپ کے تمام متبعین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت طیبہ میں بھی اسلوب موجود ہے۔ وَ لَقَدْ اَنۡبَاۡنَا مُوۡسٰی الْکِیۡتٰبَ لَعَلَّہُمْ یَعۡتَدُوۡنَ ۝ اِس آیت میں لَعَلَّہُمْ یَعۡتَدُوۡنَ

صیغہ جمع سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے متبعین ہیں۔

سہی نے کہا ہے کہ الٰہی جہاد بالصدق سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اور فصدق بہ سے مراد حضور نبی کریم ﷺ ہیں جنہوں نے اس سچ کو قبولیت کے ساتھ لے لیا۔

کلی اور ابوالعالیہ کا قول ہے کہ الٰہی جہاد بالصدق سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور وصدق بہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔ اسی طرح زجاج نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

قائد اور مقاتل نے کہا ہے کہ الٰہی جہاد بالصدق سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور وصدق بہ سے مراد تمام اہل ایمان ہیں۔ حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ الٰہی جہاد بالصدق سے مراد تمام انبیاء علیہم السلام ہیں اور وصدق بہ سے مراد ان کے متبعین اور پیروکار ہیں (۲)۔

صاحب تفسیر مدارک اور بیضاوی نے کہا ہے کہ عربی اصول کے مطابق جہاد اور صدق دونوں کا فاعل ایک ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر فاعل مختلف ہو تو وہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک الذی اسم موصول مضمر ہو اور یہ جائز نہیں۔ یا پھر اس سے ایسے فاعل کا مضمر کرنا لازم آتا ہے جس کا مرجع پہلے موجود نہیں اور یہ صورت بھی جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ کیسے یہ حکم لگا دیا گیا ہے کہ اسم موصول کا حذف جائز نہیں۔ حالانکہ تفسیر میں سے کلی ابوالعالیہ قائد اور مقاتل نے تو وہی کچھ ذکر کیا ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے اور اس پر بطور استصحاب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر بھی موجود ہے جس میں اسم موصول حذف ہے۔

أَفَنُ يُهْجُو رَسُولَ اللَّهِ مِنْهُمْ
وَيَمْذُحُهُ وَيَنْصُرُهُ سَوَاءُ
کیا ان میں سے وہ جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتا ہے اور (وہ جو) آپ ﷺ کی مدح و ستائش بیان کرتا ہے اور آپ کی مدد کرتا ہے وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ تو اس میں تقدیر عبارت اس طرح ہے أَفَنُ يُهْجُو وَمَنْ يُمْدَحُهُ سَوَاءُ۔

صاحب البحر الموانع نے کہا ہے کہ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اس کا تعلق لف و نشر اجمالی کے باب سے ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے قَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ - یعنی قَالَتِ الْيَهُودُ لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ نَصَارَىٰ۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ الذی سے مراد فریق ہو اور تقدیر کلام اس طرح ہو وَالْفَرِيقِ الَّذِي جَاءَ بِالْصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ لِهُدَايَةِ فَرِيقِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں کو شامل ہو اور دونوں فیلوں کی ضمیر فاعل کا مرجع الذی اسم موصول ہو اور حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کے اعتبار سے جہاد بالصدق میں ضمیر فاعل الذی اسم موصول کی طرف راجع رہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات کے اعتبار سے وصدقہ بہ میں ضمیر فاعل اسم موصول الذی کی طرف لوٹ رہی ہے۔

لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۖ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ

اَسْوَاَ الَّذِي عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرُهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِي كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اَلَيْسَ
اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۚ وَيُخَوِّفُوْكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهِ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ
هَادٍ ۝ وَمَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّضِلٍّ ۚ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِيْ اَنْتِقَامٍ ۝

”انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے۔ یہ صلہ ہے محسنوں کا کہ تاکہ ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بدترین اعمال کو اور عطا فرمائے انہیں اجر ان کے بہترین اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کیلئے؟ (یقیناً کافی ہے) اور وہ (نادان) ڈراتے ہیں آپ کو ان معبودوں سے جو اللہ کے سوا ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ ہونے دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جس کو ہدایت بخش دے اللہ تعالیٰ تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا ہے۔“

۱۔ جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے جنت میں انہیں ملے گا اور یہ محسنین کے احسان کا صلہ ہے۔

۲۔ تاکہ اللہ تعالیٰ مغفرت کے سبب ان کے بدترین اعمال کو ان سے ڈھانپ لے۔ یہاں استواء (بدتر اعمال) کا ذکر مبالغہ کے لئے کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے بدترین اعمال کو معاف فرمادے گا تو پھر ان کی نسبت کم درجہ کے برے اعمال کی مغفرت اور معافی تو بدرجہ اولیٰ ہو جائے گی۔ یہ آیت معتزلہ کے اس نظریہ کی تردید کرتی ہے (کہ کبیرہ گناہوں کی معافی نہیں ہوگی) کیونکہ یہ آیت کبیرہ گناہوں کی معافی پر بھی دلالت کر رہی ہے اور اسو الذی عملوا سے اس طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ ان سے جو گناہ بھی سرزد ہوتا ہے وہ اسے بڑا گناہ ہی سمجھتے ہیں اگرچہ فی الواقع وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ (گویا ان کی نظر میں تمام قسم کے گناہ بڑے ہی ہوتے ہیں) اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں صیغہ اسم تفضیل مطلق فضیلت اور بڑائی کے اظہار کے لئے ہو (یعنی ذاتی اعتبار سے وہ عمل انتہائی فصیح اور برا ہے) کسی دوسرے کے مقابلہ میں بڑائی اور فضیلت کے اظہار کے لئے نہ ہو۔ (یعنی تفضیل اضافی مراد نہ ہو)

۳۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اجر و ثواب انہیں عطا فرمائے گا، یعنی ان کے بہت اخلاص کے سبب ان کے اچھے اور بہترین اعمال کے بدلے ایسا اجر و ثواب عطا فرمائے گا جو ان کے اعمال کے مقابلے میں کہیں زیادہ حسین اور عظیم ہوگا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں صیغہ اسم تفضیل ”حسن“ مطلقاً ذاتی اور عظمت کے اظہار کے لئے ہو۔ (تفصیل اضافی مراد نہ ہو) ماقابل نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک اور اچھے اعمال پر تو انہیں اجر و ثواب اور بدلہ عطا فرمائے گا لیکن ان کے برے اعمال پر انہیں کوئی بدلہ یا سزا نہیں دے گا (۱)۔

۴۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے اور نفی کا انکار ثابت ہوتا ہے اور یہ انداز اثبات میں اظہار مبالغہ کے لئے اپنایا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی ہے۔ آیت میں عہد سے مراد حضور نبی رحمت ﷺ کی ذات اقدس ہے۔

ابو جعفر، حمزہ اور کسمائی نے عہد کو عبادت پڑھا ہے۔ اس صورت میں عہاد (بندوں) سے مراد انبیاء علیہم السلام یا حضور نبی رحمت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ہیں۔ ترکیب کلام میں ویخوفونک کا عطف الیس اللہ بکاف پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح

ہوگی اللّٰہُ کَافٍ عَبْدُہُ وَیَحْوَ فُؤَادُکَ۔ (یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندے کیلئے کافی ہے اور وہ (نادان) آپ کو ڈراتے ہیں) اور یحوقونک سے پہلے ہم مقدّر مان کر اسے حال بنانا جائز ہے۔ (یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندے کیلئے کافی ہے حالانکہ وہ آپ کو خوفزدہ کرتے ہیں) ان معبودوں سے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہیں۔ علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ مشرکین حضور نبی کریم ﷺ کو اپنے بتوں کی ناراضگی سے ڈرایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ پر ہمارے الہوں اور معبودوں کو گالی گلوچ دینے اور انکے بارے میں ایسا لفظ استعمال کرنے سے باز رہیں ورنہ انکی جانب سے آپ پر بدحواسی اور جنون کی کیفیت طاری ہو جائے گی (۱)۔ اسی طرح عبدالرزاق نے بھی بیان کیا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ ہونے دے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے کافی سمجھے سے غافل ہو جائے اور ایسی چیزوں سے ڈرنے لگ جائے جو نہ نقصان دے سکتی ہیں اور نہ ہی نفع تو پھر اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں جو اسے رشد و ہدایت کی طرف راہنمائی کرے اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت بخش دے، یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کیلئے فضل و عظمت کا ارادہ فرمائے تو پھر اسے گمراہ کرنا اور کوئی نہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا نہیں ہے۔ یہ استفہام بھی انکاری ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ غائب ہے۔ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے۔ (اس سے وہ اپنے فرمانبردار بندوں کو نوازتا ہے) اور وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے سکتا ہے (یعنی نافرمانوں کو وہ سزا دینے کی پوری پوری قدرت رکھتا ہے)

وَلَیِّنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّیَّوَاتِ وَالْأَرْضَ لَیَقُولَنَّ اللّٰهُ قُلْ أَفَرَعِیْتُمْ مَا
تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِنْ اَسْأَدَی اللّٰهُ بِصِرِّ هَلْ هُنَّ لَکِشْفَتْ صُرَّةٌ اَوْ اَمَّا دَنِّی
بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتٌ رَحْمَتِی قُلْ حَسْبِی اللّٰهُ عَلَیْہِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ آپ فرمائیے پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اگر اللہ تعالیٰ مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود دور کر دیں گے اس تکلیف کو؟ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ رحمت فرمانا چاہتا ہے تو کیا وہ روک سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو۔ فرمادیجئے مجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ فقط اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے“

۱۔ اگر آپ کا کفار مکہ سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے میں واحد و یکتا ہونے کی واضح دلیل ہے اور یہ امر بالکل بدیہی اور بظاہر ہے کہ بت کسی کو بھی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اہل مکہ اس کا اعتراف بھی کرتے تھے۔

اسے پیارے محبوب! ان کے اس اعتراف اور اقرار کے بعد آپ ان سے فرمائیے کہ جب تم یہ اعتراف کرتے ہو کہ خالق کائنات صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کے سوا کوئی اور نہیں تو پھر مجھے یہ بتاؤ کہ اللہ کے سوا جن بتوں کو تم پوجتے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچانا چاہے (یہاں الٰہی کوہمرہ نے یہاں سائنک کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے یا کو مفتوحہ پڑھا ہے) تو کیا تمہارے وہ بت مجھ سے اس تکلیف کو دور کر دیں گے؟ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ رحمت فرمانا چاہے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ یا کوہمرہ نے کاشفات اور مفسکات دونوں کو توہین کے ساتھ کاشفات اور مفسکات پڑھا ہے۔ اور ضرفہ اور رحمتہ کو مفعول ہونے کی

بنام پر نصب دی ہے۔ جبکہ باقیوں نے نے مذکورہ دونوں لفظوں کو اضافت کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ استنبہام انکاری ہے، یعنی ان کے اس اعتراف کے بعد کہ زمین و آسمان کا خالق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اس بات کا انکار لازم آتا ہے کہ بت اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی گئی کسی تکلیف کو دور کرنے یا اس کی عطا کردہ رحمت کو روکنے کی کوئی صلاحیت رکھتے ہیں۔ (یعنی وہ بالکل قطعی طور پر کوئی ایسی قدرت نہیں رکھتے) مقاتل نے کہا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ان سے اس کے بارے پوچھا تو وہ بالکل خاموش ہو کر رہ گئے کوئی جواب نہ دے سکے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول معظم ﷺ سے یہ ارشاد فرمایا قل حسبی اللہ (۱)۔ آپ فرمادیتے مجھے خیر و برکت پہنچانے کے لئے اور مجھ سے اذیت اور تکلیف کو دور کرنے کے لئے فقط اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ اسی پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ مومنین یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ کیونکہ مومنین کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ہی توکل اور بھروسہ کریں اس لئے آیت کریمہ میں ان کا ذکر مومنین کے نام سے کیا گیا ہے۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰی مَكَاتِبِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱﴾ مَن يَّاتِبْہٗ عَذَابٌ
یُّخْزِیْہٗ وَّیَحِلُّ عَلَیْہٖ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۲﴾ اِنَّا اَنۡزَلۡنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ
فَمَنۡ اِهْتَدٰی فَلِنَفۡسِہٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَلَاۤ اِنۡصِلُ عَلَیْہَا ۚ وَمَا اَنتَ عَلَیْہِمۡ بِوَكِیْلٍ ﴿۳﴾

”فرمائیے اے میری قوم! تم عمل کے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ پس تم ضرور جان لو گے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون ہے جس پر دائمی عذاب اترتا ہے؟ (اے حبیب!) ہم نے تماری سے آپ پر یہ کتاب لوگوں (کی ہدایت) کے لئے حق کے ساتھ۔ پس جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنا بھلا کرتا ہے۔ اور جو بہکتا ہے تو وہ بہکتا ہے اپنے آپ کو مگر اگر کرنے کے لئے۔ اور آپ ان (بد بختوں) کے ذمہ دار نہیں ملے۔“

لَعَلَّ مَكَاتِبِكُمْ، علی محاکم کے معنی میں ہے۔ یعنی اے میری قوم تم اپنے حال پر رہتے ہوئے عمل کئے جاؤ۔

مکانہ بمعنی جگہ طرف مکان ہے لیکن یہاں مجازاً حالت کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے جیسا کہ حیث اور ہندوؤں طرف زماں ہیں لیکن کبھی کبھی مجازاً طرف مکان کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

اِنِّیْ عَامِلٌ کے بعد بھی علی محاکم کے الفاظ محذوف ہیں۔ یعنی میں اپنی حالت پر کام کرتا رہوں گا۔ حذف سے مقصود کلام میں اختصار اور وعید میں مبالغہ کا اظہار ہے اور ساتھ ہی یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حالت ایک خاص حد پر پھیر نہیں جائے گی بلکہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ آپ کی قوت و نصرت میں مزید اضافہ کرتا رہے گا۔ اسی لئے آپ نے کافروں کو ان کے خلاف دونوں جہاں میں کامیاب و کامران ہونے کی وعید سنائی۔ (کہ میں کامیاب ہوں گا اور تم تباہ و برباد ہو گے) اور اللہ نے فرمایا کہ تم ضرور جان لو گے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ کے دشمنوں کا رسوا اور ذلیل ہونا ہی آپ کے ان پر غالب آنے کی دلیل ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کو غزوہ بدر میں ذلیل و رسوا کر بھی دیا۔

عَذَابٌ مُّقِیْمٌ سے مراد دائمی عذاب ہے اور وہ جہنم کا عذاب ہے۔ یعنی اور کون ہے جس پر دائمی عذاب اترتا ہے (یہ تم جان لو گے)

موصول کے لئے اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کریں۔ ”بالحقیقہ“ کا معنی ہے جو حق کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ ترکیب کلام میں یہ جملہ قول باری تعالیٰ وَلَقَدْ صَدَقَ الْوَعْدُ لَنَا فِي هَذِهِ الْقُرْآنِ کے ساتھ متصل ہے اور ان دونوں کے درمیان تمام جملے مخر سے ہیں۔ پس جو کتاب سے ہدایت قبول کرے گا تو اس کا قائدہ اور نفع بھی خود ہی حاصل کرے گا اور جو کوئی حق اور مصالح کے راستہ سے بہک جائے گا تو اس کی گمراہی کا وبال انکی اپنی ذات سے آئے گی۔ تمہاؤں میں سے کسی کے لئے اس کا ضرر اور نقصان بھی اسے ہی پہنچے گا اور آپ ان بد بختوں کے ذمہ دار نہیں، یعنی آپ کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی گئی کہ آپ انہیں ہدایت قبول کرنے پر مجبور کریں۔ بلکہ آپ کو تو فقط تبلیغ کرنے کا پیغام پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ آپ نے پہنچا دیا۔ پس اب ان کا گمراہ ہونا آپ کے لئے قطعاً نقصان دہ اور ضرر رساں نہیں۔

اللَّهُ يَتَوَكَّلُ عَلَى النَّفْسِ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٥١﴾

”اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روئیں) حالت نیند میں لے پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور وہاں بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ ميعاد تک۔ پس جب تک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ان کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ الٰہی نفس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بدلوں سے جانوں کو قبض کرتا ہے۔ اس طرح کہ یا تو ان کا تعلق اپنے ابدان سے کلی طور پر منقطع ہو جاتا ہے اور اس کے لئے بدن کے ظاہر اور باطن دونوں میں تصرف کرنا ممکن نہیں رہے گا اور ایسا تب ہوتا ہے جب موت آ جائے اور بدن سے جان کھینچی جائے۔ یا پھر اللہ تعالیٰ من و وجہ ظاہر اُچان قبض کر لیتا ہے اس طرح کہ اس سے قوت حس اور حرکت ارادہ سلب ہو جاتی ہے اور یہ ایسے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے تعلق کو عالم شہادت سے معطل کر کے عالم مثال کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے تاکہ وہ راحت و سکون حاصل کر لے اور یہ صورت حال نیند کی حالت میں ہوتی ہے۔ فوفی ہے یہ بلا معنی (موت اور کلی انقطاع) مراد لینا حقیقت ہے اور دوسرا معنی (نیند) مراد لینا مجاز ہے۔ لہذا یہاں کلام کو عموم مجاز پر محمول کیا جائیگا اور وہ ہے مطلق قبض کرنا۔ چاہے صرف ظاہر اُقبض ہو (یعنی نیند طاری ہو جائے) یا ظاہر اُور باطن اُکلی قبض ہو (یعنی موت آ جائے) یا پھر اس میں ایک اور فعل مقدر ہوگا یعنی اس طرح کہا ہے وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ يَفْضُطْهَا فِي مَنَامِهَا۔ (اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا اللہ تعالیٰ ان کی جانیں صرف حالت نیند میں قبض کر لیتا ہے) یعنی ان کی حس و حرکت کو قبض کر لیتا ہے۔

اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انسان کے لئے ایک نفس ہے اور ایک روح۔ پس نیند کے وقت نفس نکل جاتا ہے اور روح جسم میں باقی رہتی ہے۔ یہاں نفس سے مراد عقل و شعور اور قیڑ کرنے کی قوت ہے۔ یعنی نیند کے وقت آدی سے وہ قوت سلب کر لی جاتی ہے (جس کے سبب چیزوں کا ادراک ہوتا ہے اور ان میں باہم تمیز کی جاتی ہے) اور وہ روح جسم میں باقی رہتی ہے جس کے ساتھ حیات اور نظام نفس قائم ہے۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ذکر کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں نیند کے وقت روح بدن سے نکل جاتی

ہے اور اس کی شعاع جسم میں باقی رہتی ہے۔ اسی کے سبب آدمی خواب دیکھتا ہے (۱) پھر جب آدمی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اس کی روح ایک لحظہ سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اپنے بدن کی طرف لوٹ آتی ہے (۱)۔

اگر یہ اثر صحیح ہے تو میرے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ بندے کی روح بدن سے باہر نکل کر عالم ملکوت میں عالم مثال کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور یہ خروج نیند کے وقت ہوتا ہے اور اس کی شعاع یعنی اس کا تعلق بدن کے ساتھ اس طرح باقی رہتا ہے جیسے پہلے تھا۔ پس اسی خروج کے سبب وہ خواب دیکھتا ہے اور جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اس کی روح ایک لحظہ سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اس کے بدن کی طرف لوٹ آتی ہے۔

۲۔ پھر ان روحوں کو روک لیتا ہے جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے اور انہیں بدن کی طرف واپس نہیں لوٹاے گا یہاں تک کہ تجھ کو بھٹ دوق پڑے ہوگا (یعنی قیامت کے دن تک پھر انہیں واپس بدنوں میں نہیں لوٹا)

حزہ اور کسائی نے قضی کو صیفہ مجہول کی صورت میں قضی قاف کے ضمہ اور ضاد کے کمرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور المصوت کو مرفوع پڑھا ہے اور باقیوں نے صیفہ معروف کی صورت میں قضی پڑھا ہے اور اس میں ضمیر مستقر قافل لفظ اللہ کی طرف راجع ہے اور لفظ المصوت کو مفعولیت کی بناء پر منصوب پڑھا ہے۔

۳۔ اور دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک واپس بھیج دیتا ہے۔ یعنی وہ سونے والے کی جان کو ہوش و حواس اور احساس و ادراک کی طرف موت کے لئے مقررہ وقت تک واپس بھیج دیتا ہے۔

صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رات کے وقت حضور نبی کریم ﷺ آرام کے لئے بستر مبارک پر تشریف لے جاتے تو اپنا دست مبارک اپنے رخسار کے نیچے رکھ کر فرماتے اَللّٰهُمَّ بِنِكَ اَمُوتُ وَ اُحْيٰی۔ (اے اللہ! میری موت اور میری زندگی تیرے ہی قبضہ اختیار میں ہے) اور جب نیند سے بیدار ہو تو یہ پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اٰخٰیاَنَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اَلِیْهِ النُّشُوْرُ (۲)۔ (سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمیں موت (نیند) دینے کے بعد زندگی عطا فرمائی اور اسی کی طرف (قیامت کے دن) اٹھ کر جاتا ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آرام کے لئے اپنے بستر کی طرف جائے تو اپنے بستر کو چادر کے پلو سے خوب جھاڑ لینا چاہئے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کی جگہ (بستر میں) کون آ گیا ہے۔ (یعنی سانپ پھجوا اور دیگر اذیت ناک کیڑے مکوڑے وغیرہ) پھر زبان سے یہ کہے۔

۱۔ تفسیر بخاری، جلد ۵، صفحہ ۱۸ (المکر) ۲۔ مشکوٰۃ الصالح، ج ۵، صفحہ ۲۳۸۲ (المکر)

(۱) سلیم بن عامر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا آدمی کا خواب بھی قیامت کا سبب ہے اور ایسی چیز عالم و اب میں دیکھتا ہے جس کا تصور تک اس کے دل میں نہیں نکلتا۔ پس کبھی تو اس کا خواب ایسا ہوتا ہے جیسے وہ اس کو ہاتھ سے پکڑ کر لے آیا ہے۔ (یعنی اس کا خواب بالکل سچا ہوتا ہے) اور آدمی کبھی ایسا خواب دیکھتا ہے کہ وہ حقیقتاً وہ کوئی شے نہیں ہوتا (یعنی وہ جھوٹا ہوتا ہے) تو حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے امیر المؤمنین! کیا میں آپ کو اس کے بارے میں خبر دوں؟ ہے شک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ یَتَوَكَّلُ عَلٰی الْفٰسِقِ جَیْنِ مَوٰظِعَ اَوَّلٰی لَمَ شَکَّ فِیْ مَوٰظِعَ اَوَّلٰی لَمَ شَکَّ فِیْ عَیْنِیْ فَهَیْذَا فَهَیْذَا وَ یُؤَلِّیْ اَلْاٰخِرٰی اِلٰی اَوَّلٰی لَمَ شَکَّ۔ پس اللہ تعالیٰ تمام جانوروں کو قبض کر لیتا ہے۔ آسمان کی بلند یوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے قرب میں جو کچھ یہ سمجھتی ہیں وہ جیسے خواب ہوتے ہیں اور جب وہاں سے انہیں جسموں کی طرف واپس بھیجا جاتا ہے تو شیطان ان سے ملے ہیں تو وہ ان کی دیکھتی ہیں تو وہ بے شک یہ سمجھ کر کہتے ہیں اور کچھ جھوٹی باتوں کی استخبر دیتے ہیں وہ جھوٹے خواب ہوتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر خوب متعجب ہوئے۔

بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتَ جَنْبِي وَبَكَ أَرْفَعُهُ إِنَّ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَأَرْحُمَهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَأَحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ۔ (اے میرے رب! میں نے تیرے ہی نام کی برکت سے اپنا پہلو (بستر پر) رکھا ہے اور تیرے ہی نام کی برکت اور مدد سے اس (بستر سے) اٹھانے لگا اگر تو میری جان کو روک لے تو اس پر رحم فرما نا اور اگر تو اسے واپس آنے کے لئے چھوڑ دے تو اس کی ایسی چیزوں سے حفاظت فرما نا جن سے تو اپنے صالح اور نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ بستر کو چھاننے کے بعد وائیں پہلو پر لیٹ جائے اور پھر مذکورہ کلمات کہے اور ایک روایت میں ہے کہ اسے اپنے کپڑے کے پلو سے تین بار بستر جھاڑنا چاہئے اور اس میں اِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَأَرْحُمَهَا کی بجائے اِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَأَغْفِرْ لَهَا کے الفاظ ہیں۔ (یعنی اگر تو میری جان کو روک لے تو اس کی مغفرت فرما دینا) (۱)۔

یہ چٹک جان قبض کرنے، بعض کو روک لینے اور بعض کو واپس بھیج دینے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے کامل ہونے اور اس کی رحمت کے عام ہونے کی کثیر دلیلیں اور نشانیاں ہیں۔ ان کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں کہ بدنوں کے ساتھ روحوں کے تعلق کی کیفیت کیا ہے۔ موت کے وقت کلی طور پر انہیں کیسے قبض کیا جاتا ہے اور بدنوں کے فناء ہونے کے باوجود یہ باقی رہتی ہیں اور پھر ان پر سعادت و شقاوت کے آثار کیسے ظاہر ہوتے ہیں اور اس میں کیا حکمت ہے کہ جانوں کو ظاہری طور پر قبض کر لیا جاتا ہے اور پھر وقفاً قفا موت کے مقررہ وقت تک اسے قبض کرنے اور پھر واپس بھیجنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پس ان تمام میں غور و فکر کرنے والے یہ جان لیتے ہیں کہ وہ ذات جو ان تمام احوال و کیفیات پر قادر ہے وہ بالیقین دوبارہ اٹھانے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ یہ آیت قول باری تعالیٰ فلیتوکل المتوكلون کی علت بیان کرنے کے محل میں واقع ہے۔

أَوْ اَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠﴾

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾

”کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اللہ کو چھوڑ کر اور سفارشی۔ پوچھئے اگرچہ وہ (مزعومہ سفارشی) کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و شعور رکھتے ہوں! آپ فرمائیے سب شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی پھر اسی کی طرف تم لوٹنا سے جاؤ گے۔“

۱۔ اَوْ اَتَّخِذُوا میں امتدادیہ ہے اور ہمزہ انکار کے معنی میں ہے۔ یا پھر اِمْتَصِلْ ہے اور مزدوف جملہ پر معطوف ہے۔ اللہ پر کلام اس طرح ہے اجْعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ اَمْ اتَّخِذُوا مِنْ دُونِهِ شُفَعَاءَ۔ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک بنائے ہیں یا اسے چھوڑ کر اور سفارشی بنائے ہیں؟ یا یہ اِمْتَصِطَفْ ہے اور بل انضرابیہ کے معنی میں ہے اور یہ انضراب ان فی ذلک لایت لقوم یفکرون کے مضمون سے ہے۔

اے محمد ﷺ! آپ پوچھئے اگرچہ وہ (مزعومہ سفارشی) کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و شعور رکھتے ہوں اَوَلَوْ كَانُوا میں بھی ہمزہ انکار کے لئے ہے۔ اللہ پر کلام اس طرح تھا اِنشَفَعُونَ لَكُمْ وَلَوْ كَانُوا اَعْلٰی هَذِهِ الصَّفَةِ اَلَّتِی تَشَاهِدُوْنَهُمْ عَلَیْهَا خِمَا ذَاتٌ لَا تَعْقِلُ وَلَا تَقْدِرُ۔ کیا وہ تمہاری سفارش کریں گے اگرچہ وہ اسی حالت پر ہوئے جس پر تم انہیں دیکھ رہے ہو کہ وہ

تعالیٰ ہی تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہمارے تمام احوال اور جو چیزیں ہم سے غائب ہیں اور جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان سب کو جاننے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (اس لئے اس نے اپنے محبوب کو اپنی بارگاہ میں استیجا کا حکم ارشاد فرمایا) کہ تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ یعنی حق پر چلنے والے کی مدد فرمائے گا اور باطل پر چلنے والے کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ ان امور میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کن الفاظ سے رات کی نماز شروع کیا کرتے تھے تو انہوں نے فرمایا۔ آپ ﷺ یہ کہا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ رَبِّ جَبْرِئِلَ وَ مِکائِلَ وَ اسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ غَالِبِ الْغُیْبِ وَ الشَّہَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِکَ فِیْ مَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِیْ لِمَا اُخْتَلِفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاُذْنِکَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ۔

(اے اللہ! جبرائیل و میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! اے غیب اور شہادت کو جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ جب مسائل میں اختلاف ہو جائے تو مجھے اپنے اذن اور حکم کے ساتھ راہ حق کی راہنمائی فرما کیونکہ مجھے تو جانتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔)

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَلٰٓئِکَۃً فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَ مِثْلَهُ مَعَهُ لَا فِئْتَدٰ وَاِیْہِ مِنْ سُوْرَۃِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ وَ بَدَّ اَلْہُمْ مِّنَ اللّٰہِ مَا لَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ۝۷ وَ بَدَّ اَلْہُمْ سِیَآتٍ مَا کَسَبُوْا حَاقَ بِہُمْ مَا کَانُوْا یَسْتَنْزِعُوْنَ ۝۸

”اور اگر ان کے پاس جنہوں نے شرک کیا زمین میں جو کچھ ہے سب ہو اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تو چاہیں گے کہ بطور فدیہ ادا کر دیں اسے برے عذاب کے عوض قیامت کے دن اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ برے اعمال جو انہوں نے کئے تھے اور گھبر لے گئے انہیں وہ (عذاب) جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

۱۔ اگر ان کے پاس جنہوں نے شرک کیا جو کچھ زمین میں ہے سب ثابت ہو جائے اور جمع ہو جائے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہو تو وہ چاہیں گے کہ اسے برے عذاب کے عوض بطور فدیہ ادا کریں۔ قیامت کے دن یہ ان کے لئے انتہائی شدید وعید ہے اور انہیں خلاصی پانے سے حد درجہ مایوس اور ناامید کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ (یعنی ان کے لئے عذاب سے نجات پانے کی قطعاً کوئی امید باقی نہیں ہوگی) اور اس روز ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب دینے کے ایسے مراتب اور درجات ظاہر ہوں گے جن کا وہ وہم و گمان بھی نہیں کرتے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے ارشاد فرمایا فَلَا تَتْلُمُوْا نَفْسًا مَّا اَخْفٰی لَہُمْ فِیْ ذٰلِکَ فَوْقَ اَعْیُنِہُمْ۔ (پس کوئی نفس نہیں جانتا جو مومنین کے لئے آنکھوں کی ضد تک مخفی رکھی گئی ہے) تو اس کے مقابلہ میں انتہائی زور اور مبالغہ کے ساتھ اہل جہنم کے لئے یہ فرمایا وَ بَدَّ اَلْہُمْ مِّنَ اللّٰہِ مَا کَسَبُوْا حَاقَ بِہُمْ مَا کَانُوْا یَسْتَنْزِعُوْنَ۔

مقابل نے کہا ہے جب انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا تو اس وقت ان کے لئے وہ عذاب ظاہر ہوگا جس کا وہ دنیا میں گمان بھی نہیں

کرتے کہ آخرت میں انہیں ایسے عذاب سے واسطہ پڑے گا (۱)۔ اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ بت ان کی سفارش کریں گے یا ان کا وہم یہ تھا کہ ان کے لئے حشر و نشر نہیں ہوگا یا اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ آخرت میں ان کی حالت مؤمنین کی نسبت کہیں اچھی اور بہتر ہوگی۔ لیکن اس دن ان کے وہم و گمان کے خلاف ظاہر ہوگا۔

سودی نے کہا ہے کہ ان کا گمان تھا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں یہ سب نیکیاں ہیں لیکن قیامت کے دن ان کے لئے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ سب برائیاں ہیں۔ یعنی وہ بتوں کی پوجا کرنے کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ گمان کرتے تھے تو جب اس پر انہیں سزا دی جائے گی تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ کچھ ظاہر ہوگا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتے (۲)۔

۳۔ جب ان پر ان کے اعمال نامے پیش کئے جائیں گے تو شرک اور اولیاء اللہ کے ساتھ کئے جانے والے ظلم و زیادتی جیسے اعمال کی برائی ان کے سامنے ظاہر ہو جائے گی اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ماسکالو میں ماموصول ہے اور اس سے مراد عذاب ہے یا مصدر یہ ہے اور معنی یہ ہے کہ ان کے استہزاء کرنے کی سزا انہیں گھیر لے گی۔

فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا نَاثُورًا ۖ إِذَا حَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أَزِيدُهُ ۚ عَلِيمٌ بِذُنُوبِهِمْ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ قَدْ قَالُوا الَّذِي نَدْعِيهِ مِن قَبْلِهِمْ
فَمَا آغْنَىٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُكْسِبُونَ ۝

”پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے ۱۔ پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں اسے نعمت اپنی جناب سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (اپنے) علم (و فضل) کے باعث۔ (اے غافل یوں نہیں) بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۲۔ کئی تھی یہ بات ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے (جب ہم نے انہیں پکڑا) تو نہ فائدہ پہنچایا انہیں (مال و دولت نے) (جو وہ کمایا کرتے تھے)۔“

۱۔ آیت میں الانسان سے مراد کافر انسان ہے (اور اس پر الف لام عہدی ہے) بعض نے کہا ہے کہ الف لام محض ہے اور اس میں جنس انسان کی خبر دی جا رہی ہے لیکن چونکہ کفار کی تعداد زیادہ ہے لہذا اس کثرت کے پیش نظر جنس انسان سے مراد کافر انسان ہیں۔ ضرر کا معنی ہے شدت، سخت تکلیف، یعنی جب کافر انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے۔ ترکیب کلام میں اس جملہ کا معطف قول باری تعالیٰ واذا ذکر اللہ وحدہ ۳۔ حرف فاء کے ساتھ کیا ہے تاکہ مکرر ان میں پائے جانے والے تاقض کی وضاحت ہو جائے اور یہ بیان ہو جائے کہ وہ اسباب کو الٹا کیسے کرتے ہیں۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت ان کے چرے مسکراتے ہیں اور پریشان ہو جاتے ہیں لیکن بتوں کے ذکر کے وقت ان کے چرے کھل جاتے ہیں، ان پر فرحت و انبساط کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں اور پھر جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسے ہی پکارتے ہیں جس کا ذکر سن کر چرے مسکرتے تھے نہ کہ انہیں جن کا ذکر سن کر انہیں خوشی ہوئی تھی۔ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملے معترضہ ہیں جو انکاری تاکید کے لئے ذکر کئے گئے ہیں۔

۲۔ پھر جب ہم اسے اپنی مہربانی اور فضل سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے اپنے علم و فضل کے باعث دی گئی ہے۔ تحویل کا لفظ مہربانی کرتے ہوئے کسی کو کچھ دینے کے ساتھ مختص ہے۔ (یعنی یہ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے) علمی رہیم سے

مراد ہے کمائی کے اسباب اور ذرائع۔ یا یہ کہتا ہے کہ یہ نعمت مجھے اسلئے دی گئی ہے کہ میں اس کا مستحق تھا۔ یا یہ کہتا ہے کہ میں جانتا تھا کہ یہ نعمت مجھے عطا کرنا اللہ تعالیٰ پر لازم ہے۔ اگر ماکو موصولہ بنایا جائے تو پھر اوتیہ کی ضمیر کا مرجع وہی ہے۔ ورنہ ضمیر نعمتی کی طرف راجع ہے۔ چونکہ نعمت سے مراد شے ہے اس لئے ضمیر مذکر ہے۔ (اسے غافل یوں نہیں) بلکہ یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے امتحان اور آزمائش ہے کہ کیا بندہ اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔ یا پھر یہ نعمت انہیں عذاب میں مبتلا کرنے کے لئے ایک سبب اور خاص تدبیر ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے بلکہ وہ بات جو انہوں نے کہی وہ ایک آزمائش ہے اور موجب عذاب ہے۔ لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ الانسان سے مراد جنس انسان ہے (۱)۔ (کیونکہ لکن حرف استدراک ہے جو اس پر دلالت کر رہا ہے کہ اس نادانی کا حکم تمام انسانوں پر نہیں بلکہ اکثر کے لئے ہے)

میں کہتا ہوں کہ اگر الانسان سے مراد کافر انسان بھی ہو تب بھی اکثر کفار سے مراد کل کفار ہی ہوں گے۔ (لہذا جنس انسان مراد نہ لینے میں بھی معنی میں کوئی ضعف پیدا نہیں ہوتا) یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کفار میں سے بعض یہ اعتقاد اور یقین رکھتے تھے کہ وہ باطل پر ہیں جیسا کہ علمائے یہود وغیرہ لیکن وہ ضرور سرکش و دھری اور ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔

۱۔ یہ بات ان لوگوں نے کہی تھی جو ان سے پہلے تھے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ اس سے مراد قارون ہے کیونکہ اس نے یہ کہا تھا اِنَّمَا اُوْتِيتُنَا عَلٰی عِلْمٍ بَيْنَيْنَا (۲)۔ چونکہ بہت سے لوگوں نے اس کے اس قول کے ساتھ رضامندی اور اتفاق ظاہر کیا تھا اس لئے ان تمام کی طرف اس قول کی نسبت کرتے ہوئے قلم ہم میں ضمیر جمع ذکر کی گئی ہے۔

پس وہ خزانے جن کی چابیاں اٹھانے کے لئے طاقتور لوگوں کی ایک جماعت درکار تھی۔ ان خزانوں اور مال و دولت کے انبار نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۚ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ سَيِّئَاتُهُمْ سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا ۚ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ اَوَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَ يَقْدِرُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

”پس جو برے کام انہوں نے کئے ان کا نتیجہ انہیں جھٹکتا پڑا۔ اور جنہوں نے ظلم کیا ہے ان لوگوں میں سے انہیں بھی عذریہ اپنی بد اعمالیوں کی سزا جھٹکتی ہوگی۔ اور یہ (ہمیں) عاجز نہیں کر سکتے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کشادہ عطا فرماتا ہے رزق جس کو چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے) یقیناً اس (تقسیم رزق) میں اس کی (حکمت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لئے۔“

۱۔ فَاَصَابَهُمْ سَيِّئَاتٍ میں (سینہ) برائی کی جزا کو سب کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے تو یہ اس لئے ہے کیونکہ یہ برائی کے مقابلہ اور جواب میں واقع ہوتی ہے۔ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ سَيِّئَاتُهُمْ سَيِّئَاتٍ میں سے جنہوں نے کفر (ظلم) کیا۔ انہیں بھی عذریہ اپنی بد اعمالیوں کی سزا جھٹکتی ہوگی۔ یعنی جیسے انہوں نے کہا ویسے ہی ان کے ساتھ بھی سلوک ہوگا۔ چنانچہ وہ سات سال تک قحط میں مبتلا رہے، میدان بدر میں ان کے بڑے بڑے سردار قتل کر دیئے گئے اور پھر انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا صرف وہ بھیجیں گے جنہوں نے ان میں سے توبہ کر لی

اور ایمان لے آئے۔

وَمَا لَهُمْ يُبْغِضُونَكَ اَوْ يَمُوتُ عَاجِزٌ يَمُوتُ كَرِهْتَ اَوْ عَذَابٌ سَخِطَ كَرِهْتَ اَوْ عَذَابٌ سَخِطَ

۱۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جبکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بطور امتحان اور محک پائش کشادہ رزق عطا فرمادیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بطور امتحان اور آزمائش اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے۔ یہ استہتام انکاری ہے اور اس کا عطف محذوف کلام پر ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے۔ يَقُولُونَ هَذَا الْقَوْلَ يَنْهَىٰ اَنْتُمْ اَوْ يَنْهَىٰ عَلٰی عِلْمٍ وَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّ فَوْ سَعَةَ الرِّزْقِ وَنَصِيْقَةُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ یعنی وہ یہ قول تو کہتے ہیں کہ ہمیں یہ مال و دولت اپنے علم و فضل کے سبب حاصل ہوا اور وہ یہ نہیں جانتے کہ رزق کی وسعت اور فراخی اور رزق کی تنگی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ وہ کبھی ایسے آدمی کو کشادہ رزق عطا فرمادیتا ہے جو کمائی کے ذرائع اور طریقے نہیں جانتا اور وہ بالکل عزت و کرامت اور خوشحالی کا مستحق نہیں ہوتا اور کبھی اس کی برعکس حالت میں وہ رزق کو تنگ کر دیتا ہے (یعنی وہ آدمی کمائی کے ذرائع سے واقف ہوتا ہے صاحب علم و ہنر ہوتا ہے بظاہر اس کا استحقاق محسوس بھی ہوتا ہے لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود ای کا رزق تنگ ہو جاتا ہے) یقیناً اس تقسیم رزق میں اصل ایمان کے لئے اس کی حکمت کی نشانیاں ہیں، یعنی ایسے لوگوں کے لئے جو یہ ایمان رکھتے ہیں کہ تمام تر حوادث اللہ تعالیٰ کی جانب سے وقوع پذیر ہوتے ہیں بظاہر اسباب اپنی عادت کے مطابق جاری رہتے ہیں (یعنی بظاہر نتائج کا دار و مدار اسباب پر ہوتا ہے) لیکن کبھی غیر متوقع اور غیر معمولی تغیر و تبدل رونما ہوتا ہے جس سے نتائج بدل جاتے ہیں اور یہ رب کریم کے دائرہ قدرت میں ہے)

شیشین نے صحیحین میں روایت نقل کی ہے کہ مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور انتہائی کثرت کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی۔ بیشک جو کچھ آپ کہتے ہیں اور جس کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں وہ اچھا ہے، حسین ہے۔ اگر آپ ہمیں اس پر بھی مطلع کر دیں کہ اب تک جو برے اعمال ہم کرتے رہے ہیں یہ ان کا بھی کفار ہو جائے گا۔ اس وقت ایک سورہ فرقان کی آیت قُلْ وَاللّٰہِ لَآ یَکْفُرْنَ عَنْہُمْ اَوْ اَلِہُمْ اِلٰہًا غَیْرُہُ الَّذِیْ قَوْلُہُ عَفْوَ اَوْ اَشْرَکَیْنَا مَا نَزَلَ ہُوَ (۱)۔ اور اس کے ساتھ ہی آیت کریمہ قُلْ لِّیْبَادِیَ الْاٰیۃ نَازِلَ ہُوَ۔

قُلْ لِّیْبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمۡ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ۚ اِنَّ اللّٰہَ یَعْفُو الدُّنُوْبَ جَمِیْعًا ۚ اِنَّہٗ ہُوَ الْعَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۶﴾

”آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر یا پس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے بے

یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔ بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمائیے والا ہے۔“

۱۔ لیبا دی کو ابو عمرو و حمزہ اور کسائی نے سکون یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور وصل کلام اجماع ساکنین کی وجہ سے یا کو حذف بھی کر دیا ہے اور باتوں نے اس میں یا کو مفتوح پڑھا ہے۔

ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۲)۔ اسی طرح علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے۔

ایسے ہی طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو دعوت اسلام دینے کیلئے ایک آدمی بھیجا تو اس نے جواباً یہ کہلا بھیجا آپ مجھے اپنے دین کی طرف کیسے دعوت دے رہے ہیں؟ حالانکہ آپ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ جس نے کسی کو قتل کیا یا شرک کیا یا زنا کا مرتکب ہوا تو وہ ایسا گناہ کرنے والا ہے جس کیلئے اسے قیامت کے دن دو گنا عذاب دیا جائیگا اور میں نے یہ سب کچھ کیا ہوا ہے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ عَصِيَ ثَابِتٍ وَ عَيْنٌ عَصَا لِحَالِمَا (سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے) تو وحشی نے کہا یہ شرط تو انتہائی شدید اور سخت ہے شاید میں اسے پورا کرنے پر قادر نہ ہو سکوں تو کیا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ وَ يُغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ

وحشی نے کہا یہ نکداس میں مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ موقوف ہے اس لئے میں شبہ میں پڑ گیا ہوں کہ آیا توبہ کرنے کے بعد میری بھی مغفرت ہوگی یا نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت قُلْ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ اللّٰهُ مَا نَزَلَ اِلَيْهِ نَزْلًا (۱)۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت میں مزید یہ نقل کیا ہے (کہ اس آیت کے نزول کے بعد) مسلمانوں نے عرض کی کیا یہ صرف وحشی کے لئے ہی خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ حاکم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کہا کرتے تھے کہ ایسا آدمی جس نے اسلام قبول کرنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے بعد طرح طرح کے مصائب اور آزمائشوں میں مبتلا ہونے کے سبب اپنا دین چھوڑ دیا تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ پس جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ پر تشریف لائے تو ایسے لوگوں کے بارے میں یہ آیت قُلْ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ اللّٰهُ مَا نَزَلَ اِلَيْهِ نَزْلًا (۲)۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت عیاش بن ربیعہ ولید بن ولید اور مسلمانوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر وہ آزمائشوں میں مبتلا ہو گئے اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں اور امتحان دی گئیں چنانچہ تنگ آ کر انہوں نے دین اسلام چھوڑ دیا تو ہم یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی ان کا کوئی عمل قبول نہیں فرمائے گا چاہے وہ فرض ہو یا نفل۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام لائے۔ پھر جبراً انہیں تکلیفیں اور دکھ پہنچائے گئے تو اسی کے سبب انہوں نے دین اسلام چھوڑ دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طہیات نازل فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے ان آیات کو لکھ کر عیاش بن ربیعہ ولید بن ولید اور ان لوگوں کی طرف بھیج دیں۔ چنانچہ وہ پھر اسلام لے آئے اور ہجرت کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے (۳)۔

۴۔ قُلْ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ اللّٰهُ مَا نَزَلَ اِلَيْهِ نَزْلًا (۴) علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اسراف سے مراد گناہ کبیرہ ہیں (۴)۔ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یعنی جب تم ایمان لے آؤ گے اور شرک سے توبہ کر لو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور مہربانی سے قطعاً مایوس اور ناامید نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت حاصل کرنے کے لئے اس پر ایمان لائے اور شرک سے توبہ کرنے کی

قید بالا جماع ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی کہ **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ** اور اس آیت کے سبب نزول کے بارے جو روایات ذکر کی گئی ہیں وہ بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ لہذا معنی یہ بنتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور ناامید ہو کر ایمان کو محض اس بناء پر نہ چھوڑو کہ تم نے اس سے قبل اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں۔

سے **إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا** یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے چاہے وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ بشرطیکہ تم شرک سے توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ واحدہ لاشریک کے ساتھ ایمان لے آؤ۔ کیونکہ اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ ختم کرتا ہے (۱)۔ یہ روایت حضرت عمرو بن عباس رضی اللہ عنہ سے حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے اور اسے مسلم نے نقل کیا ہے۔

اس آیت کا شان نزول اگرچہ خاص ہے کیونکہ یہ صرف ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حالت شرک میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا اور پھر اسلام لے آئے۔ لیکن اس کے الفاظ عام ہیں اور اس پر یہ مفہوم دلالت کرتا ہے کہ بندہ جب ایمان لے آئے (چونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادہ کی اضافت اپنی ذات کی طرف کرتے ہوئے فرمایا عبادی تو اس میں عبادہ قرآن کے مطابق یہ دلیل موجود ہے کہ عباد سے مراد مومن بندے ہیں تب ہی اللہ تعالیٰ نے نسبت اپنی طرف فرمائی ہے) اور اگر وہ اسلام لانے کے بعد گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو پھر بھی یہ امید ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کی مغفرت فرما دے گا اگرچہ اس نے توبہ نہ بھی کی (لہذا اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہئے) جیسا کہ اس معنی پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونِ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ** اور اس کی علت یہ ارشاد بیان کر رہا ہے۔ **إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ**۔ بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمائو والا ہے۔ کیونکہ الغفور مبالغہ کا صیغہ ہے اس پر الف لام جہر کا فائدہ دیتا ہے۔ مغفرت کے بعد رحمت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ آیت کے آغاز میں لفظ عبادی ہی مغفرت کے عام ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ لفظ عبادہ جزی و انعکاسی پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اسے اپنی طرف منسوب کرنا اختصاص کا فائدہ دیتا ہے اور پھر عاجزی اور اختصاص دونوں ہی رحم کرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ پھر اس میں زیادتی اور گناہ کے ضرر اور نقصان کو انفس کے ساتھ خاص کر دیا اور پھر مطلق رحمت سے مایوس اور ناامید ہونے سے منع فرمادیا چہ جائیکہ کوئی مغفرت سے مایوس ہو۔ اور اس کی علت یہ قول بیان کر رہا ہے **إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا** (بیشک اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دیتا ہے) اور پھر ضمیر کی جگہ لفظ اللہ صراحتاً ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس پر دلالت کرے کہ وہ مستغنی (بے نیاز) ہے اور وہی منعم حقیقی ہے اور پھر لفظ ذنوب کی تاکید جمیعاً سے ذکر کی (تو مذکورہ بالا تمام قرآن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ بندہ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی مغفرت عام ہے چاہے اس نے گناہ کبیرہ مرتد زہد یا صغیرہ۔ وہ توبہ کرے یا نہ کرے۔ بردہ حال میں اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہئے) اس بارے میں متعدد احادیث موجود ہیں اور اس پر اجماع امت بھی ہے۔

مقاتل بن حبان نے تالیف کے واسطے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا گروہ یہ خیال کرتے تھے یا کہتے تھے کہ ہماری نیکیوں میں سے ہر نیکی مقبول ہے حتیٰ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ** (اے اہل ایمان! تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو بیکار نہ کرو) تو ہم نے کہا کوئی وہ چیز ہے جس سے ہم اپنے اعمال کو باطل کر سکتے ہیں۔ تو ہم نے خیال کیا کہ وہ لفظ کبار اور

فواش ہی میں آپ فرماتے ہیں۔ پھر جب ہم کسی کو گناہ کبیرہ کا ارتکاب عاکرتے دیکھتے تو ہم کہتے ہیں تو بھلاک ہو گیا ہے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی قُلْ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ أَسْرَفُوا ۖ لَا يَدْرِيءُ مَا لَهُمْ يَوْمَئِذٍ مِنَ الْعَذَابِ ۚ سَاءَ لِمَا كَانُوا عَمَلِينَ (توبہ)۔ پھر جب ہم کسی کو دیکھتے کہ اس سے گناہ صادر ہوا ہے تو ہمیں اس کے بارے (بربادی، اعمال کا) خوف ہونے لگتا اور اگر کسی سے گناہ کبیرہ سرزد نہ ہوتا تو اس کے لئے (قبولیت اعمال کی) امید رکھتے (۱)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ مسجد میں داخل ہوئے وہاں ایک وعظ کرنے والا جنم کے عذاب اور اس کے طوق و زنجیر کا ذکر کر رہا تھا تو آپ اس کے سر کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور کہا اے ذکر و نصیحت کرنے والے! لوگوں کو (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے) مایوس اور ناامید نہ کرو۔ پھر آپ نے یہی آیت قُلْ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ أَسْرَفُوا ۖ لَا يَدْرِيءُ مَا لَهُمْ يَوْمَئِذٍ مِنَ الْعَذَابِ ۚ سَاءَ لِمَا كَانُوا عَمَلِينَ پڑھی (۲)۔ حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پڑھتے سنا قُلْ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ أَسْرَفُوا ۖ لَا يَدْرِيءُ مَا لَهُمْ يَوْمَئِذٍ مِنَ الْعَذَابِ ۚ سَاءَ لِمَا كَانُوا عَمَلِينَ (۳) آپ فرمائیے! اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دے گا اور وہ کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔ اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور شرح السنۃ میں یہ حدیث کی بجائے بقول کے الفاظ ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی نے ننانوے (99) انسانوں کو قتل کیا تھا پھر وہ ایک راہب (تارک دنیا آدمی) کے پاس آیا اور (توبہ کے بارے) اس سے دریافت کیا تو اس راہب نے اسے کہا تیرے لئے اب کوئی توبہ نہیں۔ تو اس نے اسے بھی قتل کر دیا اور پھر لوگوں سے پوچھتا رہا (کہ توبہ کے بارے دریافت کرنے کے لئے کہاں جاؤں؟) تو پھر اسے ایک آدمی نے بتایا فلاں گاؤں میں جاؤ وہاں ایک اللہ تعالیٰ کا ولی ہے اس سے جا کر توبہ کا کوئی سبب اور طریقہ دریافت کرو۔ چنانچہ وہ اس کی راہنمائی پر اس گاؤں کی طرف چل پڑا لیکن ابھی وہاں نہیں پہنچا تھا کہ راستے میں ہی اسے موت نے آلیا اور اس نے بڑی تکلیف اور مشقت کے ساتھ (دم نکلتے نکلتے) اپنا سینہ اس گاؤں کی طرف اٹھا دیا (یعنی سینے کا رخ ادھر پھیر لیا) اور فوت ہو گیا تو اس کے بارے ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب کے مابین اختلاف اور جھگڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک طرف (گاؤں والی طرف) کی زمین کو حکم فرمایا تو قریب ہوجا (سکڑ جا) اور دوسری طرف (یعنی جدر سے دور چل کے آیا تھا) والی زمین کو حکم فرمایا تو دور ہوجا (بچھل جا۔ طویل ہوجا) اور فرشتوں کو حکم فرمایا ان دونوں کے درمیان مسافت ناپ لو۔ چنانچہ ملائکہ نے گاؤں والی طرف کی زمین کو ایک باشت قریب پایا (طے شدہ سفر کی نسبت باقی ماندہ ایک باشت کم لگی) تو اسی کے سبب اسے بخش دیا گیا۔ متفق علیہ (۴) اس حدیث کو مسلم بن حجاج نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے مطابق روایت اس طرح ہے کہ اس قاضی کی راہنمائی راہب کی طرف کی گئی۔ وہ اس کے پاس پہنچا اور کہا میں نے ننانوے افراد کو قتل کیا ہے کیا میرے لئے توبہ کا کوئی ذریعہ ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ چنانچہ اس نے اسے بھی قتل کر کے پورے سو کر دیئے۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ اہل زمین میں سے بڑا عالم کون ہے؟ چنانچہ اسی کی راہنمائی ایک عالم کے بارے کی گئی تو اس نے ان کے پاس جا کر پوچھا کہ میں نے سو افراد کو قتل کیا ہے کیا توبہ کا کوئی

2۔ تفسیر بخاری، جلد 5، صفحہ 22 (الفکر)

4۔ مشکوٰۃ المصابیح، حدیث: 2327 (الفکر)

1۔ تفسیر بخاری، جلد 5، صفحہ 22 (الفکر)

3۔ جامع ترمذی، حدیث: 3237 (دارالحدیث)

ذرا بعد ہے؟ تو عالم نے جواب دیا کیوں نہیں آپ کے اور تو بہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ تم فلاں بستی کی جانب چلے جاؤ۔ کیونکہ وہاں کے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ مل کر عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور اپنی زمین کی طرف لوٹ کر نہ آنا۔ کیونکہ یہ برائی والی زمین ہے۔ چنانچہ وہ اس بستی کی طرف چل پڑا۔ ابھی نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ اسے موت آ گئی۔ اب ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب کے مابین اختلاف ہو گیا۔ پس ایک فرشتہ ظاہری صورت میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے اسے حکم (تالافت) چن لیا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں جانب کی زمین ٹاپ لو۔ کوئی جانب کی زمین قریب ہے جس جانب کی زمین قریب ہو (یعنی مسافت کم ہو) یہ اسی جانب کے لئے ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے زمین کو ناپا تو انہوں نے اس جانب کی زمین کو کم اور قریب پایا جس جانب وہ جا رہا تھا تو اس طرح رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح پر قبضہ کر لیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک آدمی تھا جس نے کبھی بھی کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا تو اس نے اپنے گھر والوں کو یہ وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا پھر نصف راکھ خشکی میں اور نصف کو سمندر میں اڑا دینا۔ کیونکہ قسم بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے اسے گرفت میں لے لیا تو بالیقین اتنا شدید اور سخت عذاب دے گا جتنا وہ پوری کائنات میں سے کسی کو نہیں دے گا۔ چنانچہ جب وہ مر گیا تو گھر والوں نے وہی کچھ کیا جیسے اس نے کہا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم ارشاد فرمایا تو اس نے وہ ساری راکھ جمع کر دی جو اس میں ڈالی گئی تھی۔ پھر خشکی کو حکم دیا تو اس نے بھی وہ ساری راکھ جمع کر دی جو اس میں اڑائی گئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا اب بتا تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ تو اس نے جواب عرض کی اسے میرے رب! صرف تیرے خوف اور ڈر کی وجہ سے۔ اور تو بہتر جانتا ہے تو اسی پر اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ (مشفق علیہ (۱)۔

علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ مضمض بن حوش نے کہا میں مدینہ طیبہ کی مسجد میں داخل ہوا تو مجھے ایک بوڑھے شیخ نے آواز دے کر کہا اے یحییٰ! میرے قریب آؤ حالانکہ میں انہیں نہیں پہچانتا تھا۔ انہوں نے مجھے کہا کسی آدمی سے یہ نہ کہنا وَاللّٰہُ لَا یَغْفِرُ الْمَلَکَ وَلَا یُذْخِلُکَ الْجَنَّةَ (قسم بخدا! اللہ تعالیٰ تیری مغفرت نہیں کرے گا اور تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا) تو میں نے سن کر عرض کی اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا میں ابو ہریرہ ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا ہم میں سے جب کوئی غصے اور غضب کی حالت میں ہوتا ہے تو یہ کلمات تو وہ اپنے گھر والوں کو بھی کہہ دیتا ہے اپنی بیوی کو بھی اور اپنے خدام کو ایسے ہی کہہ دیتا ہے تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے دو آدمی تھے جو باہم ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ ان میں سے ایک انتہائی عبادت گزار تھا اور دوسرا انتہائی رکھتا تھا تو عبادت گزار اپنے دوسرے ساتھی کو بہتار بتاتا تھا اب تو گناہوں سے باز آ جا تو وہ جواب دیتا تو مجھے چھوڑ میرا معاملہ میرے رب کے سپرد کر، میں جانوں اور وہ۔ وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ ایک دن اس نے اپنے ساتھی کو بہت بو سے گناہ میں مبتلا پایا تو اسی عبادت گزار نے اسے کہا اب تو گناہ چھوڑ دے تو اس نے جواب دیا تو مجھے چھوڑ میرا معاملہ میرے رب کے سپرد کر۔ کچھ تھکے میرا نگران (اعمال کی تاک میں رہنے والا) بنا کر بھیجا گیا ہے؟ تو عبادت گزار نے اس کے جواب میں کہا قسم بخدا! اللہ تعالیٰ بھی میری مغفرت نہیں فرمائے گا اور تجھے کبھی بھی جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف موت کا فرشتہ بھیجا۔ اس نے ان دونوں کی ارواح کو قبض کیا۔ اس طرح وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ

میں جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کرنے والے کو کہا تو میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جا اور دوسرے سے فرمایا کیا تو یہ طاقت رکھتا ہے کہ میرے بندے سے میری رحمت کو روک لے؟ تو اس نے عرض کی اسے میرے پروردگار ہرگز نہیں! تو رب تعالیٰ نے اس کے بارے حکم دیا اسے جہنم کی طرف لے جاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اس آدمی نے جو حکمت کہے تھے انہوں نے اس کی دنیا اور آخرت کو تباہ و برباد کر دیا (1)۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بعینہ یہی حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آیت طیبہ قُلْ یٰحِبَّائِی اَلَّذِیْنَ اٰتٰوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ کَذٰلَکَ مٰمُوْا اَمْرًا رَّحْمَۃً مِّنَ اللّٰهِ الّا یہ سے بڑھ کر دنیا اور اس کی تمام چیزوں میں سے کوئی شے میرے نزدیک پسندیدہ نہیں (2)۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سند حسن کے ساتھ ابن جریر طبری نے الاوسط میں اور علامہ بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اور جس آدمی نے شرک کیا (کیا اسے بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا) پس آپ ﷺ نے تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا یا اور پھر فرمایا مگر وہ جس نے شرک کیا آپ ﷺ نے تین بار ایسے فرمایا۔ (یعنی وہ آدمی جو شرک کرتا رہا اور اسی حالت پر اسے موت آگئی تو اس کی مغفرت نہیں ہوگی)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی نے کہا قسم بخدا! اللہ تعالیٰ فلاں آدمی کی مغفرت نہیں فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کون ہے جو میرے نام کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کروں گا۔ بیشک میں نے اس فلاں کو بخش دیا اور تیرے اعمال کو ناکارہ کر دیا۔ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اے مسلم نے روایت کیا ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قول باری تعالیٰ اَلَا النَّمَم (ایسے گناہ جنہیں کرنے کے بعد نہ امت و شرمندگی محسوس ہو) کے بارے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے گناہوں کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا! اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرمادے گا۔ اے اللہ! تیرا کون سا بندہ ہے جس سے گناہ صادر نہ ہو (4)۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن! صحیح اور غریب ہے۔ ایک طویل حدیث قدسی میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں (کہ رب کریم نے ارشاد فرمایا) میں جو چاہتا ہوں وہی کرتا ہوں میری عطا بھی کلام ہے اور میرا عذاب بھی کلام ہے۔ کسی شے کے بارے میں میرا امر یہ ہے کہ جب میں چاہتا ہوں کہ وہ ہو جائے تو میں اس کے لئے فقط یہ کہتا ہوں کن (تو ہو جا) پس وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ اے احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے (5)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نیک اور صالح بندے کے درجات کو جنت میں بلند فرمادے گا تو وہ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب! میرے یہ درجات کیسے بلند ہو گئے؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے یا ستغفار و لذک لک (6)۔ تیرے بیٹے کے تیرے لئے استغفار کرنے کے سبب (تیرا درجہ بلند کر دیا ہے) (رواہ احمد)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبر میں میت کی حالت اس ذنب والے کی طرح ہوتی ہے جو فریاد کر

1- تفسیر بخاری جلد 5 صفحہ 24 (الکر)

2- مسند احمد جلد 5 صفحہ 275 (سار)

3- صحیح مسلم جلد 16 صفحہ 143 حدیث: 137 (العلیہ)

4- جامع ترمذی حدیث: 3284 (دارالحدیث)

5- جامع ترمذی حدیث: 2495 (دارالحدیث)

6- مسند احمد جلد 2 صفحہ 509 (سار)

رباؤد کا طالب ہو۔ مرنے والا انسان (اپنی قبر میں) باپ ماں بھائی یا کسی دوست کی جانب سے دعائے مغفرت کے پہنچنے کا مختصر جتا ہے۔ جب کسی کی جانب سے اسے دعائے پہنچتی ہے تو وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کی نسبت اس کے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعائے پہاڑوں کی مثل ثواب اہل قور کو پہنچاتا ہے اور زندوں کی جانب سے مردوں کیلئے تحفہ اور ہدیہ ان کے لئے استغفار کرتا ہے۔ اسے پہنچتی ہے شعب الایمان میں نقل کیا ہے (1)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیٹک اللہ تعالیٰ ابھیں اپنے بندے کی مغفرت فرما دے گا جب تک کہ کتاب (پرودہ) واقع ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! حجاب کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کسی آدمی کا ایسی حالت میں مر جانا کہ وہ مشرک ہو (2)۔ اسے احمد اور بیہقی نے کتاب البعث والمنثور میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی اس حال میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے کہ وہ دنیا کی کسی شے کو اس کے مساوی اور برابر نہ قرار دے پھر اگر اس پر پہاڑوں کی مثل بھی گناہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا۔ اسے بیہقی نے کتاب البعث والمنثور میں نقل کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیٹک اللہ تعالیٰ کی سورتیں ہیں۔ اس نے ان میں سے رحمت کا ایک حصہ جن وانس اور دیگر چوپایوں اور کینڑے مکوڑوں کو ودیعت فرمایا ہے۔ جس کے سبب وہ آپس میں ایک دوسرے سے مہربانی کا سلوک کرتے ہیں رحم سے پیش آتے ہیں اور اسی کے سبب وحشی جانور بھی اپنی اولاد کے ساتھ رافت و شفقت کا سلوک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے نافرمانوں کو حصہ اپنے پاس محفوظ رکھے ہیں جن کے سبب قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ متفق علیہ (3)۔ مسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ کے ساتھ (انہما ربندہ نوازی) فرمائے گا۔

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ قیدی حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لائے گئے تو ان میں ایک عورت بھی تھی اس کے پستان سے دودھ بہہ رہا تھا۔ وہ اسی حالت میں ادھر ادھر گھوم پھر رہی تھی اور جب بھی وہ قیدیوں میں کوئی شیر خوار بچہ پاتی تو اسے اٹھا لیتی اور اسے اپنے سینے سے لگا کر اسے دودھ پلاتی۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیں فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کیا یہ عورت اپنی اولاد کو گم میں پھینک سکتی ہے؟ تو ہم نے عرض کی۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو بوری کو شش کرے گی کہ وہ اولاد کو گم میں نہ پھینکے تو پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اَللّٰهُ اَوْحَمُ بَعْبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بَوْلِدِهَا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحم فرمائے والا ہے جتنا کہ یہ عورت اپنی اولاد پر۔ متفق علیہ (4)۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو منبر پر یہ بیان فرماتے سنا وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَمِلَتْ لَهُ اَنْفُسُهُمْ فَجَبَلَتْ لَهُمْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَمِلَتْ لَهُ اَنْفُسُهُمْ فَجَبَلَتْ لَهُمْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَمِلَتْ لَهُ اَنْفُسُهُمْ فَجَبَلَتْ لَهُمْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّهِمْ ۚ (5)۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر چہ اس نے زنا کیا اور چوری کی؟ تو آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَمِلَتْ لَهُ اَنْفُسُهُمْ فَجَبَلَتْ لَهُمْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّهِمْ ۚ (6)۔ میں نے بھی دوسری بار پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر چہ اس نے زنا کیا اور چوری کی؟ تو آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ پھر فرمایا وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَمِلَتْ لَهُ اَنْفُسُهُمْ فَجَبَلَتْ لَهُمْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّهِمْ ۚ (7)۔ میں نے تیسری بار پھر ویسی عرض کی اگر چہ اس نے زنا کیا اور چوری بھی کی

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 174 (سار)

1۔ شعب الایمان، حدیث: 9295 (العلیہ)

4۔ صحیح بخاری، حدیث: 5653 (ابن کثیر)

3۔ مشکوٰۃ الصالح، حدیث: 2365 (الغفر)

یا رسول اللہ ﷺ! تو آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ (وہ ایسا بھی کرے) ابوالدرداء کی ناک خاک آلود ہو (وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے) اسے احمد نے روایت کیا ہے (۱)۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ ایک آدمی آیا جو اپنے اوپر چادر لپیٹے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جسے اس نے چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزرا تو میں نے اس میں کسی پرندے کے بچوں کی آوازیں سنیں چنانچہ میں نے انہیں پکڑ لیا اور اپنی اس چادر میں رکھ لیا۔ اتنے میں ان کی ماں آئی اور وہ میرے سر پر منڈلانے لگی تو میں نے اس کے لئے انہیں ایک بار ظاہر کیا تو وہ فوراً ان پر جھپٹ پڑی لیکن میں نے انہیں اپنی اس چادر میں لپیٹ لیا اور اب وہ میرے پاس ہیں تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا انہیں رکھ دو۔ پس میں نے انہیں رکھا اور ان کی ماں بھی ان کے ساتھ ساتھ ہی رہی (اسے اپنی جان کی فکر قطعاً دامن گیر نہ ہوئی) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب کیاں ہو کہ ان بچوں کی ماں اپنے بچوں پر کتنی مہربان ہے (کتنی شفقت اور پیار کا اظہار کر رہی ہے؟) قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ سمجھوٹ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا اور مہربان ہے جتنا کہ ان بچوں کی ماں اپنے بچوں پر۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) انہیں واپس لے جا اور اسی جگہ پر رکھ دے جہاں سے تو نے انہیں پکڑا ہے۔ ان کی ماں ان کے ساتھ ہی تھی کہ وہ آدمی انہیں واپس چھوڑ آیا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے (۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ کا گزرا ایک قوم کے پاس سے ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تم کوئی قوم ہو؟ انہوں نے عرض کی ہم مسلمان ہیں۔ ان میں ایک عورت بائو پکار رہی تھی اور اس کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ جب بھی آگ بھڑکتی اور شعلہ بلند ہوتا تو وہ بچے کو اپنے سے علیحدہ کر کے (آگ کی تپش سے دور رکھتی) وہ عورت حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی کیا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر اس نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا اللہ تعالیٰ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر اس نے عرض کی۔ بیشک ماں تو اپنی اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر اس نے عرض کی۔ بیشک ماں تو اپنی اولاد کو آگ میں نہیں جھینکتی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سر اقدس جھکایا اور رونے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے سر نیاز اٹھایا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف انہیں ہی عذاب دے گا جو انتہائی سرکش ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی معاندانہ اور سرکش کا سلوک کرتے ہیں اور لا الہ الا اللہ کہنے سے بالکل انکار کرتے ہیں۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے (۳)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس بندے نے لا الہ الا اللہ کہا (یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا) اور پھر اسی نظریہ پر قائم رہے ہوئے اسے موت آگئی تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کی اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری بھی کی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری بھی کی۔ میں نے پھر عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری بھی کی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری بھی کی۔ میں نے تیسری بار پھر عرض کی اگرچہ اس نے زنا کیا

اور چوری کی؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ابوذر رضی اللہ عنہ نے زنا کیا اور چوری بھی کی۔ متفق علیہ (۱)۔ اس بارے میں کثیر احادیث ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ انجام کار بندہ مومن جنت میں داخل ہوگا۔ اس طرح نہیں جیسا کہ معتزلہ نے کہا ہے کہ اگر گناہ کبیرہ کرنے والے نے توبہ کی تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

فرقہ مرہیہ والوں نے انہی احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ گناہ چاہے صغیرہ ہوں یا کبیرہ ایمان کی موجودگی میں (بندے کے لئے) ضرر رساں نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ حالت کفر میں طاعت و عبادت نفع مند ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن ان کا یہ نظریہ باطل ہے اور اس سے ان کثیر آیات و احادیث کا انکار لازم آتا ہے جو گناہوں سے روکنے کے لئے ذکر کی گئی ہیں اور ان میں یہ مذکور ہے کہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب تک لے جانے والے ہیں مگر جب کہ مغفرت بندے کی چارہ سازی کرے (تو پھر اس گرفت سے بچ سکتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ مذہب حق وہی ہے جو اہل السنۃ والجماعہ نے اختیار کیا ہے۔ بیشک حالت کفر میں طاعت و عبادت نفع بخش ثابت نہیں ہوتی کیونکہ طاعت ہوتی ہی نہیں جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہ ہو۔ بلکہ وہ تو معصیت ہوتی ہے اور طاعت و عبادت کے لئے ایمان اسی طرح شرط ہے جیسے نماز کے لئے وضو۔ لیکن معصیت اور گناہ اگر چہ ذاتی اعتبار سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں لیکن اس کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے اگر چاہے تو بندے کی مغفرت فرما دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب میں مبتلا کر دے پھر اگر وہ اسے معاف فرما نا چاہے گا تو اسے توبہ کے سبب معاف فرما دے گا یا حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے سبب یا حضور نبی کریم ﷺ کے تبعین میں سے کسی کی (دعا) کے سبب (یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کی دعا سے) یا پھر اس کی مغفرت محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہوگی اور اگر وہ اسے عذاب بھی دے گا تو اس کا عذاب دائمی اور ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ وہ بندہ مومن ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (اہل ایمان کے ساتھ) یہ تحریر فرمائی کہ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ اور ایمان تمام نیکیوں کی اصل اور بنیاد ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے وعدہ خلافی محال ہے اور اگر وثوب کا محل بالیقین جنت ہے۔ لیکن بندہ مومن اپنے گناہ کو ایسے خیال کرتا ہے گویا وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہے (اور وہ اوپر سے گرنے کے قریب ہے) اور فاجر و کافر انسان اپنے گناہ کو ناک پر بیٹھنے والی کھسی کی طرح گمان کرتا ہے اور اس کے بارے میں کہتا ہے کہ اس طرح ہاتھ کا اشارہ کریں گے تو وہ اڑ جائے گی۔ یہ حدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلُمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٠﴾ وَاسْتَعِزَّوْا بِحَسَنِ مَا أَنزَلْنَا إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَعَثَةً لِّنَفْسِكُمْ لَا تَسْعَوْنَ فِي

”اور (سچے دل سے) لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سرختم کرو اس کے سامنے اس سے پہلے کہ آ جائے تم پر عذاب پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور پیروی کرو عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اس سے پیشتر کہ تم پر پانچ عذاب آ جائے۔ اور تمہیں خبر تک نہ ہوئے پائے۔“

۱۔ اور تم (سچے دل سے) شرک سے توبہ کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ اور تم اس کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کر لو اس

سے پہلے کہ تم پر قبر میں یا قیامت قائم ہونے کے بعد عذاب آجائے۔ پس اس وقت تمہارا ایمان لانا تمہارے لئے نفع بخش ثابت نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اس پر ﴿لَا تُنصِرُونَ﴾ کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں۔ ان الفاظ کا عطف جملہ مستند پر ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے۔
تُعَذِّبُونَ نَفْسًا لَا تَنْصُرُونَ یعنی تمہیں عذاب دیا جائے گا پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

ع اور یہودی کروعدہ کلام کی جو تمہارے رب کے پاس سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے تو اس میں عمدہ کلام سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ یہ تمام کلاموں سے احسن اور عمدہ ہے یا پھر اس سے مراد عزائم ہیں نہ کہ رخصتیں۔ (یعنی عزائم کو اپناؤ نہ کہ فقط رخصتوں پر عمل کرو) اس سے پیشتر کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اس کے آنے کی خبر تک نہ ہو۔

أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يٰحَسْبِيَ عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ
السَّٰخِرِينَ ﴿٦٠﴾ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٦١﴾ أَوْ تَقُولَ
حِينَ تَرَىٰ الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرْهُهُمَا لَكُونُ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٢﴾

”(اس وقت) کوئی شخص یہ کہنے لگے صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں اور میں تو مستخر

اڑانے والوں سے تھا۔ یا یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ہو جاتا ہرگز گاروں میں سے نہ یا یہ کہنے

لگے جب عذاب دیکھے کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے تو میں نیکو کاروں میں سے ہو جاؤں گا۔“

لے اَنْ تَقُولَ کا معنی ہے (اس وقت) کوئی شخص مجبوراً یہ کہنے لگے۔ یا معنی ہے تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہے۔ نفس کو کمرہ ذکر کیا گیا ہے اور اس پر توین تفلیل کیلئے ہے کیونکہ قیامت کے دن یہ قول کہنے والے چند لوگ ہی ہوں گے یا توین نکشیر کیلئے ہے ترکیب کلام میں ان تفول انیسو فعل کا مفعول لہ ہونے کی بنا پر محذوف منصوب ہے۔ اور میر دے کہا ہے کہ تقدیر کلام اس طرح ہے بَادِرُوا وَاحْذَرُوا اَنْ تَقُولَ نَفْسٌ (۱)۔

یٰحَسْبُنِي۔ صد حیف ہائے افسوس! اکام معنی حسرت اور غم میں اضافہ کا ہوتا ہے۔ یہ اصل میں یا حسرتی ہے یا پھر یاد کو استغاثہ کی صورت میں الف کے ساتھ تبدیل کیا گیا ہے۔ بعض نے الف استغاثہ کے بعد پھر یا کو اس کے ساتھ ملا دیا ہے۔ جیسا کہ ابو جعفر نے یا حسرتا پڑھا ہے۔

عَلَىٰ ضَآءٍ ظَلَمْتُ میں مامد صر یہ ہے معنی یہ ہے صد حیف! میری کوتاہی کرنے اور غفلت برتنے پر۔

فی جنب اللہ کا معنی حق نہ یہ کیا ہے۔ قصرت فی طاعة اللہ۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جو کوتاہی کی محابہ نہ کہا فی امر اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں میں نے جو کوتاہی کی اور سعید بن جبیر نے کہا فی حق اللہ (۲)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حق میں جو کوتاہی ہوئی۔ بعض نے فی ذات اللہ بھی معنی کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں جو کوتاہی ہوئی۔ اس صورت میں طاعت یا قرب مضاف محذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی اطاعت میں یا اس کے قرب میں جو کوتاہی ہوئی۔

بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے میں نے کوتاہی کی اس جانب میں جو مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی طرف لوٹاتی تھی۔ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّٰخِرِينَ میں ان تحفہ عن المثلہ ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان ہے اور میں پر لام قارنہ داخل ہے اور مکمل جملہ حال ہونے کی

ہدایت سے مراد خلق ہدایت اور ایصال الہی المطلوب (منزل مقصود تک پہنچانا) ہو تو پھر ان کے قول لو ان اللہ ہدنی الآیۃ کا معنی یہ ہوگا کہ میں تو مجبور محض تھا مجھے ایمان و اطاعت اختیار کرنے کی قدرت ہی حاصل نہ تھی (گویا کہ وہ یہ کہے گا کہ میں ایمان تو تب لاتا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی اختیار دیتا۔ اس نے مجھے کوئی قدرت ہی نہیں دی پھر میں کیسے مطیع فرمانبردار بنتا) تو اس قول کا رد کرتے ہوئے رب کریم نے فرمایا بَلٰی قَدْ جَاءَتْكَ الْآیۃُ یعنی کبھی نہیں میں نے تو تجھ میں قدرت پیدا کی تھی (کہ اپنی مرضی اور پسند سے جو راستہ چاہے اختیار کر لے ہم نے دونوں راستے تیرے لئے واضح کر دیئے ہیں) اسی قدرت اور اختیار کے استعمال پر عذاب و ثواب مرتب ہوتا ہے۔ لیکن جب میری آیات تیرے پاس آئیں تو تو نے اپنے اختیار اور پسند کے ساتھ انہیں جھٹلادیا۔ اس نظر سے بندوں کے افعال میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اثر انداز ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اہل السنۃ والجماعہ کا مذہب ہے۔

(لو ان اللہ ہدنی الآیۃ ان کا قول مردود ہے اور بَلٰی قَدْ جَاءَتْكَ الْآیۃُ اس قول کا رد ہے اور ان دونوں کے درمیان ان تقول حین تری العذاب الآیۃ بطور فاصلہ موجود ہے) اب اگر یہ کہا جائے کہ رد اور مردود کے مابین اس فاصلے کی وجہ کیا ہے؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اس آیت (قول رد) کو مقدم کرنے سے قرآن متفرق ہو جاتا ہے، قول مردود مؤخر ہو جاتا ہے اور وہ نظم کلام اور عبارت جو کہ موجود کیفیت سے مطابقت و موافقت رکھتی ہے اس میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ پہلے کوتاہی اور غفلت پر اظہار حسرت و ندامت کر رہا ہے۔ پھر وہ ہدایت یافتہ نہ ہونے کے سبب کف افسوس مل رہا ہے اور پھر وہ دنیا کی طرف واپس لوٹنے کی خواہش اور آرزو کر رہا ہے۔

قَدْ جَاءَتْكَ الْآیۃُ میں معنی کے اعتبار سے ضمیر خطاب نہ کر ذکر کی گئی ہے۔

۱۔ قیامت کے دن آپ انہیں دیکھیں گے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے تھے "یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے اوصاف بیان کرتے تھے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ہرگز جائز نہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور اولاد بنانا وغیرہ۔" اس حال میں کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ ترکیب کلام میں جملہ وجوہ ہم مسودۃ قریٰ کے مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے کیونکہ اس کا تعلق رؤیۃ بصر (آکھ سے دیکھنے) کے ساتھ ہے۔

أَلَيْسَ بِیَہِمْ مَسْئُورٌ لِّسَلْبِہِمْ مِّنَ الْآیۃِ کا معنی ہے کیا ایمان سے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟ تو یہ استفہام تقریری ہے (یعنی یاقین ان کا ٹھکانہ جہنم میں ہے) کیونکہ اس وقت وہ خود بھی اسے دیکھ لیں گے۔

۲۔ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ جہنم سے نجات دے گا جو شرک سے بچے اور دور رہے۔

حزہ کسائی اور ابوبکر نے بمغازتہم کو بمغازتہم الف کے ساتھ جمع کی صورت میں پڑھا ہے اور یاقین نے بغیر الف کے مفرد حالت میں پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے کامیابی۔ بعض نے اس سے مراد نجات لی ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ بھی کامیابی کی اقسام میں سے ایک مخصوص اور اہم ترین قسم ہے۔ بعض نے اس کا مفہوم سعادت (خوش بختی) اور عمل صالح بیان کیا ہے چونکہ یہ دونوں بھی کامیابی کے اسباب ہیں اس لئے اس میں مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے اور بمغازتہم میں باعسیہ ہے اور یہ یسعی کا صلہ ہے (یعنی اس کے متعلق ہے) یا اس کا تعلق لا یمسہم السوء الآیۃ کے ساتھ ہے۔ ترکیب کلام میں یہ جملہ یا تو حال ہے یا پھر کامیابی کے بیان کے لئے جملہ متاخر ہے (معنی یہ ہے درآ نکال دینا کہ کوئی تکلیف نہیں چھوے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَ
الْأَرْضِ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

”اللہ تعالیٰ پیدا کر نیوالا ہے ہر چیز کا۔ اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کھینچوں کا۔ اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا وہی لوگ خسارہ میں ہیں۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی خیر و شر اور ایمان و کفر میں سے ہر شے کو پیدا کر نیوالا ہے۔ یہ جملہ ارشاد باری تعالیٰ اِنَّهٗ يَتَوَقَّى الْاَنفُسَ کے ساتھ متصل ہے۔ ان کے درمیان تمام جملے متر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ یعنی تمام چیزیں اسی کے سپرد ہیں اور وہی ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ یہ جملہ معطوف یا حال ہے۔
۲۔ مَقَالِيدُ عقدا و مقادیر یا مستقلہ کی جمع ہے جیسا کہ مفتاح کی جمع مفتاح یا منديل کی جمع مناديل آتی ہے۔

مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ کا معنی ہے کہ زمین و آسمان کے خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اسی کی ملکیت ہیں، اس کے سوا کوئی بھی ان میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

قادر اور مقاتل نے بیان کیا ہے کہ زمین و آسمان کی چابیوں سے مراد رزق اور رحمت ہے۔ کبھی نے کہا ہے اس سے مراد بارش کے خزانے اور نباتات کے خزانے ہیں (۱)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے مقابلہ کے بارے سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کی تفسیر اس طرح بیان فرمائی لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ وَاللَّهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللَّهِ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲)۔ (۱) اسے ابویعلیٰ نے اپنی سند میں ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں، عقیلی نے ضعفاء میں، طبرانی نے الدعاء میں اور بیہقی نے الاسماء والصفات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی حدیث نقل کی ہے۔ علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں اسے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شاید معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو ان کلمات میں ذکر کی گئی ہیں وہی مقالید کی تفسیر ہیں۔ یعنی وہ ذات جو ان صفات سے متصف ہے وہی زمین و آسمان کے خزانوں کی مالک ہے تمام خزانے اسی کی ملکیت اور قبضے میں ہیں۔ وہی ان میں

۱۔ تفسیر بخاری، جلد ۵، صفحہ ۲۶ (المنزل)

۲۔ الدر المنثور، جلد ۵، صفحہ ۶۲۵ (المنزل)

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے بارے سوال کا واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی اسی طرح مروی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ البتہ اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جو آدمی مع و شام یہ کلمات دس بار پڑھے اللہ تعالیٰ اسے چھ وصف اور فصلتیں عطا فرمائے گا۔ ایک یہ کہ وہ شیطان اور اس کے لشکر سے محفوظ رہے گا۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں عطا فرمائے گا، تیسرا یہ کہ اس کی زوجیت میں فرما کر عطا فرمائے گا۔ چوتھا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی مغفرت فرمادے گا۔ پانچواں یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی معیت میں ہوگا اور چھٹا یہ کہ موت کے وقت بارہ فرشتے اس کے پاس حاضر ہوں گے وہ اسے حق کی بشارت دیں گے اور تیسرے موقف تک اسے عزت و احترام کے ساتھ لے جائیں گے۔ جب قیامت کے دن اسے کوئی خوف لاحق ہوگا تو فرشتے کہیں گے تو خوفزدہ نہ ہو بلاشبہ تو ان والوں میں سے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس پر حساب و کتاب کو انتہائی آسان کر دے گا پھر اسے جنت میں لے جائے گا حکم دیا جائے گا تو فرشتے اسے موقف حساب سے جنت کی طرف ایسی شان اور عزت سے لے جائیں گے جیسے دہن کو لے جایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے اذن سے جنت میں داخل کر دیں گے۔ حالانکہ عام لوگوں پر حساب انتہائی سخت ہوگا۔

تصرف کر سکتا ہے اور جو اس کا اعتقاد رکھتا ہے اور اس کا ذکر کرتا ہے وہ یہ اہلیت رکھتا ہے کہ اس کے لئے جلدی یا دیر سے خزانوں کے منہ کھول دیئے جائیں۔

اسے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آجوں کا انکار کرتے ہیں وہ لوگ خسارہ میں ہیں۔ آیات اللہ سے مراد قرآن کریم اور وہ کلمات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ یا اس سے مراد وہ دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور زمین و آسمان کے معاملات کا حاکم مطلق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

خسارے کو صرف کفار کے ساتھ ہی خاص اور محصور کیا گیا ہے کیونکہ ان کے سوا تمام کے تمام رحمت و ثواب سے کچھ نہ کچھ حصہ پانے والے ہیں۔ اگر دنیوی نعمتوں میں سے کوئی شے انہیں نہ بھی حاصل ہوئی تو ان کے بدلے انہیں آخرت میں ایسی نعمتیں حاصل ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ان کے بارے کسی کان نے سنا۔ لیکن کفار کے لئے اگرچہ دنیا میں رزق اور بارش کے خزانوں میں سے حصہ موجود ہے (وہ اس سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں) لیکن شکر میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی رحمت کے خزانوں میں ان کے لئے کوئی حصہ ہے اور یہی دنیا کی لذتیں اور نعمتیں جن سے وہ لطف اندوز ہوتے رہے آخرت میں ان کے لئے وبال اور فریب میں بدل جائیں گی۔

یہ کہنا بھی جائز ہے کہ یہ آیت قول باری تعالیٰ وَیُخَيِّطُ اللَّهُ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا کے ساتھ متصل ہو اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہو۔ جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کا نگران ہے ان کے افعال و اعمال پر مطلع ہے اور انہی اعمال کی وجہ سے انہیں جزاء اور بدلہ دے گا اور نظم و کلام میں تبدیلی اس پر مطلع کرنے کے لئے ہے کہ مومنین کی فلاح اور کامیابی و کامرانی میں سب سے عمدہ اور اعلیٰ چیز اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور کفار کے خسارے میں سے سب سے بڑا خسارہ ان کا آیات الہی کے ساتھ کفر کرنا ہے۔ اجر و ثواب کے وعدہ کو صراحتاً ذکر فرمایا اور عید کا ذکر اشارتاً اور تعریفنا کیا اور یہ بھی ایک خاص تدبیر ہے۔ واللہ اعلم۔

طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیشکش کی کہ ”آپ کو اتنا وافر مال دیں گے کہ وہ مکہ میں امیر ترین آدمی بن جائیں گے اور جس عورت سے آپ چاہیں گے وہ اسی سے آپ کی شادی کر دیں گے“ انہوں نے کہا اسے محمد! (ﷺ) کیے سب کچھ آپ کے لئے ہوگا بشرطیکہ آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے رک جائیں۔ نازیبا کلمات کے ساتھ آپ ان کا تذکرہ نہ کریں اور اگر آپ یہ نہیں کرتے تو پھر یہ کریں کہ آپ ایک سال تک ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور پھر ایک سال ہم تیرے معبود کی عبادت کریں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں وہی کروں گا جو میرے رب کی طرف سے نازل ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَتَّبِعُونَ كَمَلِ سورت نازل فرمائی اور ساتھ یہ آیت بھی نازل فرمائی (۱)۔

قُلْ أَتَعْبُدُونَ اللَّهَ تَأْمُرُونَنِي أَنْ أَعْبُدَ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ وَإِلَىٰ

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَنْ أَشْرَكَ بِكَ لِيَحْبَبَنَّ عَمَلُكَ وَلِتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۱۲﴾

بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳﴾

”آپ فرمائیے اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔ اور بیشک وحی کی گئی ہے آپ

کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ مگر گزراؤں میں سے۔“

اے محمد ﷺ! آپ فرمائیے اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔ قاصد و فی میں نافع اور ابن کثیر نے یہ کو مشروح پڑھا ہے اور باقیوں نے اسے ساکن پڑھا ہے۔

علامہ بیہقی نے دلائل میں حضرت امام حسن بھری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے کہ مشرکین نے حضور نبی کریم ﷺ کو کہا اے محمد ﷺ! آپ تو اپنے آباء و اجداد کو مگر اقرار دیتے ہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت قرین الشکوکین تک نازل فرمائی (1)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ مقابل کا قول ہے کہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کو اپنے آباء و اجداد کے دین کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دی (2) تو تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اہل شام نے قاصد و فی کو دونوں مخففہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل مدینہ نے اس کی قرأت ایک نوں مخففہ کے ساتھ کی ہے اور ایک نوں کو حذف کر دیا ہے کیونکہ اسے اکثر حذف کر دیا جاتا ہے اور باقیوں نے ادغام کی صورت میں ایک نوں مشددہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ افعیو میں مزہ برائے انکار ہے اور قاء محذوف کلام پر عطف کے لئے ہے۔ اور غیو، اعبد فعل کا مفعول ہے اور اسے محل انکار ہونے کی وجہ سے فعل پر مقدم ذکر کیا گیا ہے اور قاصد و فی جملہ محرفہ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ءَاكْفُرُوْا فَعْبُدُوا اللّٰهَ اَعْبُدُوْا تَامُرُوْنِيْ بِذٰلِكَ۔ (کیا میں تم کو کفر کروں اور غیر اللہ کی عبادت کروں تم مجھے اس کا حکم دیتے ہو۔)

اور یہ بھی جائز ہے غیر اس فعل کے سبب منصوب ہو جس پر قاصد و فی اعبد دلائل کرتا ہے کیونکہ یہ تعبد و فی باب تفعلیل کے معنی میں ہے۔ کیونکہ یہ اصل میں اس طرح ہے تَامُرُوْنِيْ اَنْ اَعْبُدَ غَيْرَ اللّٰهِ اس سے ان کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو مرفوع پڑھا گیا۔ جیسا کہ اس قول میں ہے احضر الوعظی اور اس کی تائید اعبد نصب والی قرأت سے بھی ہوتی ہے۔ پس مفہوم عبارت اس طرح ہے کہ کیا اسے دلائل کے بعد بھی تم پر توحید واضح نہیں ہوئی کہ تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کی توقع رکھتے ہو اور تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کرنے کا مشورہ اور حکم دیتے ہو۔

۱۔ وَلَقَدْ اَوْحٰی اِلَیْكَ ؕ اٰخِرَآیَۃٍ تَنْکِ سَارَا کَامَ اَیْکَ فَرَضِیْ مَفْعُوْمَ کے تحت ذکر کیا گیا ہے اور اس سے مراد کفار کو مایوس اور ناامید کرنا ہے اور امت کو حکم پر مستحب کرنا ہے۔ اسی آیت سے ہم یہ حکم لگاتے ہیں کہ مرتد ہونا تمام نیکیوں کے ثواب اور اجر کو ختم کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اسلام اپنے سے قبل کی تمام برائیوں اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اگر کوئی آدمی مرتد ہونے کے بعد نماز کے وقت میں اسلام لے آیا۔ جبکہ وہ مرتد ہونے سے قبل حالت اسلام میں اس وقت کی نماز ادا کر چکا تھا تو اس پر دوبارہ اس نماز کو پڑھنا لازم ہے۔ اسی طرح جس آدمی نے پہلے حج کیا پھر مرتد ہو گیا پھر دوبارہ اسلام لے آیا تو اس پر دوبارہ حج کرنا واجب ہوگا۔ امام ابن ہمام نے اسی طرح کہا ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اعمال کے ضائع کرنے کا حکم مطلق ہے اور یہ ان (انبیاء علیہم السلام) کے خصائص میں سے ہونے کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کا شرک کرنا زیادہ قبیح اور ناپسندیدہ ہے اور یہ موت کے ساتھ متید ہونے کا احتمال بھی رکھتا

ہے۔ (یعنی ارتد اسے اعمال ضائع تب ہوتے ہیں جب اسی حالت پر موت آ جائے) جیسا کہ اس ارشاد میں صراحت موجود ہے۔ وَ
مَنْ يَرْتَدَّ عَنْ دِينِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ قَدْ ضَلَّ سُبُلَهُ وَهُوَ كَالْغُلَامِ الَّذِي تَرْتَدُّ عَنْهُ لِبَاسُهُ فَإِنْ أَسْبَغَ فَلَا يَلْبَسُ فَإِنَّ اللَّهَ يَلْبَسُ مَا يَشَاءُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنْ دِينِكُمْ وَيُؤْتِيَ مَنْ يَشَاءُ مِمَّا يَتَذَكَّرُونَ (۱)۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول باطل ہے کیونکہ یہ کہنا کہ ارتد ادا نہیں دینا بلکہ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے یہ انتہائی قبیح اور برا تصور ہے۔ قریب ہے کہ اس طرح کہنے سے آسمان پھٹ جائے۔ کیونکہ یہ کلام فرض محال کے طریقہ پر ہے اور اس سے مراد دوسروں کے حکم پر مستند کرنا ہے اور قول باری تعالیٰ مَنْ يَرْتَدَّ عَنْ دِينِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ قَدْ ضَلَّ سُبُلَهُ وَهُوَ كَالْغُلَامِ الَّذِي تَرْتَدُّ عَنْهُ لِبَاسُهُ اس پر دلالت نہیں کرتا جب تک مرتد کی موت حالت کفر پر نہ ہو اس کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔ بلکہ زیر بحث آیت مطلق ہے اور ہمارے نزدیک مطلق اپنے اطلاق پر ہی باقی رہتا ہے۔ اسے متفید پر محمول کرنے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کیا کرو۔ یہ فی الحقیقت اس قول کا رد ہے جو کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا۔ لفظ اللہ اعبد فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ فاعبد پر فاء یا تو زائدہ ہے۔ یا پھر یہ امام مقدمہ کے سبب ہے۔ اس میں معمول کی اپنے عامل سے تقدیر کا سبب ارادہ حصر ہے اور بل حرف عطف ہے جو کہ محذوف کلام پر عطف کرنے کے لئے ہے جس پر قول باری تعالیٰ لَنْ اُخْرِجَكَ مِنْ دِينِكَ اور اَللّٰهُ يَلْبَسُ مَا يَشَاءُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنْ دِينِكُمْ اس طرح ہے۔ لَا تَعْبُدْ غَيْرَ اللَّهِ بَلَىٰ اللَّهُ اَعْبُدْ اَوْ بَلَىٰ اَمَّا اللَّهُ فاعبد۔

اور اس کے انعام کا شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اس میں بھی موجب اختصاص کی طرف اشارہ ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ ہی تمہیں نعمتوں سے نوازے والا ہے اور آپ اسی کے شکر گزار بندے نہیں) ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی حضور نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا اور اس نے کہا اے ابوالقاسم اتم کیا کہتے ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اس (دست قدرت کی انگلی) پر رکھے گا اور زمینوں کو اس پر رکھے گا اور پانی کو اس پر رکھے گا اور پہاڑوں کو اس پر رکھے گا؟ (2)

(تو وہ کیا کرے گا؟) تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالسَّمَوَاتُ
مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۚ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۱﴾

”اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور (اس کی شان تو یہ ہے) ساری زمین اس کی منہی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔ پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے۔“

۱۔ یعنی لوگوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت نشان کو اس طرح نہیں پہچانا جیسے پہچاننے کا حق تھا۔ اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسروں کو شریک ٹھہرایا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے اوصاف کی نسبت کی جو قطعاً اس کی شان اور عظمت کے لائق اور مناسب نہیں۔ انہوں نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کی جیسے اس کی عبادت کا حق تھا اور نہ ہی اس کی (نعمتوں پر) حق شکر ادا کیا اور اس کے ساتھ ساتھ موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کر دیا۔

۲۔ اَلْأَرْضُ جَمِيعًا سے مراد ساتوں زمینیں ہیں اپنے تمام اجزائے ظاہرہ اور باطنہ کے ساتھ۔

قبضۂ کا معنی ہے ایک بار قبضہ کرنا۔ یہ لفظ انقباض سے بنایا گیا ہے اس کا اطلاق کسی بھی شئی کی اس مخصوص مقدار پر ہوتا ہے جو مٹی میں بند ہو۔ یہ لفظ یا تو مصدر بمعنی مفعول ہے یا پھر اس سے پہلے ذات مضاف محذوف ہے۔ یعنی اس کے قبضہ والی چیزیں۔

یہ آیت آیات تشابہات میں سے ہے جسے اپنے ظاہر معنی سے پھیر دیا گیا ہے اور اس کی حقیقی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کاملہ پر تشبیہ کرنا ہے اور اس پر آگاہ کرنا ہے کہ وہ بڑے بڑے اور عظیم افعال جن کے بارے انسانی فہم و فراست حیرت زدہ ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی شان قدرت کے سامنے بالکل بیچ اور حقیر ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ساری کائنات کو درہم برہم کرنا بالکل آسان کام ہے۔

علمائے بلاغت نے بیان فرمایا ہے کہ یہ کلام تشبیل و تخییل کے طریقہ پر وارد ہے۔ قبضہ اور عینین سے نہ تو حقیقی معنی مروا ہے نہ مجازی۔ جیسا کہ عربوں کا یہ قول "شابت لحة الليل" (رات کی ریشیں سفید ہو گئیں) اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہودی نے (زمینوں) آسمانوں اور پہاڑوں وغیرہ کے بارے میں (ایک بات کہی تھی اور اس نے یہ بات بالیقین تورات سے نقل کی ہو گی۔ گویا یہ آیت اس (نظریہ) کی تائید کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اس طرح مذکور ہے کہ یہودیوں کا ایک عالم حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہا ہے محمد (ﷺ) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو (اپنے دست قدرت کی) ایک انگلی پر تمام زمینوں کو ایک انگلی پر پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر پانی اور ترمی کو ایک انگلی پر اور ساری مخلوق کو ایک انگلی پر روک لے گا۔ پھر انہیں جھنجھوٹے گا اور فرمائے گا میں بادشاہ ہوں اور میں اللہ ہوں تو حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی بات پر اظہار تعجب فرمایا اور مسکرا دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی۔ وَمَا قَدْ نَرَا اللَّهُ بِحَقِّ قَدْرِهِ (1)۔ بظاہر یہ لگتا ہے کہ ترمذی اور صحیحین کی روایت کے درمیان تعارض ہے (کیونکہ ترمذی کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی کے قول کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ جبکہ صحیحین کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے یہودی کے قول کے بعد یہ آیت پڑھی۔ یعنی اس کا نزول پہلے ہو چکا تھا) پھر ان دونوں میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے؟ تو اس کا سبب تطبیق یہ ہے کہ یہ آیت یہودی کے قول کے بعد آپ ﷺ پر نازل ہوئی اور اسی وقت آپ ﷺ نے یہ آیت یہودی پر پڑھ دی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضے میں لے لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں دست قدرت میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا میں تو شہنشاہ مطلق ہوں۔ زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ (2)۔

مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ دے گا پھر انہیں دائیں دست قدرت میں پکڑ کر فرمائے گا کہاں ہیں وہ بڑی قوت و طاقت والے کہاں ہیں وہ خرد و بکھر کرنے والے۔ پھر زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں دست قدرت میں پکڑ لے گا اور ایک روایت میں الفاظ ہیں کہ انہیں دوسرے دست قدرت میں پکڑ کر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں وہ بڑی قوت و طاقت والے کہاں ہیں وہ خرد و بکھر کرنے والے (3)۔

2- صحیح مسلم جلد 17، صفحہ 109، حدیث: 23 (اعلیٰ)

1- صحیح مسلم جلد 17، صفحہ 108، حدیث: 19 (اعلیٰ)

3- صحیح مسلم جلد 17، صفحہ 109، حدیث: 24 (اعلیٰ)

ابوالبخیر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور ساتویں زمینوں کو اپنی منہی میں لے کر فرمائے گا میں اللہ ہوں میں جہنم ہوں میں بادشاہ ہوں میں (تمام نیوٹ سے) پاک ہوں میں اسن دینے والا ہوں میں محافظ اور نگران ہوں میں غالب ہوں میں زبردست قوت والا ہوں میں کبریائی اور بڑائی کا اظہار کرنے والا ہوں میں نے ہی دنیا کو ابتداء پیدا کیا حالانکہ وہ کوئی شے نہ تھی اور میں ہی اسے دوبارہ پیدا کر رہا ہوں (آج دنیا کے) بادشاہ کہاں ہیں بڑی قوت و طاقت والے کہاں ہیں (1)۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ قبضِ علی اور اخذ تمام الفاظ کا معنی جمع کرنا ہے۔ کیونکہ آج آسمان بھی پھیلے ہوئے ہیں اور زمین بھی بچھی ہوئی ہے۔ اس اعتبار سے ان الفاظ کا معنی اٹھانا ذرا دل کرنا اور تبدیل کرنا ہے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ علی سے مراد قسم کر دینا اور قضاء کروانا ہے (2)۔

ابن ابی حاتم نے حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے (سپیل مخلوق کی) منتہی کی پھر انہوں نے آسمانوں زمین اور فرشتوں کی تخلیق میں غور و فکر کیا۔ جب اس سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اندازہ لگا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا قَدْ نَرَا اللَّهُ حَقًّا قَدْ نَرَاهُ (3)۔

حضرت سعید بن جبیر سے یہ قول مروی ہے کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے کلام کیا اور ایسی ایسی باتیں کہیں جنہیں وہ نہ جانتے تھے اور نہ انہوں نے انہیں دیکھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے وَمَا قَدْ نَرَا اللَّهُ حَقًّا قَدْ نَرَاهُ (4)۔

ابن منذر نے ربیع بن انس سے یہ قول نقل کیا ہے کہ جب آیت وَسِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضُ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جب کرسی کی وسعت کا عالم یہ ہے تو پھر عرش کی وسعت کی کیفیت کیا ہوگی تو تب اللہ تعالیٰ نے آیت وَمَا قَدْ نَرَا اللَّهُ حَقًّا قَدْ نَرَاهُ (5)۔

سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جس کی قدرت اتنی وسیع اور مضبوط ہے وہ ان مشرکوں کے شرک کرنے سے انتہائی دور اور بلند و بالا ہے۔ یادہ اس سے پاک ہے جو اس کی طرف شرک کی نسبت کی جاتی ہے (یعنی اس کی ہم گیر قدرت و طاقت والی ذات و صفات میں کوئی بھی شریک نہیں مشرکین کے یہ سارے نظریات باطل ہیں)۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ
ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۝ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورٍ رَبِّهَا
وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجَاءَ عَذَابُ النَّارِ وَالشَّهَادَاتُ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُونَ ۝ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝

”اور پھونکا جائے گا صور پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا (کہ بیہوش نہ ہوں) پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگے“

جائیں گے اور جگہ اٹھے کی زمین اپنے رب کے نور سے ملے اور رکھ دیا جائیگا دفتر عمل سے اور حاضر کئے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہوں اور فیصلہ کر دیا جائیگا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر (رتی بھر) ظلم بھی نہیں کیا جائیگا۔ اور پورا پورا بدلہ دیا جائیگا ہر شخص کو جو اس نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کمال لوگ کرتے ہیں۔“

۱۔ وَتُفَوَّقُ فِي الصُّورِ سے مراد ہے کہ جب پہلی بار صور پھونکا جائیگا۔ فَصْعِقَ مَنْ فِي السُّلُوبِ الَّیَّیۡہِ تَوَجَّوۡا سُلُوۡنِیۡمِ میں ہے اور جو زمین میں ہے وہ غش کھا کر گر پڑے گا یعنی وہ مرجا جائیگا۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ بَحْرَانِ کے جنہیں اللہ چاہے گا۔ تو ان سے کون مراد ہیں اس کی وضاحت ہم نے سورہ نمل کی آیت وَیَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّورِ فَقَعِیۡرٌ مِّنْ فِی السُّلُوبِ وَمِنْ فِی الْاَنْۢمِیۡۃِ شَکَوۡا اللّٰہَ مَکِی تفسیر میں بیان کر دی ہے۔

حسن نے کہا ہے کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ سے مراد صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی ذات ہے (۱)۔

پھر دوبارہ جب اس میں صور پھونکا جائیگا تو وہ اچانک اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہو کر حیرت سے دیکھنے لگ جائیں گے۔ مبہوت آدمی کی طرح تمام اطراف میں اپنی نظریں گھمائیں گے یا معنی یہ ہے کہ وہ انتظار کرنے لگیں گے کہ اب ان کے ساتھ کیا کیا جائیگا۔ دونوں ٹخوں کے درمیان چالیس دن کا فاصلہ ہوگا۔ آخری محل نصب اور محل رفیع دونوں میں ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ اس کے متعلق احادیث سورۃ التازعات میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

۲۔ وَاشْرَکَیۡتَ الْاَنْۢمِیۡۃِ کا معنی ہے کہ میدان قیامت کی سرزمین اپنے خالق کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ ترکیب کام میں اس کا عطف نفع فیہ اخیری پر ہے۔

علامہ بنو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمانے کے لئے جلوہ افروز ہوگا تو لوگوں کو اپنے رب کے نور کا مشاہدہ کرنے میں کوئی شبہ نہیں رہے گا جیسا کہ دن کے وقت کھلے آسمان میں چمکنے والے سورج میں انہیں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ حسن اور سدی نے کہا ہے کہ بنو دہبہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی جانب سے کیا جانے والا عدل و انصاف ہے (۲)۔ اسے نور اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ عدل و انصاف بھی علاقوں کو مزین کر دیتا ہے اور حقوق کو ظاہر کر دیتا ہے۔ (جیسا کہ نور ہر شے کو ظاہر اور منکشف کر دیتا ہے) اسی طرح ظلم کو ظلمت (تاریکی) کہا گیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظلم یوم قیامت کی ظلمتیں اور تاریکیاں ہیں۔ متفق علیہ۔

۳۔ اور تمام لوگوں کا دفتر عمل کے سامنے رکھ دیا جائیگا۔ (چونکہ اسم جنس کا اطلاق جمع پر ہو سکتا ہے) اس لئے یہاں جمع کے لئے الکتاب اسم جنس پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔

علامہ تفسیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمام کے تمام افعال اسے عرش کے نیچے ہیں۔ پس جب موقف ہوگا (یعنی جب لوگوں کو حساب و کتاب کیلئے ایک جگہ جمع کیا جائیگا) تو رب کریم ایک ہوا چلائے گا اور وہ انہیں دائیں بائیں لوگوں کے ہاتھوں تک اڑا کر لے جائے گی۔ سب سے پہلے اس میں یہ آیت لکھی ہوگی اِنَّہٗ اَعْلَمُ الْغُیۡۃِ کُلِّی وَتَفْصِیۡکَ الْیَۡوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡۃٌ ۝ (اپنا نامہ اعمال پڑھ آج کے دن تو اپنے مجاہدے کے لئے خودی کافی ہے) ابو نعیم نے اسے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفہ اور ولایتی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ہمدۂ موسیٰ کا نامہ اعمال کا عنوان ہوگا ”حسن ثناء الناس“

ج۔ اور انبیاء علیہم السلام اور دوسرے گواہ حاضر کئے جائیں گے۔ علامہ سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ حساب انبیاء علیہم السلام اور دوسرے گواہوں کی موجودگی میں ہوگا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن مسیب کا یہ قول ابن مبارک نے نقل کیا ہے کہ لَيْسَ مِنَ الْيَوْمِ إِلَّا وَيُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَمْنُهُ عَذْوَةٌ وَ عَشِيَّةٌ فَيَعْرِفُهُمْ بِسِمَائِهِمْ وَ أَعْمَالِهِمْ فَلَا يَكُ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ۔ (ہر روز صبح و شام حضور نبی کریم ﷺ کی امت آپ پر پیش کی جاتی ہے اور آپ ان کی پیشانیوں سے انہیں اور ان کے اعمال کو پہچان لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ قیامت کے دن ان کے متعلق شہادت دیں گے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شہداء سے مراد وہ ہیں جو رسل علیہم السلام کیلئے شہادت دیں گے کہ انہوں نے اپنی اپنی امت تک پیغام رسالت، یعنی احکام خداوندی پہنچادئیے تھے۔ اور یہ شہادت حضور نبی کریم ﷺ کی امت دے گی۔

حضرت عطاء نے کہا ہے کہ شہداء سے مراد ايمانائے نیکے والے فرشتے (کراما کا تین) ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ (۱)۔

جہ۔ اور بندوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر رتی بھر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا، یعنی نہ تو ان کے گناہوں میں اضافہ کیا جائیگا اور نہ ان کی نیکیوں میں کوئی کمی کی جائے گی۔

جہ۔ اور ہر شخص کو اس کے عمل کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کام لوگ کرتے ہیں۔ حضرت عطاء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال سے خوب واقف اور آگاہ ہے وہ کسی کا تب اور گواہ کا محتاج نہیں (۲)۔ بلکہ یہ ایمانائے اور گواہ فقط عرف اور عادت کے مطابق کافروں کے خلاف ان کے جرائم ثابت کرنے کے لئے ہوں گے (تاکہ انہیں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے)

پھر آئندہ آیت میں اعمال کا پورا پورا بدلہ دینے کی تفصیل بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

وَسَيُقَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاعُوا فَهَاتَمَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُوكُم لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۖ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ۝

”اور ہائے جائیں گے گنہگار جہنم کی طرف گروہ درگروہ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیے جائیں گے اس کے دروازے۔ اور پوچھیں گے ان سے دوزخ کے پہرے دار کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو بڑھ کر سناتے تمہیں تمہارے رب کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے۔ کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن شبت ہو چکا تھا (لوح محفوظ میں) عذاب کا حکم کفار پر سنائیں کہا جائیگا داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں کہ

تم ہمیشہ اس میں رہو گے۔ پس کتنا برا ٹھکانا ہے مغرووں کا جسے۔“

۱۔ ذمہ کا معنی ہے متفرق گروہ جو کہ ضلالت و گمراہی میں اپنے درجہات کے مختلف ہونے کی بناء پر وہ آپس میں ایک دوسرے کے پیچھے ہوں گے۔ ابوجہیدہ اور آنکس نے کہا ہے کہ ذمہ سے مراد ایک فرقہ کے متفرق گروہ ہیں۔ ذمہ جمع ہے اور اس کی واحد ذمۃ ہے اور یہ الزمر سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہوتا ہے آواز۔ چونکہ کوئی جماعت اور گروہ آواز سے خالی نہیں ہوتی (اسی مناسبت سے جماعت اور گروہ کوئی زمر کہہ دیا جاتا ہے۔ یا پھر یہ عربوں کے قول شاعۃ ذمۃ سے بنایا گیا ہے۔ اس سے مراد ایسی بکری ہوتی ہے جس کے بدن پر بال بہت کم ہوں۔ اسی طرح و جمل ذمۃ ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے جس میں مروت انتہائی کم ہو۔ اسی وجہ سے قلیل جماعت کو بھی ذمۃ کہا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ جہنم میں اس کے پاس آئیں گے، ان کے داخل ہونے کے لئے اس کے سارے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ فصحت کو کوفیوں نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقیوں نے کثرت پر دلالت کرنے کے لئے اسے مشدد پڑھا ہے۔ یعنی فصحت۔ یعنی جہنم کے سات کے سات دروازے مکمل طور پر کھول دیئے جائیں گے۔ حالانکہ اس سے قبل وہ بند تھے۔

۲۔ اور پھر انہیں جھڑکتے ہوئے اور جروتوج کرتے ہوئے دوزخ کے پہرے داران سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس تمہاری جنس میں سے تغیر نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنا تے اور تمہیں اس دن یعنی تمہارے جہنم میں داخل ہونے کے وقت کی ملاقات سے ڈراتے؟

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ آدمی شریعت آنے سے قبل کسی بھی شے کا مکلف اور پابند نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہنم کے پہرے دار رسل علیہم السلام اور ڈرانے والی کتب کے آنے کو ہی اپنی جروتوج کی علت و سبب قرار دیں گے (۱)۔

میں کہتا ہوں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ رسل علیہم السلام کے نہ ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والے کو عذاب نہیں دیا جائیگا۔ بلکہ آیت تو اس پر دلالت کر رہی ہے کہ دوزخ کے پہرے دار انہیں خوب ڈانٹ ڈپٹ کر کے کہیں گے کہ جب تمام دلائل مکمل ہو چکے ہیں۔ یعنی بغیر تحریف لایچکے، کتب الہیہ کا نزول ہو چکا۔ انبیاء علیہم السلام نے جمہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا تو پھر ایمان نہ لائے اور شرک کرنے کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ فقط عقل اگرچہ شریعت کی پہچان اور معرفت کے لئے کافی نہیں لیکن وہ قطعی دلائل جو کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم ہو چکے ہیں ان کے ہوتے ہوئے تو حید باری تعالیٰ کے لئے فقط عقل کا حکم اور فیصلہ کافی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے رسل علیہم السلام کو بھیج دیا۔ کتنا میں نازل فرمادیں اور مکمل راستہ واضح فرمادیا تو اب کفر و شرک پر مصر رہنے کا کوئی عذر بھی باقی نہیں رہا۔ واللہ اعلم۔

۳۔ کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن کفار پر عذاب کا حکم (لوح محفوظ میں) ثبت ہو چکا تھا۔ یعنی ازل سے ہی یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ یہ بد بخت ہیں، اشیاء ہیں لہذا ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب ہوگا۔ الکھفرین کا لفظ ضمیر کی جگہ پر صراحت ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس پر دلالت ہو جائے کہ یہ حکم کفار کے ساتھ خاص ہے۔

۴۔ انہیں کہا جائیگا تم دوزخ کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ اس حال میں کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے۔ اس میں کہنے والے کا نام مبہم رکھا

گیا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ انہیں دیا جائیگا وہ انہیں انتہائی خوفزدہ اور دہشت زدہ کرنے والی بات ہوگی۔

فَيُسْـَٔلُ الْمُنْكَرُ وَالْمُنْكَرُ يُسْـَٔلُ الْمُنْكَرُ وَيُسْـَٔلُ الْمُنْكَرُ الْمُنْكَرَ بِأَلْفِ لَامٍ مُّضِيٍّ ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور وہ جہنم ہے۔ فہنس کے اوپر فاسیہ ہے۔ کیونکہ کلام سابق اس مذمت کا سبب ہے اور اس میں اس پر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ ان کا ٹھکانہ جہنم اس لئے ہے کہ انہوں نے حق کو قبول کرنے سے غرور اور تکبر کیا ہے اور یہ بات مذکورہ بالا نظریہ کے منافی نہیں کہ ان کا جہنم میں داخلہ اس لئے ہے کہ ان کے بارے میں ازل سے ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب دیئے جانے کا فیصلہ ثبت ہو چکا ہے۔ کیونکہ (فی الحقیقت) ان کے تکبر اور دیگر برائیوں اور قباحتوں کا سبب وہی ازل فیصلہ ہی ہے (اور یہ چیزیں اس کا سبب ہیں) اس لئے دونوں میں کوئی تضاد نہیں) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جنت جیسے اعمال کراتا رہتا ہے حتیٰ کہ اہل جنت کے اعمال کرتے کرتے اسے موت آ جاتی ہے اور اس کے سبب وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جب کسی بندے کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جہنم جیسے اعمال کراتا رہتا ہے حتیٰ کہ ایسے اعمال کرتے کرتے اسے موت آ جاتی ہے اور اسی کے سبب وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسے مالک ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے (۱)۔

وَسَيُنْزِلُ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ عُرْوَاهُا وَقِيحَتْ
أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلِّمُوا عَلَيْكُمْ رَبِّكُمْ فَاذْخُلُوا خِلَابِهَا ۖ

”اور لے جایا جائیگا انہیں جو ڈرتے رہے تھے (عمر بھر) اپنے رب سے جنت کی طرف گرہ در گرہ حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہوں گے تو کہیں گے انہیں جنت کے محافظ تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔“

۱۔ اور جو عمر بھر اپنے رب سے ڈرتے رہے تھے انہیں بڑی تیزی کے ساتھ جنت، یعنی مقام عزت کی طرف لے جایا جائیگا۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کی سواریوں کو بڑی تیزی کے ساتھ جنت کی طرف ہانکا جائے گا۔ کیونکہ انہیں سواریوں پر ہی جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ عزت و شرف اور علم و مرتبہ میں مختلف ہونے کی بناء پر متعذر و گروہوں میں منقسم ہوں گے۔ حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو ان کے وہاں آنے سے قبل ان کی عزت و تعظیم کی خاطر جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ انہیں وہاں انتظار نہ کرنا پڑے تو اس وقت انہیں جنت کے محافظ کہیں گے تم پر سلام ہو، یعنی تمہیں کبھی بھی کوئی ناپسندیدہ امر لاحق نہ ہو، ففتح کو کوئیوں نے مختلف پڑھا ہے اور باتوں نے تکثیر کی بناء پر متعذر پڑھا ہے۔ طیم کا معنی ہے تم خوب رہے یعنی تم گناہوں کی میل جکیل سے پاک رہے۔ یہ طہارت یا تواضع و جد سے ہے کہ انہوں نے (قابل مواخذہ) گناہوں کا ارتکاب کیا ہی نہیں یا یہ مفہوم ہے کہ مغفرت کے سبب وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو چکے ہیں یا پھر یہ معنی ہے کہ وہ گناہوں کی سزا برداشت کر چکے کے سبب اب ان سے پاک ہو چکے ہیں۔

حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ جب اہل جنت جہنم کی مسافت طے کر چکیں گے تو جنت اور جہنم کے درمیان انہیں ایک بل پر روک لیا جائے گا اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے بدلہ اور انتقام لے لیں گے حتیٰ کہ جب وہ مکمل طور پر پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں

داخل ہوں گے اس وقت رضوان جنت اور اس کے ساتھی اہل جنت کو کہیں گے **سَلَامٌ عَلَیْکُمْ فَادْخُلُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ** (۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ متقی لوگوں کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کے پاس ایک درخت پائیں گے اس کے نیچے نیچے سے دو چشمے جاری ہوں گے۔ پس بندہ مومن ان میں سے ایک میں غسل کرے گا تو اس کا ظاہر پاک صاف ہو جائے گا۔ اور دوسرے چشمے سے پینے کا تو اس کے سبب اس کا باطن پاک صاف ہو جائے گا اور فرشتے جنت کے دروازوں (۱) پر ان سے ملاقات کریں گے اور یہ کہہ کر ان کا استقبال کریں گے **سَلَامٌ عَلَیْکُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ**۔

زجاج نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ تم دنیا میں شرک اور گناہوں کی نجاست اور گندگی سے پاک تھے (۲)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے تمہارے لئے یہ مقام (جنت) پاکیزہ اور صاف ہے۔ فادخلوها میں فاسمیعہ ہے اور یہ اس معنی پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ ان کی پاکیزگی اور طہارت ہی ان کے جنت میں داخل ہونے اور اس میں ہمیشہ رہنے کا سبب ہے۔ اس کی تاویلات اور توجیہات بھی سابقہ آیت کی توجیہات کی مثل ہی ہیں۔ لہذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ان کے محل اور مقام کا پاک ہونا ان کے جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ یعنی چونکہ جنت ایک پاکیزہ اور محترم مقام ہے۔ اس لئے وہ اہل جنت کا محل ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ خلدین کا معنی ہے کہ جنت میں ہمیشہ رہنا ان کا مقدر بن چکا ہے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنُحْمٌ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝

”اور وہ (خوش بخت) کہیں گے ساری تعریفیں اس اللہ (کریم) کے لئے جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس (پاک) زمین کا۔ اب ہم ٹھہریں گے جنت میں جہاں چاہیں گے۔ پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرئیوں کا۔“

۱۔ وَقَالُوا کا عطف محذوف کلام پر ہے اور وہی اڈا کا جواب ہے اور اسے اس معنی پر دلالت کرنے کے لئے حذف کیا گیا ہے کہ انہیں جنت میں داخل ہونے کے ساتھ ایسی عزت و کرامت حاصل ہوگی جسے میان نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہوں گے تو انہیں جنت کے محافظ کہیں گے تم اس کے اندر تشریف لے چلو یہ جو نبی وہ اس میں داخل ہوں گے تو اس میں ایسی ایسی نعمتیں پائیں گے جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں۔ ان کے بارے کسی کان نے سنا تک نہیں بلکہ کسی کے دل میں ان کا تصور تک نہیں آیا اور نہ الفاظ سے ان کا بیان ممکن ہے تو وہ ان انعامات خداوندی پر شکر ادا کرتے ہوئے کہیں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5 صفحہ 30 (الفرق) 2۔ تفسیر بغوی، جلد 5 صفحہ 30 (الفرق)

(۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے اپنے مال میں سے جوڑا (سونا چاندی) اللہ کے راستے پر خرچ کیا تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اور جنت کے کسی دروازے سے جس جس جوڑا ادا کرنے والا ہوگا اسے باب الصلوٰۃ سے پکارا جائے گا۔ دروازے دار کو باب الریان سے آواز دی جائے گی۔ صدقہ و خیرات کرنے والے کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور اہل جہاد کو باب الجہاد سے پکارا جائے گا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی ایسا بھی ہے جسے تمام دروازوں سے پکارا جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم وان تجنوا ان تكونوا جنہم۔ ہاں! اور میں امید رکھتا ہوں کہ تو ان لوگوں میں سے ہے۔

گئے اَلْجَنَّةُ بِمَا فِيهَا كَانُوا وَعَدُوهَا أَن يَدْخُلُوهَا وَلَٰكِن لَّهُمْ فِيهَا آسَافٌ مَّا يَشْعُرُونَ اور وہ جنت میں داخل کرنے والے تھے جنہیں جو آسمانوں کے لئے باعثِ راحت و شغف کا ہیں عطا فرمانے کا وعدہ ہمارے ساتھ پورا فرما دیا اور ہمیں سرزمینِ جنت کا وارث یعنی مالک بنا دیا۔ ہمیں ہے ہر ایک جنت کی وسیع زمین میں جہاں چاہے ٹھہر سکتا ہے اور جب کوئی انبیاء علیہم السلام اور دیگر بلند رتبہ لوگوں کی زیارت کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ سہولت میسر ہے۔

طبرانی، الاطبعم اور ضیاء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایک آپ میرے نزدیک میری جان اور اہل و عیال سے زیادہ محبوب ہیں۔ میں جب گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کا ذکر کرتا ہوں تو پھر میں صبر نہیں کر سکتا حتیٰ کہ میں آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ کے دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہوں (اور راحت و سکون کا سامان کر لیتا ہوں) لیکن جب میں اپنی موت اور آپ کے وصال کا تصور کرتا ہوں تو بالیقین یہ جانتا ہوں کہ آپ تو جنت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ تشریف فرما ہوں گے اور اپنے بارے میں یہ اور خوف محسوس کرتا ہوں کہ اگر میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو آپ کی زیارت اور دیدار سے تو شاد کام نہیں ہو سوں گا تو آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا (بلکہ سکوت اختیار فرمایا) کیا تک کہ جبرئیل امین علیہ السلام یہ آیت لے کر تازہ ہو گئے وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَأُدْخِلْهُ فِي الْأُمَمِ الَّتِي تَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَالِمِينَ ﴿۱۰﴾ (اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا میں اسے ان لوگوں میں سے کر دوں گا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں) (سورہ آل عمران: ۱۰) اور یہ سب بہت اچھے ساتھی ہوں گے۔

فدفعہم اجر العالمین جس نیک کام کرنے والوں کا کتنا عمدہ اجر ہو گا یعنی جنت۔

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ
بَيْنَهُمُ الْحَقُّ وَقِيلَ لِلْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٥﴾

اور (اے عجیب!) آپ دیکھیں غم فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے عرش کے ارد گرد تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اپنے رب (طیلس) کی حمد کے ساتھ ل اور فیصلہ کر دیا گیا ہو گا ان کے درمیان حق کے ساتھ۔ اور کہا جاے گا یہ سب تعریفیں اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے۔“

۱۔ حَاقِقُن کا معنی ہے حلقہ بنائے ہوئے، گھمیرے ہوئے۔ یعنی اے حبیب! آپ دیکھیں گے کہ فرشتے عرش کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوئے ہوں گے اور وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر رہے ہوں گے۔ علماء نے کہا ہے کہ فرشتوں کی یہ تسبیح بطور عبادت نہیں ہوگی بلکہ فقط تسبیح اور تہلیل کے لئے ہوگی (یعنی فرشتے اس تسبیح سے لطف اندوز ہوں گے اور راحت و سکون حاصل کریں گے۔ کیونکہ یہ اس وقت عبادت کی یا بندگی تو ساقط ہو چکی ہوگی۔

ترکیب کلام میں یُسْبِخُونَ کا جملہ حافین کے فاعل سے حال ہے۔

۷۔ اور مخلوق کے درمیان حق یعنی عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا ہوگا۔ اس طرح کہ اہل ایمان کو جنت میں داخل کیا جائیگا اور کفار کو جہنم کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا جائیگا۔

بعض نے کہا ہے کہ بینہم کی ہم ضمیر سے مراد ملائکہ ہیں۔ معنی یہ ہے کہ تمام فرشتوں کو ان کے درجہ اور تہ کے مطابق اپنے اپنے مقام پر کھڑا کیا جائیگا (کسی کو قطعاً اپنے حق سے محروم نہیں کیا جائیگا)

تو جب اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ اپنا وعدہ پورا فرما دے گا اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو بطور شکریہ یہ کہیں گے الحمد للہ رب العالمین۔

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو جنت میں داخل فرما دے گا اور اپنے دشمنوں کو جہنم کے سپرد کر دے گا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ملائکہ اس وقت کہیں گے الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ زمر کی تلاوت فرماتے تھے۔ اسے ترمذی نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے (۱)۔
حمت باخیر

سورہ زمر کی تفسیر یکم رمضان المبارک 1207ھ کو اختتام پذیر ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے سورہ زمر کا ترجمہ 30 رمضان 1421ھ بمطابق 27 دسمبر 2000ء بروز بدھ بوقت 1:30 بجے دن اپنے اختتام کو پہنچا۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورة المؤمن

أبنا ٨٥ سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ ٢٠ رُكُوعَاتُهَا ٩

سورۃ المؤمن کی ہے، اس میں پچاسی آیات ہیں اور نور کو ع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

علامہ بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ قرآن کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو اپنے گھر و اہل کو کیٹے جائے سکونت اور مریضوں کے لیے گھاس اور پانی والی جگہ کی تلاش میں نکلتا ہے۔ پس اسی اثنا میں وہ چلتے چلتے ایک جگہ بارش کے اثرات و نشانات کو پاتا ہے تو وہ اس پر تعجب کتنا ہوتا ہے پھر وہ چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پر اترتا ہے جہاں کی زمین نرم ہے اور اس میں طرح طرح کے باغات ہیں تو وہ یہ منظر دیکھ کر کہنے لگتا ہے کہ میں تو بارش کے اثرات دیکھ کر ہی تعجب کر رہا تھا مگر یہ منظر تو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز ہے تو آپ سے یہ کہا گیا کہ پہلی بارش تو عظمت قرآن کی مثال ہے اور نرم زمین کے یہ باغات قرآن کی نرمی میں موجود حکم کی مثال ہے (۱)۔

علامہ بغوی نے ذکر کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں ہم پر ہنسنے میں مشغول ہوتا ہوں تو ایسا محسوس کرتا ہوں گویا میں باغات میں راحت و سکون حاصل کر رہا ہوں (2) اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں ہم پر ہنستا ہوں تو میں (اپنے آپ کو) نرم زمین کے باغات میں ہوتا ہوں۔

علامہ بغوی نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم کا کہنا ہے کہ ہر حرم دہنوں کی چنبیلی (کی مثل) ہے (3)۔

حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت نقل کی ہے کہ حم والی سورتیں قرآن کریم کی زینت ہیں (4)۔

حَمْ ۖ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ
التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ۝ ذِي الطَّوْلِ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۝ إِلَهِهِ الْمُهَيَّمُ ۝

”حاجیم! اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے، جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے گناہ بخشنے والا، اور توبہ قبول فرمانے والا۔ سخت سزا دینے والا ہے فضل و کرم فرمانے والا ہے نہیں کوئی معبود اس کے سوا اسی کی طرف (سب نے) لوٹنا ہے۔“

۱۰۰ حتم حروف مقطعات ہیں اور ان کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ علامہ بغوی کہتا ہے کہ سدی نے کہا ہے حم اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 31 (الفکر)

2۔ تفسیر افغوی، جلد 5، صفحہ 31 (الفکر)

4۔ مستدرک حاکم، حدیث: 3634 (العلمیہ)

3- تفسیر بخاری، جلد 5، صفحہ 31 (الفکر)

اور عطا فرمائی ہے کہا ہے کہ حاء اسماے حسنی میں سے حکیم، مجید، جی اور حیان کا پہلا حرف ہے اور میں رب العالمین کے اسماء میں سے ملک، مجید اور منان کا پہلا حرف ہے۔

کسانی نے کہا ہے کہ حم سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ مستقبل میں وقوع پذیر ہوگا اس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ گویا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حتم کا معنی ہے حتم (۱)۔

ابن کثیر، قالون، حفص اور ہشام نے حم والی تمام سورتوں میں حاء کو مفتوح پڑھا ہے۔ ورش اور ابو عمرو نے بین بین اور یاقون نے امالہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

ج ترکیب کلام میں تثنیٰ الکتب خبر مبتدأ حذف کی ہے جو کہ ہذا ہے یعنی ہذا تنزیل الکتاب یا پھر تثنیٰ الکتب مبتدأ ہے اور اس کی خبر میں اللہ العزیز العلیٰ علیہ السلام ہے عزیز کا معنی ہے کہ وہ اپنی بادشاہی اور حکومت میں زبردست اور غالب ہے اور علیم کا معنی ہے کہ وہ اپنی بادشاہی اور حکومت میں زبردست اور غالب ہے اور علیم کا معنی ہے وہ اپنی مخلوق میں سے سب کچھ جاننے والا ہے شاید یہاں ان دونوں وصفوں کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کا آغاز اور پر حکمت ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ مومنین کے گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ التوب تاب یحب توبۃ کا مصدر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ التوب توبۃ کی جمع ہے جیسے دو مکتی جمع دوم اور حو مکتی جمع حوم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخشنے والا ہے جس نے کہا لا الہ الا اللہ اور اس کی توبہ قبول فرمانے والا ہے جس نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ غافر الذنب اور قابل التوب دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور ان میں اضافت معنوی ہے (کیونکہ صیغہ صفت کی اضافت اپنے معمول کی طرف ہو رہی ہے)۔ کیونکہ ان دونوں وصفوں کے اظہار کیلئے کوئی مخصوص زمانہ مقرر نہیں بلکہ یہ تو صفات جاریہ ہیں (اس کا اظہار ہر وقت ہوتا ہے)۔

ان دونوں صفتوں کے درمیان واو عاطفہ ذکر کی گئی ہے تاکہ اس پر دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں گناہیوں کو مٹانے اور توبہ کو قبول کرنے کی دونوں صفتیں جمع ہیں یا دو کو دونوں وصفوں کے درمیان مغائرت ظاہر کرنے کیلئے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ بعض ان دونوں وصفوں کو باہم متحد اور ایک ہی گمان کرتے ہیں یا اس بات پر دلالت کرنے کیلئے واو عاطفہ لگائی گئی ہے کہ دونوں فصول کے ظہور کے محل میں مغائرت پائی جاتی ہے کیونکہ غفر کا معنی ہوتا ہے ڈھانپ دینا۔ اس صورت میں گناہ باقی رہتا ہے اور یہ ایسے آدمی کیلئے ہوتا ہے جو توبہ نہ کرے اور توبہ کرنے والا تو اس کی مشکل ہوتا ہے جس نے گناہ کیا ہی نہیں (۱)۔ یہ حدیث موقوف ہے اسے ابن ماجہ نے حضرت ابن

۱۔ تفسیر لغوی، جلد ۵، صفحہ ۳۲ (الغفر)

(۱) یزید بن اسم سے روایت ہے کہ اہل شام میں سے ایک طاقتور اور بہادر آدمی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی جرات و بہادری کے سبب اسے خاص مقام دیتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ غائب ہو گیا تو آپ نے اس کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ اس عرصہ میں مسلسل زہاب چنار ہا ہے تو آپ نے اپنے کاتب کو بلا یا اور فرمایا کہ یہ خطاب بن خطاب کی جانب سے نکالے گئے نام ہے، تم پر سلام ہو۔ میں تیرے سامنے اس اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، گناہ کو بخشنے والا، اور توبہ کو قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، بعض آدمیوں کو فرماتے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ فاقبضوا الذی الذی لا الہ الا هو غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الہ الا هو علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر آپ نے دعا فرمائی اور اپنے پاس موجود افراد کو بھی دعا کیلئے کہا کہ اللہ تعالیٰ اسے دل سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس کی توبہ قبول فرمائے۔ جب وہ خط اس آدمی کے پاس پہنچا اس نے اسے پڑھنا شروع کیا اور کہنے لگا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسعود رضی اللہ عنہ سے، حکیم نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے، ابن بشار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ابن عباسؓ کو یہی بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے پس یہ تفسیر اس پر دلیل ہے کہ جو تو بہت کرے اس کی مغفرت جائز ہے۔ اور جس نے لا الہ الا اللہ نہ کہا اسے سخت سزا دینے والا ہے۔

۱۔ ذی القلولی کے بارے میں مجاہد نے کہا ہے کہ وہ بڑی وسعت والا اور غنی ہے قتادہ نے کہا ہے وہ نعمتوں والا ہے بعض نے کہا ہے اس کا معنی ہے قدرت رکھنے والا۔ حسن نے کہا ہے فضل فرمانے والا (1)۔ بعض نے کہا ہے غافر الذنب اور اس کے بعد آئے والے تمام الفاظ بدل ہیں صفات نہیں ہیں۔ ان تینوں میں اضافت لفظیہ ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اس لئے یہ صفات نہیں ہو سکتیں۔ اسی بناء پر ذی القلولی بھی بدل ہے (کیونکہ اسے صفت بنانے سے بدل کا صفت سے مقدم آنا لازم آتا ہے) اور یہ متعین ہے۔

صاحب کشف اور بیضاوی نے کہا ہے کہ پہلی دو کی طرح یہ قرام بھی صفات ہیں اور ان میں اضافت حقیقیہ ہے۔ کیونکہ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس سے کوئی مخصوص زمانہ مراد نہیں (لہذا یہ اضافت تعریف کا فائدہ دے رہی ہے) او شدید العقاب بمعنی مشددہ میں بھی اضافت حقیقیہ ہے۔ کیونکہ یہ اصل میں اشدہ یہ عقاب ہے۔ پھر عبارت کو باہم ملانے کیلئے بھی التباس سے بچنے کیلئے لام کو حذف کر دیا گیا لہذا یہ حقیقی معرّف بالام ہے اور اسے اس کی بدل بنانے میں نظم کلام میں خرابی لازم آتی ہے (2)۔ زجاج نے کہا ہے کہ شدید العقاب بدل ہے صفت نہیں۔ صاحب مدارک کے نزدیک بھی صحیح یہی ہے کیونکہ نکرہ ہے اس میں لام کو حذف کرنا جائز نہیں۔ اس بناء پر ذی القلولی بھی بدل ہوگا اور جو کچھ علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ وہ معنی کے اعتبار سے اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ یہ قرام تو اربع ہیں اور اپنے متبورع کے معانی پر دلالت کر رہے ہیں۔ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی مدح ترغیب و ترہیب اور مقصود اصلی پر براہیمتہ کرنے کیلئے ذکر کی گئی ہیں اور مقصود بالنتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہذا اسی طور پر اس کی عبادت کی طرف متوجہ ہونا واجب ہے۔ صاحب مدارک نے کہا ہے کہ لا الہ الا اللہ دوسری صفت ہے جیسا کہ ذی القلولی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ جملہ صفتیں ہند اور اللہ تعالیٰ کے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مطیع (اطاعت شعار) اور گنہگاروں کو ان کے اعمال کے مطابق ثواب و عذاب کے ساتھ بدلہ دے گا۔

1۔ تفسیر بنوی، جلد 5، صفحہ 32 (الفرق)

2۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شہاب، جلد 8، صفحہ 36-235 (العلیہ)

(بقیہ حاشیہ مرکز شمشیر سے) غافر الذنب حقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے معاف فرمادے گا مقابلہ الثوب اور اس نے میری توبہ قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ شدید العقاب اس نے مجھ سے اپنے عذاب اور سزا سے ڈرایا ہے۔ ذی القلولی اور مطول سے مراد خبر کثیر ہے۔ الیہ المصیبر پس وہ اس آیت کو بار بار مسلسل پڑھتا رہا یہاں تک کہ وہ نے گنگ گیا پھر اس نے گنگا میں سے توبہ کی اور خوب اچھی طرح کر لی۔ جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا جب آپ اپنے کسی بھائی کو راہ حق سے پھسلے ہوئے دیکھو تو اسی طرح کیا کرو اس کو سیدھا کر دو اس کے ساتھ نرم سلوک کرو اور اس کیلئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور تم اس کے خلاف شیطان کے معاون و مددگار نہ بن جاؤ۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ مدہ طیبہ میں ایک عبادت گزار جو ان نماز اور حضرت عمرؓ کی اس سے محبت فرماتے تھے۔ وہ مصر چلا گیا اور اس کے نظریات فاسد ہو گئے اور بھی کسی گناہ کے ارتکاب سے وہ باز نہیں رہتا تھا۔ اس کے گھر کا کوئی فرد حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے اس نوجوان کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے عرض کی اس کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھئے۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ اس نے جواب دیا اس کے نظریات فاسد ہو گئے ہیں، وہ انتہائی ادا باش ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی طرف خط لکھا ختم تنویر اللکھنوی، ص 100، اللکھنوی، علیہ الامید۔ پس اس نوجوان نے وہ خط پڑھا اور مسلسل پرستار رہا۔ حتیٰ کہ توبہ کر کے نکلنے اور خیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ابو اسحاق شیبی سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عمرؓ کی بارگاہ میں آیا اور عرض کی یا امیر المؤمنین! میں نے نقل کیا ہے کہ امیر کے لئے توبہ ہے؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنا لی ثم تنویر اللکھنوی، ص 100، اللکھنوی، علیہ الامید۔ و قابل الثوب اور ساتھ فرمایا اس پر عمل کر اور مایوس نہ ہو۔

مَا يَجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرُكَ تَقْلُبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ①

”نہیں تنازعہ کیا کرتے اللہ کی آیتوں میں مگر کافر! پس نہ دھوکہ میں ڈالے تمہیں ان لوگوں کا (بڑے کدو فرستے) آنا

جانا مختلف شہروں میں ۱۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانا کفران کا رد کرنے یا آیات میں تناقض اور اختلاف ثابت کرنے یا آیت متشابہات کی ایسی تاویل کرنے میں جو کہ آیات حکمت یا حدیث متواتر کے خلاف ہو تنازعہ نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کو قرآن کریم کے بارے میں بحث کرتے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی بعض آیات کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔ حالانکہ کتاب اللہ کا نزول اس طرح ہوا کہ اس کی آیات ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھیں لہذا تم بعض آیات کے سبب بعض کی تکذیب نہ کرو پس جن کے بارے میں تم جانتے ہو ان کے بارے میں گفتگو کرو اور جن کے بارے میں نہیں جانتے اسے جاننے والے عالم کے سپرد کرو۔ (رواد الغوی (۱) اور مسلم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو (رضی عنہ بن شعیب کے دادا) نے کہا کہ میں ایک دن دو پہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو قرآن کریم کی ایک آیت کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے، آپ کے چہرہ مقدس پر غضب کے آثار ظاہر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے لوگ کتاب اللہ میں اختلاف کرنے کے سبب ہی ہلاک ہوئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم میں جدال (جھگڑا کرنا) کفر ہے۔ اسے علامہ بغوی نے بیان کیا ہے (۲)۔

علامہ بیہقی نے شعب الایمان میں علیؓ کی نے حضرت مہدی اللہ بن عمروؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ ابو داؤد اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع حدیث ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ قرآن کریم میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ علامہ بیضاویؒ نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تحقیق فرمادیا ہے کہ قرآن کریم اس کی جانب نازل کیا گیا ہے تو پھر اس میں طعن و تشنیع کرنے اور جن کو مغلوب کرنے کیلئے بحث مباحثہ اور جھگڑا کرنا کفر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَجَدُوا إِلَيْنَا طَلِبًا لِيُذْهِبُوا عَنْهُمْ

اور اگر جھگڑا اور مباحثہ اس بناء پر ہو کہ مسئلہ کی گروہ کھل جائے حقائق سامنے آ جائیں اہل باطل کا استدلال رد ہو جائے اور ان کے طعن و تشنیع کا قلع قمع ہو جائے تو ایسا اختلاف اور مباحثہ بہت بڑی عبادت ہے (۱)۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں لفظ جدال نکرہ ذکر فرمایا ہے۔ ”إِنَّ جِدَالَ فِی الْقُرْآنِ کُفْرٌ“۔ کیونکہ یہی حقیقت جدال اور اختلاف سے ہی ہیں (۳) (تو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 33 (الفکر)

2۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 33 (الفکر)

3۔ تفسیر بیضاوی مع حاشیہ شہاب، جلد 8، صفحہ 38-237 (العلمیہ)

(۱) صاحب نہایت نے لکھا ہے کہ یہ جدال آیات میں جس کی خدمت کی گئی ہے ان آیات سے تعلق رکھتا ہے جن میں تقدیر وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اہل کلام، اہل بدعت اور رائے پرستوں کے درمیان ان آیات میں جدال کیا جاتا ہے آیات الاحکام اور ابواب طلال و حرام میں اختلاف کی ممانعت نہیں ہے۔ یہ اختلاف تو صحابہ میں تھا اور بعد میں آنے والے علماء کے درمیان بھی ہوتا رہا ہے۔ اس سے مقصود صرف حقیقت مسئلہ کا انکشاف اور حق ربکی ثابت ہوتا ہے، اپنے حریف پر غالب آنے کا جذبہ نہیں ہوتا۔

معلوم ہوا کہ جدال فقط اسی صورت میں ممنوع ہے جب اس سے مقصود حق کی تکذیب اور اسے نچاؤ دکھانا ہو۔

۱۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ان لوگوں کا بڑے کدو فر سے مختلف شہروں میں آنا جانا دھوکہ میں نہ ڈالے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں جو مہلت دے رکھی ہے اور یہ اپنی دنیا کمانے میں خوب مصروف ہیں اور نفع بخش تجارت کی غرض سے مختلف شہروں، یعنی بلاد شام اور یمن وغیرہ میں پھرتے رہے ہیں (آپ اس سے نہ دھوکہ کھائیں اور نہ پریشان ہوں)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَتَّ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَدُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْخِلُوهُمُ الْخَسْرَ فَآخَذْنَاهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذَلِكَ حَقَّقْتُ لَكُمُ شَرِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝

”جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور کئی (دوسرے) گروہوں نے ان کے بعد۔ اور قصہ کیا ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق کہ اسے گرفتار کر لیں اور جھگڑتے رہے (اس کے ساتھ) ناحق، تاکہ جھٹلا دیں اس کے ذریعے حق کو پس میں نہ پکڑ لیا انہیں۔ پس کتنا شدید تھا میرا عذاب! اور اس طرح واجب ہو گیا اللہ کا فیصلہ کفار پر کہ وہ دوزخی ہیں۔“

۱۔ ابن ابی حاتم نے سدی کے واسطے سے ابو مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت حادث بن قیس سہمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۱) یعنی عترتِ نبویؐ اپنے کفر کے سبب اسی طرح پکڑ لیا جائیگا۔ جیسے ان سے پہلے (کفار کو) پکڑ لیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ الایہ یعنی ان سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا تھا اور ان کے بعد ان دوسری قوموں نے جنہوں نے اپنے اپنے رسولوں کے خلاف گروہ بندی کی اور ان کے مقابلے میں اتر آئے۔ جیسا کہ قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ، یعنی ان تمام قوموں نے حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کی تکذیب کی۔ یہ جملہ قول باری تعالیٰ فلا یغدرک کی علت بیان کر رہا ہے۔

ان میں سے ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق یہ قصد کیا کہ اسے گرفتار کر لیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے لیاخذوہ کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ اسے قتل کر دیں اور اسے ہلاک کر دیں (۲)۔ البتہ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ اسے گرفتار کر لیں۔ کیونکہ عرب اسیر (قیدی) کو انہیں کہتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ناحق جھگڑتے رہے مثلاً مَا أَنتُمْ إِلَّا نَسْوَةٌ فُلُتْنَا (تم تو ہماری طرح ہی بشر ہو) لَوْلَا أَنْتُمْ لَغَبْنَا الْفُتُكَةَ (ہم پرفرشتے کیوں نہیں نازل کئے گئے) اَوْ قَوْمٌ مِّنْهَا (یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں) اسی طرح کے اور اقوال بھی تھے تاکہ وہ اس جھگڑے کے ساتھ حق کو زائل کر دیں اور باطل پر قرار دیں۔ سو میں نے انہیں پکڑ لیا، یعنی ان کے اس (فاسد) قصد کی سزا دینے کیلئے میں نے انہیں ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔ ترکیب کلام میں فاخذھم کا عطف جاد لیا ہے۔ پس ان پر میرا عذاب کتنا شدید تھا۔ کیونکہ تم ان کے دیران گھروں کے پاس سے گزرتے ہو اور اس عذاب کے اثرات اور نشانات دیکھتے ہو۔ یہ استفہام تقریری ہے اور تعجب کیلئے ہے۔

۲۔ جس طرح دنیا میں انہیں ہلاک کرنا ثابت اور متحقق ہو چکا ہے اسی طرح آخرت میں بھی کفار کیلئے عذاب کا فیصلہ ثابت اور متحقق ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ جس طرح سابق امتوں میں سے جھٹلانے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے اسی طرح آپ کی امت کے کفار کیلئے بھی عذاب کا فیصلہ واجب ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں۔ ترکیب کلام میں اصحاب النار کلمت ربک سے

میں چھلا (حلقہ) پڑا ہو۔

عجائب کا قول ہے کہ ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ستر ہزار عجایب ہیں۔ ایک عجائب نور کا ہے اور ایک ظلمت و تاریکی کا۔ پھر ایک عجائب نور اور ایک عجائب ظلمت و تاریکی کا (1)۔

وہ بن منہ نے کہا ہے کہ عرش کے ارد گرد ملائکہ کی ستر ہزار صفیں ہیں۔ ہر صف دوسری صف کے پیچھے ہے اور وہ عرش کا طواف کر رہے ہیں۔ کبھی وہ سامنے آتے ہیں اور کبھی وہ۔ اور جب ان میں سے کوئی دوسرے کے سامنے آتا ہے تو ایک طرف والے لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور دوسری طرف والے اللہ اکبر کہتے ہیں اور ان کے پیچھے ستر ہزار صفیں ہیں ان کے ہاتھ ان کی ٹہریوں کی طرف اٹھے ہوئے ہیں درآئینہ کھلے ہوئے انہیں اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ جب وہ اپنے آگے والی صفوں میں موجود ملائکہ کی قبلہ و تکبیر کی آواز سنتے ہیں تو وہ بھی بلند آواز سے یہ کہتے ہیں۔ سُبْحَانَكَ وَبِعْظَمِكَ مَا اعْظَمُكَ وَاجْلُكَ اَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ غَيْرُكَ اَنْتَ الْوَاحِدُ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ رَاجِعُونَ إِلَيْكَ اور ان کے پیچھے ملائکہ کی مزید ایک لاکھ صفیں ہیں اور وہ اپنے دائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر فرشتہ ایک دوسرے سے مختلف انداز میں تسبیح و تحمید بیان کرنے میں مشغول ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے دو پروں کے درمیان تین سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے اور ان کی بوتے لے کر کندھ تک درمیان میں چار سو سال کی دوری موجود ہے اور اللہ تعالیٰ اور حاملین عرش کے مابین ستر عجائب آگ کے ستر عجائب ظلمت کے ستر عجائب نور کے ستر عجائب سفید موتیوں کے ستر عجائب یاقوت احمر کے ستر عجائب پیلی یاقوت کے ستر عجائب بزرگ کے زمرہ کے ستر عجائب برف کے ستر عجائب پانی کے ستر عجائب اولوں کے اور ایسی ایسی متعدد چیزوں کے عجایب موجود ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حاملین عرش اور عرش کے ارد گرد طواف کرنے والے فرشتوں میں سے ہر ایک کے چار قسم کے چہرے ہیں۔ ہلکا چہرہ، شیر کا چہرہ، گدھ کا چہرہ اور انسان کے چہرے کی شکل چہرہ اور ان میں سے ہر ایک کے چار پروں ہیں اور وہ دو پر اپنے چہرے پر اس خوف سے رکھے ہوئے ہے (کہ کہیں ایسا نہ ہو) کہ ان کی نظر عرش پر پڑ جائے اور وہ گر جائے اور وہ اپنے دو پر اس طرح پیچھے کی جانب گرائے ہوئے ہے جیسا کہ پرندہ اپنے پروں کو حرکت دیتے وقت پیچھے کی جانب مارتا ہے اور تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہجد کے سوا وہ کوئی کلام نہیں کرتے (2)۔

۱۔ وہ تسبیح کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی، یعنی وہ تمام صفات جلال و جمال کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کرتے ہیں اور وہ اپنے رب کی ثناء حمد کے ساتھ ملا کر کرتے ہیں۔ ملائم بیضاوی نے کہا ہے کہ تسبیح کو اصل بنایا گیا ہے اور حمد کو حال۔ کیونکہ حمدی فرشتوں کی حالت کا مختصی ہے، تسبیح متفقہ حال نہیں (3)۔

اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ یعنی وہ تصدیق کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اس کا وجود واجب ہے، وہی تمام اشیاء کا خالق ہے۔ وہ کہتا ہے۔ بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا اور کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ایمان لانے کی خبر دی ایک تو اس لئے تاکہ ایمان کی فضیلت و شرف کا اظہار ہو جائے اور اس لئے تاکہ اہل ایمان کی تعظیم و تکریم واضح ہو جائے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ملائکہ اظہار بندگی، اظہار محرومیت و نیاز اور ایمان بالغیب رکھنے میں دیگر تمام مخلوق کی طرح ہی ہیں۔ ایسا نہیں جیسا کہ کفار گمان کرتے ہیں کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور اس میں فرقہ جمہ (جو اللہ تعالیٰ کے جسم کے قائل ہیں) کی

تردید بھی ہے۔

شہر بن حوشب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حملۃ العرش آٹھ فرشتے ہیں۔ ان میں سے چار یہ کہتے ہیں **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْخَمْدُ عَلٰی جَلْمِكَ بَعْدَ جَلْمِكَ**۔ (اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ ہم تیری حمد بیان کرتے ہیں تو ہی حمد کے لائق ہے کہ تو جانے کے باوجود بھی علم سے کام لیتا ہے) اور ان میں سے چار یہ کہتے ہیں **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْخَمْدُ عَلٰی عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ**۔ (اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ ہم تیری حمد بیان کرتے ہیں تو ہی حمد کے لائق ہے کہ تو قدرت کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیتا ہے) شہر بن حوشب کا کہنا ہے گویا کہ وہ فرشتے بنی آدم کے گناہوں کو دیکھ رہے ہیں (۱) (اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور عفو و درگزر کی تحریف کرتے ہیں)

اس اور وہ اہل ایمان کیلئے استغفار کرتے ہیں۔ اس میں اس بات پر متنب کیا جا رہا ہے کہ فرشتوں کا ایمان لانے میں اہل ایمان انسانوں کے ساتھ شریک ہونا انسانوں کیلئے باعث نصیحت، خیر خواہی اور شفقت ہے۔ اگرچہ فرشتوں کی جنس انسانوں کی جنس سے مختلف ہے۔ کیونکہ ایمان کا رشتہ بنی سب سے مضبوط اور قوی رشتہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ**۔

وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! تو اپنی رحمت اور علم سے ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔ (يقولون) دینا مکمل جملہ يستغفرون کے فاعل سے حال ہے اور **وَسِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ وَرَحْمَةُ عَلَمًا** اصل میں **وَسِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ رَحْمَتُكَ** اور علم سے اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وصف رحمت و علم کی عمومیت میں خوب مبالغہ کے اظہار کیلئے اعجاز کلام تبدیل کیا گیا ہے اور ان دونوں وصفوں میں چونکہ مقصود بالذات رحمت ہے اس لئے اس کا ذکر علم سے پہلے کیا۔

فاغفر میں فاء سببہ ہے کیونکہ وسعت رحمت ہی مغفرت کا سبب ہے۔ پس بخش دے انہیں جنہوں نے نافر سے توبہ کی ہے۔ یعنی جو کفر کو چھوڑ کر اسلام کی طرف لوٹ آئے ہیں اور انہوں نے تیرے راستہ کی پیروی کی ہے، یعنی تیرے اس دین کو اپنا لیا ہے جس کے ساتھ تو نے اپنے رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔

اور انہیں عذاب جہنم سے بچالے۔ یعنی عذاب سے ان کی حفاظت فرما۔ اغفر میں عذاب جہنم سے بچانے کا ذکر اشارۃً کیا گیا ہے اور یہاں صراحت اس کا ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ دعا کے مغفرت میں مزید تاکید اور جتنی پیجا ہو جائے۔ مطرف نے کہا ہے کہ مومنین کیلئے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے سب سے زیادہ خیر خواہ ملائکہ ہیں اور اہل ایمان کیلئے ساری مخلوق میں سے زیادہ کھوئے اور منافقین شیاطین ہیں (۲)۔

رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَاسَخَتْ لَهُ ذُلٌّ ۚ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

”اے ہمارے رب! داخل فرما انہیں سدا بہار باغوں میں جن کو تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے لے کر ایک تو ہی سب سے زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اور بچالے انہیں سزاؤں سے۔ اور جس کو تو بچالے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر۔ اور یہی ہے بہت

بڑی کامیابی ہے۔“

۱۔ جنت عدن سدا بہار باغ جن میں اقامت اور سکونت دائمی ہوگی۔ (۱)

ترکیب کلام میں وَرَئِیْ صِلَٰتِہٖ کا عطف ادخلہم کے ضمیر پر ہے۔ یعنی اے ہمارے رب اتو نے ان سے اور ان کے آباء میں سے جو قابلِ بخشش ہیں ان سے جن سدا بہار باغوں کا وعدہ فرما رکھا ہے انہیں ان میں داخل فرمادے۔

آیت طیبہ میں صلاح سے مراد نفسِ ایمان ہے کیونکہ مومن اگرچہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے سبب جنت میں داخل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کیلئے چاہتا ہے اس کے تمام گناہ معاف فرمادیتا ہے اور ہم نے یہ اس لئے کہا ہے تاکہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت ثابت ہو جائے۔ اگر صلاح سے عقائدِ اعمال اور تمام اخلاق کی صحت اور درستگی مراد ہو تو پھر وَرَئِیْ صِلَٰتِہٖ کا مفہوم اللہین قابوا وَاَتَّبَعُوا اسبیلک میں داخل ہے (اسے علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں) واللہ اعلم۔

علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ مومن جنت میں داخل ہوگا، وہاں پہنچ کر کہے گا میرا باپ کہاں ہے میری ماں کہاں ہے میری اولاد کہاں ہے اور میری بیوی کہاں ہے؟ تو اسے یہ بتایا جائے گا کہ انہوں نے تیری مثل اعمال نہیں کئے (اس لئے وہ یہاں نہیں پہنچ سکے) تو وہ کہے گا میں تو جو عمل بھی کرتا تھا وہ اپنے لئے بھی اور ان کے لئے بھی کرتا تھا تو اس وقت یہ کہا جائے گا کہ انہیں بھی جنت میں داخل کر دو (۱)۔ یہ روایت موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے اور یہ صراحۃً اس پر دلالت کر رہی ہے کہ آیت کریمہ میں صلاح سے مراد نفسِ ایمان ہے۔

۲۔ جینگ تو ہی سب سے زبردست ہے جو برے پر قدرت رکھتا ہے اور جس کام کا ارادہ فرماتا ہے کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ (حکیم) اور حکمت والا ہے، یعنی وہی کچھ کرتا ہے جس کا تقاضا حکمت کرتی ہے اور وعدہ وفا کا بھی اسی میں سے ہے۔

۳۔ اور انہیں بچالے سزاؤں سے یا نرے اعمال کی جزاء سے۔ (سینا سے مراد سزاؤں یا نرے اعمال کا بدلہ ہے) یہ تعیم بعدِ تصحیص ہے۔ یا اسے مَنَ صِلَٰتِہٖ مِّنْ مَّخْصُوصٍ کیا گیا ہے۔ یا پھر معنی یہ ہے کہ تو انہیں دنیا میں اعمالِ بد سے محفوظ فرما اور جسے تو یومِ جزاء کو یا دنیا میں سزاؤں سے بچالے تو گویا تو نے اس پر بڑی رحمت فرمائی۔ فَقَدْ رَحِمَهُ مَحْذُوفِ شَرْطِیْ جِزَاءٍ پُرِیْل ہے اور یہی جزاء کے قائم مقام ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ وَمَنْ فِی السَّيِّئَاتِ یُفْلِحْ اِنَّکُمْ وَرَحْمَتِہٖ۔ جسے تو سزاؤں سے بچالے وہ کامیاب ہو جائے گا کیونکہ تو نے اس پر رحمت فرمادی اور یہ رحمت فرمانا یا سزاؤں سے بچانا یا ان دونوں کا مجموعہ ہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ملائکہ کے مومنین کیلئے جنت میں داخل کرنے کی التجاء اور آرزو کا کیا فائدہ ہے، جبکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرما رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ کی خلاف ورزی محال اور ناممکن ہے۔ اسی طرح اہل ایمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ دعا مانگتے ہیں۔ اَللّٰہُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالذَّرَجَۃَ الرَّطِیْبَۃَ وَالْمَغْنَمَ مَقَامًا مَّخْمُودًا اِنِّیْ وَاعَدْتُکَ۔ (حالانکہ مومنین یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقامِ محمود کا وعدہ فرما رکھا ہے اور وعدہ کی خلاف ورزی محال ہے تو پھر اس دعا کا ایک فائدہ ہے؟)

۱۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 35 (الفر)

(۱) حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا عدل کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا یہ جنت میں سونے کا ٹکڑا ہوا جس سے جس میں انبیاء و پیغم السلام اور صدیقین ہمیشہ کے لیے سکونت پذیر ہوں گے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے دل میں مومنین کی اور مومنین کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوہت و عشق پیدا فرمادیا ہے وہی انہیں ان کے لئے دعا پر ابھارتا اور برا بھلا کرتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جس کیلئے دعا کی جاتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی مزیہ برسات ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان محبوب بندوں کیلئے دعا کرنے کی وساحت سے دعا کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور مزیہ رحمت حاصل ہوتی ہے۔ (گویا دعا سے انہیں بھی فائدہ ہوتا ہے جن کیلئے دعا کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دعا کرنے والوں کو بھی جہد وافر عطا ہوتا ہے) واللہ اعلم۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُبَادِلُونَ كَلِمَتَ اللَّهِ كَلِمَةً أَكْثَرُ مِنْ قِيَمَتِهَا أَنْفُسَهُمْ وَدُتْغَوْا إِلَى
الْإِيمَانِ فَتَقْتُلُونَهُ ۖ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَنَا الشَّكِينِينَ وَاحْيَيْتَنَا أَشْتَتِينَ
فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا أَفَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ۝

”یہ تک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں عداوی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی (تم سے) بیزار ہی بہت زیادہ ہے اس بیزار سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے۔ (یاد رہے) جب تم ہلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دوسرے جہنم دی اور دوسرے زندہ کیا! پس اب ہم اعتراف کرتے ہیں اپنے گناہوں کا۔ سو کیا (یہاں سے) نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔“

۱۔ اِنَّ اِلٰہَیْکُمْ کَافُّوْا ۙ اُخْرِجْکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ کَمَلْ اٰیٰتِ اِرْشَادِ بَارِیْ تَعَالٰی مَا یَجِیْعُ دَلْ فِیْ اٰیٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَے ساتھ مُضِلّ ہے اور ان کے درمیان تمام جملے معترض ہیں جو کہ ملائکہ کی مدد و قریعہ میں ذکر کئے گئے ہیں کہ وہ ایمان کی صفت سے مستصف ہیں اور ان کو مشین کیلئے استغفار کرتے ہیں جو کفار کے دشمن ہیں۔

پیشک کفر کرنے والوں کو قیامت کے دن جہنم کے پہرے دار عداویں گے اس حال میں کہ وہ کفار بنیم میں پڑیں ہوں گے اور اپنے نفوس کے کتا ہوں گے سب وہ اپنے آپ سے بھی بیزار ہو گئے کیونکہ اس وقت ان کے گناہ ان پر پیش کئے جائیں گے اور وہ ان کا بدلہ اور سزا کا معائنہ کر چکے ہوں گے تو اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی تم سے بیزاری اس بیزاری سے بہت زیادہ ہے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے۔ یاد ہے جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے۔ اِذْ مُنَّعُوْنَ بِهٖ اِسْفَلُ لَظْفَقَتْ اللّٰهُ دِلَالَاتٌ كَرْتَا۔ مفت اللہ کی طرف نہیں۔ کیونکہ مفت مصدر ہے۔ (جو مبتدا واقع ہو رہا ہے) اور اس کی خبر اکبر من مفتکم ہے۔ (چونکہ یہ جملہ مکمل ہو چکا ہے اس لئے یہ اِذْ مُنَّعُوْنَ میں عمل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب مصدر کی خبر ذکر کردی گئی تو پھر اس سے کسی ایسی شے کا تعلق جائز نہیں جو صمل میں واقع ہو۔ کیونکہ خبر کا مذکور ہونا جملہ کے تام ہونے پر دلالت کرتا ہے اور صلہ میں سے کسی شے کا مصدر کے متعلق ہونا جملہ کے ناقص ہونے پر دلالت کرتا ہے) لہذا بالیقین یہ ایسے فعل کی طرف ہوگی جس پر مفت اللہ دلالت کرتا ہے) اور اِذْ مُنَّعُوْنَ کی طرف بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انہیں تو اپنے نفسوں سے بیزاری عذاب میں واقع ہونے کے بعد ہوگی۔ یا پھر اذ براے ظرف نہیں بلکہ حکم کی علت بیان کرنے کیلئے ہے (یعنی اذ تعلیلیہ ہے) البتہ دونوں بیزاریوں یعنی مفت اللہ اور مَفْعُولُكُمْ اَنْفُسُكُمْ کا وقت ایک ہی ہے۔

۲۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو ہی مرتبہ تو نے ہمیں زندہ کیا۔ یعنی ایک بار تو تو نے ہمیں اچھے

باپوں کی سلیبوں میں بصورت نطفہ مرد پیدا کیا۔ پھر تو نے ہمیں ماؤں کی رحموں میں منتقل کر کے دنیا میں زندہ پیدا کر دیا۔ پھر تو نے ہمیں ایک مقررہ مدت گزرنے کے بعد موت دے دی پھر تو نے ہمیں اسی طرح قیامت کے دن زندہ کر دیا۔ ابن عباسؓ کا یہ قول اہل حق اور شاخک نے اسی طرح کہا ہے۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے۔ **ثُمَّ نَحْنُ أَهْوَاُكُمَا فَخَيَّاكُم تِلْكَ الْأَمْثِلَ لِمَلِكٍ حَسْبُكُم يَوْمَ الْقِيَامَةِ**۔

سہی نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ تو نے ہمیں دنیا میں موت دی پھر ہمیں قبر میں سوال و جواب کیلئے زندہ کر دیا۔ پھر تو نے قبر میں ہمیں موت دی۔ پھر تو نے ہمیں قیامت کے دن زندہ کر دیا۔ اس قول کا دارودہ اس گمان پر ہے کہ مارنا موت سے پہلے زندہ ہونے (حیات) کا تقاضا کرتا ہے اور یہ خیال غلط ہے کیونکہ امانت (مارنے) کا معنی کسی شے کو بے جان بنانا ہے۔ (زندہ کو مردہ بنانا نہیں) چاہے وہ ابتدا ہو یا بعد میں زندگی سلب کر کے اسے بے جان بنا دیا جائے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ **سُبْحَانَ مَنْ صَغُرَ الْبَعُوضُ وَ كَبُرَ الْفِيلُ** (کہ پاک ہے وہ ذات جس نے چھوٹا چھوٹا اور بڑا بڑا بنایا) (لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پہلے چھوٹا بڑا تھا پھر چھوٹا کر دیا اور پہلے بڑا تھا چھوٹا تھا اور پھر بڑا بنادیا) اور اگر اسے (امانت کو) حالت کی تبدیلی کے ساتھ خاص کیا جائے تو پھر قائل کا وہ فعلوں میں سے ایک کو دو و مفوضوں میں سے ایک کے ساتھ اختیار کرنا ہوگا اور اس طرح اس کا دوسرے سے پھرنا (اعراض) لازم آئے گا۔

رہا مسئلہ قبر میں سوال و جواب کا تو وہ دنیوی حیات کی مثل حیات کا تقاضا نہیں کرتا (کیونکہ وہ حیات برزخی ہے) اور اگر وہ اس کا تقاضا کرے تو پھر عذاب قبر بھی اسی کی مثل حیات کا تقاضا کرتا ہے اور جب سوال و جواب کے بعد صاحب قبر پر موت طاری کر دی جائے تو اس سے کفار سے بھی عذاب قبر کا انتظام لازم آئے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں (کیونکہ کفار کیلئے عذاب قبر کا ہونا احادیث سے صراحتاً ثابت ہے اور نص قطعی سے عذاب قبر ثابت ہے)

۱۱۔ **فَأَنبَتْنَا فِيهَا نُورًا** پس اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس میں فاء سببیہ ہے۔ کیونکہ جب وہ دوسری موت کے بعد دوسری حیات کا مشاہدہ کر لیں گے تو وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیں گے۔ گویا ان کے لئے دونوں موتوں اور دونوں زندہ گیوں کا مجموعہ اس اعتراف کا سبب بن جائے گا۔

سو کیا یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔ یعنی کیا انہیں ہم کی آگ سے ایک بار نکلنے یا کسی طرح نکلنے کی کوئی صورت ہے کہ ہم تیزی کے ساتھ یا آہستہ آہستہ اس پر چلتے چلتے دنیا کی طرف لوٹ جائیں۔ تکمیل کا معنی ایسا راستہ ہے جس پر ہم چلتے ہیں۔ یہ استفہام تنہی کے معنی میں ہے (یعنی کاش نکلنے کی کوئی راہ ہوتی) تو انہیں پکار کر کہا جائے گا تمہارے لئے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اس جملہ کو کلام سے حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ ما بعد قول اس پر دلالت کر رہا ہے۔

ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدًا كَفَرْتُمْ ۖ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَلِيمِ ۝ هُوَ الَّذِي يُبَيِّنُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَيُزِيلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مِزْقًا وَمَا يَسْتَكْبِرُ إِلَّا مِنَ الْإِنْسَانِ ۚ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

”اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پکارا جاتا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم انکار کر دیتے۔ اور اگر شریک بنایا جاتا کسی کو اس کا تو تم مان لیتے۔ پس حکم کا اختیار اللہ کیلئے ہے جو برتر اور بزرگ ہے۔ وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں اپنی آیتیں اور نازل فرماتا ہے تمہارے لئے آسمان سے رزق۔ اور تمہیں نصیحت قبول کرتا مگر وہ جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا ہے۔ تو عبادت

کہ اللہ تعالیٰ کی خالص کرتے ہوئے اس کیلئے مین کو اگر چہ ناپسند کریں کفار سے۔

۱۔ تمہارے لئے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہونے اور تمہارے عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب اور وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اکیلا اور واحد پکارا جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا اور اس کی وحدانیت کا اعلان کیا جاتا تو تم انکار کر دیتے (دوسری صورت میں اصل عبارت اِذْ اَدْعٰی اللّٰهُ تَوْحٰدُوْهُ ہے۔ پھر فعل کو کلام سے حذف کر دیا گیا اور وحدہ کو حال ہونے کی صورت میں اس کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے) جب یہ کہا جاتا لا الہ الا اللہ تو تم انکار کر دیتے اور یہ کہتے اَجْعَلِ الْاِلٰهَةَ الْغَاۡثِرَۃً ۙ (کیا اس نے تمام الہوں کو ایک الہ بنا دیا ہے۔)

اور اگر اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم اس شرک کرنے کی تصدیق کر لیتے اور اسے مان جاتے اور جب تمہارے جہنم میں داخل ہونے کا سبب یہ ہے۔ پس آج تو حکم کا اختیار صرف اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو عبادت کا مستحق ہے اور کسی بھی شریک سے منزہ اور پاک ہے اور اس نے تمہارے کفر کے سبب تمہارے لئے ہمیشہ کیلئے شدید عذاب کا حکم لگا رکھا ہے۔ اگر کوئی اور ان میں سے اس کا شریک ہوتا جن کی تم عبادت کرتے رہے ہو تو وہ جہنمیں اس کے عذاب سے نجات دلا دیتا اور جب تمہارے لئے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ بھی ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان تو اس سے بلند تر ہے کہ کسی غیر کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور کسی کو اس کے مساوی اور ہم پلہ قرار دیا جائے۔

۲۔ وہی ہے جو جہنمیں اپنی آیتیں دکھاتا ہے جو کہ توحید پر اور ان تمام چیزوں پر دلالت کرتی ہیں جنہیں جاننا واجب ہوتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق یعنی بارش نازل فرماتا ہے جو تمہارے لئے رزق کا سبب بنتی ہے۔ گویا میں اس کی جہالت اور عدم علم کی معذرت کو رد کر دیا جا رہا ہے کیونکہ وہ ایسی نشانیاں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں جن سے توحید باری تعالیٰ پر آسانی سے استدلال کیا جاسکتا ہے (لہذا ان کا کوئی عذر قبول نہیں) اور ان آیات اور نشانیوں سے وہی نصیحت قبول کرتا ہے جو تعصب اور عناد کو چھوڑ کر خالص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ العلّٰی الکبیر پر اصل جہنم کا جواب مکمل ہو گیا اور پھر ہو اللہ ہی سے نئے جملے اور کلام کا آغاز کیا گیا اور اس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

۳۔ یعنی جب تم نے یہ سن لیا کہ شرکین کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ رہا ہے تو تم صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرو۔ اور طاعت و عبادت کو ہر قسم کے شرک سے پاک کر کے خالص اسی کیلئے کرو اگرچہ کفار کو یہ ناپسند ہی ہو، یعنی اگرچہ تمہارے دشمن کفار اس پر غضبناک ہی کیوں نہ ہوں۔

رَافِعُ الدِّمَا رَاجَتْ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادٍ
لِّيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۚ يَوْمَ هُمْ بِلُؤْثِهِمْ لَا يُخْفُونَ ۚ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ
لَسَ الْيَوْمَ الْمُلْكُ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝

”بلند درجات پر فائز کرنے والا عرش کا مالک۔ نازل فرماتا ہے وہی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ تاکہ وہ درائے ملاقات کے دن سے ملے وہ دن جب وہ ظاہر ہو گئے۔ پوشیدہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے۔ کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے۔“

۱۷۔ اس کے درجات کمال اتنے عالیشان اور بلند مرتبہ ہیں کہ کسی کا کمال اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ اپنی بارگاہِ قرب میں اپنے انبیاء و اولیاء کے درجات و مراتب بلند فرمانے والا ہے اور جنت میں بعض کے مراتب بعض سے اعلیٰ اور خالق ہو گئے۔ وہ عرش کا خالق اور مالک ہے۔ وہ اپنے فضل سے وحی نازل فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ آیت میں وحی کو درجہ کا نام دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جسطرح ارواح کے سبب بدنوں کو حیات ملتی ہے اسی طرح وحی کے سبب مردہ دلوں کو زندگی ملتی ہے۔ علامہ بخاری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہاں امر سے مراد فضل ہے اور من امرہ میں من ابتدائیہ ہے اور بعض نے امر سے مراد قول لیا ہے اور من کو بیانِ یہ قرار دیا ہے۔

ترکیب کلام میں یہ تینوں حویمہندہ کی خبریں ہیں اور موصوعہ صول کے مزاوہ ہے۔ یہ تینوں اوصاف اللہ تعالیٰ کی توحید اللہ تعالیٰ کی شان ہے یا نازی کی بلندی اور (آخری جملہ) تمہید نبوت پر دلالت کرتے ہیں اور یہ مبتدأ محذوف کی خبریں ہیں جو کہو ہے۔ لیسندو، یلعی کے متعلق ہے اور اس میں پوشیدہ ضمیر یا اللہ کیلئے ہے یا روح کیلئے ہے یا من کی طرف راجع ہے۔ یہی زیادہ ظاہر اور قریب ہے۔ اور اس کی تائید قرأت یعقوب بھی کرتی ہے کہ انہوں نے لیسندو کی بجائے لیسندو پڑھا ہے، یعنی اس محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تاکہ آپ ڈرائیں۔ اس کے مفعول کو حذف کر دیا گیا ہے تاکہ یہ دعوت کے عام ہونے اور اس انذار (ڈرانے) کے جن و انس تمام کو شامل ہونے پر دلالت کرے۔

عَلَيْهِ السَّلَامُ (ملاقات کا دن) اس سے مراد وہ دن ہے جس میں آسمانوں اور زمین کی رہنے والی تمام مخلوق جمع ہوگی۔ یا ہم ملاقات کر سکیں۔ مقابل اور قعدہ نے کہا ہے اس سے مراد وہ دن ہے جس میں خالق اور مخلوق یا ہم جمع ہوں گے۔ یسوع بن مہران نے کہا ہے اس دن عالم اور مظلوم اور آپس میں بھگڑا کرنے والے یعنی مدعی اور مدعی علیہ آپس میں اکٹھے ہوں گے (۱)۔ بعض نے کہا ہے اس دن عبادت کرنے والے اور ان کے معبود آپس میں جمع ہوں گے۔ بعض نے یہ معنی کیا ہے اس دن آدمی اپنے اعمال کے ساتھ جمع ہوگا۔ یعنی اپنے اعمال سے جا ملے گا۔

حاکم ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدینانے کتاب الاسوال میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے پڑھا: **يَوْمَ تَشْفِقُ السَّمَاءُ بِالنَّارِ**۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قیامت کے دن تمام مخلوق جن، انس و جن و طیور اور چوپاؤں وغیرہ کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا پھر آسمان دنیا پھٹ جائے گا اور اس کے باسی نیچے اتریں گے اور ان کی تعداد زمین میں رہنے والے جن، انس کی نسبت کہیں زیادہ ہوگی (2)۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں ساتوں آسمانوں کے کینوں کے یکے بعد دیگرے زمین پر اترنے کا ذکر ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے نزول اجلال کا تذکرہ بھی ہے اور یہ متشابہات میں سے ہے (جس کی حقیقی کیفیت کا ادراک نہیں کیا جاسکتا) ہم نے اس کی تاویلات اور وضاحت سورہ فرقان کی آیت **يَوْمَ تَشْفِقُ السَّمَاءُ** اور سورہ بقرہ کی آیت **أَنْ تَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْعَمَامِرِ** کی تفسیر میں بیان کر دی ہے۔

سے یہ مہم ہر دن یعنی جس دن وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے یا جس دن وہ ظاہر ہونگے پہاڑوں، ٹیلوں یا مکانوں میں سے کوئی شے انہیں چھپا نہیں سکے گی۔ یا جس دن ان کے نفوس ظاہر ہونگے اور بدن کے پردے انہیں نہیں چھپا سکیں گے یا جس دن ان کے اعمال

اور اسرار و رموز سب ظاہر ہو جائیں گے تو ان کی ذاتوں اعمال اور ان کے احوال میں سے کوئی شے اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ نہیں رہے گی۔ لا یُخفی علی اللہ و ما فیہم من شیء کا جملہ یومہم بہر ذون کی تفسیر یہ بتا کید کیلئے ہے اور دینا میں جو احوال مخفی رہنے کا دوام ہو سکتا ہے اسے زائل اور دور کرنے کیلئے ہے۔

آج کے دن کسی کی بادشاہی ہے؟ یہ سوال اس دن مخلوق کو فنا کرنے کے بعد اور دوبارہ اٹھانے سے قبل کیا جائے گا اور اسے بطور حکایت یہاں بیان کیا گیا ہے۔ تو اس وقت کوئی بھی اس سوال کا جواب دینے والا نہیں ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس کا جواب دیتے ہوئے فرمائے گا۔ ۱۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے۔ یعنی وہ جلال ذات اور کمال صفات میں کیا اور منفرد ہے اور وہ اپنی الوہیت میں کسی بھی شریک سے منزہ اور پاک ہے۔ وہ ساری مخلوق کو موت دینے اور اپنی مشیت کے مطابق اس میں تصرف کرنے کی پوری قدرت اور طاقت رکھتا ہے۔

مخلوق کے فنا ہونے کے بعد اور اسے دوبارہ اٹھائے جانے سے قبل اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس سوال و جواب کا ہونا ایک طویل حدیث میں بیان کیا گیا ہے جسے حضرت ابوبکرؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے مطولات میں ابویعلیٰ نے مسند میں، بیہقی نے البعث میں اور کئی دوسروں نے بیان کیا ہے۔

ابن ابی داؤد نے البعث میں حضرت ابوسعیدؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک ندا دینے والا بلند آواز سے پکارے گا کہ یہ کہے گا اے لوگو! تم پر وہ خاص گھڑی (قیامت) آگئی (یا یا ایہا الناس اتاكم الساعة) وہ اپنی آواز کو اتنا کھینچ کر بلند کرے گا کہ زندے اور مردے تمام اس آواز کو سنیں گے اور اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرمائے گا۔ پھر ندا دینے والا پکار کر یہ کہے گا ۱۔ اِنَّکُمْ اَنتُمُ الْیَوْمَ لَیْلُوَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا (1)۔

علامہ بیہقی نے ایک مرفوع حدیث و نفع فی الصور الایہ کے تحت بیان کی ہے اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (بیہوش ہونے اور مرنے سے) تین فرشتوں یعنی جبرئیل میکائیل اور ملک الموت علیہم السلام کی استشاء کی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ (جو کہ خود بہتر جانتا ہے) ارشاد فرمائے گا اے ملک الموت کون باقی ہے؟ تو ملک الموت عرض کرے گا ایک تیری کریم ذات اور تیرے بندوں میں سے جبرئیل میکائیل اور ملک الموت باقی ہیں اور وہ بھی مرنے والا ہے چنانچہ رب کریم فرمائے گا مہر جا۔ پھر اللہ تعالیٰ خود ندا فرمائے گا میں نے ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر دوبارہ بھی میں ہی اسے زندہ کروں گا۔ کہاں ہیں وہ ظلم و جبر کرنے والے اور غرور و تکبر کرنے والے؟ پھر ندا فرمائے گا ۲۔ اِنَّکُمْ اَنتُمُ الْیَوْمَ۔ (آج کے دن بادشاہی کس کی ہے؟) تو کوئی ایک بھی جواب دینے والا نہیں ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود ہی ارشاد فرمائے گا ۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا۔ پھر دوبارہ صورت میں پھونکا جائے گا تو یکدم سب کھڑے ہو کر ادھر ادھر کیلئے لگ جائیں گے (2)۔

سیاق آیت اس کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ سوال تب ہوگا جب ساری مخلوق زندہ ہو چکی ہوگی اور اس دن وہ قبروں سے باہر نکل چکے ہوں گے۔ یا پھر اس حالت کا بیان ہے جس پر ظاہر حال دلالت کر رہا ہے کہ اس وقت تمام ظاہری اسباب ختم ہو چکے ہوں گے اور درمیانی واسطے اٹھ چکے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے سوائے غیر کی طرف ہر معنای طور پر بھی بادشاہی اور حکم کی نسبت نہیں کی جاسکے گی۔ ورنہ حقیقت حال تو اس کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ حقیقی بادشاہی یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اور وہاں بھی ہمیشہ کیلئے ہی کی ہوگی۔

الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ
الْحِسَابِ ۝ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَصَا حِرْطُ الَّذِينَ
لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَبِيمٍ وَلَا شَافِعَ ۝

”آج بدلہ دیا جائیگا ہر نفس کو جو اس نے کمایا تھا۔ ذرا ظلم نہیں ہوگا آج۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔ اور آپ ڈرائے گا انہیں قریب آنے والے دن سے جب کہ دل گلے میں انک جا میں گئے خوف و دہشت سے بھرے ہوئے۔ نہ ہوگا گناہوں کیلئے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش مانی جائے۔“

یعنی اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک کی مجازری بادشاہی بھی سلب کر لی جائے گی اور اس دن ظاہری بادشاہی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔ جیسا کہ حقیقی بادشاہی ہمیشہ کیلئے اسی کے ساتھ خاص ہے تو اس دن ہر نفس کو اس کا بدلہ دیا جائیگا جو اس نے کمایا تھا۔ اس دن کسی کا ثواب کم کر کے اور سزا میں اضافہ کر کے ذرا بھر ظلم کسی پر نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے عین مطابق ہوگا۔ کیونکہ اس وقت حاکم مطلق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہوگا اور اس سے ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ظلم تو وہ ہوتا ہے جو کوئی دوسرے مالک کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو جو تصرف فرمائے گا وہ اپنی ملکیت میں ہی کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔ وہ اپنی مشیت کی بناء پر ایام دنیا میں سے نصف دن کی مقدار کے برابر وقت میں تمام لوگوں کا حساب لے گا۔ حالانکہ وہ بالقرآن واحد میں بھی حساب و کتاب لینے کی قدرت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی کام دوسرے کام سے اسے مشغول نہیں رکھ سکتا۔

ۛ وَأَنذِرْهُمْ كَظُف سَابِقَةِ خِرْوَلِ پَر ہے۔ اللہ بیکلام ہے یقال لک اندر ہم آپ کو کہا جاتا ہے انہیں ڈرائے۔ یوم الازفہ قریب آنے والا دن یعنی قیامت۔ چونکہ قیامت قریب آنے والی ہے اس لئے اس کا نام یوم الازفہ رکھا گیا ہے اور قریب آنے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی چیز باقیین آنے والی ہو تو وہ قریب ہی ہوتی ہے (اور قیامت بھی باقیین آنے والی ہے) إِذِ الْقُلُوبُ مِیں اذ یوم الازفہ سے بدل ہے اور لدی العناجر کا مفہوم یہ ہے کہ اس دن شدت خوف اور سخت دہشت کی وجہ سے دل اپنے مقامات سے اوپر کواٹھ آئیں گے اور حلق میں پہنچ کر وہاں چٹ جائیں گے۔ اب نہ تو وہ واپس اپنے مقامات کی طرف جائیں گے کہ آدمی کو راحت و سکون حاصل ہو جائے اور نہ ہی وہ ہر نفس گئے کہ انہیں موت آ جائے۔

کاظمین کا معنی ہے بے چین، مضطرب، خوف اور غم سے بھرے ہوئے۔ اور کظم سے مراد ایسے غصے، خوف اور غم کا دل میں آنا جانا ہے جسے وہ برداشت کر سکتا ہو۔ ترکیب کلام میں القلوب مبتدا ہے۔ لدی العناجر اس کی خبر ہے اور کاظمین القلوب سے حال ہے کیونکہ القلوب سے مراد اصحاب قلوب ہیں۔ کاظمین کاظم کی جمع سالم ہے کیونکہ کاظم کے ساتھ ایسے فعل کی صفت بیان کی گئی ہے جو ذوی العقول کے افعال میں سے ہے۔

ظالمین سے مراد کفار ہیں۔ حناز اگرچہ کفار کیلئے ہیں لیکن یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے تاکہ اس پر دلالت کرے کہ یہ کیفیت انہی کے ساتھ متعلق ہوگی اور ان کے کفر و ظلم کی وجہ سے ہی ان کے لئے کوئی مشفق اور قریبی ساتھی ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی ہوگا جس کی سفارش قبول کی جائے۔ یعنی یہاں یہ مفہوم نہیں کہ سفارش کرنے والے کی سفارش مانی نہیں جائے گی بلکہ مفہوم یہ ہے کہ ان کیلئے مطلق

کوئی شفاعت کرنے والا ہی نہیں ہوگا لہذا اس صورت میں صفت بظائع کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔ یا پھر یہ مفہوم ہے کہ مشرکین کا زعم باطل ہے کہ بت ان کے لئے سفارش کریں گے تو پھر بھی ان کی سفارش کو قطعاً قبول نہیں کیا جائے گا۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ

يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ شَيْئًا ۖ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٢٠﴾

”وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ فیصلہ فرمائے گا“

حق کے ساتھ۔ اور جنہیں وہ اللہ کے بغیر رکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا

(اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

۱۔ خُتَابَةُ صِيْدَا مِ فاعِل ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے۔ یہ اصل میں النظرة الخائفة ہے۔ یعنی خیانت کرنے والی نگاہ۔ جیسا کہ ایسی شے کی طرف دیکھنا جسے دیکھنا حرام ہو اور نظر چرا کر ایسی چیز کی طرف دیکھنا (خیانت نظر کہلاتا ہے) یا خائفہ مصدر بمعنی خائفہ ہے جیسا کہ عافیۃ مصدر بمعنی معافا ق ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے۔ ترکیب کلام میں یہ جملہ قول باری تعالیٰ هو الذی یؤیکم ایمانہ میں صومبتہ کی دوسری خبر ہے اور اللہ تعالیٰ ان رازوں کو بھی جانتا ہے جو ابھی سینوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی عورت کی جانب شہوت کی نظر سے نظریں چرا کر دیکھتا ہے اور پھر وہ آدمی اس لادنیہ عورت کے حسن و جمال کے بارے میں اسنے دل میں غور و فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس غور و فکر سے بھی واقف و آگاہ ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا کیونکہ وہ مالک مطلق ہے وہ حکیم و دانہ ہے اور جو کچھ ظاہر ہے اور جو پوشیدہ ہے وہ سب کچھ جانتے والا ہے۔ لہذا وہ فیصلہ فرمائے گا جس کا تقاضا اس کا علم اور حکمت کرے گی اور اس کا تقاضا حق ہی ہوگا۔ ترکیب کلام میں اس جملہ کا عطف بعلم پر ہے۔

اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں، شیاطین اور عالم حکمرانوں کو پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے پاس فیصلہ کرنے کی قدرت ہی نہیں۔

یہ محن و کواغ اور ہشام نے انتقام کی بناء پر تاہم کے ساتھ صیغہ خطاب کی صورت میں پڑھا ہے۔ یا اس سے قبل فلی مضمر ہونے کی وجہ سے اسے تاہم کے ساتھ تہ دعویٰ پڑھا ہے اور باتجوں نے صیغہ غیب کی صورت میں باء کے ساتھ یہ محن پڑھا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مُؤْتِمِنٌ - بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ یہ جملہ آنکھوں کی خیانت کے جاننے اور حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کی تائید کرتا ہے اور جو کچھ گنہگار کہتے ہیں اور کرتے ہیں اس پر ان کے لئے اس میں وعید بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں وہ نیکارستہ ہیں ان کی حالت برقرار نہیں بھی ہے کہ وہ نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ

يَذُنُّوْهُمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَاْيِيْبُهُمْ
مُرْسَلُهُمْ بِالْبَيْتِ فَكَفَرُوْا فَاَحْذَرَهُمُ اللّٰهُ ۝۱۱ اِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۲

”کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں۔ تاکہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ قوت کے لحاظ سے بھی ان سے طاقتور تھے۔ اور زمین میں (چھوڑے ہوئے) آثار کے لحاظ سے بھی۔ تو پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے باعث اور انہیں تھا ان کے لئے اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس لئے کہ لے کر آتے رہے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں تو انہوں نے ہر بات ماننے سے انکار کر دیا پس پکڑ لیا انہیں اللہ نے۔ بیشک وہ بڑا طاقتور سخت مزادینے والا ہے۔“

۱۔ اَوَّلَهُمْ يَسْئَرُوْنَ کا عطف محذوف کلام پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے اَيُّكُمُزُوْنَ وَيَا اَيُّ الْكُفْرِ وَلَمْ يَسْئَرُوْا كَمَا كَفَرُوْا کے وبال کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی تاکہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ اس سے مراد وہ انہیں ہیں جنہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا مثلاً قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ۔ حالانکہ وہ قوت و قدرت کے اعتبار سے ان کی نسبت زیادہ طاقتور تھے۔ كَانُوْا اَهُمَّ اَشْأَءَ مِنْهُمْ قُوَّةً میں ہم غیر فصل ذکر کی گئی ہے اس لئے کہ صنف اسم تفصیل (افعل من کے ساتھ مستعمل ہو تو معرف ہوتا ہے اور اس پر الف لام کا داخل ہونا متنع ہوتا ہے۔) لہذا اسی صفت اور خبر کے فرق کو واضح کرنے کیلئے کانوا اور اشد کے درمیان ضمیر فصل لگادی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ ضمیر کا مابعد خبر ہے (ابن عامر نے التفات کے طریقے پر اشد منکم قرات کی ہے۔

اَشْأَءَ اِنْفِی الْکَثْرِ میں سے مراد قلعہ اور فصل بند شہر ہیں۔ بعض نے کہا ہے اَفْعَالُ کا تعلق اشد سے نہیں بلکہ اکثر محذوف سے ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ كَانُوْا اَهُمَّ اَشْأَءَ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ اَكْثَرُ اَثَرًا فِی الْاَرْضِ۔ جیسا کہ عربوں کا قول ہے متقلدا سیفا ورمحا۔ (اس میں رمحا کا تعلق متقلدا سے نہیں)

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور انہیں ہوا بیچ یا اور طریقہ سے ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں تھا کہ وہ اس کے پاس جا کر التجا کرتے تو وہ ان سے عذاب کو روک لیتا (ایسا قطعاً کوئی بھی نہیں تھا) ترکیب کلام میں جملہ و ما کان لہم الخ یا معطوف ہے یا پھر محال واقع ہو رہا ہے۔

۲۔ ہیبت سے مراد اعجزات یا ایسے احکام ہیں جو صحت و صلاح کے اعتبار سے بالکل واضح تھے۔ یعنی ان پر یہ عذاب اور گرفت اس لئے آئی کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات اور نشانیاں لے کر آتے رہے تو انہوں نے ہر بات ماننے سے انکار کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا۔ بیشک وہ بڑا طاقتور ہے۔ وہ جس شے کا ارادہ کرتا ہے اسے کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے اور سخت مزادینے والا ہے، یعنی اس کی سزا انتہائی شدید اور سخت ہے۔ یہ جملہ قوت کے ساتھ پکڑنے کی علت بیان کر رہا ہے۔

وَلَقَدْ اٰمَرْنَا مُوْسٰی بِالْبَيْتِ اَوْ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۳ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَكَافِرُوْنَ
فَقَالُوْا سِحْرٌ كَدٰبٍ ۝۱۴ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا اقْتُلُوْا اَبْنَاءَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ۝۱۵

”اور بیشک بھیجا ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانوں اور روشن سند کے ساتھ۔ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا: (یہ) جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔ پھر جب موسیٰ لیکر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے تو انھوں نے کہا کہ قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بچوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو۔ اور نہیں ہے کافروں کا ہر مکر مگر رائیگاں ہے۔“

۱۔ پالیٹینا سے مراد نو معجزات ہیں اور دس سلطانین مُوسٰی سے مراد واضح اور ظاہر دلائل ہیں اور عطف دونوں وصفوں کے درمیان مغائرت بیان کرنے کیلئے ہے (یعنی پالیٹینا اور دس سلطانین مُوسٰی سے مراد علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں) کیا پھر دس سلطانین مُوسٰی سے مراد بھی بعض خاص اور اہم معجزات ہیں جیسا کہ عساکر وغیرہ تو ان کی تم نشان کیلئے انہیں علیحدہ ذکر فرمایا گو یا اس صورت میں عطف تخصیص بعد اعمام کیلئے ہوگا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام واضح معجزات اور نشانیاں لے کر فرعون، ہامان اور قارون کی طرف گئے تو انہوں نے آپ کے بارے کہا یہ تو جادوگر اور کذاب ہے۔ یہ جملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث تسکین اور تسلی ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کفار سے پہلے لوگوں کے انجام کا تذکرہ ہے جو اپنی قوت کے اعتبار سے ان سے زیادہ طاقتور ہے اور ان کا زمانہ بھی ان کے زمانے کے قریب تھا۔

۲۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے پاس سے حق لے کر ان کے پاس آئے تو انھوں نے کہا ان لوگوں کے بچوں کو قتل کر ڈالو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو۔ یعنی جیسے تم نے پہلے کیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو قتل کر لیا تھا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہو کر ظاہر ہوا کہ انہوں نے راستہ ہی بند ہو جائے (اسی طرح اب بھی کرو کہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کے بچوں کو قتل کرادو کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معاون و مددگار رہنمائی کیں اور اپنی خدمت کیلئے ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو۔) وعا کید الکفرین میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے ایک تو ان کے کفر پر مہر تقدیق ثبت کرنے کیلئے، دوسرا حکم کی عمومی بیان کرنے کیلئے اور تیسرا حکم کی علت کا اظہار کرنے کیلئے۔ معنی یہ ہے کہ کافروں کا ہر مکر رائیگاں ہے۔ ان کی ہر تدبیر بے اثر اور بیکار ہے۔ کیونکہ انہوں نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کو باطل کرنے اور آپ کے پیام حق کو روک کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر کو انہی پر لوٹا دیا اور انھیں تباہ و برباد کر دیا اور اس کے برعکس موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو زمین کا بادشاہ بنا دیا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذُرِّيَّتِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ۖ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بَيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

”اور فرعون نے (مجھ بھلا کر) کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں۔ اے اور وہ بلائے اپنے رب کو (اپنی مدد کیلئے) مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے ملک میں۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر (کے شر) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔“

۱۔ فرعون نے اپنی قوم سے کہا مجھے چھوڑ دو۔ ابن کثیر نے ذُرِّيَّتِي میں باء کو مفتوح اور باقیوں نے باء کو کاسا پر حا ہے کہ میں موسیٰ کو قتل کروں۔ علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ فرعون نے یہ قول اس لیے کہا تھا کہ فرعون کی قوم میں سے کچھ خاص افراد ایسے تھے جو اپنی ہلاکت

اور بتائی کے خوف سے اسے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے روک تھے (1) اور اسے یہ کہتے تھے کہ یہ موسیٰ وہ نہیں ہے جس سے تو ڈر رہا ہے بلکہ یہ تو جادوگر ہے اور اگر تو اسے قتل کرادے گا تو ہلقین لوگ یہ گمان کریں گے کہ تو دلائل کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے (لہذا ان کے مزاج مغلجہ جائیں گے) علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ اس میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا یقین تھا اسی لیے وہ آپ کو قتل کرانے سے ڈرتا تھا اسے یہ گمان تھا کہ اگر اس نے ان کے قتل کا قصد کیا تو اس کیلئے یہ کام و اتنا آسان نہیں ہوگا (2) اور اس کی تائید و لیدع و بعد کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

۱۔ اور موسیٰ کو چاہیے کہ وہ اپنے اس رب کو بلائے جس کے بارے میں گمان کرتا ہے کہ اس نے اسے ہماری طرف بھیجا ہے اور وہ آکر اس کی ہم سے حفاظت کرے۔ گو یا فرعون نے اس قول میں اپنی اس جرات کا اظہار کیا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کو بھی بلائے تو اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس کا قول ذرونی اقلل موسنی فقط اپنی قوم کے ساتھ مکر کرنے اور دھوکہ سازی کیلئے تھا اور انہیں یہ دہم دلا تا مقصود تھا کہ وہ اسے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے روک رہے ہیں (ورنہ میں تو اسے قتل کر دیتا حالانکہ بات اس طرح نہ تھی) کیونکہ حقیقتاً اسے قتل سے روکنے والا وہ عصا کے مجرہ کا خوف تھا جو اس کے دل میں راسخ ہو چکا تھا۔

انہی میں نافع ابن کثیر اور ابو عمرو نے یاہ کو مفتوح پڑھا ہے اور باقیوں نے یاہ کو ساکن پڑھا ہے۔ کہنے لگا بیشک اگر میں اسے قتل نہ کروں تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تمہارے دیوں کو بدل دیگا، یعنی جو تم اب بتوں کی پوجا بات میں لگے ہوئے ہو اس میں تبدیلی اور تعمیر پیدا کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَيَذَرْنَكَ فَيَبْغُوا** یا زمین میں فساد برپا کر دے گا۔ اور فساد سے مراد دین کی تبدیلی بتوں کی عبادت میں تعمیر یا دنیا میں جنگ و جدال اور فتنہ و فساد برپا کرنا ہے۔

یعقوب اور اہل کوئٹہ نے اونی اور دوسروں نے اونی پڑھا ہے۔ اہل مدینہ اور بصرہ نے یظہر باب افعال سے یاہ کو ضمہ اور ہاء کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور الفساذ کو مفتول ہونے کی بناء پر منصوب پڑھا ہے اور جبکہ باقیوں نے باب مجرد سے یاہ اور ہاء دونوں کو مفتوح یعنی یظہر پڑھا ہے اور الفساذ کو فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے۔

۲۔ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دی تو آپ نے اپنی قوم سے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اس تنگی کے شر سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہاں کلام کا آغاز ان سے کیا جو کہ حرف تاکید ہے اور یہ احساس دلانے کیلئے ہے کہ شر کو دور کرنے کا سب سے مضبوط اور پختہ سبب اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا ہے۔ چونکہ یہاں موجود حفاظت اور تربیت ہے اس لئے خاص طور پر (اما میں سے) اسم سب ذکر کیا گیا ہے۔ اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت ان تمام کی حفاظت کو متضمن اور شامل تھی اس لئے لفظ رب کی اضافت اپنی طرف بھی کی اور ان کی طرف بھی اور اس میں ان کو اس بات پر براہینیت کرنا مقصود ہے کہ وہ بھی پناہ طلب کرنے میں آپ کی موافقت کریں (یعنی وہ بھی آپ کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں) کیونکہ اجتماعی دعا زیاہ قبول ہوتی ہے۔

یہاں آیت میں فرعون کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ ایسا وصف (متکبر) ذکر کیا ہے جو اسے بھی اور دوسروں کو بھی شامل ہے۔ ایک تو اس میں عمومیت مقصود ہے (کہ یہ پناہ فرعون جیسے ہر شریر کے شر سے ہے) دوسرا حق کی رعایت کرتے ہوئے اور تیسرا اس بات پر دلالت کرنے کیلئے جو اسے شر پر براہینیت کرنے والی تھی (یعنی وہ اپنے تکبر اور غرور کی وجہ سے ہی موسیٰ علیہ السلام کو کھٹلارہا تھا اور آخرت کا

انکار کرتا تھا) یہ بھی جائز ہے کہ ربکم کا خطاب فرعون اور اس کی قوم کو ہو اور اس کے ذریعے انھیں توحید کے اقرار اور شرک کے انکار پر متنبہ کرنا مقصود ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رب نہیں۔

وَقَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّمُؤْمِنٍ قِيَمًا مِّنْ ذُرِّيَّتِهِ لِيُكَفِّرَ بَعْدَكُمْ وَسِيَّئَاتِ آبَائِهِمْ وَكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَقَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّمُؤْمِنٍ قِيَمًا مِّنْ ذُرِّيَّتِهِ لِيُكَفِّرَ بَعْدَكُمْ وَسَيَّئَاتِ آبَائِهِمْ وَكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ

”اور کہنے لگا ایک مرد مومن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے (انہی اپنے حال پر رہے دو) اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی اور اگر سچا ہو (اور تم نے اسکو گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔“

۱۔ مقاتل اور سدی نے کہا ہے کہ وہ مومن مرد قبطی تھا جو کہ فرعون کے چچا کا بیٹا تھا اور یہ وہی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص میں اس طرح بیان کیا ہے وَجَاءَ رَبُّكَ فِرْعَوْنَ فَخْصًا لِّنُكَفِّرَ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِئَ عَنْهُ الْقُلُوبَ ۚ فَقَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّمُؤْمِنٍ قِيَمًا مِّنْ ذُرِّيَّتِهِ لِيُكَفِّرَ بَعْدَكُمْ وَسَيَّئَاتِ آبَائِهِمْ وَكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر علماء سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس کا نام منجول تھا۔

کیا تم اس آدمی کو قتل کرنے کا قصد کر رہے ہو (۱) جو کہتا ہے میرا رب صرف ایک اللہ ہے۔ یا کیا تم اس آدمی کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہو ایسے وقت میں جبکہ وہ اپنے معاملے میں غلط فہم کرنے کے بغیر یا کسی قسم کا خوف رکھے بغیر یہ کہہ رہا ہے میرا رب صرف ایک اللہ ہے۔ لفظ بھی کا لفظ اللہ پر مقدم ہونا حصر پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ صدیقی زید میں حصر پایا جا رہا ہے۔

۲۔ حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں، یعنی ایسے کثیرہ معجزات لے کر آیا ہے جو اس کی صداقت اور سچائی پر شاہد عادل ہیں۔ کیونکہ ایسے معجزات عطا کرنے کی کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا مگر وہی جس نے تمہیں پیدا کیا ہے کیونکہ وہ ہر شے پر قادر ہے اس کے سوا کوئی بھی ایسی قدرت نہیں رکھتا۔

1- تفسیر بخاری، جلد 5، صفحہ 40 (الفر)

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے کہا اے لوگو! مجھے بتاؤ سب لوگوں سے بڑھ کر بہادر کون ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا ہم تو نہیں جانتے، آپ نے فرمایا ابوبکر۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ قریش نے آجکے بکڑ رکھا تھا ایک آدمی کیچے کی جانب جھکا رہا تھا اور دوسرا آپ کو تختی سے کھینچ رہا تھا اور وہ کہہ رہے تھے تو وہ ہے جس نے تمام ایمان کو ایک اللہ بنا رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں قسم بخدا! ہم میں سے سوائے ابوبکر کے کوئی بھی قریب نہ ہوا۔ آپ نے ایک کو ایک طرف دھکا دیا اور دوسرے کو کھینچا ساتھ فرمایا تمہاری ہلاکت ہو عقیظون وجلا ان بقول ربی اللہ حضرت علی نے وہ چادر اوڑھائی جو اپنے اوپر لے ہوئے تھے اور نہ لگے یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک تر ہوئی پھر فرمایا میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کیا آل فرعون کا وہ بندہ اہل مومن تھا یا ابوبکر؟ لوگوں خاموش رہے تو آپ نے فرمایا مجھے کیوں نہیں جواب دیجئے؟ قسم بخدا! ابوبکر کی زندگی کی ایک ساعت آل فرعون کے مومن کی زندگی سے افضل و بہتر ہے کیونکہ وہ آدمی اپنے ایمان کو چھپا رہا تھا اور یہ آدمی اپنے ایمان کا اعلان کرتا تھا (یعنی ابوبکر صدیق نے اپنے ایمان کا اعلان کر رکھا تھا)

ہوئی تڑپتہ میں رب کی اضافت ان کی طرف ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے اور تمہاری پرورش کی ہے وہ یہ بھی قدرت رکھتا ہے کہ تم پر عذاب مسلط کر دے اور تمہیں اپنی گرفت میں لے لے۔ ترکیب کلام میں وفد جاء کم الخ۔ کا جملہ بقول کے فاعل سے حال ہے۔ پھر اس آدمی نے احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے استدلال کرتے ہوئے کہا۔

اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے جیسا کہ تم گمان کرتے ہو تو پھر اس کے جھوٹ کا وبال اور شامت اسی پر پڑے گی وہ کبھی بھی اس سے بچ نہیں سکتا کسی اور پر نہیں پڑے گا کہ اسے دور کرنے کیلئے اسے قتل کرنے کی ضرورت ہو اور اگر وہ سچا ہے جیسا کہ معجزات اور شواہد اس پر دلائل کر رہے ہیں تو پھر کم از کم اس عذاب کا کچھ حصہ تمہیں ضرور پہنچے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اور وہی بعض تمہاری ہلاکت و بربادی کیلئے کافی ہے۔ اس کلام میں انہیں ڈرانا میں مبالغہ کا اظہار بھی ہے اور تعصب کے بغیر انصاف کا اظہار بھی یہی وجہ ہے کہ کاڈنا کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے والا اور بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔ یہ تیسرا استدلال ہے جس میں دو اسلوب اپنائے گئے ہیں۔ اس میں سے ایک یہ ہے کہ اگر وہ حد سے بڑھنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ معجزات اور دلائل کی جانب اس کی راہنمائی تک نہ فرماتا۔ جبکہ اسے اللہ تعالیٰ نے معجزات اور دلائل کے ساتھ قوت و طاقت عطا فرمائی ہے۔

اور ان میں سے دوسرا اسلوب یہ ہے کہ اگر وہ حد سے تجاوز کرنے والا اور بہت جھوٹ بولنے والا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کر دے گا۔ وہی اسے ہلاک کر دے گا اور تمہیں اسے قتل کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ شاید اس کی اس سے بھی مراد پہلا استدلال ہی ہے اور دوسرا تو فقط اس لئے اختیار کیا تاکہ ان کے غصے اور غضب کو قدرے نرم کر دے اور اس میں فروغون کیلئے یہ تقریباً بھی ہے کہ چونکہ وہ حد سے تجاوز کرنے والا اور خوب جھوٹ بولنے والا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ سیدھے اور نجات کے راستے کی طرف اس کی راہنمائی نہیں فرمائے گا۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن العاص رحمہ اللہ عنہ سے پوچھا مجھے اس شدید ترین انتہائی اور سخت برتاؤ کے بارے بتائیے جو مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اختیار کیا ہوا تھا تو انہوں نے فرمایا اس اثناء میں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک عقبہ بن ابی معیط ادھر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں کندھوں سے پکڑ کر پکڑا آپ کے گھٹے میں ڈال لیا اور اسے مل دینے شروع کر دیئے اور اس نے انتہائی شدید انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گلا گھونٹ دیا پس اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رحمۃ اللہ ادھر آئے (۱) اور اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر رسول اللہ سے دور ہٹایا اور

(۱) حضرت عمر بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے طواف سے جوئی فارغ ہوئے تو لوگ آپ پر جمع ہو گئے اور آپ کی پوری جادو پکڑ لیا اور کہا کیا آپ ہی ہیں جو ہمیں ان سے رد کئے ہیں جن کی مبادت ہمارے آباء و اجداد کرتے تھے تو آپ نے فرمایا ہاں میں ہی ہوں تو حضرت ابوبکر صدیق رحمۃ اللہ عنہ اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر سے چٹ لے کر اور پھر فرمایا اَنْفَلْتُوْنِیْ وَجَلَا اَنْ یَقُوْلُوْا رَبِّیْ اللّٰهُ وَفَدَّ جَاءَ شَعْمٌ بِالْیَنْبِیَاتِ مِنْ رَبِّہُمْ وَ اِنْ مِثْکَ کَاذِبًا فَعَلٰیہِمْ کَذِبُہُ وَ اِنْ مِثْکَ صَادِقًا یُصْبِحْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یُعَذِّبُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُہْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ کَذِبًا۔ آپ نے یہ الفاظ انتہائی بلند آواز سے کہے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو آتشا بد مارا کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہیں پکڑ کر کہا تمہاری ہلاکت ہو اَنْفَلْتُوْا وَجَلَا اَنْ یَقُوْلُوْا رَبِّیْ اللّٰهُ تو انہوں نے کہا کہ یہ کیوں ہے؟ لوگوں نے انہیں بتایا یہ ابن ابی قحافہ (۲) (۲) ارضہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

فَرَمَا يَتَقَتَّلُونَ رَجُلَانِ يَقُولُ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ (1)۔

يَقُولُ لَكُمْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ ظَهَرْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَتَصَرَّفُ مِنْ بَيْنِ اللَّهِ إِنَّ
جَاءَنَا قَالَ فَرَعُونَ مَا أَمْرُكُمْ إِلَّا مَا أَمَرْنَا وَمَا أَهْدَيْنَكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝
قَالَ الَّذِي آمَنَ يَقُولُ رَبِّيَ أَخَافُ عَلَيْكُمْ قَتْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ۝ وَمَثَلُ دَابِ
قَوْمِ نُوْحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۝ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ ۝

”اے میری قوم! امان آج حکومت تمہاری ہے (نیز تمہیں) غلبہ حاصل ہے اس ملک میں (لیکن مجھے یہ تو بتاؤ) کون
پچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آ جائے! (یہ سن کر) فرعون کہنے لگا میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں
جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور انہیں راہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستہ کی طرف ہے اور کہنے لگا وہی ایمان والا
اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر (بھی کہیں) پہلی قوموں کی تباہی کے دن جیسا دن آ جائے جس جیسا حال ہوا تھا
قوم نوحؑ عاد اور ثمود کا اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے۔ اور اللہ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم کرے۔“

۱۔ اے میری قوم! امان سارے زمین مصر میں آج حکومت تمہاری ہے نیز تمہیں اس ملک میں غلبہ حاصل ہے۔ ظہر من کا معنی ہے غالب ہونا
اور بلند مرتبہ ہونا۔ ترکیب کلام میں ظہرین، لکم میں کم ضمیر سے حال ہے۔

لیکن مجھے بتاؤ کون پچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آ جائے۔ یعنی آج ہی زمین میں تمہاری حکومت اور تمہارا غلبہ
ہے۔ لہذا تم اللہ تعالیٰ کے نبی کو قتل کر کے اس کے عذاب کو دعوت دے کر اپنی حکومت اور غلبہ کو ضائع اور باطل نہ کرو۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ
کا عذاب ہم پر آ گیا تو کوئی بھی اسے ہم سے روک نہیں سکے گا۔ بنصرو و فانیں تا ضمیر جمع ذکر کر کے کہنے والے نے اپنے آپ کو بھی اس
میں داخل کیا ہے کیونکہ اس کا ان سے قرابت کا تعلق تھا اور ساتھ ہی وہ انہیں یہ بات سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ ہے اور جو
صحیح وہ انہیں کر رہا ہے وہ اس میں ان کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔

۲۔ یہ سن کر فرعون کہنے لگا میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں۔ اُویکم الزانی سے ماخوذ ہے۔ ضحاک نے
یہ معنی کیا ہے کہ میں تمہیں وہی سکھاتا ہوں جسے میں درست سمجھتا ہوں (2)۔ یعنی اُویکم اعلمکم کے معنی میں ہے (اور میں تو موسیٰ
علیہ السلام کے قتل کو درست خیال کرتا ہوں) سَبِيلَ الرَّشَادِ کا معنی ہے سیدھا اور صحیح راستہ یعنی میں تمہاری راہنمائی نہیں کرتا مگر سیدھے
راستہ کی طرف۔

۳۔ اور وہی ایمان والا کہنے لگا اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی کہیں موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور انہیں قتل کرنے کے سبب پہلی
قوموں کی تباہی کے دن جیسا دن نہ آ جائے۔ اس میں پہلی قوموں سے مراد وہ زمانہ ماضی کی امتیں ہیں۔ جنہوں نے اپنے رسولوں کو
جھٹلایا۔ تقدیر عمارت یہ ہے انہی احاف علیکم عذاباً مثل عذابِ یومِ الاحزاب۔ اس میں نافع ابن کثیر اور ابو عمر نے انہی کی
یاد کو مفعول پڑھا ہے اور باقیوں نے یاد کو ساکن پڑھا ہے۔

(یوم الاحزاب میں احزاب کو جمع ذکر کیا ہے جبکہ یوم کو واحد) تو چونکہ احزاب کی تفسیر مابعد کلام میں کر دی گئی ہے اس لئے اس تفسیر سے

ہوتے ہوئے یوم کو جمع ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یا پھر معنی ہی اس طرح ہے۔ عذاب یوم حزب من الاحزاب۔ جیسے حال ہوا تھا تو قوم نوحؑ عاد اور ثمود کا اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے۔ مثلاً قوم لوط اور نمرود وغیرہ۔ یعنی جیسے انہوں نے رسولوں کو چیلنا یا اور انہیں اذیتیں پہنچائیں (تو ان پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب آیا مجھے تو تمہارے بارے میں یہی ڈر اور خوف ہے کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے) یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ وہ آدمی قوم فرعون میں سے تھا اور پہلے لوگوں کے حالات سے واقف و آگاہ تھا۔

اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم کرے۔ للعباد میں لام زائدہ ہے جو ظلم مصدر کے عمل کو تعویذ دینے کیلئے لگا یا گیا ہے اور العباد، ظلماً کا مفعول ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ کسی بندے پر ظلم کرے اور بغیر گناہ کے انہیں سزا دے یا بندوں میں سے کسی ظالم کو بغیر انتقام کے چھوڑ دے یا کسی کیلئے اس کی نیکی کے اجر میں کمی کر دے یا پھر کسی کی سزا میں اضافہ کر دے۔

وَيَقُومُوا يَوْمَ آخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٥٠﴾ يَوْمَ تُنَادُّونَ مُدِيرِينَ ﴿٥١﴾ مَا لَكُمْ مِنْ
اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ﴿٥٢﴾ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٥٣﴾

”اور اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں پکار کے دن سے۔ جس روز تم بھاگو گے پیچھے پھرتے ہوئے۔“
نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا۔ اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔“

۱۔ اس نے انہیں عذاب و دنیا سے ڈرانے کے بعد آخرت کے عذاب سے ڈرایا اور کہا اے میری قوم! میں تمہارے بارے میں پکار کے دن سے ڈرتا ہوں۔ نافع ابن کثیر اور ابو حمزہ نے انہی میں یاہ کو مفتوح اور باقیوں نے ساکن پڑھا ہے۔ التناد کو ابن کثیر نے حالت وصل اور وقف دونوں میں یاہ کے اثبات کے ساتھ التنادی پڑھا ہے۔ ورنہ صرف حالت وصل میں اس طرح پڑھا ہے۔ قالون سے ان دونوں میں اختلاف منقول ہے اور باقیوں نے دونوں حالتوں میں یاہ کو حذف کر کے التناد پڑھا ہے۔

۵۰۔ يَوْمَ تُنَادُّونَ مُدِيرِينَ، یوم التناد سے بدل ہے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے جس روز تم بیٹھ پھرتے ہوئے بھاگو گے مگر حج نہیں کسو گے (۱)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ دن ہے جس میں گھبراہٹ پیدا کرنے کیلئے صورتوں میں پھونکا جائے گا۔ یعنی اس سے مراد فزع فرار کا دن ہے۔ جو کچھ صحت سے پہلے ہوگا۔ (یعنی پہلے گھبراہٹ پیدا کی جائے اور پھر یہوش طاری ہوگی)

ابن جریر نے مطلولات میں ابو یعلیٰ نے مسند میں، یحییٰ نے ابیث اور عبد بن حمید اور ابوالفتح نے کتاب المغلطہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ اس میں آپ نے تین ٹخوں کا ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسرائیل علیہ السلام کو فزع اولیٰ کا حکم ارشاد فرمائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا فزع (گھبراہٹ پیدا کرنے) کیلئے صورتوں میں پھونک مار تو وہ اس میں پھونک ماریں گے زمین و آسمان کے تمام مادیوں پر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ مگر جن کیلئے اللہ تعالیٰ چاہے گا ان پر گھبراہٹ طاری نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم دے گا تو حضرت اسرائیل علیہ السلام اس پھونک کو اور کھینچیں گے اور اسے لبا کرتے چلے جائیں گے اور اس میں انقطاع نہیں آئے دیں گے حتیٰ کہ دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں

سے غافل ہو جائیں گی۔ حاملہ عورتوں کے محل ساقط ہو جائیں گے، بچے بوڑھے ہو جائیں گے (ان کے بال سفید ہو جائیں گے) اور شیطانی گھبراہٹ کے سبب بھانگے ٹکٹیں گے حتیٰ کہ وہ بھاگتے بھاگتے اطراف میں (کناروں تک) آ پہنچیں گے۔ وہاں ان کی ملاقات ملائکہ سے ہو جائے گی۔ وہ انہیں چروں پر ضرب لگائیں گے تو یہ داپس لوٹ آئیں گے اور لوگ بھی پٹھیں پھیر کر بھاگ رہے ہونگے اور آپس میں ایک دوسرے کو پکار پکار کر کہہ رہے ہوں گے یہ وہی دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یوم التناذر فرمایا ہے۔ اللہ ریث۔

بعض نے کہا ہے کہ یوم التناذر سے مراد قیامت کا دن ہے، جبکہ تمام لوگوں کو ان کے پیڑوا اور امام کے ساتھ بلایا جائے گا۔ ابو نعیم نے ابو حازم الاعمش کا بیان نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو خطاب کرتے ہوئے کہا اے اعرج! قیامت کے دن ندا دی جائے گی اے فلاں فلاں گناہ کرنے والو! جاؤ تو تو ان کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہو جائے گا۔ پھر آواز دی جائے گی اے فلاں فلاں گناہ کرنے والو! جاؤ (یہ گناہ پہلے گناہ کے علاوہ دوسرا ہوگا) تو تو ان کے ساتھ بھی اٹھ کھڑا ہوگا۔ اے اعرج! آپس میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو ہر قسم کے گناہ کرنے والوں کے ساتھ کھڑے ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔

ابن ابی عاصم نے السنن میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک ندا دینے والا ندا دے گا اے اللہ تعالیٰ کے حریفو! اٹھ کھڑے ہو (1)۔ اس سے مراد فرقہ قدریہ والے ہیں کیونکہ وہ انسان کو اپنے افعال کا خود خالق قرار دیتے ہیں اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حریف اور مقابل قرار پائے (اس وقت اہل جنت اہل جہنم کو ندا دیں گے اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے اور اصحاب الاعراف بھی پکاریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں بیان کیا ہے۔ اس وقت سعادت و شقاوت کے ساتھ لوگوں کو بلایا جائے گا کہ فلاں بن فلاں ایسا خوش بخت اور سعادتمند بن چکا ہے کہ اس کے بعد کبھی بھی وہ شقی اور بد بخت نہیں ہوگا اور فلاں بن فلاں ایسا بد بخت اور شقی بن گیا ہے کہ اس کے بعد کبھی بھی وہ خوش بخت اور سعادتمند نہیں ہوگا۔

بزار اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ابن آدم کو لایا جائے گا اور اسے میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جائے گا اگر اس کے نیک اعمال کا پلڑا بھاری ہو اور وہ فرشتہ اتنی بلند آواز سے ندا دے گا کہ ساری مخلوق اسے سن لے گی کہ فلاں ایسا سعادتمند ہو گیا کہ اس کے بعد کبھی بھی شقی نہیں ہوگا اور اگر اس کے نیک اعمال کا پلڑا ہلکا نکلا تو وہ فرشتہ بلند آواز سے پکار کر کہے گا فلاں ایسا بد بخت اور شقی ہو گیا کہ اس کے بعد کبھی بھی وہ سعادتمند نہیں ہوگا اور اس کی یہ آواز ساری مخلوق سے گئی (2) اور اس وقت یہ ندا بھی دی جائے گی کہ میں نے تمہارے لیے ایک نسب اور شریعت مقرر کیا تھا اور ایک نسب اور شریعت تم نے مقرر کیا تھا۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ندا دینے والے کو حکم دے گا اور وہ یہ ندا دے گا خبردار! میں نے تمہارے لیے ایک نسب اور شریعت مقرر کیا تھا اور تم نے دوسرا نسب مقرر کیا تھا آپس میں نے تو یہ مقرر کیا تھا کہ جو تم میں سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوگا اتنا وہ زیادہ معزز اور قابل تکریم ہوگا۔ لیکن تم نے اس کا انکار کیا۔ اور تم نے یہ کہا کہ فلاں بن فلاں، فلاں بن فلاں کی نسبت زیادہ ہیبتور اور افضل ہے۔ آج میں اپنے مقرر کردہ نسب اور شریعت کو بلند کرنے لگا ہوں اور تمہارے مقرر کردہ نسب کو پست کرنے لگا ہوں۔ (لہذا اللہ تعالیٰ فرمائے گا) متقی اور پرہیزگار

لوگ کہاں ہیں؟ (۱) یہ اس وقت ندادی جائے گی، جبکہ موت کو ذبح کیا جا چکا ہوگا۔ اسے اہل جنت! تم نے ہمیشہ جنت میں رہنا ہے تمہیں موت بھی نہیں آئے گی اور اسے اہل دوزخ! تم نے ہمیشہ یہاں رہنا ہے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اہل جنت جنت کی طرف اور اہل دوزخ دوزخ کی طرف چلے جائیں گے تو اس وقت موت کو لایا جائے گا اور اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا۔ پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر ندادینے والا ندادے گا اسے اہل جنت اب تمہارے لیے موت نہیں ہے اور اسے اہل دوزخ! اب تمہارے لیے بھی موت نہیں ہے۔ یہ سن کر اہل جنت کو تو انتہائی فرحت و مسرت حاصل ہوگی اور اہل دوزخ کو شدید قسم کا حزن اور غم ہوگا (2)۔ حضرت ابوسعید سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حاکم اور ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خدا کا نعمت دہن ہوا تھا، یعنی بھاگنے کا دان اور منتشر ہونے کا دان اس لیے اس لئے ہے کہ لوگ اس دن اس زمین میں منتشر ہو گئے اور ادھر ادھر بھاگ رہے ہوں گے جیسا کہ کوئی اونٹ اپنے حاکموں سے بھاگ جائے اور بد کہے لگے۔

ابن جریر اور ابن مبارک نے حضرت ضحاک سے یہ روایت نقل کی ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم ارشاد فرمائے گا تو وہ اپنے باسیوں کے ساتھ پھٹ جائے گا اور اس میں رہنے والے فرشتے اس کی اطراف اور کناروں پر چلے جائیں گے پھر جس وقت اللہ تعالیٰ انھیں حکم ارشاد فرمائے گا تو وہ زمین پر اتر آئیں گے اور وہ زمین اور اس پر بسنے والی ہر شے کو احاطہ میں لے لیں گے۔ بھڑائی طرح کیے بعد دیگرے دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان کو پھینک دیا جائے گا اور ان میں رہنے والے فرشتے ان سے نکل کر ایک دوسرے کے پیچھے صفیں بناتے جائیں گے۔ پھر شہنشاہ اعلیٰ نزول اجلال فرمائے گا اس کی بائیں جانب جہنم ہوگی۔ جب زمین والے جہنم کو دیکھیں گے تو بھاگ پڑیں گے۔ مگر زمین کی اطراف میں سے جہاں کہیں بھی پہنچیں گے وہ ملائکہ کی سات صفیں وہاں پائیں گے نتیجہ وہ اس جگہ واپس لوٹ آئیں گے جہاں وہ پہلے تھے۔ ان تمام چیزوں کا تذکرہ ان آیات طیبات میں موجود ہے۔ انی احاف علیکم یوم التناذیر یوم تولون مدبرین مالک من اللہ من عاصم وَجَاءَ عَرْشُكَ وَالْمَلٰئِكَةُ سَافَاۃً وَجَآءَ یَوْمَ یَوْمِہُمْ یُحْشٰوْنَ یَوْمَئِذٍ یُؤْمِنُوْنَ بِحُجَّتِہُمْ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَشْفَعُوْا اِمْحَاسِیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَنْقَلِبُوْا اِلَیَّ وَارْتَقِبْ السَّاعَۃَ فِیْہِ یَوْمَہِیْ ذٰلِیْقَۃً ۝۱۱ وَالْمَلٰئِكَةُ عَلٰی اَنْۢۢۡجَآءٍ ۝۱۲ یعنی جس دوران آسمان پھینکے گا اسی حالت میں جب لوگ ایک آواز سنیں گے تو وہ (مقام) حساب کی طرف متوجہ ہوں گے۔ بعض نے قول باری تعالیٰ یوم تولون مدبرین کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ جس دن تم موقف حساب سے پھرتے ہوئے جہنم کی طرف لوٹ کر آؤ گے (3)۔ کوئی نہیں ہوگا جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے گا۔ یعنی قطعاً غیر اللہ میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب صرف اس کی رحمت سے بچاؤ ہو سکتا ہے اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی رحمت نہیں ہوگی جو انھیں اس کے عذاب سے بچائے گی۔

اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، یعنی جسے اللہ تعالیٰ جنت کے راستے سے ہٹا دے پھر اسے اس کی طرف راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ
 إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ
 مُسْرِفٌ مُذْتَابٌ ۝ اَلَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبِيرٌ مَقْتًا
 عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ مَنَّا كَثِيرٍ حَتَّىٰ لَا يَفْقَهُوْا شَيْئًا

(اے میری قوم!) بیشک آئے تمہارے پاس یوسف (موسیٰ علیہما السلام) سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لے کر آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا تم شروع کر دیا کہ نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول۔ یونہی گمراہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہوتا ہے۔ (یونہی گمراہ کرتا ہے) انہیں جو جھگڑتے رہتے ہیں اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی (معتول) دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو۔ (یہ طریقہ) بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک۔ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور (اور) سرکش دل پر۔

۱۔ آیت میں یوسف سے مراد حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں اور یہ جب مراد ہو سکتے ہیں، جبکہ آپ کے زمانے کا فرعون وہی ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون تھا، اور وہ اتنے طویل زمانے تک زندہ رہا (کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین تقریباً چار سو سال کی مدت کا فاصلہ تھا)۔ یا پھر اس بناء پر آپ مراد ہو سکتے ہیں کہ آباء اجداد کے احوال کی نسبت اولاد کی طرف کر دی جاتی ہے اور مقصود یہ ہو کہ تمہارے آباء اجداد کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام واضح معجزات لے کر آئے تھے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یوسف سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے پوتے یوسف بن ابراہیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام ہیں، انہیں ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔

بِالْبَيِّنَاتِ واضح معجزات لے کر۔ پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لیکر آئے تھے۔ معما حکم بہ کے بارے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دین کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کرتے ہوئے وعدہ لا شریک رب کی عبادت کرنے کا جو پیغام لے کر آئے تھے یہاں تک کہ جب یوسف علیہ السلام وفات پا گئے تو تم نے کہا تم شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا، یعنی تم اپنے نفس پر ہی قائم رہے اور یہ گمان کرنے لگے کہ اللہ کوئی اور رسول بھیج کر تم پر تجدیدِ ہمت نہیں کرے گا۔

كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ اِسی گمراہ کرنے کی طرح اللہ تعالیٰ اسے گناہوں میں پڑے رہنے دیتا ہے جو حد سے بڑھنے والا ہوتا ہے، یعنی شرک کا ارتکاب کرتا ہے اور شک کرنے والا ہوتا ہے، یعنی غلبہ وہم اور تقلید میں متہمک ہونے کی وجہ سے ان امور میں شک کرنے لگتا ہے جن کے سچا ہونے کی شہادت واضح دلائل اور معجزات پیش کرتے ہیں۔

۲۔ ترکیب کلام میں اَلَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ پہلے موصول من سے بدل ہے کیونکہ وہ بھی جمع کے معنی میں ہے۔ بغیر سلطان کا معنی ہے بغیر واضح دلائل اور حجت کے یعنی (یونہی گمراہ کرتا ہے) اللہ تعالیٰ انہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بغیر کسی ایسی واضح دلیل اور حجت کے محض تقلید یا بے بنیاد شہادت کی بناء پر جھگڑتے رہتے ہیں جو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئی ہو۔

۳۔ كَبِيرٌ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ میں کبیر کی ضمیر فاعل من موصول کی طرف لوٹ رہی ہے اور لفظ من کا لفظ رکھتے ہوئے کبیر فعل مفرد ذکر کیا گیا

ہے۔ یہ کہنا بھی جائز ہے کہ اَللّٰہُ یُجَادِلُوْنَہُمْ یعنی مبتدأ ہو اور کبر مقتدا اس کی خبر ہو اور الذین سے پہلے مضاف محذوف ہو اور اسی کے لحاظ سے کبر فعل مفرد ذکر کیا گیا ہو اور تقدیر عبارت اس طرح ہو و جدال الذین یجادلون فی ایت اللہ کبر مقتدا۔ یا یہ ترکیب ممکن ہے کہ اَللّٰہُ یُجَادِلُوْنَہُمْ مبتدأ ہو اور اس کی خبر بغیر سلطان ہو اور کبر کا فاعل کذلک ہو۔ اس طرح ککاف اسم بعضی مثل ہو، یعنی کبر مقتدا مثل ذالک الجدال۔ اس صورت میں قول باری تعالیٰ یطیع اللہ جملہ مستنافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ جملہ ان کے آیات الہی میں جھگڑنے کے سبب پر دلالت کر رہا ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اسی طرح انہیں گمراہ کرنے کی مثل اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش دل پر گمراہی کی مہر لگا دیتا ہے اور اسے اس طرح گمراہی میں پختہ کر دیتا ہے کہ کہیں سے بھی نور ایمان دل میں داخل نہیں ہو سکتا۔

ابو عمر اور ابن ذکوان نے قلب کو توحین کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ تکبیر اور تحیر اس کی صفات ہیں کیونکہ یہ دونوں دل ہی کے افعال ہیں۔ جیسا کہ ان کے قول ذات عینی و سمعت اذنی (میری آنکھ نے دیکھا اور میرے کان نے سنا) (اس میں دیکھنا اور سنا آکھ اور کان کے افعال ہیں) کیا پھر اس وجہ سے کہ اس سے پہلے مضاف محذوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے علی قلب کل ذی قلب متکبر حبار (یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس آدمی کے دل پر مہر لگا دیتا ہے جس کا دل مغرور اور سرکش ہو) باقیوں نے قلب کو اضافت کے ساتھ بغیر توحین کے پڑھا ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يُهْلِكُنِ الْإِنْسَانَ فِي صَرْحًا لَّعَلَّ أَبْلَغُمْ الْأَسْبَابَ ۝ السُّلُوبِ فَأَتْلِعْ لِي إِلَهُ مُوسَى وَإِنِّي لَا ظَنُّهُ كَادِبًا ۖ وَكَذَلِكَ رَفَعْنَا فِرْعَوْنَ سَوْءَ عَمَلِهِ وَصَدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۖ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ۝

”اور فرعون نے کہا اے ہامان اپنا میرے لیے ایک اونچا محل (اس پر چڑھ کر) میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں، یعنی آسمانوں کی راہوں تک پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو۔ اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔ اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کیلئے اس کا برا عمل اور روک دیا گیا اسے راہ (راست) سے۔ اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کیلئے۔“

لے فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا میرے لیے اتنا اونچا اور بلند محل بنادے جو کسی دور سے دیکھنے والے پر بھی مخفی نہ ہو۔ اسی اعتبار سے تصریح بعضی اظہار ہے (اس پر چڑھ کر) میں آسمانوں کی راہوں تک پہنچ جاؤں۔ اَسْبَابُ السُّلُوبِ سے مراد اوور راہیں اور دروازے ہیں جو ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ ہر وہ شے جو کسی دوسری شے تک پہنچانے کا ذریعہ ہو وہ سب کہلاتی ہے مظاہر اور ڈول پانی تک پہنچنے کا ذریعے ہونے کی وجہ سے پانی کا سبب کہلاتے ہیں۔ دوسرے اسباب پہلے کیلئے بیان ہے پہلے اسباب کو ہم ذکر کیا پھر اس کی وضاحت فرمائی ایک تو ایسے تاکہ اس کی تم نشان کا بیان ہو اور دوسرا ایسے تاکہ سامع کو اس کی معرفت اور پہچان کا شوق دلایا جائے۔

فاطلع کو حنف سے نزل کا جواب ہونے کی وجہ سے فاء کے ساتھ منصوب پڑھا ہے اور باقیوں نے الیغ پر عطف کرتے ہوئے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے کہ پھر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھوں۔ اس میں ظاہر یہی ہے کہ فرعون نے بھی غرور کی طرح کا محل بنانے کا حکم دیا اور اس کا ذکر ہم سورہ نمل میں کر چکے ہیں۔

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ شاید اس نے کسی بلند مقام پر ایک رصد گاہ تعمیر کرنے کا حکم دیا ہو جس سے وہ ان ستاروں کے احوال کا مشاہدہ کر سکے جو کہ اسباب سماویہ ہیں اور زمینی حوادث پر دلالت کرتے ہیں اور وہ یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ کیا یہ اسباب سماویہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس کی طرف بھیجا ہے (1)۔ پھر اس سے وہ لوگوں کو یہ دکھانا چاہتا ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کا قول غلط ہے کیونکہ آسمان کے الہ کی جانب سے خبر دینا اس پر اطلاع پانے اور اس تک پہنچنے پر موقوف ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وہ ہی اس کے حکم پر مطلع ہوگا اور پھر انکی خبر دے گا) اور اس تک پہنچنا آسمانوں پر چڑھے بغیر ممکن نہیں اور انسان آسمان کی بلند یوں میں چڑھنے کی قوت اور قدرت نہیں رکھتا (اس سے یہ معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام جو کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر دے رہے ہیں وہ سب من گھڑت اور غلط ہے) لیکن فرعون کی یہ ساری گفتگو اور مکر جہالت پر مبنی تھی کیونکہ نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان سے واقف تھا اور نہ اسے یہ علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نبی کیسے بناتا ہے (اور اس تک وہ اپنے احکام کیسے پہنچاتا ہے؟)۔

۱۔ اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ موسیٰ اپنے دعویٰ رسالت میں جھوٹا ہے اور جس طرح آسمانوں کے رب پر واقفیت اور اطلاع پانے کیلئے اونچی اور بلند و بالا اہل کی تعمیر کو فرعون کی نظروں میں حسین بنا دیا گیا اسی طرح اس کے ہر برے عمل کو اس کیلئے مزین کر دیا گیا۔ یعنی ہر وہ برائے عمل جسے عقل سلیم قبول کرنے کیلئے کبھی بھی تیار نہیں وہ فرعون کو حسین اور خوبصورت لگنے لگا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بصیرت کو ختم کر دیا تھا جس کے سبب وہ ہر برے عمل کو خوبصورت دیکھنے لگا اور اسے سیدھی راہ سے روک دیا گیا۔

اہل کفر اور یعقوب نے صد کو صیغہ بھول کی صورت میں صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور فاعل حقیقی تو صرف اللہ تعالیٰ ہے وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور باقیوں نے صاد کو مفتوح پڑھا ہے۔ یعنی فرعون نے لوگوں کو اس قسم کے شبہات اور مکر و فریب سے راہ ہدایت سے روک دیا اور اس کی تائید یہ قول باری تعالیٰ بھی کرتا ہے وما کید فرعون الا فی تباب کہ موسیٰ علیہ السلام کے امر کو باطل اور ناکام کرنے کیلئے فرعون کی ہر تدبیر اور مکر بیکار ثابت ہوا اور اس کے لیے خسارے اور ضیاع کا سبب بنی۔

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُونِ اَهِدْ لَكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هِيَ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۚ وَ اِنَّا الْاٰخِرَةُ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا
يُجْزَى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يَزْوَجُوْنَ فِيْهَا بِعُغَيْرِ حِسَابٍ ۝

”اور کہنے لگا وہ جو ایمان لایا تھا اسے میری قوم! میرے پیچھے چلو میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ!۔ اسے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو (چند روزہ) لطف اندوزی ہے۔ اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ جو برے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی اسی قدر۔ اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو وہ داخل ہونگے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بے حساب سے۔“

۱۔ اور کہنے لگا وہ جو اہل فرعون میں سے ایمان لایا تھا اسے میری قوم! میرے پیچھے چلو۔ اتبعون کو ابن کثیر نے حالت وصل اور وقف

دونوں میں اثبات یاہ کے ساتھ اتباعونی پڑھا ہے۔ قالون اور ابو عمرو نے صرف حالت وصل میں اثبات یاہ کے ساتھ قرأت کی ہے، جبکہ باقیوں نے دونوں حالتوں میں یاہ کو حذف کیا ہے اور اتباعون پڑھا ہے۔

سپینل الاشکاشوے مراد ایسا راستہ ہے جو اپنے اوپر چلنے والے کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ فرعون اور اس کی قوم نے جو راہ راست اپنا رکھا ہے وہ گمراہی کا راستہ ہے (وہ راہ ہدایت نہیں)۔

۱۔ اسے میری قوم (ایہ ندوی زندگی تو چند روزہ) لطف اندوزی ہے۔ یعنی یہ ایک حقیر اور تھوڑا سا سامان ہے جس سے انتہائی قلیل مدت کیلئے لوگ لطف اندوز اور متبہع ہو سکتے ہیں پھر وہ ختم ہو جاتا ہے، جبکہ اس کے برعکس آخرت ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے جو کبھی زائل نہیں ہو گی لہذا تم پر لازم ہے کہ ایسے اعمال کرو جو آخرت میں تمہارے لیے نفع بخش اور فائدہ مند ہوں۔

۲۔ جو برے کام کرتا ہے اسے اسی قدر سزا دی جائے گی اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد یا عورت بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو اس میں ایمان کی شرط اسلئے لگائی گئی ہے کیونکہ ہر نیک اور صالح عمل کی جزاء کیلئے ایمان بنیادی شرط ہے کیونکہ اعمال کی جزاء دینے کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے تاکہ وہ عمل کیسے جائیں جن سے وہ راضی اور خوش ہوتا ہے کیونکہ جب عمل خالص اس کی رضا کیلئے ہوگا تو وہ جزا بھی عطا فرمائے گا۔

پغیر چسپاک کا مفہوم ہے کہ جنت میں انہیں اعمال کا اندازہ لگائے بغیر اور ان کا موازنہ نہ کیئے بغیر رزق دیا جائیگا بلکہ اس رزق میں اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل اور رحمت سے کئی گنا اضافہ فرمائے گا۔

وَيَقُولُ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى السُّجُوْدِ وَتَدْعُوْنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۖ تَدْعُوْنِيْٓ لَا كُفْرًا
بِاللّٰهِ وَاَسْرِكُ بِهٖ مَّالِيْٓسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْعَقْلٰى ۝ لَا
جَرَءًا لَّكَ تَدْعُوْنِيْٓ اِلٰى لَيْسَ لَكَ دَعْوَةٌ فِى الدُّنْيَا وَلَا فِى الْاٰخِرَةِ وَاَنْ مَّرَدُّكَ
اِلَى اللّٰهِ وَاَنْ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝

”اور اسے میری قوم! امیر ابھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلا تے ہو مجھے آگ کی طرف۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں۔ اور میرا حال تب ہے کہ میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا، بہت بخشے والا ہے۔ تم گنہ گار بات تو یہ کہ جس کی (ہندگی کی) طرف تم مجھے بلا تے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور نہ آخرت میں اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔“

۱۔ مالی میں اہل کوفہ اور اہل ذکوان نے یاہ کو مانگن پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے کہ تمہارا حال بھی عجیب ہے۔ یہ تمہارے اس جملے کی مثل ہے مالی اور اکھم حزینا یعنی تم مجھے خبر دو تمہارے حالات کیسے ہیں جو عقل و عرف کے تقاضوں کے خلاف ہیں کہ میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کے ساتھ ایمان لانے کے سبب آگ سے نجات دلانے کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے اس شرک کی طرف دعوت دیتے ہو جو جہنم کی آگ میں پہنچانے کا سبب ہے۔ انہیں بار بار دعا دی گئی ایک تو ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کیلئے انہیں ہدایت دینے کا اہتمام کرنے کیلئے اور اس بات پر انہیں تنبیہ کرنے اور بھڑکنے کیلئے کہ وہ اس کی نصیحت اور خیر خواہی کے مقابلے

میں بدخواہی کر رہے ہیں۔ ندائے ثانی کا نداء اول پر عطف نہیں کیا گیا کیونکہ یہ اپنے ماقبل کا بیان اور تفصیل ہے اور دوسری ندا کا عطف یاد دوسری پر ہے یا پہلی پر۔

لَا تَدْعُوْنِيْ بِاَلْفِ يٰۤاَللّٰهُیْہ پہلے ند عونی سے بدل ہے۔ یا اس کا بیان اور تعلیل ہے۔ دعا بھی مصدر ہدایت کی طرح الی اور لام کے واسطے کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔

وَالْحُكْمُ مَخَالِفُیْنِیْہم علم اور میں اس کے ساتھ اس کو شریک ضمیر اؤں جس کے رب ہونے کا مجھے علم تک نہیں بلکہ اس کے رب نہ ہونے پر میرے پاس قطعی اور یقینی دلائل ہیں۔ ایمان کیلئے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے رب ہونے پر دلائل موجود ہوں اور اعتقاد بغیر ایتقان و یقین کے صحیح نہیں ہوتا۔

العزیز کا معنی ہے غالب جو کہ کفر کرنے والے سے انتقام لینے کی پوری قدرت اور طاقت رکھتا ہو۔

الغفار۔ اہل ایمان میں سے جسے چاہے اس کے گناہ بخش دے اور الوہیت کی تمام صفات کا جامع ہے، یعنی اس کی قدرت کاملہ ہے، وہ ہر شی کا علم رکھتا ہے اور اس کا ارادہ مطلق ہے (یعنی وہ اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنا سکتا ہے۔ کوئی شے اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتی)

یہ کہا گیا ہے کہ لا جو ہمیں لانا فہ ہے اور قوم فرعون جو اس بندہ مومن کو بتوں کی عبادت کی طرف بلاتی تھی اس دعوت کو رد کرنے کیلئے یہ ذکر کیا گیا ہے اور جو ہم فعل بمعنی حق ہے (یعنی حق اور صحیح بات یہ ہے) اور ان اپنے سارے جملہ کے ساتھ مل کر فعل کا قائل ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ یہ حق اور ثابت شدہ بات ہے کہ تمہارے الہوں کا اپنی عبادت کی طرف بلانا دونوں جہان میں اس کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں۔ کیونکہ یہ عبادات ہیں و دنیا میں اپنی عبادت کی طرف قطعاً دعوت نہیں دیتے اور نہ آخرت میں دعوت دیں گے بلکہ اپنے پجاریوں سے برات اور بیزاری کا اظہار کریں گے تو ان میں کوئی بھی ایسی شے نہیں جو ان کے الہ ہونے کا تقاضا کرتی ہو۔ یا معنی یہ ہے کہ یہ بات حق اور ثابت شدہ ہے کہ ان کی دعا کا مقبول نہ ہوتا یقینی ہے یا ان کیلئے کسی دعا کا قبول نہ ہوتا یقینی ہے۔ سدی نے کہا ہے کہ یہ بات نہ دنیا میں کسی کیلئے دعا کرتے ہیں نہ آخرت میں کریں گے (1)۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ جو ہم فعل ہے اور جرم مصدر سے بنایا گیا ہے اس کا معنی ہے اقطع۔ (قطع کرنا کاٹنا) اور لانا فہ ہے جیسا کہ لا بد میں بد فعل ہے جو تہید بمعنی تفریق سے بنایا گیا ہے۔ معنی یہ ہے کہ بتوں کے الہ ہونے کے دعویٰ کے باطل ہونے میں کوئی قطع و انقطاع نہیں۔ یعنی کسی وقت بھی اس دعویٰ کا بطلان منقطع نہیں ہوا پس اس کا معنی یہ بن جائے گا کہ اس کا باطل ہونا ہمیشہ جاری رہا۔ گویا اس میں مابرج اور مازال کا معنی پایا گیا۔ نتیجہ اس کا معنی ہوگا تھا یعنی قطعی اور یقینی ہونا، اور قاسوس میں ہے کہ لا جرم کا معنی ہے ضروری ہے حق ہے بالیقین لامحالہ یہ اس لفظ کے اصل معنی ہیں پھر یہی لفظ قسم کے معنی دیئے کیلئے استعمال کیا جانے لگا (2)۔ اسی لیے اس کے جواب میں لام واقع ہونا ضروری ہے مٹا کہا جاتا ہے لا جو ہم لا ینسک (میں بالیقین ضرور تیرے پاس آؤں گے)۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ جو ہم بمعنی کسب ہے اور اس کا قائل اس میں پوشیدہ ضمیر ہے۔ معنی یہ ہے کہ اس نے انہیں اس کی طرف دعوت دی مگر انہوں نے اسے اس طرف دعوت نہیں دی (یعنی اس نے تو انہیں اللہ تعالیٰ احدہ الا شریک کی عبادت کرنے کی طرف دعوت دی جبکہ انہوں نے اسے شرک کرنے کی جانب بلایا) یعنی ان کے نزدیک اس کی دعوت کا باطل ہونا ایک امر ظاہر ہے۔ اس صورت

میں بھی لانا قیہ ہے اور ان کے دعویٰ کو رد کرنے کیلئے ہی ہوگا۔

اور یقیناً موت کے بعد ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے وہ ہر ایک کو اتنی جیڑا سزا دے گا جس کا وہ مستحق ہوگا اور یقیناً شرک کرنے اور غن بہانے کے سبب گمراہی اور سرکشی میں حد سے تجاوز کرنے والے ہی جہنمی ہیں وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فَقَسَدُوا كُرُونُ مَا أَقُولُ لَكُمْ ۖ وَأَقُولُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝
فَوَقَّعَ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝
الَّذِينَ يَعْرِضُونَ
عَلَيْهَا أَعْيُنُهُمْ يَوْمَ تُنْفَخُ السَّاعَةُ ۚ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝

”پس (اے میرے ہونٹو!) عنقریب تم یاد کرو گے جو میں (آج) تمہیں کہہ رہا ہوں۔ اور میں اپنا (سارا) کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو۔ پس بچالیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیل کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونین کو سخت عذاب نے انہیں دوزخ کی آگ سے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہوگی (حکم ہوگا) داخل کرو فرعونین کو سخت تر عذاب میں سے۔“

ل (اے میرے ہم ہونٹو!) جو فصاحت آج میں تمہیں کر رہا ہوں یہ عنقریب تم آپس میں ایک دوسرے کو یاد دلاؤ گے۔ جب عذاب کا مشاہدہ تم اپنی آنکھوں سے کر لو گے لیکن اس وقت فصاحت کا یاد کرنا تمہارے لیے نفع بخش ثابت نہیں ہوگا اور میں تو اپنا سارا کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں کہ وہ مجھے تکلیف اور برائی سے محفوظ رکھے۔ یہ جملہ (یعنی اَقُولُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ) تب کہتا تھا جب فرعونین کے دین کے ساتھ آپ کی مخالفت بالکل ظاہر اور واضح ہو گئی تو فرعونین نے اسے آپ کو سزا دینے کی دھمکی دی تھی۔ اموی میں نافع اور ابو عمرو نے یاد کو مفتوح اور باقیوں نے ساکن پڑھا ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے، یعنی وہ جانتا ہے کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ پھر وہ بندہ مومن ان کے درمیان سے نکل گیا۔ وہ اسے تلاش کرتے رہے۔ لیکن وہ اسے پانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

لَقَدْ فَتَنَّا اللَّهَ ۖ فَسَدَ كُرُونُ مَا أَقُولُ لَكُمْ ۖ وَأَقُولُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝
فَوَقَّعَ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۝
الَّذِينَ يَعْرِضُونَ
عَلَيْهَا أَعْيُنُهُمْ يَوْمَ تُنْفَخُ السَّاعَةُ ۚ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝
الَّذِينَ يَعْرِضُونَ
عَلَيْهَا أَعْيُنُهُمْ يَوْمَ تُنْفَخُ السَّاعَةُ ۚ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝

بعض نے کہا ہے حاق بال فرعون سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کو سخت عذاب نے گھیر لیا جنہیں فرعون نے اس بندہ مومن کو تلاش کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ اس صورت میں سوء العذاب سے مراد قتل ہے کیونکہ جب وہ عبد مومن بھاگ کر پہاڑ کی طرف چلا گیا تو اس جماعت سے اس کا تعاقب کیا اور اسے نماز پڑھنے میں مشغول پایا اور کیا دیکھا کہ جنگی رند نے اس کے ارد گرد صفیں باندھے اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ دیکھ کر وہ مرعوب ہو گئے اور واپس لوٹ آئے تو فرعون نے ان تمام کو قتل کر دیا۔

سے اَلْاَمْرُ يُعْرَضُونَ الایہ جملہ مستند ہے یا النار مبتدا اخذوف کی خبر ہے۔ اور یعرضون بیان اور وضاحت کیلئے جملہ مستند ہے یا پھر اَلْاَمْرُ سَوْفَ یُعْرَضُ آپ سے بدل ہے اور یعرضون اسی سے حال ہے یا ال فرعون سے حال ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آل فرعون کی اراواح سیاہ رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں داخل کر کے ہر روز دوسر تہہ آگ پر پیش کی جاتی ہیں۔ وہ صبح و شام آگ (جہنم) کی طرف جاتے ہیں اور انہیں ٹھکا جاتا ہے اسے آل فرعون ایہ تمہارا ٹھکانہ ہے جب قیامت قائم ہو جائے گی (1)۔ اسے عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔

مقالہ سدی اور کلبی نے کہا ہے ہر کافر کی روح صبح و شام دوزخ پر پیش کی جاتی ہے جب تک یہ دنیا قائم ہے (2) یعنی قیامت قائم ہونے تک ایسا ہی ہوتا رہے گا اور اس کی تائید صحیحین کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی بھی فوت ہوتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہو تو اہل جنت کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اور اگر وہ اہل نار میں سے ہو تو اہل دوزخ کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے اور اسے یہ کہا جاتا ہے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسی پر تجھے اٹھائے گا (3)۔

اس آیت میں نفس (روح) کے باقی رہنے اور عذاب قبر ہونے پر استدلال موجود ہے۔ معتددا حدیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے اور اسی پر اجماع بھی مستند ہوا ہے۔

یہ مابین کثیرہ الیوم و عمرہ و ابن عامر اور ابو بکر نے ادخلوا میں ہمزہ وصل اور خاء کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ادخلوا کہ انہیں کہا جائے گا۔ اسے آل فرعون! تم شاید ترین عذاب میں داخل ہو جاؤ۔ باقیوں نے ہمزہ کو قطعی اور خاء کو کسور پڑھا ہے، یعنی ادخال سے ادخلوا۔ کہ ملائکہ کو کہا جائے گا آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اِنَّ اَصْحَابَ النَّارِ سے مراد طرح طرح کا عذاب ہے جو کہ اس عذاب سے مختلف ہوگا جو انہیں عالم برزخ میں غرق کئے جانے کے وقت سے دیا جا رہا ہے (4)۔

وَ اِذْ يَتَحَاوَنُونَ فِي النَّارِ يَقُولُ الضَّعْفُو الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا
فَهَلْ اَنْتُمْ مُّعْتَدُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُلٌّ
فِيْهَا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝

” (اور کہتا ہوں رہا ساماں ہوگا) جب باہم جھگڑیں گے دوزخ میں پس کہیں گے کہ زور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ میں (بھن رہے) ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق (اب اس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا)۔“
اے محمد اصل صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کے سامنے اس وقت کا تذکرہ کیجئے جبکہ اہل نار جہنم میں باہم جھگڑا کریں گے۔ ترکیبی اعتبار سے یہ بھی جائز ہے کہ ظرف کا (واذ یتحاجون) کا عطف غلطو اپر ہو۔ پس کمزور لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو تکبر کیا کرتے تھے

کہ دنیا میں ہم تو تمہارے تابع تھے۔ تبع واحد بھی ہو سکتا ہے اور جمع بھی کہ اس کا واحد تابع ہے جیسا کہ خدم، خادم کی جمع ہے۔ یہ اہل بصرہ کا موقف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے اتباع کرنے والے یعنی ذوی تبع یعنی اتباع۔ گویا اس سے پہلے مضاف مضر ہے یا مضاف کو مضر ماننا جائز ہے۔

اہل کوفہ نے کہا ہے کہ تبع جمع ہے جس کا واحد تبعی آتا البتہ اسکی جمع اتباع ہے (۱)۔

پس کیا تم آگ (کے عذاب) کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو؟ اس میں استغفار بمعنی امر ہے اور نصیب یا تو اس کا مفعول ہے جس پر مغفون دلالت کر رہا ہے یا مغفون کا مفعول ہے یا مگر مصدر ہے اور اس کا استعمال اسی طرح ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ لَنْ تَغْفِرَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ قُلْ غُفِرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اِنَّ رَحْمَةً رَّبِّكُمْ لَوَاسِعَةٌ میں غُفِرَ کا استعمال ہے۔ پس اس صورت میں یہ مغفون کا صلہ ہو جائیگا۔

جے تکبر کرنے والے جواب دیں گے کہ ہم سب یعنی ہم اور تم میں سے ہر ایک آگ میں جمل رہا ہے پس ہم کیسے تم سے عذاب دور کر سکتے ہیں اگر ہم ایسا کرنے کی قدرت رکھتے تو بالیقین اپنے آپ سے دور کرتے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے بندوں کے متعلق ان میں سے اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے اور اہل نار کے دوزخ میں داخل ہونے کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں اب کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا اور نہ اس میں اب کوئی رد و بدل ہو سکتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَدْنَةٍ حَبَّثَةٍ اذْعُوْا رَاٰبَكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ۖ قَالُوا اَوَلَمْ تَأْتِيَكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۚ قَالُوا بَلٰى قَالُوا فَاذْعُوْا وَمَا ذُعُوْا لِّلْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۱۱

”اور کہیں گے سارے دوزخی جنہم کے داروں کو دعا کرو اپنے رب سے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں (کچھ) تخفیف

فرمادے۔ وہ (جواب میں) کہیں گے کیا نہیں آیا کرتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ۔ وہ

کہیں گے بیشک! داروغے کہیں گے تم خود ہی دعا مانگو اور حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کافروں کی دعا مگر محض بے سود۔“

لے جب اہل جنہم پر عذاب کی شدت بڑھے گی تو اس وقت وہ جنہم کے داروں سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے عذاب میں کسی ایک دن تو کچھ تخفیف فرمادے۔ ضمیر کی جگہ جنہم کا لفظ صراحتاً ذکر کیا گیا تاکہ دہشت اور خوف میں اور اضافہ ہو۔

جے جنہم کے داروغے جواب میں کہیں گے کیا تمہارے پاس رسول روشن دلائل لے کر نہیں آیا کرتے تھے۔ یہ استغفار انکاری ہے اور انہیں اس بات پر زبرد تو بیج کرنے کیلئے ہے کہ انہوں نے دعا کے اوقات ضائع کر دیے اور قبولیت دعا کے اسباب کھود دیے۔ ترکیبی

لحاظ سے اس کا عطف محذوف کلام پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے اما علمتم فی الدنیا مالہم فی الاخرۃ من العذاب ولم تک فاتیکم دسلکم بالبینات منفرین بعد کیا تم دنیا میں نہیں جانتے تھے کہ جو عذاب تمہیں آخرت میں ملے گا اور

تمہارے پاس رسول روشن دلائل لے کر ڈرانے کیلئے نہیں آتے رہے تو وہ جواب دیں گے کیوں نہیں۔ بلکہ ہمارے پاس رسول خوشخبری سنانے اور ڈرانے کیلئے آتے رہے تو جنہم کے داروغے انہیں کہیں گے تم خود ہی دعا مانگو۔ یہ امر ہے اور بطور استہزا وہ انہیں یہ کہیں گے

کیونکہ اس سے مقصود انہیں مایوس اور ناامید کرنا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کافروں کی دعا نہیں ہوتی مگر محض بے سود اور بیکار۔ یعنی وہ کبھی

بھی قبولیت حاصل نہیں کر سکتی۔ وَحَادَ لَكُمْ الْكَفَوْنَيْنِ إِلَّا فِي ضَلَالٍ اللّٰهِ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ جملہ جنم کے داروں کے کلام میں ہو۔ اس بناء پر حال ہو گیا جملہ مخرضہ ہوگا۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ مُرْسَلَنَا وَلِإِنَّ أَمْنًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الرَّسْمُ ۚ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْرِفَتُهُمْ وَلَهُمُ النَّعْتَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۖ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْشَقْنَا بَنِي إِسْرَٰءِيلَ الْكِتَابَ ۚ هُذًى وَمَوْزِئًا لِلْآبَاءِ ۖ ﴿٦٢﴾

”بیٹک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ اُس روز قطع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذرخواہی اور ان کیلئے لعنت ہوگی۔ اور ان کیلئے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو (نور) ہدایت اور وارث بنایا بنی اسرائیل کو کتاب کا۔ جو سراپا ہدایت اور نصیحت تھی مخلوقوں کیلئے۔“

۱۔ اس سے قبل فرعون کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کی مدد کرنے اور انہیں فرعون پر غلبہ عطا کرنے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد اب بالعموم رسل علیہم السلام اور مومنین کی مدد کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے (کہ چونکہ وہ ہماری مدد و نصرت کا استحقاق رکھتے ہیں لہذا ہم بھی انہیں اس سے محروم نہیں رکھتے) چنانچہ فرمایا إِنَّا لَنَنْصُرُ مُرْسَلَنَا الْاٰیہ۔ ضحاک نے کہا ہے کہ دنیوی زندگی میں اس مدد سے مراد دلائل اور حجت ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد غلبہ عطا فرماتا ہے (۱)۔ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ بعض اوقات بطور آزمائش و امتحان کفار کو بھی غلبہ عطا کیا گیا ہے لیکن اس سے اس آیت کا خلاف لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اعتبار انجام اور امر غالب کا ہوتا ہے (۲) (اور انجام کار کے اعتبار سے ہمیشہ ہی انبیاء و رسل علیہم السلام کو غالب فرمایا گیا) بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس مدد سے مراد انبیاء علیہم السلام کے دشمنوں سے دنیا میں ہی انتقام لینا ہے (کہ جس نے بھی نبی علیہ السلام سے عداوت اپنائی وہ اس کی سزا سے محفوظ نہ رہے گا۔)

وَيَوْمَ يَقُومُ الرِّسَالُ شَٰهَادَةُ مَرَدِّ قِيَامَتِ كَادُنْ، یعنی قیامت کے دن کرمانا کا تین فرشتے رسل علیہم السلام کے حق میں شہادت دیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کا حق ادا کیا (پیغامات الہی اپنی اپنی امتوں تک پہنچائے) اور کفار کے خلاف شہادت دیں گے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور انہیں خوب جھٹلایا۔

۲۔ اس دن ظالموں (کافروں) کو ان کی عذرخواہی باطل ہونے کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ ترکیب کلام میں وَيَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمُ يَتُوبُ سے بدل ہے۔ ابن کثیرؒ ابو عمرؒ اور ابن عامر نے لاتنفع قرات کی ہے کیونکہ اس کا فاعل (معدنہم) مومن ہے اور باقیوں نے لاتینفع پڑھا ہے ایک تو اس لئے کہ فاعل مومن غیر حقیقی ہے اور ساتھ ہی فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ بھی موجود ہے۔

وَلَهُمُ النَّعْتَةُ اور ان کیلئے لعنت ہوگی یعنی رحمت سے بہت دوری ہوگی ترکیب کلام میں یہ لفظ اعلم سے حال ہے۔ اور ان کیلئے دوزخ کا بدترین گھر ہوگا۔

سے وَلَقَدْ آتَيْنَا الْاٰیہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے ہے اور درمیان میں مذکورہ بالا بیان بطور جملہ مخرضہ تھا اور ہم نے موسیٰ

علیہ السلام کو وہ کتاب ہدایت (توریت) عطا فرمائی جس سے دین کے معاملہ میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ کو یہ کتاب فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک اور تباہ و برباد کرنے کے بعد عطا کی گئی اور پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کو توریت کا وارث بنادیا۔ عقلمندوں کی ہدایت اور نصیحت کیلئے (یا پھر مصدر بمعنی اسم فاعل ہے) یعنی ہدی بمعنی حاد یا اور ذکر یہ بمعنی مذکر ہے۔ یعنی وہ کتاب عقول سلیم رکھنے والوں کو ہدایت دینے والی اور نصیحت کرنے والی تھی۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ يَعِيرُونَ سُلْطِينَ أَلَمْ يَكُنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۖ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

”پس (اے محبوب!) آپ صبر فرمائیے (کفار کی اذیتوں پر) بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور استغفار کرتے رہئے اپنی (موہومہ) کوتاہیوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت ۱۔ بیشک جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں کے بارے میں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو۔ نہیں ہے ان کے سینوں میں جبر۔ بڑائی کی ایک ہوس کے جس کو وہ پانہیں سکیں گے۔ تو آپ اللہ کی پناہ طلب کیجئے۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔“

۱۔ پس اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ شرکین کی اذیتوں پر صبر فرمائیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے مدد و نصرت کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ حق اور سچ ہے۔ قطعاً وعدہ خلافی کا کوئی احتمال اور امکان نہیں اور اس پر بطور استشہاد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ آپ اپنی موہومہ کوتاہیوں پر استغفار کرتے رہئے یہ امر تعجبی ہے بالیقین اس کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب و درجات میں اضافہ ہوگا (یعنی باوجود اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم عن الخطا ہیں جب آپ حکم استغفار کی تعمیل میں استغفار کریں تو اس کے سبب آپ کے درجات بلند ہوں گے مراتب قرب میں اضافہ ہوگا) اور اس کے ساتھ امت کیلئے ایک سنت بھی قائم ہو جائے گی۔

اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے۔ یعنی اپنے رب کا شکر بجالانے کیلئے نماز پڑھئے۔ شام کے وقت اور صبح کے وقت۔ **پَالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ** کے بارے میں حسن نے کہا ہے اس سے مراد عصر اور صبح کی نمازیں ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد پانچوں نمازیں ہیں (۱)۔

۲۔ بیشک جو لوگ بغیر ایسی سند اور حجت کے قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئی ہو۔ ان کے سینوں میں نہیں ہے مگر بڑائی کی ہوس۔ یہاں سینے سے مراد دل ہے۔ کیونکہ دل سینے میں ہی ہوتا ہے اور سینہ بدل کا مکمل ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ انہیں آپ کی تکذیب پر کوئی شے برا بھیجئے نہیں کرتی مگر وہی بڑائی اور عظمت کا تصور جو ان کے سینوں یعنی دلوں میں موجود ہے (۲)۔ یعنی وہ اپنے آپ کو آپ سے بڑا خیال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو عظیم اور برتر سمجھتے ہیں اس لئے وہ آپ کی اتباع کیلئے تیار نہیں ہوئے۔

فَإِنَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَهُوَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اس کے بارے مجاہد نے کہا ہے کہ وہ اس بڑائی اور عظمت کے مقتضی کو کبھی بھی نہیں پاسکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و سوا کر دے گا۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ ان کے سینوں میں نہیں ہے مگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑائی کی ہوس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آنے کی حرص۔ مگر وہ کبھی بھی اپنی اس ہوس اور حرص کو نہیں پاسکے گا (1) تو آپ ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیجئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے قولوں اور باتوں کو سننے والا ہے اور تمہارے افعال و اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ یہ جملہ پناہ طلب کرنے کے حکم کی علت بیان کر رہا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾

” (بیشک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے۔“

۱۔ پس وہ اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمین کو ان کے اتنا وسیع اور عظیم ہونے کے باوجود بغیر کسی اصل اور بنیادی شے کے موجود ہونے کے پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو وہ بالکل لوگوں کو ان کی اصل کے ہوتے ہوئے دوبارہ زندہ کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ یہ آیت درحقیقت ان لوگوں کے وہم اور اشتعال کو دور کرنے اور باہمی جھگڑے کو ختم کرنے کیلئے نازل ہوئی کہ جب قرآن کریم نے دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیامت قائم ہونے کا تصور دیا تو وہ ہم میں جلتا ہو گئے اور جھگڑنے لگے کہ دوبارہ زندہ کیا جانا کیسے ممکن ہے؟ تو انہیں یہ اشکال اس لئے پیدا ہوا کہ وہ اپنی کثرت غفلت و خراشات نفس کی اتباع اور اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے سبب اس نظر میں غور و فکر ہی نہیں کرتے اور نہ ہی قیامت کے قیام اور نہ ہی رب العالمین کی قدرتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں (اس لئے وہ اس کی حقیقت سے نا آشنا بھی ہیں اور اس کے منکر بھی۔)

ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ سے روایت نقل کی ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے دجال کا ذکر کیا اور کہنے لگے وہ آخری زمانہ میں ہم میں سے ہوگا اور انہوں نے اس کی بڑی عظمت و شان اور کارناموں کا تذکرہ کیا کہ وہ فلاں فلاں کام کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَكَافٍ ۖ إِنَّهُ يَظُنُّ اَنْ يَّجْعَلَ دُونِ رَبِّهِ اِلٰهًا ۚ الشُّرَكَاءُ سُلْطٰنٌ اٰتٰهُمْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كُمُوْا فَاَمْهَمُوْا بِمَا يَلْفِظُوْنَ ۚ فَاسْتَوْعَدُوْا لَهُمْ ۚ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ارشاد فرمایا کہ آپ دجال کے قتل سے اپنے رب کی پناہ مانگیں۔ لَخَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (2) کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا انسانوں کی تخلیق یعنی دجال کو پیدا کرنے سے عظیم اور بڑا عمل ہے۔

کعب الاحبار نے قول باری تعالیٰ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَكَافٍ ۖ إِنَّهُ يَظُنُّ اَنْ يَّجْعَلَ دُونِ رَبِّهِ اِلٰهًا الشُّرَكَاءُ سُلْطٰنٌ اٰتٰهُمْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كُمُوْا فَاَمْهَمُوْا بِمَا يَلْفِظُوْنَ کے بارے کہا ہے کہ اس سے مراد یہودی ہیں۔ یہ آیت انہی کے بارے نازل ہوئی کیونکہ وہ دجال کا انتظار کر رہے تھے (3)۔

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تخلیق آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کوئی ایسا واقعہ اور معاملہ نہیں ہے جو دجال کے معاملہ سے بڑھ کر ہو۔ رواہ مسلم (4)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم پر یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ قدرت میں عیب نہیں اور سچ

دجال دائیں آنکھ سے کانٹا ہوگا۔ اس کی دائیں آنکھ پر انگوٹھی طرح ٹیٹ پھولا ہوگا۔ متفق علیہ (1)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نبی نہیں گزرا مگر اس نے اپنی امت کو کانٹے کذاب سے ڈرایا ہے۔ خبردار! یہ خوب جان لو کہ وہ کانٹا ہوگا اور تمہارے رب کی قدرت کی آنکھ میں کوئی عیب نہیں۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کفر لکھا ہوگا۔ متفق علیہ (2)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں دجال کے بارے میں کچھ باتیں نہ بتا دوں؟ کیونکہ ہر نبی نے اپنی امت کو اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ بتایا ہے۔ بیشک وہ کانٹا ہوگا اور وہ جنت اور دوزخ کو اپنے ساتھ لائے گا۔ پس جسے وہ کہے گا کہ یہ جنت ہے حقیقت میں وہ دوزخ ہوگی۔ میں تمہیں اس کے فتنے سے اس طرح ڈراتا ہوں جیسے نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔ متفق علیہ (3)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک دجال ظاہر ہوگا اور اس کے ساتھ پانی اور آگ دونوں ہوں گے۔ پس وہ شے جسے لوگ پانی گمان کر رہے ہوں گے فی الحقیقت وہ جلانے والی آگ ہوگی اور جسے لوگ آگ دیکھ رہے ہوں گے وہ حقیقت میں ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ہوگا۔ پس تم میں سے جو کوئی اسے پالے تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں گر جائے جسے وہ آگ کی صورت میں دیکھ رہا ہے کیونکہ وہ حقیقت میں ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ہے۔ متفق علیہ (4)۔ اور مسلم شریف میں یہ زائد ہے کہ دجال کی ایک آنکھ نہیں ہوگی بلکہ اس کی جگہ پر ایک موٹا ناخن ہوگا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ کافر لکھا ہوا ہوگا اور ہر مومن اسے پڑھ لے گا چاہے وہ خون لکھا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو (5)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال دائیں آنکھ سے کانٹا ہوگا اس کے بال ٹھنڈے ہونگے۔ اس کے ساتھ اس کی جنت بھی ہوگی اور دوزخ بھی۔ پس جو اس کی دوزخ ہوگی وہ حقیقت میں جنت ہوگی اور جو اس کی جنت ہوگی وہ حقیقت میں دوزخ ہوگی۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے (6)۔

حضرت نواس بن سمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا اگر وہ میرے تم میں موجود ہونے کی حالت میں ظاہر ہوا تو پھر میں تمہاری طرف سے اس کا مقابلہ کروں گا اور اگر وہ میرے چلے جانے کے بعد ظاہر ہوا تو آدمی اپنا مقابلہ خود کرے گا اور اللہ تعالیٰ میری طرف سے ہر مسلمان کا مددگار اور معاون ہوگا۔ دجال ایک ثولیدہ نوجوان ہوگا اس کی آنکھ میں پھولا ہوگا میں اسے عبدالعزیٰ بن قحطف کے مشابہ قرار دیتا ہوں۔ پس تم میں سے جو کوئی اسے پائے تو سورۃ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ کر اس پر دم کرے کیونکہ یہ آیات دجال کے فتنے سے بچاؤ کا سبب بن جائیں گی۔ اس کا خروج شام اور عراق کے درمیان سبزہ زار میں ہوگا۔ وہ اپنے دائیں بائیں فساد اور تباہی برپا کر دے گا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کتنی دیر تک زمین میں ٹھہرے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس دن۔ ان میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا ایک دن ایک مہینہ کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک ہفتے کے مساوی ہوگا اور بقیہ تمام دن تمہارے ان عام دنوں کی طرح ہی ہوں گے تو ہم نے عرض کی وہ دن جو ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ایک دن کی نمازیں ہی ہمارے لیے کافی ہو جائیں گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ

1- مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 472 (قدیمی) 2- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 400 (قدیمی) 3- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 400 (قدیمی)

4- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 400 (قدیمی) 5- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 400 (قدیمی) 6- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 400 (قدیمی)

اوقات کا اندازہ لگا لیتا (یعنی ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں ہوں گی۔ یہ طویل حدیث ہے اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ (1)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا وہ جال ظاہر ہوگا تو اہل ایمان میں سے ایک آدمی اس کی طرف متوجہ ہوگا اور اس سے دجال کے مسلح افراد کی ملاقات ہو جائے گی۔ وہ اس سے پوچھیں گے تو کہاں کا ارادہ رکھتا ہے؟ تو وہ جواب دے گا میں اس کے پاس جانے کا قصد کرتا ہوں جس نے خروج کیا ہے تو وہ مسلح افراد سے کہیں گے کیا تو ہمارے رب کے ساتھ ایمان رکھتا ہے؟ تو وہ جواب میں کہے گا ہمارے رب سے کوئی شے مخفی نہیں ہے تو وہ کہیں گے اسے قتل کرو۔ لیکن انھی میں سے کوئی کہے گا کہ تمہارے رب نے تمہیں اس سے منع کیا ہے تم اس کی اجازت کے بغیر کسی قتل کرو۔ پس وہ اسے دجال کے پاس لے کر چلے جائیں گے تو جب بندہ مومن اسے دیکھے گا تو کہہ اٹھے گا اے لوگو! یہی وہ دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا یہ سن کر دجال اسے توڑ دینے کا حکم دے گا اور کہے گا اسے پکڑ لو اور اسے پھاڑ ڈالو۔ چنانچہ (بترے اور تلوار میں مار مار کر) اس کی پیٹھ اور پیٹ کو پھاڑ دیا جائیگا۔ پھر وہ دجال اس سے پوچھے گا کیا تو اب بھی میرے ساتھ ایمان نہیں لائے گا؟ تو وہ بندہ مومن اسے جواب دے گا تو ہی مسیح دجال اور کذاب ہے تو اس وقت دجال کی طرف سے یہ حکم دیا جائیگا کہ اسے سر کی چوٹی سے لے کر ٹانگوں کے درمیان تک آری کے ساتھ دو حصوں میں چیر ڈالا جائے۔ پھر دجال اس کے دونوں ٹکڑوں کے پاس چل کر آئے گا اور کھڑے ہو کر کہے گا کھڑا ہو جا۔ چنانچہ وہ آدمی سیدھا کھڑا ہو جائیگا۔ پھر وہ دجال اس سے پوچھے گا کیا تو میرے ساتھ ایمان لے آئے گا؟ تو وہ بندہ مومن جواب دے گا تیرے بارے میں میری بصیرت تو بڑھ گئی ہے۔ پھر وہ بندہ مومن کہے گا اے لوگو! میرے بعد یہ کسی سے بھی ایسا نہیں کر سکے گا۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال اسے ذبح کرنے کیلئے پھر پکڑ لے گا لیکن اللہ تعالیٰ اس کی گردن کی جڑ سے لیکر ہتھلی تک ساری گردن کو تاننا دے گا۔ پس وہ اسے ذبح کرنے میں قطعاً کامیاب نہیں ہوگا۔ پھر وہ اس کے ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر اسے آگ میں پھینک دے گا۔ لوگ یہ گمان کر رہے ہوں گے کہ دجال نے اسے آگ میں پھینک دیا ہے حالانکہ فی الحقیقت جنت میں پہنچا ہے تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا رب العالمین کے نزدیک یہ آدمی سب سے عظیم اور بڑا شہید ہوگا اسے مسلم نے روایت کیا ہے (2)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصفہا کے یہودیوں سے ستر ہزار افراد دجال کی اتباع اور پیروی کریں گے۔ وہ اپنے آپ پر شانہ جنتی چادریں اوڑھے ہوں گے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے (3)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال آئے گا مگر مدینہ طیبہ کی گھنائیوں میں داخل ہونا اس پر حرام کر دیا گیا ہے۔ لہذا وہ مدینہ طیبہ سے ملحقہ ریگستانی شوریلے علاقے میں اترے گا۔ پس لوگوں میں سے سب سے اچھا یا ایک بہترین انسان اس کی طرف نکل کر جائے گا تو وہ جا کر اسے کہے گا میں شہادت دیتا ہوں تو وہی دجال ہے جس کے بارے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آغا فرمایا ہے۔ دجال کہے گا تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں اسے قتل کر کے پھرتا تو نہ وہ کر دوں تو کیا تم میرے معاملے میں کوئی شک کرو گے؟ لوگ کہیں گے ہرگز نہیں۔ چنانچہ وہ اسے قتل کر دے گا اور پھر زندہ کر دے گا تو عبد بن جراح اس وقت بیکار اچھے کا حکم بخدا! مجھے تیرے بارے میں آج سے بڑھ کر کبھی بھی بصیرت حاصل نہیں ہوئی۔ پس دجال یہ سن کر اسے بیکارہ قتل کرنے کی کوشش کرے گا لیکن اس پر غالب نہیں آ سکے گا۔ متفق علیہ (4)۔

2۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 3-402 (قدیمی)۔

4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 253 (قدیمی)۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 401 (قدیمی)۔

3۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 405 (قدیمی)۔

حضرت ابو بکرہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسیح و جال کا رب مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوگا۔ اس وقت مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہو گئے اور ہر دروازے پر دو فرشتے مقرر ہو گئے۔ (متفق علیہ) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا و جال سرزمین شرق سے ظاہر ہوگا جسے خراسان کہا جاتا ہے، اس کے پیچھے کئی اقوام ہوں گی جن کے چہرے کوئی ہوئی (چٹنی) ڈھالوں کی مثل ہو گئے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے (2)۔

حضرت اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا و جال زمین پر چالیس سال تک ٹھہرا رہے گا۔ اس کا ایک سال (اپنے مختصر اور بے برکت ہونے کے سبب) ایک مہینہ کی مثل ہوگا اور ایک مہینہ ایک ہفتہ کی مثل ہوگا اور ایک ہفتہ ایک دن کی مانند ہوگا اور ایک دن کھجور کی ایک ٹہنی کے آگ میں گر کر جل جانے کی مثل ہوگا (یعنی بتا قلیل وقت اس ٹہنی کے جلنے میں لگتا ہے) اتنے قلیل وقت کا ایک دن ہوگا (اسے علامہ بخاری نے شرح السنۃ اور معالم میں بیان کیا ہے) (3)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار افراد و جال کی اتباع کریں گے اور وہ تاج پہنے ہوئے ہو گئے (اس ارشاد میں شاید امت سے مراد امت دعوت ہے) اسے علامہ بخاری نے شرح السنۃ اور معالم میں ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس وقت و جال کی اتباع کرنے والے ستر ہزار یہودی ہو گئے جو تاج پہنے ہوئے اور تلواریں سجائے ہوئے ہو گئے۔ (رواہ البخاری) (4)۔

حضرت اسماء بنت یزید الانصاری رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں جلوہ افروز تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے و جال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا بیشک اس کے سامنے تین سال ایسے آئیں گے کہ ایک سال میں آسمان اپنی بارش کا تیسرا حصہ روک لے گا اور زمین نباتات کا تیسرا حصہ روک لے گی (یعنی اس میں سبزہ تیسرا حصہ کم اگے گا) دوسرے سال آسمان دو تہائی بارش کو روک لے گا اور زمین دو تہائی نباتات روک لے گی اور تیسرے سال آسمان مکمل طور پر بارش کو روک لے گا اور زمین مکمل طور پر نباتات کو روک لے گی (یعنی زمین سے کوئی شے نہیں اگے گی) اور ہر طرف قحط سالی پھیل جائے گی۔ نتیجہ کوئی کھروں اور ڈھڑھوں والا جانور باقی نہیں رہے گا وہ تمام ہلاک ہو جائیں گے اور و جال کے فتنوں میں سے شدید ترین فتنہ یہ ہوگا کہ وہ ایک اعرابی کے پاس آ کر کہے گا تیرا کیا خیال ہے کہ اگر میں تیرے لیے تیرے اونٹوں کو زندہ کروں تو تو یقیناً نہیں کرے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ جواب دے گا کہ کیوں نہیں۔ پس و جال شیطانوں کو اونٹوں کی شکلوں میں اس کے سامنے کر دے گا۔ جن کے تھن انتہائی حسین اور کوہانیں بڑی بڑی ہوں گی۔ مزید فرمایا ایک ایسا آدمی آئے گا جس کا بھائی اور باپ مر چکے ہو گئے تو و جال اس سے کہے گا تیرا کیا خیال ہے اگر میں تیرے بھائی اور باپ کو زندہ کر دوں تو تو مجھے اپنا رب تسلیم کر لے گا؟ تو وہ آدمی جواب دے گا کیوں نہیں۔ پس وہ شیطانوں کو اس کے بھائی اور باپ کی شکل میں اسکے سامنے کر دے گا۔ آپ فرماتی ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کی غرض سے باہر تشریف لے گئے۔ پھر وہاں شریف لائے تو جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے و جال کے متعلق بتایا تھا اس کے سبب قوم انتہائی غم و اندوہ میں مبتلا ہو گئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر ارشاد فرمایا

2- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 47-48 (ناروتی)

1- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 253 (قدیمی)

4- تفسیر بخاری، جلد 6، صفحہ 84 (نہاریہ)

3- تفسیر بخاری، جلد 6، صفحہ 83 (نہاریہ)

اے اسماء! کیا بات ہے کیوں پریشان ہیں؟ تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جا ل کا ذکر سن کر ہمارے دل باہر نکلے جا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری ظاہری حیات میں اس کا خروج ہوا تو میں اس کا مقابلہ کروں گا ورنہ میری جگہ پر مومن کا گنہگار میرا رب ہوگا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بیشک ہم آنا گوندھتے ہیں اور ابھی اس کی روٹیاں پکانے نہیں پاتے کہ بھوکے ہو جاتے ہیں تو اس دن مومنوں کا حال کیا ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تسبیح خداوندی ان کے لیے بھی کافی ہوگی جو اہل آسمان کیلئے کافی ہوتی ہے (۱)۔ رواہ احمد و ابی حنیفہ فی العالم۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ سے بڑھ کر کسی نے بھی وصال کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال نہیں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا۔ وہ مجھے کوئی نقصان اور ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ میں نے عرض کی لوگ کہتے ہیں کہ روٹی کا پھار اور پانی کا دریا اس کے ساتھ ساتھ ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ پر اس کی نسبت بہت آسان ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ یہ چیزیں رکھنے کی ضرورت ہی نہیں) (متفق علیہ) (2) جب اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں ارشاد فرمایا وَلَٰكِنَّ أَكْثَر النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) تو آگے آنے والی آیت میں اس پر متنبہ کیا کہ جاہل اندھے کی طرح ہوتا ہے اور عالم صاحب بصارت (دیکھنے والے) کی طرح ہوتا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا
الْمُسِيءَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَأَتِيَةٌ ۖ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ
أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾

”اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور (اسی طرح) مومن نیکوکار اور بدکار یکساں نہیں۔ تم بہت کم غور کرتے ہو لے یقیناً قیامت آ کر رہے گی ذرا شک نہیں ہے اس میں لیکن بہت سے لوگ (قیامت پر) ایمان نہیں لاتے ج“

۱۔ جاہل اور عالم، نیکوکار اور بدکار یکساں نہیں ہیں۔ اسی لئے ان کیلئے ایک ایسے محل کا ہونا ضروری ہے جس میں ان کے درمیان تفاوت اور فرق ظاہر ہو۔ دنیا میں تو ان کے مابین کوئی تفاوت محسوس نہیں ہوتا البتہ مرنے کے بعد اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد وہ فرق ضرور ظاہر ہوگا، وَلَا الْمُسِيءَ میں لازماً ہے۔ کیونکہ مقصود نیکوکار سے اسکی مساوات کی نفی ہے۔ کیونکہ اس کیلئے تو ثواب اور عزت و کرامت ہوگی۔ اور دوسرے حرف عطف کے بعد احم موصول (الذین) اپنے معطوفات سے مل کر الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ پر معطوف ہے اور عطف سے مقصود دونوں معنوں میں اختیار پائے جانے کا اظہار ہے۔ یا صراحة اور تمثیلاً دو متعارف معنوں پر دلالت کرتا ہے۔

تم بہت کم غور کرتے ہو۔ اس میں یا تو قلیل، اذ کو کی صفت ہے۔ یعنی تذکر قلیلاً، یا قلیلاً زماناً کی صفت ہے یعنی زماناً قلیلاً تم تھوڑی دیر کیلئے سمجھتے ہو۔ تعد کو کو کوفیوں نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے یا تو مخاطب کو غلبہ دیتے ہوئے یا طریقہ التفات پر یا خطاب کے سبب رسول علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے اور باقیوں نے اسے یا ء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ آیات کی ابتدا اور آخر میں غیبی قوم کے بارے خبر ہے اور اس جمع کی ضمیر الناس یا الکفار کی جانب لوٹ رہی ہے۔

۲۔ اس میں ذرا شک نہیں ہے یقیناً قیامت آ کر رہے گی یہاں تک کہ نیکوکار اور بدکار کے درمیان تفاوت اور فرق ظاہر ہو جائے گا۔ اس

کے آنے میں ذرا ٹک نہیں کیونکہ اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اس کا خلاف ہونا محال اور ناممکن ہے لیکن بہت سے لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنی غفلت، بد بختی اور محسوسات میں کم غور و فکر کرنے کے سبب وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تصدیق نہیں کرتے اور اسے سچا تسلیم نہیں کرتے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ
سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ ذٰلِحِيْنَ ۝۱۰

”اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بیشک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ مغرب جہنم میں داخل ہو گئے ذلیل و خوار ہو کر۔“

۱۔ ادعونیٰ میں یاد کو ان کی کثیر سے متوجہ پڑھا ہے اور باقیوں نے ساکن۔ بعض نے کہا ہے اس کا معنی ہے کہ تم میری ہی عبادت کرو میرے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو۔ چونکہ عبادت کو دعا سے تعبیر کیا گیا ہے اس لیے استجبیکم کے کل میں استجب لکم فرمایا۔ (یعنی میں تمہیں ثواب دوں گا کی بجائے فرمایا میں تمہاری دعا قبول کروں گا) اور اس بات پر قرینہ کہ دعا سے مراد عبادت ہے اور قبول کرنے سے مراد ثواب دینا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ ذٰلِحِيْنَ۔ یعنی جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ مغرب جہنم میں داخل ہو گئے۔

۲۔ ان کثیر، اکثر، اجماع اور ابو بکر نے سَيَدْخُلُوْنَ کا ساتھ ساتھ مدح و ثناء کی صورت میں پڑھا ہے اور باقیوں نے یاد اور خادہ دونوں کو ضمہ کے ساتھ صیغہ معروف کی صورت میں پڑھا ہے۔

ظاہر بات یہ ہے کہ دعا اور عبادت دونوں سے مراد سوال ہے۔ کیونکہ بندہ ہر شے مانگتے اور اس کے بارے سوال کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوتا ہے اور کسی بھی شے کیلئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرنا ہی کمال عبودیت ہے اور اسی میں اللہ تعالیٰ کو بے نیاز تسلیم کرنے اور اپنے آپ کو اس کا محتاج قرار دینے کا اظہار ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے بعض لوگ اپنی تمام تر حاجات و ضروریات کے متعلق اپنے رب سے سوال کرتے ہیں حتیٰ کہ جب ان کے جوئے کا تمہہ ٹوٹ جائے تو اس کا سوال بھی اپنے رب ہی سے کرتے ہیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے (۱)۔ اور حضرت ثابت بن ابی مرسل روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں یہاں تک کہ وہ نمک کا سوال بھی اپنے رب سے کرتے ہیں اور جب کسی کے جوئے کا تمہہ کٹ جائے تو وہ بھی اپنے رب سے ہی مانگتے ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک دعا ہی عبادت ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت طیبہ پڑھی اِدْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ ذٰلِحِيْنَ (۲) اسے احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی مسانید میں نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں، حاکم نے مستدرک میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت نعمان بن بشیر سے بھی حدیث نقل کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی پر یہ فرماتے سنا اگے مذکور حدیث ہی بیان کی (۳)۔ حضور نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ان الدعاء هو العبادۃ میں ہو ضمیر فصل ہے اور اعبادۃ خبر معرف بالام ہے تو اس قسم کی ترتیب کام میں مسند (خبر) کو مسند الیہ (مبتدا) میں محصور کرنا مقصود ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے ان اللہ هو الرزاق یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رزاق نہیں اور کبھی مسند الیہ کو مسند پر محصور کرنے کا قصد بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ اس قول میں ہے الحکم هو التقویٰ و الحبب هو الایمان یعنی تقویٰ ہی عزت ہے اس کے سوا کوئی عزت نہیں۔ ایمان ہی نسب ہے اس کے سوا کوئی نسب نہیں مذکورہ حدیث میں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں اور یہاں حصر اظہار مبالغہ کیلئے ہے۔ شاید اس سے مراد یہ ہے کہ دعا اور عبادت ذات کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں اور مفہوم اعتبار کے لحاظ سے دونوں مختلف ہیں کیونکہ ہر دعا اور سوال عبادت اور طاعت ہے کیونکہ سوال میں عاجزی اور احتیاج کا اظہار ہوتا ہے اور لغت میں عبودیت کا معنی ہے اظہار التذلل والا فقار یعنی عاجزی اور احتیاج کا اظہار کرنا اور عبادت میں یہ معنی زیادہ پایا جاتا ہے کیونکہ اس کا معنی ہوتا ہے غایت التذلل۔ یعنی حدود و عاجزی و انکساری کا اظہار کرنا عبادت کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی اس کا استحقاق نہیں رکھتا جیسا کہ ارشاد خداوند تعالیٰ ہے - وَهَٰذَا نَبَأُ الْكَافِرِ اور ہر عبادت و طاعت سوال ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی عرفات میں اکثر یہ دعائی لالہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ للہ الحمد وھو علی کل شیء قدید (1)۔ اسے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں نقل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَخُذْ مِنْهُمْ مِّنَ الْمُضْمِنِ الَّذِیْنَ

علامہ جزیری نے نہایت میں کہا ہے کہ تہلیل و تہمید کو دعا کا نام دیا گیا ہے اس لئے کہ تہلیل (لا الہ الا اللہ) اور تہمید (الحمد للہ کہا) یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ثواب و جزا پانے میں دعا کی مشق ہیں (یعنی جس طرح دعا سے اجر و ثواب ملتا ہے اس طرح تہلیل و تہمید سے بھی اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے) جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب میرے بندے کو میری حمد و ثناء کسی شے کے بارے مجھ سے کچھ سوال کرنے اور کچھ مانگنے سے مشغول رکھتی ہے تو میں اسے ان کی نسبت زیادہ دیتا ہوں جتنا سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں۔ ترمذی اور مسلم میں حدیث موجود ہے کہ جسے قرآن کریم (کی تلاوت) نے میرے ذکر اور مجھ سے کسی شے کا سوال کرنے سے مشغول رکھا میں اسے مانگنے والوں کی نسبت زیادہ عطا کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے جسے قرآن (کی تلاوت) اور میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھتا ہے الحمد یرث (2)۔ (میں اسے مانگنے والوں کی نسبت زیادہ دیتا ہوں) جانا چاہئے بعض مقامات پر دعا فرض ہے۔ مثلاً نماز کے دوران سورۃ فاتحہ میں اٰھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (3)۔ یا سنت مؤکدہ ہوتی ہے۔ مثلاً آخری قعدہ میں دعا کرنا اور مقامات حج میں دعائیں کرنا وغیرہ۔

بعض دعائیں حرام یا مکروہ ہوتی ہیں۔ مثلاً صرف لذات دنیا کے بارے سوال کرنا کسی امر معصیت (گناہ) کیلئے دعا مانگنا اور ایسی شے کے بارے سوال کرنا جو کمال محال ہو۔ یا محال کے معنی میں ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا بعض لوگ یہ دعا مانگتے ہیں ربنا اتنا فی الدنیا۔ (اے ہمارے رب ہمیں دنیا عطا فرمایا) تو ایسی دعا کرنے والوں کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا وَلَا تَسْتَبِقُوا فِی الدِّیْنِ فَمَنْ يَتَسَبَّحْ بِحَمْدِ اللَّهِ فَقَدْ جَارَىٰ سَبْحَ الْمَلَائِكَةِ اور تم اس کی آرزو اور خواہش نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے (پس ہر ایسی شے اور امر کے بارے سوال کرنا جس کا بندہ دنیا اور آخرت میں محتاج ہوتا ہے اور ہر شر اور برائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا مستحب ہے۔ اس پر علماء کا اجماع ہے۔

زائدوں کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ دعا نہ کرنا اور کچھ نہ مانگنا افضل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور رضا بالقضاء کا اظہار زیادہ ہوتا ہے۔

اور کیا گروہ نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کیلئے کرے تو پھر اچھا ہے اور اگر صرف اپنے لئے ہی دعا کرے تو یہ اچھا نہیں۔ ہمارا موقف کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع سے ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی شے بھی قابل تکرم نہیں (۱)۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ علاوہ ازیں ابن ماجہ اور حاکم نے بھی بیان کیا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے۔ اسے ترمذی نے بیان کیا (2)۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کے بارے سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے کہ اس سے کچھ سوال کیا جائے اور افضل ترین عبادت کشائش کا انتظار ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے (3)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب اور ناراضگی کا اظہار فرماتا ہے (4)۔ اسے ترمذی ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ ان احادیث سے مقصود یہ ہے کہ جو کوئی تکبر اور غرور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کچھ نہیں مانگتا تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب و ناراضگی کا اظہار فرماتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَكَنَافٍ سَخِرَ لَكَ مِنَ الْأَرْضِ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ لِّكَ (خروج ۱۷)۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا کرنے میں عجز (ضعف اور کمزوری) کا اظہار نہ کرو کیونکہ دعا کے ہوتے ہوئے کوئی بھی ہرگز ہلاک نہیں ہوگا (5)۔ اسے ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دعا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے (6)۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے جس کیلئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کیلئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے اور جس چیز کے بارے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے ان میں اس کے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ اس سے عافیت کے بارے سوال کیا جائے (7)۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں اسے بیان کیا ہے اس میں الفاظ اس طرح ہیں کہ اس کیلئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

فصل :- یہ فیصل اس بیان میں ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے اس کیلئے قبولیت دعا کا وعدہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس کیلئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا تو اس کیلئے قبولیت کے دروازے کھول دیئے گئے (8)۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

1- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 173 (فاروقی) 2- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 173 (فاروقی) 3- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 197 (فاروقی)

4- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 173 (فاروقی) 5- صحیح ابن حبان، جلد 3، صفحہ 153 (موسسہ ابراہیم) 6- مستدرک حاکم، جلد 1، صفحہ 472 (انصر)

7- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 193 (فاروقی) 8- مستدرک ابن ابی شیبہ، جلد 6، صفحہ 22 (دارالمنہج)

بیشک تمہارا رب بڑے حیاء والا اور بڑا کریم و دخی ہے۔ اسے اپنے بندے سے حیاء آتی ہے کہ جب بندہ اس کی بارگاہ میں اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ انہیں خالی واپس لوٹا دے (1)۔ اسے ترمذی ابو داؤد اور ترمذی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی کوئی مسلمان اپنے رب سے دعا مانگتا ہے درآئیکہ نہ اس میں گناہ ہو اور اس میں کوئی قطع تعلقی ہو تو اللہ تعالیٰ تین چیزوں میں سے ایک اسے ضرور عطا فرمادیتا ہے۔ یا تو اس کی دعا جلدی پوری فرمادیتا ہے۔ یا اسے آخرت میں اس کیلئے ذخیرہ کر دیتا ہے۔ یا پھر اس دعا کی مثل اس سے کسی برائی اور شر کو دور فرما دیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی زیادہ دعائیں ہم کیوں نہ کریں (جب بھی ہمارے لئے یہ معاوضہ ہوگا؟) تو آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے پاس سب سے زیادہ ہے اور ضرور عطا فرمائے گا (2)۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بندے کی دعا قبول کر لی جاتی ہے جبکہ وہ گناہ اور قطع تعلقی کے بارے نہ ہو اور بندہ جلدی کا خواہشمند نہ ہو۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلبت پسندی کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ بندہ کہتا ہے میں نے دعا کی میں نے دعا کی بار بار دعا کی لیکن مجھے اس کی قبولیت کے آثار نہیں دکھائی دیئے۔ پس اس وقت وہ تھک جاتا ہے اور دعا مانگتا پھوڑ دیتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے (3)۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک دعا (ان مصائب کو دور کرنے میں) نفع بخش ثابت ہوتی ہے جو دعا سے نفس تازل ہو چکی ہوتی ہیں اور ان کے بارے بھی جو ابھی نازل نہیں ہو چکی ہو تو بس (بلکہ بعد میں امکان ہوتا ہے) پس اے اللہ تعالیٰ کے بندو! تم پر لازم ہے کہ دعا مانگو (4)۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے ورواہ احمد بن معاذ بن جبل اور ترمذی نے حضرت جابرؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہی عطا فرمادیتا ہے جو وہ مانگتا ہے یا وہ اس کی مثل برائی اور شر اس سے دور فرمادیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ گناہ اور قطع تعلقی کے بارے دعا نہ کرے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے (5)۔

فصل :- یہ فیصل ان کے بیان میں ہے جن کی دعا روئیں کی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین (آدمیوں کی) دعائیں مقبول ہوتی ہیں ان کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ والد کی دعا، مسافر کی دعا اور مظلوم کی دعا (6)۔ اسے ترمذی ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ہیں جن کی دعا روئیں کی جاتی ایک روزے دار کی دعا، جبکہ وہ روزہ افطار کرتا ہے۔ دوسرا عادل حکمران کی دعا اور تیسرا مظلوم کی دعا۔ مظلوم کی بددعا بالوں سے اوپر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند ہو جاتی ہے اس کیلئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب کریم فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم! میں ضرور یہ ضرور تیری مدد کروں گا اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی ہو۔ ورواہ ترمذی (7)۔

حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان آدمی کی اپنے مسلمان بھائی کی عدم

- | | | |
|---|---|---------------------------------------|
| 1- سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 403 (ابراہم) | 2- مجمع الزوائد، حدیث: 17210 (القرطبی) | 3- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 352 (قدیمی) |
| 4- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 193 (قاروقی) | 5- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 174 (قاروقی) | |
| 6- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 182 (قاروقی) | 7- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 199 (قاروقی) | |

موجودگی میں اس کیلئے دعا مقبول ہوتی ہے۔ جب بھی وہ اپنے بھائی کیلئے بھلائی اور خیر کی دعا کرتا ہے تو اس کے سر کے پاس موجود مقدر فرشتہ اس دعا پر کہتا ہے امین ولک بمعطہ (یعنی تیرے بھائی کے حق میں بھی یہ دعا قبول ہو اور تیرے حق میں بھی یہی قبول ہو جائے) اسے مسلم نے روایت کیا ہے (1)۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا پانچ آدمیوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ایک مظلوم کی دعا یہاں تک کہ وہ غالب آ جائے۔ حاجی کی دعا یہاں تک کہ وہ اس آ جائے۔ مریض کی دعا یہاں تک کہ شفا یاب ہو جائے۔ ایک بھائی کی دوسرے مسلمان بھائی کیلئے اس کی عدم موجودگی میں دعا۔ پھر فرمایا تمام دعاؤں کی نسبت زیادہ تیزی اور جلدی کے ساتھ قبول ہونے والی یہی بھائی کی دعا ہے جو دوسرے بھائی کیلئے اس کی عدم موجودگی میں کرتا ہے (2)۔ اسے تیسری دعا و دعوت الکبیر میں نقل کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے زیادہ تیزی اور جلدی کے ساتھ قبول ہونے والی دعا ایک بھائی کی دوسرے کے عاقب بھائی کیلئے کی جانے والی دعا ہے (3)۔ اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔
فصل :- یہ فصل دعا کی قبولیت کی شرائط کے بیان میں ہے 1۔ اس میں بنیادی چیز کھانے پینے اور لباس میں حرام چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جو کہ انسان کا کھانا پینا اور لباس حلال طیب اور طہر ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹک ایک آدمی طویل سفر کرتا ہے۔ اس کے بال پر اگندہ ہوتے ہیں (جسم) غبار آلود ہوتا ہے وہ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے یا رب یا رب اے میرے رب اے میرے پروردگار حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے اس کا پینا حرام ہے اس کا لباس حرام ہے اور حرام سے ہی اس نے پرورش پائی ہے تو اس کی دعا کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے (4)۔

2۔ دعا کے وقت حضور قلب بھی شرط ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو درآنحائیکہ تمہیں اس کی قبولیت کا یقین ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل سے مانگی جانے والی دعا قبول نہیں فرماتا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے (5)۔

3۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دعا خوب عزم اور کوشش کے ساتھ کی جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو نہ کہے اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے۔ بلکہ پورے عزم کے ساتھ اور انتہائی رنجش کے ساتھ دعا مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے جو عطا فرماتا ہے وہ چیز اس کے نزدیک کوئی بڑی نہیں ہوتی۔ رواہ مسلم (6)۔
فصل :- یہ فصل دعا کے آداب اور سنن کے بیان میں ہے۔

حضرت فضالہ بن عیینہ بیان فرماتے ہیں کہ اس اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک آدمی آیا اور اس نے نماز ادا کی۔ اور یہ دعا مانگی اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اے نمازی! تو نے جلدی کی ہے۔ جب تو نماز پڑھ چکے اور بیٹھ جائے تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح حمد و ثناء بیان کر جس کے وہ اہل ہے اور مجھ پر درود پاک پڑھ پھر دعا مانگ۔ راوی فرماتے ہیں پھر اس کے بعد ایک دوسرا آدمی آیا۔ پس اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان

1۔ صحیح مسلم جلد 2، صفحہ 352 (قدیمی)
2۔ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ 196 (قدیمی)
3۔ سنن ابی داؤد جلد 5، صفحہ 446 (ارشاد)
4۔ صحیح مسلم جلد 1، صفحہ 326 (قدیمی)
5۔ جامع ترمذی جلد 2، صفحہ 186 (فاروقی)
6۔ صحیح مسلم جلد 2، صفحہ 342 (قدیمی)

کی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اے نمازی اب دعا مانگ۔ تیری دعا قبول کی جائے گی۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے (1)۔ اسی طرح سے ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا (اس حال میں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ بھی تشریف فرما تھے۔ پس جب نماز پڑھ کر بیٹھ گیا۔ تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھا پھر اپنے لئے دعا کی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اب مانگ تجھے عطا کیا جائے گا۔ رواہ الترمذی (2)۔ حضرت عمر بن خطابؓ کا بیان ہے آپ فرماتے ہیں کہ دعا زمین و آسمان کے درمیان ہی موقوف ہو جاتی ہے۔ اس میں سے کوئی شے بھی اوپر نہیں جڑھتی جب تک کہ تو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھ لے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے (3)۔

حضرت مالک بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو دعا مانگو تو اپنی ہتھیلیوں کو پھیلا کر دعا مانگو۔ اپنی ہتھیلیوں کی پشتیں ظاہر کر کے نہ مانگو (4) اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے۔ سَلُّوْا اللّٰهَ بَطْنُوْنَ اَكْفُفِكُمْ وَلَا تَسْلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَاِذَا قَرَأْتُمْ فَلَا تَسْخَوْا بِهَا وَجُوهَكُمْ۔ اپنی ہتھیلیوں کے باطن (یعنی اندرونی حصہ) کو پھیلا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو۔ اپنی ہتھیلیوں کے پشتوں کے سب کچھ نہ مانگو اور جب تم دعا سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھ اپنے چہروں پر پھیر لو۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے (5)۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے ہاتھ دعا کیلئے بلند کرتے تھے تو انہیں اپنے چہرہ مقدس پر پھیرے بغیر نیچے نہیں رکھتے تھے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے (6)۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیلئے جامع الفاظ پسند فرماتے تھے اور اس کے علاوہ دیگر الفاظ چھوڑ دیتے تھے۔ رواہ ابوداؤد (7)۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے وقت اپنے ہاتھ اتنے بلند فرماتے تھے کہ آپ کی ہتھیلیوں کی سفیدی دکھائی دینے لگتی تھی (8)۔

حضرت سائب بن یزیدؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو اپنے دست مبارک کو بلند کرتے تھے پھر اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرتے تھے (9)۔ اسے بخاری نے الدعوات الکبریٰ میں نقل کیا ہے۔ حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا دعا کا طریقہ یہ ہے کہ تو اپنے ہاتھ اپنے کندھوں یا ان کے قریب تک بلند کرے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے (10)۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ تمہارا ہاتھوں کو بلند کرنا بدعت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے (یعنی سے) زیادہ اپنے دست مبارک بلند نہیں کئے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے (11)۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا ذکر کرتے اور اس کیلئے دعا مانگتے تو دعا کا آغاز اپنے

1- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 186 (فاروقی)	2- جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 76 (فاروقی)	3- جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 64 (فاروقی)
4- سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 401 (ارشاد)	5- سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 399 (ارشاد)	
6- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 174 (فاروقی)	7- سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 397 (ارشاد)	8- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 140 (قدیمی)
9- مشکوٰۃ الصالح، صفحہ 196 (قدیمی)	10- سنن ابی داؤد، جلد 5، صفحہ 403 (ارشاد)	11- مشکوٰۃ الصالح، صفحہ 196 (قدیمی)

آپ سے فرماتے تھے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن 'غریب' صحیح ہے (1)۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَر النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿١١﴾ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآَنَ يُتَوَفَّكُم ۚ ﴿١٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاِلٰهِيْهِ يَحْضَرُوْنَ ﴿١٣﴾

”اللہ ہی ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے رات تاکہ تم آرام کرو اس میں اور (بنایا ہے) دن کوروشن۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا فضل (و کرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ (اس کی نعمتوں کا) شکر ادا نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب پیدا کرنے والا ہر چیز کا۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے۔ پس کیسے راہ حق سے تم روگردانی کرتے ہو۔ اسی طرح (راہ حق سے) منہ پھیر دیا جاتا ہے ان (بد نصیبوں) کا جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ج۔“

لِتَسْكُنُوا فِيهِ تاکہ تم رات کے وقت نیند کے سبب راحت و سکون حاصل کرو اور النَّهَارَ مُبْصِرًا کا معنی ہے دن کوروشن بنایا۔ یعنی دن کے وقت ہر جانب دیکھا جاسکتا ہے (رات کے اندھیرے اور تاریکیوں کا فور ہو جاتی ہیں) البصائر کی نسبت دن کی طرف مجازی ہے اور مبالغہ کیلئے ہے۔ اسی لئے علت بیان کرتے وقت اس سے عدول کیا گیا اور فرمایا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ بیشک اللہ تعالیٰ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے۔

لَا يُتَوَفَّكُمُ لٰكِن اَكْثَرُ لَوْگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے اس لئے کہ وہ منعم حقیقی کی معرفت سے جاہل ہیں اور وہ نعمتوں کی اہمیت اور مواقع اور اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی عظمت سے غافل ہیں اور الناس کا لفظ دو بار اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کفران نعمت انہی کے ساتھ مختص ہے۔ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جو کفران نعمت کرتے ہیں اور شکر بجا نہیں لاتے جیسا کہ اس ارشاد میں بھی ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَكٰفِرٌ ۝۱۰۔

ترکیب کلام میں جملہ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ قَوْلٍ بَارِئِ تَعَالٰی هُوَ الَّذِيْ يُّوْكِكُمْ اِيَّاهُ کے ساتھ متصل ہے۔ اسم جلال لفظ اللہ مبتدأ ہے اور الذی اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر اس کی خبر ہے۔ یا اسم جلال خبر مبتدأ محذوف کی ہے اور اسم موصول اسم جلال کی صفت ہے۔

ج۔ ذَلِكُمْ ترکیب کلام میں یہ مبتدأ ہے مابعد کلام خبر ہے۔ وہ ذات جس کے ساتھ وہ تمام افعال خاص ہیں جو الوہیت و ربوبیت کا تقاضا کرتے ہیں۔ وہی اللہ ہے اس کے سوا اور کوئی تمہارا رب نہیں۔ وہی ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے چاہے وہ جوار ہو یا اعراض اور بندوں کے افعال۔ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی اور ایسا نہیں جو ان صفات میں سے کسی سے متصف ہو جو اس کی الوہیت کا تقاضا کرتی ہوں اور مستوجب عبادت ہو۔ پھر کیسے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے دوسروں کی عبادت کی طرف روگردانی کرتے ہو۔ یہ چاروں کی چاروں اخبارتہ از ادھ ہیں۔ جیسے کفار مکہ کا منہ پھیر دیا گیا اسی طرح راہ حق سے ان بد نصیبوں کا منہ پھیر دیا جاتا ہے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

وَمَا دَعَاكُمْ مِنَ الصَّبِیَّتِ ۚ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ ۖ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ۝ هُوَ
الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَادْعُوهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

”اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت (کی مانند) اور تمہاری صورت
گہری کی اور حسین بنادیا تمہاری صورتوں کو اور کھانے کیلئے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں۔ ایسی (خوبیوں والا) اللہ
تمہارا پروردگار ہے۔ پس بڑی ہی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہی ہمیشہ زندہ رہنے
والا ہے۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے پس اس کی عبادت کرو اپنے دین کو اس کیلئے خالص کرتے ہوئے۔ سب
تقریضیں اللہ کیلئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔“

اے فو! کامعنی ہے مستحق شہر بننے کی جگہ۔ قرار گاہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار گاہ بنایا ہے اور آسمان کو
تمہارے اوپر چھت بنایا ہے۔ یہ دوسرا استدلال ہے ایسے افعال کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقص ہیں اور اے لوگو! اس نے تمہاری
صورت گہری کی اور تمہاری صورتوں کو حسین بنایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری تخلیق فرمائی کہ تمہارے قد سیدھے اور موزوں ہیں۔ جلد
صاف ہے اعضا مضامنتا ہے اور انہیں صنعت و کار گہری کے حصول اور کمالات کے اکتساب کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ
نے فرمایا: ”اے آدم کو سیدھا اور معتدل پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ سے کھانا لیتا اور پکڑتا ہے اور دوسرے اپنے منہ سے کھانا پکڑتے
ہیں۔ (1)۔“

اور اس نے تمہیں کھانے کیلئے پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں۔ یعنی طرح طرح کے لذیذ کھانے عطا فرمائے۔ ترکیب کلام میں اسم
جلالت لفظ اللہ مبتدا ہے اور اسم موصول انکی خبر ہے۔ یا وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور وہ محو ہے اور اسم موصول اس کی صفت ہے اور یہ
جملہ سابقہ جملہ کی تقریر تائید کیلئے ہے۔

ایسی خوبیوں والا اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ پس بڑی ہی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ کیونکہ اس کے سوا
بر شے کسی کی پروردہ ہے۔ بالذات اسی کی محتاج ہے اور زوال پذیر ہے۔

وہی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ یعنی وہ اپنی اس حیات ذاتیہ میں مغرور اور دیکھتا ہے جو اس کی ذات اور جود (کے واجب ہونے کا)
نفاضا کرتی ہے۔ اگرچہ وجوب اور جود دونوں اس کی صفات کمال ہیں لیکن یہ دونوں اس کی ذات کا پرتو ہیں (جیسا کہ دیگر صفات اس
کی ذات کا پرتو ہیں)

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَادْعُوهُ ۚ هُوَ مُسْتَقِیٌّ وَهُوَ خَبِرٌ ۚ یعنی عبادت کے مستحق وہی ہوتا ہے جس کی یہ شان ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے بھی
اس طرح نہیں۔ پس تم اس کی عبادت کرو اور اس سے اپنی حاجات کے بارے سوال کیا کرو۔ فادْعُوہ میں فاسیہ ہے۔ کیونکہ جو صفات
اوپر ذکر کی گئی ہیں وہی عبادت کا موجب ہیں۔

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ کامعنی ہے دین اور اطاعت و عبادت کو شرک اور پاک کاری سے پاک کرتے ہوئے اور خالص اللہ تعالیٰ کے لئے
کرتے ہوئے۔ سب تقریضیں اللہ کیلئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ الحمد للہ الخ سے پہلے کا طعن محذوف ہے۔ یعنی یہ جملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ فرائض نے کہا ہے کہ یہ جملہ خبر ہے اور اس میں او مضمرب ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے فادعوه و قولوا الحمد للہ رب العالمین۔ (پس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ) (1)۔

مجاہد نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو آدمی یہ کہے لا الہ الا اللہ تو اسے چاہئے کہ اس کے بعد یہ کہے الحمد للہ رب العالمین۔ پس یہی مفہوم رب کریم کے اس ارشاد کا ہے۔ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (2)۔ واللہ اعلم۔

جوہر نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں اس سے رجوع کر لیں اور اپنے آباؤ اجداد کے دین پر کاربند رہو تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (3)۔

قُلْ اِنِّیْ نُهَیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الْاَلٰہِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَمَّا جَاءَنِ الْمُبِیْتُ مِنْ رَبِّیْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ ۙ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُوْا اَشْدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شَیْوًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَنْ یُّتَوَفٰی مِنْ قَبْلِ وَّلِیْتَلُوْا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ۙ هُوَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قُضِیَ اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَکُمْ فِیْکُوْنُ ۝

”آپ فرمادیجئے کہ مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا (میں ان کی عبادت کیسے کر سکتا ہوں) جب آگئی ہیں میرے پاس دلیلیں اپنے رب کی طرف سے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سر تسلیم خم کروں رب العالمین کے سامنے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے پھر نکالا تمہیں (شکم مادر سے) بچہ بنا کر پھر (پرورش کی تمہاری) تاکہ تم پہنچو اپنی جوانی کو پھر (جہیں زندہ رکھا) تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور بعض تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں پہلے ہی اور (یہ سارا نظام اس لئے ہے) کہ تم پہنچ جاؤ مقررہ معاد تک اور تاکہ تم (اپنے رب کی عظمتوں کو) سمجھنے لگ جاؤ۔ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پس جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اتنا فرماتا ہے اسے کہ ہو جاؤ وہ کام ہو جاتا ہے۔“

۱۔ لَمَّا جَاءَنِ الْمُبِیْتُ مِنْ رَبِّیْ۔ جبکہ میرے پاس اپنے رب کی طرف سے ایسی دلیلیں اور نشانیاں آگئی ہیں جو اولہ عقلیہ کے سبب قوی اور مضبوط ہیں اور وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے سے روکتی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کروں یعنی اسی کی اطاعت کروں اور اپنے دین کو اسی کیلئے خالص کر دوں۔

۲۔ طِفْلًا اطفال جمع کے معنی میں ہے اور مفرد ذکر کر کے مراد جنس لی گئی ہے۔ یا پھر تاویل عبارت اس طرح ہے۔ یخبر حکم کل واحد منکم طفلاً۔ (پھر تم جس سے ہر ایک کو حکم مادر سے بچہ بنا کر نکالا۔ لتبلووا افضل محذوف کے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے تم بے یقینکم لتبلووا۔ (پھر جہیں زندہ باقی رکھا تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ) اور ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شَیْوًا میں بھی اسی طرح ہے۔ اور اس کا عطف لتبلووا پر کرتا بھی جائز ہے۔

نافع، ابو عمرو، حفص اور ہشام نے شیوخ میں شیعین کو مضموم پڑھا ہے اور باقیوں نے شیعین کو مکسور پڑھا ہے۔

سے اور تم میں سے بعض بڑھاپے یا جوانی کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ اس لئے کرتا ہے تاکہ تم مقررہ عرصہ تک پہنچ جاؤ۔ یعنی اس مہینہ وقت تک پہنچ جاؤ جس سے آگے وہ تہجد اور نہیں کر سکیں گے۔ اس سے مراد موت تک حیات دنیویہ کی مدت ہے اور تاکہ تم سمجھ لو ان دلہا کی قدرت اور شانائت عبرت کو جو اس میں موجود ہیں۔

یہ قَلْبُ اِنْفِصَیٰ پس جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اسے صرف اتنا فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ اسے اس کام کے کرنے کیلئے کسی نوع کی تکلیف اٹھانے کی حاجت محسوس نہیں ہوتی۔ فَاِذَا مِیْنُ فَاِذَا مِیْنُ بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ یہ کلام سابقہ کلام کا نتیجہ ہے۔ اس طرح کہ وہ کلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ذاتی ہے وہ کسی ساز و سامان، مواد اور تعداد کی محتاج نہیں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنْ يُضْمِرُونَ ۖ الَّذِينَ كَذَبُوا
بِالْكِتَابِ وَبِمَا أُرْسِلْنَا بِهِ مُرْسِلَانَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۚ إِذِ الْأَعْلَى فِي
أَعْنَاقِهِمُ السَّلْسِلُ ۚ يُسْحَبُونَ فِي الْحَبِيمِ ۚ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۚ

”کیا تم نہیں دیکھتے ان (نادانوں) کی طرف جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی آیات میں یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ جن لوگوں نے جھگڑا یا اس کتاب کو اور اس چیز کو بھی جو دے کر ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا قل انہیں (اپنی کھدیب کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ جب طوفان ان کی گروں میں ہو گئے اور زنجیریں، انہیں گھسیٹ کر لے جایا جائیگا کھولتے ہوئے پانی میں۔ پھر روزِ خِکِ آگ میں جمو تک دے جائیں گے۔“

۱۔ کیا تم ان نادانوں کی طرف نہیں دیکھتے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں، یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہیں یا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے طریقہ کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ اس آیت میں استفہام انکاری ہے اور نفی کا انکارا ثبات اور تقریر ہو رہا ہے اور اس میں اظہارِ تہذیب مقصود ہے۔

آئی بھٹوؤں نے یہ کہاں بھگ کر رہے ہیں یعنی یہ کیسے حق سے بھیر دینے لگے ہیں۔ یہ استغناء مزدور کو مع کیلئے ہے، جھگڑا کرنے والوں کا وہ بارہ در کجا اور جھگڑے کی فرمت میں تاکید کیلئے کیا گیا ہے۔ یا پھر اس وجہ سے کہ جھگڑا کرنے والے زیادہ مسائل جن میں جھگڑا کیا جاتا ہے وہ متعدد ہیں (اسی لئے تو کرمی متعدد بار کیا گیا)

اور جو ارادہ فرماتا ہے اسی کے مطابق حکم دیتا ہے۔ اس پر کوئی شے واجب اور لازم نہیں ہے۔ وہ جو کرتا ہے اس کے بارے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی حالانکہ دوسروں سے باز پرس کی جائے گی فرق قدر یہ ان تمام چیزوں کی تکذیب کرتا ہے علاوہ ازیں وہ پل صراط میزان اور شفاعت وغیرہ کے بھی منکر ہیں۔ ترکیبی اعتبار سے یہ بھی جائز ہے کہ اَلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ لَئِنْ غُفِرَ لَكُمْ لَتَكُونُنَّ مِنْ خَلْقٍ قَلِيلٍ کی خبر قَسُوْا يٰۤمَعْشَرُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہیں ہو اور اس کی خبر قَسُوْا يٰۤمَعْشَرُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہیں ہو۔

سلسلہ مرفوع کا عطف الاعلال پر ہے یا پھر السلسلہ مبتدا ہے اور اس کی خبر یسحبون ہے۔ یعنی جب طوق ان کی گردنوں میں ہونگے اور زنجیریں یا زنجیروں کے ساتھ انہیں کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹ کر لایا جائے گا۔ اس میں ضمیر عائد محذوف ہے اصل عبادت ہے یُسْحَبُوْنَ بھلا پہلی ترکیب کی صورت میں یُسْحَبُوْنَ محال ہے۔

ابن ابی حاتم نے ابوالخو زاکر اسد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے واسلسلہ مرفوع ہونے کی بناء پر منصوب پڑھا ہے اور یُسْحَبُوْنَ کو صیغہ مرفوع کی صورت میں یا مہ فتح کے ساتھ یسحبون پڑھا ہے اور فرمایا ان پر شدید ترین اور انتہائی سخت تکلیف وہ حالت ہی ہوگی کہ زنجیریں کھینچ رہے ہوں گے (1)۔

پھر انہیں دوزخ کی آگ میں جموٹک دیا جائے گا، یعنی جلا دیا جائے گا یسحبون مسجور من مسجور سے ماخوذ ہے یہ تب کیا جاتا ہے جب کوئی تنور کو ایندھن سے بھرے۔ مقاتل نے معنی یہ کیا ہے کہ ان کے ساتھ آگ بھڑکانی جائے گی اور مجاہد نے کہا ہے وہ آگ کا ایندھن ہو جائیں گے (2) اور مرادی ہے کہ انہیں مختلف انواع کا عذاب دیا جائے گا لہذا بعض سے ایک نوع منقول ہے اور بعض سے دوسری کہ کبھی انہیں کھولتے اٹھتے پانی میں ڈالا جائے گا اور کبھی آگ میں پھینکا جائے گا۔

ترمذی نے روایت بیان کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت یسحبون تک تلاوت فرمائی اور فرمایا درآئیں اے آپ نے اپنے سر کی کھوپڑی کی طرف اشارہ بھی کیا کہ اگر سیرے کا ایک گولہ آسمان سے زمین کی طرف چھوڑا جائے، جبکہ آسمان اور زمین کے مابین پانچ سو برس کی مسافت ہے تو وہ گولہ رات ہونے سے پہلے زمین پر پہنچ جائے گا (یعنی وہ اتنی طویل مسافت چند گھنٹوں میں طے کر لے گا) اور اگر دوزخ کی زنجیر کا سرا اور پے چھوڑ دیا جائے تو وہ دن رات چالیس سال تک چلتی رہے تب دوزخ کی انتہائی گہرائی تک جانچنے کی (3) (یعنی دوزخ کی گہرائی زمین و آسمان کی درمیانی پانی جانے والی مسافت کی نسبت کئی گنا زیادہ ہے۔)

لَمْ يَتَّيْنَلَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿١﴾ مِنْ دُونِ اللّٰهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ
نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكَافِرِيْنَ ﴿٢﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَمْثَالِ ۚ الْحَقُّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَسْرَحُوْنَ ﴿٣﴾ اُدْخِلُوْا اَبْوَابَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوٰى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٤﴾

”پھر پوچھا جائے گا ان سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے۔ اللہ کے سوا۔ (بعد یاس) کہیں گے وہ تو تم ہو گئے ہم سے بلکہ ہم تو کسی چیز کو پوجتے ہی نہ تھے اس سے پہلے۔ اسی طرح اللہ مگر ادا کرتا ہے کافروں کو یہ (سزا اور

رسوائی (بدلتی) بدلہ ہے اس کا کہ تم خوشیاں منایا کرتے تھے زمین میں (اپنے عارضی اقتدار پر ناقص اور بدلہ ہے اس کا جو تم (اپنے فانی اسوا) واطلاک پر) اترا کیا کرتے تھے۔ اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں تم وہاں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ پس بہت برا ٹھکانا ہے تکبر و غرور کرنے والوں کا۔“

۱۔ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سِرّٰتِہِیْنَ۔ قَالِیْۤا اِنَّہٗ لَکَافٍ مِّنْ عَمَلِہِیْنَ۔ وہ ہم سے غائب ہو گئے ہیں ہم تو انہیں دیکھ ہی نہیں رہے۔ اپنے اہلخانوں کے اپنے ساتھ ملنے سے پہلے پہلے وہ یہ بات کہیں گے یا پھر اس کا معنی یہ ہے وہ ہم سے ضائع ہو گئے ہیں ہم ان سے جو توقع رکھتے تھے وہ پوری نہیں ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلِصْبٰۤءُ عَلٰۤى سَبِيْۤهَتِكُمْ حٰۤلٌ مِّنْ اَلْعِبَادَةِ اَلَا تَذَكَّرُوْنَ
 اس کے قول میں ہے وَالصَّبْرُ تَيَّابًا مَّا مَشُوْهُنَّ (قسم بخدا! اے ہمارے رب! ہم شرک کرنے والے نہیں تھے) بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے۔ ہم نے اس سے قبل کسی ایسی چیز کی عبادت نہیں کی جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی یا نہ ہم سے کسی تلافی کو دور کر سکتی۔ حسن بن فضل نے کہا ہے اس کا معنی ہے کہ اس سے پہلے ہم نے کچھ کیا ہی نہیں یعنی ہماری ساری عبادت ضائع ہو گئی۔ یا ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنا کام ضائع کر بیٹھے اور کچھ ماکنت اعمل شینا کہ میں نے تو کچھ کیا ہی نہیں (۱)۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس مشرکین کو یا اس فرقہ قدریہ کو گمراہ کر دیا ایسی طرح اللہ تعالیٰ تمام کافروں کو گمراہ کرتا ہے یہاں تک کہ ان کی ایسی شے کی طرف راہنمائی ہی نہیں کرتا جو ان کے لیے نفع بخش ثابت ہو۔

جہیں گمراہ ہونے کی سزا اس لیے ملی کہ زمین میں خوشیاں منایا کرتے تھے، یعنی تم بغیر حق کے شریک کرتے ہوئے اور سرکش بنا کر غرور اور تکبر کرتے تھے اور اکڑ کر چلا کرتے تھے اور یہ رسوائی اسی لئے حاصل ہوئی کہ تم زمین میں اظہارِ خوشی میں حدود سے تجاوز کرتے تھے اور اپنے فانی اموال و املاک پر اتر دیا کرتے تھے۔ زبردستی تم مع مبالغہ کرنے کیلئے آیت میں خطاب کی طرف عدول کیا گیا۔

سے اب تم جہنم کے ان ساتوں دروازوں میں داخل ہو جاؤ جو تمہارے لیے مقرر کیے گئے ہیں تمہارے لیے اس میں میسر رہنا مقدر رہتا ہے دیا گیا ہے پس دو لوگ جو حق سے تکبر کرتے ہیں اور غرور کرتے ہیں ان کے لئے جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔ نظم کا کام کہ مقتضی تھا کہ فہنس بعد خل المضکون ہوتا۔ (یعنی تکبر کرنے والوں کے داخل ہونے کی جگہ بہت بری ہے) چونکہ جہنم میں دخول غلود کی قید سے مستفید ہے اسی لئے یہی اس کا سب سے کہ اسے مٹی سے تعمیر کیا گیا ہے۔

فَأَمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَقَّعُكَ
فَالْيُنَا يَرْجِعُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَمِنْهُمْ مَنْ قُصِّصْنَا
عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرُّسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا
بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ فَخُذْهُ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ۝

”(اے حبیب!) آپ (ان کی تازیبا حرکتوں پر) صبر فرمائیے اللہ کا وعدہ سچا ہے سو ہم خواہ آ پکڑو کھائیں اس عذاب کا

کچھ حصہ جس کا ان سے ہم نے وعدہ کیا ہے یا (اس سے پہلے ہی) آپ کو دنیا سے اٹھالیں (یعنی نہیں سکتے) آخر کار ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔ اور ہم نے بھیجے تھے پیغمبر آپ سے پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور ان میں سے بعض کا ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا۔ اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ وہ لے آتا کوئی نشانی اللہ کی اجازت کے بغیر۔ پس جب آئیگا اللہ کا حکم (تو) فیصلہ کر دیا جائیگا حق (و انصاف) کے ساتھ اور باطل پرست وہاں (سراسر) گھٹائے میں رہیں گے۔“

۱۔ اے محمد اصلی اللہ علیہ وسلم شریکین کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمانے اور کفار کو ہلاک کرنے کا جو وعدہ فرما رکھا ہے وہ بالیقین حق ہے اور پورا ہوئے والا ہے۔ فاما اصل میں فان ما ہے، ان شرطیہ ہے جو کہ مازائدہ میں مدغم ہے اور مازائدہ شرط میں تا کیہ پیدا کرنے کیلئے لگایا گیا ہے اسی وجہ سے فعل نویسک کے ساتھ تون تا کیہ تعلیل لگائی گئی ہے۔ نعد ہم جو ہم نے ان کے بارے میں قتل اور قید کا وعدہ کر رکھا ہے۔ سو خواہ ہم آپ کو اس عذاب کا کچھ حصہ دکھائیں یا یہ دکھانے سے پہلے ہی آپ کو دنیا سے اٹھالیں۔ آخر قیامت کے دن وہ ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔ پس ہم انہیں ان کے اعمال کی سزا ضرور دیں گے (وہ ہم سے قح نہیں سکتے) فالینا یو جعون یہ جملہ نفوہینک کا جواب ہے اور اسی کی مثل نویسک کا جواب محدود ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی جملہ دونوں کا جواب ہو۔ معنی یہ ہوگا کہ اگر ہم انہیں آپ کی حیات طیبہ میں عذاب دیں یا نہ دیں بیشک ہم انہیں آخرت میں توشہ دیدن عذاب ضرور دیں گے۔ اس موضوع میں صرف رجوع پر اقتصار کرنا ہی عذاب کی شدت اور سختی پر دلالت کرتا ہے (یعنی فقط اتنا فرمایا کہ انہیں ہماری طرف ہی لوٹنا یا جائیگا تو یہی اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ان پر عذاب سخت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے گرفت انتہائی شدید ہوگی)

۲۔ رسل پر تون بخشیر اور تعظیم کیلئے ہے، امام احمد اور ابن راہوہ نے اپنی مسندوں میں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء علیہم السلام کی تعداد کے بارے دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار (انبیاء علیہم السلام تشریف لائے) پھر یہ پوچھا گیا ان میں سے رسل علیہم السلام کتنے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین سو تیرہ کا جم غفیر (۱) ابن حبان نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔ ان میں سے سناں کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔

۳۔ کسی رسول کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ کے بغیر کوئی مجزہ لے آتا۔ انہیں یہ اختیار قطعاً نہیں کہ ان میں سے کوئی اپنی مرضی اور تجویز کے مطابق کسی مجزہ اور نشانی کا اظہار کر سکے۔

پس جب اللہ کا حکم آئے گا یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے گا تو حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا یعنی انبیاء علیہم السلام اور مومنین کی مدد کی جائے گا اور کفار پر عذاب مسلط کر دیا جائیگا تو وہاں باطل پرست سراسر گھٹائے میں رہیں گے یعنی وہ کفار جو اسے سرکش ہیں کہ اپنی پسند کی نشانیاں طلب کرتے ہیں لیکن معجزات کے سبب ان پر حق واضح اور ظاہر نہیں ہوتا اسے وہ قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔)

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْإِنْعَامَ لِيَكُونُوا مِنْهَا رِزْقًا وَلَكُم فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ وَ يُرِيكُمُ آيَاتِهِ فَأَيُّ آيَاتِ اللَّهِ تُنْكِرُونَ ۝

”اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لیے مویشی تاکہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا (گوشت) کھاؤ۔ اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو۔ اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں پس اللہ تعالیٰ کی کن آیتوں کا تم انکار کرو گے۔“

لے کیونکہ جانوروں کی جنس میں سے کچھ ایسے ہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے مثلاً بھیر، بکریاں وغیرہ اور بعض ایسے ہیں جن کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور ان پر سواری بھی کی جاتی ہے اور وہ اونٹ اور بیل وغیرہ ہیں یہ جملہ اللہ تعالیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باری تعالیٰ ہو الذی یحیی و یمیت سے منسل ہے۔

۝ وَلَكُم فِيهَا مَنَافِعُ اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں مثلاً اون، ہال، کھال اور دودھ وغیرہ اور ان میں ایک فائدہ یہ ہے کہ تم ان پر سوار ہو کر سفر کرتے ہوئے اس منزل مقصود تک پہنچ جاؤ جو تمہارے سینوں میں ہے۔ و لتبلغو کا عطف لڑکھا ہے۔ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ اور خشکی میں ان مویشیوں پر اور سمندر میں کشتیوں پر تم کو سوار کیا جاتا ہے۔ یہاں علی الفلک فرمایا ہے فی الفلک نہیں کہو تو ایسا علیہا کی مناسبت سے کیا گیا ہے اور جب کھانے کا ذکر کیا تو وہاں لقم کلام تبدیل ہوا اور فرمایا ومنها تاکلون کیونکہ وہ محض ضرورت کے محل میں ہے اس سے مقصود صرف قیش اور لذت کا حصول ہوتا ہے۔ جبکہ ان پر سوار ہونے اور سفر کرنے سے مقصود کبھی ایسے دینی اغراض و مقاصد کا حصول ہوتا ہے جو واجب ہوتے ہیں یا مستحب۔ (پس اسی فرق کو ظاہر کرنے کیلئے اسلوب کلام میں بھی فرق رکھا گیا ہے) یا پھر چین (ذات) اور منفعت کے درمیان فرق کرنے کیلئے اسلوب کلام میں تبدیلی کی گئی ہے۔

۝ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ایسی نشانیاں دکھاتا ہے جو اس کے وجود، کمال، قدرت اور اسکی بے پایاں رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی کن کن آیتوں کا تم انکار کرو گے۔ یہ استفہام انکار پر انکار کیلئے ہے۔ کیونکہ یہ آیات اور نشانیاں اتنی بکثرت اور واضح ہیں کہ یہ کسی انکار کو قبول ہی نہیں کرتیں، یعنی ان کا انکار کیا ہی نہیں جاسکتا اور وہی فعل اہی کو نصب دے رہا ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
كَانُوا أَكْثَرُ مِنْهُمْ وَأَشَدُّ قُوَّةً وَأَسْرَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَعْنَى عَنْهُمْ مَّا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُّرْسَلُهُمُ بِالْبَيْتِ قَرَحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَ
حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

”کیا ان منکروں نے کبھی سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ انہیں نظر آ جاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان

سقراط کے بارے یہ قول ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے (نبی ہونے کے) بارے سنا تو اسے یہ کہا گیا کہ اگر تو ان کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا (تو بہتر ہوتا) تو اس نے جواب دیا تم تو ہدایت یافتہ قوم ہیں ہمیں کسی ایسے آدمی کی ضرورت نہیں جو ہماری راہنمائی کرے اور ہمیں ہدایت دے۔ بعض نے فرحو کا معنی اس طرح کیا ہے کہ جو علماء انبیاء علیہم السلام کے پاس تھا وہ اس پر بطور استہزاء ہنستے تھے اور اس کی تائید اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔ وَحَاقٍ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ فرحو ای ضریر مسل علیہم السلام کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی جب انبیاء علیہم السلام نے کفار کی جہالت، سرکشی اور ان کے برے انجام کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں جو علم دیا گیا اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور کفار کو ان کی جہالت اور ستہزاء کی سزا نے ہر جانب سے گھیر لیا۔

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدَّثُوا كَقَدَرِ مَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿٥﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتِ اللَّهُ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۚ وَخَسِرَ هَٰذَا لِكَافِرٍ ۖ ﴿٦﴾

”پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب۔ یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے۔ اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے سے۔“

۱۔ پھر جب کفار نے موت کے وقت ہمارے عذاب کی شدت اور سختی کو دیکھ لیا تو کہنے لگے ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے، یعنی ہم ان بتوں سے بیزاری اور برات کا اظہار کرتے ہیں جن کی ہم عبادت کرتے تھے۔

۲۔ پس ان کے ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ تَارِخُ الْعَمَلِ کے قیلعے سے ہے کہ دونوں فعلوں میں سے ایک عمل کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ یا پھر ہم ایک نام ضریر شان مستتر ہے یا ہم ایک نامہ ہے (ناقص نہیں) اور ینفعہم ان مقدرہ کے ساتھ اس کا فاعل ہے۔

لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ کیونکہ ایسے وقت میں تو یہ کی قویٰ تر متنع ہے اسی لیے فرمایا ہم ایک بمعنی ہم یصح اور ہم یستقم ہے یعنی اس وقت ان کا ایمان الّا صحیح اور درست نہیں ہے۔

سُنَّتِ اللّٰهُ محذوف فعل کا مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور فعل تاکید کیلئے محذوف کیا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے سنة اللہ ذالک سنة ما فیہ فی العباد ان الايمان عند نزول العذاب لا ینفع۔

کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دستور زمانہ ماضی سے ہی بندوں کیلئے جاری کر رکھا ہے کہ نزول عذاب کے وقت ایمان الّا نافع بخش اور فائدہ مند نہیں ہوتا اور عذاب انہی پر نازل ہوتا ہے جو مسل علیہم السلام کی تکذیب کرتے ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ سُنَّتِ اللّٰهُ حرف جبر کے محذوف ہونے کے سبب منصوب ہے، یعنی اصل میں تھا کسنة اللہ بعض نے کہا ہے کہ اگر اکی بناء پر منصوب ہے یعنی احد دو اسنة اللہ۔ (اللہ تعالیٰ کے دستور سے ڈرو) اور حق کا انکار کرنے والے عذاب کو دیکھنے کے وقت سراسر خسارہ میں رہے اسی لئے کہ ان سے

دونوں جہاں چلے گئے (نہ دنیا باقی رہی اور نہ آخرت کی کوئی نعمت ہاتھ آئی) (زجاج نے کہا ہے کہ کافر تو ہر وقت خسارے میں ہوتا ہے۔ لیکن ان پر یہ خسارہ ظاہر تب ہوتا ہے جب وہ عذاب کا مشاہدہ کر لیتے ہیں (1)۔

تمت باخیر

سورۃ المؤمن کی تفسیر 28 ذی الحجہ 1207 ھ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اختتام پذیر ہوئی۔ سورۃ المؤمن کا ترجمہ 13 شوال 1421 ھ بمطابق 10 جنوری 2001 ھ بروز بدھ بوقت سہ پہر 4-15 بجے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت سے اپنے اختتام کو پہنچا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔



سورۃ فصلت / حم السجدہ

﴿اٰیٰتھا ۵۴﴾ ﴿مُؤۡتٰیٰتُہَا لَیۡسَ بِحِیۡثَہٗۤ اَنۡتَظِرُہٗۤ﴾ ﴿رُکُوۡعُہَا ۶﴾

سورۃ فصلت (حم السجدہ) کی ہے، اس میں چون آیات اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حَمِّ ۙ تَنْزِیْلِ ۖ قُرْۡاٰنِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ کِتٰبٍ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗۤ اَمَّا عَرَبِیّٰۤا
لِّقَوۡمٍ یَعْلَمُوۡنَ ۙ بِیَسۡیَرٍ وَّاَوۡتٰدِیۡرٍ ۙ فَاَعۡرَضَ اَکْثَرُہُمۡ فَہُمۡ لَا یَسْمَعُوۡنَ ۙ

”حم۔ ہم۔ اتارا گیا ہے (یہ قرآن) رحمن ورحیم (خدا) کی طرف سے لے یا کسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔ یہ قرآن عربی (زبان میں) ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو علم (دہم) رکھتے ہیں لے یہ مردہ سنانے والا اور (بروقت) خبردار کرنے والا ہے۔ یا میں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے سُن وہ اسے قبول نہیں کرتے س“

لے اگر آپ حم کو مبتدا بنائیں تو پھر اس کی خبر تَنْزِیْلِ قُرْۡاٰنِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے اور اگر حم کو حرف تہجا شمار کریں تو پھر تَنْزِیْلِ مبتدا و محذوف کی خبر ہے۔ اور اعترض نے کہا ہے کہ تنزیل صرف مابعد صفت سے مخصوص ہونے کے سبب مبتدا ہے اور اس کی خبر کِتٰبٍ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗۤ ہے پہلی دونوں ترکیبوں کے اعتبار سے کتب یا تو تنزیل سے بدل ہے یا دوسری خبر ہے یا مبتدا و محذوف کی خبر ہے۔

چونکہ اساتوں سورتوں کا آغاز حم سے کیا گیا ہے شاید اسی وجہ سے ان کا نام بھی حم رکھا گیا ہے اور نظم و معنی میں ان کے ہم شکل اور باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ان کا آغاز کتاب کے بیان سے کیا گیا ہے۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا طلعہ طواسین (طسم والی سورتیں) اور حواہیم (حم والی سورتیں) مجھے الواح موسیٰ (موسیٰ علیہ السلام کی تختیاں) میں سے عطا کی گئی ہیں (۱)۔ اسے حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے حضرت معقل بن یسار سے نقل کیا ہے۔ اور الرضیٰ اور الرحیم کی طرف تنزیل کی اضافت اس پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ تمام دینی اور دنیوی مصالح اور منافع کا دار و مدار اسی قرآن پر ہے۔ (کیونکہ یہ رحمن ورحیم رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے)

لے یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں، یعنی اس میں احکام قصص اور مواظظ پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

قُرْۡاٰنًا عَرَبِیّٰا تو مدح کی بنا پر منصوب ہے۔ (کہ اس سے پہلے امدح فعل محذوف ہے۔) یا ایشۃ کی ضمیر مجرور سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ کیونکہ ضمیر کی طرف فُصِّلَتْ کا فاعل مضاف ہے۔ (اور ضمیر مضاف الیہ ہونے کے سبب مجرور ہے۔) جیسا کہ قول باری تعالیٰ یَاٰکُلُوۡا مِنْ ثَمَرِہٖۤ اِذَا فَاۡتٰتَہُمۡ ثَمَرُہٗۤا میں مَنِیۡثَا کی یہی ترکیب ہے۔

معنی یہ ہے کہ عربی زبان میں قرآن کریم نازل کرنا اللہ تعالیٰ کا ان پر ایک عظیم احسان ہے کہ یہ ان کے لیے پڑھنا اور سمجھنا سہل اور آسان ہے۔ اگر یہ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو وہ اسے نہ سمجھ سکتے بلکہ ان کے لیے یہ انتہائی مشکل اور دشوار ہوتا۔ لَقَّوْهُ يَتَّبِعُونَ فیصلہ لازم کے قائم مقام استعمال ہو رہا ہے، یعنی ایسی قوم کے لیے جو صاحب علم و نظر ہے نہ کہ ان کے لئے جنہوں نے اس سے اعراض کر کے منہ پھیر لیا۔ یا پھر یہ کہا جائیگا کہ یعلمون کا مفعول محذوف منوی ہے، یعنی ایسے لوگوں کے لئے جو قرآن کے معانی کو جانتے ہیں اور اس کے مفہیم کو سمجھتے ہیں۔ یا اس طریقہ پر کہ جو اسے سنتا ہے اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

اس صورت میں اس کے دو مفعول مقدر ہیں، یعنی لقوم یعلمونہ حقائق ان لوگوں کے لئے جو اسے حق جانتے ہیں اور پھر یہ جملہ قرآنی دوسری صفت ہے یا تنزیل یا فصاحت کا صلہ ہے، (یعنی ان کے متعلق ہے) صفات کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے اسے قرآنی دوسری صفت بنانا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو مژدہ سنانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو بروقت خبردار کرنے والا ہے۔ یا اس ہمہ یہ ان میں سے اکثر لوگوں نے قرآن کریم کو قبول کرنے اور اس میں تدبیر اور غور و فکر کرنے سے اعراض کر لیا، منہ پھیر لیا۔ ترکیب کلام میں اس کا عطف فصاحت پر ہے۔ پس وہ اسے عداوت اور عناد کی بنا پر سنتے ہی نہیں یا يَسْمَعُونَ یعنی ہے کہ وہ اسے قبول نہیں کرتے۔ جیسا کہ یہ کہا جاتا ہے شفعۃ الہی فلان فلم یسْمَعْ قَوْلِیْ کہ میں نے فلاں کے پاس سفارش کی مگر اس نے میری بات نہ سنی، یعنی اس نے میری بات قبول نہیں کی یہ جملہ اعراض کا بیان اور اس کی تفصیل ہے۔

وَقَالُوا اقْتُلُوْهُ بِاَنۡیَ اَکْثَرُ مِمَّا کُنۡ عُوْنَا لَیۡہِ وَفِیۡ اِذَا بَنَا مِوَعِرَہٗ وَ مِنْ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنَکَ
حِجَابٌ قَاعَمَلُ اِنَّا عَمِلُوْنَ ⑤

”اور (ان ہٹ دھرموں نے) کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرائی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔“

وَقَالُوا کَا عَظِیۡفٍ اَعۡزَاضُہٗ بِرَہۡبَہٗ۔ اور مشرکین مکہ نے کہا۔ ہمارے دل (پردوں میں) لپٹے ہوئے ہیں (۱)۔ اکنہ انان کی جمع ہے۔

(۱) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے جاتے جاتے کہ قریش حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا ”مجھے کون سی شے اسلام قبول کرنے سے مانع ہے تم اسلام قبول کر لو عرب کے سردار بن جاؤ گے۔“ انہوں نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ آپ کہتے ہیں نہ ہم اسے سمجھتے ہیں اور نہ ہم اسے سن سکتے ہیں کیونکہ ہمارے دلوں پر تو خلاف لپٹے ہوئے ہیں اور ابوجہل نے اپنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک کپڑا حائل کرتے ہوئے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قلوبنا فی اکنہ مما قد عونا الہی و فی اذاننا وقر و من بیننا و بینک حجاب۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا میں تمہیں دو خصلتیں اپنانے کی دعوت دیتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ تم یہ شہادت دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں و وہ وحدہ لا شریک ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، دوسری جو میں انہوں نے لا الہ الا اللہ کی شہادت کے بارے میں سنا تو وہ پٹھیں پھیر کر بھاگ چلے گئے اور کہنے لگے کیا اس نے تمام معبودوں کی بادشاہ بنا دیا ہے بیشک یہ بڑی عجیب شے ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو کہا چلو اپنے معبودوں کی عبادت پڑھنے رہو۔ بیشک مقصود یہی ہے کہ ہم نے ان سے دوسری قوموں میں سے کسی سے نہیں سنا یہ محض من گھڑت بات ہے۔ کیا ہم میں سے صرف اسی پر نصیحت نامہ (قرآن) نازل کیا گیا ہے؟ اب جو کچھ میں نے نہ سنا نہ سنا۔ اے اور عرض کی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرما رہا ہے ایسا نہیں جیسا کہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان پر ان غلافوں میں ہے۔ یہ کہہ کر دو کوئی بات سمجھ نہیں اور ان کے کانوں میں گرائی ہے لہذا وہ آپ کا قول نہیں سن سکتے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس کا معنی ہے پردے، غلاف قَبَائِلًا عُرُوتًا اَلْیَاس سے جس کو حید کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں لہذا جو کچھ آپ کہتے ہیں ہم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ اور ہمارے کانوں میں گرائی ہے وقر کا معنی نعل گرائی، یعنی ہمارے کان بہرے ہیں جو کچھ آپ کہتے ہیں ہم اسے نہیں سن سکتے۔ اور معنی مقصود یہ ہے کہ ہم آپ کی دعوت قبول نہ کرنے میں اس آدمی کی مثل ہیں جو نہ سمجھتا ہے اور نہ سنتا ہے، یعنی کسی بھی اعتبار سے ہم آپ کی بات پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب حائل ہے۔ یعنی ایسا دینی اختلاف ہے جو ہمیں آپس میں ملنے سے روکتا ہے اور یہ الفاظ اس پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان یہ حجاب ایسا ہے جو دونوں فریقوں کے درمیان پائی جانے والی مکمل مسافت کو گھیرے ہوئے ہے اس میں کوئی بھی فارغ جگہ باقی نہیں ہے۔ (کوئی ایک فریق اس مقام سے دوسرے فریق کی جانب بڑھ سکے) یہ تمام دعوت کو قبول نہ کرنے اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ نہ ملنے کی تمثیل ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ کی دعوت کو قبول نہ کرنے اور آپ کے ساتھ نہ ملنے میں آپ کے ساتھ ہماری کیفیت اور تعلق ایسے دو افراد کی طرح ہے جن کے درمیان ایک مضبوط اور قوی رکاوٹ موجود ہو۔ (جسے ان میں سے کوئی بھی میسر نہ کر سکتا ہو) لہذا آپ اپنے دین پر کاربند رہیں یا آپ ہمارے معاملے (دین) کو باطل قرار دینے کی کوشش کرتے رہیں اور ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اور اسی پر عمل پیرا رہیں گے یا ہم آپ کے معاملہ کو (دین) باطل کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا نَبِيٌّ وَ مِثْلُكُمْ يُدْعٰى اِلٰى اَنْسَا اِلَهُكُمْ اِلَهًا وَّاحِدًا فَاسْتَقِیْوْا اِلَیْہِ وَاَسْتَغْفِرُوْا ۚ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۚ اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَہُمْ بِالْاٰخِرَةِ ہُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ مِّنْہٗ ۝

”آپ فرمائیے میں انسان ہی ہوں (ظاہر) تمہاری مانند۔ (البتہ) وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خداوند یکمائی ہے۔ پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے اور بلاکت ہے مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے مشکری رہتے ہیں بل بیگم وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ان کے لیے الہا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا۔“

۱۔ ثنیٰ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے جواب میں فرما دیجئے۔ اِنَّمَا اَنَا نَبِيٌّ وَ مِثْلُكُمْ کے بارے حسن نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو واضح اور انکساری کی تعلیم دی ہے (۱)۔ یعنی میں تم ہی میں سے ایک ہوں اگر مجھ پر وحی کا نزول نہ ہوتا تو میرے پاس وہ علم نہ ہوتا

1۔ تفسیر بیہقی، جلد 6، صفحہ 87 (تکثیریہ)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ سے) یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ جب آپ قرآن کریم میں اپنے وعدہ والا شریک رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ چندہ بھیر کر بھاگتے ہیں اگر اسی طرح ہوتا پیسہ و گمان کرتے ہیں تو وہ کبھی نہ بھاگتے۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں وہ شتے ضرور ہیں لیکن اس سے فائدہ نہیں اٹھتے کیونکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ جب دوسرا ان آیا تو ان میں سے سزا فرما حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام پیش کیجئے چنانچہ ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم فرمایا اور فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَمِّ اِلْمَآنِ کہتے تھے کہ جس کی طرف ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں اس کی طرف سے تمہارے دل غلاموں میں لپٹے پڑے ہیں۔ اور تمہارے کانوں پر گرائی ہے اور آج صبح ہی تمام مسلمان ہو گئے۔ تو انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نے جھوٹ بولا تھا۔ اگر ایسے ہوتا تو ہمیں کبھی بھی ہدایت نہ ملتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ سچا ہے اور بندے جھوٹ بولتے ہیں۔ دُغنی ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں۔

جو تم نہ دیکھ رہے ہو۔ لیکن میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود خداوند یکساں ہی ہے۔ لہذا تم پر لازم ہے کہ تم خوب کان لگا کر توجہ سے اسے سنو اور اسے قبول بھی کرو۔ یا پھر اس کا معنی یہ ہے کہ میں نہ فرشتہ ہوں اور نہ ہی جن کہ تمہارے لیے اس سے کچھ کیا ممکن نہ ہو۔ اور نہ ہی میں تمہیں ایسی شے کی طرف دعوت دیتا ہوں جو خلاف عقل ہو اور عقلیں اس کا ادراک کرنے سے قاصر ہوں بلکہ میں تو تمہیں اس توحید کی طرف بلاتا ہوں جو عقل و نقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ پس تم طاعت و عبادت میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی توجہ کرو اور قطعاً اس کی طاعت سے اعراض نہ کرو۔ اور اسی سے ان حرام گناہوں شرک اور دیگر برے اعمال کی مغفرت طلب کرو جو تم کرتے رہے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں اور مشرکوں کو عذاب سے ڈراتے اور ہمکنی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا وَذُنِبَیْ لَکُم مَّا کُنتُمْ تَعْلَمُونَ اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لئے۔ ترکیب کلام میں ویل جلتا ہے اور اس کی خبر مشرکین ہے۔

اَلَّذِیْنَ لَا یُعِیْطُوْنَ اَنْکَرُ کَلِمَۃً ۚ ہاں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لا الہ الا اللہ کا اقرار نہیں کرتے حالانکہ یہی نفسوں کی زکوٰۃ ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ توحید کا اقرار کر کے اپنے نفسوں کو شرک کی آلودگی اور نجاست سے پاک نہیں کرتے (1)۔

حسن نے کہا ہے کہ وہ لوگ زکوٰۃ کا اقرار نہیں کرتے اور نہ ہی اسے واجب خیال کرتے ہیں۔ اور یہ کہا جاتا تھا کہ زکوٰۃ اسلام کا پل ہے جس بنے اس پل کو طے کر لیا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا (یعنی پل کو طے نہ کر سکا) وہ ہلاک و برباد ہو گیا۔ مقال اور ضحاک نے کہا ہے کہ اسی سے مراد وہ لوگ ہیں جو طاعت و فرمانبرداری میں مال خرچ نہیں کرتے اور نہ ہی وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں۔ اور مجاہد نے یہ قول بیان کیا ہے کہ وہ اپنے اعمال کو پاک نہیں کرتے ان کا تزکیہ نہیں کرتے (2)۔

علامہ بیضاوی نے ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ فروعات (ایمان) میں کفار بھی مخاطب ہیں (3)۔ یہ مسئلہ ہم نے سورہ مدثر میں قول باری تعالیٰ لم یفک من المصلین۔ الایہ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ کٰفِرُوْنَ ترکیب کلام میں حال ہے اور یہ اس بات پر مطلع کر رہا ہے کہ وہ زکوٰۃ کا انکار کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ عقیدہ آخرت کا انکار کرتے تھے اور ابھی آخرت اور زکوٰۃ کے ثواب کا اعتقاد نہیں رکھتا اس کے نزدیک فقیر کو مال دینا مال کو ضائع کرنا ہی ہے۔ لا محالہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے انکار کا تذکرہ شرک کرنے اور آخرت کا انکار کرنے کے ساتھ مل کر کیا ہے۔ کیونکہ آدمی کے نزدیک مال انتہائی محبوب اور پسندیدہ اشیاء میں سے ہے۔ پس اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی پہلی نشانی اور دلیل ہے گویا اس آیت میں اہل ایمان کو زکوٰۃ ادا کرنے پر براہینت بھی کیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی اس سے انکار کرنے پر شدید زجر و توبخ بھی کی جا رہی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ غیر ممنون کا معنی ہے ایسا ابرو منقطع نہ ہوگا۔ مقال نے کہا ہے ایسا ابرو جو ناقص نہ ہو گا بلکہ کامل ہوگا۔ اور بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ ایسا ابرو جس کے سبب ان پر احسان نہیں جتلا یا جائے گا۔ ممنون من سے مشتق ہے اور من کا معنی ہے احسان جتلا نا۔ مجاہد نے کہا ہے اس کا معنی ہے حساب ہے۔ سدی نے کہا ہے یہ آیت مریضوں، ابا بھوں اور بوزھوں کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ جب وہ ان عددوں کے سبب طاعت و عبادت سے عاجز آ جاتے ہیں تو ان کے لیے اسی قدر اجر لکھا جاتا

ہے جس قدر وہ حالت صحت میں عمل کیا کرتے تھے (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب خوب اچھے انداز میں عبادت کرتا ہو پھر وہ بیمار ہو جائے تو اس پر مقرر فرشتے کو بجا جاتا ہے اس کے لئے اسی طرح کا عمل لکھ دو جیسا یہ حالت صحت میں کرتا تھا اور یہ حکم تب تک برقرار رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس بیماری اور تکلیف سے چھٹکار دے اور صحت دلا دے (2)۔ رواہ البیہقی فی شرح السنۃ و التفسیر۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بیمار ہو یا سفر پر تو اس کے لئے اسی طرح کا عمل لکھا جاتا ہے جیسے وہ عظیم اور حالت صحت میں کیا کرتا تھا (3)۔ رواہ البخاری۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی سمانا سی دسمانی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے کو حکم ارشاد فرماتا ہے اس کے لئے اسی طرح کا عمل لکھ دو۔ جیسے یہ اس تکلیف سے قبل کیا کرتا تھا پھر اگر اللہ تعالیٰ اسے شفا عطا فرما دے تو (اس بیماری کے سبب) اس کے ثواب و جزا داتا ہے اور اسے پاک فرمادیتا ہے اور اگر اس کی روح قبض کر لے تو پھر اس کی مغفرت فرماتا ہے اور اسے اپنی رحمت سے نوازتا ہے (4)۔ رواہ البیہقی فی شرح السنۃ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ بیمار ہو جاتا ہے تو اس کے لئے اسی قدر اجر لکھا جاتا ہے جس قدر بیمار سے قبل لکھا جاتا تھا اور پھر بیماری سے وہ عمل کرنے سے اسے روک دیا۔ رواہ دزین۔

قُلْ اِيْتَكُمْ تَنفَرُونَ بِالْاَيِّ حَالٍ اَلَمْ تَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَكُمْ اَنْدَادًا
ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا سِرًّا وَّ اٰيٰتٍ مِّنْ قَوْلِهَا وَلَبَّرَ فِيْهَا وَقَدْرًا
فِيْهَا اَقْوَامًا فَاِيْ اٰيٰتٍ سَوَآءٌ لِّلْاَسٰفِيْنَ ﴿٢﴾

”آپ (ان سے) پوچھئے کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں اور ٹھہراتے ہو اس کے لئے مد مقابل۔ وہ تو رب العالمین ہے (اس کا مد مقابل کون ہو سکتا ہے)۔ اور اس نے (اسی) بنائے ہیں زمین میں لڑے ہوئے پہاڑ جو اس کے اوپر (اٹھے ہوئے) ہیں اور اس نے بڑی برکتیں رکھی ہیں اس میں اور اندازہ سے مقرر کر دی ہیں اس میں غذا کی، (ہر نوع کے لئے) چار دنوں میں۔ (ان کا حصول) کیسا ہے طلب گاروں کے لئے“۔

یہ استہتماء زجر و توبیخ کے لئے ہے اور یہ جملہ استہتماء یہ مستأنفہ ہے جو کہ ایک سوال کے جواب میں واقع ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اگر وہ سید میں راہ نہ چلیں اور مغفرت طلب نہ کریں تو پھر میں انہیں کیا کہوں؟ تو اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ آپ ان سے یہ پوچھئے کیا تم لوگ اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا، یعنی دو دنوں کی مقدار میں پیدا فرمایا۔ ان دونوں سے مراد ایک شب (اتوار) اور دو شب (پنج) ہے۔ اور اس کے لئے مد مقابل ٹھہراتے ہو حالانکہ کوئی اس کا مد مقابل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا فرمایا ہے اور وہ ان تمام ممکنات کا خالق ہے جو پائی جاتی ہیں اور ہر شئی کو بتدریج نقطہ عروج تک پہنچانے والا ہے۔ العلمین، عالم کی جمع ہے تو چونکہ عالم کی مختلف انواع

1۔ تفسیر بیہقی، جلد 6، صفحہ 88 (بخاری)

2۔ تفسیر بیہقی، جلد 6، صفحہ 88 (بخاری)

3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 136 (ترمذی)

4۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 289 (المکرم)

ہیں اس لئے عاَلَمِیْنَ جمع ذکر کی گئی ہے اور پھر ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیتے ہوئے جمع یاہ قانون کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔
جملہ ذَلِیْلِ تَرْبِ الْعَالَمِیْنَ ز جرد و تَخ کی علت بیان کر رہا ہے۔

ع اور اس نے ہی زمین میں گڑے ہوئے اور جے ہوئے پھاڑ بنائے ہیں جو زمین کے اوپر بلند ہیں اور پراٹھے ہوئے ہیں۔ تاکہ ان میں جو دیکھنے کی چیزیں ہیں وہ دیکھنے والوں کے لئے ظاہر ہوں اور ان کے منافع اور فوائد تلاش کرنے والوں کے سامنے ہوں اور اس نے زمین میں بڑی برکتیں رکھی ہیں کہ اس میں سمندر، دریا، بھل، درخت اور حیوانات پیدا فرمائے۔ اور زمین کے باسیوں کے لئے غذائیں بھی زمین میں اندازہ سے مقرر کر دیں۔ اقواتِ اصل میں اقواتِ اہلہا ہے، یعنی اس میں مضاف مخدوف ہے۔ یا یہ اضافت ادنیٰ ملائت کے لئے ہے، یعنی اقواتِ خلقِ فیہا، یعنی ساری مخلوق کی خوراک اسی میں مقرر کر دی ہے۔ حسن نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں اور چوپاؤں کا رزق زمین میں تقسیم کر دیا، یعنی جو شے جس کے لئے نفع بخش تھی اور جس کے سبب کوئی زندگی گزار سکتا تھا وہ شے اسی کے لئے معین کر دی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہاں قرأت ہی قَسَمَ فِیْہَا اقْوَاتِہَا کی ہے (1)۔

عکرماء و رخاک نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شہر میں وہ شے مقرر فرمادی جو دوسرے شہر میں پیدا نہیں فرمائی تاکہ لوگ آپس میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف تجارت کر کے آسان زندگی گزار سکیں (2)۔

کلبی نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک علاقے کے رہنے والوں کے لئے روٹی مقرر فرمادی، دوسرے علاقے والوں کے لئے جواری، کسی علاقے کے باسیوں کے لئے پھلی اور کسی علاقے کے رہنے والوں کے لئے بھجور میں مقرر فرمادی (3)۔

فی اربعة ايام، یعنی یہ سب کچھ چار دن مکمل ہونے تک کر دیا، یعنی کام کی تکمیل کے لئے پہلے دونوں کے ساتھ متصل ہی دو دن مزید لگائے اور وہ دونوں سرشبندہ (مٹکل) اور چہارشبندہ (بده) ہیں۔ یہ جملہ تمہارے اس قول کی طرح ہی ہے کہ میں بصرہ سے بغداد تک دس دنوں میں پہنچا اور کوڑے تک پندرہ دنوں میں پہنچا۔

اور یہاں فی یَوْمَیْنِ نہیں فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دو دن پہلے دو دنوں کے ساتھ ہی متصل ہیں۔

مِثْلُہِ یہ منسوب ہے اور اصل عبارت ہے اسبوت سوا اور سوا یعنی استوار ہے۔ یا قلد تقدیر اسوا ہے۔ اور یہ جملہ ایام کی صفت ہے۔ اور اس پر یعقوب کی قرأت بھی دلالت کرتی ہے کہ اس نے سوا کو اربعہ کی صفت بناتے ہوئے مجرور پڑھا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ سوا، اقواتِ اہلہا یا فیہا کی ضمیر سے حال ہے۔ ابو جعفر نے سوا ہر فوع پڑھا ہے۔ اس لیے کہ یہ مخدوف مبتدا کی خبر ہے اور وہ صوبہ۔ لیسٹا یلیف کا تعلق مخدوف کلام سے ہے۔ یعنی یہ حصر سوال کرنے والوں کے لئے زمین اور اس میں جو کچھ ہے اسے پیدا کرنے کی مدت کو بیان کر رہا ہے (کہ ہر شے کی تخلیق چار دن میں مکمل ہو گئی)۔ قادمہ اور سدی نے اسی طرح کہا ہے۔ یا اس سے قبل قلد فعل مخدوف ہے، یعنی طلبگاروں اور تلاش کرنے والوں کے لئے زمین میں ہر قسم کی خوراک چار دن میں پیدا کر دی گئی، مقرر کر دی گئی۔

ثُمَّ اسْتَوٰی اِلٰی السَّابِعِیْنِ دَحًا فَقَالَ لَهَا وَاِلَّا تَرْضٰی اَنْیَبَ طَوْعًا وَاَوْسَرَ حَا قَاتِنًا
اَنْیَبًا طَابِعِیْنِ ۝ فَقَضَھُنَّ سَبْعَ سَبَوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْسٰی فِیْ کُلِّ سَبَاۃٍ

أَمْرًا وَلَزَيْتًا السَّمَكَةُ الدُّنْيَا بِصَابِيحٍ ۖ وَحِفْظًا ۚ ذَلِكْ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝

”پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف، وہ اس وقت مکھڑھوں تھا۔ پس فرمایا اسے اور زمین کو کہ آ جاؤ (تعمیل حکم اور اداۓ فرمائش کے لیے) عے خوشی سے یا مجبوراً۔ دونوں نے عرض کی ہم خوشی خوشی (دست بستہ) حاضر ہیں عے پس بنادیا انہیں سات آسمان دو دونوں میں عے اور دو فرمائی ہر آسمان میں اس کے حسب حال اور ہم نے مزین کر دیا آسمان دنیا کو چرخوں سے اور اسے خوب محفوظ کر دیا یہ (سارا) نظام سب سے غالب سب کچھ جاننے والے (خدا) کا ہے عے“

۱۔ پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی، یعنی آسمان کا قصد کیا۔ جیسا کہ یہ قول ہے استوی المی مکان کذا یہ تب کہا جاتا ہے جب کوئی کسی معین شئی کی طرف کامل توجہ کر لے اور اس کے سوا کسی غیر کی طرف رخ نہ پھیرے۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہاں تم دو تھیلوں کے درمیان تفاوت اور فرق ظاہر کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے ترافی مدت کے لئے مذکور نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے والارض بعد ذالک رخصا کیونکہ زمین کو پہاڑوں کی تخلیق سے پہلے بچھایا گیا۔ (اس لئے یہاں تاخیر زمانی مراد نہیں ہو سکتی)۔ اور دخان سے مراد شاید آسمان کا مادہ اور وہ چھوٹے اجزا ہیں جن سے اسے بنایا گیا ہے۔ آسمان کا مادہ دخان ہے جو کہ پانی کے بخارات ہیں۔ علامہ بغوی نے اسی طرح کہا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو فرمایا جو کچھ تاخیر و تاثر میں نے تم دونوں میں پیدا کیا ہے اس کے ساتھ (تعمیل حکم کے لئے) آ جاؤ اور جو مختلف اوضاع اور متنوع قسم کی کائنات تم میں ودیعت رکھی ہے اس کے اظہار کے لئے آ جاؤ، یا معنی ہے کہ میں تم دونوں سے جو کچھ پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں تم میں سے ہر کوئی اسے ظاہر کر دے۔

طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ میں نے تم دونوں میں بندوں کے مصالح کے لئے جو منافع اور فوائد پیدا کیے ہیں انہیں ظاہر کر دو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آسمان! تو اپنے سورج، چاند اور ستاروں کو طوع اور ضمو دار کر اور اے زمین! تو اپنے دریاؤں کو جاری کر دے اور اپنے پہلوں اور نباتات کو باہر نکال دے (1)۔

۳۔ عَلَمًا اَوْ كُنْهًا (خوشی سے یا مجبوراً) یہ ترکیب کلام میں یا تو حال ہونے کی بنا پر منصوب ہیں یعنی درآں حالیکہ لے کر تم دونوں حکم کی تعمیل خوش خوشی کرو یا مجبوراً کرو۔ یا ظرف ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور یہ ضمر بنہ سوطا کے طریقہ پر ہے یعنی ایلتیا اتیان طوع او کوہ۔ (تم خوشی یا مجبوراً سے بالضرور تعمیل حکم کے لئے آؤ۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو فرمایا میں نے تمہیں جو حکم دیا ہے تم اس کی تعمیل کرو ورنہ میں تمہیں اس کی تعمیل پر مجبور کروں کہ یہاں تک کہ تم مجبوراً اسے کرو گے (2) تو ان دونوں نے خوش خوشی یہ جواب دیا ہم خوش خوشی (دست بستہ) حاضر ہیں۔ یہاں طاعنین جمع مذکر ذکر کیا گیا ہے طاعنین نہیں کہا تو اس کا سبب یہ ہے کہ حکم کی نسبت آسمانوں، زمین اور ان میں بسنے والی ساری مخلوق کی طرف تھی، یعنی زمین و آسمان نے یہ کہا کہ ہم اپنے اندر بسنے والی ساری کائنات سمیت تعمیل حکم کے لئے خوش خوشی حاضر ہیں۔ (اور ان میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں قسم کی مخلوق آباد ہے)۔ چنانچہ ذوی العقول کو ترجیح اور غلبہ دیتے

جوئے طالعین کہا گیا یا جب زمین و آسمان دونوں کی طرف قول کی نسبت کی توان و دونوں کو تمام ذوی العقول کے قائم مقام قرار دیکر طالعین و کرکیا۔ (کیونکہ قول کی نسبت ذوی العقول کی طرف ہی کی جاتی ہے۔ لیکن اظہار بات یہ ہے کہ یہ کام جمیل کمال میں واقع ہے۔ اور انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم وسلم کے احوال قدر کا اظہار ہے اور اس کا اندازہ ان کی باتیں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اور قائل کہتے تھے صابغین سے مراد جو اہل ذات اثر قبول کرنا ہے پس یہ حکم دینے والے حاکم کے حکم اور تعمیل حکم کے لئے اطاعت و فرمانبرداری کرنے والے کی تمثیل ہے جیسا کہ اندہ نقل کی گئی ہے اور اشارہ ہے کن فیکون۔ (کہ جب اندہ نقل کسی شے کو پھیر کر لے گا اور فرماتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے جو ہوا تو فوراً معرض وجود میں آجاتی ہے) یعنی اس میں بھی حکم اور تعمیل حکم کا یہ بیان دیا گیا ہے۔)

یہ پس اندہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمائے کہ انہیں عدم سے وجود دیا گیا اور ان کے تمام معاملات کو انتہائی پختہ اور منبسط کیا۔
فَقَضَّاهُمْ فِیْ سَیْئَرِہُمْ اے اللہ ہے چوتھا سماءِ معلویٰ طور پر جمع ہے اس لئے انہیں جمع کر کے مٹی سے یا پھر ضمیر مبہم ہے۔ پہلی صورت سے
لیا جاتا ہے سَبْعَ سَمَیْوَاتٍ حال سے اور دوسری صورت میں گزیرے۔

یہ یقیناً حقیقت ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے تخلیق فرمایا ہے اس میں اس قدر کمال ہے کہ اس سے انسان کو کمال حاصل ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شاید محکمہ کے قول کا رد و مدار اس حدیث پر ہے جو مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا جو بچہ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہفت کے دن مٹی کو پیدا فرمایا، اوار کے دن کھانا پیدا فرمائے، پیر کے دن درخت پیدا کیے، منگل کے دن کھرباہات و مصائب پیدا کیے، چو کے دن نور پیدا فرمایا، جمعرات کے دن زمین میں چوپائے پیدا کیے اور جمعہ کے روز عصر کے بعد ان کی آخری ساعت میں سب سے آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی آخری ساعت سے صراحت عصر اور رات کی درمیانی ساعت ہے (۱)۔

ظاہر یہ ہے کہ راوی کو اس حدیث میں وہم ہوا ہے کیونکہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق چھ دن میں ہوئی جبکہ اس حدیث میں سات دنوں کا ذکر ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ تخلیق کا آغاز اتوار کے دن سے ہوا اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تخلیق کا آغاز ہفتے کے دن سے ہوا اور آیت ر و اسی و بارک فیہا وقدر فیہا اھو اتھا۔ اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو تیسرے اور چوتھے دن (منگل اور بدھ) پیدا فرمایا، جبکہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن پیدا فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کا سابق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بہت عرصہ بعد میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَقَالَ رَبُّكَ لِمَنْ لَبِسَتْ عِثَّةً لَّيْلِي جَاعَلِيْكَ مِنَ الْاَنْفُسِ ضَلٰلَةً ۝۱۰۱** اور آدم علیہ السلام کے قطعہ میں یہ بھی ہے کہ آپ کی مٹی چالیس روز تک پگھل گئی لہذا اگر ہم صحیح ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق جسے حدیث کے آخری ساعت میں ہوئی تو پھر تخلیق کا آغاز اسی جہ سے ہوا۔ واللہ اعلم۔

۵۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں اس کے حسب حال وحی فرمائی عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں اس کی مخلوق، یعنی فرشتے، سمندر، پہاڑ، زمہریر اور درود چیزیں پیدا فرمادیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کوئی

نہیں جانتا۔

فقہ اور سہمی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں سورج، چاند اور ستارے پیدا فرما دیئے اور مقابلے سے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر و نہی میں سے جو چاہا وہ ہر آسمان کی طرف (وہی فرما دیا) (۱)۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان کی طرف وہ امر و نہی فرمایا جس کے سبب ان میں رہنے والی مخلوق کو اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا۔ اور ہم نے آسمان دیکھا کہ چرخوں، یعنی ستاروں سے حزمین اور آراستہ کر دیا۔ اور ہم نے اس کی آفات اور چوری کرنے والوں سے حفاظت فرمائی۔ بعض نے کہا ہے کہ حفظا مفعول لہ ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے آسمان دنیا میں زمین اور حفاظت کے لیے ستارے پیدا فرما دیئے۔ یہ سب نظام جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اس خدا کا ہے جو پانی بادشاہی اور حکومت میں سب سے غالب ہے اور اپنی مخلوق کے بارے میں سب کچھ جانتے والا ہے۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثُودٌ إِذْ
جَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا
لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ لَكَاذِبُونَ ○

”جس آئروہ (جبرجی) روگردانی کریں تو آپ فرمائیے کہ میں نے ذرا پائے چھیں اس بڑک سے جو عاود خود کی بڑک کی مانند (بلاکت خیز) ہوگی۔ (کچھ یاد ہے) جب آپ آئے تھے ان کے پاس رسول سامنے سے اور پیچھے سے (یعنی ہر طرف سے) یہ سمجھانے کے لئے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو انہوں نے کہا اگر ہمارے رب کی مرضی ہوتی (کہ ہمیں کچھ سمجھائے) تو فرشتے نازل کر لیں ہم جو کہ کرتھیں بھیجا گیا ہے۔ (اسکا سراسر) انکار کرتے ہیں۔“

۱۔ **فَإِنْ أَعْرَضُوا عَنْكَ فَلْيُكَلِّمْهُمْ** کہے، یعنی اگر کفار مکمل اس بیان کے بعد بھی ایمان لانے سے درگزر دیا کریں تو آپ انہیں اس سے ڈرائیں کہ ان پر ایسا ہلاکت خیز اور شدید عذاب آئے گا جیسا عذاب قوم عاد اور ثمود پر آیا تھا۔ **طَبَقَةُ** کا معنی ہے ہر ہلاکت خیز اور تباہ کرنے والی شئی۔

۷ (کچھ یاد ہے جب عادیو شہود کے پاس رسول آئے تھے۔ ترکیب کا نام میں اِذَا جَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ 'ضُوعُو عَادٍ سے حال ہے۔ اسے ضُوعُو کی صفت بنانا یا انفرادیت کی طرف بنانا جائز نہیں کیونکہ اس سے معنی فاسد ہو جاتا ہے ہنَّ بَشَرٍ اَیْنِیْہُمْ وَوَرِیْ حَافِیْہُمْ۔ سے مراد ہے تمام اطراف و جوانب سے اور انہوں نے انہیں ہر بہت سے سمجھانے کی پوری کوشش کی۔ یا عِنْدَیْہِ ہے کہ ان کے پاس زمانہ ماضی کی جہت سے رسول آئے تاکہ انہیں اس عذاب سے ڈرائیں جو گزشتہ زمانہ کے کفار پر آتا تھا اور زمانہ مستقبل کی جہت سے آئے تاکہ انہیں اس سے ڈرائیں جو آخرت میں ان کے لئے تیار کیا گیا ہے ان دونوں لفظوں میں سے ہر ایک دونوں زمانوں کا احتمال رکھتا ہے۔

[illegible]

نہیں) البتہ میں ان کے پاس گیا اور آپ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا لیکن آپ نے مجھے ایسا جواب دیا جو قسم بخدا! نہ شعر ہے نہ کہانت اور نہ ہی وہ جادو ہے پھر عقبہ نے یہ سورۃ اس قول باری تعالیٰ تک پڑھ کر سنائی اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَقُلْ مَنَاصِبُهُمْ وَشَلْ صُفْحَةً عَنَّا وَقُلْ مَنَاصِبُهُمْ۔ (کہ جب آپ نے یہ سورۃ یہاں تک پڑھ کر مجھے سنائی) تو میں نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر آپ کو روک دیا اور میں نے آپ کو رشتہ داری کا واسطہ دکر کہا کہ آپ یہیں رک جائیں۔ اور تم یہ یقینا جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب کوئی شئی کہتے ہیں تو آپ جھوٹ نہیں بولتے۔ اور مجھے تو خوف ہونے لگا کہ تم پر عذاب نازل ہونے لگے گا (1)۔

محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ عقبہ بن ربیعہ انتہائی علیم الطبع سردار تھا۔ ایک دن وہ قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم تنہا کیلے مسجد میں تشریف فرما تھے تو اس نے کہا اے گروہ قریش! کیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اٹھ کر نہ چلا جاؤں اور آپ سے جا کر کچھ گفتگو کروں اور کچھ امور آپ کے سامنے جا کر رکھوں شاید وہ ان میں سے بعض کو قبول کر لے۔ پس ہم وہ انہیں پیش کر دیں گے اور وہ ہم سے باز آ جائیں گے۔ (یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر چکے تھے اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔) تو اہل مجلس نے اسے کہا کیوں نہیں؟ اے ابوالولید! تم اٹھو اور آپ کے پاس جاؤ اور آپ سے گفتگو کرو چنانچہ عقبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور جا کر کہا اے بیٹھے! بیشک آپ ہم میں سے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ آپ کا خاندان بھی وسیع ہے اور ہنسی اعتبار سے بھی آپ ایک خاص مقام رکھتے ہیں لیکن آپ نے ایک عظیم کام کیا ہے جس کے سبب آپ نے تمام میں پھوٹ ڈال دی اور انہیں تقسیم کر دیا اور دانا اور عقیقہ لوگوں کو تم نے حق اور بیوقوف قرار دیا، ان کے معبودوں کی عیب جوئی کی اور ان کے آباؤ اجداد کو کافر قرار دیا۔ لہذا آپ میری بات سنیں میں چند امور آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں آپ ان میں غور و فکر فرمائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوالولید! کہو (جو کہنا چاہتے ہو۔) تو اس نے کہا اے بیٹھے! جو دعویٰ کرتے ہو اگر اس سے تمہارا مقصود مال حاصل کرنا ہے تو ہم اپنے اموال میں سے تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم اس سے عزت و شرف اور سرداری کی خواہش رکھتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیتے ہیں اور اگر اس دوران آپ کو کوئی چیز (جنس بھوت وغیرہ) دکھائی دیتی ہے جسے آپ دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو ہم آپ کے علاج معالجے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا شاید یہ شعر ہوں جن کے سبب تمہارا سینہ جوش مارتا ہو تو اے بنی عبدالمطلب! مجھے اپنی عمر کی قسم تم اس کے بارے وہ قدرت رکھتے ہو کہ تمہارے سوا اس پر کوئی اتنا قادر نہیں۔ یہاں تک جب وہ کام سے فارغ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اے ابوالولید! کیا تو کام سے فارغ ہو گیا ہے؟ تو اس نے کہا جی ہاں! (امیر اکام مکمل ہو چکا ہے) تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب مجھ سے سن۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھنا شروع کیا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ حَمْدٌ تَبْتَغِيْ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کَثِیْرٌ فُجِیْتُ اِلَیْہِ اَنَا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ رہے تھے جبکہ سترہا پے ہاتھ پشت کے پیچھے کر کے ان پر سہارا لیے بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ پوری توجہ سے قرآن کریم سن رہا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت آیت مجیدہ پر قسم کی اور مجیدہ کیا پھر ارشاد فرمایا اے ابوالولید! تو نے سنا یہ اس کا جواب ہے جو تو نے کہا۔ عقبہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کی جانب چلا گیا۔ تو ان میں سے بعض نے ایک دوسرے کو کہا ہم اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ ابوالولید

تمہارے پاس بلا ہوا چہرہ لٹکرا رہا ہے (یعنی اب اس کے خیالات وہ نہیں ہیں جو وہ لٹکرا گیا تھا۔) پس جب وہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا تو ساتھیوں نے پوچھا اے ابوالولید! کیسے واپس آئے ہو (کوئی خبر لائے ہو؟) تو اس نے جواب دیا خبر یہ ہے کہ میں نے ایسا کلام سنا ہے خدا کی قسم! میں نے اس کی مثل کبھی بھی نہیں سنا نہ تو وہ شعر ہے اور نہ ہی محرومانہی وہ کہانت ہے۔ اسے گرد و قریش! تم میری بات مانو اور اس آدمی کا راستہ چھوڑ دو جو کچھ یہ کہتا ہے اسے کہنے دو اور کرنے دو تم اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو۔ میں نے اس سے جو کلام سنا ہے قسم بخدا! وہ حقیقت ہو کر رہے گا لہذا اگر عرب اس پر غالب آگئے تو تم اپنے مقصد کو پانے میں کچھ سکے بغیر کامیاب ہو جاؤ گے اور اگر یہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور اس طرح تم اس کے سبب تمام لوگوں میں زیادہ معاد و تمدن و خوش بخت ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر ساتھیوں نے کہا اے ابوالولید! قسم بخدا! اس نے تجھ پر اپنی زبان سے جادو کر دیا ہے۔ عتبہ نے جواب دیا تمہارے لیے میری بیگماری ہے اب جو تم پر جادو کر دے (1)۔

فَاَمَّا عَادُ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا اَمْنٌ اَشَدُّ مِمَّا فُوتُوْهُۥٓ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةًۙ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٥﴾
فَاَنزَلْنٰ عَلٰیہُمْ سُلٰلًا مِّنْ سَمٰوٰتٍۭ بِرِيْحٍ حٰصِرٍۭ اِیَّاہُمْ نَحْسٰتٍۭ لِّئَلَّا یَقۡرَءَ عَذَابَ الْخٰزِرِۭ فِی الْحَیٰوَةِ الدُّنْیَاۙ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخۡزٰی وَّهُمْ لَا یُضۡرَوْنَ ﴿٦﴾

”پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوی ہے۔ اور وہ (تو) ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے لے پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی تند ہوا مخصوص دنوں میں تاکہ ہم انہیں چکھائیں ذاتِ امیر عذاب اس دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی۔“

۵۔ قوم عاد نے بغیر کسی استحقاق کے اپنے آپ کو اہل زمین سے برتر اور عظیم سمجھا (انہوں نے اتنا تکبر اور مغوت اختیار کر لی کہ جب انہیں عذاب سے ڈرایا گیا تو وہ اپنی شوکت و سطوت اور قوت و طاقت پر غرور و تکبر کرتے ہوئے کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ یعنی ہم سے بڑھ کر کوئی قوت و طاقت والا نہیں۔ ہم اپنی قوت و طاقت سے عذاب کو دور بنادیں گے (ان کی قوت کا عالم یہ تھا) کہ ان میں سے ہر کوئی پہاڑ سے ہماری بھر کم سخت چٹان اکھیر کر جہاں اسے رکھنا چاہتا رکھ لیتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد کرتے ہوئے فرمایا کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوی ہے؟ اَوَلَمْ یَرَوْا اِیَّاہُمْ نَحْسٰتٍۭ فِی الْحَیٰوَةِ الدُّنْیَاۙ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخۡزٰی وَّهُمْ لَا یُضۡرَوْنَ ﴿٦﴾

کہا ہے اور وہ نہیں جانتے؟ اور وہ تو ہمیشہ ہماری آیات یعنی معجزات کا انکار کرتے تھے۔ یعنی وہ جانتے تھے کہ یہ حق ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان کا انکار کرتے تھے اس کی بنا کہ عطف قالوا پر ہے۔

۶۔ فَاَنزَلْنٰ عَلٰیہُمْ سُلٰلًا مِّنْ سَمٰوٰتٍۭ بِرِيْحٍ حٰصِرٍۭ اِیَّاہُمْ نَحْسٰتٍۭ لِّئَلَّا یَقۡرَءَ عَذَابَ الْخٰزِرِۭ فِی الْحَیٰوَةِ الدُّنْیَاۙ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخۡزٰی وَّهُمْ لَا یُضۡرَوْنَ ﴿٦﴾

یہ الصر سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی سردی اور ٹھنڈک ہے اور بصر کا معنی ہے جمع رہنا۔ اور مضبوط رہنا۔ یا الصرہ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے پیچ و پکار، شور و غل۔

فَآيَا وَفُجَسَاتٍ مِّنْ أَيْنَ كَثِيرٍ، نَافِع، ابو عمر و اور یسقطب نے حاء کو ساکن پڑھا ہے اور یاقین نے نکسور۔ ان سے مراد وہ دون ہیں جو ان کے حق میں انتہائی منحوس تھے۔ فشاک نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین سال تک ان سے بارش کو روک رکھا اور ان پر بغیر بارش کے ہوائیں چلتی رہیں (1)۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ سوال کے آخر میں ایک بدھ سے نیکر دوسرے بدھ تک کے ایام تھے۔ اور ہر قوم کو عذاب بدھ کے دن ہی دیا گیا۔ عَذَابُ الْخُزْيِ سے مراد رسوا کن اور ذلت آمیز عذاب ہے۔ عذاب کی خوزی کی طرف اضافت موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے جیسا کہ رجل الحرب اور حاتم الجود میں ہے اور اس کی دلیل وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ آخِرُی ہے۔ اصل میں اسی طرح ہے ترکیب کا ام میں وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ آخِرُی کا عطف اور سلطا ہے دراصل اخذی، معذب (جسے عذاب دیا گیا) کی صفت ہے، لیکن مبالغہ کے لئے مجازاً عذاب کی صفت اخوزی بیان کی گئی ہے۔ معنی یہ ہے کہ آخرت کا عذاب تو بہت رسوا کن ہوگا اور ان سے عذاب دور کر کے ان کی ہرگز مدد نہیں کی جائے گی۔

وَأَمَّا شَوْدُ فَعَدَّ يُنْهَمُّ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمُ صُعِقَةُ الْعَذَابِ
الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٦﴾ وَيَوْمَ
يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٧﴾

”باقی رہے شہود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے ان کو تو توں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرتے رہتے تھے اور (ذرا خیال کرو) ان دن کا جب جمع کیے جائیں گے اللہ کے دشمن آتش (جہنم) کی طرف پھروہ (گروہوں میں) بانٹ دیئے جائیں گے۔“

۱۔ ہم نے قوم شہود کی طرف رسلِ علیم اسلام کو بھیجا اور خیر و شر کے بارے میں ان کی خوب راہنمائی کی اور راہ ہدایت ان کے سامنے واضح کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح بیان کیا ہے (2)۔ لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی اور ایمان کے مقابلے میں جہالت اور کفر کو اختیار کیا۔ تو انہیں آسمان کی طرف سے ذلت آمیز، رسوا کن جہلک ترین عذاب کے لئے صُعِقَةُ کی ایک چیخ اور کڑک نے پکڑ لیا۔ اظہار مبالغہ کے لئے صُعِقَةُ کی اضافت عذاب کی طرف اور عذاب کی صفت الْهُونِ (رسوا کن) بیان کی گئی ہے پنا کاؤ ایلے یسبوت سے مراد یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے مگر اسی اور ملامت کو پسند کیا تھا اسی کی پاداش میں ان پر عذاب نازل ہو۔

۲۔ اور ہم نے ان لوگوں کو اس عذاب سے بچا لیا جو ایمان لائے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے۔

۳۔ اور یاد کرو اس دن کو جب اللہ تعالیٰ کے دشمن جمع کئے جائیں گے۔ نافع اور یسقطب نے بحشر کی بجائے صیغہ جمع متکلم معروف بحشر پڑھا ہے۔ اور اعداء اللہ کو مفعول ہونے کی بنا پر نصب دی ہے اور یاقین نے فعل مضارع مجہول سے صیغہ واحد مذکر

غائب بعشر نصب پڑھا ہے اور اعداء اللہ کو مرفوع پڑھا ہے۔ اِنِّیْ اَنْظَرُ فَعْمٌ یُّؤْخَرُونَ اور انہیں آتش جہنم کی طرف ہانکا اور دکھایا جائے گا۔

قائدہ اور سدی نے کہا ہے ان میں سے پہلوں کو روک دیا جائے گا تاکہ آخر میں آنے والے ان سے جائیں (1)۔ علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ اس سے مقصود اہل جہنم کی کثرت کا اظہار ہے (2)۔

حَتّٰی اِذَا مَا جَا عَوْهَا شَهِدَ عَلَیْہِمۡ سَبْعَ مِۡمَ وَاَبْصَارُہُمۡ وَاَجْلُوۡدُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعْمَلُوۡنَ ﴿۵﴾ وَاَقَالُوۡا اِلٰی جُلُوۡدِہُمۡ لِمَ شَہِدْتُمْ عَلَیْنَا ؕ قَالُوۡا اَنۡظَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیۡ اَنۡظَقَ کُلَّ شَیۡءٍ عَوۡہُوۡ حَلَقَکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّاَلِیۡوُسُرَ جَعَلُوۡنَ ﴿۶﴾

”یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب آجائیں گے (تو حساب شروع ہوگا اسوقت) گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی وہ کہیں گے (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو اور اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ اور اب اسی کی طرف تم لوٹائے جا رہے ہو۔“

۱۔ حتیٰ ابتدایہ ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب حاضر ہو جائیں گے اِذَا مَا میں مازائد ہے جو کہ شہادت کو حضور (حاضری) کے ساتھ ملانے کی تاکید کے لئے ہے۔

سدی اور ایک جماعت کا قول ہے کہ جلود سے مراد شرمگاہیں ہیں۔ اور مقاتل نے کہا ہے کہ ان کے اعضاء بول پڑیں گے (3) (اور ان کے خلاف شہادت دیں گے) امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ آپ اچانک مسکرانے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہوں کہ کس کے سبب میں مسکرا رہا ہوں؟ ہم نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہی جہت جانتے ہیں۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے مسکرانے کا سبب یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے اس طرح عرض کناں ہوگا اے میرے پروردگار! کیا تو نے مجھے ظلم سے بچا نہیں دے دی ہے؟ (یعنی کیا تو نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ کسی پر ظلم نہیں کیا جائیگا) تو رب کریم فرمائے گا کیوں نہیں پھر بندہ عرض کرے گا میں اپنے خلاف کوئی شاہد نہیں کروں گا مگر وہی جس کا تعلق مجھ سے ہو۔ تو رب کریم فرمائے گا آج کے دن تیرے خلاف تیرے نفس کی شہادت ہی کافی ہے۔ اور تیرے خلاف اعمال کفّے والے فرشتے (کراما کا تین) ہی شہادت دیں گے۔ چنانچہ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء بدن کو کہا جائیگا تم بولو۔ چنانچہ وہ اس کے اعمال کے بارے گفتگو کریں گے پھر اس کے منہ سے مہر بنادی جائے گی (اور اعضاء بدن اور اس کے درمیان گفتگو کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی تو وہ انہیں کہے گا دور ہو جاؤ تمہارے لیے پھٹکار ہو میں تو تمہاری طرف سے ہی جھگڑ رہا تھا اور تمہارا ہی دفاع کر رہا تھا) (4)۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے اس میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ران کو حکم دے گا تو

بول۔ تو اس کی ران اس کا گوشت اور ہڈی اس کے اعمال کے بارے شہادت دیں گے (۱)۔

ہے اور جنہیں آتش جہنم کی طرف جمع کیا جائے گا وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ تم دور ہٹ جاؤ تم پر پھینکا رہو۔ ہم تو تمہاری طرف سے ہی جھگڑ رہے تھے اور تمہارا ہی دفاع کر رہے تھے یہ سوال محض زبردست کج کے لئے ہوگا۔ وہ کہیں گے (تم تو بے بس ہیں) ہمیں اللہ تعالیٰ نے گویا کر دیا ہے جس نے ہر بولنے والی شئی کو گویا کیا ہے اور اسی نے ہمیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اب اسی کی طرف تم لوٹنے چارے ہو۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ اِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مِّنْهُ
اعضائے بدن کے کلام میں سے ہو۔ اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ جملہ مستأخروں ہو۔ مابعد کلام میں بھی یہ دونوں احتمال ہیں۔
شیخین نے صحیحین میں اور علامہ بغوی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ بیت اللہ شریف کے پاس دو
ثقفی اور ایک قریشی یا دو قریشی اور ایک ثقفی جمع ہوئے وہ انتہائی بھاری بھر کم آدمی تھے ان کے پیٹوں پر چربی بہت زیادہ تھی لیکن ان میں
فہم و فراست کی استعداد بہت کم تھی۔ تو ان میں سے ایک کہنے لگا تمہارا کیا خیال ہے جو کچھ ہم کہ رہے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے؟ تو
دوسرے نے کہا جو کچھ ہم بلند آواز سے کہتے ہیں اسے تو وہ سنتا ہے اور جو ہم آہستہ آواز سے کہتے ہیں وہ نہیں سنتا اور تیسرے نے کہا کہ
گر ہم بلند آواز سے بات کریں تو وہ سنتا ہے تو پھر وہ ہماری ان باتوں کو بھی سنتا ہے جو ہم آہستہ آواز سے کہتے ہیں (2) علامہ بغوی نے
کر کیا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ وہ ثقفی تو عبد یا مکیل تھا اور دو قریشی ربیعہ اور صفوان بن امیہ کے داماد تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ
ایات نازل فرمائیں (3)۔

[illegible]

”اور تم نہیں چھپا سکتے تھے اپنے آپ کو اس امر سے کہ گواہی نہیں تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہاری کھالیں بلکہ تم تو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں تمہارے اکثر اعمال کو جو تم کرتے ہو۔ اے اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم جو مجھے نقصان اٹھانے والوں سے ملے پس وہ مبر کریں (یا نہ کریں) آگ میں اے ان کا ٹھکانہ ہے اور اگر وہ (اس وقت) رضائے الٰہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہو سکتے جن پر اللہ راضی ہو اسے“

۱۔ علامہ لغوی نے ذکر کیا ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک تفسیر و ترمذ کا معنی یہ ہے کہ تم چھپا نہیں سکتے تھے۔ مجاہد نے کہا ہے اس کا معنی ہے تم ڈرتے نہیں تھے۔ اور قتادہ کا یہ قول ہے کہ تم گمان بھی نہیں کرتے تھے (4)۔ یعنی تم اپنے اعضائے بدن سے اس خوف سے بھی اپنے

2- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 92-91 (التجاریہ)

4- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 91 (التجاریۃ)

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 409 (قدیمی)

3- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 92 (التحاریہ)

برے اعمال کو نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے کان تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف شہادت دیں گے۔ جتنا کہ تم ذات اور روحانی کے خوف سے لوگوں سے اپنے برے اعمال کو چھپاتے تھے۔ گویا اس کا مفہوم یہ ہوا کہ تم یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ تمہارے اعضا سے بدن تمہارے خلاف شہادت دیں گے اور اس میں اس بات پر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے اعمال کو چھپاتا ہی نہیں مگر وجہ ہے کہ تم جو اعمال بھی کرتے رہے بڑی جرأت اور لیرلی کے ساتھ کرتے رہے۔

۱۔ ذلکم ترکیب کلام میں مبتدا ہے اور ظَلَمْتُمُ الَّذِیْنَ ظَلَمْتُمْ بِرَبِّکُمْ اَمْ ذَلَمْتُمْ مَبْدَا کی دو خبریں ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ظَلَمْتُمُ الَّذِیْنَ۔ ذلکم اسم اشارہ سے بدل ہوا اور اَوْ ذَلَمْتُمْ اس کی خبر ہو۔ معنی یہ ہے کہ تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا۔ پس تم نقصان اٹھانے والوں سے ہو گئے۔

۲۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا پس اگر وہ آگ میں صبر کریں (یا نہ کریں) آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے۔ ان کے لئے اس سے قطعاً نجات نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ اس وقت رضائے الہی چاہیں گے اور وہ عقیبی کے طالب ہو گئے عقیبی سے مراد اس شئی کی طرف لوٹنا اور رجوع کرنا ہے جسے وہ پسند کرتے ہیں۔ تو وہ ان میں سے نہیں ہو گئے جن پر اللہ راضی ہوا۔ یعنی ان کی خواہش اور ارز و پوری نہیں ہوگی۔

وَقِيصَّٰلَتُهُمْ قُرْآنًا فَذَرَيْنَا لَهُمْ قَبَابِينَ ۖ اَيُّ يَهُومٍ وَمَا خَلَقْنَاهُمْ وَحَشَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ
فِيْ اَمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْغَنِيِّ وَالْاُنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ وَالنَّعْوٰى فَيُبْعِلْکُمْ تَعْلٰیوْنَ ۝۱۱

”اور ہم نے مقرر کر دیئے ان کے لئے کچھ ساتھی ہیں انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو اور ثابت ہو گیا ان پر فرمان (عذاب) ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گزر چکی تھیں۔ جنوں اور انسانوں سے۔ وہ سب (اگلے پچھلے) نقصان اٹھانے والے تھے۔ اور کہنے لگے وہ کافر مت بنا کر وہ قرآن کو اور روضوں میں چادیا کر داس کی تلاوت کے درمیان شاید تم (اس طرح) غائب جاؤ گے۔“

۱۔ قِيَصًا کا معنی ہے ہم نے بھیج دیئے اور ہم نے مقرر کر دیئے۔ مقابل نے کہا ہے اس کا معنی ہے ہم نے میا کر دیئے اور ہم نے تیار کر دیئے۔ ترکیب کلام میں اس کا عطف ابتدائے سورہ میں اس قول پر ہے فَاَعْرَضْ اٰكْرَهُمْ وَقَالُوا قُلُوْبُنَا فِیْ اَكْبَةِ اَدْرَانِ کے درمیان میں مقرر تھے ہیں۔ لہم کی ضمیر ان کافروں کے لئے قرناہ (ساتھی) یہ قرین کی جمع ہے جیسا کہ کریم کی جمع کرنا ہے۔ یعنی شیاطین میں سے ساتھی جو ان پر اس طرح غالب اور مسلط ہیں جیسے اڑے پر اس کا خول ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے فیض سے مراد بدل اور عوض ہے اسی سے فتح مقایضہ ہے۔ (یعنی سامان کا سامان سے تبادلہ کرنا۔)

پس انہوں نے انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو آراستہ کر دکھایا۔ لیکن انہیں ہم سے مراد امور دنیا اور شہوات کی اتباع و ہوس ہے۔ اور وَحْشًا خَلَقْنَاهُمْ سے مراد امور آخرت ہیں۔ یعنی شیاطین نے ان کے سامنے امور دنیا کو آراستہ اور مزین کر دیا اور ساتھ ہی انہیں امور آخرت کی نکتہ دہ اور باعث بعد الموت کے انکار پر برا بھانتہ کیا۔

اور ان پر فرمان عذاب ثابت ہو گیا ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گزر چکی تھیں۔ یہاں قول سے مراد کلمۃ العذاب ہے۔ فی اَمَمٍ

کیسب کا نام جس حد تک نہیں مجرور سے حال ہے۔ یعنی کائناتیں فی جملہ اہم۔ اور قَدْ حَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِمْ فی اہم کی صفت ہے۔ یعنی جمیع ان امتوں میں سے جو انسانوں اور جنوں میں سے ان سے پہلے گزر چکی تھیں۔ اور انہوں نے ان کی طرح کے اعمال کئے۔ ترکیب کا مسمیٰ بنی اچھل و اچھل اہم کی دوسری صفت ہے۔ اِنْهُمْ کَانُوا اَخْبِرُوا کا معنی یہ ہے۔ کہ وہ سب اگلے دھچکے نقصان اٹھانے والے تھے کیونکہ انہوں نے مذہب کا سبب بننے والے اعمال کو ایسے اعمال پر ترجیح دی جو رحمت کا سبب بنتے ہیں۔ گویا یہ جملہ ان کے مذہب کا تحقیق بننے علت بیان کر رہا ہے۔ اور انہم کی ضمیر یا تو غبار کی طرف اشارہ کرتی ہے یا پھر اس کا مسمیٰ اہم ہیں۔

ع اور اہل بیت میں سے کافر کہنے گئے۔ اس قرآن کو مت سنارو اور اس کی تلاوت کے درمیان شروع مل چادیا کرو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ میں ایک دوسرے کو کہتے کہ جب تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو کہ وہ قرآن پڑھ رہے ہیں تو تم ان کے سامنے جزا اور شہر کی کرو یا تو باتیں خوب کیا کرو۔

مجاہد نے کہا کہ یہاں شروع مل چانے سے مراد تائیاں اور شیماں بجانا ہے۔ خاک نے کہا ہے اس کا معنی ہے تم خوب کثرت سے تمہیں کیا کرو اور جو تہجد ہر روز اس خطا غلط کرو یا کرو۔ اور سدی کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے اس کے سامنے خوب چچو پکارو اور شروع مل کیا کرو یا یہ اس طرح تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت پر غالب آ جاؤ۔

فَسَيُنْفِقُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا ۖ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْرَآءَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ جَزَاءُ اَعْدَاءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَنَبْهَنَّهُمْ فِيْهَا دُمُ الْخُلْدِ ۖ جَزَاءُ الَّذِي كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا رَبَّنَا اَمْرًا الَّذِيْنَ اَصْلَلْنَا مِنْ الْجَنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلُهَا تَحْتَ اَقْدَامِ الَّذِيْنَ كَانُوا يَسْتَفْلِدُونَ ﴿٦٢﴾

”جس میں ضرور چکسائیں گے کفار کو شدید عذاب (کا مزہ) اور انہیں بدلہ دیں گے بہت برا اس (نافرمانی) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی یعنی آگ ان کے لیے اس میں ہی ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے۔ یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں دکھا دو دونوں (شیطان) جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے ہم انہیں روند ڈالیں گے اپنے قدموں سے نیچے تاکہ وہ ہو جائیں پست ترین لوگوں سے۔“

لے فَسَيُنْفِقُ الَّذِينَ كَفَرُوا میں ضمیر کی جگہ اہم ظاہر کر رکھا گیا ہے تاکہ ایک تو ان کے کفر پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے اور دوسرا اس لئے تاکہ یہ حکم انہیں اور دیگر تمام کفار کو شامل ہو جائے۔

وَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْرَآءَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ کا معنی یہ ہے کہ ہم یقیناً انہیں ان کے برے اعمال کا بدلہ دیں گے۔ یا معنی یہ ہے کہ ہم بالیقین انہیں ان کے اس کفر کا بدلہ دیں گے جو ان تمام اعمال میں سب سے برا تھا جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔

ع ذالک (اہم اشارہ) مہمدا ہے اور اس کا مشارا یہ اسو ہے۔ اور جَزَاءُ اَعْدَاءِ اللّٰهِ اس کی خبر ہے النار، جزاء سے عطف بیان ہے یا پھر یہ مبتدا حذف کی خبر ہے۔ دار الخلد سے مراد دار الاقامہ (قیام گاہ) ہے جزاء فعل مقدر کا مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ جو کہ یجوز ہے۔ اور یہ مکمل جملہ ماقبل کلام کی تاکید کے لئے ہے بایں ایت سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور

بیحدوں کا معنی یہ ہے کہ وہ حق کا انکار کرتے تھے یا معنی یہ ہے کہ وہ قراءۃ قرآن کے وقت شروع اور لغو باتیں کرتے تھے اور یہاں جو (انکار) کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ یہ انکار ہی ان کے شروع کرنے کا حقیقی سبب تھا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا كَذَّبُوا كَذِبًا عَظِيمًا سَابِقَ كَلَامِ الْغَايِبِينَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كُفْرُهُمْ وَلَهُمْ فِيهَا عَذَابٌ مُبِينٌ (یعنی ان دونوں کے بعد کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں دکھا دو دونوں (شیطان) جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے۔ یعنی ان دونوں انواع کے وہ دونوں شیطان جو انہیں گمراہی اور گمراہ پر اکساتے اور برا بھینٹ کرتے تھے۔ وہ دکھا بعض نے کہا ہے کہ دونوں شیطانوں سے مراد ابلیس اور قاتیل بن آدم علیہ السلام ہے۔ کیونکہ یہی دونوں کفر و معصیت کی بنیاد رکھنے والے تھے۔

اور ان کو ابن عامر، ابن کثیر، بیہقوب، ابو بکر اور السوسی نے تخفیف، یعنی را کے سکون کے ساتھ ادا پڑھا ہے۔ ان کی یہ قرات اسی مقام کے ساتھ خاص ہے مگر الدوری نے را کے کسر کو اخلاص کے ساتھ اور باقیوں نے اشباع کے ساتھ پڑھا ہے۔

ہم انہیں آگ میں اپنے قدموں کے نیچے روند ڈالیں گے تاکہ وہ پست ترین لوگوں سے ہو جائیں، یعنی تاکہ وہ جہنم کے سب سے نیچے والے حصہ میں ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تاکہ وہ دونوں ہماری نسبت شدید ترین عذاب میں مبتلا ہو جائیں (۱)۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَتَخَفُوا
لَا تَخْزَوْنَ أَوْ يَبْغُوا وَالَّذِينَ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَتَخَفُوا

”بیشک وہ (سعادتمند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے۔ اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“

لَمْ يَتَّخِذُوا لِلَّهِ كُفْرًا سَابِقًا لِّقَوْلِهِمْ وَلَهُمْ فِيهَا عَذَابٌ مُبِينٌ (یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہوئے اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر صراطِ مستقیم کو لازم پکڑ لیا۔ یعنی نے کہا ہے کہ یہ آیت طیبہ خلیفہ رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لَمْ يَتَّخِذُوا كُفْرًا سَابِقًا لِّقَوْلِهِمْ (یعنی اس پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ استقامت کا رتبہ اقرار ربوبیت سے موخر ہے۔ استقامت سے مراد اعتدال اختیار کرنا کج روی اختیار نہ کرنا اور حق سے کسی بھی اعتبار سے انحراف نہ کرنا ہے، نہ ہی اعتقاد کے اعتبار سے اور نہ ہی اخلاق و اعمال کے لحاظ سے (۲)۔

صاحبِ تاسوٹوں نے کہا ہے استقام بمعنی اعتدال اور قومۃ بمعنی عدلۃ، میں نے اسے سیدھا کر دیا اور قوم اور مستقیم دونوں ہم معنی ہیں۔ اسی سے صراطِ مستقیم بھی ہے، یعنی وہ سیدھا اور ہموار راستہ جو چلنے والے کو بالیقین منزل اور مطلوب تک پہنچاتا ہے استقامت ایک مختصر لفظ ہے جو کہ جمع احکام شرعیہ کو شامل ہے، چاہے ان کا تعلق ایسے امور سے ہو جن کی ادائیگی لازم اور ضروری ہے یا ان کا تعلق منہیات سے ہو جن سے اجتناب کرنا اور باز رہنا لازم اور ضروری ہو۔ بشرطیکہ اس ادائیگی اور اجتناب پر دوام و ثبات حاصل ہو (۳)۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اسلام کے بارے میں مجھے ایسا قول ارشاد فرمائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (اور ایک روایت

کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کسی سے سوال کی ضرورت نہ پڑے۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا ”قل امنت باللہ ثم استقم“ (کہو میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لایا پھر اس قول پر استقامت اور چلتی اختیار کرو) اسے مسلم نے روایت کیا ہے (1)۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق (1) سے استقامت کے بارے میں پوچھا گیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا (لَا تَشْرُكْ بِاللَّهِ شَيْئًا)

حضرت عمر فاروق اعظم بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”الاستقامة ان تستقيم على الامر والنهي ولا توغ وروغان التعالب“ (کہا استقامت سے مراد امر و نهي پر مضبوطی سے عمل کرنا اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر مڑنے کی جیلہ سازی نہ کرنا ہے۔) حضرت عثمان ذوالنورین بن عفان رضی اللہ عنہ نے استقامت کے بارے فرمایا ”اخلص العمل لله“ کہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرو)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استقامت کے بارے فرمایا دو القرائض، یعنی استقامت کا معنی ہے انہوں نے فرائض ادا کئے (2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کا معنی ہے انہوں نے فرائض ادا کرنے میں استقامت اختیار کی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر مضبوطی سے قائم رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری پر عمل پیرا رہے اور مصیبت و گناہ سے اجتناب کرتے رہے۔ مجاہد اور کرمہ کا قول یہ ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے پر مضبوطی سے ڈٹے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔ اور مقاتل نے کہا ہے کہ وہ معرفت پر مضبوطی سے قائم رہے اور اسے کبھی نہیں چھوڑا (3)۔

جتنی عبارات ہم نے ذکر کی ہیں ان میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے وہ امر و نهي پر مضبوطی سے قائم رہے اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر نہ مڑے۔ اور حضرت علی، ابن عباس اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ استقامت کا لفظ ان تمام امور کو شامل ہے جنہیں ادا کرنا اور جن سے اجتناب کرنا اللہ تعالیٰ نے فرض کر دیا ہے، چاہے ان کا تعلق عقائد سے ہو یا اخلاق و اعمال سے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شئی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انہوں نے اعمال خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کیے ان تمام میں اس چیز کی وضاحت ہے کہ ان کے عمل میں قطعاً شریعت پر کیا کاری مطلوب نہیں ہوتی۔ اور یہی معنی مجاہد اور کرمہ کے قول کا بھی ہے۔ پس استقامت کا قلب و نفس کو فاسد کرنے بغیر

1- صحیح مسلم، جلد 1 صفحہ 48 (قدیمی)
2- تفسیر بغوی، جلد 6 صفحہ 92-93 (انتہاریہ)

3- تفسیر بغوی، جلد 6 صفحہ 93 (انتہاریہ)

(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا تم ان دونوں آیتوں کے بارے کیا کہتے ہو؟ ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقامو اور الذین امنوا و لم یلبسوا ایمانہم بظلم۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلی آیت کا مطلب یہ ہے انہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر اس کے مطابق عمل کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر پوری استقامت کے ساتھ کاربند رہے اور گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور لم یلبسوا بظلم کا معنی بھی یہی ہے کہ انہوں نے گناہ نہیں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے اس آیت کو انتہائی شدید امر پر محمول کیا ہے۔ آپ نے فرمایا آیت الذین امنوا و لم یلبسوا ایمانہم بظلم کا مطلب ہے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کیا اور آیت الذین قالو ربنا اللہ ثم استقامو کا مطلب ہے کہ پھر وہ جن کی عبادت کی طرف نہیں لوٹے شیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازلیۃ الخلاء میں اسی طرح بیان کیا ہے سنائی، بڑا اور ایوب علی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ان الذین قالو ربنا اللہ ہم پر تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ بعض لوگوں نے خوف کے سبب ایسا کہا پھر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے اور جو مرے وقت تک یہ کجارت باوجود استقامت اختیار کرنے والوں میں سے ہے۔

اور معرفت الہی حاصل کئے بغیر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ صوفیہ نے بھی بیان کیا ہے اور مقاتل کے قول کا مفہوم بھی یہی ہے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب بھی یہ آیت تلاوت کرتے تھے تو ساتھ ہی دعا کرتے تھے اللھم انت ربنا فارزنا الاستقامۃ۔ (۱) اے اللہ! تو ہمارا دروگاہ رہے ہمیں استقامت کی توفیق عطا فرما۔ (۱) حضرت حسن بصری صوفیہ کے سرخیل تھے اکثر سلاسل کی ابتداء آپ پر ہی ہوتی ہے۔

۱۔ ان پر موت کے وقت فرشتے اترتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کہا ہے۔

قتادہ اور مقاتل کا قول یہ ہے کہ جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان پر فرشتے اتریں گے (۲)۔

وکیع بن جراح نے کہا ہے خوش خبری، بشارت تین مقامات پر ملے گی موت کے وقت قبر میں اور قبر سے اٹھائے جانے کے وقت (۳)، (۱) الا مخالف فرشتے آکر کہیں گے تم خوف نہ کرو۔ اس میں انی مفسرہ ہے کیونکہ تَشْتَرُونَ عَلَیْہِمْ اَسْوَیٰ معنی کو مٹھکھن سے جو قول کے معنی میں ہے۔ پایہ ان خلفہ عن مشکوٰۃ ہے اور اس کا اتم ضمیر شان ہے۔ یا بھران صدر ہے یہ یعنی امر آخرت میں سے جس پر تم آگے پیش ہو رہے ہو اس سے خوفزدہ نہ ہو۔ چاہہ نہ اسی طرح کہا ہے اور جواہل وعیال اور اولاد میں سے تم پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کے بارے میں غمزدہ نہ ہو کیونکہ ان کی جگہ تم تمہارا ساتھ دیں گے۔ خوف سے مراد ایسا غم ہے جو مستقبل میں آنے والی متوقع مصیبت اور تکلیف پر ہوتا ہے اور حزن سے مراد ایسا غم ہے جو کسی نفع بخش چیز کے ضائع ہونے یا نقصان دہ چیز کے لاحق ہونے کے سبب ہونے والی تکلیف اور دکھ کے سبب ہوتا ہے۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تم آگے چلے گئے ہو اور نہ ہو اور نہ ہی کوئی حزن و ملال کرو، یعنی سزا کا خوف نہ رکھو اور گناہوں کے صادر ہونے پر غمزدہ نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا (۴)۔ تمہیں بشارت ہو اس جنت کی جس کا دنیا میں رسولوں کی زبانی تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ابو نعیم نے ثابت بناتی کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے جب سورۃ حم السجدہ پڑھی تو جب ارشاد باری تعالیٰ تَشْتَرُونَ عَلَیْہِمْ اَسْوَیٰ پڑھیں تو فرمایا کہ ہم تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب بندہ مومن کو اپنی قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس سے وہی دوفرشتے آکر کہیں گے جو دنیا میں اس کے ساتھ رہا کرتے تھے اور اسے یہ کہیں گے تو نہ خوف کرو اور نہ ہی غمزدہ ہو تجھے اس جنت کی بشارت ہو جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ اسے خوف سے محفوظ فرما دے گا اور اس کی آنکھوں کو کھنڈار کئے گا۔

نَحْنُ أَوْلَیُّكُمْ فِی الْحَیْوَةِ الدُّنْیَا وَفِی الْآخِرَةِ وَلكُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَرِیْ أَنْفُسُكُمْ
وَلكُمْ فِیْہَا مَا تَدْعُونَ ﴿۱﴾ تَزُكُّوا مِنْ عَقُوبِیْ رَاحِمِیْ ﴿۲﴾

”ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا حق چاہے اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم ہانگو گے۔ یہ میری بانی ہے بہت بخشش والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے ملے۔“

۱۔ ہم دنیا میں تمہارے ساتھ تھے۔ شیاطین سے تمہاری حفاظت کرتے تھے اور تمہارے ذہنوں میں اچھی اور خیر کی باتیں القا کرتے

تھے اور آخرت میں بھی ہم تمہارے دوست ہیں۔ ہم تم سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہارے لیے جنت میں وہ لذتیں اور عیشیں ہیں جن کی خواہش تمہارے دل کریں گے۔ اور تمہارے لیے ہر وہ چیز ہوگی جس کی تم تمنا اور آرزو کرو گے۔ تدعون، دعا ہے یہ طلب کے معنی میں ہے اور پہلے کی نسبت زیادہ عام ہے۔

۱۔ ترکیب کلام میں نزلا، ماحذعون سے حال ہے۔ اور اس میں اس بات پر مطلع کیا جا رہا ہے کہ جس شئی کی وہ آرزو اور تمنا کریں گے اس کے مقابلہ میں انہیں وہ کچھ عطا کیا جائے گا جس کا تصور تک ان کے دل میں نہیں کھینچے گا۔ اور ان کے لیے یہ عطا ایسے ہی ہوگی جیسے مہمان کے لئے میزبانی ہوتی ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ میزبان ہوگا اور اہل جنت مہمان ہوں گے) بزار، ابن ابی الدنیا اور ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت میں پرندے کی طرف دیکھو گے اور (اس کا گوشت کھانے کی) خواہش کرو گے تو وہ تمہارے سامنے اس حال میں گر پڑے گا کہ بھوتا ہوا ہوگا (1)۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اہل جنت میں سے جو آدمی جو جہی جنت میں پرندے (کا گوشت کھانے کی) خواہش کرے گا تو فوراً بتی اونٹ کی مثل پرندہ اس کے دسترخوان پر آ کرے گا۔ اسے نہ دھوئیں نے مس کیا ہوگا اور نہ ہی آگ نے چھوا ہوگا۔ وہ اس سے کھانے لگ جائے گا یہاں تک کہ میر ہو جائیگا پھر وہ پرندہ (صحیح مسلم) اڑ جائیگا (2)۔ ترمذی اور ترمذی نے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بندہ مومن جنت میں پہنچے گی خواہش اور آرزو کرے گا تو فوراً اس کی یہ خواہش پوری ہو جائیگی اور ایک گھڑی میں اس کے حمل، پیدائش اور عمر کے مراحل طے ہو جائیں گے ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے (3)۔

ہناد نے الترمذی میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور یہی کامل راحت و سرور کا ذریعہ ہے کیا اہل جنت کی اولاد بھی ہوگی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب وہ چاہے گا (4) الخ۔

اصحابی نے الترمذی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک غیر مرفوع روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا جب اہل جنت میں سے کوئی آدمی بچہ پیدا ہوئے گی تمنا اور خواہش کرے گا تو اس کے حمل ہوودہ پینے اور دوودہ چھڑانے کی مدت اور اس کی جوانی کے مراحل سب ایک ہی ساعت میں طے ہو جائیں گے (5)۔

علامہ ترمذی نے مرفوع روایت اس طرح نقل کی ہے کہ آدمی جنت میں بچہ پیدا ہونے کی خواہش کرے گا تو وہ بالغ ہو جائیگا۔ علامہ ترمذی نے اسے تاریخ وغیرہ میں نقل کیا ہے۔

وَمِنْ أَحْسَنُ قَوْلِهِمْ ذَكَرَ إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٥٠﴾

”اور اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کئے اور کہا کہ میں تو (اپنے رب کے) فرمانبردار بندوں سے ہوں۔“

1۔ الترمذی و الترمذی، جلد 4، صفحہ 527 (القر)

2۔ الترمذی و الترمذی، جلد 4، صفحہ 527 (القر)

4۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 733 (احمدیہ)

5۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 93 (انتجاریہ)

3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 80 (فاروقی)

۱۔ یعنی کسی شخص کا کلام اس سے بہتر نہیں جس نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کی طرف دعوت دی۔ اور نیک عمل کے اور کہا میں تو اپنے رب کے فرمانبردار بندوں سے ہوں۔ قول سے مراد نیک کرنا یا اسلام کو دین اور مذہب بنانا ہے یہ مفہوم عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ هذا قول فلان۔ یعنی یہ فلان کا مذہب ہے۔

محمد بن سیرین اور سدی نے کہا ہے کہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے حسن نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ بندہ مؤمن ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دعوت اسلام کو قبول کیا اور اعمال صالحہ کئے اور کہا میں تو اپنے رب کے فرمانبردار بندوں میں سے ہوں (1)۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ آیت مؤمنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (2) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ دَعَا إِلَى اللَّهِ سے مراد اذان دینا ہے اور وَعَيْلًا سے مراد اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نماز ادا کرنا ہے۔

قیس بن حازم نے کہا ہے کہ وَعَيْلًا سے مراد اذان اور اقامت کے درمیان نماز پڑھنا ہے (3)۔

حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دوا اذانوں کے درمیان نماز ہے، ہر دوا اذانوں کے درمیان نماز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا ہر دوا اذانوں کے درمیان اس کے لئے نماز ہے جو پڑھنا چاہے۔ متفق علیہ (4)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں جانتا، تحقیق حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دعا نہیں کی جاتی جو اذان اور اقامت کے درمیان کی جائے۔ اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے (5)۔

اذان کی فضیلت کا بیان :- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا قیامت کے دن تمام لوگوں میں مؤمنین کی گردنیں بلند اور طویل ہوں گی۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے (6)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جہاں تک مؤمن کی آواز جن و انس اور دیگر مخلوق میں سے کوئی سنتا ہے قیامت کے دن وہ اس کے لئے شہادت دے گا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے (7)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امام خاسن ہوتا ہے اور مؤمن ائمن ہوتا ہے۔ اے اللہ! امون کو ہدایت عطا فرما اور مؤمنوں کی مغفرت فرما (8)۔ اسے امام احمد، ابو داؤد، ترمذی اور امام شافعی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سات سال تک ثواب حاصل کرنے کے لئے غلوں نیت کے ساتھ اذان کہی اس کے لیے جہنم سے برات لکھ دی گئی (9) اسے ترمذی، ابن ماجہ اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین آدمی جنت کے ٹیلوں (یعنی بلند مقامات) پر ہوں گے ایک وہ

- | | | |
|--|---|--|
| 1۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 93 (التجاریہ) | 2۔ الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 684 (العلینیہ) | 3۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 93 (التجاریہ) |
| 4۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 87 (قدیمی) | 5۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 199 (قاروقی) | 6۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 167 (قدیمی) |
| 7۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 86 (قدیمی) | 8۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 486 (الرشد) | 9۔ جامع ترمذی، جلد 1، صفحہ 29 (قاروقی) |

غلام جس نے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا حق بھی دوسرا وہ آدمی جس نے کسی قوم کی امامت کی ذمہ داری ادا کی اور وہ لوگ اس سے راضی اور خوش رہے۔ اور تیسرا وہ آدمی جو ہر روز پانچ نمازوں کے لئے اذان کہے (1)۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ ہر خشک و تر شے اس کے لئے شہادت دے گی۔ نماز میں حاضر ہونے والے کے لئے پچیس نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور دو نمازوں کے درمیان ہونے والے گناہ اس سے مناد دیے جاتے ہیں (2)۔ رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ، حضرت اہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو (وقت) ہیں جن میں دعا روئیں کی جاتی یا بہت کم رو کی جاتی ہے ایک اذان کے وقت دعا و دوسرا جنگ کے وقت کی دعا جبکہ لوگ آپس میں یا ہم دست و گریبان ہوں (3)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے بارہ سال تک اذان کہی اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔ ہر روز اس کے لئے اذان دینے کے سبب ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر اقامت کہنے کے سبب تین نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے (4)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں مغرب کی اذان کے وقت دعا مانگنے کا حکم دیا جاتا تھا (5)۔ اسے علامہ بیہقی نے الدعوات الکبیر میں نقل کیا ہے۔

فصل :- اذان کے جواب کا بیان۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم مؤذن کی اذان سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود پاک پڑھو کیونکہ جو ایک بار مجھ پر درود پاک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگو۔ وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی ایک کو عطا کیا جائے گا۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں امور خلافت سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ اذان دینے کی طاقت رکھتا تو ضرور اذان کہتا۔ پس جو میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگے گا اس پر میری شفاعت کھل جائیگی (یعنی اسے میری شفاعت نصیب ہوگی)۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے (6)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر تو تم میں سے بھی ہر کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ یرثہ۔ یعنی جیسے مؤذن کہتا ہے تم نے بھی اسی طرح کہا اور جب مؤذن نے کہا حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح۔ تو سننے والا یہ کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے (7)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ مؤذن تو ہم پر فضیلت پا جائیں گے (ہم سے بڑھ جائیں گے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم وہی کہو جیسے وہ کہتے ہیں۔ جب ختم کر چکو تو (جو چاہو) دعا مانگو تمہیں عطا کیا

1۔ مشکوٰۃ الصالح، صفحہ 65 (قدیمی) 2۔ سنن ابی داؤد، جلد 2، صفحہ 461 (ارشاد) 3۔ مشکوٰۃ الصالح، صفحہ 66 (قدیمی)

4۔ سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 396 (احمدی) 5۔ مشکوٰۃ الصالح، صفحہ 66 (قدیمی) 6۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 166 (قدیمی)

7۔ صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 187 (قدیمی)

جائے گا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے (1)۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ فَأَذَى الَّذِي
بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَنِيمٌ ﴿٣٧﴾ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا
يُلْقِيهَا إِلَّا دُحُوظٌ عَظِيمٌ ﴿٣٨﴾ وَإِمَائُكَ عَنَّا مِنَ الشَّيْطَانِ نَزَعٌ فَأَسْئِدْ بِاللهِ
إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٩﴾

”نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی برائی کا تذکرہ اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائیگا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں تو قیاس دی جاتی ان (خاص صلیہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں تو قیاس دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو اور (اے سننے والے) اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی دوسرے پیدا ہو تو (اس کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگ یقیناً وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

۱۔ نیکی اور برائی جزاء اور حسن انجام کے اعتبار سے یکساں اور مساوی نہیں ہوتی دوسرا لازمہ ہے اور نفی کی تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی جہاں تک انسان کے لئے ممکن ہو اسے چاہیے کہ وہ بری خصلتوں اور عادات کے مقابلہ میں اچھی اور نیک خصلتوں کو ضرور اختیار کر لے۔ اسے چاہیے کہ وہ غضب اور غصے کے مقابلہ میں صبر، جہالت کے مقابلہ میں علم و بردباری، انتقام کے مقابلہ میں غفور و درگزر، بغل کے مقابلہ میں سخاوت، بزدلی کے مقابلہ میں شجاعت و بہادری اور گناہ کے مقابلہ میں عصمت و پاکدامنی کو اختیار کرے اور ترجیح دے۔ اور برائی کا تذکرہ اس نیکی سے کرو جو بہتر ہے۔ آیت طہیدہ میں احسن سے مراد ایسا اچھا اور نیک عمل ہے جس میں مطلقاً نیکی اور اچھائی زیادہ پائی جاتی ہو۔ (ایسا عمل مراد نہیں جو کہ برائی کے مقابلہ میں نسبتاً اچھا ہو) کیونکہ برائی میں تو بالکل اچھائی پائی ہی نہیں جاتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے جو کسی پر غضب اور غصے کا اظہار کرتا ہے تو اس کے مقابلہ میں صبر اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو کسی پر جہالت کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کے مقابلہ میں علم و بردباری اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جو کسی سے برائی سے پیش آتا ہے تو اس کے مقابلہ میں غفور و درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

بعض علما نے کہا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام تر نیکیاں یکساں نہیں ہوتیں اور نہ ہی تمام تر برائیاں مساوی ہوتی ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض کو بعض پر نیکی اور برائی میں فوقیت اور برتری حاصل ہوتی ہے، لہذا جب تمہارا کوئی دشمن تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے تو اس کا تذکرہ اور دفاع نیکیوں میں سے احسن ترین نیکی کے ساتھ کرو، جیسا کہ اگر کوئی آدمی تمہارے ساتھ زیادتی کرے تو اسے معاف کر دینا بھی نیکی ہے لیکن اس سے نیکی کرنا اور اچھا برتاؤ کرنا اس سے حسین تر اور اعلیٰ نیکی ہے۔

”فَأَذَى الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَنِيمٌ“ اسے جملہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور اس میں عامل معنی مفاہات ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ آدمی جس کے درمیان اور تیرے درمیان عداوت ہے اس وقت ایسا ہو جائیگا گویا تمہارا گھر اور جانی دوست ہے ترکیب کلام میں الذی

مبتدا ہے اور کائنات الخ خبر ہے اور از اطرف تشبیہ کے معنی میں ہے اور قول باری تعالیٰ ادفع الخ جملہ مستانہ ہے گویا کہ یہ سوال کیا گیا کہ جب کوئی مجھ سے ناروا اور برا سلوک کرے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو جواب ارشاد ہوا ادفع الخ۔

مقاتل بن حیان نے کہا ہے یہ آیت ابوسفیان بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۱) مگر یہ قول صحیح اور پختہ نہیں ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور ابوسفیان فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

۲. وَمَا يَلْقَاكَ مِنْ جَلَدٍ مَّحْرُوفٍ ہے اور معنی یہ ہے کہ یہ خصلت عطا نہیں کی جاتی، یعنی برائی کا مقابلہ نیکی کے ساتھ کرنے کی توفیق مرحمت نہیں فرمائی جاتی مگر انہیں ہی جو نفس اور خواہش کی مخالفت پر صبر کئے رکھتے ہیں اور انہیں ہی یہ توفیق عطا کی جاتی ہے جو تجلیات ذاتیہ اور صفاتیہ میں سے حظ وافر پانے کے سبب بڑے خوش نصیب ہیں۔ کیونکہ نفس پر جب صفات حسن کی تجلیات پڑتی ہیں تو پھر بری صفات اس سے نکل جاتی ہیں۔

۳. وَإِذَا يَنْتَظِرُ عَذَابَكَ غُلْفٌ اَدْفَعُ پر ہے۔ اما میں مازائدہ ہے جو ان شرطیہ کے ساتھ متصل ہے۔ نزع کو نخس کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اس کا معنی ہے کچھ کا لگانا، دوسرا انداز کی کرنا۔ اور شیطان بچو کے لگاتا ہے، یعنی وہ دوسرا اندازی کرتا ہے اور معصیت و گناہ کے ارتکاب پر ابھارتا ہے۔ قاموس میں ہے نزعہ جیسا کہ منعہ اس نے اس میں نیزہ چھو یا (2) نزع بیہم اس نے ان کے درمیان فساد برپا کر دیا۔ اس نے برا بھیئت کیا اور دوسرا والا اور یہ سب شیطان کا فعل ہے مگر مجازاً اس کی نسبت اس کے کچھ کا لگانے کی طرف کی گئی ہے۔ جیسا کہ جُذْء جُذْء میں ہے۔ اس بنا پر صوفی الشیطن میں من ابتدا یہ ہے یا پھر نزع ہے مراد مستدالیہ کچھ کا لگانے والا ہے اور مبالغہ کے لئے شیطان کا وصف مصدر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور صوفی الشیطن اس کا بیان ہے اور اس سے حال ہے اس صورت میں من بیان یہ ہوگا (معنی یہ ہے اگر شیطان تجھ میں دوسرا اندازی کرے اور تجھے انتقام اور برائی کا مقابلہ برائی کے ساتھ کرنے پر برا بھیئت کرے تو اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ اور قطعاً اس کی اطاعت و پیروی نہ کر۔ قاسم جُذْء باللہ جواب شرط ہے اور جواب امر مخذوف ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تجھ سے اس شر کو دور فرما دے گا یقیناً وہی تیرے پناہ طلب کرنے کی التجا کو سننے والا ہے اور تیری نیت صلاحیت میں سے سب کچھ جاننے والا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ السَّمُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿٢٠﴾ فَإِنْ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِالْأَيِّلِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ﴿٢١﴾

”اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی، سورج بھی ہے اور چاند بھی مت سجدہ کر دوسورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کر اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو، پھر (بھی) اگر وہ تکبر کرتے رہیں (تو ان کی قسمت) میں وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے پاس ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی شب و روز اور وہ نہیں تھکتے۔“

۱۔ لیل و نہار اور شمس و قمر میں سے ہر ایک اپنے صانع کے واجب الوجود ہونے، اس کی صفات کے کامل ہونے اور اس کے مدد

لا شریک ہوئے پر دلالت کر رہا ہے۔ لہذا تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ ہی چاند کو۔ کیونکہ یہ بھی تمہاری طرح مخلوق اور حکم کے پابند ہیں بلکہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کی کریم جس نے ان تمام کو پیدا فرمایا ہے مخلوق میں ہن ضمیر مذکورہ بالا چاروں چیزوں (رات، دن، سورج اور چاند) کی طرف راجع ہے مگر اہل عقیدہ کہ یہ سجدہ فعل کا تعلق شمس و قمر سے قائم کرتا ہے کہ تم سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔ (کیونکہ رات اور دن کو کوئی سجدہ کرتا ہی نہیں)۔ پھر سورج اور چاند کو سجدہ کرنے سے ممانعت کے مقام پر یلیل و نہار کا ذکر اسی لئے کیا گیا ہے تاکہ اس بات پر متنبہ کیا جائے کہ جس طرح رات اور دن کوئی علم اور اختیار نہیں رکھتے، سورج اور چاند بھی اسی طرح ہیں (یعنی جس طرح یلیل و نہار سجدہ کے لائق نہیں اسی طرح شمس و قمر بھی اس قابل نہیں کہ انہیں سجدہ کیا جائے) کیونکہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اِنَّا لَا تَعْبُدُونَہی مقام سجدہ ہے، کیونکہ سجدہ کرنے کا حکم (و اسجدوا للہ) اسی کے ساتھ مقرر ہے۔ (یعنی اس مقام پر پہنچ کر سجدہ حلاوت ادا کرنا چاہیے)۔ حضرت ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ امام بخاری نے اپنی سند کے واسطے سے عبد الرحمن بن یزید سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سورہ ہم کی پہلی آیت پر سجدہ کرتے تھے۔ اور امام طحاوی نے حضرت تافع کے واسطے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے (۱)۔

۱۔ پھر بھی اگر وہ قبیل حکم اور سجدہ کرنے سے تنکیر کریں (تو ان کی قسمت) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاَتُوْنِي بِالْحَبْلِ الَّتِي تُبْرٰی عَلٰی سِدْرٍ مَّحْنُومٍ (یعنی اگر وہ قبیل حکم اور سجدہ کرنے سے تنکیر کریں (تو ان کی قسمت) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاَتُوْنِي بِالْحَبْلِ الَّتِي تُبْرٰی عَلٰی سِدْرٍ مَّحْنُومٍ) عت کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے فان استکبروا لا ینضرہ یعنی پھر بھی اگر وہ لوگ تنکیر کرتے رہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں۔ پس وہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں ان سے مراد انبیاء ملاءکد اور اولیاء کرام ہیں عند ربک کے الفاظ سے ان کے لئے جس قرب خداوندی کا ذکر کیا گیا وہ غیر تکلیف ہے اس کی کیفیت اور حالت الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔

مقربین بارگاہ الہی شب و روز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور وہ جھکتے نہیں۔ ترکیب کلام میں وہم لا یسمنون کا جملہ یا تو ماقبل پر معطوف ہے یا یہ حال ہے۔ (یعنی وادعائے ہے یا حال ہے)۔ (معنی یہ ہے کہ وہ تسبیح کرتے کرتے آگے نہیں ہٹتے بلکہ اس سے لذت اور راحت محسوس کرتے ہیں۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ہلال! مجھے راحت پہنچاؤ (2)۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں راحت ملتی تھی)۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ وَهُمْ لَا یَسْتَعِذُّونَ مقام سجدہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اسے نقل کیا ہے امام طحاوی نے مجاہد کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے سے یہ نقل کیا ہے کہ آپ حمز بن عبد المطلب کی آخری (دوسری) آیت میں سجدہ کرتے تھے (3)۔ اور ایک روایت میں یہ زائد بھی ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو قول باری تعالیٰ اِنَّا لَا تَعْبُدُونَ پر سجدہ کرتے دیکھا تو اسے فرمایا تو نے جلدی کی ہے (یعنی مقام سجدہ آنے سے پہلے ہی تو نے سجدہ کر دیا ہے)۔

امام طحاوی نے مجاہد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورہ ہم میں مقام سجدہ کے بارے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا دونوں آیتوں کے آخر میں سجدہ کرو۔

امام طحاوی نے اپنی سند سے ابوداؤد کے بارے سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ حمز میں آخری (دوسری) آیت پر سجدہ کرتے تھے۔ ابن جریر

سے بھی اسی طرح مروی ہے اور قاعدہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول (روایت کے اعتبار سے) غریب ہے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احتیاط کے پیش نظر اس قول کو لیا ہے کیونکہ اگر حقیقی مقام جہدہ قاعدون ہو تو پھر جہدہ کو دوسری آیت کے اختتام تک منحصر کرنا قطعاً نقصان دہ نہیں۔ اور اگر مقام جہدہ لایستقون ہو تو پھر اس سے قبل جہدہ ادا کرنا جائز نہیں۔ (اسی لئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ وہم لایستقون پر جہدہ تلاوت ادا کیا جائے)۔

امام محمدی نے کہا ہے کہ حاصل کلام یہ ہے کہ جہدہ تلاوت دوسری آیت میں کرنا نظر و فکر کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا کہ وہ مقامات جن پر بالاقاضا جہدہ تلاوت ادا کرنا واجب ہے وہ وہیں ہیں۔

- 1- سورۃ اعراف اس میں مقام جہدہ یہ آیت ہے (إِنَّ الْأَوَّلِينَ خَيْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِمْ وَيُسَبِّحُونَكُمَا وَلَهُ يُسَجِّدُونَ ٢٠)
- 2- سورۃ الرعد اس میں مقام جہدہ یہ آیت ہے (وَلَوْ يَسْجُدُونَ فِي السُّلُوبِ وَالْأَنْفُسِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظُلْمًا بِالْعَدْوِ وَالْإِصَالِ ٢٠)
- 3- سورۃ النحل اس میں مقام جہدہ یہ آیت ہے (وَلَوْ يَسْجُدُونَ فِي السُّلُوبِ وَمَا فِي الْأَنْفُسِ مِنْ ذَاتِ الْوَيْلِ وَالْمَكِيدَةِ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ٣٠)
- 4- سورۃ بنی اسرائیل اس میں مقام جہدہ یہ آیت ہے (وَيَسْجُدُونَ لِلَّهِ وَفِي السُّلُوبِ وَفِي الْأَنْفُسِ ٣٠)
- 5- سورۃ مریم اس میں مقام جہدہ یہ آیت ہے (وَإِذَا سَأَلَ عَنْهُمْ الْإِنْسَانُ أَلَيْسَ لَهُمْ مَسْجِدٌ أَوْ مُكَيِّدٌ ٦٠)
- 6- سورۃ الحج اس میں مفتاح علیہ آیت جہدہ ہے (أَلَمْ يَسْجُدُوا لِلَّهِ يَسْجُدُونَ فِي السُّلُوبِ وَمَا فِي الْأَنْفُسِ ٦٠)
- 7- سورۃ الفرقان اس میں مقام جہدہ یہ آیت ہے (وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلَّهِ خَضِعُوا سُجُودًا ٦٠)
- 8- سورۃ نمل اس میں مقام جہدہ یہ آیت ہے (أَلَمْ يَسْجُدُوا لِلَّهِ ٦٠)
- 9- سورۃ الممتزل اس میں مقام جہدہ سماعی ہے (إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا ١٠)
- 10- سورۃ حمز تل اس میں مقام جہدہ میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے وہ وہی جہدہ ہے اور بعض کے نزدیک وہم لایستقون ہے۔

مذکورہ مقامات میں سے ہر مقام میں کلام بصورت خبر مذکور ہے، یعنی اس میں تکبرین کے تکبر کرنے کا ذکر ہے یا خشوع و خضوع کرنے والوں کے خشوع کا بیان ہے۔ اور ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم تکبر کرنے والوں کی مخالفت کریں اور خشوع کرنے والوں کی موافقت اور پیروی کریں۔ ان میں سے کسی مقام پر بھی جہدہ کرنے کا حکم موجود نہیں۔ اور بعض دیگر مقامات پر ہم نے دیکھا ہے کہ جہدہ کا ذکر صیغہ امر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَائِمًا وَقَدْ قَامَ السُّجُودُ ٢٠) لیکن ان مقامات پر بالا جماع جہدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔ لہذا اس میں نظر و فکر اور غور و تدبر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام مقامات جہاں صیغہ امر کے ساتھ جہدہ کا حکم دیا گیا ہے اس کو عبادت اور جہدہ نماز پر محمول کیا جائے گا۔ (جہدہ تلاوت پر نہیں) اور وہ تمام مقامات جہاں جہدہ کا ذکر بصورت خبر مذکور ہے وہاں جہدہ تلاوت ادا کیلئے واجب ہوگی۔ یہ نظر و فکر اس کا تقاضا کرتی ہے کہ سورۃ حج میں دوسرا جہدہ مذہب کیونکہ وہاں صیغہ امر مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنْ كَفَرُوا اسْجُدُوا وَاسْجُدُوا اسْجُدُوا اسْجُدُوا یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے مراد نماز کا جہدہ ہے اور اس کی دلیل اس کے ساتھ رکوع کا ذکر ہونا ہے (چونکہ رکوع سے مراد وہاں اٹھتین نماز کا رکوع ہے اس لئے جہدہ سے مراد بھی نماز کا جہدہ ہی ہونا چاہیے) اسی ضابطہ کے مطابق اس سورت میں پہلی آیت پر جہدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس میں واسجدوا صیغہ امر کے ساتھ جہدہ کا ذکر مذکور ہے۔ اور دوسری آیت پر جہدہ ہونا چاہیے کیونکہ اس میں کلام بصورت خبر مذکور ہے۔

میں نظر و فکر قضا کرتی ہے کہ سورہ ص میں مجیدہ تلاوت ہو جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا بخلاف دوسرے ائمہ کے، کیونکہ اس میں بھی مقام مجیدہ پر کلام بصورت خبر مذکور ہے نہ کہ بصورت امر۔ اور وہ یہ ارشاد خداوندی ہے فَاسْتَعِزُّوا بِحُكْمِ الْكَلِمَاتِ۔ اسی طرح سورہ اذا السماء انشقت میں ہے فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ وَ اِذَا قُتِلُوا قَالُوا هُمُ الْمُقْتُلُونَ ﴿٢﴾۔ تو یہ بھی کلمی اخبار ہے امر نہیں (اس لئے اس مقام پر بھی مجیدہ تلاوت ہوگا۔) مگر نظر و فکر یہ قضا بھی کرتی ہے کہ سورہ النجم اور اقراء میں مجیدہ تلاوت نہ ہو کیونکہ دونوں سورتوں میں مقامات مجیدہ میں صیغہ امر ذکر کیا گیا ہے۔ سورہ النجم میں ارشاد ربانی ہے فَالْمُجِدُّ وَالْمُسْتَسْقِیُّ ﴿١﴾ اور سورہ اقراء میں ارشاد ہے وَالْمُجِدُّ وَالْمُسْتَقْبُوتُ ﴿١﴾۔ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ان مقامات پر قاعدہ نظر و فکر کی اتباع و پیروی نہیں کی۔ اس لئے کہ آپ کے نزدیک یہ بات ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقامات پر مجیدہ اور افرا مایا جیسا کہ ہم نے ان مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ مفصل سورتوں میں کہیں مجیدہ تلاوت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہم نے سورہ رجز میں وہ مفصل دلائل ذکر کئے ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس میں دو مجیدے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَمِنْ آيَاتِكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَ رَاٰتْ ۙ اِنَّ الَّذِي اَحْيَاها لَسُعْي الْمُوْتٰى ۙ اِنَّهٗ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اٰيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۚ اَفَمَنْ يُّتْلٰى فِي الْتَّاسْرِ حَيْثُ اَمْرٌ مِّنْ يَّائِيْ اٰمِنًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ اَعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۚ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢﴾

”اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ (کسی وقت) خشک بھر ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو جھونے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے۔ بیشک وہ (قادر مطلق) جس نے زندہ کر دیا ہے زمین کو وہی زندہ کرنے والا ہے مردوں کو۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آگیا اس و سلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے) تم وہ کرو جو تمہاری مرضی۔ یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو، وہ خوب دیکھ رہا ہے۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ تو کسی وقت زمین کو خشک غبار آلود دیکھتا ہے، اس میں کہیں نباتات اور سبزہ دکھائی نہیں دیتا۔ خاشعۃ کا لفظ خشوع بمعنی تذلل سے مجاز خشک غبار آلود کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے پھر جب ہم اس پر بارش کا پانی برساتے ہیں تو وہ جھونے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے، یعنی نباتات اور سبزہ نکلنے کے سبب ابھرتی اور پھول جاتی ہے۔ بیشک وہ قادر مطلق جس نے زمین کی نباتات اور سبزے کو زندہ کر دیا ہے وہی قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ بلاشبہ وہ زندگی عطا فرمانے اور موت دینے وغیرہ پر پوری طرح قادر ہے۔

۲۔ مجاہد نے کہا ہے يُلْحِدُوْنَ فِيْ اٰيَاتِنَا کا معنی سیٹیاں اور تالیاں بجانا، بشور و غل کرنا اور لغو اور غلط باتیں کرنا ہے۔ (یعنی وہ لوگ جو ہماری آیات سننے کے وقت تالیاں بجاتے ہیں اور شور و غل کرتے ہیں۔) قتادہ نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے

ہیں۔ سدی نے کہا ہے جو معاندانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں۔ مقال نے کہا ہے یہ آیت ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے تم اس کے اپنے مقام پر رکھو اور اس میں اپنی خواہشات کی اتباع نہ کرو (۱)۔

میں کہتا ہوں کہ **يُطَاعُونَ** کا لفظ عام ہے جو کہ تکذیب کرنے اور لغویات بکنے والوں کو بھی شامل ہے اور تحریف کرنے اور اسلاف کی تاویلات کے خلاف تاویلات باطلہ کرنے والوں کو بھی شامل ہے، یعنی جو لوگ کسی بھی اعتبار سے ہماری آیتوں میں کج روی اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں، جس وہ سزا اور انتقام سے بچ نہیں سکتے۔ **المن يلقى**۔ یعنی مسزہ استخفام انکاری کے لیے ہے اور فاء محذوف کلام پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر کلام ہے **يُطَاعُونَ** ہولاء الکفار و يعجبون بانفسهم **المن يلقى** فی النار (یہ کفار نافر کر رہے ہیں اور اپنے نفسوں پر اتار رہے ہیں۔ کیا جو آگ میں پھینکا جائے گا وہ بہتر ہے یا قیامت کے دن جو اس وسلاحتی کے ساتھ آئے گا وہ بہتر ہے؟) ابن منذر نے بشر بن فتح سے یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابو جہل اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۲)۔ بعض نے کہا ہے کہ من یا قی امناء۔ مراد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور بعض نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مراد لئے ہیں۔ آیت کے یہ الفاظ مذکورہ تمام افراد اور دیگر افراد کو بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں پھینکے جانے کے مقابلے میں مبالغہ کے لئے امن وسلامتی کے ساتھ آنے کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس طرح کہا جاتا کیا وہ بہتر ہوگا جو آگ میں پھینکا جائے گا یا وہ جو جنت میں داخل ہوگا؟ کیونکہ کلام کا مقادیمکی ہے کہ امن وسلامتی کے ساتھ آنے والا اس سے بہتر ہوگا جسے آگ میں پھینکا جائے گا تو جسے عزت و تکریم دی جائے گی اور وہ جنت میں داخل ہوگا تو اس کے ساتھ مساوات کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟ اسے کفار و کفر و معاصی میں سے جو چاہو کرتے رہو یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو وہ خوب دیکھ رہا ہے اور تمہیں اپنے اعمال کی پوری سزا دی جائے گی۔ اس جملہ میں ان کے لیے شدید وعید اور جہنم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْإِلَهِ كُرْهُمَا جَاءَهُمْ وَإِنَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١﴾ لَا يَأْتِيهِمُ الْبَاطِلُ
مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ﴿٢﴾ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٣﴾ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا
قَدْ نَزَّلَ الرَّسُولُ مِنْ مِّمْلِكَ ﴿٤﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَنُورٌ مُّغْفِرٌ ﴿٥﴾ وَذُو عَقَابٍ ﴿٦﴾ أَلَيْسَ

”بیٹک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا (تو وہ ہٹ دھرم لوگ ہیں) اور بیٹک یہ بڑی عزت (حزمت) والی کتاب ہے۔ اس کے نزدیک نہیں آ سکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے یہ اتاری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراسر اس کی طرف سے ہیں۔ (اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آگ کو مگر وہی جو کہا گیا تیغیروں کو آپ سے پہلے۔ بیٹک آپ کا پروردگار (اہل ایمان کے لئے) بہت بخشنے والا اور (منکرین کے لئے) درد ناک عذاب دینے والا ہے۔“

۱۔ ذکر سے مراد قرآن کریم ہے۔ ترکیب کلام میں ان اپنے جملہ کے ساتھ مل کر **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْإِلَهِ** کے بدلے۔ یا جملہ مستأنف ہے۔ اور ان کی خبر محذوف ہے۔ اور وہ معاندون (بیٹک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ماننے سے انکار کیا وہ عتاد رکھنے والے ہیں) یا

ہالکون ہے (یعنی وہ ہلاک ہونے والے ہیں) یا پھر خبر یجاز بہم بکفر ہم ہے۔ (یعنی اللہ انہیں ان کے کفر کی سزا دے گا) اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس کی خبر بعد میں آنے والا یہ ارشاد گرامی ہے اولئک بنا دون من مکان بعید۔ ”اور بیشک قرآن کریم بڑی عزت (حرمیت) والی کتاب ہے۔“ ترکیب کلام میں ذَرَأْتُهُم بَيْنَهُمْ وَعَيْنًا حَال ہے یا جملہ مستند ہے۔ کبھی نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عزت والی ہے اور قتادہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اتنی عزت اور غلبہ عطا فرمایا ہے کہ باطل اس کی جانب قطعاً راہ نہیں پاسکتا (1)۔

۲۔ قتادہ اور سدی نے کہا ہے کہ باطل سے مراد شیطان ہے (2) یعنی شیطان اس میں تغیر و تبدل کرنے یا اس میں کمی بیشی کرنے کی قطعاً طاقت نہیں رکھتا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ لفظ جن و انس میں سے تمام شیاطین کو شامل ہے۔ جیسا کہ رؤف نے قرآن کریم دس پاروں کا اضافہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی اس مذموم کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تہذیب اور کردار پر عیب کو رد کر دیا۔ پھر انہوں نے بعض آیات میں بعض الفاظ کا اضافہ کیا مثلاً انہوں نے قول باری تعالیٰ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کے بعد لفظ علی کا اضافہ کر دیا اور وَسَيَعْلَمُ اَنِّيْ نَزَّلْتُوَا کے بعد آل محمد کے الفاظ بڑھا کر پھر اَنْتَ مُنْقَلَبٌ بِتَقْطِیْمُوْنَ کیا۔ اسی طرح کی انہوں نے ناکام کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی کوشش کو باطل اور مردود قرار دیا اور ان کے بڑھانے ہوئے الفاظ جزو قرآن نہ بن سکے۔

زجاج نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ قرآن کریم محفوظ ہے اس کے نزدیک نہ تو باطل سامنے آ سکتا ہے یعنی اس میں کمی بیشی کی جا سکتی۔ اور نہ ہی باطل پیچھے سے اس کے نزدیک آ سکتا ہے، یعنی اس میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس معنی کی بناء پر باطل سے مراد کئی بیشی ہے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ قرآن کریم کی تکذیب نہ تو ان کتابوں میں سے کسی سے ہو سکتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور نہ ہی اس کے بعد کوئی کتاب آئے گی جو اسے باطل قرار دے یا اسے منسوخ کر دے (3)۔ یہ قرآن کریم ابراہیمؑ اور اس کی طرف سے جس کی حکمت کامل ہے اور سب خوبیاں مولا ہے۔ ہر مخلوق اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے کیونکہ ہر مخلوق پر اس کی نعمتیں عیاں ہیں۔ وہ اپنی ذات میں ہی حید ہے وہ کسی غیر کی حمد و ثناء کا محتاج نہیں۔

۳۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی دینے کے لئے نازل کی گئی ہے اس طرح کہ جو کچھ کفار مکہ آپ کو کھدہ رہے ہیں (وہ کوئی نئی اور اونگھی باتیں نہیں بلکہ) اسی کی مثل آپ سے قبل انبیاء علیہم السلام کو بھی کہا گیا۔ کہ افسہ ساحر کذاب لہذا آپ بھی انہی کی طرح صبر کیجئے اور قطعاً غرور نہ ہوں۔

اور بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ آپ کی طرف بھی ایسے ہی وحی کی گئی جیسا کہ آپ سے قبل انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کی گئی تھی، یعنی توحید باری تعالیٰ کے احکام دینے کے اصول و ضوابط اہل ایمان کے لئے (دونوں جہاں میں کامیابی و کامرانی کا) وعدہ اور کفار کے لئے طرح طرح کی وعید بذر بیہودہ نازل کی گئی۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ قول کا موقوف یہ جملہ ہے اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَقْفَرٍ وَّاُوْدُوْهُ عَقَابٌ اَلِیْمٌ بیشک آپ کا رب اہل ایمان کے لئے بہت بخشنے والا اور مقررین کے لئے دردناک عذاب دینے والا ہے۔ پہلی تفسیر کی بناء پر یہ جملہ مستند ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا اَعْجَبِيَّا لَقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ اَعْجَبِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ

لَا يَنْبَغُ اَنْتَوَاهُكَ وَشَفَاءُ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي اٰذَانِهِمْ وَقُرْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَسَىٰ
اُولٰٓئِكَ يُنَادُوْنَ مَنْ مَكَانٍ بَعِيْدٍ ۝ وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ فَاحْتَفِيفْ فِيْهِ ۝ وَلَوْلَا
كِرْمٰتٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِّ بَيْنَهُمْ ۝ وَرَآهُمْ لَعْنَىٰ شَلٰكٍ مِنْهُ مُرِيْبٍ ۝ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۝ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

”اور بالفرض اگر ہم اسے بنا کر بھیجے قرآن بھی زبان میں تو کہتے کیوں نہ کھول کر بیان کی گئیں اس کی آیتیں۔ کیا چنچا ہے کتاب بھی اور نبی عربی بل آپ فرمائیے قرآن ایمان لانے والوں کے لئے توحیدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لانے ان کے کانوں میں، بہرہ یں ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتہر رہتا ہے۔ انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے ج۔ اور ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پس اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا۔ اور اگر ایک بات طے نہ ہوگئی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو (ابھی) فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان۔ اور پریشک و ایک شک میں جتنا ہیں اس کے بارے میں جو بے چین کر دیتے والا ہے ج۔ جو نیک عمل کرتا ہے تو اپنے بھلے کے لئے اور جو برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہے۔ اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“

ل۔ جب کفار نہت دھری اور سرکش کا مظاہرہ کرتے ہوئے محض اعتراض کی غرض سے یہ کہا کیا قرآن کریم کسی عجیب زبان میں نازل ہوا ہے؟ جیسا کہ تو ریت اور اٹھیل عجیب زبان میں نازل ہوئیں تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ کہ یہ قرآن جو تم لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہو اگر ہم اسے اس طرح بنا دیتے کہ یہ عجیب زبان میں پڑھا جاتا۔ تو پھر اہل مکہ یہ کہتے کہ اس کی آیتیں عربی زبان میں کھول کر واضح انداز میں کیوں نہ بیان کی گئیں؟ تاکہ ہم بھی انہیں سمجھ لیتے اور فہم و فراست حاصل کرتے۔ ترکیب کلام میں یہ جملہ ان جملوں کے ساتھ متصل ہے جو سورت کی ابتداء میں قرآن کریم کی مدح و توصیف میں بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی کتاب فُضِّلَتْ لِیُتْلٰہُ۔

عَزَّ وَجَلَّ وَتَعَالٰی جو ہشام نے ایک ہمزہ کے ساتھ بغیر مد کے خبر ہونے کی بناء پر انجی پڑھا ہے، یعنی کتاب اعجمی و رسول عربی۔ (کتاب عجیب ہے اور رسول عربی ہے) اور باقیوں نے اسے دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ استہمام انکاری ہے۔ ابو بکر حمزہ اور کسائی نے دونوں ہمزوں کو ثابت رکھا ہے۔ جبکہ باقیوں نے ایک ہمزہ اور مدہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ قانون اور ابو عمر و دونوں اسے اشباع کے ساتھ پڑھتے ہیں کیونکہ ان کا قول ہے کہ ہمزہ محققہ اور ہمزہ ملینہ کے درمیان الف کو داخل کرنا چاہئے۔ ورش نے اس کے اصول کے مطابق دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا ہے اور دونوں ہمزوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ علامہ ابن کثیر نے بھی اصل کے مطابق دوسرے ہمزہ کو بغیر کسی فاصل کے بین بین پڑھا ہے۔ حفص اور ابن ذکوان نے بھی صرف اس مقام پر ہی طرح پڑھا ہے۔

مقاتل نے کہا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عامر حفصی کے غلام یبار کے پاس تشریف لے جاتے تھے وہ یہودی اور عجیب نژاد تھا۔ اس کی کنیت ابو نفیہ تھی۔ مشرکین کہنے لگے کہ یبار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے آقا نے اسے خوب مارا اور کہا تو تم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تعلیم دیتا ہے؟ تو یبار نے کہا (ایسا برا گز نہیں بلکہ) مجھے تعلیم دیتے ہیں۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (1)۔

علامہ ابن جریر نے سعید بن جبیر سے یہ قول نقل کیا ہے کہ قریش نے کہا یہ قرآن عربی اور عجمی دونوں زبانوں میں کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے آیت **لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ الْآيَاتُ لَأَرَيْنَاهُ الْعَرَبِيَّةَ أَوْ لَأَرَيْنَاهُ الْفَارِسِيَّةَ** (1) کے بعد اس میں لکل لسان نازل فرمایا (2)۔ ابن جریر نے کہا ہے کہ انجی کی قرأت بغیر ہمزہ استعمال کے ہے۔

۱۔ محمد اسماعیل اللہ علیہ وسلم آپ فرمادیتے ہیں قرآن کریم اہل ایمان کے لئے خلافت و مگر اسی سے ہدایت دینے والا اور سید میں موجود مرض جہالت اور قلب و نفس کو اوصاف رذیلہ جیسی امراض کے لئے بہت بڑی شفا ہے۔ شفاء میں جو بین اور تھکر تعلیم کے لئے ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ قرآن کریم جسمانی بیماریوں اور دردوں کے لئے شفا ہے۔ ترکیب کلام میں **وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ** مبتدا ہے اور اس کی خبر **قِيَامُ أَفْئِدَتِهِمْ وَأَقْبُلُ** ہے۔ ذکر کا معنی نقل اور بوجھ اور بہرہ پن ہے۔ عجمی سے مراد خلقت تبارکی اور شہادت ہیں۔ قنودہ نے کہا ہے کہ ایمان نہ لانے والے قرآن کریم سے امداد ہے اور بہرے تھے۔ اس لئے وہ اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتے تھے (2)۔ انھوں نے کہا ہے دو عاملوں کے دو معمولوں پر عطف جا کر ہے۔ اور مجرور مقدم ہے۔ لہذا ان کے نزدیک الذین اسم موصول **الَّذِينَ آمَنُوا** اھل ایمان و شفاء پر معطوف ہے۔ **أُولَئِكَ يُتْلَىٰ ذُو الْقُرْآنِ فِي مَجْلَدٍ مَّحْمُودٍ** میں کفار کے قرآن کریم کو نہ سننے اور اسے قبول نہ کرنے کو اس آدمی کے ساتھ بطور تشبیہ و تمثیل بیان کیا ہے جسے بہت دور مسافت سے پکارا جا رہا ہو (اگرچہ وہ کچھ دُور نہ تھا تو ہے مگر جھٹکتا کچھ نہیں)

۲۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی پس اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا۔ خاصیت فیه محذوف قسم کا جواب ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے مابین کتاب کی تصدیق و تکذیب کرنے کے اعتبار سے بہت اختلاف ہوا جیسا کہ قریش نے قرآن کریم کے بارے اختلاف کیا ہے۔

اور اگر جھٹلانے والوں سے قیامت کے دن تک عذاب مؤخر کرنے یا ایک مقررہ مدت تک عذاب مؤخر کرنے کی ایک بات آپ کے رب کی طرف سے ملے نہ ہو گئی ہوتی تو ابھی ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، یعنی انہیں دنیا میں ہی عذاب دے دیا جاتا اور ہلاک و برباد کر دیا جاتا۔ بیشک تکذیب کرنے والے تو ریت یا قرآن کریم کے بارے میں ایک شک میں مبتلا ہیں۔

۳۔ جو تک عمل کرتا ہے تو وہ اپنے نفع اور فائدہ کے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اور نقصان اسی پر ہے۔ آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ پس وہ نیکی کرنے والوں کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا اور گناہ کرنے والوں کی سزا میں اضافہ نہیں کرے گا۔

کفار پر یہ تصریح کرنے کے لئے کہ وہ بہت زیادہ ظلم کرنے والے ہیں اور ظلم و زیادتی میں انتہائی مبالغہ کرتے ہیں غلام مبالغہ کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تو قطعاً ظلم و زیادتی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا (چاہے وہ توڑا ہوا یا زیادہ) کیونکہ ظلم وہ ہوتا ہے جو غیر کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کیا جائے۔ (اور اللہ تعالیٰ تو ساری کائنات کا خود مالک ہے اسلئے یہاں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا)۔

لَا يُوَدُّ دُعَاءُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ شَرَابٍ قِنْ اَكْمَاهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثَىٰ
لَا تَقْصُرُ اِلَّا بِعِلْمِهِ وَ يَوْمَ يُنَادِيهِمْ اَيْنَ شُرَكَائِيَ قَالُوا اَذْنُكَ مَا مِمَّا مِنْ

سَہِیْدٍ ۝ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَلُّوا مَا لَهُمْ مِنْ مَّجِیْهِ ۝

”اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم۔ اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے کوئی مادہ اور نہ بچہ جتنی ہے اس کے علم کے بغیر۔ اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک؟ کہیں گے ہم (پہلے) عرض کر چکے ہیں ہم میں سے کوئی بھی (اس پر) گواہی نہ دے گا۔ اور ہم جو جائیں گے ان سے جن کی وہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔“

۱۔ قیامت قائم ہونے کے وقت کا علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ یعنی جس سے بھی قیامت قائم ہونے کے وقت کے بارے سوال کیا جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ یہ کہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے (اللہ اعلم) کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی اس کے بارے نہیں جانتا۔ اور کوئی پھل اپنے غلافوں سے نہیں نکلتا۔ اکمام، کسم کی جمع ہے اس کا معنی غلاف اور خول ہے۔ نافع ابن عامر اور حفص نے ثمرات جمع کی صورت میں پڑھا ہے اور باقیوں نے بطور جنس واحد کی صورت میں پڑھا ہے۔ اور مانافہ ہے۔ من ثمرات میں من زائدہ استغراق کے لئے ہے اور ثمرات محل رفع میں ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ ماموصلہ ہو اور الساعۃ پر معطوف ہو اور من بیان یہ ہو۔ بخلاف اس ارشاد کے وَمَا تَشَاءُونَ مِنْ أَثْمَالٍ اس میں بالیقین مانافہ اور من زائدہ ہے۔ اور کوئی مادہ نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے علم کے بغیر بچہ جتنی ہے۔ یعنی اس کے علم کا تعلق اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح اس کے سوا قیامت کا علم کوئی نہیں رکھتا اسی طرح جو پھل غلافوں سے نکلتے ہیں اور جو مادہ حاملہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے بارے بھی کوئی نہیں جانتا۔ ترکیب کلام میں الایعلمہ، استسما مفرغ ہے اور یہ علی سبیل التنازع سابقہ تینوں افعال کی طرف متوجہ ہو رہا ہے آخری فعل اس میں عامل ہے اور پہلے دونوں میں اسے مقدر مانا گیا ہے۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ شریکین کو اس قول کے ساتھ پکارے گا اہن شرکاء ی؟ (کہاں ہیں میرے شریک؟) ابن کثیر نے شریکوں میں یاہ کو مفتوح پڑھا ہے اور باقیوں نے ساکن۔ یعنی اللہ تعالیٰ بطور استہزاء درز جروتبع کے لیے ان سے پوچھے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جنہیں تم الگ مان کر تے تھے؟ شریکین جواب دیں گے اب ہم تجھے عرض کر رہے ہیں ہم میں سے کوئی بھی اس پر گواہی نہ دے گا، یعنی ہم میں سے کوئی بھی نہیں جو ان کے لئے شرک کی شہادت دے گا۔ ترکیب کلام میں یہ جملہ حال ہے۔ یعنی جب وہ خدا کا مشاہدہ آنکھوں سے کر لیں گے تو وہ ان کے معبودان باطلہ سے اپنی برات کا اظہار کریں گے۔ یا معنی یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں جو ان کا مشاہدہ کر رہا ہو کیونکہ وہ ہم سے غائب ہو چکے ہیں۔

۲۔ اور ان سے ہم جو جائیں گے جن کی وہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے، یعنی وہ انہیں کوئی نفع اور فائدہ نہیں پہنچائیں گے یا وہ ان سے غائب ہو جائیں گے اور وہ انہیں نظر تک نہیں آئیں گے۔ من قبل سے مراد ہے آج کے دن سے پہلے، یعنی دنیا میں۔ وظنوا کا معنی ہے اور وہ یقین کر لیں گے مَا لَهُمْ مِنْ مَّجِیْهِ۔ کہ اب ان کے لئے بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں۔ محض بھاگ جانے کی جگہ کو خوف نفی کے سبب عمل سے روک دیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے مَا لَهُمْ مِنْ مَّجِیْهِ جملہ منفی قائم مقام وہ فعلوں کے ہے۔

لَا يَسْمَعُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ ۚ وَإِنَّ مَصَّهُ الشَّرَّ فَيَسْوِسُ قَنُوطَ ۝ وَلَكِنْ أَدْقَنَهُ
رَحْمَةً مِنَّا مِنْ بَعْدِ صَرَاءٍ مَسْتَه يَفْقُولْنَ هَذَا إِنِّي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۚ وَلَكِنْ

رُحِمْتُ اِلٰی رَبِّيْ اِنَّ لِيْ عِنْدَكَ لَلْوَسْطٰى ۚ فَلَنْ يَّهْتَمَّ اِلَيْنَا كُفْرًا وَّ اِيْمًا عَمِلُوْا وَّ لَنْ يَنْفَعَكُمْ مِنْ عَذَابٍ عَلِيْلٌ ۝۱۰

”میں اس آیت میں انسان بھلائی کی دعا کرنے سے۔ اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بالکل مایوس (اور) ناامید ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھائیں اسے رحمت اپنی جناب سے اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے تو کہتا ہے میں اسی کا مستحق ہوں۔ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی۔ اور اگر میں لوٹا یا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس بھی اکرام ہی اکرام ہوگا۔ (یہ حق کیا سوچ رہے ہیں) ہم تو آگاہ کریں گے کافروں کو جو کج روت انہوں نے کئے اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں سخت عذاب۔“

۱۔ کافرانسان بھلائی کی دعا کرنے سے نہیں اسکتا، یعنی مسلسل اللہ تعالیٰ سے مال و دولت اور صحت و تندرستی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہی رہتا ہے۔ اور اگر اسے فقر و افلاس اور بیماری میں سے کوئی تکلیف آ پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی راحت و رحمت سے بالکل مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے۔

۲۔ اور اگر ہم کافر کو اپنی جناب سے رحمت چکھائیں اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے۔ یہ محذوف قسم کا جواب ہے۔ اور رحمت سے مراد مال و دولت اور صحت و عافیت ہے۔ لَيَقُوْنَنَّ هٰذَا لِيْ۔ لفظ جواب قسم ہے اور معنی شرط ہے۔ یعنی کہتا ہے یہ تو میرا حق ہے کیونکہ مجھ میں جو فضل و کمال اور علم عمل پایا جاتا ہے (اس کا تقاضا ہے کہ یہ مجھے حاصل ہو) کیا یہ سب میرے لئے دعا کی اور ہمیشہ رہنے والا ہے کبھی زائل نہیں ہوگا۔ اور میں تو گمان بھی نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا یا گیا۔ اب و عمر اور نافع نے قالون سے اختلاف روایت کے ساتھ رب کی یاہ مفتوح پڑھا ہے اور باقیوں نے یاہ کو ساکن پڑھا ہے۔ تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس بھی اکرام ہی اکرام ہوگا۔ یعنی اگر بالفرض قیامت قائم بھی ہوگی تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس بھی عزت و کرامت کے ساتھ میری حالت اچھی اور بہتر ہوگی۔ اور اس قول کا سبب یہ ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جو کچھ دنیا میں (مال و متاع اور صحت و عافیت) اس کے پاس ہے وہ اس کا استحقاق ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے پاس بھی اس سے یہ عزت و کرامت کبھی جدا نہ ہوگی۔

۳۔ فَلَنْ يَّهْتَمَّ اِلَيْنَا كُفْرًا۔ محذوف قسم کا جواب ہے اور فاء سببیہ ہے۔ معنی یہ ہے ہم تو کافروں کو آگاہ کریں گے جو کج روت انہوں نے کئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ معنی یہ ہے ہم بایقین انہیں ان کی بد اعمالیوں پر فتنہ اور آزمائش میں مبتلا کریں گے (۱)۔ اور ہم انہیں سخت عذاب ضرور چکھائیں گے جس سے دور ہونا اور بچنا ان کے لئے ممکن نہیں ہوگا۔

وَ اِذَا اٰتٰنَا عَلٰی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ تَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَوَدَّ عَاۤءٍ
عَرِيْضٍ ۝۱۱ قُلْ اَسْرَبْتُمْ اِنْ كَاٰنَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ كُفْرُكُمْ بِهٖ مِنْ اَصْلٍ وَّمَنْ
هُوَ بِشِقَاقِيْ بَعِيْدٌ ۝۱۲

”اور جب ہم احسان فرماتے ہیں انسان پر تو وہ (تکبر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کر کے لگتا ہے۔ اور جب اسے

تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگ جاتا ہے۔ آپ فرمائیے (اے کافر!) تم مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اختلاف میں بہت دور نظر گیا ہو۔

۱۔ اور جب ہم کافر انسان پر احسان فرماتے ہیں تو وہ (تکبر کے سبب) شکر کرنے سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہچانی کرنے لگتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جانب سے مراد کناہ نفس ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ جنب اللہ میں جب سے مراد ذات ہے۔ یعنی وہ اپنے نفس کو ادائے شکر سے دور لے جاتا ہے اور انتہائی زیادہ غفلت کے سبب کلی طور پر وہ شکر سے دور ہو جاتا ہے۔ اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگ جاتا ہے۔ یعنی بہت زیادہ کثرت سے دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ آیت میں عرض بمعنی کثیر ہے اور یہ اس شئی سے مستعار ہے جس کا عرض وسیع ہو اور مقصود کثرت کی خبر ہے۔ محاورہ عرب میں طول و عرض (لمبا چوڑا) کثرت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے اطال فی الکلام والدعاء و اعرض۔ (اس نے کام اور دعائیں کثرت کی) اور عرض طویل کی نسبت زیادہ بلوغ ہے کیونکہ طول (لمبائی اور چوڑائی کی دو مسافتوں میں سے) طویل اور لمبی مسافت کو کہا جاتا ہے اور جب عرض بھی اسی کی مش ہو جائے تو پھر اس کی وسعت کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت کی وسعت کے بارے ارشاد فرمایا یَنْتَقِظُ عَنْهَا السَّمَلُوتُ وَالْإِنَّمُوتُ۔

قول باری تعالیٰ قَدْ اِذَا مَنَّ اللّٰهُ فَلَیْ دُعَاؤُكُمْ عَلٰی فِیضِ کے مابین بظاہر منافات اور تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں۔ کیونکہ پہلی آیت میں اور قوم مراد ہے۔ جبکہ دوسری آیت میں ان کے سوا دوسرے لوگ ہیں۔ شاید پہلی آیت کفار کے بارے ہے کیونکہ وہی مایوس اور ناامید ہوتے ہیں جیسا کہ ان ارشادات میں بھی ہے وَلَا یَاۤئِسْ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّ النُّفُوۡسَ الْکٰفِرٰتِیۡنَ ۙ وَهٰنَ یَقْنَطُوۡنَ مِنْ رَّحْمَۃِ رَبِّہِمَا ۚ اِنَّ النُّفُوۡسَ الْکٰفِرٰتِیۡنَ ۙ۔

دوسری آیت، یعنی قَدْ اِذَا مَنَّ اللّٰهُ فَلَیْ دُعَاؤُكُمْ عَلٰی فِیضِ مائل موئین کے بارے ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں آیتیں کفار کے بارے ہوں اور مراد یہ ہے کہ جب انہیں تکلیف اور کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اللہ کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے پورے خلوص نیت کے ساتھ دعا مانگتے ہیں۔ اور جب دعا کی قبولیت میں ذرا تاخیر دیکھتے ہیں تو بالکل مایوس اور ناامید ہو جاتے ہیں جبکہ صالح موئین کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے کیونکہ وہ کبھی مایوس یا ناامید نہیں ہوتے بلکہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ ہاتھیں کسی حکمت کے تحت دعا کی قبولیت میں تاخیر ہوئی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں یا تو جلد ہی (دنیا میں) عطا فرما دیتا ہے یا پھر ان کے لئے اسے اپنے پاس ذخیرہ کر لیتا ہے۔ یا پھر یہ کہا جائیگا کہ وہ دل سے تو مایوس اور ناامید ہوتے ہیں اور زبان سے کثرت سے لمبی چوڑی دعائیں کرتے ہیں یا معنی یہ ہے کہ وہ بتوں سے ناامید ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کثرت سے دعائیں مانگتے ہیں۔

مسئلہ: جو آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ شدت اور مصیبت کے وقت میں اس کی دعا قبول ہو تو اسے چاہئے کہ وہ فرماں اور خوشحالی کی حالت میں کثرت سے دعائیں مانگے۔ حدیث طیبہ میں اسی طرح ہے۔

۲۔ آپ فرمائیے (اے کافر!) تم مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو پھر تم اس کا انکار کرو تو کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اختلاف میں بہت دور نظر گیا ہو۔ یہ جملہ ارشاد باری تعالیٰ قُلْ هُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هٰدٰی و شفاءً سے متصل ہے۔ گویا کہ اصل یہ ہے کہ تم سے بڑھ کر کون گمراہ ہے آیت میں ضمیر کی جگہ اسم موصول کو رکھا گیا ہے تاکہ ان کے حال کی وضاحت ہو سکے اور ان کے بہت زیادہ گمراہ

ہونے کی علت بیان ہو سکے۔ کیونکہ یہ ارشاد اس قول کے معنی میں ہے کہ اگر یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو بلاشبہ یہ حق اور حق ہے اور مخالفت کرتے ہوئے اس کا انکار حق سے انتہائی زیادہ دوری ہے اور حق نے اس کا انکار کیا ہے لہذا تم سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں۔

سُرِّيْهُمْ اِلَيْتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَّهُمْ اَنَّهٗ الْحَقُّ ۚ اَوَلَمْ يَكُنْ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٧﴾ اَلَا اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۚ

”ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے اپنے نفسوں میں۔ تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہے۔ سنو! یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں اپنے رب سے ملنے کے بارے میں۔ یاد رکھو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔“

۱۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ آیات فی الافاق سے مراد گزشتہ امتوں کے مکانات اور گھروں کے (کھنڈرات) ہیں۔ اور آیات فی الانفس سے مراد واقعہ بدر ہے۔ (جس میں کفار مکہ کو ہر قسم کی قوت و طاقت ہونے کے باوجود شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا) قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آیات فی الانفس سے مراد جسمانی امراض اور مصائب آلام ہیں۔ مجاہد اور سدی نے کہا ہے کہ آیات فی الافاق سے مراد ان شہروں اور بستیوں کی فتوحات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور نبیؐ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو عطا فرمائیں اور فی انفسہم سے مراد فتح مکہ ہے (۱)۔

عطا اور ابن زید نے کہا ہے کہ آیات فی الافاق سے مراد وہ علامات اور نشانیاں ہیں جو زمین و آسمان کی اطراف میں پائی جاتی ہیں مثلاً سورجؐ چاندؐ ستارےؐ نباتاتؐ درخت اور دریا وغیرہ اور فی انفسہم سے مراد لطیف صنعت اور عمدہ حکمت ہے (۲)۔ علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ آیات فی الافاق سے مراد زمانہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے وہ واقعات ہیں یا زمانہ ماضی میں ہونے والے حوادث کے وہ آثار ہیں جن کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اس کے علاوہ مشرق و مغرب کے ممالک پر اللہ تعالیٰ نے جو غلبہ اور فتوحات اپنے پیارے محبوب ﷺ اور آپ کے خلفاء کو بطور مجزوءہ و کرامت عطا فرمائیں وہ بھی آیات فی الافاق میں شامل ہیں (۳)۔ اور آیات فی الانفس سے مراد وہ واقعات ہیں جو اہل مکہ کو پیش آئے یا جو مصائب اہل مکہ پر نازل ہوئے یا پھر اس سے مراد انسانی بدن میں پائی جانے والی عجب اور نادر صنعت و کارگیری ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ملکہ پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن کریم حق ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے یا تو حید کی تائید اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وہ حق جن سے یا اللہ تعالیٰ حق ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہے ہر ایک میں باوجود اندہ ہے اور رب کا قائل ہونے کی بناء پر کل رفع میں ہے۔ اور صرف مادہ گنتی میں ہی قائل پر باوجود آتی ہے۔

۳۔ اللہ کل شئی شہید فاعل سے بدل ہے۔ آیت میں استفہام انکاری ہے اور وہ حذف کلام پر عطف کے لئے ہے۔ تقدیر عبارت اللہ کل شئی عاقبہ امرک ولم یکف انہ تعالیٰ علی کل شئی شہید۔ کیا آپ اپنے معاملے کے انجام میں اس طرح بے شک فی عاقبہ امرک ولم یکف انہ تعالیٰ علی کل شئی شہید۔ لہذا اس نے آپ کے معاملہ میں جن علامات و شک کرتے ہیں اور یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر گواہ ہے اور ثابت کرنے والا ہے۔ لہذا اس نے آپ کے معاملہ میں جن علامات و

نشانات کو ظاہر کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ انہیں ضرور پورا فرمائے گا۔ جیسا کہ اس نے ان تمام اشیاء کو پورا کیا ہے جن کا اس نے وعدہ فرمایا تھا۔ یا شہید کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مطلع ہے لہذا وہ آپ کے حال کو بھی جانتا ہے اور ان کے حال سے بھی واقف ہے۔ یا معنی یہ ہے کیا انسان گناہوں کے ارتکاب سے نہیں رکا اور اسے روکنے کے لئے یہی بات کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر مطلع ہے اور کوئی بھی چھپے والی چیز اس پر مخفی نہیں ہے؟ وہ ہر شئی پر اسے بدلہ اور جزا دے گا۔

مقاتل نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کیا یہ کافی نہیں ہے کہ تیرا رب بذات خود اس پر شاہد ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے (1) اور اس کی شہادت یہ ہے کہ اس نے قرآن کو معجزہ بنایا ہے۔

زجاج نے کہا ہے کفایہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے دلائل بیان کر دیئے ہیں جو تصدیق کے لئے کافی ہیں یعنی کیا تیرے رب کی شہادت کافی نہیں (یعنی وہ یقیناً کافی ہے) کیونکہ وہ ہر شئی پر شاہد ہے کوئی شئی بھی اس سے غائب اور مخفی نہیں۔

سے سنو یہ کفار کہ اپنے رب سے ملاقات کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ لقاء و مہم سے مراد بعث بعد الموت اور اعمال کی جزا و سزا کا ملنا ہے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ یعنی وہ ہر شئی کا اجمالی اور تفصیلی علم رکھتا ہے اور ہر شئی پر قدرت رکھتا ہے کوئی شئی بھی اس کے دائرہ قدرت سے باہر نہیں۔ یا معنی یہ ہے کہ وہ ہر شئی کا ذاتی طور پر احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ احاطہ غیر متکلیف ہے (یعنی اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی) کوئی شئی بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔

تمت بالخیر

سورہ فصلت کی تفسیر 28، صفر 1208ھ کو اختتام پذیر ہوئی

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سورہ فصلت کا ترجمہ بمطابق 17 ذی قعدہ 1421ھ 12 فروری 2001ء بروز پیر بوقت ساڑھے دس بجے رات اپنے اختتام کو پہنچا۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين و على آله واصحابه اجمعين۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورة الشورى

﴿ابلقها ۵۳﴾ ﴿شورة الشورى مكية ۴۲﴾ ﴿مكة عاقلها ۵﴾

سورة شوریٰ کی ہے اس میں تریپن آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حَمِّ ۝ عَسَق ۝ كَذٰلِكَ يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاِلٰى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ
الْحَكِیْمُ ۝ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝

”ح۔ ہم۔ عین۔ سین۔ قاف۔ اے اسی طرح (کے مطالب نفیس) وحی فرماتا رہا ہے آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں اللہ جو زبردست (اور) بہت دانا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور وہی سب سے اعلیٰ (اور) عظمت والا ہے۔“

اے علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ حسن بن فضل سے پوچھا گیا حَمِّ عَسَق کو علیحدہ علیحدہ کیوں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ کچھ حص کو اس طرح علیحدہ علیحدہ کاٹ کر ذکر نہیں کیا گیا؟ تو انہوں نے جواب دیا اس کا سبب یہ ہے کہ یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جن کا آغاز حَم سے کیا گیا ہے تو یہاں عَسَق کو علیحدہ کر دیا گیا ہے تاکہ یہ سورت بھی مستقل طور پر دوسری سورتوں کی مثل ہو جائے۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ترکیب کلام میں حَم مبتدا ہے اور عَسَق اس کی خبر ہے (اور خبر مبتدا سے علیحدہ ہی ذکر کی جاتی ہے)۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ترکیب کلام میں حَم مبتدا ہے اور عَسَق اس کی خبر ہے۔ (اور خبر مبتدا سے علیحدہ ذکر کی جاتی ہے) یہ سبب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ آیتیں ہیں جبکہ ان کی طرح کے دیگر الفاظ مثلاً کچھ حص اور المص کو ایک آیت ہی شمار کیا گیا ہے۔

بعض نے کہا ہے اہل تائیل کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کچھ حص اور ان کے دیگر اخوات حروف تہجی ہیں اور کچھ نہیں۔ جبکہ حَم کے بارے ان کے مابین اختلاف ہے۔ بعض نے حَم کو حروف کے مکمل میں ذکر کیا ہے اور اسے فعل قرار دیا ہے اس کا معنی ہے حَم الامر یعنی اس امر کا فیصلہ کر دیا گیا ہو ونے والا ہے (۱)۔

مکرّم نے حضرت ابن عباسؓ سے قول نقل کیا ہے کہ حاء سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ م سے مراد محمد، یعنی اس کی (عظمت و بزرگی) سے ع سے مراد اس کا علم ہے س سے مراد اس کی سننا (نور بلندی) ہے اور ق سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کی قسم اٹھائی ہے (۲)۔

شہر بن حوشب اور عطاء بن ابی رباح نے کہا ہے حاء سے مراد قریش میں جنگ ہے جس میں ذیل عزت والا ہوا جاتا ہے اور عزت

والا ذلیل اور سوا ہو جاتا ہے۔ م سے مراد ملک ہے جو ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ع سے مراد قریش کے دشمن ہیں جو ان کا قصد کرتے ہیں۔ س سے مراد قحط ہے۔ ق سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ قدرت ہے جو اس کی مخلوق میں نافذ ہوئی ہے (1)۔
ع حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی صاحب کتاب نبی نہیں ہے جس کی طرف حَمَّ عَسَقِ دَیْ نہ کی گئی ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْيَتِيمِ إِلَى الْيَتِيمِ مِنْ قَبْلِكَ الْخ (2)۔

العزیز کا معنی ہے وہ اپنی قوت و طاقت کے سبب سب پر غالب ہے۔ الحکیم کا معنی ہے صحیح فیصلہ کرنے والا اپنے فیصلہ میں غلطی اور خطا نہ کرنے والا۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو معانی اس سورت میں بیان کئے گئے ہیں انہی کی مثل یا جس طرح یہ سورت بذریعہ وحی بھیجی گئی ہے اسی طرح کی وحی اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اور آپ سے قبل رسولوں کی طرف بھی وحی فرمائی ہے۔ آیت میں یوحی صیغہ مضارع، ماضی کی حالت بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ استمرار وحی پر دلالت کرے اور اس بات پر دلالت کرے کہ اس طرح وحی کرنا اللہ تعالیٰ کی عادت جاری رہے۔

جہور نے یوحی کو حاء کے ساتھ مضارع معروف کی صورت میں پڑھا ہے اور اس کا فاعل لفظ اللہ ہے۔ جبکہ ابن کثیر نے حاء کو فتح کے ساتھ مضارع مجہول کی صورت میں یوحی پڑھا ہے۔ اس صورت میں کذلک مثل ذالک کے معنی میں مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور یوحی اس کی خبر ہے جو اس کی ضمیر کی طرف منسوب ہے۔ یا کذلک مصدر یہ کی بناء پر منصوب ہے اور یوحی الیک کی طرف منسوب ہے۔ اور لفظ الفعل محذوف کا فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے جس پر ایک سوال مقدر دلالت کرتا ہے، یعنی سوال یہ ہے کہ ان کی طرف وحی کرنے والا کون ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا گیا اللہ۔ اسی طرح شاعر کے قول میں بھی ہے لیک یزید ضارِع لخصومة۔ اس میں فعل مجہول ہے۔ (اور یزید فعل محذوف کا فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے) اور العزیزُ اَلْحَکِیْمُ اللہ تعالیٰ کی دو صفیں ہیں جنہیں موحیٰ کی علوشان کی تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ یا بحر لفظ اللہ مبتدا ہے اور العزیز اور اس کا مابعد کلام اس کی خبریں ہیں۔ یا العزیزُ اَلْحَکِیْمُ دونوں اس کی صفیں ہیں۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْيَتِيمِ وَالْیَتِیْمِ اَلْیَتِیْمُ صفت ہے اور اس سے قبل الذی مقدر ہے یا یہ حال ہے۔ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ کا معنی ہے وہی اپنی ساری مخلوق پر سب سے اعلیٰ ہے اور عظمت والا ہے۔ ترکیب کلام میں یہ دوسرا حال ہے یا تمہیں ملے۔ اور یہ دوسری وجوہ کی بناء پر دونوں جملے مستانہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عزت و غلبہ اور اس کی حکمت و دانائی کی تاکید کے لئے ذکر کئے گئے ہیں۔

تَكَادُ السَّمُوتُ يَنْفَقَرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ ۚ وَالْبَلَكُوتُ يَسْخَرُونَ بِحُصْنِ مَرَاتِبِهِمْ ۚ
يَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ۚ أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَفْوُ الرَّحِيمُ ۝ وَالَّذِينَ
اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِیْظُهُمْ ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِكَفِيلٍ ۝

”قریب ہے کہ (جلال الہی سے) آسمان پھٹ پڑیں اپنے اوپر سے۔ اور (ایسا نہیں ہوتا کیونکہ) فرشتے تسبیح کر رہے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور بخشش طلب کر رہے ہیں اہل زمین کے لئے۔ سن لو! یقیناً اللہ ہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ اور جنہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا (اور) دوست اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کے

حالات سے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔“

۱۔ نافع اور کسانے نے ٹکاؤ کو یاہ کے ساتھ ٹکاؤ پر حاسب کیونکہ فاعل مونث غیر حقیقی ہے (اس لئے فعل کو مذکر کرنا بھی جائز ہے) جبکہ باقیوں نے السُّبُوتِ فاعل کے مونث ہونے کی وجہ سے اسے تاء کے ساتھ ٹکاؤ پر حاسب۔ تَکَاوُفُ السُّبُوتِ یَتَقَفَّنُ کا معنی یہ ہے کہ قریب ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور علوشان کے سبب آسمان پھٹ پڑیں۔

ارشاد باری تعالیٰ اِنْعَلِ الْعِلَاطُ لِمُكِّے بعد اس کا ذکر اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ قریب ہے مشرکین کے اس قول۔ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا کے سبب آسمان پھٹ پڑے اسی کی مثل سورۃ مريم میں یہ ارشاد بھی ہے لَقَدْ جِئْتُمُوهَا اِذَا هِيَ تَحْكُمُ السُّبُوتِ یَتَقَفَّنُ۔

اور بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ قریب ہے ملائکہ کی کثرت کے سبب آسمان پھٹ پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آسمان چرچا یا اور اس کا حق بھی ہے کہ وہ چرچائے، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے آسمان میں ایک بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں جس میں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے سجدہ ریز نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بیان نہ کر رہا ہو۔ اسے ابن مردودہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ اور علامہ بغوی کی روایت میں الفاظ اس طرح ہیں کہ آسمان میں قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جس میں کوئی فرشتہ قیام کرے یا سجدہ کرنے میں مشغول نہ ہو۔

بھیریاں اور ابو بکر نے۔ تَقَفَّنُ کو۔ تَقَفَّنُ پر حاسب ہو گا لفظ اسے ماقوڈ ہے۔

۲۔ مَن قُوَقُوشٍ کا مفہوم یہ ہے کہ آسمانوں کے پھٹنے کی ابتدا اوپر والی جہت سے ہوگی۔ پہلی تفسیر کے مطابق اس جہت کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کی علامات میں سے عظیم تر ہے اور اس کی علوشان اور برتری پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق اوپر والی جہت کی تخصیص اس لئے ہے تاکہ یہ اس پر دلالت کرے کہ نیچے والی جہت بطریق اولیٰ پھٹ جائے گی۔ اور تیسری تفسیر کے مطابق تخصیص کا سبب یہ ہے کہ ملائکہ کا اثر و دام اوپر والی جہت پر ہی ہے۔ (لہذا اس کا بار بھی اوپر والی جہت پر ہی پڑے گا اس لئے وہ اسی جہت سے پھٹ پڑیں گے)

بعض نے کہا ہے کہ مَن قُوَقُوشٍ کی تفسیر الارض کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ الارض سے مراد جس ہے۔ (اور جس کی طرف جمع کی تفسیر لوٹ سکتی ہے) اور یہ قول دوسری تفسیر کے مطابق درست ہے۔

۳۔ اور (ایسا نہیں ہوتا کیونکہ) فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر رہے ہیں۔ یعنی عالم جو اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو قطعاً اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں فرشتے انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ ایسے تمام اقوال سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان اور علوم مرتبہ ملاحظہ کر رہے ہیں لہذا وہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی حمد و تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ اور وہ زمین میں بسنے والے مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش طلب کر رہے ہیں۔ چونکہ مومنین ایمان قبول کرنے میں ملائکہ کے ساتھ شریک ہیں اس لئے ان کا حق بننا ہے کہ ملائکہ ان کے لئے مغفرت طلب کریں ترکیب کلام میں وَیَسْتَغْفِرُونَ ناسخ کا جملہ حال ہے۔ سن لو اٰیۃ اللہ ہی اپنے دوستوں کو بہت بخشے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

سے اور جنہوں نے بنار کھے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور دوست، یعنی شریک اور مد مقابل۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے احوال و اعمال پر خوب آگاہ ہے۔ وہ ان کی نگرانی کر رہا ہے اور انہیں ان کی سزا یقیناً دے گا۔ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں آپ کے سپرد اس طرح نہیں کیا گیا کہ آپ ان سے اپنا مطلوب حاصل کر سکیں۔ یا آپ ان کے ذمہ دار نہیں، یعنی ان کا معاملہ آپ کے سپرد نہیں کیا گیا۔

وَكُنْ لَكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَتُنَبِّئَ اُمَّةً اَلْقُرْاٰی وَمِنْ حَوْلَهَا وَتُنَبِّئُ مَآیَمَہ
الْجَمْعِ لَا مَرٰیِبَ فِیْہِ ۚ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ۝

”اور یونہی ہم نے وحی کے ذریعے اتارا ہے آپ کی طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرائیں اہل مکہ کو اور جو اس کے آس پاس (آباد) ہیں اور تاکہ آپ ڈرائیں اکٹھے ہونے کے دن سے جس (کی آمد) میں کچھ نہیں۔ (اس دن) ایک فریق جنت میں اور دوسرا فریق بھڑکتی آگ میں ہوگا۔“

لے کُنْ لَكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا مقفول ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یا اشارہ آیت مستقدمہ کے معنی کی طرف ہے کیونکہ اس کا ذکر قرآن کریم میں کئی مقامات پر کیا گیا ہے۔ اس صورت میں ک (کاف) مقفول بہ ہوگا اور قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا اس سے حال ہوگا۔

اُمّ القُرْیٰ سے مراد مکہ مکرمہ ہے چونکہ عرب کی اکثر بستیاں مکہ مکرمہ سے ہی نکل کر بنی ہیں اس لئے مکہ مکرمہ کو ام القریٰ کہا جاتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ ڈرائیں اہل مکہ کو اور جو اس کے آس پاس آباد ہیں۔ تاکہ وہ اعلاہ و کلمتہ اللہ میں آپ کے معاون اور مددگار ثابت ہوں۔ یا پھر مَن حَوْلَهَا سے مراد ساری زمین کی بستیاں ہیں، چاہے وہ زمین کے شرق میں ہوں یا مغرب میں شمال کی جانب ہوں یا جنوب کی طرف۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے پانچ چیزوں کے ساتھ دوسرے انبیاء (علیہم السلام) پر فضیلت دی گئی ہے

- 1۔ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ 2۔ میری شفاعت کو میری امت کے لئے جمع رکھا گیا ہے۔ (یعنی قیامت کے دن امت کے لئے مجھے شفاعت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے)۔ 3۔ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے ایک مہینہ آگے اور ایک مہینہ پیچھے کی طرف۔ (یعنی ایک مہینہ کی مسافت پر آگے پیچھے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا جاتا ہے)۔ 4۔ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا ہے۔ (یعنی وہ تمام مقامات جہاں ظاہر کوئی نجاست نہ ہو وہاں نماز پڑھنے اور وہاں سے تیمم کرنے کی اجازت دی گئی)۔ 5۔ میرے لئے مال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے حالانکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہیں تھا (1)۔ اسے طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ساجب بن یزید سے روایت کیا ہے امام مسلم نے صحیح میں اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دوسرے انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔
- 1۔ مجھے جو اجماع انکم عطا کئے گئے ہیں۔ (یعنی مجھے تحفہ الفاظ میں معافی کا ایک سمندر سمیٹنے کی قوت اور ملکہ عطا فرمایا گیا ہے)۔ 2۔ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ 3۔ میرے لئے مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے۔ 4۔ میرے لئے زمین کو پاکیزہ اور مسجد بنا دیا گیا ہے۔ 5۔ مجھے ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے۔ 6۔ اور مجھ پر انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے (2)۔ اور تاکہ آپ انہیں اس

قیامت کے دن سے ڈرائیں جس میں پہلے بعد میں آنے والے تمام لوگ جمع ہو گئے۔

پہلے تندر کے دوسرے مفعول کو اور دوسرے تندر کے پہلے مفعول کو تہویل و تعمیم پر دلالت کرنے کے لئے حذف کر دیا گیا ہے۔ لکن فیہ فیہ جملہ مترفعہ ہے ترکیب میں اس کا کوئی محل نہیں۔ معنی یہ ہے کہ اس دن کی آمد میں کچھ بہت نہیں اس دن ایک فریق جنت میں اور ایک فریق جہنم کی ہوئی آگ میں ہوگا وہاں تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ فَمَنْ يَتَّقِ مِنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ وَفِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْهُمْ كِي خَمِيرٍ يَجْمَعُونَ والوں کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ جمع اسی پر دلالت کر رہی ہے اور یہ دونوں جملے جمع ہونے والوں سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہیں یعنی تاکہ آپ انہیں ڈرائیں اس دن سے جس میں وہ جمع ہو گئے در آنحالیکہ دارالاثواب (جنت) اور دارالعقاب (دوزخ) میں متفرق ہو گئے۔ یا پھر یہ دونوں جملے مستأخرون ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ اپنے دست مبارک میں دو کتابیں پکڑے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کتابیں کیا ہیں؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو آپ کے دائیں دست مبارک میں تھی کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں اہل جنت کے اسماء ہیں ان کے باپوں کے نام ہیں۔ ان کے خاندانوں کا ذکر ہے اور ان کی تعداد اور رجب ہے اور یہ تحریر ان کے باپوں کی صلیبوں اور ماؤں کی رحموں میں نطقہ قرار پذیر ہونے سے پہلے کی ہے۔ ابھی تک وہ (ان کے خیمہ) مٹی میں گوندھے جا رہے تھے۔ پس نہ ان میں کچھ اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی کچھ کمی ہو سکتی ہے۔ یوم قیامت تک آنے والے تمام اہل جنت کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ اجمالی تحریر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پل کر۔ صحیح اور پختہ عمل کرو اور قرب ہوئے چلو کیونکہ یقینی آدمی کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا۔ اگر چہ اس نے پہلے جو عمل بھی کئے ہوں اور دوزخی کا خاتمہ اہل جہنم کے عمل پر ہوگا اگر چہ اس نے پہلے جو عمل بھی کئے ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَمَنْ يَتَّقِ فِي الْحَيَاةِ وَفِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انصاف اور عدل ہوگا (1)۔ اسے علامہ نبوی نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلْنَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يَنْزِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَبَى وَلَا نَصِيرٍ ۝ أَمْ أَسْخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَالَ اللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

”اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا ان (سب) کو ایک امت لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں اور جو ظلم کرنے والے ہیں نہ ان کا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔ کیا انہوں نے بنائے ہیں اسے چھوڑ کر دوسرے کا رساز۔

بِس اللہ تعالیٰ حقیقی کا رساز ہے اور زندہ کرتا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔“

لَوْ شَاءَ اللَّهُ۔ الایہ کا عطف فَمَنْ يَتَّقِ فِي الْحَيَاةِ کے مضمون پر ہے، یعنی امت و حصوں میں تقسیم ہو جائیگی۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک دین پر کر دیتا۔ ماقابل نے کہا ہے کہ اگر چاہتا تو سب کو دین اسلام پر

کردیتا (۱)۔ اور اس کی تائید اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے وَكَوَسَّاءُ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ عَلَى الْهُدَى۔ (اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام کو ہدایت پر جمع فرمادیتا) لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اسے دین اسلام کی طرف ہدایت دیکر اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ اور جو ظلم کرنے والے، یعنی کافر ہیں ان کا کوئی دوست اور مددگار نہیں، یعنی وہ انہیں اپنی رحمت میں داخل نہیں کرتا۔ اس لئے نہ ان کا کوئی دوست ہوگا جو ان سے عذاب کو دور کر سکے گا اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا جو انہیں جہنم کی آگ میں جانے سے بچا سکے گا۔

شاید اس کے مقابلہ میں طرز کلام کی تبدیلی وعید میں مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے کیونکہ یہ کلام انہیں ڈرانے کے لئے کیا گیا ہے۔ (طرز کلام میں تبدیلی اس طرح ہے کہ پہلے فرمایا جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے مقابلہ یوں ہوتا چاہے تھا کہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل نہیں کرتا لیکن ایسا نہیں فرمایا بلکہ فرمایا جو ظلم کرنے والے ہیں ان کا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار تو یہ تبدیلی وعید میں مبالغہ کے لئے ہے)

لَا أَرَأَيْتُمْ ذَاكَ عَظْفٍ وَالظَّالِمُونَ پر ہے۔ اس میں ام مقطوعہ بمعنی بل افرایہ ہے اور ہمزہ برائے انکار ہے۔ یعنی کفار نے اللہ تعالیٰ کو دوست اور مددگار نہیں بنایا بلکہ انہوں نے اسے چھوڑ کر بتوں اور شیطان وغیرہ کو کارساز بنالیا ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا یا پھر معنی یہ ہے کہ جنہیں کارساز بنایا گیا ہے وہ ان کے دوست اور مددگار نہیں ہونگے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی حقیقی کارساز ہے۔ ترکیب کلام میں فاللہ ہو الولیٰ محذوف شرط کا جواب ہے۔ یعنی اگر انہوں نے کارساز بنانے کا ارادہ کیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی حقیقی کارساز ہے، یعنی وہی حق رکھتا ہے کہ اسے کارساز بنایا جائے۔ اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا تاکہ وہ ہر نفس کو اس کے عمل کے مطابق جزا اور بدلہ دے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے یہ جملہ۔ یعنی وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ قول باری تعالیٰ ہو الولیٰ کی علت بیان کر رہا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کا بھی ولی، یعنی مددگار ہے اور ان کا بھی جو آپ کے پیروکار ہیں (2)۔ اس صورت میں فاللہ کی فاعل عطف کے لئے ہوگی نہ کہ شرط کی جزا کے لئے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۖ قَاطِرُ السُّبُوتِ وَالْأَمْرُ ۖ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَلَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرْكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَيْفِئَتُهُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

”اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو۔ یہی اللہ میرا رب ہے اور اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اسی نے بنائے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے اور مویشیوں سے بھی جوڑے بنائے۔ وہ پھیلتا تاربتا ہے تمہاری نسل کو اس کے ذریعہ۔“ نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز اور وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔“

اے لوگو! امر دین میں سے جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہی قیامت کے دن اختلاف کرنے والوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور اہل حق کو اہل باطل سے ممتاز کر دے گا۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ آیت متشابہ کی تاویل میں تمہارے درمیان جو اختلاف رونما ہو جائے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے محکم آیت

کی طرف رجوع کرو۔ (یعنی کوئی ایسی تاویل نہ کرو جو کسی حکم آیت کے حکم کے خلاف ہو) وہ جو تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا وہ اللہ ہے۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں فرما دیجئے یہی اللہ میرا رب ہے۔ (ترکیب کلام میں ربی لفظ اللہ سے بدل ہے یا عطف بیان ہے) میں نے دشمنوں کے مکر و فریب کو رد کرنے میں اور تمام امور میں اسی پر بھروسہ کیا ہے۔ اور سخت مشکلات میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

۷۔ وہ آسمانوں اور زمین کو بنانے والا ہے۔ ترکیب کلام میں خَالِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذِی الْمَلٰکِیْنِ کی دوسری خبر ہے۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ خود مبتدا ہے اور اس کا مابعد کلام اس کی خبر ہے۔

اسی نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے ہیں، یعنی عورتیں پیدا کی ہیں۔ اور مویثیوں کے لئے ان کی جنس سے جوڑے بنائے ہیں۔ یا معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے مویثیوں کی کئی کئی صفیں پیدا کی ہیں یا ان میں سے مذکر اور مؤنث پیدا کئے ہیں۔ جمل کا جملہ پہلی دونوں تفسیروں کے مطابق حال واقع ہو رہا ہے اور اس سے پہلے قد مقدر ہے۔

بذروکم۔ کا معنی ہے وہ تم میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ وہ پھیلاتا رہتا ہے۔ یہ ذرے، ماخوذ ہے اور اس کا معنی پھیلاتا اور نکھیر یا ہے۔ کم ضمیر سے مراد مخاطبین اور انعام (چوپائے) تمام ہیں۔ لیکن مخاطبین کو غلبہ دیتے ہوئے خطاب کی ضمیر ذکر کی گئی ہے۔

فیہ سے مراد ہے اس تدبیر میں اور تدبیر سے مراد لوگوں اور مویثیوں کو جوڑا جوڑا بنانا ہے تاکہ اس کے سبب سلسلہ توالد جاری رہے اور نسل بڑھتی رہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس ذریعہ تمہاری نسل پھیلاتا رہتا ہے۔

بعض نے فیہ کی ضمیر سے مراد رحم اور بعض نے پیٹ مراد لیا ہے۔ اور بعض نے فی کو باء کے معنی میں قرار دیا ہے۔ یعنی وہ اس کے سبب تمہیں پھیلاتا رہتا ہے۔ بعض نے اس کا معنی بیان کیا کہ وہ جوڑے بنانا کرتا ہے اور تعداد کو بکیر کر رہا ہے۔

۸۔ قَبَسٌ مِّمَّہ یعنی وہ اس کا تھوڑا سا ٹکڑا کوئی چیز نہیں ہے۔ اس میں لفظ مثل زائد ہے اور معنی یہ ہے کہ کسی شے کی طرح نہیں ہے۔ اور اس میں لفظ مثل تاکید کے لئے ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اس ارشاد میں ہے قُلْ اَنْتُمْ اَوَّلُ مَا خَلَقْنَا وَمَا اَنْتُمْ بِاَوَّلُ شَيْءٍ مَّا خَلَقْنَا۔ بعض نے کہا ہے کہ کاف زائد ہے اور معنی یہ ہے کہ اس کی مثل کوئی شے نہیں ہے جو اس سے موافقت اور مناسبت رکھتی ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی کوئی نظیر نہیں ہے (۱)۔ بعض نے کہا ہے یہ کنایہ کے باب سے ہے۔ اسی کی مثل اس کا یہ قول ہے کہ جب کسی سے فعل کی نفی کرنے میں مبالغہ مقصود ہو تو کہا جاتا ہے مَثَلُکَ لَا یَفْعَلُ۔ کذا۔ تیری مثل آدمی اس جیسا کام نہیں کیا کرتا کیونکہ جب مخاطب سے مناسبت رکھنے والے اور اس کا قائم مقام بننے والے سے کام کی نفی کر دی جاتی ہے تو بطریق اولیٰ مخاطب سے اس کام کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ کنایہ ہے تو پھر یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اس کی کوئی مثل ہو کیونکہ کنایہ میں معنی حقیقی کا تحقق اور ثبوت شرط نہیں ہوتا۔ جیسا کہ لے قد والے آدمی کے لئے کہا جاتا ہے فَلَاحِ طَوِیْلُ السَّجَادِ۔ (فلاح آدمی کا پر تلہ طویل ہے یعنی وہ دراز قد والا ہے) اگرچہ اس کا پر تلہ بالکل ہی نہ ہو (پھر بھی کلام صحیح ہوگا) اسی کی مثل یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے۔ یٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی سَیِّئٰتِکُمْ فَاَنْتُمْ سَوَآءٌ۔ یہ جی ہونے سے کنایہ ہے اس کے باوجود کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے لئے اعضا کا ہونا محال ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مثل بمعنی صفت ہے، یعنی اس کی صفت کی طرح کسی شے کی صفت نہیں۔ اور وہی وہ سب کچھ سننے والا ہے جو سنا جاسکتا ہے اور وہ سب کچھ دیکھنے والا ہے جو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کے سوا تمام سننے

والوں کو قوتِ سماعت اور دیکھنے والوں کی قوتِ بصارت اللہ تعالیٰ سے معیار لی ہوتی ہے یہاں ان دو صفوں کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ کہیں یہ وہم نہ پیدا ہو جائے کہ جس طرح اس کی کوئی مثل موجود نہیں اسی طرح شاید اس کی کوئی صفت بھی نہیں۔ اس وہم کا ازالہ کرنے کے لئے اور صفات ثابت کرنے کے لئے یہاں ان صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠﴾ سَرَّعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَشَىٰ بِهِ نُوحًا وَالدِّنَىٰ أَوْحَيْنَا
إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا
تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى السُّرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ﴿١١﴾

”اسی کے قبضہ میں ہیں نکلیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) بیشک وہ چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اے اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں ہے۔ بہت گراں گزرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں اللہ تعالیٰ جن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔“

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ سے مراد آسمانوں اور زمین میں پائے جانے والے رزق کے خزانے ہیں۔ کلی نے کہا ہے اس سے مراد بارش اور نباتات ہے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ کا یہ معنی ہے کہ وہ اپنی مشیت کے مطابق بطور آزمائش اور امتحان جس کے لئے چاہتا ہے رزق وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے اور وہ ویسے ہی کرتا ہے جیسے کرنا مناسب ہوتا ہے۔

سَرَّعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ میں ضمیر سے خطاب حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہے۔ اور الیک میں (ضمیر سے خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ آیت طیبہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ دین اسلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے مقرر فرمایا ہے وہ کوئی نیا دین نہیں ہے بلکہ وہی تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے۔ کیونکہ حق ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے اور حق کے بعد ضلالت اور گمراہی ہوتی ہے۔ اور اہل کتاب نے محض عداوت اور عناد کے پیش نظر اس دین کا انکار کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری راہنمائی کے لئے ایک سیدھا خط لکھیا اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دایں بائیں بہت سے خطوط بنائے اور فرمایا یہ راستے ہیں جن میں سے ہر راستے پر شیطان ہے اور وہ اپنی طرف بلاتا رہا ہے۔ اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَإِنَّ مَوْجُودَ الْآيَةِ۔ (بیشک میرا راستہ یہ سیدھا ہے پس تم اس

کی اتباع کرو۔ اسے احمد نسائی اور دارمی نے روایت کیا ہے (1)۔

اور وہ دین اسلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی ذات و صفات کے ساتھ ایمان لانا۔ تمام ائمہ علیہم السلام ان پر نازل ہونے والی کتب، ملائکہ اور بعث بعد الموت پر ایمان لانا۔ علاوہ ازیں ان تمام چیزوں کو تسلیم کرنا جو انبیاء علیہم السلام لکھ کر آئے اور جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم ارشاد فرمایا ہے انہیں بجالانے اور جنہیں کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے رکے رہنے کو تسلیم کرنا۔ ان بنیادی تمام امور کو تسلیم کرنا اور ان پر ایمان لانا ایک ایسا جامع امر ہے جس پر تمام شریعتیں متفق ہیں۔ بعض احکام عملیہ کے منسوخ ہونے کے سبب یہ لازم نہیں آتا کہ ادیان میں اختلاف ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ کبھی ایک نبی کے دین میں بھی نسخ ہو جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی اور پھر کعبہ معظمہ کی طرف رخ زیا پھیر کر نماز ادا فرمانے لگے تو جس طرح یہ نسخ ادیان کے اختلاف کو مستزہم نہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فروغ اختلاف ہونے کے سبب بھی ادیان میں اختلاف کا ہونا لازم نہیں آتا۔ (یعنی اس سے وحدت دینی متاثر نہیں ہوتی) کیونکہ تمام ادیان کا مدعی اور مقصود ایک ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجالانا اور اس کی نواہی سے اجتناب کرنا۔

آءِ اَنْ اَقْبِلُوهُمُ الْيَوْمَ فِي سَبْعَةِ مَوَاقِعَ مِنْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ اور وصیٰ کی تفسیر بیان کر رہا ہے کیونکہ ان میں قول کا معنی معبود ہے یا اُن مصدر یہ ہے اور مصدر منصوب ماضی سے بدل ہے جو کہ شروع کا مفعول ہے یا مصدر مرفوع ہے اور مبتدا مخدوف کی خبر ہے اور وہ وہو ہے مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہیں عطا فرمائیں بغیر کسی انحراف اور کج روی کے اسے لے لو۔ (یعنی تمام احکام پر بغیر کسی لعل و لعل کے عمل کرو۔)

اور محض آراء اور خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے یا محض تعصب اور عناد کی بناء پر دین میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

کیونکہ آراء اور خواہشات کی اتباع و پیروی کے سبب ہی حضور نبی کریم ﷺ کی امت جعفر قوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث طیبہ ابھی ہی بیان کی ہے اس کا مقصود بھی یہی ہے۔ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا تو فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور پھر دائیں بائیں بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا یہ راستے ہیں جن میں ہر راستے پر شیطان ہے۔ اور پھر دو نصاریٰ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تو اس کا سبب محض ان کا عناد اور تعصب تھا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے تفرقہ نہ ڈالو۔ پاس جماعت (انکھارنا) رحمت ہے اور فرقت (بکھر جانا) عذاب ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے ہاشت بھجری جماعت سے علیحدگی اختیار کی اس نے اسلام کا پھندا اپنے گھٹے سے اتارا دیا (1)۔ ۴۔ اسے احمد اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ اسے سند حسن کے ساتھ ترمذی نے روایت کیا ہے (2)۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان کے لئے بھیڑیایا ہے جیسا کہ بکریوں کا بھیڑ یا یوز سے چمچڑے والی دورہ جانے والی اور ایک طرف چلنے والی بکری کو پکڑ لیتا ہے (اسی طرح شیطان بھی جماعت سے علیحدہ رہنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے) اور تم گھائنیوں (کناروں) سے بچو اور تم پر لازم ہے کہ جماعت اور جمہور کے ساتھ رہو۔ اسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے (3)۔

یعنی وہ دین مستقیم جس کی طرف مشرکین کو دعوت دیتے ہیں وہ ان پر انتہائی گراں گزرتا ہے کیونکہ وہ دین توحید کی دعوت دیتا ہے اور بتوں کو چھوڑنے کا حکم دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنے دین کی طرف یا اس کی طرف جس کی طرف آپ انہیں دعوت دے رہے ہیں یا اپنی طرف جسے چاہتا ہے چاہے جسے چننا گیا ہے اس کی طرف سنی و اراودہ پایا جائے یا نہ پایا جائے۔

اور اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف آتا ہے۔ صوفیہ نے کہا ہے وہ آدمی جس کے اختیار کے بغیر اللہ تعالیٰ اسے اپنی ذات کی طرف جن لیتا ہے اور کھینچ لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتا ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کا گروہ ہے اور وہ اولیاء کرام اور دیگر نیک اور متقی بندوں کا گروہ ہے۔

وَمَا تَفْقَهُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيَّا بَيْنَهُمْ ۖ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّفُتِفَىٰ بَيْنَهُمْ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكُتُبَ مِنْ
بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّمَّا مَرَّيَبٍ ۝۱۰

”اور نہ بڑے وہ فرقوں میں مگر اس کے بعد کہ آگیا ان کے پاس (صحیح) علم (یہ تفرقہ) محض باہمی حسد کے باعث تھا۔ اور اگر یہ فرمان پہلے نہ ہو چکا ہوتا آپ کے رب کی طرف سے کہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جائے تو فیصلہ ہو چکا ہوتا ان کے درمیان اور جو لوگ وارث بنائے گئے تھے کتاب کے ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایسے شک میں مبتلا ہیں جو بظن انگیز ہے۔“

۱۔ وَمَا تَفْقَهُوا کا عطف شروع پر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، یعنی اہل کتاب فرقوں میں تقسیم نہیں ہوئے۔ مگر اس کے بعد کہ سابقہ کتب سادیہ کے سبب ان کے پاس صحیح علم آگیا تھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہے۔ اور جو حضور نبی رحمت محمد مصطفیٰ علیہ التحسینہ البشائر کی طرف وحی کی گئی ہے وہ وہی دین ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کر شریف لائے۔

بَعِيَّا بَيْنَهُمْ یہ تفرقہ محض باہمی حسد کے باعث تھا۔ عطا نے کہا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے ان کے درمیان حسد، تکبر اور عنوت پیدا ہو گئی تھی (1)۔ قاموس میں ہے یعنی علیہ بیعی۔ وہ بلند ہو گیا اس نے ظلم کیا، انصاف نہ کیا اور انتہائی لمبا ہو گیا (2) (یعنی حد سے تجاوز کر گیا)

۲۔ اگر آپ کے رب کی طرف سے وار جزا (یوم آخرت) تک عذاب مؤخر کرنے کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا، یعنی ان کے درمیان جو دنیا میں ایمان لائے اور جنہوں نے کفر کیا۔ اس طرح کہ اہل باطل کو جہنم سے اکھڑ کر نیست و نابود کر دیا جاتا اور اہل حق کو غلبہ اور سرفرازی عطا کر دی جاتی۔

اور جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے تھے، یعنی یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کے بعد۔ بعض نے کہا ہے کہ صامیہ کے بعد۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ الذین سے مراد مشرکین مکہ ہیں کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور من بعد ہم سے مراد ہے اہل

وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْبَیِّنٰتِ ۚ وَمَا یُذِیْرُکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ۝

”اور جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں اس کے بعد کہ (اکثر حق شناس) اس کو مان چکے ہیں سوان کی حجت بازی لغو ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر (اللہ کا) غضب ہے اور انہی کے لئے سخت عذاب ہے۔ اے اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے نازل کیا ہے کتاب کو حق کے ساتھ اور (نازل کیا ہے) میزان کو۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔“

۱۔ ابن منذر نے عکرمہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ جب سورہ نصر اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَمْلِكُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَنْقَادًا ۝ نازل ہوئی تو مشرکین مکہ نے اپنے درمیان رہنے والے مؤمنین سے کہا اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگ گروہ دروہ داخل ہو رہے ہیں تم بھی ہمارے درمیان سے نکل جاؤ تب تک تم ہمارے درمیان قیام پذیر ہو گے اس وقت آیت وَالَّذِیْنَ یُحَاجُّوْنَ فِی اللّٰهِ نازل ہوئی (1)۔

عبدالرزاق نے قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ حجت بازی کرنے والے یہود و نصاریٰ تھے وہ کہتے ہیں ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے، ہمارا نبی تمہارے نبی سے مقدم ہے لہذا ہم تم سے بہتر اور افضل ہیں یہی ان کا جھگڑا تھا (2)۔ اس کے بعد کہ اکثر حق شناس لوگ آپ کی دعوت کو قبول کر چکے ہیں اور وہ اسلام قبول کر کے آپ کے دین میں داخل ہو چکے ہیں کیونکہ آپ کے معجزات اور حسن دعوت بالکل ظاہر اور واضح ہے۔ سوان کی حجت بازی ان کے رب کے نزدیک لغو ہے ان کی خصومت اور جھگڑا باطل اور لاعینی ہے یا معنی یہ ہے کہ جسے وہ حجت گمان کرتے ہیں فی الحقیقت وہ ایک باطل شبہ ہے۔ ان کے اسی معاندانہ رویہ کے سبب ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کے کفر کے سبب انہی کے لئے شدید عذاب ہے۔

۲۔ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے کتاب کو نازل فرمایا ہے دراصل اللہ ہی حق کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور باطل سے بہت دور ہے۔ یا اس کے نزول کا مقصد عقائد حقہ اور احکام صحیحہ کی حقیقت کو واضح کرنا اور ان کی تعلیم دینا ہے۔

۳۔ قتادہ، مجاہد اور مقاتل نے کہا ہے کہ میزان سے مراد عدل ہے۔ چونکہ میزان ہی انصاف اور مساوات کا آلہ ہے اسی لئے عدل کو میزان کہا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میزان کے ذریعے صحیح صحیح پورا تو لے کر حکم ارشاد فرمایا ہے اور تو لے میں کمی کرنے سے منع فرمایا ہے (3)۔

بعض نے کہا ہے میزان سے مراد شریعت ہے کیونکہ شریعت کے سبب ہی حقوق میں توازن اور لوگوں کے مابین مساوات اور عدل قائم رہ سکتا ہے۔

لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ۚ یہ ہے کہ اس کا معنی ہے شاید قیامت کا آنا قریب ہو (4) پس تم کتاب کا اتباع کرو بشرطیت

پر عمل پیرا ہو اور عدل و انصاف پر مواظبت اختیار کر دے اس لیے کہ ہم اچانک تم پر قیامت برپا کر دیں گے اس وقت تمہارے اعمال کا وزن کیا جائیگا اور ان پر تمہیں پورا پورا بدلہ اور جزا دی جائے گی۔

المساعة مونث ہے اور قریب مذکر ہے ان کے درمیان موافقت قائم کرنے کے لئے بعض نے کہا ہے کہ قریب ذات قرب کے معنی میں ہے یعنی قرب والی (گویا مونث معنی میں ہی استعمال ہو رہا ہے) یعنی قریب بروزن فعلیل مونث ہے (ایا تو جہد یہ ہے کہ یہاں الساعۃ بمعنی الجبث ہے ترکیب کلام میں لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ جملہ بدویک کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اس میں لعل نے ہی فعل کو عمل کرنے سے روکا ہے۔

مقابل نے کہا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کا ذکر فرمایا اس وقت آپ کے پاس مشرکین موجود تھے تو انہوں نے اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہا قیامت کب آئے گی؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی (۱)۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا
وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ①
اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ②

”جلدی چاہتے ہیں اس کے لیے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق وہ بڑی گمراہی میں (بتلا) ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور وہی قوی (اور) زبردست ہے۔“

۱۔ وہ لوگ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی۔ وہ بطور استہزاء اور تمسخر اس کے جلدی آنے کی خواہش کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں وہ عذاب کے احتمال کے سبب اس سے خوفزدہ رہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ حق ہے اور یاقین آئے گی۔

يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ کا معنی یہ ہے وہ لوگ جو قیامت کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور اس کے آنے کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ قافوس میں ہے کہ المریۃ اور المریۃ کا معنی شک اور جھگڑا ہے۔ ماراۃ معاراة فلاں نے اس میں شک کیا۔ فی الحقیقت یہ مونت المناقۃ سے ماخوذ ہے۔ یہ تب کہا جاتا ہے جب اونٹنی کی کھیری کو دودھ دہنے کے لئے زور سے دایا جائے۔ چونکہ جھگڑا کرنے والے بھی ایک دوسرے کے لیے انتہائی سخت کلام زبان سے نکالتے ہیں اسی لئے ان کے جھگڑا کو مویۃ کہا جاتا ہے۔

لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ۔ وہ بڑی گمراہی میں مبتلا ہیں، یعنی حق سے بہت دور ہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن وہ بارہ اٹھایا جاتا ایک ایسا امر ہے جو کتاب و سنت اور شہادت عقل سے صراحۃ ثابت ہے کہ دارالجزا کا ہونا ضروری اور لازم ہے۔ اس لیے یہ ابھی اگر چہ غائب ہے لیکن یہ دلائل سے اتنا واضح ہے کہ امر محسوس کے مشابہ ہے اس لیے وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کے باوجود قیامت قائم ہونے کا یقین نہیں رکھتا وہ انتہائی گمراہ اور حق کی طرف راہنمائی پانے میں انتہائی دور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اَللّٰهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انتہائی مہربان ہے۔ مکرّم نے کہا ہے وہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرنے والا ہے۔ سہمی نے کہا ہے وہ نرمی کرنے والا ہے اور مقابل نے کہا ہے وہ نیک اور نگہدار تمام بندوں پر مہربان ہے (۱) اس طرح کہ وہ گنہگاروں کو ان کے گناہوں کی سزا کے طور پر ہلاک و برباد نہیں کرتا۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے وہ اپنے لطیف اور اک کے سبب منافع پہنچانے اور مصائب و آلام کا رخ پھیرنے میں بڑا لطیف اور باندھیر ہے۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ عقلی امور کے بارے اس کا علم باریک بین اور یقین دہس ہے جرائم سے درگزر کرنے میں اس کا علم انتہائی عظیم ہے، وہ نیکیوں اور اچھائیوں کو پھیلاتا ہے اور عیوب و نقائص پر پردہ ڈالتا ہے، وہ بندے کو حاجت و ضرورت سے کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے اور بندے کی قوت و طاقت سے کم عبادت و طاعت کا اسے مکلف و پابند بناتا ہے۔

اس وجہ سے جتنا چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے، بندوں میں سے ہر ایک کے لئے جتنی بھلائی اور احسان کا تقاضا اس کی حکمت کرتی ہے وہ اسے عطا فرماتا ہے اور وہ ہر مومن و کافر اور دنیوی روح کو رزق عطا فرماتا ہے پس یہ سب ان میں سے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انہیں رزق دے۔ حضرت امام مغیر بن محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق عطا فرمانے میں دو تدبیریں کی ہیں ایک یہ کہ اس نے تمہیں پاکیزہ اور طیب رزق عطا فرمایا ہے اور دوسرا یہ کہ اس نے تمہیں سارا ایک ہی بات نہیں دے دیا (۲)۔ اور دوسری قوی ہے یعنی اس کی قدرت بالکل ظاہر اور واضح ہے اور زبردست ہے ایسا کہ اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا ترکیب کلام میں وَهُوَ الْغَفِيُّو کا جملہ حال ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَذَرْهُ فِي حَرْثِهِ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا
نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ شَيْءٍ ۚ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ
الدُّنْيَا مَالًا لَمْ يَأْذُنْ بِهِ اللَّهُ ۖ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ ۖ وَإِنَّ
الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

”جو طلبگار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم (اپنے فضل و کرم سے) اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے اور جو شخص خواہشمند ہے (صرف) دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ۔ کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ اور اگر ان کے فیصلہ کی بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کا قصہ کبھی کاچکا دیا گیا ہوتا۔ اور جو ظالم ہیں یقیناً ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

۱۔ حَرْث کا معنی ہے زمین میں بیج ڈالنا اور زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار کو بھی حَرْث کہہ دیا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ حَرْث کا معنی کٹائی، مال بیچ کرنا اور کھیتی ہے (۳)۔ اور یہاں حَرْث سے مراد ثواب آخرت ہے۔ چونکہ آخرت کا ثواب دنیا میں کیئے جانے والے عمل کا ثمرہ اور پھل ہوتا ہے اسی لئے اسے ذرْع (کھیتی) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ کہا گیا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یا پھر اسے کٹائی جتنی جو پیداوار حاصل ہوتی ہے اس سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ دنیا میں انسان جو کچھ کھاتا ہے اسی کے سبب آخرت

میں ثواب بھی حاصل ہوگا۔

جو آخرت کی کھیتی کا طلبگار ہو تو ہم اپنے فضل و کرم سے اس کی کمائی اور کھیتی کو اور بڑھادیں گے اور ہم اسے ایک کے بدلے دس سے لیکر سات سو گنا تک عطا فرمائیں گے جیسا کہ ایک دانہ سے سات بالیان آگئیں اور ہر بالی میں ایک سودانہ ہو۔ **الْمُكْمِلُ حَبَّةً وَابْنُكَ سَبْعَةً سَائِلًا فِي كُلِّ مَسْجِدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَبَّةً**۔

اور جو شخص اپنے عمل کے عوض صرف دنیوی کھیتی اور حصے کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اسے اس میں سے دیں گے جو ہم نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ اور آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ ترکیب کلام میں **وَصَلَّيْنَا فِي الْاُخْرَى الْخُفَّاءِ** کا عطف مؤنثہ پر ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظم بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اعمال کا دارم ارنیو توں پر ہے۔ اور ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی پس جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی ہوگی اور جس نے دنیا کو پانے کے لئے یا عورت سے شادی کرنے کی غرض سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی یہ روایت متفق علیہ ہے (1)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس امت کو نور و چمک، رفعت و بلندی فتح و نصرت اور زمین میں غلبہ و اقتدار کی بشارت دے دو۔ پس ان میں سے جو بھی آخرت کا عمل دنیا کے لئے کرے گا آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اسے علامہ بغوی نے روایت کیا ہے (2)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَعْلَمُونَ یعنی تم کہتے ہوئے تھے اسی لئے شرکاء کو انہی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کہا شرکاء نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، یعنی انہوں نے دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین مقرر کر دیا ہے (3) جس میں شرک، دوبارہ زندہ کئے جانے سے انکار اور محض دنیا کے لئے عمل کرنے کی ترغیب و تعلیم ہے۔ اور یہ جملہ قول باری تعالیٰ **شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا تَصَلَ بِهِ** اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ام متصل ہے اور محذوف جملہ کے مقابلہ میں آ رہا ہے جس کا آغاز حمزہ سے ہو رہا ہے۔ تقدیر عبادت اس طرح ہے **اِقْبَلُوا مَا شَرَعَ اللَّهُ** اِقْبَلُوا مَا شَرَعَ لَكُمْ شَرُّ كَافِرِهِمْ۔ کیا وہ اس دین کو قبول کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے یا اسے جسکو ان کے شرکاء نے مقرر کیا ہے۔ اگر قیامت کے دن تک جزا اور بدلہ کو مؤخر کرنے کا فیصلہ پہلے ہی نہ ہو چکا ہوتا تو مؤمنین اور کفار کے درمیان ابھی فیصلہ کر دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ آپ کی تکذیب کرنے والوں کو دنیا میں ہی عذاب دے چکا ہوتا، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ فرما رکھا ہے **بَلَى السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ**۔ ترکیب کلام میں **وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ** جملہ محذوف ہے۔

چٹک ظلم کرنے والوں، یعنی مشرکین کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے آیت میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر **الظَّالِمِينَ** ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس کی وضاحت ہو جائے کہ وہ اپنے شرک کی وجہ سے دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔ تقدیر عبادت اس طرح ہے۔ **انهم لهم عذاب الیم لما كانوا یسکرونہ**۔

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْحَةٍ أَلْجَبَتْ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٥٠﴾ ذَٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۚ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥١﴾

”آپ دیکھیں گے ظالموں کو کڑر ہے ہوں گے ان (کرتوتوں) سے جو انہوں نے کمائے اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہونگے انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے یہی بڑا فضل ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا اس (دعوت حق) پر کوئی معاوضہ بجز قربت کی محبت کے۔ اور جو شخص کماتا ہے کوئی نیکی ہم دو بالا کر دیں گے اس کے لیے اس میں حسن بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قادر دان ہے۔“

۱۔ آپ دیکھیں گے کہ شرکین قیامت کے دن شرک اور دیگر ان گناہوں کی سزا سے کڑر ہے ہونگے جو انہوں نے کمائے۔ ترکیب کلام میں مشفقین، تری فعل کا مفعول ثانی ہے یا حال ہے۔

ان کے کرتوتوں کی سزا بالیقین ان پر واقع ہو کر رہے گی چاہے وہ ڈریں یا نہ ڈریں۔ ترکیب کلام میں وَلَهُوَ وَاقِعٌ حال مقدرہ ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہونگے، یعنی وہ انتہائی پاکیزہ حسین عمدہ اور تفریحی مقامات پر ہونگے۔ وہاں وہ جس چیز کو چاہیں گے اور خواہش کریں گے وہی ان کے لئے ان کے رب کے پاس سے حاضر اور موجود ہوگی۔ اور جنت کی جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہی بہت بڑا فضل ہے، یعنی دنیا میں جتنی نعمتیں ان کے پاس تھیں وہ اس نعمت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

۲۔ یہ وہ ثواب ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان کثیر، البعیر و حمزہ اور کسانئی نے بیشمر کو تخفیف کے ساتھ بیشمر پڑھا ہے جو کہ شرع سے ماخوذ ہے۔ جبکہ باقیوں نے باب تفعیل سے بیشمر پڑھا ہے۔ ۳۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں فرمادیجئے کہ میں تمہیں جو وعدہ و تبلیغ کر رہا ہوں اور دعوت حق دے رہا ہوں اس پر بجز قربت کی محبت کے تم سے کوئی اجرت (نفع) نہیں مانگتا۔ یعنی میری تمہارے ساتھ جو قربت ابتداء رہی ہے اس کے سبب تم مجھ سے مودت و محبت رکھو۔ یہ جملہ مترضہ ہے۔ اور فی القربى المودۃ سے حال ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبدالمکمل بن سمرہ کی سند سے طائوس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے المودۃ فی القربى کے بارے دریافت کیا گیا تو سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ القربى سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آل بیت اطہار ہیں۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم نے جواب میں جلدی کر دی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

قرابتی کار شیعہ قریش کے ہر بطن میں موجود تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ قرابت موجود ہے تم اسے قائم رکھو (1) (مزید کسی اجرت یا معاوضہ کی مجھے قطعاً ضرورت نہیں۔)

علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ اسی طرح شعی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے اَلْمَوَدَّةُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ یہ ہے کہ تم میری قرابت کی حفاظت کرو میرے ساتھ مودت قائم کرو اور صلہ رحمی کرو۔ یہی موقف مجاہد، مکرّم، مقاتل، سدی اور خٹاب کا بھی ہے (2)، مکرّم نے کہا ہے کہ میں تمہیں جو دعوت حق دے رہا ہوں اس پر تم سے کسی معاوضہ کا طالب نہیں بجز اس کے کہ تم میری اور میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ قرابت ہے اس کی حفاظت اور پاسداری کرو۔ آیت کا وہ مفہوم نہیں جو کذاب لوگ کہا کرتے ہیں۔

علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ ایک گروہ نے کہا ہے یہ آیت منسوخ ہے۔ یہ مکرّم میں نازل ہوئی تھی۔ مشرکین مکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف اور آذیت پہنچاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مودت و محبت کا اظہار کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے اور انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے اور ہر اعتبار سے آپ کی مدد و نصرت کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ پسند فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملا دے جیسا کہ انہوں نے اپنی اپنی امت کو یہ کہا تھا وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجُورِي إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (3)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حکم نازل فرمایا قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُسْتَغْنِينَ (4)۔ علاوہ ازیں بھی اس مفہوم کی کئی آیات ہیں۔ یہ موقف خٹاب، بن حزام اور حسین بن فضل نے پیش کیا ہے۔ علامہ بغوی نے بیان کیا ہے کہ یہ قول پسندیدہ نہیں کیونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت و مروت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر تکلیف دھمے کو دور کرنا اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب سے محبت رکھنا فرائض دین میں سے ہے (4)۔ میں کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اقارب سے محبت رکھنا انتہائی مضبوط اور محکم فریضہ ہے۔ یہ فتح کا احتمال نہیں رکھتا کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث پات کہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی (کافل) مسوّن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کے نزویک میری ذات اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہو جائے (5)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی دوسری حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں چیزیں ہیں جس میں وہ پائی جائیں گی ان کے سبب وہ حلاوت ایمان کو پالے گا۔ ایک وہ آدمی جس کے نزویک اللہ تعالیٰ اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام ماسوا کی نسبت زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرا وہ آدمی جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کسی بندے سے محبت کرتا ہو اور تیسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے ایک بار کفر سے محفوظ رکھ لیا تو پھر کفر کی جانب لوٹا ایسے پاپسند کرتا ہو جیسے آگ میں پھینکا جانا ناپسند کرتا ہے (6)۔ ان دونوں حدیثوں کو شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے۔ اور اسی پر اجماع بھی منعقد ہے لیکن یہ کہنا ممکن ہے کہ

1- صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 713 (تذہبی) 2- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 101 (الطہری) 3- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 101 (الطہری)

4- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 101 (الطہری) 5- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 49 (تذہبی) 6- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 49 (تذہبی)

اللہ تعالیٰ نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو طلب اجرت کا جو حکم دیا تھا وہ منسوخ ہوا۔ ابن کثیر نے مجاہد کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کے یہ معنی روایت کئے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور اطاعت کے سبب اس کا قرب حاصل کرو۔ یہی قول حسن کا بھی ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ قربی سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے مفہوم یہ ہے کہ تم طاعت و عبادت اور عمل صالح کے سبب اللہ تعالیٰ کا قرب اختیار کرو اور اس سے اظہار مودت و محبت کرو۔

اور بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ تم میرے قریبداروں اور میری اولاد سے محبت کرو اور ان کے معاملہ میں تم میرا لحاظ رکھو۔ یہی قول سعید بن جبیر اور عمر بن شعیب کا ہے (1)۔

ابن ابی حاتم بطرانی اور ابن مردودہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی گئی یا رسول اللہ! ^{عَلَيْكُمْ} آپ کے قریبدار کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی، فاطمہ اور ان کے دو بیٹے رضی اللہ عنہم (2)۔

شیدہ حضرات نے مذکورہ حدیث کی روشنی میں اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ خلافت فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں ہی محصور ہے اور پہلے تینوں خلفاء رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت باطل ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں مذکورہ حدیث اور اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت واجب ہے اور آپ کے سوا کسی اور کی محبت واجب نہیں۔ اور محبت کا وجوب اطاعت کے وجوب کو مستلزم ہوتا ہے پس نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آپ ہی امام برحق ہیں کسی اور کی امامت و خلافت صحیح نہیں۔ مگر ان کا یہ استدلال متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

- 1: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کی سند میں ایک روای حسین الاشعری ہے جو انتہائی سخت غالی شیعہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ آیت کہ کرمہ میں نازل ہوئی ہے اور وہاں حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی بیٹا نہیں تھا۔
- 2: ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما اور ان کے دونوں صاحبزادوں کی محبت واجب ہے لیکن یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ان کے سوا کسی کی محبت واجب نہیں۔ یہ کیونکہ ممکن ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حب ابی بکر و عمر و عمار و بعضہما کفر (کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی محبت ایمان ہے اور ان کا بغض رکھنا کفر ہے۔ جس نے میرے صحابہ کرام کے بارے سب و شتم اور گالی گلوچ کا اظہار کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھینکا رہے اور جس نے ان کے معاملہ میں میرا لحاظ رکھا تو میں قیامت کے دن اس کی حفاظت کروں گا۔

اسے ابن عساکر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار کا بغض نفاق کی علامت ہے یہ حدیث نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (3)۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قریش کی محبت ایمان ہے اور ان کا بغض کفر ہے اہل عرب کی محبت ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے اور جس نے عربوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے عربوں سے بغض رکھا گویا اس نے مجھ سے

مجھے سے بغض رکھا) ۱۔ اس روایت کو بطریقاً نے الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور شیعہ حضرات کا یہ قول کہ جس کی محبت واجب ہے وہ امام اور خلیفہ ہوگا۔ اس کی اطاعت و پیروی فرض ہوگی یہ نظر یہ باطل اور غلط ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت ان کی محبت واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے جن پر صدقہ و زکوٰۃ حرام ہے اور وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں جو زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں کبھی بھی مشرک اور جدا جدا نہیں ہوئے۔ بعض نے کہا ہے وہ آل عقیل۔ آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ انہی کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے میں تم میں دو بھاری بھر کم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک کتاب اللہ اور ایک اپنے اہل بیت اطہار۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خم (ایک چشمہ کا نام ہے) کے پاس خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ یہ چشمہ مکہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور وعظ و ذکر کرنے کے بعد فرمایا اے لوگو! میں بھی ایک بشر ہوں قریب ہے کہ میرے سب کا قاصد میرے پاس آجائے اور میں اس پیغام پر لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو بھاری بھر کم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے اس میں ہدایت اور نور ہے پس تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ پر عمل پیرا ہونے پر خوب براہیختہ کیا اور اس کے بارے ترغیب دی۔ پھر فرمایا اور میرے اہل بیت میں تمہیں اپنے اہل بیت۔ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں (2)۔

علامہ بغوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت زید بن ارقم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے کہا وہ آل علی عقیل اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں (3)۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت کی اجرت کے طور پر اپنی اور اپنے قریبنداروں کی محبت کا حکم کیسے دیا؟ جبکہ تبلیغ رسالت تو آپ پر فرض تھی اور فرض کی ادائیگی پر اجرت کا مطالبہ کرنا بلکہ نقلی عبادت پر بھی اجرت کا مطالبہ جائز نہیں جیسا کہ ہم ارشاد باری تعالیٰ ﷻ لَقَدْ فَتَنَّاكُمُ فِي الْجِبَالِ أَن تَوَلَّوْا وَهِيَ آيَةٌ لِلَّذِينَ هَدَيْنَاكُمُ فِي الْآخِرَةِ لَمَّا تَوَلَّوْا وَرَأَوُا الْعِبَادَ فَمِنْ أَصْحَابِكُمْ مَنْ تَوَلَّىٰ وَمِنْ أَصْحَابِكُمْ مَنْ قَبَضَ عَلَىٰ رَأْسِهِ إِذْ تُؤَيَّدُ بِهِ وَلَا مَجْلٍ لَهُ أَوَّحْنَا لِالْعَبَادِ کہ جس کس نے آخرت کا عمل دینا کے لئے کیا تو اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا؟۔

تو ہم اس شیعہ کا از اس طرح کریں گے کہ تبلیغ رسالت کے بالمقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شئی کی طلب کا سائل اظہار فرمایا اس پر لفظ اجرت کا اطلاق حجاز اور مشاکلہ ہم شکل ہونے کے طور پر ہے (حقیقی طور پر نہیں) کیونکہ حقیقی اجرت تو وہ ہوتی ہے جو مسائل کے لئے نفع بخش ہو اور وہ اپنے ذاتی فائدہ اور نفع کی خاطر اس کا مطالبہ کرے۔ لیکن یہاں صورت حال اس طرح نہیں۔ بلکہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے اپنی اور اپنے قریبنداروں کی مودت و محبت کا مطالبہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مطالبے کا حکم ارشاد فرمایا ہے وہ اسی لئے ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سبب لوگوں کو فائدہ اور نفع حاصل ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نتیجہ اور ثمر یہ ہے کہ اس کے سبب اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب نصیب ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ولایت کی سعادت عطا ہو جاتی ہے۔ اور اسی محبت سے کمال ایمان کی رفعتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے

میں تو یہ کہتا ہوں کہ آیت کی تاویل و تفسیر میں یہ کہنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے کہ میں تم سے مطالبہ نہیں کرتا مگر صرف یہ کہ تم میرے قرائنداروں، اہل بیت اطہار اور میری اولاد سے محبت کرو۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہو سکتا لہذا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوت الی اللہ کا فریضہ علماء امت کو ہی ادا کرنا ہے، چاہے وہ علوم ظاہرہ کے ماہر ہوں یا علوم باطنہ کے شہسوار۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ارشاد فرمایا کہ وہ اپنی امت کو اپنی اہل بیت سے محبت و مودت رکھنے کا حکم دیں، کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کی اولاد میں سے ہونے والے اندک کرام کمالات ولایت کے قلوب تھے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ ہیں (1)۔ یہ حدیث بزاز اور طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور اس کی نحواً دیگر احادیث حضرت ابن عمر، ابن عباس، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور آپ کے بھائی سے بھی مروی ہیں۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مشائخ تصوف کے سلاسل کی ابتدا اہل بیت پر ہوتی ہے۔ اور سادات عظام میں کثیر اولیا و کالین گزر چکے ہیں مثلاً غوث الشکین نجی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی الحنفی و الشافعی، حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندی، السید السند حضرت شیخ مودود چشتی، حضرت معین الحق والدین سید شمس الدین چشتی اور حضرت شیخ ابوالحسن الشاذلی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اللہ اور اپنی اولاد۔ اکثر علماء تفسیر کی رائے یہ ہے کہ یہاں منقطع صحیح ہے اور لفظ اجرا اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے اور معنی یہ ہے میں کبھی بھی تم سے اجزاکا خواہشمند اور طالب نہیں۔ لیکن تمہیں قرب کی محبت یاد دلاتا ہوں اور میرا تم سے جو رشتہ قرابت ہے اس کی یاد دلاتا ہوں۔ جیسا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے کہ میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں (2)۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے اقرباء کے ساتھ محبت کرنے کا جو مطالبہ اپنی امت سے کیا تا کہ اس کے سبب امت کو فوائد اور منافع حاصل ہوں اسی مفہوم کی تائید ارشاد باری تعالیٰ و من یفترف حسنة الخ سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی جو شخص کوئی نیکی کا ماتا ہے اس سے مراد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آل پاک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین کی محبت ہے۔ ورنہ اس جملہ کی سابقہ کلام سے کوئی مناسبت قائم نہیں ہوگی۔ البتہ حریح کا لفظ عام ہے جو ہر نیکی کو شامل ہے۔

ثُمَّ لِيُذْخِرْهَا خَيْرًا۔ ہم اس کے لیے اس میں حسن دو بالا کر دیں گے۔ اس طرح کہ رسول اللہ علیہ وسلم کی آل (یعنی مشائخ طریقت) کی محبت کا ثمر یہ ہے کہ اس کے سبب حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سبب اللہ تعالیٰ کی محبت و قرب میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی بنا پر صوفیہ نے یہ کہا ہے کہ صوفی کو سب سے پہلے فانی الشیخ کا مقام حاصل ہوتا ہے پھر وہ فانی الرسول کی سعادت حاصل کرتا ہے اور آخر میں فانی اللہ تعالیٰ کے عالی مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ اور فنا سے مراد محبت کی ایسی وارفتگی اور رشدت ہے کہ محبت، محبوب کے ذکر کے وقت اپنی ذات کو بھول جائے اور ماسوائے محبوب کے نہ اسے کچھ دکھائی دے اور نہ کوئی اور نشان باقی رہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت ظلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور آپ کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت تھی اس کے اظہار کے لیے نازل ہوئی۔ حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اہل بیت کے معاملہ میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ (کو) (1)۔

جو کوئی اللہ تعالیٰ کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے اولیاء سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے شاید ارشاد باری تعالیٰ لَیْسَ بِغُفْرَتِكَ اللَّهُ مَا تُغْفِرُكَ مِنْ ذُنُوبِكَ وَخَافَتَا غُفْرًا سے یہی مراد ہے کہ مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء اور دوستوں کے گناہ ہوں۔ اور وہ غفور ہے، یعنی اپنی اطاعت و محبت کرنے والوں کا بڑا قدر دان ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِنْ يَشَأْ اللَّهُ يُخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ وَيَمْحُ اللَّهُ
الْبَاطِلَ وَيُخَيِّضُ الْحَقَّ وَيَكْمِلُهُ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (2)

”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے نہ پس اگر اللہ چاہتا تو میرا لہجہ دیتا آپ کے دل پر، اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ باطل کو اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے ارشادات سے جسے بیشک وہ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔“

لے اَمْ يَقُولُونَ میں ام مضمطہ ہے اور جملہ قول باری تعالیٰ قُلْ اَنْزَلْنَاهُ عَلَيْنَا مِنْ خُزْنٍ مُتَمَرِّجٍ متصل ہے۔ مزمزہ انکار و توجہ کے معنی میں ہے اور اس میں ادا جر سے اضراب کے لئے بل کے معنی بھی ہیں یعنی انہم لایو دون اجر الرسل بل یقولون وہ اجر رسالت تو ادا نہیں کرتے بلکہ کفار مکہ یہ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعویٰ نبوت کے سبب یا قرآن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے۔

لے فَإِنْ يَشَأْ اللَّهُ اَنْزَلْ جُمْلَةً مَعْرُوضَةً۔ یہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ آپ جیسی ذات سے افتراء پر دازی بعید از امکان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی جرأت وہی کر سکتا ہے جس کے دل پر جہالت کی مہر ثبت ہو۔ لیکن جو صاحب بصیرت ہو، اپنے رب کی معرفت رکھتا ہو وہ قطعاً ایسا نہیں کر سکتا۔ گویا اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کی ذلت و رسوائی چاہتا تو یقیناً آپ کے دل پر مہر لگادیتا تاکہ آپ اس کے خلاف افتراء پر دازی اور بہتان باندھنے کی جرأت نہ کرتے۔

مجاہد نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو مہر کے ساتھ مضبوط کر دے گا حتیٰ کہ کفار کی اذیتیں اور ان کا یہ قول کہ آپ افتراء پر داز ہیں آپ پر شاقی اور گراں نہیں گزرے گا (2)۔

فقہہ نے کہا ہے۔ اس کا معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کے دل پر مہر لگادیتا جس کے سبب قرآن اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے سب بھول جاتا۔ پس آپ انہیں خبر دے دیں کہ اگر میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا تو پھر اللہ تعالیٰ وہ کچھ کرتا جس کی اطلاع اس نے اس آیت میں دی ہے (3)۔

سے وَیَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ اَنْزَلْ جُمْلَةً مَعْرُوضَةً جو افتراء پر دازی اور بہتان بازی کی نفی کے لئے ذکر کیا گیا ہے، یعنی جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں اگر یہ جھوٹ او بہتان ہوتا تو بالیقین اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ وہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور وحی یا اپنے فیصلے کے ساتھ حق کو ثابت رکھتا ہے۔ یا یہ مفہوم ہے کہ اس نے ان کے باطل کو مٹانے کا وعدہ کر رکھا ہے اور آپ کے حق کو قرآن یا

اپنے اس فیصلے کے ساتھ ثابت رکھنے کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اور جسے رد نہیں کیا جاسکتا۔

کسائی نے کہا ہے کام میں تقدیم و تاخیر ہے، یعنی اصل عبارت اس طرح ہے واللہ بمعہ الباطل۔ اور یہ کلام عمل رفع میں ہے اس کا عطف بضم فعل مجزوم پر نہیں ہے کیونکہ نحو (مثلاً) شرط کے ساتھ معلق نہیں بلکہ یہ مطلق وعدہ ہے۔ پھر لفظ کی اتباع کرتے ہوئے بمعہ کے آخر سے کتابت میں واو کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ویدع الانسان اور سَنَنْمُ الذِّبَانِ ۝ میں واو کو حذف کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا کہ ان کے باطل کو مٹا دیا اور اپنی آیات و احکام نازل فرما کر مکمل اسلام کو بلند فرمادیا۔

یہ علامہ بغوی اور طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ جب آیت قُلْ لَا اسْتِغْنٰمْ عَلَیْہِ اَحَدٌ اِلَّا الْمَوَدَّةُ الْفُقَرٰیؕ نازل ہوئی تو بعض لوگوں کے دلوں میں عجیب سا خیال پیدا ہوا چنانچہ وہ کہنے لگے کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے بعد اپنے ساتھ رشتہ قرابت رکھنے والوں کی اتباع و پیروی پر ہمیں برا بیٹھتے کریں۔ پس جبرئیل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور آپ کو اطلاع دی کہ یہ لوگ اس طرح آپ کو تنہم کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّکُمْ عَلَیْہِمْ اٰتِی الْفُتُوْرٌ نازل فرمائی ہے۔ یہ سن کر ان لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور اس وقت درج ذیل آیت نازل ہوئی (1)۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَ یَعْفُو عَنِ السَّیِّئَاتِ وَ یُعَلِّمُ مَا تُفَعِّلُوْنَ ۝ وَ یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ وَ یَزِیْدُھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ۝ وَالْغٰفِرُوْنَ لَھُمْ عَمَّاۤیْسَیْۤیْدٌ ۝

”اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی۔ اور درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے اور جاتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور (ان کے حق سے

بھی) انہیں زیادہ (اجر) دیتا ہے اپنی مہربانی سے۔ اور کفار ان کے لیے سخت عذاب ہے۔“

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا عن عبادہ سے مروی اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کی طاعت و عبادت کرنے والے لوگ ہیں۔ کہا جاتا ہے قبلت منہ الشیء۔ میں نے اس سے چیز لے لی اور میں نے اسے مبداء قبول بنایا۔ (یعنی جس کا صلہ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے لے لینا اور قبول کر لینا)۔ اور قبلت عنہ کا معنی ہے میں نے اس سے جد اکرد یا علیحدہ کر دیا (یعنی جب صلہ ہو تو اس کا معنی جدا کرنا اور علیحدہ کرنا ہوتا ہے)۔

بعض نے توبہ کا یہ معنی بیان کیا ہے ”التَّوْبَةُ تَوَكُّبُ الْمَعَاصِي نِيَّةً وَ فِعْلًا وَ الْإِقْبَالُ عَلَى الطَّاعَةِ نِيَّةً وَ فِعْلًا“ یعنی توبہ سے مراد نیت اور عملاً گناہوں کو ترک کرنا ہے اور نیت اور عملاً عبادت و طاعت کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

حضرت اہل بن عبد اللہ نے کہا ہے ”التَّوْبَةُ اِنْقِطَاعُ مِنَ الْاُخْوَالِ الْمَلْمُؤَةِ إِلَى الْاُخْوَالِ الْمَحْمُودَةِ“ یعنی توبہ سے مراد برے اور مذموم احوال سے پسندیدہ اور محمود احوال کی طرف منتقل ہونا ہے (2)۔

علامہ بیضاوی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ توبہ کا اطلاق گزشتہ گناہوں سے توبہ کرنے کے بارے میں چھ معانی

پر ہوتا ہے 1۔ اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرنا 2۔ ضائع ہو جانے والے فرائض کو دوبارہ ادا کرنا 3۔ ظلم و ستم اور (دوسروں کی حق تلفی) سے باز آنا 4۔ نفس کو طاعت و عبادت میں اسی طرح پھیلنا جیسے اسے معصیت اور گناہ میں پھیلنا یا ہے۔

5۔ نفس کو طاعت و عبادت کی تلقین اور کڑواہٹ پھیلانا جیسے اسے معصیت گناہ کی حلاوت و شیرینی پھیلانی 6۔ جیسے پہلے ہنستا رہا اس کے بدلے اب اسی طرح رونا (1)۔

علامہ بغوی نے شرح السنۃ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت نقل کی ہے کہ تو بہ شرمندگی اور ندامت کا نام ہے۔ اور گناہ سے توبہ کرنے والا اس کی طرح ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں (2)۔

فصل :- حضرت حارث بن سوید کا بیان ہے کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عبادت کے لئے گیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس آدمی کی نسبت کہیں زیادہ خوش ہوتی ہے جو کسی ہلاک کر دینے والے صحرا میں ہو، اس کی اونٹنی اس کے ساتھ ہو جس پر اس کا کھانا اور پانی وغیرہ سب لدا ہوا ہو پس وہ (تھوڑا سا آرام کرنے کے لئے) ایک مقام پر اترے اور سو جائے۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا اونٹنی غائب ہے چنانچہ اس کی تلاش میں ادھر ادھر خوب گھومنا اور پھر لگائے یہاں تک کہ اسے سخت پیاس لگ گئی اس نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اسی مقام کی طرف لوٹ جاؤں جہاں میری اونٹنی تھی اور وہیں مر جاؤں چنانچہ وہ اسی مقام کی طرف واپس لوٹا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ پھر بیدار ہوا تو اچانک دیکھا اونٹنی اس کے پاس موجود ہے اور اس کا کھانا اور پانی سب اس پر موجود ہے (3)۔ (تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی خوشی اور مسرت اس آدمی کو اپنا ساز و سامان دیکھ کر ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ خوشی رب کریم کو اس وقت ہوتی ہے جب اس کا بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کی غرض سے اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے) اسے علامہ بغوی نے روایت کیا ہے۔

امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے جب کوئی بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کو اس آدمی کی نسبت زیادہ فرحت و مسرت ہوتی ہے جو کسی ویران بیابان زمین میں ہو۔ اس کی اونٹنی اس کے ساتھ ہو جس پر اس کا کھانا اور پانی لدا ہوا ہو پھر وہ اونٹنی ہم ہو جائے اور وہ آدمی اسے تلاش کر کر کے مایوس و ناامید ہو جائے اور ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر لیٹ جائے پس جو بونی وہ نیند سے بیدار ہو تو اچانک دیکھے اس کی اونٹنی اس کے پاس کھڑی ہے۔ پھر وہ اس کی مہار پکڑے اور فرحت و مسرت سے مغلوب ہو کر یہ کہہ دے اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں یعنی اس نے فرط مسرت اور شدت فرحت کے سبب یہ قول کرنے میں غلطی کا ارتکاب کیا (4)۔

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب (اپنے گناہ کا) اعتراف کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ متفق علیہ (5)۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سورج کے مغرب

1۔ تفسیر بیضاوی صفحہ 642 (فراس) 2۔ مشکوٰۃ الصالح صفحہ 206 (قدیمی) 3۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 103

(التاریخ)

4۔ صحیح مسلم جلد 2، صفحہ 355 (قدیمی) 5۔ صحیح مسلم جلد 2، صفحہ 366 (قدیمی)

کی جانب سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے جس نے توبہ کر لی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا (1)۔

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا اس آدمی کی طرح ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا (2)۔

یعنی اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اس کے معیروہ اور کبیرہ گناہوں سے درگزر کر لیتا ہے اور معاف فرمادیتا ہے چاہے وہ (گناہ کرنے والا) توبہ کرے یا نہ کرے

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک آدمی تھا جس نے کبھی بھی کوئی اچھا اور نیک عمل نہیں کیا تھا اس نے اپنے گھر والوں کو یہ وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اسے عطا دیں پھر اس کی نصف راکھ خشکی میں اڑا دیں اور نصف سمندر میں پھینک دیں حم بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے اس پر قابو پایا تو وہ پلستین اسے ایسا شدید عذاب دے گا جیسا پوری کائنات میں سے کسی کو نہیں دے گا۔ چنانچہ جب وہ مر گیا تو گھر والوں نے دیئے ہی کی جیسے اس نے وصیت کی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم فرمایا تو جو خاک اس میں تھی وہ اس نے جمع کر دی اور پھر خشکی کو حکم دیا تو اس نے بھی وہ سب راکھ جمع کر دی جو اس میں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے دریافت فرمایا تو نے ایسے کیوں کیا؟ تو اس نے عرض کی اے میرے پروردگار تو بہتر جانتا ہے میں نے یہ فقط تیرے خوف اور ڈر کی وجہ سے ایسے کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی، اسے بخش دیا (3)۔

امام احمد نے حضرت ابو درداء سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ وَلَمَّا خَالَفَ مَقَامَهُ رَبِّهِمْ جَنَّتَيْنِ ۝ (اور جو اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے تو اس کو دو باغ ملیں گے) تو حضرت ابودرداء کہتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا وَلَمَّا خَالَفَ مَقَامَهُ رَبِّهِمْ جَنَّتَيْنِ ۝۔ میں نے دوبارہ عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار پھر فرمایا وَلَمَّا خَالَفَ مَقَامَهُ رَبِّهِمْ جَنَّتَيْنِ ۝۔ میں نے بھی تیسری بار پھر عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابودرداء! تیری ناک خاک آلود ہو (اگرچہ اس نے ایسا بھی کیا تب بھی رب تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہوں گی) (4)۔

اور وہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ جزہ کسی! اور شخص نے تفعولن تاکہ ساتھ پڑھا ہے اور یہ خطاب مشرکین کو ہے۔ اور باقیوں نے اسے یاء کے ساتھ تفعولن پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ غیب قوم کے بارے میں خبروں کے درمیان میں واقع ہے اس سے پہلے خبر عن عبادہ ہے اور اس کے بعد وَتَزِيدُهُمْ جَنَّاتٍ فَضْلًا۔

اس ترکیب کلام میں وَيَسْتَجِيبُ الْاَلْبَنِيَّكَ عَاطِفُ يَقْبَلُ پر ہے۔ معنی یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے جب وہ اس سے دعا مانگتے ہیں۔ الذین سے پہلے لام کو حذف کیا گیا ہے جیسا کہ وَادَّكَالْوَهْمُ۔ میں لام حذف کیا گیا ہے۔ والذین اصل میں للذین تھا اور کالوہم اصل میں کالوہم تھا۔ حضرت عطاء نے حضرت ابن عباس سے یہ معنی نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ثابت قدم قدم رکھتا ہے (5)۔ اور علامہ بیضاوی نے اس بات پر ذکر کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں

1۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 326 (الفکر)
2۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 534 (المعجم)
3۔ مجمع مسلم، جلد 2، صفحہ 365 (قدیمی)
4۔ مشکوٰۃ، جلد 1، صفحہ 207 (قدیمی)
5۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 103 (انتحاریہ)

طاعت و عبادت پر ثواب عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ طاعت و عبادت بھی دعا اور طلب ہی ہوتی ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل ترین دعا الحمد للہ ہے (1)۔ اسے ترمذی نسائی ابن ماجہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابراہیم بن ادومؓ کے بارے روایت ہے کہ آپ سے عرض کی گئی کیا وجہ ہے ہم دعائیں کرتے ہیں لیکن وہ قبول نہیں ہوتیں؟ تو آپ نے جواب دیا اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں (طاعت و عبادت کی طرف) دعوت دی اور تم نے اسے قبول نہیں کیا ہے۔ وَتَزِيدُهُمْ كَافً مَعْنًى یہ ہے کہ وہ انہیں اس سے کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے جو وہ اس سے مانگتے ہیں یا جو ان کا استحقاق ہوتا ہے۔ اور قَوْلُهُ قُضِيَ لَهُمْ شُكْرُكُمْ میں ابوصالح نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بھائیوں کے بارے میں ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔ اور زیادہ دینے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے فضل اور مہربانی سے ان کے بھائیوں کے بھائیوں (دوستوں کے دوست) کے بارے میں بھی ان کی شفاعت قبول فرمائے گا (2)۔ اور جو اجر و ثواب اور فضل و مہربانی مومنین کو عطا فرمائے گا اس کے مقابلہ میں کافروں کے لئے اتنا شدید اور سخت عذاب ہوگا۔ ترکیب کلام میں جملہ وَالتَّكْفُورُ نَارُ شَاد بَارِی تَعَالٰی هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ پرمعظوف ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَادُوا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۖ إِنََّّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٦٠﴾

”اور اگر کشادہ کر دیتا اللہ تعالیٰ رزق کو اپنے (تمام) بندوں کے لئے تو سرکشی کرنے لگتے زمین میں۔ لیکن وہ اتارتا ہے ایک انداز سے بے جتنا چاہتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کے احوال) سے خوب آگاہ ہے سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

۱۔ علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت خیاب بن اریٹؓ نے کہا ہے کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے نئی قریطہ بنی نصیر اور بنی قریظہ کے حالات کا مشاہدہ کیا (کہ وہ بڑے خوشحال ہیں ان کے پاس مال و دولت کی ریل پیل ہے) تو ہم بھی اس کی آرزو اور خواہش کرنے لگے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَادُوا (3)۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کے لئے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ تکبر اور سرکشی کرنے لگتے اور زمین میں فساد برپا کر دیتے۔ یا لیجوا کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے بعض بعض پر غلبہ پانے اور ایک دوسرے سے اونچا ہونے کی کوشش کرتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بغیہم کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ان کا ایک درجے کے بعد دوسرے درجہ کی ایک سواری کے بعد دوسری سواری کی اور ایک لباس کے بعد دوسرے لباس کی طلب اور خواہش کرتا۔ نفی کا اصل معنی یہ ہے کہ ہر وہ شئی جو کیمت (مقدار) اور کیفیت (حالت) کے اعتبار سے تقدیم و تقبول کرتی ہے اس کے حصول اور اس کی خواہش کرنے میں راہ اعتدال سے تجاوز کر جانا۔

۲۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایک خاص انداز سے ہے جس کا تقاضا اس کی حکمت کرتی ہے۔ ان کے رزق اتارتا ہے۔ ترکیب کلام میں ما یشاء میں ماموصول ہے جو کہ منزل کا مفعول ہے۔ اور بقدر اسم موصول سے حال ہے جو اس پر مقدم ہے۔ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ کا معنی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مخفی اور پوشیدہ احوال کو خوب جانتا ہے۔ اور ان کے معاملات کے جو نتائج ہیں انہیں خوب

دیکھنے والا ہے۔

حاکم نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس لئے کہ انہوں نے کہا تھا کاش ہمارے پاس بھی (مال) ہوتا۔ گویا طرح انہوں نے نفی اور مالدار ہونے کی تمنا اور آرزو کی (۱)۔ طبرانی نے حضرت عمرو بن حرث سے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ علامہ بغوی نے اپنی سند سے حضرت انس بن مالکؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطے سے رب کریم کا یہ قول بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو کوئی میرے ولی کی اہانت اور تذلیل کرتا ہے وہ مجھے جنگ کے لئے دعوت مبارزت دیتا ہے اور میں اپنے اولیاء کے بارے میں ایسے ہی غضبناک ہوتا ہوں جیسے کاٹ کھانے والا شیر غضبناک ہوتا ہے۔ میرا مؤمن بندہ (کسی بھی عمل سے) اتنا میرے قریب نہیں ہوتا جتنا میرے لازم کردہ فرائض کو ادا کرنے سے ہوتا ہے میرا مؤمن بندہ نوافل ادا کرنے کے سبب مسلسل میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں ہی اس کے کان آنکھ اور ہاتھ ہو جاتا ہوں اور میری تائید اس کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں کبھی مجھے کسی کام کے کرنے میں اتار دو نہیں ہوتا میں اسے گزر کرتا ہوں جتنا اپنے مؤمن بندے کی روح کے قبض میں ترود ہوتا ہے (کیونکہ) وہ موت کو تاپند کرتا ہے اور میں بھی اسے دکھ اور تکلیف پہنچانا تاپند کرتا ہوں۔ لیکن موت کے بغیر اس کے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ میرے مؤمن بندوں میں سے بعض وہ ہیں جو مجھ سے عبادت کا دروازہ کھولنے کی التجا کرتے ہیں لیکن میں انہیں اس سے روک لیتا ہوں تا کہ فخر اور تکبر ان میں داخل ہو کر ان کے ایمان کو فاسد نہ کر دے۔ میرے بعض مؤمن بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کی اصلاح اور سلامتی مال و دولت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر میں انہیں محتاج کروں فقر و افلاس ان پر غالب کر دوں تو وہ ان کے ایمان کو فاسد اور خراب کر دے، بعض مؤمن بندے ایسے ہوتے ہیں جن کے ایمان کی حفاظت فقر و افلاس کے بغیر نہیں ہو سکتی اگر میں انہیں غنی کر دوں (و اگر مقدار میں مال و دولت سے نوازا دوں) تو وہ ان کے ایمان کو ضائع کر دے۔ اور میرے مؤمن بندوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ بیماری کے بغیر ان کا ایمان سلامت اور محفوظ نہیں رہ سکتا اگر میں انہیں صحت عطا کر دوں تو یقیناً وہ ان کے ایمان کو خراب اور فاسد کر دے۔ بیشک میں اپنے بندوں کے معاملات کی تدبیر اپنے علم کے مطابق کرتا ہوں۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے میں اسے خوب جاننے والا اور خوب ناخبر ہوں (2)۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۖ وَهُوَ الْوَلِيُّ
الْحَمِيدُ ﴿٥٥﴾ وَمِنَ الْآيَاتِ خَلْقُ السَّوَابِ وَالْأَرْضِ وَمَابِثٌ فِيهِمَا مِنْ ذَاتِ آبٍ ۖ وَ
هُوَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ إِذَا نَسِيتَ الْقَدِيرَ ﴿٥٦﴾

”اور وہی ہے جو برساتا ہے پھر اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلا دیتا ہے اپنی رحمت کو اور وہی
کارساز حقیقی (اور) سب تعریفوں کے لائق ہے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی
تخلیق ہے اور جو جاندار اس نے پھیلا دیے ہیں آسمان و زمین میں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر پوری

قدرت رکھتا ہے۔“

لے ترکیب کلام میں وَهُوَ الَّذِي يَنْزِلُ عَلَافٍ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ پر ہے۔ اور درمیان میں جو جملہ شرطیں ذکر کیا گیا ہے وہ جملہ معترضہ ہے۔ نافع ابن عامر اور عاصم نے بزل کو باب تھعلیل سے مشدود پڑھا ہے جبکہ باقیوں نے باب افعال سے تخفیف کے ساتھ بزل پڑھا ہے۔ غیث سے مراد ایسی نفع بخش بارش ہے جو قحط کے وقت لوگوں کی فریادری اور معاونت کرتی ہے۔ فقطو کا معنی ہے لوگ بارش کے نزول سے مایوس اور ناامید ہو گئے۔

مَرَحْمَةً سے مراد یا تو بارش ہے یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا خاص رزق ہے جو وہ نباتات اور حیوانات کی صورت میں ہموار میدانوں اور پہاڑوں میں پھیلا دیتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُعْطِي دَی سے جو اپنے احسانات کے سبب اپنے بندوں کی کارسازی کرتا ہے اور ان پر اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ الحمید کا معنی ہے وہی سب تعریفوں کے لائق ہے ایک تو اس لئے کہ وہ فی ذاتہ مستحق حمد و ستائش ہے اور دوسرا اس لئے کہ احسان فرمانے والا ہے (اور اس کے احسانات کا تقاضا ہے کہ اس کی حمد و ستائش کی جائے)

لے اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدانیت، قدرت، باہرہ اور صفات کمال کے دلائل اور علامات میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق بھی ہے۔ کیونکہ یہ تمام اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے ایسے صانع کے وجود پر دلالت کر رہے ہیں جو قادر بھی ہے اور حکیم بھی۔

وَصَافٍ فِیْهِمَا کَعُفٍّ یَا تَسْمُوْتُ پر ہے یا خلق ہو ہے۔ موشہ آتچو سے مراد ہر جاندار اور زندہ رہنے والا ہے۔ (کیونکہ دابہ کا لغوی معنی ہے رینگنے والا اور رینگنا زندگی کی علامت ہے) لہذا یہاں اسم مسبب کا اطلاق سبب پر کیا گیا ہے۔ پس اس صورت میں لفظ دابہ ملائکہ جنات، شیاطین انسان اور تمام حیوانات کو شامل ہوگا۔ یاد رہے کہ مراد وہ جانور ہیں جو زمین پر رینگ کر چلتے ہیں۔ اس صورت میں فیہما کی ضمیر متشبیہ اگرچہ زمین و آسمان دونوں کی طرف راجع ہے لیکن مراد صرف زمین ہوگی۔ اور وہ چیز جو ان دونوں میں سے کسی ایک میں ہو اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ شی من ہلہ زمین و آسمان میں ہے۔

وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اور اللہ تعالیٰ جب چاہے وہ انہیں جمع کرنے پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔ پس وہ انہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِبُعْجِزِينَ فِي الْآرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۵۰
مِنَ الْبَيْتِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَاقِ ۝

”اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے اور وہ (کریم) درگزر فرما دیتا ہے (تمہارے) بہت سے کڑوتوس سے لے اور تم عاجز نہیں کر سکتے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں اور نہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔ اور اس کی (قدرت) کی نشانیوں میں سے وہ سمندر میں تیرنے والے جہاز جو پہاڑوں کی مانند ہیں۔“

لے اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے گناہوں کے سبب تمہیں پہنچی ہے۔ مَا أَصَابَكُمْ میں ما شرط ہے یا موصولہ ہے جو شرط کے

معنی کو مختصن ہے۔ اسی وجہ سے اس کی خبر میں فاعل لائی گئی ہے۔ جمہور کی قرأت اسی طرح ہے۔ نافع اور ابن عامر نے بغیر فاء کے بے صوابتہ پڑھا ہے۔ اسی طرح مدینہ طیبہ اور شام کے مصاحب میں بھی فا ذکر نہیں کی گئی کیونکہ ہلش سیت کا معنی ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت نہیں۔

وَيَعْقُودُ اَعْنَ كَيْشٍ كَا عَطْفٍ جملہ اسمیہ پر ہے یا یہ جملہ مفعول ہے۔ حسن نے کہا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کسی لکڑی کی خراش قدم کی پھسلاہٹ اور کسی رگ کی پھڑک بغیر کسی گناہ کے نہیں ہوتی اور جن سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمایا ہے وہ گناہ کہیں زیادہ ہیں (1)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بندہ مؤمن کی بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے (2)۔ اسے حاکم نے مستدرک میں اور علامہ بیہقی نے روایت کیا ہے۔

علامہ بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کیا میں تمہیں کتاب اللہ میں سے افضل ترین آیت کے بارے نہ بتاؤں جس کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا (پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی) (وَمَا آصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْقُودُ اَعْنَ كَيْشٍ)۔ (پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اے علیؓ اب میں تیرے لئے اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں کہ جو بیماری سزا یا دنیوی ابتلاء تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہی پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی کریم ہے۔ اس کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ آخرت میں دوبارہ انہی بندوں کو سزا دے۔ اور جس گناہ سے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا ہے (اور اسے معاف کر دیا ہے) تو اللہ تعالیٰ انہم الی کمین سے وہ معافی کے بعد پھر سزا نہیں دے گا (3)۔ اسے احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت مجرموں کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ مجرمین کے علاوہ دوسرے لوگوں کو جو مصیبت اور تکلیف آتی ہے اس کے اسباب اور ہوتے ہیں ان میں سے ایک سبب یہ ہے کہ ابتلاء اور مصیبت میں مہر کرنے کے سبب اسے اجر عظیم عطا کیا جائے (4)۔

علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ عکرمہ کا قول ہے کہ جو بھی معمولی خراش یا اس سے زائد جو تکلیف بھی آتی ہے وہ کسی گناہ کے سبب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے بغیر اس کا گناہ معاف نہیں فرماتا یا پھر کسی درجہ اور جنبہ پر فائز کرنے کے لئے ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بغیر وہ رتبہ پر نہیں پہنچ سکتا (5)۔

1۔ اور زمین میں تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ یعنی جن مصائب و آلام کا تمہارے لئے فیصلہ کر دیا گیا ہے تم ان سے بچ کر نکل نہیں سکتے۔ ترکیب کلام میں وما انتم الا اصابعکم کے مفعول سے حال ہے یا پھر ما اصابعکم کے جملہ پر معطوف ہے اور ارشاد باری تعالیٰ وَهَآؤْكُمْ قِرْنٌ دُوْنِ الدِّیْنِکُمْ عَطْفٌ وَمَا انتم الا پر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں جو تمہیں اس مصیبت سے محفوظ رکھے اور نہ کوئی مددگار ہے جو تم سے ان مصائب کو دور کرے۔ علی الجوار کو ابن کثیر نے وصل اور وقف دونوں حالتوں میں یاہ کے ساتھ الجوار پر چاہا ہے۔ نافع اور ابو عمر نے صرف حالت وصل میں یاہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے دونوں حالتوں میں یاہ کو حذف کر دیا ہے۔ الجوار فی البحر کا معنی ہے وہ جہاز جو سمندر میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 105 (الاجاریہ) 2۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 287 (المقرئ)

3۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 105 (الاجاریہ) 4۔ تفسیر بیضاوی، صفحہ 643 (فراس)

5۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 105

تیرے ہیں۔ کلامِ علامہ پہاڑوں کی مانند ہیں۔ ترکیب کلام میں یہ الجوار کی ہفت ہے۔ اسی طرح مابعد آنے والا جملہ شرطیہ بھی اس کی ہفت ہے جیسا کہ وَلَقَدْ أَمَرُ عَلَى اللَّيْلِ نَسْفُتُ مِلْءِ

إِنْ يَشَاءُ يَسْكُنُ الرِّيحَ فَيَظْلَنَ رَمَادًا كَدَّ عَلَى ظَهْرِهِ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ اَوْ يُوقِظُفْنَهَا كَسْبُوا اَوْ يَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۝ وَيَعْلَمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آلِئِنَّا مَا لَهُمْ مِنْ مَّجِيۡٓٔ ۝

”اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ رکے رہیں سمندر کی پشت پر۔ بیشک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر کمال درجہ صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لئے۔ یا (اگر وہ چاہے تو تباہ کر دے انہیں لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے اور درگزر فرما دیا کرتا ہے بہت سے گناہوں سے۔ اور (اس وقت) جان لیں گے جو جھگڑا کرتے رہتے ہیں ہماری آیتوں میں کہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔“

۱۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس ہوا کو ساکن کر دے جس کے سبب جہاز چلتے ہیں اور ہوا کے ساکن ہونے کے بعد وہ سمندر کی پشت پر ہی رکے رہیں بظہر جائیں اور چل نہ سکیں۔ بیشک اس میں ہر کمال درجہ صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، یعنی ہر مومن کے لئے نشانیاں ہیں کیونکہ یہ بندہ مومن کی صفت ہے کہ وہ تکلیف اور شدت کی حالت میں صبر کرتا ہے اور خوشحالی کی صورت میں شکر ادا کرتا ہے۔ اِنْ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰمِلِیْنَ جَمْلَہٗ مَقْرَضَہٗ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایمان دو حصوں میں منقسم ہے نصف صبر میں ہے اور نصف شکر میں۔ اسے پہنچتی ہے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

۲۔ اَوْ يُوقِظُفْنَهَا کا عطف فیظللن پر ہے یعنی اَوْ اِنْ یَشَاءُ یَسْكُنُ الرِّیْحَ فِیو یَقْنَنَ بِلَوْنِ السَّكُونِ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہواؤں کو ہمیشہ ساکن رکھ کر جہازوں میں سوار لوگوں کو ہلاک کر دے اور جہازوں کو تباہ کر دے۔ بعض نے کہا ہے اس کا عطف یسكن الریح پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے اَوْ یوِیْ سَلْهًا عَاصِفَةً فِیو یَقْنَنَ۔ یا سخت طوفان اور آندھیاں بھیج دے اور انہیں تباہ کر دے۔

یَسَاكِبُوْا کا مطلب یہ ہے ان گناہوں کے سبب جو ان میں سوار لوگوں نے کئے۔

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ جَمْلَہٗ مَقْرَضَہٗ یعنی اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کے گناہوں سے درگزر فرما کر انہیں نجات عطا فرماتا ہے یا یہ جملہ سابقہ کلام پر معطوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح بنتی ہے اِنْ یَشَاءُ یَسْكُنُ الرِّیْحَ فِیظللن رَمَادًا اَوْ یوِیْ سَلْهًا عَاصِفَةً فِیو یَقْنَنَ اَوْ طِیۡۃً یَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے اور وہ وہیں رکے رہیں یا سخت طوفان بھیج دے اور انہیں تباہ کر دے یا مناسب ہوا بھیج دے اور بہت سے لوگوں سے درگزر فرمائے۔ اصل مقصود پر ہی اقتصار کرتے ہوئے درمیان سے کلام کو حذف کر دیا گیا ہے۔

۳۔ نافع اور ابن عامر نے استیناف کی بناء پر یعلم کو مرفوع پڑھا ہے اور باقیوں نے ہوا کو ساکن کرنے اور جہازوں کو تباہ کرنے کی علت مقدمہ پر عطف کرتے ہوئے اسے منصوب پڑھا ہے، یعنی اِنْ یَشَاءُ یَسْكُنُ الرِّیْحَ لِنَقْتَمِ مِنْ اَهْلِ السَّقِیۡنَہِ وَلِیَعْلَمَ۔ اگر اللہ تعالیٰ

چاہے تو ہوا کو مار کن کر دے تاکہ جہاز والوں سے انتقام لے اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو ہمارا آیات کی تکذیب کرتے ہوئے اور انہیں باطل قرار دیتے ہوئے ان میں جھگڑا کرتے رہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا عطف جزا پر ہے اور اس کو نصب دی گئی ہے ان مقدمہ کی وجہ سے کیونکہ یہ اشیائے ست (یعنی نفی وغیرہ) کے جواب میں واقع ہے اس بنا پر کہ مصدر کا عطف مصدر پر ہے۔ یعنی ان بشا اللہ تعالیٰ اسکان التوبیخ و اہلاک نرم و انجاء قوم و علم من یجادل فی ایاہنا۔ (اگر اللہ تعالیٰ ہوا کو مار کن کرنا توہم کو ہلاک کرنا توہم کو نجات دینا اور آیات میں جھگڑا کرنے والوں کو اس طرح بتانا چاہے کہ ان کے لیے عذاب سے بچنے کے لئے کوئی چاہئے پتا نہیں) ترکیب کلام میں مالہم من محیی جملہ بعلم کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ حرف نفی کے سبب اس میں تعلق موجود ہے، یعنی وہ لوگ جو قرآن کی تکذیب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے سبق حاصل نہیں کرتے جب قیامت قائم ہونے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچیں گے تو جان لیں گے کہ عذاب سے بھاگ کر نکل جانے کی کوئی جگہ نہیں۔ یا سنی یہ ہے کہ جس وقت سند میں ہوا میں نہیں ہر طرف سے گھیر لیں تو وہ جان لیں کہ اب ان کے لئے تباہی سے بچ نکلنے کی کوئی جگہ نہیں۔

فَمَا أَوْيَيْتُم مِّن شَيْءٍ مِّمَّا تَخَافُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْلَىٰ لِلَّذِينَ
أٰمَنُوا وَعَلٰیٰ رَبِّہِمۡ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِیۡنَ یَجْحَدُوْنَ بِآٰیٰتِہِ الْاِنۡشَآءِ وَالۡفَوَاحِشِ
اِذَا مَا عَصٰوُہُمۡ یُعٰزِرُوْنَ ۝

”پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت عمدہ اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ جتنے جتنے ہیں بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضب ناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔“

۱۔ پس جو کچھ تمہیں دنیا میں دیا گیا ہے یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے، یعنی تم اس سے اپنی فانی زندگی کی مدت حیات تک لطف اندوز ہو سکتے ہو اور منافع حاصل کر سکتے ہو لیکن یہ تمہاری آخرت کے لئے توشہ اور ذرا راہ نہیں۔ لہذا تم اس کی طلب میں حسن پیدا کرو اور اتنی مقدار پر اکتفا کرو جو تمہاری ضرورت ہو اور اس سے اجتناب کرو جو تمہیں آخرت سے غافل کر دے۔ اور وہ ثواب جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ مقدار اور کیفیت میں اس سے کہیں زیادہ بہتر اور مفید ہے اور وہ کسی مشقت کی آمیزش کے بغیر خالص منفعت اور فائدہ ہی فائدہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا سارے کا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا تو کچھ لوگوں نے آپ کے اس عمل پر آپ کو طامی کی۔ تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئی۔ آیت میں پہلا ما موصولہ ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہے اس طرح کہ جو کچھ انہیں دیا گیا اس کے دینے کا سبب دنیوی زندگی میں اس سے لطف اندوز ہونا اور فائدہ اٹھانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے جواب فَمَا تَخَافُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا پر فاء کی گئی ہے۔ بخلاف دوسرے ما کے (کہ وہ شرط کے معنی کو متضمن نہیں) آیت میں بیان یہ کیا گیا ہے کہ مومن اور کافروں اس اعتبار سے مساوی اور برابر ہیں کہ دونوں کے پاس دنیوی سامان ہوتا ہے اور دونوں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن جب آخرت میں پہنچیں گے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ مومنوں کے لئے انتہائی بہتر اور نفع بخش ہے۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ
الظَّالِمِينَ ﴿٥٠﴾

”اور میرا کیا بدلہ دے گا؟ میری ساری دنیا ہے۔“

۱۔ جب اللہ تعالیٰ نے انتقام اور بدلہ لینے کے جائز ہونے کا ذکر فرمایا تو ساتھ ہی ظلم و تعدی اور زیادتی کرنے سے روک دیا اور فرمایا: **برائی کا بدلہ دیکسی ہی برائی ہے۔** یہ جملہ مترادف ہے۔ آیت میں جزا اور بدلہ اور انتقام کو سیدھے (برائی) کا نام دیا گیا ہے۔ اسی لئے کہ جزا اور برائی صورت کے اعتبار سے دونوں باہم مشابہ ہوتی ہیں۔ یا اس وجہ سے کہ جس ظالم سے یہ انتقام لیا جاتا ہے وہ اسے برائی خیال کرتا ہے یا پھر یہ وجہ ہے کہ غصہ کے مقابلہ میں انتقام ہوتا ہے۔

مقابل نے کہا ہے کہ جَعْلًا وَسَمِيعًا سے مراد دشمنوں اور قتل کا قصاص لینا ہے۔ مجاہد اور سدی نے کہا ہے اس سے مراد برے الفاظ کا جواب دینا ہے، مثلاً جب کوئی بے کلمہ (اللہ) کہے (اللہ تجھے رسوا اور ذلیل کرے) تو جواب میں دوسرا بھی ایسی جملی الفاظ کہہ دے۔ اور جب ایک آدمی کو گالی گوجھ دے تو دوسرا بھی بغیر کسی اضافہ اور زیادتی کے اسی کی مثل الفاظ اسے کہہ دے (۱)۔

حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قول باری تعالیٰ - وَجَعَلُوا سُبُحًا مِّنْهُ سُبْحًا وَثَلَاثًا - کے بارے پوچھا کیا اس کا یہ مفہوم ہے کہ اگر ایک آدمی تجھے گالی گوج دے تو تم بھی اس کے ساتھ وہی سلوک کرو۔ ایک آدمی جیسے اصل تمہارا ساتھ کرے تم بھی اس کے ساتھ دیکھو یہی فعل کر؟ تو میں نے ان کے پاس سے اس کا کوئی جواب نہ پایا۔ پھر میں نے بشام بن حمیرہ سے اسی آیت کے بارے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا جب کوئی زخم لگائے والا زخمی کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ اگر وہ تجھے گالیاں دے تو تو بھی اسی کی مثل گالیاں دینا شروع کر دے (۱)۔

ہشام کے قول کی تائید حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے دو آدمی جو آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں دو شیطان ہیں دونوں ایک دوسرے کے خلاف بہتان تراشی کرتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف جھوٹ بولتے ہیں (2)۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری نے باب الادب میں صحیح سند کے

1- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 106 (التجاریہ)

2- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 106 (التاریخ)

(۱) حضرت البرہہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گایاں دیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے حضور نبی کریم توجہ نکالیں ہوئے اور تمہارے ماننے لگے جب اس آدمی نے زیادہ گایاں دیں تو آپ نے بھی کچھ الفاظ کا اسے جواب دیا۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق بھی آپ سے چالے۔ عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مجھے گایاں دیتا رہا تو آپ تشریف فرما رہے اور جب میں نے بعض الفاظ کا اسے جواب دیا تو آپ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے (اس کی وجہ کیا ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو میری طرف سے جواب دے رہا تھا جب تو نے خود جواب لوٹا تو وہاں شیطان آگیا اور میں شیطان کے پاس نہیں بیٹھ سکا۔ پھر فرمایا ابوبکر! میں جا رہا تھا میں اس پر ہنسی کرتا تھا کہ اسے رو رو اسے اللہ تعالیٰ کے لئے منافق کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت و قدرت عطا فرماتا ہے 2۔ وہ آدمی جس نے اعدا کے ارادے سے عطا خرات کا دروازہ کھول دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے بال میں اضافہ اور برکت رکھ دیتا ہے 3۔ اور جس نے اپنا مال بوجھانے کے ارادے سے سوال کا دروازہ کھول دیا (کہ مال گناہ کا مال میں اضافہ کرے) تو اس کی وجہ اللہ تعالیٰ اس کے مال کو کم کر دیتا ہے۔ (رواہ احمد)

ساتھ عیاض بن ہمار سے اسے نقل کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا قیامت کے دن بکثرت لعن طعن کرنے والوں کی نہ شہادت قبول ہوگی نہ شفاعت (یعنی نہ وہ شاہد ہونگے اور نہ ان کی شفاعت قابل قبول ہوگی) اسے مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باہم گالی گلوچ دینے والوں کے بارے جو کچھ فرمایا ہے تو اس کا اطلاق ابتدا کرنے والے پر ہوتا ہے یہاں تک کہ مظلوم جواب دینے میں اس سے آگے بڑھ جائے (1)۔ (تو پھر دونوں اس زمرہ میں آجاسیں گے) اسے امام احمد، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابتداء کرنے والا زیادہ ظالم ہے اور جواب دینے والے کے لئے (اسی کی مثل جواب دینے کی) کراخصت ہے۔

جس پس جو کوئی اپنے ساتھی کا ظلم معاف کر دے اور اپنے اور ظالم کے درمیان صلح کر لے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ بیشک بالیقین اللہ تعالیٰ اسے اجر عطا فرمائے گا۔

علامہ بخاری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا ندا دے گا کون ہے جس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے وہ کھڑا ہو جائے؟ تو صرف وہی کھڑا ہوگا جس نے اپنے ساتھ جرم اور زیادتی کرنے والے کو معاف کیا ہوگا (2) پھر انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

بیشک وہ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا، یعنی گالی گلوچ میں ابتدا کرنے والوں اور انتقام و بدلہ لیتے وقت حد مساوات سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم و زیادتی کرنے کی ابتداء کرتے ہیں (3)۔

وَلَمَّا اتَّخَذَ بَعْدَ ظُلْمِهِ قَوْلًا لِّكَ مَا عَلَيْكَ مِنْ سَبِيلٍ ۖ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى
الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ۖ وَلَكِنْ صَدَّقَ وَعَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْهِ الْأُمُورِ ۖ

”اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد یہی لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں۔ بیشک ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور فساد برپا کرتے ہیں زمین میں ناحق یہی ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور جو شخص (ان مظالم پر) صبر کرے اور (خاقت کے باوجود) معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔“

لے بَعْدَ ظُلْمِهِ میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے، یعنی جو بدلہ لیتے ہیں ظالم سے ان پر ظلم کرنے کے بعد تو یہ انتقام لینے والے وہ لوگ ہیں جن کے لئے کوئی عتاب نہیں اور نہ ہی ان پر کوئی مواخذہ ہے۔

ج۔ بیشک آخرت میں سزا اور دنیا میں عتاب اور مواخذہ ان لوگوں پر ہوگا جو لوگوں کو ضرر اور نقصان پہنچانے کی ابتداء کرتے ہیں۔ اور ناحق ان کو جان و مال اور عزت و آبرو کے اعتبار سے انہیں اذیت پہنچاتے ہیں۔ اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں۔ قاموس میں ہے غی بیغی بغیا اس نے تکبر کیا، اس نے ظلم کیا، حق سے اعراض کر لیا اور غلبہ حاصل کیا۔

لے لَمَّا صَدَّقَ صَدَّقَ کا عطف من انتصرو پر ہے اور ان دونوں کے درمیان جملہ مترضہ ہے۔ معنی یہ ہے جو کوئی اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے ظلم

پر مبر کرے اور ظلم کو معاف کر دے اور اس سے انتقام نہ لے، ترکیب کلام میں یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جو کہ فہو افضل الناس ہے۔ (یعنی وہ لوگوں میں سے افضل ہے) تو کلام سے خبر کو حذف کر کے اس کے مقام پر اس کی علت کو رکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ قول ہے إِنَّ ذَٰلِكَ لَیْسَ بِعَذَابٍ مُّظَاهِرٍ بِلَکَ یَہ صبر اور معاف کرنا یقیناً یہ بڑی بہت کے کاموں میں سے ہے۔ یہاں عزم بمعنی معزوم ہے اور اس کا معنی مطلوب شرعی۔ یعنی مبر کرنا اور معاف کرنا ان امور میں سے ہیں جو شرعاً مطلوب و مقصود ہے۔ اور مقاتل نے کہا ہے یہ ان امور میں سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم ارشاد فرمایا ہے نہ جانے کہ کہا ہے کہ صابر کو اس کے مبر کے سبب ثواب عطا کیا جاتا ہے اور ثواب میں رغبت رکھنا ہی کامل طلب ہے (۱)۔

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَبٍّ مِّنْ بَعْدِهِ ۖ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لِنَارٍ أُولَٰئِكَ
الْعَذَابُ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ۖ وَتَرَىٰ لَهُمْ يَرْضَوْنَ عَلَيْهَا
خُشْعِينَ مِنَ الدُّلَىٰ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ
الْغُيُوبِينَ الَّذِينَ خَصِمُوا أَنفُسَهُمْ وَآهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ
فِي عَذَابٍ مُّقْتَدِمٍ ۖ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُوهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۖ وَمَنْ
يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ۖ

”اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کا کوئی کارساز نہیں اس کے بعد۔ اور آپ ملاحظہ کریں گے ظالموں کو جب وہ دیکھیں گے عذاب (تو شٹٹا جائیں گے) پوچھیں گے کیا واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ پیش کیے جا رہے ہونگے دوزخ پر اس حال میں کہ عاجز و در ماندہ ہونگے ذلت کے باعث دیکھتے ہوئے تنکھیں سے چوری چوری۔ اور انہیں گے اہل ایمان کہ حقیقی گھائے میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے گھائے میں ڈالا اپنے آپ کو اپنے گھروالوں کو قیامت کے روز۔ سن لو ظالم لوگ ضرور ابدی عذاب میں ہونگے۔ اور انہیں ہونگے (اس روز) ان کے لیے مددگار جو مدد کریں ان کی اللہ کے بغیر۔ اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو اس کے لیے (بچنے کی) کوئی راہ نہیں ہے۔“

۱۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اسے رسوا اور ذلیل کرنے کے بعد اس کے لئے کوئی مددگار نہیں جو اسے راہ ہدایت پر گامزن کر سکے اور عذاب الہی سے اسے بچا سکے۔ یہ جملہ مقررہ ہے۔

اسے مخاطب آپ ظالموں کو ملاحظہ کریں گے کہ جب وہ عذاب دیکھیں گے (تو شٹٹا جائیں گے) چونکہ انکا قیامت کے دن عذاب کو دیکھنا ایک ثابت شدہ اور یقینی امر ہے اسی لئے آیت میں مضارع کی بجائے ماضی کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔ ترکیب کلام میں یَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ کا جملہ تری فعل کے مضمراتوں کے قائم مقام ہے۔ یعنی آپ انہیں یہ قول کہتے ہوئے دیکھیں گے۔

ہل لفظ استفہامیہ ہے لیکن یہاں سوال، درخواست اور التجا کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ دنیا کی طرف واپس لوٹنے کی التجا اور درخواست کریں گے۔

جس پر لفظ عذاب دلائل کر رہا ہے اس حال میں کردہ انتہائی خوفزدہ، عاجز اور دردماندہ ہو گئے اور ہر جانب سے ان پر ذلت و رسوائی چھا رہی ہوگی۔

ترکیب کلام میں منظر و ناسخ و ناسخ کے قائل سے ایک حال کے بعد دوسرا حال ہے۔

یٰظُنُّوْنَ مِنْ عَذَابِ نَفْحٍ کَافٍ یعنی وہ چوری چوری نکلیوں سے دیکھتے ہو گئے یعنی وہ اپنی جگہوں کو آہستہ آہستہ حرکت دیکر وہ آگ کی طرف دیکھنا شروع کر دیں گے۔ جیسا وہ آدمی جو رسیوں میں جکڑا ہوا ہو وہ اپنی ذات کے بارے میں خوفزدہ ہو کر بڑی عاجزی اور فروتنی کے ساتھ جلاد کی تلوار کی جانب چوری چوری دیکھا کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یوں عذاب نَفْحٍ کَافٍ میں من ابتدائیہ بلہ سیہ کے معنی میں ہے۔

آخِرُ نَفْحٍ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر میں ان کی اتباع اور پیروی کی۔ وہ بھی کفار کے ساتھ دائمی عذاب کے لئے پیش کیے جائیں گے (اس طرح وہ بھی خسارے اور گھٹانے میں پڑ جائیں گے) بعض نے کہا ہے کہ اہل بیہوشی سے مراد جو ہیں۔ جو کہ جنت میں ان کے لیے تیار کی گئی تھیں اگر وہ ایمان لے آتے۔ لیکن ایمان نہ لانے کے سبب وہ ان تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوئے اسی لئے وہ خسارے میں رہے۔

یَوْمَ الْقِيَامَةِ محسوسہ کی طرف یعنی قیامت کے دن وہ خسارے میں رہیں گے۔ اور اہل ایمان نے یہ قول دیا میں ان کے لیے کہا۔ یا یہ قول کی طرف ہے، یعنی قیامت کے دن جب اہل ایمان انہیں اس حالت پر دیکھیں گے تو وہ انہیں ایسا کہیں گے۔ سن لو غلام لوگ ضرور ابدی اور دائمی عذاب میں ہو گئے۔ اَلَا اِنَّ الظَّالِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقْتَدِرٍ کے الفاظ پر یا تو اہل ایمان کے قول کی تکمیل ہو رہی ہے یا پھر ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے قول کی تصدیق کی جا رہی ہے۔

اس روز اللہ تعالیٰ کے بغیر ان کے لیے کوئی ایسے مددگار نہیں ہو گئے جو ان سے عذاب کو دور کر سکیں۔ ترکیب کلام میں یَوْمَ الْقِيَامَةِ کے الفاظ اولیاء سے حال ہیں۔

اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کے لئے دنیا میں جن تک پہنچنے کے لئے اور آخرت میں جنت تک پہنچنے کے لئے کوئی راہ باقی نہیں رہتی اور اس پر بھلائی اور نیکی کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔

اَسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّآتِیَکُمْ یَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللّٰهِ ۚ مَا لَکُمْ مِنْ مَّوَجِبٍ
یَوْمَ یَذَّوْنُ مَا لَکُمْ مِنْ تَذٰکِیْرٍ ۝۱۰ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَاِمْاٰرَاسُنَا عَلَیْہِمْ حَفِیْطًا ۚ اِنْ
عَلِیْکَ اِلَّا الْبَلَاءُ ۚ وَاِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِثْرًا رَّحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ
نُصِبْنٰهُمْ سَبۡیۡۃً یَّسَّآءَ مَا قَدَّمَتْ اَیۡدِیۡہُمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ لَقَوۡمًا ۝۱۱

”(لوگو! مان لو اپنے رب کا حکم اس سے پیشتر کہ آجائے وہ دن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے والا نہیں، نہ ہوگی تمہارے لیے کوئی پناہ گا اس روز اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔ پس اگر وہ (پھر بھی) مرد گردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا فہم دار بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کا فرض تو صرف (احکام کا) پابند بننا ہے۔ اور ہم جب مزا چکھا دیتے ہیں انسان کو اپنی رحمت کا تو خوش ہو جاتا ہے اس سے۔ اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے اپنے کرتوتوں کے

باعث (تو شور مچانے لگتا ہے) بیشک انسان بڑا ناشکر گزار ہے۔“

۱۔ اِسْتَشْجِبُوْا لِمَا مَعْنٰی ہے (کوہ) تم اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کر لو۔ وہ دن آنے سے پہلے جس کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے واپس نہیں لوٹائے گا۔ اس صورت میں صبح اللہ کا تعلق مرد سے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صبح اللہ اَنْ تَلٰکَی کے متعلق ہے، یعنی اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ دن آجائے جسے لوٹنا نامکن نہیں ہوگا۔ اس دن سے مراد موت کا دن ہے یا قیامت کا دن ہے۔ اس دن تمہارے لیے کوئی بھائی کی جگہ نہیں ہوگی جہاں تم پناہ لے سکو۔ ملجھا کا معنی ہے بھائی کی جگہ، پناہ گاہ۔ اور جو کچھ تم نے اعمال کئے ہیں اس دن تم ان کا انکار نہیں کر سکو گے کیونکہ وہ سب تمہارے اعمال ناموں میں لکھے ہوئے ہیں اور اس کے خلاف تمہاری زبانیں اور دیگر اعضا نے بدن شہادت دیں گے یا تکبیر معنی منکر برائیاں ہے۔ یعنی اس دن متنی برائیاں اور بد اعمالیاں تمہارے ساتھ ہوں گی ان کے سوا تمہارے لیے کوئی برائی نہیں ہوگی۔

۲۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ پھر بھی آپ کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردانی کریں تو آپ قطعاً غزوہ اور پریشان حال نہ ہوں کیونکہ ہم نے آپ کو ان پر نگہبان اور ان کے اعمال کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا کہ ان کی روگردانی اور اعراض کی صورت میں مؤاخذہ آپ سے کیا جائیگا۔ کلام میں شرط کی جزا کو حذف کر دیا گیا ہے اور علت کو اس کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے فَلَا تَحْزَنْ لَیْسَ مَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَیْهِمْ رَیْبًا مَّا اِجْزَاہُمْ۔

آپ کا فرض تو صرف احکام پہنچانا ہے اور آپ وہ فرض ادا کر چکے ہیں۔ اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ قَوْلِ بَارِئِ تَعَالٰی مَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا۔ کی علت بیان کر رہا ہے۔

۳۔ اور جب ہم اپنی رحمت کا مزا انسان کو چکھا دیتے ہیں تو اس سے وہ خوش ہو جاتا ہے۔ اس میں انسان سے مراد جنس انسان ہے۔ اور رحمت سے مراد مال و دولت اور صحت ہے (۱)۔ صیغہ سے مراد قحط، فقر و افلاس یا مرض ہے۔ ہَذَا قَدْ مَعَتْ اَیْنُہُمْ یعنی ان گناہوں کے سبب جو انہوں نے اس سے قبل کئے اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے (تو وہ شور مچانے لگتا ہے)۔ چونکہ اکثر افعال ہاتھوں کے ساتھ ہی کیے جاتے ہیں اسی لئے انہیں ایدیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بیشک انسان انتہائی زیادہ ناشکر گزار ہے۔ یعنی جب بھی اس پر معمولی سی تکلیف اور ہلکی سی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہونے والی سابقہ تمام نعمتوں اور رحمتوں کو بھول جاتا ہے۔ وہ بار بار تکلیف اور دکھ کا ذکر کرتا ہے اور انہیں خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے لیکن اس کے اسباب میں غور نہیں کرتا۔

اگرچہ یہ حکم مجرموں کے ساتھ شخص سے جب بھی اس کی نسبت جنس انسان کی طرف کرنا صحیح ہے کیونکہ تمام کے تمام مجرم بھی جنس انسان میں شامل ہیں۔ پہلے جملہ شرطیہ میں اذا ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے میں حرف شرط ان ذکر کیا گیا ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ نعمتوں کا مزہ چکھنا اور رحمتوں سے بہرہ ور کرنا ایک ثابت شدہ امر ہے اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور اس کی رحمت ذاتیہ اس کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے اس کے ذکر کے ساتھ بطور حرف شرط اذا ذکر کیا گیا ہے (کیونکہ یہ ثابت شدہ امر پر دلالت کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے) جبکہ اس کے برعکس آزمائش میں مبتلا کرنا تو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور نہ ہی اس کی رحمت اس کا تقاضا کرتی ہے، بلکہ یہ کسی جرم اور گناہ کے سبب آتی ہیں اس لیے اس کے ذکر کے ساتھ ان حرف شرط ذکر کیا گیا ہے (جو مطلق شک کے معنی دیتا

ہے۔) کلام میں جزا کی علت کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے اور دوسرے جملہ میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے تاکہ اس پر دلالت کرے کہ اس جنس کو کفر ان نعمت کے ساتھ مسموم کیا گیا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُخْلِقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ اِنَّا كَاۡفٍ
يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الدُّكُوْرَ ۙ اَوْ يُوْجِہُہُمْ ذُكْرًا وَّاُنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ
عَقِيْمًا ۚ اِنَّہٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۱۰ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يَّكَلِمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحٰیًا اَوْ مِنْ
وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحٰی بِاٰیٰتِہٖمَا یَشَاءُ ۚ اِنَّہٗ عَلٰی حٰكِمٍ ۝۱۱

”اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے بچیاں اور عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے فرزند یا ملا کر دیتا ہے انہیں بیٹے اور بیٹیاں اور بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بانجھ۔ بیشک وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے۔ اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ بھیجے کوئی پیغامبر (فرشتہ) اور وہ وحی کرے اس کے علم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ بلاشبہ وہ اونچی شان والا بہت دانا ہے۔“

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اس لیے وہ جیسے چاہے ان میں تعریف کر سکتا ہے چاہے نعمتوں سے نوازے یا اعمال پر پورا مقام اور بدلہ لے۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا جملہ قول باری تعالیٰ ومن ایۃ الجوار سے متصل ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے یہ جملہ سابقہ کلام کی علت ہے۔ اور قول باری تعالیٰ یَهَبُ لِمَن یَشَاءُ اِنَّا کَاۡفٍ بعض کے قول کے مطابق خلق کا بیان اور تفصیل ہے، یعنی وہ بعض لوگوں کو صرف بچیاں عطا فرماتا ہے ان کے ہاں بچہ موجود نہیں ہوتا۔ چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے پہلے بچیوں کا ذکر کیا ہے اسی لئے بعض نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی عورت کے ہاں سب سے پہلے بچی کا پیدا ہونا اس کے لئے باعث رحمت و برکت ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جنہیں چاہتا ہے صرف بچے عطا فرماتا ہے اور ان کے پاس بچیاں نہیں ہوتیں۔ اور بعض کے لئے دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔ اور ان کے پاس بچے اور بچیاں دونوں پیدا ہوتے ہیں۔ اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے اور اس کے پاس کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جسے پیدا کرتا ہے اسے خوب جانتا ہے اور جو چاہتا ہے اس کی قدرت رکھتا ہے اور وہ اپنا کام اپنی کمال حکمت و دانائی اور اختیار کے ساتھ کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جملہ وَيَجْعَلُ مَن یَشَاءُ اِنَّا کَاۡفٍ سے بدل بعض ہے۔

ع۔ علامہ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ یہودیوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر آپ نبی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام کیوں نہیں ہوتے اور اسے دیکھتے کیوں نہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور اس کا دیدار کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا (۱)“ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یَّكَلِمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحٰیًا فرمائی۔ کہ کسی بشر کے لئے یہ سمجھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے براہ راست کلام کرے۔

و حیا اور اس کے معطوفات مصدر ہونے (مفعول مطلق ہونے) کی بنا پر منصوب ہیں کیونکہ هیچ و ذرا آتی جچاپ کلام مجدود کی صفت ہے۔ اور ارسال بھی کلام کی ایک نوع ہے، یعنی وہ کلام جو کہ رسول کے واسطے ہو۔ اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ یہ حال ہونے کی وجہ منصوب ہو اور مصدر بمعنی مفعول استعمال ہو رہا ہو۔ اور تقدیر عبارت اس طرح ہو الا موحی او مستمعان و رآی حجاب او مرسل۔ (مگر وہ کلام بھی کیا جائے یا پردے کے پیچھے سنا جائے یا رسول کے واسطے سے بھیجا جائے۔)

نعت میں وحی سے مراد امتیازی تیز اشارہ ہے "الاشارة السريعة والمراد ههنا كلاما خفيا غير مركب من حرف مقطعة متعاقبة يلقيه تعالى في قلب النبي صلى الله عليه وسلم في المنام او اليقظة۔

یعنی یہاں وحی سے مراد ایسا مخفی کلام ہے جو کیے بعد دیگرے آنے والے حروف مقطعات سے مرکب ہو (یعنی بسیط ہو) اللہ تعالیٰ یہ کلام حالت نیند یا حالت بیداری میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر القا کر دیتا ہے اس کو کہا ہم بھی کہنا جاتا ہے اور یہ بالمشافہہ کلام کو بھی شامل ہے جیسا کہ حدیث معراج میں ذکر ہے اور اس حدیث میں جس کے آخر میں رویت باری تعالیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور غیبی آواز سنانی دینے کو بھی شامل ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی طوی اور طور پر اتفاق ہوا، (اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں 1۔ بلا واسطہ کلام کرنا 2۔ غیبی آواز سنانی دینا) لیکن قول باری تعالیٰ آذین و ذرا آتی جچاپ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مذکورہ دونوں قسمیں وحی کی قسم اول کے ساتھ خاص ہیں اور وحی کی دوسری قسم من و رآی حجاب ہے۔ یہ آیت رویت باری تعالیٰ کے جائز ہونے پر توجہ دہلے ہیں لیکن اس سے رویت کی نفی پر استدلال نہیں ہو سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ بغوی نے اس آیت کا جو شان نزول ذکر کیا ہے وہ تو دنیا میں وحی کے وقت اللہ تعالیٰ کے دیدار کی نفی پر دلالت کرتا ہے لہذا یہاں وحی کا معنی کلام بسیط کا دل میں القا کرنا ہوگا۔ "القا کلام بسیط فی القلب" اور قول باری تعالیٰ آذین و ذرا آتی جچاپ سے مراد وہ کلام جو فرشتے کے واسطے کے بغیر سنا جائے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنا نہ جائے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی طوی اور کوہ طور پر اتفاق ہوا تھا اسی طرح علامہ بغوی نے کہا ہے یا وہ کوئی پیغامبر، یعنی فرشتہ بھیجے چاہے وہ فرشتہ جبرئیل امین ہو یا کوئی اور فرشتہ ہو۔ اور وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کرے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔

جہوز نے وحیا پر عطف کرتے ہوئے قول اور یوحی کو منصوب پڑھا ہے اور ان سے پہلے ان مصدر یہ مقدر ہے۔ اور نافع نے بطریق اجتہاد انہیں مرفوع پڑھا ہے، یعنی جبرئیل کی لام کو ضمہ کے ساتھ اور قیومی کی یا کو سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قرأت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا کلام فرماتا وہ قسموں میں محصور ہو جاتا ہے 1۔ وہ فرشتے کے واسطے کے بغیر کلام فرماتا ہے 2۔ وہ فرشتے کے واسطے سے انبیاء علیہم السلام سے ہم کلام ہوتا ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبھی تو ایسے وحی آتی ہے جیسے گھنٹی بجنے کی آواز ہوتی ہے اور یہ وحی مجھ پر انتہائی شدید اور نفیس ہوتی ہے۔ جب وہ سلسلہ مجھ سے منقطع ہوتا ہے تو اس میں جو کلام ہوتا ہے وہ مجھے یاد ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے پاس آتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے۔ پس جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں (1)۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا انتہائی سخت ٹھنڈے دن میں وحی کا نزول ہو رہا ہے تو جب یہ سلسلہ منقطع ہوا تو آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینہ بھوٹ رہا تھا۔ یہ حدیث سے متفق علیہ ہے (۱)۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا ہے تو آپ مضطرب ہو جاتے اور آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا۔ اسے مسلمان نے روایت کیا ہے (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اعلان نبوت کے بعد) چند برس تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ سات برس تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آواز سننے سے اور روشنی بھی دیکھنے سے لیکن کوئی شئی نظر نہیں آتی تھی اور آٹھ سات تک آپ کی طرف وحی آتی رہی۔ اور دس سال تک آپ مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور وہیں آپ کا وصال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پینسٹھ (65) برس تھی۔ (مشفق علیہ (3)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں سب سے اول جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز ہوا وہ حالت نیند میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خواب تھے۔ (المحدث توفیق علیہ)۔ (4)۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ حقوق کی صفات سے اونچی شان والا ہے اور بہت دانا ہے وہ دعویٰ کچھ کرتا ہے جس کا تقاضا اس کی حکمت کرتی ہے جس کبھی بغیر واسطہ کے کلام فرماتا ہے اور کبھی واسطہ کے ساتھ۔

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا
الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ صِرَاطَ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿٥٧﴾

”اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام! آپ نے حکم سے۔ نہ آپ یہ جاننے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن (اے حبیب!) ہم نے بنادیا اس کتاب کو (سراپا) نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے۔ اور بلاشبہ آپ رہنمائی فرماتے ہیں صراطِ مستقیم کی طرف! جو اللہ تعالیٰ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ خوب نوا! سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔“

وَكُنْ لَكَ اَوْ حَبِطًا اِنَّكَ مُرْءٍ حَصِيٍّ كُفٍ بِطَرَفِ رُحْمِكَ يُجْعَلُ لَكَ كَلِمًا مِّنْ لَّدُنْهُ لَا يُفْعَلُ لَكَ شَيْءٌ اُولَٰئِكَ يَنْظُرُونَ

کلام بھیجا۔ یا جس طرح ہم نے آپ سے بیان کیا اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف بھی بذریعہ وحی ایک جانفزا کلام بھیجا۔

روحاً سے مراد کتاب، یعنی قرآن مجید سے اسی طرح کلی اور مالک بن دینار نے کہا ہے (5)۔ سدی نے کہا ہے کہ جس طرح ابدان،

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 2 (قدیمی)

2. مشکوة المصابيح، صفحہ 522 (قدیمی)

3- مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 521 (قدیمی)

4- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 2 (تدیعی)

5- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 108 (التجاریہ)

ادواح کے سبب زندہ رہتے ہیں اسی طرح دلوں کی زندگی قرآن سے وابستہ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید کو روح کہا گیا ہے۔ ربیع نے کہا ہے کہ روح سے مراد حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں (1) اور معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کی طرف جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا روح سے مراد ثبوت ہے۔ اور حسن نے کہا ہے روح سے مراد رحمت ہے (2) پس اس سے مراد بھی قرآن کریم ہی ہے کیونکہ قرآن نبوت اور رحمت کا اثر (نشان) ہے۔

یقیناً مفہوم کا مفہوم یہ ہے ہم جو دنی آپ کی طرف بھیجتے ہیں۔ اپنے حکم سے بھیجتے ہیں من امر ناروح کے لئے ظرف مستقر ہے، یعنی روح ہمارے امر سے ہے۔ حاکمیت کا یہی تو کب کلام میں الیک کی کا فی ضمیر سے حال ہے، یعنی درآئیکہ وحی سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے۔ حاکمیت کا یہی قدری کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور حرف استفہام نے اسے عمل سے روک دیا ہے۔ (کہ کتاب کیا ہے اور یہ کہ ایمان کیا ہے؟) یعنی آپ ان شرائع اور احکام کو نہیں جانتے تھے جنہیں جاننے کا سبب اور نقل کے بغیر کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ (یعنی عقلی طور پر انہیں جانتا حال اور نامکن تھا۔)

محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ اس مقام پر ایمان سے مراد نماز ہے جیسا کہ اس ارشاد میں بھی ہے 'ماکان اللہ لیضیع ایسانکم' (3) (اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہاری نمازوں کو ضائع کر دے) اس تفسیر کی بنیاد اس نظریہ پر ہے کہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو ایمان کے بارے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بذریعہ الہام آگاہ کیا گیا چنانچہ وہ اسی الہام کے سبب عالم کے لیے ایک ایسا صالح تسلیم کرتے ہیں جو تمام صفات کمالیہ سے متصف ہونے، محبوب و فاضل سے منزہ اور زوال پذیر ہونے سے مبرا ہونے کے اعتبار سے یکساں اور منفرد ہے۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے قبل دین ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ یہ ایسا قول ہے جس کی تائید نہ عقلی دلائل سے ہوتی ہے اور نہ ہی نقلی سے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو امی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ اور نہ ہی دین ابراہیمی قریش میں رائج اور عام تھا بلکہ وہ تو چھروں کی پوجا کرتے تھے ہاں اتنا ضرور تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گویا نبی کے پسند فرماتے تھے، اور غلوٹ نہیں رہا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کامل مومن تھے حقیقت ایمان کا یقین رکھتے تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ اسی حالت کا نام ایمان ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نَوْمًا کے بارے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ضمیر سے مراد ایمان ہے اور سدی نے کہا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے (4) یعنی جہالت کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے ہم نے ایمان کو یا قرآن کو نور بنایا۔ اور ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس کے سبب اسے دنیا میں خالص اور سچے عقیدہ تک اور آخرت میں جنت اور مراتب قرب تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ آپ تمام لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے جو جنت تک پہنچانے والا ہے اور یہاں ہدایت سے مراد۔ اداء الطریق (راستہ دکھانا) ہے۔

1- تفسیر بخاری، جلد 6، صفحہ 108 (انتہاریہ)

2- تفسیر بخاری، جلد 6، صفحہ 108 (انتہاریہ)

3- تفسیر بخاری، جلد 6، صفحہ 108 (انتہاریہ)

4- تفسیر بخاری، جلد 6، صفحہ 108 (انتہاریہ)

ع۔ جسراہ اللہ۔ جسراہا مُشْتَقِقُہِم سے بدل ہے۔ آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی ہر شے اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کی مخلوق ہے۔ اور سن لو آخرت میں تمام مخلوق کے امور کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔ تمام واسطے اور تعلقات ختم ہو جائیں گے۔ اس آیت طیبہ میں اطاعت شعار اور فرمانبردار لوگوں کے لئے (ایچھے انجام کا) وعدہ ہے اور جرائم پیشہ لوگوں کے لئے (غذاب کی) وعید ہے۔ واللہ اعلم۔

تمت بالخیر

سورہ شوریٰ کی تفسیر بروز ہفتہ 13 ربیع الاول 1208ء اختتام پذیر ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل و احسان اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ لطف و کرم کے طفیل سورہ شوریٰ کا ترجمہ 22 فروری 2001ء بمطابق 27 ذوالقعدہ 1421ء بروز جمعرات رات ایک بج کر پینتالیس منٹ پر اپنے اختتام کو پہنچا۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى اله وصحبه اجمعين۔

نافس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورة زخرف

اسیاقہ ۸۹ سورۃ الشرحف سورۃ ۲۲ مکرعاعا ۷

سورۃ الزخرف مکی ہے، اس میں اناسی آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حَمْ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْ رَبِّ الْعَالَمِينَ حَكِيمٌ ۝

”حائم قسم ہے اس کتاب میں کی ہے۔ ہم نے اتارا ہے اسے قرآن، عربی زبان میں تاکہ تم (اس کے مطالب

۱۔ یہ کتاب یمن سے مراد قرآن ہے جو اپنے اعجاز کے ذریعے گمراہی سے ہدایت کے راستے کو واضح کرنے والا ہے جب کتاب کی یہ شان ہے تو یہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس پر ایمان اس چیز کو واجب کرتا ہے کہ شرعی احکام سے آگاہی حاصل کی جائے دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جن کا انسان محتاج ہوتا ہے اس میں دواؤں قسم کے لیے ہر گرم ان چیزوں میں سے ہر جن کی قسم اٹھائی جا رہی ہے تو یہ دواؤں کا مفہوم ہی اور مابعد کلام اس کا جواب قسم۔

۲۔ ہمیں سے مراد الکتاب ہے، قرآن کی قسم اس اعتبار سے اٹھائی کہ قرآن عربی زبان ہی میں ہے تو یہ کلام کے محاسن میں سے ہے کیونکہ اس طرح قسم ۱۔ (جس کے ساتھ قسم اٹھائی گئی ۲۔) اور قسم جس پر قسم اٹھائی گئی کے درمیان مناسبت پیدا ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اشیاء کی جو قسم اٹھاتا ہے شاید اس کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ ان اشیاء میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر جو دلالت ہوتی ہے اس سے استدلال ہوتا ہے۔ اسے عربی زبان میں نازل کرنے کی حکمت یہ ہے تاکہ قسم اس کے مفہیم کو سمجھو نہ قرآن تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو غیر مخلوق ہے۔

۷۔ ضمیر سے مراد قرآن ہے اس کا عطف ان پر ہے اَوَّلُ الْكِتَابِ سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ یہ ہر کتاب کی اصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فی لوح محفوظ حضرت ابن عباس کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کر کے ارادہ کیا تھا اسے لکھنے کا حکم دیا (۱) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَابْقِیَ الْکِتَابَ۔

لندن ہیابا عندنا کے معنی میں ہے اس کے پاس ہونا اور اس کے قریب ہونے کو کسی کیفیت اور مکانیت سے متصف نہیں کیا جاسکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ لغت پر کلام یہ ہے وہ ہمارے پاس تغیر و تبدل سے پاک ہے اس کی شان کسی کے اور اگر کسی سے ماوراء ہے یا اس کا معنی ہے اس کی شان کتب ساویہ میں بلند ہے کیونکہ ان میں سے یہ معجز ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کشف کی نظر سے قرآن حکیم تمام

کتابوں میں اس طرح ہے جس طرح دائرہ میں مرکز کو حیثیت حاصل ہوتی ہے پس مرکز اصل ہوتا ہے اور تمام دائرے کا خاصہ ہوتا ہے بلکہ وہ تمام دائرے سے افضل ہوتا ہے۔ کشف کی نظر میں وہ بہت ہی مختصر نظر آتا ہے جبکہ وہ رتبہ اور درجہ میں دیکھنے والے سے بہت بلند ہوتا ہے جس طرح چاند دیکھنے والے کے لیے ہانسلے سے چھوٹا نظر آتا ہے حالانکہ وہ ہالے سے بہت وسیع ہوتا ہے۔

فرمایا یہ حکمت باللہ والا ہے یا یہ ننگہ ہے کوئی اور اسے منسوخ نہیں کر سکتا علی اور حکیم دونوں ان کی خبریں ہیں یا اُور الکُشپ جار معرور علی کے متعلق ہے علی پر لام مفتوح اس کے متعلق ہونے سے مانع نہیں یا یہ ظرف مستقر ہے جو علی سے حال ہے اور لدینا اس سے بدل ہے یا یہ اُور الکُشپ سے حال ہے یا اُور الکُشپ میں جو ضمیر پوشیدہ ہے اس سے حال ہے۔

أَقْضِرْبُ عَنْكُمْ إِلَيَّ كَرَصْفًا أَنْ لَنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِينَ ۝

”کیا ہم رک لیں گے تم سے اس ذکر کو ناراض ہو کر اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔“

ہمزہ استفہام انکار کے معنی میں ہے اور فاء عاطفہ ہے اور ضرب کا عطف فعل مخدوف پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَنْتُمْ لَمْ تَقْضِرْبُوا عَنْكُمْ الْمَذْكُورَ یہاں ذکر سے مراد قرآن ہے جب تو کسی چیز کو چھوڑ دے اور اس سے رک جائے تو اس وقت یہ جملہ بولا جاتا ہے۔ ضربت عنہ واضربت عنہ۔ صفا معقول مطلق ہے جو مذکورہ فعل کا مصدر نہیں بلکہ اس کے ہم معنی فعل کا مصدر ہے۔ جب تو کسی چیز سے اعراض کرے تو اس وقت یہ جملہ بولا جاتا ہے صحت عنہ۔ ترک کرنا اور دور کرنے سے مراد اعراض کرنا ہے یا صفا معقول لہ ہے یا صاخصین کے معنی میں ہو کر حال ہے۔ اس کا اصل معنی ہے کہ تو گردن کے ایک حصہ کو کسی شے کی طرف کر دے۔ انکار (حرف استفہام کا معنی) اجمال اور ذکر شکر ترک کرنے کی طرف رابع ہے، یعنی قرآن تو اس لیے عربی زبان میں نازل کیا گیا تھا تا کہ وہ اسے سمجھیں اب اس پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملے کا عطف اَلَّذِي اُور الکُشپ پر ہو اور ہمزہ استفہام جو انکار کے معنی میں ہے اس انکار کو فاء کے معنی کی طرف لوٹایا جائے۔ پھر معنی یہ ہوگا کہ اس کے بعد تو قرآن اس شان کا حامل ہے ہم تم پر قرآن نازل کرنا چھوڑ دیں گے۔

نافع، ہمزہ اور کسائی نے اَنْ لَنْتُمْ میں اَنْ کو ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں جملہ شرطیہ اس بنا پر مذکور ہوگا کہ ایک ثابت شدہ امر تک کے انداز میں ذکر کیا گیا کیونکہ وہ جاہل بننے ہیں اور انہیں یہ شعور دلاتا ہے کہ اسراف ایک ایسا امر ہے جس کو عقل جائز قرار نہیں دیتی گویا محال امر کو فرض کیا گیا ہے۔ اس کی جزاء مخدوف ہے جس پر ماقبل کلام دلالت کرتی ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا اس لیے کہ تم حد سے تجاوز کر گئے ہو ہم تمہیں مہلت دیں گے اور تم پر وحی کرنا چھوڑ دیں گے؟ جبکہ باقی قراء نے ہمزہ کے فتح کے ساتھ اسے پڑھا ہے اس صورت میں اس سے پہلے لام حرف جر مخدوف ہوگا۔ حقیقت میں حد سے تجاوز کرنا یہ اس امر کی علت ہے جو اعراض ترک کرنے کا تقاضا کرتی ہے مگر اسے اعراض کی علت بنایا ہے اور اس پر ہمزہ انکار کو داخل کر دیا ہے۔ معنی اس کا یہ ہوگا کیا تمہارے اسراف کی وجہ سے وحی کرنا چھوڑ دیں گے؟ اور تمہیں بعض امور کا حکم ندیں گے اور بعض سے نہیں روکیں گے۔ امام بغوی نے کہا تادمہ نے کہا اللہ کی قسم اگر قرآن اس وقت اٹھایا جاتا جب اس امت کے پہلے افراد نے اس کو رد کیا تھا تو سب ہلاک ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رحمت فرمائی اور ان پر بیس سال تک رحمت کرنا رہا (۱) مجاہد اور سدی نے کہا اس کا معنی یہ ہے کیا تم سے اعراض کر لیں گے اور تمہیں

چھوڑ دیں گے اور تمہارے کفر کی وجہ سے تمہیں کوئی سزا نہیں دیں گے (۱)۔

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي الْآدِلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ فَأَهْلَكْنَا أَسَافَةً مِنْهُمْ بِطُغْيَانٍ مِثْلِ الْآدِلِينَ ۝

”اور ہم نے کثرت سے بھیجے ہیں نبی پہلے لوگوں میں۔ اور انہیں آیات کے پاس کوئی نئی مکر وہ (کفار) اس کا مذاق اڑایا کرتے ہیں پس ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا جو ان سے زیادہ طاقتور تھے اور گزر چکا ہے حال پہلے لوگوں کا۔“

۱۔ ہم نے کثیر انبیاء مبعوث کیے۔

۲۔ یٰٰٓأَیُّہُم میں فعل مضارع صیغہ حال ماضی کی حکایت کے طور پر ہے اور یہ ارسلنا کا معطوف ہے یا یہ جملہ حال ہے مبنیٰ قبی میں من زائدہ ہے اور نبی کل رفع میں ہے۔ کَانُوا بِہِ یَسْتَهْزِءُونَ یہ مستثنیٰ ہے اور کل نصب میں ہے۔ اور یا تمہم کے مفعول بہ سے حال ہے معنی یہ ہوگا ان کے پاس کوئی نبی نہیں آتا تھا مگر یہ اس کے ساتھ مذاق کرنے والے تھے یا یہ محذوف مفعول مطلق کی صفت ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو گی یا تمہم من الیانا الا انہنا کا نوابہ یستہزؤن یا یہ مفعول فیہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کوئی نبی کسی زمانہ میں ان کے پاس نہیں آتا مگر وہ نبی کے ساتھ مذاق کرنے والے ہوتے ہیں جس طرح آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے۔

۳۔ منہم میں ہم ضمیر سے مراد افضل خرچی کرنے والے ہیں ہم ضمیر سے مراد اہل مکہ ہیں اس میں خطاب کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات (کلام کو پھیرا گیا ہے)۔ معنی یہ ہوگا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا حالانکہ وہ مشرکین مکہ سے زیادہ طاقتور تھے۔ بطش کا معنی قوت ہے یہ اسد کی نسبت سے قہر ہے یا یہ اہل مکہ سے مطلق ہے۔

پہلے لوگوں کے ہلاک ہونے کا عجیب و غریب قصہ گزر چکا ہے حق تو یہ تھا کہ وہ ضرب المثل کے طور پر مشہور و معروف ہوتا اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وعدہ ہے اور استہزاء کرنے والوں کے لیے اس قسم کے عذاب کی وعید ہے جس کا سامنا پہلے لوگوں نے کیا تھا۔

وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ حَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَّقَدَمْنَا فَاَنْشَرْنَا بِہِ بَلَدًا كَاٰمِيْنًا ۝ كَذٰلِكَ نَخْرُجُہُمْ ۝

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے پیدا کیا ہے انہیں بڑے زبردست سب کچھ جانتے والے نے۔ جس نے بنادیا ہے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ اور بنا دیئے ہیں تمہارے لیے اس میں راستے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ اور جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پس ہم نے زندہ

کر دیا اس سے ایک مردہ شہر کو بچی تھیں بھی (قبروں) سے نکالا جائیگا۔“

۱۔ ہم ضمیر سے مراد کفار مکہ ہیں یہ جملہ محذوف قسم کا جواب ہے کیونکہ لسن میں لام مفتوح ہے حَافِظُ الْقُبُورِ الْعَلِيِّ الْعَلِيِّمُہ جواب دیتے ہیں یہ ارشاد اس کو لازم ہے یا وہ جو جواب دیتے تھے اس پر یہ اجمالی طور پر دلالت کرتا ہے۔ لازم کو جواب کے جواب کے قائم مقام اس لیے رکھا گیا تاکہ ان پر الزام جت ہو جائے کیونکہ کئی مواقع پر یہ بات صراحت کے ساتھ آئی ہے کہ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے کیونکہ عزیز و کبیم صرف اللہ تعالیٰ کی صفات ہی ہیں یہ بھی جائز ہے کہ یہی ان کا مقول ہو اور مابعد جملہ مستأنفہ ہے۔

۲۔ زمین کو بچھونا بنا دیا جس طرح بچے کے لیے بچھونا ہوتا ہے اور اس میں ایسے راستے بنا دیے جن میں تم چلتے ہو تاکہ تم اپنے مقاصد تک پہنچ سکیا ان چیزوں میں غور و فکر کر کے صانع کی حکمت تک پہنچ سکو۔

۳۔ قدر سے مراد ایسی مقدار ہے جو خلق دیتی ہے نقصان نہیں دیتی فائز و نا میں غائب کے صیغہ سے تکلم کے صیغہ کی طرف التفات ہے جس کا معنی ہے ہم نے زندہ کر دیا، یعنی جس طرح ہم نے بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کیا ہے اس طرح ہم تمہیں قبروں سے زندہ کریں گے اِنَّكَ تُخْرَجُونَ یہ جملہ مقررہ ہے شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں گھوس کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہو گا لوگوں نے پوچھا ہے ابو ہریرہ کیا وہ چالیس دن ہو گئے؟ تو جواب دیا میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا چالیس سال ہو گئے؟ تو جواب دیا میں اس سے بھی انکار کرتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا تو لوگ زمین سے اس طرح نکل آئیں گے جس طرح سبزیاں اگتی ہیں انسان کے جسم کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائیگی مگر ایک بڑی باقی رہے گی جسے دم لڑے کی ہڈی کہتے ہیں اس سے اس کا سارا جسم جوڑا جاتا ہے (۱) ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے ابن جریر نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ ایک وادی عرش کے نیچے سے بہتی ہے اسی سے روئے زمین پر ہر جانور پیدا ہوتا ہے پھر روحمیں اترتی ہیں انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ جسموں میں داخل ہو جائیں اللہ تعالیٰ کے فرمان يٰۤاَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اِنَّ رَاحَتَكَ اِنِّیْ تَرٰبَیْن۔ کا بھی یہی مطلب ہے۔ امام احمد اور ابو یعلیٰ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز لوگوں کو اٹھایا جائے گا جبکہ آسمان سے ان پر ٹہکی بارش ہوگی۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ۝
لِيَسْتَوِيَ اَعْيُنُكُمْ تَدْكُرُوا وَنِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلٰی وُجُوْهِكُمْ تَقْنُوْنَ اَسْبَحْنَ
الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَنَا لَهٗ قٰنِیْنَ ۝ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَبِلُونَ ۝

”اور جس نے ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور بنا دیں تمہارے لیے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم جم کر ٹھیکوان کی بیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور (زبان سے) یہ کہو پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنا دیا ہے اسے ہمارے لیے اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔“

۱۔ ازواج سے مراد مخلوقات کی تمام قسمیں ہیں۔ یہاں تَرْكَبُونَ کا مفعول ضمیر ہے یہ فعل دو طرح متعدي ہوتا ہے ایک صورت یہ ہوتی

ہے کہ اپنے مفعول کی طرف بغیر واسطہ کے متعدی ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ واسطہ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے یہاں واسطہ کے بغیر متعدی ہوئے کو غلبہ دیا ہے کیونکہ یوں جملہ کہا جاتا ہے رکبت الدابة و رکبت فی السفينة۔ یا جسے اللہ تعالیٰ نے سواری کے لیے پیدا کیا ہے اسے انسان کی بنائی ہوئی چیز پر غلبہ دیا ہے یا جو چیز عموماً سواری کے لیے استعمال ہوتی ہے اسے کبھی کبھی سواری کے لیے استعمال ہونے والی چیز پر غلبہ اسی وجہ سے دیا فرمایا جن پر تم سوار ہوتے ہو ان کی پشتوں پر جم کر بیٹھ جاؤ۔

۳۔ یہاں ظہور کا لفظ ماضی کے استعارے جمع ذکر کیا ہے پھر دل سے اپنے رب کی نعمتوں کو یاد کرو خواہ وہ سواری خشکی پر ہو یا سمندر میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اپنی زبانوں سے یہ کہو کہ میں اس ذات پاک کی تسبیح بیان کرتا ہوں جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کیا جبکہ ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ یہ افرق السبی سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آدمی اس کو قاتا ہو کرنے کی طاقت رکھتا ہو اصل میں اس کا معنی ہے کہ اس نے اسے اپنا ساتھی بنالیا جبکہ کوئی قوی چیز کمزور کا ساتھی نہیں ہوتی۔ وَصَاحِبُ الْكَلْبِ الْمُفْرِيقِ یہ ہذا سے حال ہے یا لانا کی ضمیر سے حال ہے۔

۴۔ تَسْتَفْقِیُونَ کا معنی ہے کہ ہم لوٹنے والے ہیں۔ ماقبل کلام کے ساتھ اس کے متصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سوار انسان اس لیے ہوتا ہے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جبکہ سب سے بڑا انتقال اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنا ہے یا بہت سی عظیم الشان چیز ہے اس لیے اسے غافل نہیں ہونا چاہیے اور اسے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے کوشش کرنی چاہیے یہ جملہ ہے اور دوسرا حال ہے۔

ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور بغوی نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کیا ہے کہ جب آپ اپنا پاؤں رکاب میں رکھتے تو کہتے بسم اللہ۔ جب اس پر سوار ہو جاتے تو کہتے الحمد للہ۔ پھر کہتے سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَہٗ مُقْرِئِیْنَ وَ اِنَّا اِنَّا رَبِّنَا لَمُشْكِرُونَ پھر آپ نے تین دفعہ الحمد للہ کیا اور تین دفعہ اللہ اکبر کہا۔ پھر کہا لا الہ الا انت ظلمت نفسی فاغفر لی ذنوبی فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنْتَ۔ پھر آپ مسکرائے آپ سے عرض کی گئی کہ چیز نے آپ کو ہمایا ہے تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے جس طرح میں نے کیا ہے اور جو کچھ میں نے کہا تھا وہ آپ نے کیا پھر آپ مسکرائے تھے ہم نے عرض کی تھی آپ کو کس چیز نے ہنسے پر مجبور کیا تھا فرمایا جب کوئی بندہ لا الہ الا انت ظلمت نفسی فاغفر لی اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنْتَ کہتا ہے تو اللہ خوش ہوتا ہے (۱) الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ۔ اور اس کے تمام محفوظات العزیز العظیم کی صفات ہیں اگر انہیں جملہ ساتھ لے لیا جائے تو یہ مبتداء معذوف کی خبریں ہوں گی یا یعنی کا مفعول یہ ہونگے۔

وَجَعَلُوا لَہٗ مِنْ عِبَادٍ جُزْءًا ۚ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُورٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵﴾ اَوْ اَتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بِنْتًا ۚ وَ اَصْفَحْ بِالسَّبِیْنِ ﴿۶﴾

”اور بنادی ہے (شرکوں نے) اس کیلئے اس کے بندوں سے اولاد ہے شک انسان کھلا ہوا ناشکر گزار ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں (اپنے لیے) (اپنی مخلوق سے بیٹیاں اور خصوص کر دیا ہے جنہیں بیٹوں کے ساتھ ج۔“

۱۔ اس جملے کا عطف ولئن سالنہم پر ہے اس کے ساتھ اتصال کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کلاموں کے درمیان تاقض ہے کیونکہ انھوں نے پہلے اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے پھر اس کی یہ صفت بیان کی کہ اس کا کوئی جز بھی ہے اور

جس چیز کی تقسیم کی جائے اس کے لیے واجب الوجود ہونا محال ہے اور اس کا خالق ہونا بھی محال ہے۔ یہاں اس سے مراد ان کا یہ قول ہے المملکۃ نبات اللہ کیونکہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ بچہ والد کے نطفہ سے جنم لیتا ہے اور نطفہ والد کا جزء ہوتا ہے اسی وجہ سے بچہ کو والد کا جزء یا ضعیف کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے فاطمۃ بضعة منی فمن اعضبها اعضبنی۔ فاطمہ میرا جزء ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا (1) اسے امام بخاری نے مسور بن مخرمہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور حاکم کے نزدیک ان الفاظ کے ساتھ روایت مروی ہے فاطمۃ بضعة منی یغضبنی ما یغضبہا ویبسطنی ما یبسطہا۔ قیامت کے روز تمام رشتے ختم ہو جائیں گے مگر میرا نسب اور سرالی رشتہ قائم رہے گا۔

فرمایا انسان واضح یا شکر کی کرنے والا اور بہت زیادہ جہالت سے کام لینے والا ہے کیونکہ وہ یہ نہیں پہچانتا کہ اسے کس چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا چاہیے اور کسے منسوب نہیں کرنا چاہیے۔

ع۔ اس جملے کا عطف یغفل پر ہے یا یہ تعلق فعل کے فاعل سے حال ہے یا جملہ مستأنف ہے اور اس سے پہلے قول مقدر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ۱۔ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بِنْتٍ وَ اَصْفَكَ بِالنِّسْبِ۔ اسی قول کی وجہ سے کم ضمیر کا ذکر کرنا جائز ہے ورنہ یہ دو ایسی کلاموں کے درمیان واقع ہے جو غائب کی طرف منسوب ہیں۔ دو کلاموں سے میری مراد وجعلوا له من عبادہ جزءا اور اذا بشر احدہم ہے۔

ام مطلقہ یہ ہمزہ کے معنی میں ہے۔ مقصود تو بیع انکار اور تعجب کا اظہار ہے بلکہ یہاں کے قول ان لله ولد اسے اضراب ہے۔ معنی یہ ہے کہ انہوں نے اسی پر قناعت نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ کے اجزاء بنادیے بلکہ اس کی مخلوقات میں سے کمر و چیزوں کو اس کا جزء بنایا جبکہ وہ اجزاء (بیٹیاں) ان کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہیں کیونکہ جب انہیں اس چیز (بیٹی) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو ان کے غم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا صَرَبَ لِلرَّاحِلِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَ هُوَ كَظِيمٌ ۝ اَوْ مِّنْ يُّنْشَوْنَ فِي الْحُلِيِّ وَ هُوَ فِي الْخَصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ۝

”اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے رحمان کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (خرو) رخ سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے۔ کیا وہ (ایسی اولاد دے گا) جو پروان چڑھتی ہے زیوروں میں اور وہ مباحثہ کے وقت اپنا دعا واضح نہیں کر سکتی ع۔“

ع۔ مثل سے مراد یا تو وہ جنس ہے جسے اللہ تعالیٰ کی جنس بتایا گیا کیونکہ بچے کے لیے ضروری ہے کہ وہ والد کی جنس سے ہو۔ یا مثل سے مراد صفت اور حالت ہے۔ معنی ہوگا جب ان میں سے کسی کو اس وصف کی بشارت دی جائے جسے وہ اللہ تعالیٰ کا وصف قرار دیتے ہیں تو شدت غم کی وجہ سے ان کے چہرے سخت سیاہ ہو جاتے ہیں جبکہ ان کا دل کرب سے بھرا ہوتا ہے جملہ شرطیہ کو مبتدا مقدر ماننے کے ساتھ ہم ضمیر مقدر سے حال ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ۱۔ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بِنْتٍ وَ اَصْفَكَ بِالنِّسْبِ۔ اسی قول کی وجہ سے کم ضمیر کا ذکر کرنا جائز ہے ورنہ یہ دو ایسی کلاموں کے درمیان واقع ہے جو غائب کی طرف منسوب ہیں۔ دو کلاموں سے میری مراد وجعلوا له من عبادہ جزءا اور اذا بشر احدہم ہے۔

ع۔ خفض ہمزہ اور کسائی نے ینشؤ۔ کو باب تفعیل سے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ جس کا معنی ہے جس کی تربیت کی گئی ہو جبکہ باقی قراء نے مجرد سے معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ یعنی جو زیورات میں پروان چڑھتی ہے تو اس سے مراد غور تیس ہیں کیونکہ ان کا حسن صورت میں

مختصر ہوتا ہے اور زیورات سے آراستہ ہوتی ہیں تاکہ حسن پر بھج جائے۔ مردوں کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ ان کا عمومی حسن اوصاف والقدار کی وجہ سے ہوتا ہے اس وجہ سے وہ زیورات کا قیام نہیں ہوتا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زیب و زینت میں پروان چڑھنا اچھائی میں سے نہیں اس لیے مردوں پر ضروری ہے کہ وہ اس سے اجتناب کریں اور تقویٰ کے لباس سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔ کیونکہ عقل میں کمی جیسوں اور دلوں میں کمزوری ہونے کی وجہ سے وہ مقابلہ اور جھگڑے میں زبان اور تلوار سے اپنا مدد عیاں نہیں کر سکتیں۔ قنادہ نے کہا جو عورت بھی اپنے حق میں بات کرنا چاہتی ہے وہ ایسی بات کر دیتی ہے جو اس کے خلاف دلیل بن جاتی ہے (1) من ینشؤ۔ یہ محل نصب میں ہے اس کا عطف بنات پر ہے۔ ہمزہ کو کمر اس لیے ذکر کیا تاکہ انکار کی تاکید تو فیح اور توجب کے اظہار کا فائدہ دے۔ یہاں معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرۃ صفات میں اختلاف کی صورت میں ہے۔ معنی یہ ہوگا کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے بیٹوں کو اپنا جزاء بنایا ہے کفار کے نزدیک مغضوب اور ناپسند ہیں انکے چہروں کی سیاهی کا باعث ہیں زیورات پہنے پروان چڑھتی ہیں۔ دل، عقل اور جسم کے اعتبار سے کمزور ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل رفع میں ہو، مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو اس کا عطف مبتدا محذوف پر ہو۔ تقدیر کا م یہ ہوگی امن کان شانہ ما ذکر ومن ینشوا فی الحلیۃ ومن هو فی الخصام غیر مبین ولد اللہ سبحانہ۔ کیا جس کی مذکورہ شان ہے اور جو زیورات میں پروان چڑھتی ہے اور جو جھگڑے کے وقت اپنا نظر ظہر بیان نہیں کر سکتی وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے؟

وَجَعَلُوا الْبُلْبُلَکَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبْدُ الرَّحْمٰنِ اِنَّا کُلُّ اَشْهَدُوْا خَلَقْنٰهُمْ
سَتَنْکَبُ شَہَادَتُھُمْ وَیَسْکُنُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَیْکَ الرَّحْمٰنُ مَا عٰبَدُوْا لَھُمْ مَا لَھُمْ
بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یُخْزَوْنَ ۝

”اور انہوں نے ظہر الیا ہے فرشتوں کو جو (خداوند) رحمان کے بندے ہیں عورتیں کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت کھلے جائیگی ان کی گواہی اور ان سے باز پرس ہوگی۔ اور (کفار) کہتے ہیں کہ اگرچاہتا (خداوند) رحمن تو ہم انہیں نہ پوچھے انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔“

لے نافع اور ابن کثیر نے عند پڑھا ہے کہ یہ ظرف ہے جبکہ باقی قراء نے عباد پڑھا ہے جو عبد کی جمع ہے۔ اس جملہ کا عطف وجعلوا لہ من عبادہ جزاء پر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ذکر کی ہے جو اس کے شایان شان نہیں انہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے اس کا ایک بیٹا ہے جبکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں بلکہ اس کی تذلیل ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہترین اور مقرب بندے ہیں انکی کوئی کیفیت نہیں یہ بات کر کے انہوں نے فرشتوں کی تذلیل کی ہے۔

اہل مدینہ نے اشد پڑھا ہے پہلا ہمزہ استفہام انکاری ہے اور مذکورہ طعن و تفتیح کی علت بیان کرتا ہے جبکہ دوسرا ہمزہ مضموم ہے اور یہ باب افعال سے فعل ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ قالون نے الی خطی کی روایت سے اس کے برعکس پڑھا ہے وہ دونوں ہمزوں کے درمیان الف ساکن کا اضافہ کرتا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے ایک ہمزہ استفہام کا پڑھا ہے اور مجرد سے فعل ماضی معروف کا صیغہ پڑھا

ہے پہلی قرأت کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کیا انہیں حاضر کیا گیا تھا دوسری قرأت کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جب فرشتوں کو موبت بنایا جا رہا تھا اس وقت وہ حاضر تھے تو فرشتوں کے خلاف ان لوگوں کی گواہی نکلی جائے گی کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انھیں شرمندہ کرنے کے لیے قیامت کے روز ان سے سوال کیا جائے گا۔

ابن منذر نے قنادہ سے نقل کیا ہے کہ منافقوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا جنوں سے رشتہ ازدواج قائم ہے۔ نفوذ باللہ اور فرشتے اس کی اولاد ہیں تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی (1) امام بغوی نے کہا کبھی اور مقاتل نے کہا جب اہل مکہ نے یہ قول کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تمہیں یہ کس نے بتایا؟ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو انہوں نے جواب دیا ہم نے اپنے آپاء واداء سے سنا ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بول سکتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور قیامت کے روز ان سے باز پرس ہوگی (2)۔

اس جملے کا عطف جَعَلُوا الشُّكُوكَ پڑے ہوئے کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم فرشتوں کی عبادت نہ کرتے۔ یہ قنادہ، مقاتل اور کبھی کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا یہاں ہم ضمیر سے مراد بت ہیں (3) انہوں نے یہ استدلال کیا کہ ان کی عبادت پر اللہ تعالیٰ کی مشیت کی نفی نہیں کی گئی اس لیے ان کی عبادت کے بارے میں بھی موجود نہیں۔ یا انہوں نے یہ استدلال کیا کہ ان کی عبادت کرنا اچھا عمل ہے یہ سب باطل ہے کیونکہ مشیت تو ایک ممکن کو دوسرے ممکن پر ترجیح دیتی ہے خواہ وہ ممکن مامور ہو یا ممنوع ہو، حسین ہو، یا قبیح ہو ان کی جہالت اور قہاحت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں یا اللہ تعالیٰ فرشتوں یا جنوں کی عبادت پر راضی ہے ان کا یہ دعویٰ کسی محسوس یا عقلی دلیل کی طرف منسوب نہیں جو علم کو ثابت کرے۔ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُونَ یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے، یعنی وہ ظن و تخمین سے باطل قول کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کے فساد کی وجہ کو ظاہر کیا اور ان کے شبہ کو بیان کیا پھر اس بات کی نفی کی کہ ان کے پاس محسوس یا عقلی دلیل موجود ہو پھر کلام کو ایک صورت کی طرف پھیر دیا کہ ان کے پاس کوئی نفی دلیل بھی موجود نہیں۔

اَمْ اَنْتُمْ كِتَابٌ مِّنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَشْبَهُونَ ۝ بَلْ قَالُوا اِنْ اَوْجَدْنَا نَبَاً عَنِ اَعْلٰی اُمَمٍ وَّاَنَا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ مُّقْتَدُونَ ۝ وَكَذٰلِكَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ اِلَّا قَالُوا مُجْرِفٌ هٰذَا اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی اُمَمٍ وَّاَنَا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ مُّقْتَدُونَ ۝

”کیا ہم نے وہی انہیں کوئی کتاب اس سے پہلے پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں بلکہ وہ خود کہتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نقوش پا پر چل رہے ہیں۔ اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا آپ سے پہلے کسی ہستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی بیرونی کرنے والے ہیں۔“

۱۔ ام مصلحہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرمان الشہد و احلفہم کا عدیل ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ان کی پیداائش کے وقت وہ حاضر تھے یا ان کے

پاس آسانی کتاب کا علم تھا۔ قبلہ میں ضمیر سے مراد قرآن ہے، یا ان کا دعویٰ ہے یعنی کیا اس سے پہلے بھی کوئی ایسی چیز تھی جو ان کے قول کی صحت پر دلالت کرے اور وہ اسی پر مضبوطی سے قائم ہیں؟

ع۔ اس کا عطف ام اتینا ہم پر ہے۔ معنی یہ ہو گا وہ انکی پیدا کس کے وقت حاضر نہیں تھے اور نہ انہیں کوئی کتاب دی گئی بلکہ وہ تو اپنے آباء و اجداد کی تقلید کی وجہ سے یہ باتیں کہے جا رہے ہیں یہاں امت سے مراد دین اور ملت ہے۔ دین اور ملت کو امت کا نام اس لیے دیا کیونکہ ان کا بھی قصد کیا جاتا ہے جس طرح جس شخص کی طرف کوچ کیا جائے اسے رحلہ کہہ دیتے ہیں۔ مجاہد نے کہا یہاں امت کا معنی امام ہے (۱) یعنی انکے پاس نہ عقلی دلیل ہے اور نہ ہی نقلی دلیل ہے بلکہ وہ تو اپنے آباء و اجداد کی تقلید کی طرف مائل ہو گئے اور اسی تقلید کو ابتداء کا نام دیا۔

ع۔ الا قال یہ استثناء مفرغ ہے جو قریہ کی صفت ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی الا فی قریۃ قال مرفوہا مترف کا معنی المادار ہے اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلی دی جا رہی ہے کہ ان جیسے امور میں تقلید انکی گمراہی ہے اور ان کے آباء و اجداد کے پاس بھی کوئی ایسا علم نہیں تھا جو حقیقت میں علم کے اسباب کی طرف منسوب ہو یہاں خوشحال لوگوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ شعور دلایا جائے کہ خوشحالی بھی صحیح نظر و فکر سے تقلید کی طرف جانے کا سبب ہے۔

قُلْ اَوْ لَوْ جِئْتُمْ بِاٰهْدٰى مِمَّا وُجِدْتُمْ عَلَیْہِ اِٰبَآءُكُمْ قَالُوْا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ
بِہٖ لَکٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاتَّقِنَا مِنْہُمْ فَاَنْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۱۱﴾

”اس نبی نے فرمایا کہ اگر میں لے آؤں تمہارے پاس زیادہ درست چیز اس سے جس پر پایا ہے تم نے اپنے باپ دادا کو (تب بھی؟) انہوں نے جواب دیا کہ ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اس کو نہیں مانتے۔ پس تم نے ان سے انتقام لیا (اور انکو کیسا) (المناک) انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔“

ع۔ حفص نے ماضی کا صیغہ قال پڑھا ہے کیونکہ مذکر نے جو انہیں کہا اس کی خبر ہے جبکہ باقی قراء نے اسے امر کا صیغہ پڑھا ہے اس صورت میں امر ماضی کی دکایت ہوگی جو اس سے پہلے مذکر کی طرف وحی کی گئی یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوگا پہلی قرأت کی تاکید کلام کا سیاق کرتا ہے کیونکہ فاتقننا منہم ماضی کا صیغہ ہے۔

ابو جعفر نے لو جئناکم جمع کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے واحد متکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ فعل سے پہلے ہمزہ استفہام انکاری ہے جبکہ واو حالیہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اتنبعون اباءکم و لو جئناکم۔ یعنی کیا تم پھر بھی اپنے آباء و اجداد کی اتباع کرو گے جبکہ جو میں تمہارے پاس پیغام لایا ہوں وہ زیادہ ہدایت کا باعث ہے؟ اس کی نسبت جس پر تم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا تھا تو کافروں نے انبیاء کے جواب میں کہا ہم اس پیغام کا انکار کرنے والے ہیں جو تم لائے ہو اگرچہ وہ دین زیادہ ہدایت کا باعث ہوا انکے اس قول کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ انبیاء کو اس امر سے مایوس کرنا چاہتے تھے کہ وہ اس دین میں غور و فکر کریں گے۔ اہدی صفت کا صیغہ ہے اس سے پہلے دین یا طریقہ کا لفظ بطور معطوف محذوف ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 111 (التجاریہ)

(۱) ما تعبّدوں کے پہلے معنی میں ماصد یہ ہے جبکہ دوسری صورت میں ماموصول ہے۔ (مترجم)

ع فرمایا ہم نے انہیں تباہ و برباد کر کے ان سے انتقام لیا آپ دیکھیں کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسے ہوا؟ جن لوگوں نے آپ کو جھٹلایا ہے ہم ان سے بھی اسی طرح انتقام لیں گے اس لیے آپ انکے جھٹلانے سے غمگین نہ ہوں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبْنَيْهِ وَأَقْرَبَيْهِ وَاقْبِرُوا مِمَّا تَعْبُدُونَ ﴿١٠﴾ إِلَّا الذِّنِّى
فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيِّئُ الْبَيْنِ ﴿١١﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٢﴾
بَلْ مَتَّعْتُ هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ وَلَمَّا
جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿١٤﴾

”اور (یاد کیجیے) جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بے زار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ مجھ اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے شک وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اور آپ نے بنا دیا کلمہ تو حید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں تاکر وہ (اس کی طرف) رجوع کریں۔ بلکہ میں نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں اور ان کے آباء و اجداد کو یہاں تک کہ تمہاں ان کے پاس حق اور کھول کر بیان کرنا اور رسول نے اور جب آگیا ان کے پاس حق تو وہ کہنے لگے یہ تو جاوہ ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔“

۱۰۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں تمہاری عبادت یا تمہارے معبودوں سے بری ہوں۔ یہاں براہ مصدر ذکر کیا اسے صفت کے صیغہ کی جگہ بطور مبالغہ ذکر کیا ہے اسی وجہ سے اس کا شنیہ اور جمع کا صیغہ ذکر نہیں کیا جاتا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے برأت کا اظہار کیا تھا تاکہ یہ لوگ بھی اندھی تقلید سے برأت کریں اور قطعی دلیل کی پیروی کریں یا اگر تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید کرو کیونکہ یہ سب اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ انکے آباء میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے معزز ہیں۔

۱۱۔ فطرنی کا معنی ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ یہ متعلق منقطع ہے یا متصل ہے۔ متصل کی صورت میں ماضی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کو عام ہوگا کیونکہ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے جو ذہن العقول نہیں یا یہ استثناء نہیں بلکہ صفت ہے کیونکہ بتعبدون میں ماضی موصوفہ ہے اس صورت میں تقدیر کا ماضی ہوگا اِنِّی بَرَاءٌ مِنَ الْهَيْهَةِ تَعْبُدُونَ لَهَا غَيْرِ الَّذِي خَلَقَنِي۔ یعنی جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہ مجھے ہدایت پر غایت قدم رکھے گا یا وہ مجھے کیے بعد و گمراہی کے درجہ عطا فرماتا جائے گا۔

۱۲۔ وجعلہا میں ضمیر مرفوع ہے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات ہے اور حاضریہ منصوب ہے مراد یہ کلمہ تو حید ہے جو آپ کے فرمان انہی برآء سے سمجھا جا رہا ہے عقیدہ سے مراد آپ کی اولاد ہے۔ قنادہ نے کہا آپ کی اولاد میں سے ہمیشہ ایسے افراد موجود رہے جو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرتے تھے (۱) قرطبی نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی وصیت کو آپ کی نسل اور اولاد میں باقی رکھا۔ ابن زید نے کہا اس سے مراد آپ کا یہ ارشاد ہے اسلمت لرب العالمین (۲) اس کی تلاوت کی کہو سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ تَعَالَىٰ۔

یعنی اے محبوب کرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کی بات ان کے سامنے بیان کیجئے شاید مکہ والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین اور آپ کی وصیت کی طرف پلٹ آئیں۔

بل اضراب کے لیے ہے اور یہ جملہ لعلمہم پر جعون سے اضراب ہے۔ یعنی میں نے ان موجود کفار کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر ہیں اور ان کے آباء و اجداد جو شرک پر ہی مرے انہیں لطف اندوز ہونے کا موقع دیا انکے لکھ کر انہیں جلد سزا ندی یہاں تک کہ انکے پاس قرآن اور رسول تشریف لے آیا۔ فحاک نے کہا حق سے مراد اسلام ہے رسول کی صفت تبین اس لیے ذکر کی کیونکہ آپ کی رسالت معجزات کے ساتھ ظاہر ہے۔ یا آپ تو حیدر و دلائل کے ساتھ ظاہر کرنے والے ہیں یا آپ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احکام کو ظاہر کرنے والے ہیں۔

یہ یہاں حق سے مراد قرآن ہے، یعنی جب انکے پاس قرآن آ گیا تو انہوں نے کہا یہ قرآن تو جادو ہے انہوں نے قرآن کو جادو اس لیے کہا کیونکہ وہ اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے۔

ابن جریر نے فحاک کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تو عربوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور کہا اللہ تعالیٰ اس سے بہت بڑے ہے کہ اس کا رسول کوئی بشر ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت اکان لئلا یعجبنا آؤ حنیفا..... نازل فرمائی (۹۱) جب اس جیسی آیات بار بار نازل ہونے لگیں تو انھوں نے کہا اگر بشر رسول ہو سکتا ہے تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْفَرِثِيِّينَ عَظِيمٍ ۖ أَهْمُ
يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۖ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ
رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سَخِرِيًّا ۖ وَ
رَحِمَتْ رَبِّكَ الَّذِينَ آمَنُوا ۝۱۰۱

”اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دوشیزوں میں بڑا ہے۔ کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زینت کو اس دنیوی زندگی میں اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض کو بعض پر مراتب میں تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں اور آپ کے رب کی رحمت (خاص) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“

لے قوی تبین سے مراد مکہ مکرمہ اور طائف ہے، یعنی ایسے شخص پر کیوں قرآن نازل نہیں ہوا جو مرتبہ اور مال والا تھا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت ایک عظیم منصب ہے جو عظیم آدمی کے بھی شایان شان ہے وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ ایک روحانی رتبہ ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انسان فضائل و کمالات سے آراستہ ہو اور اس میں تجلیات ذاتیہ اور صفاتیہ کے تحمل ہونے کی کامل استعداد موجود ہو نہ کہ اس کے لیے دنیاوی شان و شوکت کی ضرورت ہے۔

ابن منذر نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں اگر یہ حق ہوتا تو یہ قرآن مجھ پر یا مسعود ثقفی پر نازل ہوتا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (۱۰۲)۔

امام بخاری نے کہا مجاہد نے کہا کہ دجل عظیم سے مراد مکہ میں سے عتبہ بن ربیعہ اور طائف میں سے عبدالمطلب لیتے ایک قول یہ کیا

گیا کہ مکہ مکرمہ میں سے ولید بن مغیرہ اور طائف سے حبیب بن عمرو اور ہے یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے تو اللہ تعالیٰ نے انکے رد میں فرمایا (1)۔

ع میں اس میں استنبہام انکاری ہے رحمت سے مراد نبوت ہے اس میں انکے فیصلہ پر انکی جہالت کا اظہار ہے۔ انہیں شرمندہ کیا گیا ہے اور تہیب کا اظہار کیا گیا۔ معیشت سے مراد رزق ہے رُحْنُ قَسْبًا یَبِیْئُہُمْ والے جملہ میں انکی جہالت اور انہیں شرمندہ کرنے کی علت بیان کی جارہی ہے۔ درجات ترکیب کلام میں یہ نسبت سے تیز ہے۔ معنی یہ ہوگا ہم نے درجات کو بلند کیا جو مال اور مرتبہ کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بلند ہیں۔ ہم نے بعض کو غنی بنایا اور بعض کو فقیر بنایا۔ بعض کو مالک بنایا اور بعض کو مملوک بنایا۔ لیکن خدا جارح و جود و رعنا کے متعلق ہے مسخویرا کے آخر میں یاے نسبت ہے۔ قادمہ اور ضحاک نے کہا ان میں سے بعض اپنے مال کے ذریعے دوسرے کا مالک بن جاتا ہے لیکن وہ اپنے رزق میں اضافہ نہیں کر سکتا اور دوسرے کے رزق میں کمی نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مال میں جو کمی کی ہے اس پر اعتراض کرے (2) رَحْمَتُ رَبِّہِمْ میں رحمت سے مراد نبوت اور اس کے مہکلات ہیں تیرے رب کی رحمت، یعنی نبوت جو دنیا کی نعمتوں سے سب سے بہتر ہے جب انسانوں میں سے کوئی بھی دنیا میں اپنے طور پر اعلیٰ مقام حاصل نہیں کر سکتا تو اس کے لیے یہ کیسے ممکن ہے؟ کہ وہ انسانیت کا اعلیٰ ترین مرتبہ اپنے لیے مختص کر سکے جس کے لیے وہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم نعمت نبوت ہے دنیا کے سامان اور رزق عظیم نہیں یہ جملہ یا تو معطوف ہے یا حال ہے۔

کفار کے نزدیک کیونکہ عظمت و رفعت کا معیار دنیاوی مال و متاع تھا تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا حقیر اور ناپسندیدہ چیز ہے۔

وَلَوْلَا اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدًا لَّجَعَلْنَا لَیْسَنَ یُکْفِرُ بِاللَّحْنِ لَیْبُوہُمْ سُقُفًا وَّیَنْفُصُوہُمْ مَّعَارِیْہِمْ یَظْہَرُوْنَ ۝۱۱۱ وَ لَیْبُوہُمْ اَبْوَابًا وَّ مَّہْرًا عَلَیْہِمْ اَیَّتَکُوْنَ ۝۱۱۲ وَ رُحُفًا ۝۱۱۳ اِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا تَمَّ الْحَیْوَةُ الدُّنْیَا ۝۱۱۴ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝۱۱۵

”اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم بنا دیتے ان کیلئے جو انکار کرتے ہیں زمین کا ان کے مکانوں کے لیے جھٹیں چاندی کی اور سبز ہیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی) ۱۱۱ اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ کلیے لگاتے ہیں وہ بھی چاندی ۱۱۲ اور یہ سب (سنہری روپہلی) چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہیں اور آخرت (کی عزت و کامیابی) آپ کے رب کے نزدیک پرہیزگاروں کیلئے ہے۔“

۱۔ کیونکہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور آخرت سے غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں اگر ان سب کے کافر ہو جانے کا خدا نہ ہوتا تو ہم چاندی کے چھت اور سبز ہیاں بنا دیتے جن کے ذریعے وہ اوپر چڑھتے۔ ترکیب کلام میں ان اپنے صلہ سے مل کر مبتداء ہے اور انکی خبر محذوف ہے جو حاصل ہے۔ لولا کا جواب لجعلنا ہے لیونہم یہ لمن یکفو سے بدل اشمال ہے یا انکی ملت ہے جس طرح تیرا قول ہے وَ هَبْ لَہُ ثَوْبًا لِّیَقْبِضَہُ میں نے انکی قمیض کے لیے است کرا دیا۔ ابن کثیر اور ابو جعفر نے سقفا پڑھا ہے، یعنی یہ واحد کا

معنی ہے اور جنس مراد ہے جبکہ باقی قراء نے صفت کی جمع متعلقہ پڑھنا ہے جس طرح دھن کی جمع دھن آتی ہے ابو عبیدہ نے کہا اس کی کوئی اور مثال نہیں ہے کہ فعل کی جمع فعل کے وزن پر ہو (1) ایک قول یہ کیا گیا یہ صفت کی جمع ہے ایک قول یہ کیا گیا یہ جمع کی جمع ہے، یعنی صفت کی جمع متعلقہ اور متعلقہ کی جمع متعلقہ آتی ہے۔ معارج کا معنی چاندی کی بیڑھیاں ہیں۔ معارج کی صفت من فیضہ ذکر نہیں کی کیونکہ یہ اس کے معنوں میں مذکور ہے وہاں اس کا ذکر کافی ہے۔

۱۱۔ منہ کی جمع منہ ہے یعنی ہم ان کے لیے چاندی کی چار پائیاں بنا دیتے۔

۱۲۔ زخرف کا معنی زینت ہے اس کا عطف صفت ہے یا اس کا معنی سونا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے اَوَلَمْ يَكُنْ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ۔ اس کا عطف من فیضہ کے محل پر ہے۔ زخارف کے لیے دنیا کی شخصیں اس لیے ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کو مبغوض ہے اور کافر بھی اللہ تعالیٰ کو مبغوض ہے اس لیے مبغوض چیز مبغوض کو دے دی جائیگی۔ ذلک اسم اشارہ ہے مراد چاندی کا چھت، زینے، دروازے، پلنگ اور انکی زینت سب ہیں۔

عام حمزہ اور ہشام نے لھا کو کھما پڑھا ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہاں ان تافیر ہے۔ اور لھا الا کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہے گایہ سب نہیں ہے گردنای زندگی کا سامان ہے اس کو کوئی بقاء حاصل نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی کوئی تقدور قیمت ہے جبکہ باقی قراء نے لھا کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ ان متعلقہ سے مخففہ ہے۔ امام تافیر اور تائید میں فرق رکھنے کے لیے ہے اور اس میں مازاندہ ہے۔ جبکہ در آخرت اللہ تعالیٰ کے علم اور فیصلہ میں متیقن کے لیے ثابت ہے۔ اَلْآخِرَةُ خَيْرٌ مِّنْ الْأُولَىٰ کا موصوف الدار ہے۔ یہاں متیقن سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور گناہوں سے بچتے ہیں۔ اس آیت میں اس امر پر دلالت ہے کہ آخرت میں عظیم چیز عظیم لوگوں کے لیے ہوگی دنیا میں ایسا ہوتا ضروری نہیں ساتھ ہی یہ شعور بھی دلایا جا رہا ہے کہ دنیا کی تمام آسائشیں مؤمنوں کے لیے کیوں نہیں بنائی گئیں ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لیے مختص کر دی گئی ہیں کیونکہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہے اس لیے مناسب تو یہ تھا کہ یہ سب کی سب کافروں کے لیے مختص کر دی جائیں مگر یہ اندیشہ تھا کہ کہیں مارے لوگ کفر پر ہی جمع نہ ہو جائیں۔ اگر دنیا کی آسائشیں اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہوتیں تو کسی کافر کو بھی ان میں سے کچھ بھی عطا نہ کیا جاتا۔

حضرت سہیل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں جھمر کے پر کے برابر بھی قدر رکھتی تو کافر کو پانی کا گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتا (2) ایک روایت میں پانی کا قطرہ نصیب نہ ہوتا کے الفاظ ہیں اسے امام ترمذی اور نسیا نے روایت کیا ہے۔

مستور بن شداد سے مروی ہے کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کبریٰ کے ایک مردہ بچے کے پاس خضر سے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم دیکھ رہے ہو کہ یہ بچہ مالکوں کے نزدیک بے وقعت ہوگی یہاں تک کہ انہوں نے اسے باہر پھینک دیا صحابہ نے عرض کی اس کے بے قدر ہونے کی وجہ سے ہی اسے پھینکا گیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دنیا اس سے بھی بڑھ کر حقیر چیز ہے اسے امام بغوی نے روایت کیا (3)۔

ابو نعیم نے داؤد بن ہلال صلی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صفیوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اے دنیا تو نیک لوگوں کی نظر میں کتنی حقیر ہے تو ان کے سامنے مزین ہو کر جاتی ہے لیکن میں نے ان کے دلوں میں تجھ سے نفرت اور تجھ سے اعراض کیا ہے بغوی جلد 6 صفحہ 112 (اتحادیہ)

2۔ جامع ترمذی جلد 2 صفحہ 56 (فاروقی)

3۔ تفسیر بغوی جلد 6 صفحہ 112 (اتحادیہ)

پیدا کر دیا ہے۔ میں نے تجھ سے زیادہ حقیر کوئی چیز پیدا نہیں کی تو ہر اعتبار سے حقیر ہے تیرا انجام نفا ہو تا ہے جس وقت میں نے تجھے پیدا کیا تھا اسی وقت فیصلہ کیا تھا کہ تو کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہے گی اور نہ ہی کوئی تیرے لیے ہمیشہ رہے گا اگرچہ مالک تیرے لیے کتنا حریص کیوں نہ ہو اور تیرے بارے میں بخل کیوں نہ کرے نیک لوگوں کو مبارک ہو جو راضی دلوں کے ساتھ مجھے دیکھتے ہیں اور صدق و اسقامت پر قائم رہتے ہوئے۔ وہ میری طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کے لیے میرے پاس جو بڑا ہے وہ ان کے لیے مبارک ہو جب وہ قبروں سے اٹھ کر میری طرف آئیں گے تو نور ان کے سامنے دوڑ رہا ہو گا فرشتے انھیں گھیرے ہوئے ہو گئے یہاں تک کہ وہ نور انہیں اس رحمت تک پہنچا دے گا جس کی وہ مجھ سے امید کرتے تھے۔

حضرت جابر سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب ملعون ہے مگر جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو (1) اسے ضیاء نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے اور طبرانی نے اوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے اسی جیسی مرفوع روایت نقل کی ہے صرف استثناء میں یہ ذکر ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے لوازمات، عالم اور معلم۔ بزاز نے حضرت ابن مسعود سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے اس میں استثناء یہ ہے مگر نیکی کا حکم یا بدائی سے رو کیا یا اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ طبرانی نے کبیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے اسی طرح کی مرفوع روایت نقل کی ہے استثناء یہ ہے مگر جس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت مروی ہے کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہ ہو اسے وحی جمع کرتا ہے جس میں کوئی عقل نہ ہو (2)۔ اسے امام احمد اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود سے موقوف روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابن عمر سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا موسن کے لیے قید خانہ اور خفیف سا خواب ہے جب وہ دنیا چھوڑتا ہے تو وہ قید خانہ اور خواب کو چھوڑتا ہے (3)۔ اسے امام احمد طبرانی، حاکم نے مستدرک میں اور ابوصمیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا موسن کا قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے (4)۔ اسے امام احمد، مسلم نے صحیح میں اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی اور حاکم نے حضرت سلمان سے اور بزاز نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ موسن دنیا میں اگرچہ خوشحال ہی ہو تاہم آخرت میں اس کے لیے جو خواب تیار کیا گیا ہے دنیا اس کے مقابلہ میں قید خانہ اور خواب ہے۔ کافر اگرچہ دنیا میں مصیبت اور تکلیف سے دوچار ہوتاہم آخرت میں اس کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں دنیا اس کے لیے جنت ہے واللہ اعلم۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسند فردوس کے مؤلف نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل آخرت کے لیے دنیا حرام ہے اور اہل دنیا کے لیے آخرت حرام ہے جبکہ اہل اللہ کے لیے دونوں حرام ہیں (5) تو اس کا کیا مفہوم ہے۔

میں کہتا ہوں میرے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ مؤمنین پر دنیا کی محبت حرام ہے دنیا کے سامان سے لطف اندوز ہونا حرام نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالْقِلَيبَ مِنَ التَّوْبَتِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

- | | |
|---|--|
| 1۔ سنن ابن ماجہ، جلد 4، صفحہ 470 (اعلیٰ) | 2۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 515 (مکمل) |
| 3۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 447 (قدیمی) | 4۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 407 (قدیمی) |
| | 5۔ مسند الفردوس، جلد 2، صفحہ 230 (اعلیٰ) |

خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی آسائشیں مومنوں پر حرام نہیں) جو آدمی دنیا کی محبت میں منہمک ہو گیا اس نے آخرت میں اپنا نقصان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا۔ جس نے آخرت سے محبت کی اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا اس لیے فانی چیز پر باقی کو ترجیح دو (۱) امام حاکم نے مستدرک اور امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ سے روایت نقل کی ہے کہ جس کے پیش نظر صرف دنیاوی مقاصد ہوں اس پر آخرت کی نعمتیں حرام ہوتی ہیں اس سے مراد کافر ہیں انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قُلْ لِّلْكَافِرِينَ مَنَاصِبٌ مَّا يَفْقَهُوْنَ رَبَّنَا إِنِّي أَسْأَلُكَ وَاللَّهُ يَاسْمَعُ ﴿۱۰﴾ فی الْآخِرَةِ مِمَّنْ خَلَقْنَا ﴿۱۱﴾ اہل اللہ پر دنیا اور آخرت کی محبت حرام ہے اہل اللہ وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھرے ہوئے ہیں ان کے دل دنیا و آخرت کی کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت مائی رابعہ بصریہ نے اپنے ایک ہاتھ میں پانی کا برتن لیا اور دوسرے ہاتھ میں آگ لی ان سے عرض کی گئی کہاں کا ارادہ ہے؟ تو فرمایا میرا ارادہ ہے کہ میں جہنم کو سمجھا دوں اور جنت کو سمجھا دوں تاکہ لوگ جنت کے لالچ اور جہنم کے خوف سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کریں بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے اسکی عبادت کریں۔

حضرت محمد الفاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا حضرت مائی راہبہ مصریہ کا یہ ارشاد دیکر یہ جتنی بے مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ جنت کی خواہش کرے لیکن مخلص جنت کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی خواہش کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا محل ہے۔ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عرصہ کا محل ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا جائز ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ یا بندے کے حق کی وجہ سے حرام نہ ہوں جس طرح ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں روزی کا ماننا جائز ہے بلکہ فرض ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ کی فرض کی ادائیگی کے بعد حلال روزی کی تلاش فرض ہے (2)۔ اسے طہران اور ابوبکر نے نہضت ابن مسعود سے روایت کیا ہے تو پھر دور اور دنیا کی محبت کا کیا معنی ہوگا؟

میں کہتا ہوں دنیا کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسے آخرت پر ترجیح دے اس کے حصول اور اس کی لذتوں میں شہمک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثواب حاصل کرنے اور عذاب سے بچنے سے غافل ہو جائے مال جمع کرنے اور لمبی آرزوں کا حریص ہو جائے انصاف کو کھراہ سے بہتر جانے انصاف دولت و ثروت کے باعث انہیں فقراء پر ترجیح دے کسی کی اذیت سے بچنے یا اسان کا بدلہ چکانے کے لیے احمقانہ حکیم نہ کرے یا کسی اور جائز امر کی وجہ سے انہیں ترجیح نہ دے یا وہ زمین میں برتری حاصل کرنے یا فساد کے ارادہ سے ایسا کرے جہاں تک روزی کی تلاش اور اموال کے حاصل کرنے کا تعلق ہے اگر وہ روزی نکاتا ہے تا کہ وہ اسے اپنی ذات پر خرچ کرے جس کے نتیجے میں وہ عبادت کے قائل ہو جائے یا مال خانہ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے مال نکالے تو یہ کوئی مکروہ نہیں بلکہ اس طرح مال حاصل کرنے کی صورتوں میں کچھ مکرہیں واجب ہیں اور کچھ مستحب ہیں اور کچھ مباح ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حلال مال نکالیا خود کھلایا یا اسے پہنا اور پھر دوسروں کو اس سے کھلایا پہنایا تو اس کا یہ عمل اس کی زکوٰۃ بن جائے گا ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوسعید کی حدیث سے روایت کیا ہے لیکن مسنون طریقہ یہ ہے کہ دنیا کی طلب میں وہ باوقار انداز اپنائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی طلب میں باوقار انداز اپناؤ کیونکہ ہر ایک کو اسی چیز کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہوتا ہے اسے ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

وَمَنْ يُضِلَّ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِصْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۖ وَإِنَّهُمْ
لَيَصِدُّونَ ۚ وَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهُتَدُونَ ﴿٥﴾

اور جو شخص (دانت) اندھا بناتا رہے ان کے ذکر سے لے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کیلئے ایک شیطان پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان (انہوں) کو راہ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔“

یعنی جو آدمی قرآن سے اعراض کرتا ہے دنیاوی لذتوں میں مشغول ہونے اور شہوات میں منہمک ہونے کی وجہ سے اس سے اندھا بننے کی کوشش کرتا ہے (۱) جب اس فعل کا صلائی استعمال ہو تو اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے کہ تو نے ہدایت پاتے ہوئے اس کا قصد کیا اور جب اس کا صلائی استعمال ہو تو اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے تو نے اس سے اعراض کیا۔ جس طرح یہ بتلے بولے جاتے ہیں عدلت الی فلان وعدلت عنه۔ یعنی میں نے اس کی طرف میلان کیا اور اس سے انحراف کیا اسی طرح رغبت وغبت وغبت وغبت کا معنی ہوتا ہے غلیل بن احمد نے کہا خشو کا معنی ہے کمزور نظر سے دیکھنا (۱)۔

۱۔ یعقوب نے نقیض کو امداد ذکر کا باب کا صیغہ نقیض پڑھا ہے اس صورت میں ہو ضمیر لفظ الرحمن کی طرف لوٹنے کی جگہ باقی قرآن لے جمع متکلم کا صیغہ پڑھا ہے جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے ذکر کیا، یعنی ہم شیطان کو اس کا ساتھی بنا دیتے ہیں اور اس پر مسلط کر دیتے ہیں تو شیطان ہی اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتا۔ شیطان اس کے لیے برے اعمال کو مزین کر کے پیش کرتا ہے اور اس کے سامنے یہ تصویر پیش کرتا ہے کہ وہ ہدایت پر ہے۔

۲۔ ہم ضمیر سے مراد شیاطین ہیں، یعنی شیاطین اسے ہدایت کے راستے سے روک دیتے ہیں ہم ضمیر من موصولہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اسے جمع ذکر کیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق کے راستے سے اندھے بنتے ہیں ساتھ ہی ساتھ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یحسبون والا جملہ لیصدونہم میں ہم ضمیر منصوب سے حال ہے اور پھر یہ عمل جملہ معترضہ ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا آيَّتُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَيَنْبَسُ
النُّجُومُ ﴿٦﴾ وَلَكِنْ يَنْتَقِعُ الْيَوْمُ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُسْتَكْرُونَ ﴿٧﴾

”یہاں تک کہ جب وہ (انہا) ہمارے پاس آئیں تو (آنکھیں کھل جائیں گی) کہے گا کاش! میرے درمیان اور (اے

۱۔ تفسیر ابنی، جلد ۸، صفحہ ۱۱۳ (التجاریہ)

(۱) حضرت محمد بن عثمان غزوی سے مروی ہے کہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی کے لیے ایک آدمی مین کیا جو اسے اپنا نعمہ بنائے حضرت ابوبکر صدیق کے لیے انہوں نے طلحہ بن عبید اللہ کو مین کیا۔ طلحہ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس اس وقت آیا جب آپ اپنی قوم میں تشریف فرماتے حضرت ابوبکر صدیق نے پوچھا تم مجھے کسی چیز کی طرف لاتے ہو تو طلحہ نے کہا میں تجھے لات دھڑی کی عبادت کی طرف لات دیتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے پوچھا اسے کیا چیز ہے تو طلحہ نے کہا میں ان ہیں حضرت ابوبکر صدیق نے پوچھا ان کی ماں کون ہے تو طلحہ نے کہا ان کی ماں وہ ہے جو طلحہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہے کہ ان کی جواب دو تو ہم بھی خاموش رہی تو طلحہ نے کہا ہے ابوبکر! انہو اور کہا اشہد علیہم کہ وہ انہو کی جواب دے۔ طلحہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہے کہ ان کی جواب دو تو ہم بھی خاموش رہی تو طلحہ نے کہا ہے ابوبکر! انہو اور کہا اشہد لا الہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

شیطان (حیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی تو توبت برا ساکتی ہے اور یہ (شور و فغاں) تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا آج جبکہ تم (دنیا میں) ظلم کرتے رہے تم (سب) اس عذاب میں حصہ دار ہو جاؤ۔“

۱۔ یہ جملہ اسکے گمان کی غایت ہے البتہ کہ علاوہ عراق کے قراء نے جہاں مفرکہ کا صیغہ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے تنذیر کا صیغہ پڑھا ہے پھر معنی یہ ہوگا جب اندھا بنے والا اور اس کا شیطان آئے گا ان دونوں کو ایک ہی سلسلہ میں رکھا گیا ہے تو اندھا بننے والا شیطان کے بارے میں کہے گا کاش میرے اور اس کے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی۔ یہاں حرف یا تنبیہ کے لیے ہے یا منادی کا حذف ہے۔ اصل عبادت اس طرح تھی یا قوانین۔ مشرقین سے مراد مشرق و مغرب ہے مشرق کو مغرب پر غلبہ دیا اور اس کا تنذیر بنا دیا اور بعد کی انکی طرف اضافت کر دی۔ یا اس سے مراد وہ تم گمراہ اور مومن سرما کا مشرق ہے حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے جب کافر کو اپنے شیطان ساتھی کے ساتھ اٹھایا جائے گا تو وہ اس سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ جہنم میں جا پہنچے گا (1)۔

۲۔ یہاں الیوم سے مراد آخرت ہے اذا، الیوم سے بدل ہے، یعنی جب یہ واقعہ ہو گیا کہ تم نے شرک کیا ہے اور تم نے دنیا میں اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو پھر جس طرح تم عذاب کا باعث بنے والی چیز میں مشترک تھے اس طرح تم عذاب میں بھی اکٹھے رہو گے یہ بھی جائز ہے کہ اَلْکَلَمُ فی الْعَذَابِ مَشْتَرُکٌ یُنْذِرُ لَنْ یَنْفَعَكُمْ کَافِلٌ یُوْخِرُ مَعْنٰی یہ ہوگا تنبیہ کہ تمہارا عذاب میں اکٹھے ہونا تمہیں کچھ نفع نہ دے گا جس طرح کسی مصیبت میں گرفتار لوگ ایک دوسرے کی مدد کر کے فائدہ پہنچاتے تھے، یعنی دو ایک دوسرے کا بوجھ اٹھاتے اور تکالیف کو تقسیم کر لیتے۔ عذاب میں ان کے اکٹھا ہونے کے باوجود انہیں نفع حاصل نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کیونکہ جہنمی اور اس کا ساتھی شیطان، شیطان سے پورا پورا حصہ لے رہا ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ ولن ینفعکم یہ قال یا لیسے کے فاصلے سے حال ہو اور غائب کے صیغہ سے مخاطب کے صیغہ کی طرف التفات ہو۔

اَقَاتَتْ شُوبَهُ الصُّمُّ اَوْ تَهْدٰی الْعُیُ وَ مَن كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۰ فَاَمَّا نَذَرَ هٰبٍ یَّکُ
فَاِنَّا اِنْمَهُم مُّنتَقِمُوْنَ ۝۱۱ اَوْ یُرِیْکَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝۱۲

”کیا آپ سنا چاہتے ہیں، بہرہوں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو کھلی گمراہی میں ہیں لیکن پس اگر تم لے جاؤ آپ کو (اس درویشی سے) تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے یا ہم آپ کو دکھادیں گے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ پس ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں۔“

۱۔ انت ضمیر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ وَمَن كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کا مطلق الیوم پر ہے جملہ کے آغاز میں استقہام انکار اور تعجب کے لیے ہے۔ فاء عاطفہ ہے اور اس کا مطلق کلام محذوف پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَنْتَ تَرِیدُ اَنْ تَهْدِیْہِمُ فَهَٰذَا تَسْمَعُ الصُّمَّ، یعنی آپ ان لوگوں کو ہدایت دینے پر قادر نہیں کیونکہ یہ کفر میں بہت آگے نکل چکے ہیں اور گمراہی میں اس قدر مستغرق ہیں کہ کفر کی تاریکی انکی آنکھوں پر پردہ اور کانوں میں گرانی بن چکی ہے گویا وہ آپ کا کلام سنتے ہیں اور نہ اس راستہ کو دیکھتے ہیں جس کی طرف آپ ان کی راہنمائی کرتے ہیں۔

۲۔ اعمائیں ان طریقہ سے جو مازاندہ کے ساتھ متصل ہے جو تاکید کا فائدہ دے رہا ہے دونوں کا مجموعہ لام قسم کے قائم مقام ہے اسی وجہ

سے فعل کے آخر میں نون تاکید تھیہ موجود ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر انہیں عذاب دینے سے پہلے ہم آپ کو موت عطا کر دیں تو ہم آپ کے بعد ان سے دنیا اور آخرت میں انتقام لیں گے۔

۱۔ یا ہم نے انہیں عذاب دینے کا جو آپ سے وعدہ کیا وہ دنیا میں ہی آپ کو دکھا دیں گے اور ہم اس پر قادر ہیں اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ ہم انہیں عذاب دینے کی قدرت رکھتے ہیں وہ ہم سے بھاگ نہیں سکتے۔ ہم جس طرح چاہتے ہیں ہم انہیں عذاب دے سکتے ہیں۔ ہم ضمیر سے مراد مکہ کے مشرک ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بدر کے روز انتقام لیا یہی اکثر مفسرین کا قول ہے حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے مسلمان ہیں کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نپی کو عزت سے نوازا آپ نے اپنی امت میں ایسی چیزیں ہی دیکھیں جس سے آپ کی آنکھوں کو ہشترک نصیب ہوئی۔ مصاب کو آپ کے بعد تک موقوف کر دیا (۱) روایت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ دکھایا گیا جو آپ کے بعد آپ کی امت میں وقوع پذیر ہونے والا تھا تو اس کے بعد آپ کو سکرناے اور خوش ہند کیا گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو قبض کر لیا (۲) میں کہتا ہوں شاید اس سے مراد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہو اور بنو امیہ کے حکمرانوں نے جو کچھ کیا تھا وہ مراد ہو۔ عبد الرحمن بن مسعود عہدی سے مروی ہے کہ حضرت علی شیر خدا نے اس آیت کریمہ کو پڑھا اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں سے تشریف لے گئے اور آپ کے دشمنوں میں اللہ کا عذاب باقی رہا۔

فَأَسْمِكُ بِالْأَنزَىٰ أُوْحَىٰ إِلَيْكَ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَعْيُنًا
وَلِأَعْيُنُكَ لَأَعْيُنًا ۖ وَسَوْفَ يُسْأَلُونَ ۝

”پس مضبوطی سے پکڑے رہے اس (قرآن) کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔

اور بے شک یہ بشارت ہے آپ کیلئے اور آپ کی قوم کیلئے اور (اے فرزند ان اسلام) تم سے جواب ملے گی۔“

۱۔ الذی اوحی الیک سے مراد وحی متلو اور وحی غیر متلو دونوں ہیں انہیں یاد رکھیے اور ان پر عمل کیجئے۔ اس میں فاء سیبہ ہے یہ جملہ انا جعلناہ قرآنا عربیاً کے ساتھ متعلق ہے درمیان میں جملے متعرضہ ہیں آپ ایسے راستہ پر ہیں جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے جملہ

استمسک فعل امر کی علت ہے۔

2۔ تفسیر بنوی، جلد 6 صفحہ 113 (التجاریہ)

1۔ تفسیر بنوی، جلد 6 صفحہ 113 (التجاریہ)

(۱) حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل میں میری قوم کی جو جنت ہے اللہ تعالیٰ اسے جانا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی قوم کے ساتھ عزتوں سے نوازا۔ ارشاد فرمایا ۚ وَإِنَّ لَكَ لَأَعْيُنًا وَسَوْفَ يُسْأَلُونَ۔ اللہ تعالیٰ نے میری قوم کو اپنی کتاب میں عزت و شرف عطا فرمایا ۚ وَأَتْلُو عَشِينَ تَك ۚ الْآفِئِينَ ۚ وَخَفِضَ خَنَازِكَ لِمَنْ لَبِثَ تَك ۚ مِنْ الْفُؤْمِئِينَ۔ پس اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے اس نے میری قوم سے مراد صدیق، میری قوم سے شہید اور میری قوم سے امام بنائے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اہل پلٹ و یاقین عربوں میں سے بہترین ہیں یہی وہ مبارک درخت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۚ فَخَلَّ خَلْمَةً عَطِيَّةً تَكْشَعُفُ عَطِيَّةً أَضْلَحَهَا نَابِتٌ وَفَرَقَ فِي الشَّعَاءِ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی اصل برسی پر حرام ہے اس کی شاخیں آسان ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق دی جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں عزتیں دیں پھر انہیں اسلام پر قائم رکھا ان کی شان میں ایک سورت قریش نازل فرمائی۔ حضرت عدی بن حاتم سے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قریش کا ذکر نہیں ہوتا تو لوگ خوشی کے آثار آپ کے چہرے سے نمایاں دیکھتے تھے آپ ان کو اس آیت کی تلاوت کرتے ۚ وَإِنَّ لَكَ لَأَعْيُنًا وَسَوْفَ يُسْأَلُونَ۔

۱۔ حضرت سے مراد قرآن حکیم ہے۔ یعنی قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم (۱) قریش کے لیے شرف اور بزرگی ہے یہ جملہ استمک کے فاعل سے حال ہے امام بغوی نے کہا صحاح کے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ جب حضور ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا پھر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب آپ سے سوال کیا جاتا کہ آپ کے بعد خلافت کا امر کس کے لیے ہوگا فرمایا قریش کے لیے (۱) حضرت ابن عمر سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک قریش کے دو فرد بھی باقی رہیں یہ امر قریش میں رہنا چاہیے (۲) حضرت معاویہ سے مروی ہے آپ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ امر قریش میں ہی رہے گا جو بھی ان سے اس معاملہ میں مخالفت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرے گا مگر شرط یہ ہے کہ وہ دین پر قائم رہیں (۳) مجاہد نے کہا یہاں قوم سے مراد عرب ہیں قرآن انکے لیے شرف کا باعث ہے کیونکہ یہ انکی زبان میں نازل ہوا پھر عربوں میں سے یہ شرف انہیں میں سے خاص لوگوں کے لیے خاص ہوا وہ قریش ہیں اور قریش میں سے یہ شرف بنی ہاشم کے لیے ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت عطا فرما کر آپ کو شرف سے نوازا اور آپ کی قوم کو ہدایت سے نوازا کر شرف عطا فرمایا (۴)۔ قیامت کے روز آپ سے قرآن اور اس کے حقوق کے بارے میں پوچھا جائیگا یہ جملہ مقررہ ہے۔

وَسُئِلَ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ شُرُسُلِنَا أَ جَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِلَهًا
يُعْبَدُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَصْحَكُونَ ۝

”اور آپ پوچھے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے ہیں خداوند رحمن کے علاوہ اور خدا تا کہ انکی پوجا کی جائے۔ اور ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس آپ نے (انہیں) کہا بیشک میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔“

۱۔ امام بغوی نے کہا جن سے یہ سوال کیا جائے گا انکے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو حضرت آدم اور آپ کی اولاد میں سے انبیاء کو اٹھایا گیا حضرت جبریل امین نے اذان کہی پھر آپ نے ہی اقامت کہی اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھئے اور ان انبیاء و رسل کو نماز پڑھائیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے سے فارغ ہوئے تو جبریل امین نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ رسولوں سے پوچھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے یہی کافی ہے۔ یہ امام زہری، سعید بن جبیر اور ابن زید کا بھی قول ہے کہ معراج کی رات تمام انبیاء و رسل کو جمع کیا گیا تا کہ آپ ان سے اس بارے میں پوچھیں آپ کو کیونکہ اس بارے میں کوئی شک نہ تھا اس لیے آپ نے کوئی سوال نہ کیا (۵)۔

اکثر مفسرین نے کہا اس کا معنی ہے کہ آپ پہلے رسولوں کی امتوں اور انکے علماء دین سے پوچھیں تمام روایات میں یہ حضرت ابن

۱۔ تفسیر بغوی، جلد ۶، صفحہ ۱۱۴ (اتحاریہ) ۲۔ مشکوٰۃ الصالح، جلد ۱، صفحہ ۵۵۰ (تذبی) ۳۔ مشکوٰۃ الصالح، جلد ۱، صفحہ ۵۵۰ (تذبی) ۴۔ تفسیر بغوی، جلد ۶، صفحہ ۱۱۴ (اتحاریہ) ۵۔ تفسیر بغوی، جلد ۶، صفحہ ۱۱۴ (اتحاریہ)

دعا کی وجہ سے ختم ہو گئی تھی آپ نے یہ التجا کی تھی وَ اِخْلُ عَقْدًا قَبْلَ لِسَانٍ ﴿۱۱﴾ بِقَوْلِهِمْ اَوَّلًا ﴿۱۲﴾۔ یہاں ام منقطع ہے اور ہمزہ قد کے معنی میں ہے کیونکہ آپ کی فضیلت کے اسباب متحقق ہو چکے تھے۔ امام بغوی نے کہا ام، مل کے معنی میں ہے۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے (۱) فراء نے کہا ام پر وقف ہے اس میں کلام مضمر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی افلا تبصرون ام تبصرون (۲) بعد میں نئی کلام ہے اس صورت میں ام متصل ہوگا ایک قول یہ کیا گیا کہ ام متصل ہے کیونکہ مسبب کو مسبب کے قائم مقام رکھا گیا ہے کیونکہ اخیر کا معنی ہے تم خوب جانتے ہو کہ میں بہتر ہوں۔ بہتر ہونے کا علم دیکھنے کا سبب ہے گویا کلام یوں کی گئی افلا تبصرونی ام تبصرونی فَتَعْلَمُونَ اَنِّیْ خَيْرٌ۔

فَلَوْ لَا اَلْقَىٰ عَلَيْهِ اَسْوَرَةً مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلِكَةُ مُقْتَرِنَتَيْنِ ﴿۱۳﴾
فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَاَطَاعُوهُ ۖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا مُّسْقِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا اَسْفَوْا
اِنْتَقَبْنَا مِنْهُمْ فَاَعْرَضْنَاهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۵﴾ فَجَعَلْنَاهُمْ سَكَنًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۶﴾

” (اگر یہ سچائی ہے) تو کیوں نہ اتارے مجھے اس پر سونے کے ٹنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار
۱۔ یوں اس نے اسے حقیقت بنادیا اپنی قوم کو سودہ اس کی بیروی کرنے لگے اور حقیقت یہ نافرمان لوگ تھے جسے پس جب انہوں
نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا جس اور بنادیا انہیں جوش زد اور کھاوت
پچھلوں کے لیے ہے۔“

۱۔ علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فلو میں فاء سببیہ ہے کیونکہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو غریت اور تحقیر کا
طعن کرتا تھا یہ چیز اس کا سبب تھی کہ لوگوں کو باخبر کیا جائے کہ اس کے پاس عزت و شرف نہیں۔ محض اور یعقوب نے اسورہ پڑھا ہے جو
سوار کی جمع ہے جبکہ باقی قراء نے اسورہ پڑھا ہے جو جمع الجمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اصل میں اساورہ ہے یا کے عوض
تاء (۱)۔ برکھی گئی ہے ایک قرأت میں اس طرح پڑھا بھی گیا۔ مجاہد نے کہا مصریوں میں رواج تھا جب وہ کسی کو سردار بناتے تو اس کے
ہاتھوں میں ٹنگن ڈالتے اور گلے میں سونے کا طوق ڈالتے اور یہ اظہار کرتے کہ اب یہ ہمارا سردار ہے اور اسکی اطاعت ہم پر لازم ہے۔
مُتَقَرِّنَتَيْنِ یعنی بے درپے فرشتے یکے بعد دیگرے کیوں نہیں آتے جو آپکی صداقت کی گواہی دیتے اور آپکی مدد کرتے۔

۲۔ استخف کا عطف نادای پر ہے۔ قوم سے مراد قبلی لوگ ہیں، یعنی اس نے اپنی قوم کو مجاہل یا ایک ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے
کہ فرعون نے اپنی قوم کو سلفی افعال اور جہالت کے کاموں پر برا ہیخت کیا جس طرح کہا جاتا ہے استخف رابعہ، یہ جملہ اس وقت بولتے
ہیں جب وہ اسے جہالت پر برا ہیخت کرے اور صحیح راہ سے بھٹکا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس نے اپنی اطاعت میں ان سے خفت اور
جہالت کا مطالبہ کیا تو قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وعدہ توڑنے میں فرعون کی اطاعت کی کیونکہ قوم قاسم تھی اس لیے
انہوں نے قاسم کی ہی اطاعت کی۔

۳۔ جب انہوں نے دشمنی، نافرمانی میں زیادتی کر کے ہمیں غصے کیا جس طرح کہا جاتا ہے اسف فلان یہ اس وقت کہتے ہیں جب آدمی

1- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 115 (انتقاریہ) 2- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 115 (انتقاریہ)

(۱) عربی مہارت اس طرح ہے تاہم محض ہوتا ہے کہ کچھ الفاظ کتابت میں رہ گئے ہیں یعنی اساورہ میں قلب کیا گیا ہے اور وہ اساورہ بنا پھر یا ہوتا ہے بدل
دیا اور وہ اساورہ بنا۔

خفت غمے ہو۔ لہذا طرف انقضا کے متعلق ہے انقضا کا عطف اطاعوہ پر ہے اسی طرح اغرقہم کا اس پر عطف ہے، یعنی ہم نے ان سب کو بحرئیل میں غرق کر دیا۔

یہ حمزہ اور کسائی نے سلف کو سین اور لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا یہ سلف کی جمع ہے جس طرح رغیف کی جمع رغف آتی ہے یہ سلف سلف سے مشتق ہے جس کا معنی آگے ہونا ہے یا یہ سالف کی جمع ہے بضرط صابر کی جمع صبر آتی ہے یا یہ سلف کی جمع ہے۔ جبکہ باقی قراء نے دونوں کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مصدر ہے اس کے ساتھ مفت ذکر کی گئی ہے یا یہ سالف کی جمع ہے جس طرح خادم کی جمع خدم آتی ہے ہم نے پہلے بھیجا تا کہ بعد والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ مثلاً کا معنی عبرت اور نصیحت ہے ایک قول یہ کیا گیا کہ معنی یہ ہے کہ اس امت کے کفار کے لیے جہنم کی طرف جانے والوں کے پیشرو بنیں اور بعد والوں کے لیے نصیحت اور عبرت بنیں۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ بعد والوں کے لیے ضرب المثل بنیں کیونکہ یہ عجیب و غریب واقعہ ہے یہ اس طرح زبان زد خاص و عام ہو۔ جس طرح ضرب المثل ہوتی ہے تو کہا جائے گا تمہاری مثال تو مفرعون کی مثال جیسی ہے واللہ اعلم۔

امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جس کی بھی پوجا کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں تو قریش نے کہا کیا یہ آپ نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ نبی اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں جبکہ انکی عبادت بھی کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ابعداً سے تو نازل فرمایا (1)۔

وَلَمَّا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝ وَقَالُوا آءِإِلهُنَا
خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوكَ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ۝

”اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شوروعل مچا دیتی ہے اور کہتے ہیں کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ، وہ نہیں بیان کرتے یہ مثال آپ سے مگر کج بحثی کے لیے درحقیقت یہ لوگ بڑے جھگڑالو ہیں لفظ“

۱۔ ابن مردویہ اور ضیاء نے مختار میں حضرت عباس سے روایت نقل کی کہ عبد اللہ بن زبیری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے محمد بن یگان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ اَلَا تَعْلَمُوْنَ مَا ضَرَبُوْكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْ تَكُنْ لَّهٗ اَوْ دُوْنُ اللّٰهِ ۝ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا ہے تو کہنے لگا سورج چاند فرشتوں اور حضرت عزیر کی بھی تو عبادت کی گئی ہے تو کیا یہ سب ہمارے معبودوں کے ساتھ جہنم میں ہو سکتے تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ سُبْحَتًا لِّهٖمْ مِّنَ السَّمَآءِ سَآءٌ ۚ اُولٰٓئِكَ عَنَّا مُبْعِدُونَ ۝ (2) اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ وَلَمَّا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا خَصِمُونَ۔

اہل مدینہ اہل شام اور کسائی نے یصدون پڑھا ہے جس کا معنی ہے وہ اس سے اعراض کرتے ہیں یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، یعنی وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اس سے رک جاتے ہیں یا لوگوں کو اس سے روکتے ہیں جبکہ باقی قراء نے صاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا دونوں قرأتوں کا معنی ایک جیسا ہے۔ کسائی نے کہا انکی یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح یعرضون کوراء کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھتے ہیں (3) سعید بن مسیب نے بھی یہی کہا ہے۔ ضحاک نے کہا اس کا معنی

ہے وہ تعجب کرتے ہیں۔ قتادہ نے کہا وہ جزع فزع کرتے ہیں۔ قرطبی نے کہا وہ دل کی ٹنگی کا اظہار کرتے ہیں۔ قتادہ نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہم اسکی عبادت کریں اور اسے اپنا معبود بنالیں جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنایا تھا (1)۔

۷۔ کوفیوں نے اسے دونوں ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے ان دونوں ہمزوں کے بعد الف ساکن ہے جبکہ باقی قراء نے دوسرے ہمزے کو تسہیل کے ساتھ پڑھا ہے ان دونوں کے بعد الف ہے لیکن کسی قاری نے ان دونوں ہمزوں کے درمیان الف ساکن داخل نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہتر ہیں کہ ہم اسکی عبادت کریں اور اسکی اطاعت کریں جبکہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں ابن زید اور سدی نے کہا ام ہوش ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ سب جہنم میں ہیں تو ہم اس بات پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرشتوں کے ساتھ جہنم میں ہوں (2)۔

انہوں نے یہ مثال محض جھگڑے کے لیے بیان کی ہے حق اور باطل میں تمیز دینے کے لیے ذکر نہیں کی کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عبادت کروانا چاہتے یا اس کا مطلب ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس آیت سے مراد بت ہیں کیونکہ ماغیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔

بلکہ وہ قوم سخت جھگڑالو ہے اور اس کی عادی ہے حضرت ابوامامہ سے مروی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو قوم بھی ہدایت کے بعد گمراہ ہوئی اسے بدل (جنت بازی) کا ملکہ دیا گیا تھا، یعنی پہلے وہ جھگڑتے ہیں پھر گمراہ ہو جاتے ہیں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (3)۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام احمد، امام ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔

إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿٦٠﴾ وَنُوحًا
لِّجَعَلْنَا مِنْكُمْ مِّلَّةً فِي الْأَمْثَالِ يَخْلُقُونَ ﴿٦١﴾ وَإِنَّ لَكُمْ لَلْأَسَاءَةَ فَلَا
تَتَذَكَّرْنَ بِهَا وَالتَّوْحِيدُ ﴿٦٢﴾ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٦٣﴾

”نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنادیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی اسرائیل کیلئے اور اگر ہم چاہتے تو ہم بسادے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے تھے اور بے شک وہ ایک نشان ہیں قیامت کیلئے پس برگزیدہ نہ کرو اس میں اور میری پیروی کیا کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔“

۸۔ ہو ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندہ ہیں بیٹا نہیں۔ ہم نے اس پر نبوت اور اپنے قرب کا انعام کیا ہے اور ہم نے اسے ضرب المثل مثالی اور عبرت بنادیا ہے جس کی مدد سے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچان سکتے ہیں کہ جس طرح وہ چاہے کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر پیدا کیا ہے۔

۹۔ یہ جملہ معترضہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے اگر ہم چاہتے تو انسانوں میں سے فرشتے بنادیتے یا اس کا معنی ہوگا اگر ہم چاہیں تو تمہیں ہلاک کر دیں اور تمہاری جگہ فرشتے لے آئیں جو زمین میں تمہارے نائب ہوں جو زمین کو آباد کریں میری عبادت کریں

اور میری اطاعت کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ ان میں سے بعض بعض کے نائب ہوئے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان بے شک عجیب ہے تاہم ہم اس سے زیادہ عجیب پر قادر ہیں فرشتے تمہاری مثل ہیں کیونکہ وہ بھی تمام ممکن ہیں جس طرح انہیں ابتداء مثال کے بغیر پیدا کرنا ممکن ہے اسی طرح انہیں ولادت کے ذریعے بھی پیدا کرنا ممکن ہے تو وہ معبود بننے کے کیسے مستحق بن سکتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟

جہاں انہ میں وہ صیر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے جس کے ذریعے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ قیامت بہت ہی قریب ہے۔ حضرت ابن عباس ابو ہریرہ اور قتادہ نے اسے یوں پڑھا ہے وانہ لعلم الساعۃ یعنی علم کلام کے فقہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی نشانی علامت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب حضرت ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ایک فرد ہوگا اسے شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے (1)۔

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اچانک تشریف لائے جبکہ ہم آپس میں بات چیت کر رہے تھے آپ نے پوچھا کس کے بارے میں باتیں کر رہے ہو؟ فرمایا ہم قیامت کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہوگی۔ دھان (دھواں) دجال (جانور) مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے اترنا، یاجوج و ماجوج کا آنا، تین جگہ زمین کا دھنسا، ایک مشرق میں ہوگا ایک مغرب میں ہوگا اور ایک جزیرہ عرب میں ہوگا سب سے آخر میں ایک آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو میدان حشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی (2) ایک روایت میں دسویں نشانی یہ ہے کہ ایک ہوا چلے گی جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے نواس بن سمعان سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا پھر ایک طویل حدیث ذکر کی یہاں تک یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا آپ دوزخ دروازے سے پہنچنے والی پتیلیوں کو دو فرشتوں کے پروں پر رکھے دمشق کی مشرقی جانب سفید منارہ کے پاس اتریں گے جب آپ سر جھکانیں گے تو (پینے کے قطرے) گریں گے جب سر اوپر اٹھائیں گے تو پھر بھی موتیوں کی طرح سفید قطرے گریں گے اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (3)۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے بقدر قدرت میں میری جان ہے وہ وقت قریب ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل ہونگے آپ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ ختم کر دیں گے آپ مال (مالی کی طرح) بہائیں گے یہاں تک کہ مال قبول کرنے والا کوئی نہیں رہے گا اس وقت ایک جمدہ دنیا دانیہا سے بھرتا ہوگا۔ اسے شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے (4) امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل ہونگے آپ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ ختم کر دیں گے آپ اونٹیاں چھوڑ دیں گے کوئی انہیں نہیں پکڑے گا آپ باہمی بعض و عتاؤ ختم کر دیں گے آپ مال دینے کے لیے لوگوں کو بلائیں گے مگر کوئی بھی اسے قبول نہ کرے گا۔

امام مسلم نے حضرت جابر سے حدیث نقل کی ہے کہ تمہارا امام کہے گا: آؤ ہمیں نماز پڑھاؤ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت کے احترام میں فرمائیں گے تمہیں میں سے بعض بعض کے امیر ہیں (1) امام بغوی نے ذکر کیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس پہنچیں گے لوگ عصر کی نماز پڑھ رہے ہونگے امام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے پیچھے بنے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کو آگے کھڑا کریں گے اور خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق نماز ادا کریں گے آپ خنزیر کو قتل کریں گے صلیب کو توڑ دیں گے یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو گرا دیں گے نصرانیوں کو قتل کریں گے مگر جو آپ پر ایمان لائے گا اسے قتل نہیں کریں گے (2) حضرت حسن بصری نے کہا کہ انہی کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہوگا قرآن قیامت کی نشانی ہے جو قیامت کے قائم ہونے کے بارے میں آگاہ کرتا ہے اس کے احوال اور ہولناکیوں کے بارے میں خبر دیتا ہے (3)۔

فلا متعزونی فی فاسیہ ہے، یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے واقع ہونے کی علامت ہیں تو اس کے برپا ہونے میں شک نہ کرو۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا اس کا معنی ہے تم اس کو نہ جھٹلاؤ۔ ابو عمرؒ نے وصل کی صورت میں واہجون کو یا کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے وصل اور وقف دونوں صورتوں میں اس کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے، معنی یہ ہوگا میری ہدایت کی اتباع کرو یا میری شریعت کی اتباع کرو یا میرے رسول کی اتباع کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اتبعونی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ تو تقدیر کا نام یہ ہوگی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ یہ کہیں کہ میری اتباع کرو اور جس امر کی طرف میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں یہی صراطِ مستقیم ہے جس راہ پر چلے والا گمراہ نہیں ہوگا ھذا صراطِ مستقیم کی علت بیان کر رہا ہے۔

وَلَا يَصْدَقُكُمُ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ قَدْ أَطِيعُوهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿١٧﴾

”کہیں روک نہ دے تمہیں شیطان (اس راہ سے) بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور جب آئے عیسیٰ (علیہ السلام) روشن نشانیاں لے کر تو فرمایا میں آیا ہوں تمہارے پاس حکمت لیکر اور میں بیان کروں گا تم سے کچھ وہ بات جس میں تم اختلاف کرتے ہو پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور میری فرمانبرداری کیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ وہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔“

۱۔ شیطان تمہیں میری اطاعت سے نرو کے۔ اس جملے کا عطف اتبعون پر ہے شیطان کی تم سے عداوت ظاہر و باہر ہے کیونکہ اسی نے تمہیں جنت سے نکالا اور تمہیں مصیبتوں پر پیش کیا حق کی پیروی اور جنت تک پہنچنے سے تمہیں روکا۔

۲۔ بیانات سے مراد معجزات نہیں یا انجیل کی آیات ہیں یا شریعت کے واضح احکامات ہیں۔ حکمت سے مراد علومِ حق ہیں باءِ معنی کے معنی میں ہے یا فضل کو متعدی بنانے کے لیے ہے لَئِنْ لَّكُم كَالْعُلُقِ لَمُحْضٌ مَحْذُوفٌ کے ساتھ ہے۔ تقدیر کا نام یہ ہے و جنتکم لابین لکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہودی خواہشات کے مختلف ہونے کی وجہ سے بہتر فرقوں میں بٹ گئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہیں باطل عقائد سے روکا اور حق صواب کی طرف انہیں دعوت دی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اکابر (71) فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے لہٰذا نبی بہتر (72) فرقوں میں تقسیم ہوئے جبکہ میری امت بہتر (73) فرقوں میں تقسیم ہوگی (1) اسے ابو داؤد و ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے نہ جانے کیا یہودی جن امور کے بارے میں باہم اختلاف کرتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے بارے میں ہدایت لاتے اور جن چیزوں کی انہیں ضرورت تھی انہیں مل کے علاوہ انہیں ہدایت عطا کی (2) **فَاتَّقُوا اللَّهَ** میں فاء سیبیہ ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حکمت لانا تقویٰ کا سبب ہے۔

۳۔ اس آیت میں اس امر کی وضاحت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اطاعت کا حکم دیا وہ تو حید کا اعتقاد رکھنا اور شریعت کے احکام کی پیروی کرنا ہے۔ ہذا کے ساتھ عقیدہ توحید اور شریعت کے احکام کی پیروی کی طرف اشارہ ہے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تہم ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جملہ مستألفہ ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اطاعت کا تقاضا کرنے والی چیز یہی ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ قَوِيلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ۝ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

”پھر اختلاف کرنے لگ گئے (ان کے) گروہ آپس میں پس ہلاکت ہے عالموں کیلئے دردناک عذاب کے دن سے لے کیا یہ لوگ قیامت پر پابا ہونے کے منتظر ہیں کہ آجائے ان پر چانک اور انہیں خبر تک نہ ہو۔“

۱۔ احزاب کا معنی مختلف فرقے ہیں۔ اس جملے کا عطف قد جنتکم پر ہے بینہم میں ہم ضمیر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم ہے جس طرح پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ وہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے یا ہم ضمیر سے مراد نصاریٰ اور یہودی ہیں جنہوں نے اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور کتاب و سنت کے احکام کو چھوڑ دیا ان کے لیے ہلاکت ہے۔ فہو یل میں فاء سیبیہ ہے انکا باہمی اختلاف ہلاکت کا سبب بنا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر وہ احوال آئیں گے جو بنی اسرائیل پر گزرے کچھ فرق نہ ہوگا اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں سے ایسا ضرور ہوگا جو یہ فعل بد کرے گا بنی اسرائیل بہتر (72) فرقوں میں تقسیم ہوئی تھی میری امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی ایک کے سوا سب جہنم میں ہونگے۔ صحابہ نے عرض کی جنت میں کون ہونگے فرمایا جو اس راستہ پر ہونگے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں (3)۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت معاویہ سے روایت کی ہے بہتر فرقے جہنم میں ہونگے اور ایک جنت میں ہوگا وہ جماعت ہے۔

۲۔ واو ضمیر سے مراد قومیں ہیں یا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا وہ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں **أَنْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ** سے بدل ہے، یعنی قیامت ضرور آ کر رہے گی وہ انکا چل آجائے گی جبکہ انہیں احساس بھی نہ ہوگا، یعنی وہ دنیا میں مشغول ہونے کی وجہ سے قیامت سے بالکل غافل ہونگے نیز وہ قیامت کا انکار بھی کرتے تھے۔ **وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ** والا جملہ منظر وں کے فاعل سے حال ہے یا تائبہم کے مفعول سے حال ہے۔

أَلَا خَلَاءُ يَوْمَئِذٍ يَعْتَصِمُ لِمَعْصُومٍ عَذَابُ إِلَّا السَّاعَتِينَ ۝ لِيُعَذِّبَ لَا خَوْفَ

عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿١٦﴾ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿١٧﴾ اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُخْبَرُونَ ﴿١٨﴾

”گھرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان کے جو حق (اور پرہیزگار) ہیں۔ اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم (آج) غمزدہ ہو گے۔ (یعنی) وہ بندے جو ایمان لے آئے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے۔ (حکم ہوگا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں خوش خوشی سے۔“

۱۔ امام بغوی نے حضرت علی شیر خدا سے روایت کی ہے فرمایا اس آیت میں دو دوستوں کا ذکر ہے دو دوست مؤمن ہیں اور دو دوست کافر ہیں۔ مؤمنوں میں سے ایک فوت ہو جاتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب! فلاں مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا وہ مجھے بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا تھا اور مجھے بتاتا کہ میری تھم سے ملاقات ہوگی اے اللہ! میرے بعد اے گمراہ نہ کر دینا جس طرح تو نے مجھے ہدایت دی ہے اسے بھی ہدایت دینا جس طرح تو نے مجھے عزتوں سے نوازا ہے اسے بھی عزتوں سے نوازا۔ جب اس کا مومن ساتھی فوت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جمع کر دیتا ہے انھیں فرماتا ہے تم دونوں میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کی تعریف کرے اور وہ کتنا اچھا بھائی ہے کتنا اچھا دوست ہے کتنا اچھا ساتھی ہے۔ حضرت علی نے کہا ایک کافر فوت ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب! فلاں مجھے تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت سے منع کرتا تھا مجھے برائی کا حکم دیتا تھا مجھے بھلائی سے روکتا تھا مجھے بتاتا کہ میری تھم سے ملاقات نہ ہوگی تو وہ کہے گا وہ کتنا برا بھائی ہے کتنا برا دوست ہے اور کتنا برا ساتھی ہے (1)۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا میری وجہ سے باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ مجھے اپنے جلال کی قسم میں انھیں آج اپنے خاص سائے میں جگہ عطا کروں گا آج میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔ اے امام مسلم نے روایت کیا ہے (2)۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دو آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر باہم محبت کریں ان میں سے ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان دونوں کو شہر جمع فرمائے گا اور کہے گا تو اس سے میری وجہ سے محبت کرتا تھا (3) اے امام ترمذی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے واللہ اعلم۔

۲۔ قول کے مقدر ماننے کے ساتھ یہ ایک اور جملہ مستألف ہے تقدیر کلام یہ ہے یقول اللہ للممتحنین الموفقین یومئذ یا عباد۔ امام بخاری نے معتمر بن سلیمان سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سنا کہ جس آدمی کو بھی قیامت کے روز اٹھایا جائے گا تو وہ گھبرا یا ہوا ہوگا ایک منادی کرنے والا یہ ندا کرے گا اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ ہی تم غمگین ہو گے۔ لوگوں میں کچھ امید پیدا ہوگی اور اس کے پیچھے چل پڑیں گے (4)۔

۳۔ اَلَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا کی صفت ہے، یعنی جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لائے تھے انہیں کوئی خوف نہیں درآ تھا ایک وہ مسلمان تھے جو کائناتِ مہلکین پر آمنا کے قائل سے حال ہے، معنی یہ ہوگا جو اخلاص کے ساتھ ایمان لائے۔ اس جملہ کے پہلے کلام کی ہی تاکید بیان کی

2- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 317 (قدیمی)

4- تفسیر بنوی، جلد 6، صفحہ 117 (اتھاریہ)

1- تفسیر بنوی، جلد 6، صفحہ 117 (اتھاریہ)

3- مشکوٰۃ الصالح، جلد 1، صفحہ 427 (قدیمی)

ہے تو پھر مسلمانوں کے علاوہ تمام لوگ مایوس ہو جائیں گے۔

تم اور تمہاری مسلمان بیویاں خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جائیں اور خوشی کے آثار تمہارے چہروں سے ظاہر ہونے چاہئیں یا تو آراستہ بیزارست ہو کر جنت میں داخل ہو یہ حبیب سے شقیق ہے جس کا معنی اچھی شکل و صورت ہے یا اس کا معنی ہے پورے عزت و احترام کے ساتھ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جائیں۔ یہ جملہ بھی منادی کو خطاب ہے۔ انتم مبتداء ہے اور ازواجکم اس کا معطوف علیہ ہے اور تحببون اس کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ انتم ضمیر منفصل ضمیر متصل کی تاکید ہو جو ادخلوا فصل میں ہے ازواجکم ضمیر متصل پر معطوف ہو اور تحببون والا جملہ معطوف معطوف علیہ سے حال ہو۔

يٰۤاَيُّهَا عَلَيٰهِمْ بِصَاحَفٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكُوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتٰىيْهِ الْاَنۡفُسُ وَ
تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوۡرِشْتُمْوَهَا بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۲ لَّكُمْ فِيْهَا اَكۡمَهٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۱۳

”گردش میں ہوں گے ان پر سونے کے تھال اور جام اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے (مزید براں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے تمہارے لیے یہاں کثرت پھل ہیں ان میں سے کھاؤ گے (جو می چاہے)۔“

۱۔ ان جنتیوں پر ایسے بچے گردش کر رہے ہونگے جو ہمیشہ بچے ہی رہیں گے۔ صحاف صحف کی جمع ہے اس کا معنی بڑا پیالہ ہے۔ آکواب کوپ کی جمع ہے یہ گول سرے والا گول برتن ہے جس کی سنت نہیں ہوتی یہ ایک اور جملہ ساتھ ہے اس میں خطاب کے صیغہ سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔ وَفِيْهَا مَا تَشْتٰىيْهِ کا عطف بطفاف پر ہے مدینہ اور شام کے قراء نیز حفص نے تَشْتٰىيْهِ پڑھا ہے انکے مصاحف میں بھی قرأت اسی طرح ہے جبکہ باقی قراء نے مقول کی ضمیر کو حذف کیا ہے ہر کسی کے لیے وہ کچھ ہوگا جو اس کا نفس خواہش کرے گا تاہم صوفی کی خواہش تو بلا حجاب وصال ہے جس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور دائمی دیدار ہے تو اس کے لیے ہی نعمت میسر ہوگی۔ باقی دوسرے جنتیوں کے لیے جنت کی دوسری نعمتیں ہوں گی جن کی وہ خواہش کرے گا۔ امام بغوی نے عبد الرحمن بن سابط سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا جنت میں گھوڑے ہونگے؟ کیونکہ مجھے تو گھوڑے پسند ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں داخل کرے گا تو تو سرخ یا قوت کے گھوڑے پر سوار ہوگا۔ تو جنت میں جہاں چاہے گا وہ تجھے لے کر اترتا رہے گا۔ ایک اعرابی نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا جنت میں اونٹ ہوگا؟ کیونکہ مجھے اونٹ پسند ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اعرابی! اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت میں داخل فرمایا تو تو وہاں جو خواہش کرے گا تو اسے پالے گا اور تیری آنکھ اس سے لطف اندوز ہوگی (۱) امام ترمذی اور بیہقی نے بروہ سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ طبرانی اور بیہقی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت عبد الرحمن بن ساعدہ سے اور ترمذی نے ابوالیوب سے گھوڑے کا ذکر نقل کیا ہے۔ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ میں غائب کے صیغوں سے خطاب کے صیغوں کی طرف التفات ہے۔

۲۔ تلک مبتداء ہے الجنة خبر ہے الی اسم موصول الجنة کی صفت ہے یا الجنة تلک کی صفت ہے پھر اسم اشارہ مبتداء ہے اور اسم

موصول اس کی خبر ہے اور جملہ اذخلوں کے قاتل سے حال ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر جنسی کو حسرت دلانے کے لیے جنت میں اس کے ٹھکانے کو دکھایا جائے گا تو وہ یہ کہے گا اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت عطا کرتا تو میں بھی متقین میں سے ہوتا۔ ہر جنسی کو بھی جہنم میں اس کا مکہ ٹھکانہ دکھایا جائے گا تو وہ کہے گا اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے۔ یہ کام بطور شکر کرے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک کے لیے جنت اور جہنم میں ٹھکانہ ہے مؤمن جنت میں کافر کے ٹھکانہ کا وارث بن جائے گا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا أَنْتُمْ مُعْمَلُونَ** (1)۔

اسے یہ جملہ طریقہ حال ہے۔ ہزار اور طہرائی نے حضرت ثوبان سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے جنتی کوئی پھل نہیں لے گا مگر اس کی جگہ اس کی شل پیدا کر دیا جائے گا ہزار نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو جنت سے نکالا تو انھیں زادارہ کے طور پر جنت کا پھل عطا کیا ہر چیز کی تعریف کی تعلیم دی تمہارے یہ پھل جنت کے پھل ہی ہیں فرق یہ ہے یہ خراب ہو جاتے ہیں اور وہ خراب نہیں ہوتے (2)۔

ابن ابی الدینا نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ وہ شام میں تھے تو لوگوں نے جنت کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا جنت کے انگوڑا کچھا یہاں سے منعنا تک ہوگا (3) ابن ابی الدینا نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے جنت کے پھل کی لمبائی بارہ ہاتھ ہوگی اس میں گھٹلی نہ ہوگی۔

إِنَّ الْمَجْرُمِينَ فِي عَذَابٍ مُّهِينٍ ۖ لَا يَنْفَعُهُمْ حُلُودٌ ۖ لَا يُقَاتِلُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْسِئُونَ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ۖ وَنَادُوا لِلَّيْلِ لِيَقْضِ عَلَيْهِمْ سَاءَ رَبِّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُمْ مُّكْشُونَ ۖ

”بے شک مجرم عذاب میں ہمیشہ رہیں گے نہ لپکا کیا جائے گا ان سے (یہ عذاب) اور وہ اس میں آس تو زمین میں

گئے (3) اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ (اپنی جانوں پر) ظلم ڈھانے والے تھے اور وہ پکاریں گے اے مالک

بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ (چلتے) رہنا ہے۔“

۱۔ یہاں مجرمین سے مراد کامل مجرم ہیں، یعنی کافر کیونکہ یہاں انہیں مؤمنوں کے مقابل ذکر کیا گیا ہے۔ یہ جملہ اور بعد والا جملہ، جملہ مستأنفہ ہیں۔

۲۔ ان سے عذاب میں کوئی تخفیف نہ کی جائے گی یہ فقرات عنہ الحمی سے مشتق ہے یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بخار میں تخفیف ہو۔ وہ اس عذاب میں اس طرح رہیں گے کہ انہیں اس سے چھٹکارا پانے کی کوئی امید نہ ہوگی۔

۳۔ نادوا کا عطف ان کی خبر پر ہے۔ مالک جہنم کے داروں کے نام ہے۔ جنہی مالک کو نہد کرتے ہوئے عرض کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں موت عطا کر دے تاکہ ہم آرام پائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یا مالک ہزار سال کے بعد کہے گا تم نے عذاب میں یہاں ہی رہنا ہے موت کے ساتھ اس سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہیں۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدینا اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے

اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے ہزار سال تک انہیں کوئی جواب نہ دیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ یا مالک، جہنم کا دار و نذرانہ نہیں جواب دے گا **إِنَّكُمْ مُكْتَبُونَ**۔ ہنود، طبرانی، ابن ربیع، حاتم، حاکم، بیہقی، عبد اللہ بن احمد نے زوائد میں عبد اللہ بن عمر بن عاص سے نقل کیا ہے جبکہ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ جنہی مالک کو نہ کریں گے اور کہیں گے اے مالک! اللہ تعالیٰ ہمیں موت دے دے وہ چالیس سال تک انہیں یوں ہی چھوڑے رہے گا کوئی جواب نہ دے گا پھر انہیں یہ جواب دے گا **إِنَّكُمْ مُكْتَبُونَ** پھر وہ اپنے رب کو نہ کریں گے رہتا **عَلَيْكَ عَلَيْهِ تَشْفُو شَتَاوُكُنَا قَوْمًا مَّا لَيْفَنَ ۖ رَبَّنَا أَهْلُ جَنَانٍ مَّا هَلَاوُنَا عَذَابًا قَاتِلًا ظَلُمُونَ ۝** اے ہمارے رب ہم پر بد بختی غالب آگئی ہم گمراہ قوم تھے اے ہمارے رب ہمیں اس سے نکال اگر ہم دوبارہ ایسے کام کریں تو ہم ظالم ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں ایک عرصہ تک کوئی جواب نہ دے گا جتنا عرصہ دنیا کے دوزخوں کے برابر کو محیط ہوگا پھر اللہ تعالیٰ انہیں جواب دے گا **اَحْشَوْا فِیْهَا وَلَا تَفْکُلُوْنَ** اس کے بعد جنہی کوئی بات نہ کریں گے وہاں جہنم کی آواز کے سوا کوئی آواز نہ ہوگی (۱)۔

سید بن منصور اور بیہقی نے محمد بن کعب سے نقل کیا ہے کہ جنہی پانچ دفعہ ندا کریں گے اللہ تعالیٰ چار دفعہ انہیں جواب دے گا جب پانچویں دفعہ ندا کریں گے تو اس کے بعد کبھی بھی کلام نہ کریں گے وہ عرض کریں گے تو نے ہمیں دو دفعہ زندہ کیا اور دو دفعہ ہمیں موت عطا کی ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ کیا اس جہنم سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟ تو انہیں یہ جواب دیا جائے گا جب اللہ وعدہ لا شریک کی طرف تمہیں دعوت دی گئی تو تم نے کفر کیا اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تھا تو تم اسے مان لیتے تھے آج فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہوگا پھر وہ کہتے اے ہمارے رب ہم نے دیکھا ہم نے سنا ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج ہم اچھے اعمال کریں ہم یقین رکھنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دے گا تم اس دن کی ملاقات کو بھول گئے اب اس کا مزہ چکھو تمہیں بھول چکے ہیں جو کہ تم کرتے رہے ہو اس کے بدلے میں دائمی عذاب چکھو۔ پھر وہ کہتے اے ہمارے رب! تھوڑی مدت تک ہمیں مہلت دو ہم تیری دعوت کو قبول کریں گے ہم تیرے رسولوں کی اتباع کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دے گا کیا تم نے اس سے قبل قسم نہیں اٹھائی تھی پھر وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہمیں اس سے نکال ہم اچھے اعمال کریں گے جو اس عمل سے مختلف ہوگا جو ہم پہلے عمل کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ انہیں جواب دے گا کیا ہم نے تمہیں مہلت نہیں دی تھی اس میں نصیحت حاصل کرتا تھا جو نصیحت حاصل کرتا چاہتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا آپس چکھو اب ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ پھر وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم پر بد بختی غالب آگئی تھی اور ہم ظالم قوم تھے اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا اس میں ذلیل و رسوا ہو کوئی بات نہ کرنا اس کے بعد وہ کوئی بات نہ کریں گے۔

لَقَدْ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنْ أَكْثَرُكُمْ لِيَحِقَّ لَهُمْ ۖ أَمْ أَعْرَضُوا ۚ أَمْ لَاقُوا
مُؤْمِرِينَ ۖ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّكَ لَا تُنَسِّمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۖ بَلْ لَّيْسَ
لَكَ بِهِمْ يَكْتَبُونَ ۝

”بے شک ہم نے آپ کو حق بتا دیا ہے اور (وین) حق یقیناً تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے۔ لے! ہاں اگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ نہ کر لیا ہے تو ہم بھی اپنا قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں۔ کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کے رازوں اور سرگوشی کو؟ ہاں ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھتے بھی رہتے ہیں۔“

۱۔ اگر سابقہ جملہ میں قال میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو یہ جواب کا تہہ ہے۔ اگر قال کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے نہ ہو تو یہ آیت جواب ہوگا گویا فرشتوں کے جواب کے بعد اللہ تعالیٰ نے انکے جواب سے اعراض فرمایا، یعنی ہم نے رسولوں کو مبعوث کر کے اور کتابیں نازل کر کے حق تمہارے پاس بھیجا لیکن تم حق کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ اس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے خلاف احکام ہیں۔

۲۔ ام مقطوعہ ہے اور یہ انکار اور اضراب کے معنی میں ہے، یعنی وہ حق کو ناپسند کرتے ہیں اور اس میں ترقی کر رہے ہیں، یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکر کرنے اور حق کو جھٹلانے میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ وہ صرف ناپسندیدگی پر اکتفا نہیں کرتے اس لیے ہم بھی انہیں جزا دینے میں محکم ہیں۔

ابن جریر نے محمد بن قرقی سے روایت نقل کی ہے تین آدمی کعبہ شریف اور اس کے پردہ کے درمیان تھے ان میں سے دو قریش اور ایک ثقیفی تھا یہ دو ثقیفی اور ایک قریشی تھا ان میں سے ایک نے کہا تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سنتا ہے دوسرے نے کہا جب تم بلند آواز سے باتیں کرتے ہو تو وہ سنتا ہے جب تم راز دارانہ انداز میں بات کرتے تو نہیں سنتا تو یہ آیت نازل ہوئی (۱)۔

۳۔ ام مقطوعہ ہے جو انکار اور اضراب کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہوگا بلکہ کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انکی راز دارانہ باتیں اور سرگوشیاں نہیں سنتے کیوں نہیں ہم انہیں سنتے ہیں اور کمر اٹھا کا تبیین سب کچھ لکھ رہے ہیں۔

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبِيدِ ۝ سُبْحَنَ رَبِّ السَّمَوَاتِ
الْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ قَدْ رُفِعَ يَحْضُوا وَيَلْعَبُونَ حَاشَى
يُلْقُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَى يَوْمِ عَدْوَنَ ۝

”آپ فرمائیے (بغرض محال) اگر رحمن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا بچاری ہوتا۔ ہاں پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار (اور) عرش کا رب ہر اس عیب سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ نہیں (اے حبیب) آپ رہنے دیں انہیں کہ بے ہودہ باتیں بتاتے رہیں۔ اور کھیل (تمنا) کرتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات ہو جائے ان کی اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔“

۱۔ حزرہ اور کسائی نے واؤ کے ضمیر اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اے محبوب کہو اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اور جو چیز اس کے شایاں شان ہے اور جو اس کے شایاں نہیں سب کچھ دوسروں کے بنیستہ زیادہ جانتے ہیں اور جس کی تعظیم بجالانا واجب ہے اس کی ضرورت تعظیم بجالاؤ جو والد کی تعظیم بجالاتا ہے وہ بیٹے کی تعظیم بھی ضرور بجالاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرا نکلا ہے جو اسے تکلیف دیتا ہے وہ مجھے تکلیف دیتا ہے ایک روایت میں ہے جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا (۲) امام بخاری نے اسے مسور سے روایت کیا ہے اس آیت کے برعکس یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا جائز ہے یا اس کی عبادت کرنا جائز ہے کیونکہ محال چیز محال کو ہی مستلزم ہوتی ہے بلکہ یہاں مقصود دونوں کو یلیغ ترین انداز میں رد کرنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَوْ كَانَتْ فِتْنَتَا الْاَلِهَةِ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا لَوْ شَرَطَ اور جزا اودوں کی نفی کا تقاضا کرتا ہے ان جزاء کے اثبات کا اور نہ اس کی نفی کا شعور دلاتا ہے کیونکہ وہ جمل شرط کے لیے وضع کیا گیا ہے اس

کا مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے ہونے کا انکار کسی عباد کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے پہلے اور اسکل انداز میں اعتراف کرتے۔ سدی نے یہی بات کہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو (تو ہوا کرے) میں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا ہوں اور اس کی توحید کا اقرار کرنے والا ہوں، یعنی میں اس طرح کی بات کرنے والا نہیں جس طرح تم گمان کرتے ہو ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے میں تمہارے قول کا سب سے پہلے منکر ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے میں سب سے پہلا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے لیے غضبناک ہوا، یعنی جب کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو میں سب سے زیادہ اس سے نفرت کرنے والا ہوں۔ قاسموس میں ہے عبد کا لفظ جب باء کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی غصہ، سخت جنگ، بزمندگی، نفس کی طامست، الالچ اور انکار ہے جب عبد باء کے کسر و کے ساتھ ہو تو پھر بھی اس کا معنی یہی ہے۔ یہاں مناسب یہ ہے کہ اس کا معنی غضب اور انکار ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں میں سب سے پہلے اس کی شہادت دیتا ہوں اس سے پتہ یہ چلا کہ یہاں ان نافیہ ہے شرط نہیں (۱)۔

۱۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جو کفار مکہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے جب آسمان، زمین اور عرش جو طویل عرصہ تک باقی رہنے والے ہیں جب ان چیزوں سے پاک ہیں جن سے دوسرے اجسام متصف ہیں تو انکے خالق کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ ۲۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑ دو کہ وہ باطل اعتقادات میں پھٹکے رہیں اور دنیاوی زندگی میں کھیل کود میں ہی لگے رہیں یہاں تک کہ قیامت کے روز وہ عذاب کو دیکھیں اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ان کا قول سراپا جہالت اور خواہش نفس کی اتباع ہے اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ انکے دلوں پر مہر لگی گئی انہیں آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿١٧﴾
تَبَّكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ
السَّاعَةِ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٨﴾ وَلَا يَسْئَلُكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ
الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ
لَيَقُولَنَّ اللَّهُ فَاَن يُؤْفَكُونَ ﴿٢٠﴾ وَقِيلَ لَهُ رَبِّ اِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يَوْمُؤُنَ ﴿٢١﴾
فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلِّمْ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

”اور وہی ایک آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے اور وہی بہت دانا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور انہیں اختیار رکھتے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کرنے کا ہاں شفاعت کا حق انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور وہ (اس کو) جانتے بھی ہیں۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً انہیں گے اللہ نے پھر کہہ رہا ہے پھر یہ ہیں۔ اور تم سے میرے رسول کے اس قول کی کہ

اے میرے رب یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے ہیں (اے حبیب) رخ انور پھیر لیجئے ان سے اور فرمائیے تم سلامت رہو وہ (اس کا انجام) ضرور جان لیں گے۔“

۱۔ قنارہ نے کہا آیت کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہ ذات و آسمان میں معبود ہے اس کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں جو مستحق عبادت ہو (1) فی السَّامَاءِ اور فی الْأَرْضِ اللہ کے متعلق ہے کیونکہ یہ معبود کے معنی میں ہے۔ یا معبود کے معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جس طرح تیرا قول ہے ہو حاتم فی البلد یہاں جارجر ورحاتم کے متعلق ہے حالانکہ یہ اسم مشتق نہیں بلکہ اسم مشتق کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی مخلوقات میں تدبیر فرمانے کی وجہ سے حکیم ہے اور ان کے مصالح کو جاننے کی وجہ سے علیم ہے۔ یہ دونوں صفات اس کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو سابقہ کلام کی تاکید بیان کرتا ہے اسی طرح جو جملے اس پر معطوف ہیں ان میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔

۲۔ زمین و آسمان اور اس کے درمیان فضاء کی بادشاہت اس کے پاس ہے۔ قیامت کے واقع ہونے کا علم صرف اسی کے پاس ہے اور جزاء کے لیے اسی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے۔ ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے یہو جعون پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے مخاطب کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے جس طرح کفار یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے پاس شفع ہیں مگر وہی شفاعت کرنے کا حق رکھے گا جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے گا۔ یہ مشتقی منقطع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مشتقی متصل ہے۔ من شہد سے مراد لانا کہ ہیں۔ انہیں سابقہ حکم سے الگ اس لیے کیا گیا کیونکہ کچھ کافر فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں جو کچھ وہ اپنی زبانوں سے کہتے تھے وہ اپنے دل سے اس کا اعتقاد بھی رکھتے تھے۔

۳۔ وہ کفار جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ دوسری چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اگر کوئی ان سے پوچھے انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یہی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ مخلوقات کو جمادات کی طرف منسوب کرنا ممنوع ہے۔ جب وہ اس کا اعتراف کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی انکی خالق ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کس کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۴۔ عاصم اور حمزہ نے فیلہ کو لام کے برابر ہاء کو کسور پڑھا ہے اس کا عطف الساعۃ پر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کا علم اور اس قول کا علم ہے جبکہ باقی قراء نے لام کو مضروب اور ہاء کو مضروب پڑھا ہے۔ اس کا عطف الساعۃ کے محل پر ہے یا اس کا فاعل مضمر ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی بارگاہ میں شکایت کرتے ہوئے عرض کی اے میرے رب! کفار کہہ اسی قوم ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔

۵۔ اے محبوب کرم! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دعوت دینا چھوڑ دیں کیونکہ آپ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو چکے ہیں اور فرما دیجئے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی تعلق نہیں تم ہم سے سلامت ہو اور ہمیں بھی سلامتی سے رہنے دو۔ عتریب انہیں اپنے عقائد، اقوال اور اعمال کی جزاء کا علم ہو جائے گا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے مدینہ اور شام کے قراء نے خطاب کے صیغہ کے طور پر تاء کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ مقاتل نے کہا اس آیت کے حکم کو جہاد والی آیت نے منسوخ کر دیا ہے (2)۔

سورة الدخان

﴿ أَيْلَافًا ٥٩ ﴾ ﴿ سُورَةُ الذَّحْطَيْنِ مَدَنِيَّةٌ ٣٢ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ٣ ﴾

سورۃ الدخان مدنی ہے، اس میں انسٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حَمْدٌ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَكَةٍ ۝ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝

”حائِمِ حَق کو واضح کر نیوالی کتاب کی قسم ہے شک ہم نے امارا ہے ایک بابرکت دات میں ہماری یہ شان ہے کہ ہم بروقت خبردار کر دیا کرتے ہیں۔“

۱۔ کتب مبین۔ سے مراد قرآن حکیم ہے اسکی مبین صفت اس لیے ذکر کی کیونکہ یہ حلال و حرام کے احکام کو ظاہر کرنے والا ہے اگر ہم کی قسم اٹھائی مٹی تو پھر وہ عاقلہ ہوگی اور اگر اس کی قسم نہ اٹھائی مٹی ہو تو پھر یہ واقفہ ہوگی اور ما بعد اس کا جواب قسم ہے۔

جہ انکوئلہ میں ہے خمیر سے مراقرآن ہے۔ اسے برکت والی رات اس لیے کہا کیونکہ اس میں قرآن نازل ہوا جو نبی اور نبیادی منافق کا برب ہے۔ اسی میں فرشتے رحمت نازل ہوتی ہے اور دعا کی قبولیت ہوتی ہے اس رات سے مراد اولیاء اللہ ہے۔ قحادہ اور ابن زید نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لیلیۃ القدر میں قرآن کو ام الکتاب سے آسمان دنیار نازل فرمایا پھر جبرئیل امین میں سال (۱) تک آیات کی صورت میں نازل کرتے رہے (۱) جو یہ قول کیا گیا کہ لیلیۃ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے تو اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے شہور رمضان الذی انزل فیہ القرآن اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ اور قاسم بن محمد سے جو روایت مروی ہے جسے وہ اپنے باپ یا چچا سے روایت کرتے ہیں پھر دادا سے روایت کرتے ہیں اور وہ حوصلہ رسول اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی نصف رات کو آسمان دنیار نزل و اجلاں فرماتا ہے اور ہر انسان کو بخش دیتا ہے مگر ایسے انسان کو نہیں بخشا جس کے دل میں کینہ ہو۔

یادہ مشرک ہو۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا ہے (2) اور کہا اس روایت میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ قرآن حکیم پندرہ شعبان کی رات کو نازل ہوا۔

فرمایا ہم قرآن حکیم میں سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں اِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ یہ جملہ مستطافہ ہے یا یہ اِنَّا اُنْذِرُکُمْ ہے بدل استعمال ہے۔

فِيهِ الْفَرْقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۚ أَمْ رَأَيْتُمْ عِندَنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَحْمَةٌ

2- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 119 (التجارة)

1- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 119 (التجاریۃ)

(۱) نزول قرآن کا دورانیہ بائیس سال سے زائد ہے۔ (مترجم)

مِنْ رَبِّكَ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا ۖ إِنَّكُمْ مُوقِنِينَ ۝

”اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا۔ ہر حکم ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے ہم ہی (کتاب و رسول) بھیجے والے ہیں۔ سرِ پادشہ آپ کے رب کی طرف سے بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم ایمان دار ہو۔“

۱۔ اس رات ہر اہم فیصلہ کیا جاتا ہے یا ایسا فیصلہ کیا جاتا ہے جس میں شکوت ہوتی ہے آخر حکیم میں اسنادِ حجازی ہے یعنی تقدیرِ کلامِ یوں ہے امرِ حکیم صاحبہ یہ جملہ مستانہ ہے۔ یا ایلیتہ کی دوسری صفت ہے اس میں یہ حمیہ ہے کہ حکم امور کا اس میں فیصلہ ہوتا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس میں قرآن حکیم نازل ہو جو سب سے عظیم امر ہے۔ امام بغوی نے کہا حضرت ابن عباس کا فرمان ہے کہ ایلیتہ القدر کی رات ام الکتاب سے وہ تمام چیزیں لکھی جاتی ہیں جو اگلے سال وقوع پذیر ہونے والی ہوتی ہے جیسے اچھائی بُرائی رزقِ موت یہاں تک کہ یہ بھی لکھا گیا جاتا ہے کہ فلاں حج کرے گا (1)۔

حضرت حسن بصری، مجاہد اور قتادہ نے کہا رمضان شریف میں ایلیتہ القدر کی رات موت عمل پیدا کُش رزق اور اس سال وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو لکھ لیا جاتا ہے۔ مکرہ نے کہا ایلیتہ مبارکۃ سے مراد شعبان کی نصف رات ہے جس میں سال کے امور کو لکھ لیا جاتا ہے۔ زندوں سے جنہیں موت آنے آتا ہوتا ہے انہیں لکھ لیا جاتا ہے نہ ان میں اضافہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان میں کمی کی جاتی ہے (2)۔ امام بغوی نے محمد بن میسرہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک مرنے والے افراد کو لکھ لیا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے اس کا بچہ ہوتا ہے جبکہ اس کا نام مردوں میں ہوتا ہے (3)۔ ابوحنیٰ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کو فیصلے فرماتا ہے اور ایلیتہ القدر کو فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے (4)۔

۲۔ آخر اربعینِ عیدِ نوا۔ سے مراد ہے کہ ایسا امر جو ہماری طرف سے حاصل ہوتا ہے اور وہ ہماری حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ یقیناً عیدِ نوا کی صفت کی وجہ سے امر کی عظمت کا بیان ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کل امر سے حال ہو یا حکیم میں جو خیر ہے اس سے حال ہو بھی جائز ہے کہ یہ بفرق کا مفعول ہے ہوا و رکلی آمو سے بدل ہو۔ یہ بھی جائز ہے امر سے مراد اصطلاحی معنی ہو جس میں اپنے آپ کو بدتر جانتے ہوئے فعل کا مطلق لیا جاتا ہے اس صورت میں یہ بفرق کا مفعول مطلق ہوگا یا اپنے مفسر فعل کا مفعول مطلق ہوگا یا انزالہ میں جو دو ضمیر ہیں ان میں سے ایک سے حال ہے اگر فاعل سے حال ہو تو امر میں ہوگا اگر مفعول بہ سے حال ہو تو امور بہ کے معنی میں ہوگا۔ انشا کُنا مُؤیدین۔ جملہ انا کُنا مندوبین سے بدل ہے اور مرسلین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے رسول مراد ہیں، یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا کیونکہ ہمارا طریقہ ہے کہ ہم لوگوں کو خبردار کرتے ہیں اور کتابوں کے ساتھ رسولوں کو بندوں کی طرف بھیجتے ہیں۔

۳۔ مَحْضَةُ یَقِینَ شَرِیْطَہٗ رَسَالٍ یا تفریقِ فعل کا مفعول لہ ہے یا یہ مرسلین کا مفعول یہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا رَحْمَةُ یَقِینَ شَرِیْطَہٗ کا معنی ہے اپنی مخلوق پر رحمت کے سبب اور کفار پر عذاب نازل کرنے کے لئے رسول مبعوث کرنے والے ہیں (5)۔ امم ضمیر کی جگہ اسمِ ظاہر

- 1- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 120 (اتحادیہ) 2- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 120 (اتحادیہ) 3- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 120 (اتحادیہ)
4- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 120 (اتحادیہ) 5- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 120 (اتحادیہ)

ذکر کیا مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ یہ ربوبیت کا تقاضا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ بندوں کے اقوال سنتا ہے اور ان کے احوال جانتا ہے۔ اس آیت اور مابعد آیت میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ثبوت ہے۔ جس میں یہ صفات ہوں وہی رب ہونے کا مستحق ہے۔

یہ اہل کوفہ نے دُوب کو جر کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ دُوبک سے بدل ہے جبکہ باقی قراء نے اسے رفع کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ ان کی دوسری خبر ہے۔ یا یہ الشیخ علیہ السلام کی صفت ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اِنْ لَنْتُمْ مُّؤْمِنٰی شرط ہے جس کی جزاء محذوف ہے۔ معنی یہ ہوگا اگر تم علم میں یقین رکھتے ہو یا اگر تم اپنے اقرار میں یقین رکھتے ہو تم سے یہ پوچھا گیا تھا کہ اس کائنات کو کس نے پیدا کیا؟ تو تم نے کہا تھا اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو تم نے جان لیا کہ بات تو اسی طرح ہے جس طرح ہم نے کہا تھا یا معنی یہ ہے کہ اگر تم یقین کا ارادہ رکھتے ہو تو اس کا یقین کر لو یا اگر تم یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا رب ہے تو یقین کر لو کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ۝ فَاَنزَلْنَاهُ يَوْمَ ثَاثِي السَّمَاءِ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَعْصِي الْأَنفُسُ هَذَا آعْدَابُ أَلِيمٌ ۝

”نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں اے پس آپ انتظار کریں اس دن کا جب ظاہر ہوگا آسمان پر صاف نظر آنے والا دھواں جو چھان جانے کا لوگوں پر نہ دردناک عذاب ہوگا۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ یہ جملہ ربیب السملوٰت والا مرض کے معنی کی وضاحت کر رہا ہے۔ یا یہ ان کی دوسری خبر ہے۔ یعنی یُحْيِي وَيُمِيتُ یہ ان کی ایک اور خبر ہے، یعنی جس طرح تم مشاہدہ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے یا یہ عورتے حال ہے۔ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ یہ ان کی ایک اور خبر ہے یا یہ ہوسے بدل ہے۔

۲۔ بل انضراب کے معنی میں ہے بلکہ وہ دوبارہ اٹھانے یا قرآن کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ یلعبون یہ ظرف میں موجود ضمیر سے حال ہے یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ قرآن اور آپ کا مذاق اڑاتے ہیں اس میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

۳۔ یہاں فاء سببیہ ہے یوم، از قصب کا مفعول بہ ہے اس دہویں کے بارے میں اختلاف ہے حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت حسن بصریؓ سے مروی ہے کہ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ابن جریر، نقاشی اور بغوی نے حضرت حذیفہؓ کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی پہلی نشانیوں میں سے دھواں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور آگ ہوگی جو عدن کی غار سے نکلے گی جو لوگوں کو میدانِ معشر کی طرف ہانکے گی جب لوگ قتلہ کر لیں گے تو آگ بھی ٹھہر جائے گی۔ حضرت حذیفہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ دھواں کیا چیز ہے تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی فرمایا دھواں مشرق و مغرب کو بھر دے گا۔ وہ چالیس دن رہے گا جہاں تک مومن کا تعلق ہے اسے دہویں سے اتنی تکلیف ہوگی جیسے زکام لگ جاتا ہے۔ کافر بے ہوشی کے عالم میں ہو

گا دھواں اس کے تھنوں کا، نوں اور دبر سے نکل رہا ہوگا (۱)۔ طرانی نے عمدہ سند کے ساتھ ابو مالک اشعری سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے رب نے تجہیں تین چیزوں سے ڈرایا ہے۔ دھواں جس سے مومن کو ذکا م لگ جائے گا کافراں دھواں سے بھول جائے گا دوسرا دایہ اور تیسرا دجال اس روایت کی کئی شواہد بھی ہیں۔

رَأَيْنَا أَشْفَعَ عَنِ الْعَذَابِ ۖ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ أَلَيْسَ لَكُمْ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ
رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿١١﴾ لَمْ تَوَلُّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعِمْمْ مَجْجُونٌ ﴿١٢﴾ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ
قَلِيلًا ۖ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٣﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٤﴾

” (اس وقت کہیں گے) اے ہمارے رب دور کر دے ہم سے یہ عذاب ہم (ابھی) ایمان لاتے ہیں۔ ان کے نصیحت قبول کرنے کی امید کہاں حالانکہ ان کے پاس تشریف لے آیا رسول۔ علی پھر پھیر لیا تھا اس سے اور کہا کھلیا ہوا ہے۔ یونان سے ہم دور کرنے والے ہیں عذاب کو قلیل عرصہ کے لئے تم پھر تکفیر کی طرف لوٹ جاؤ گے جس روز ہم تمہیں پوری شدت سے پکڑیں گے (اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے لیں گے۔“

۱۔ اس جملہ سے پہلے قول مقدر ہے اور یہ جملہ مقولہ ہے اور پھر حال بن رہا ہے اِنَّا لَمُؤْمِنُونَ اگر عذاب دور ہو جائے تو یہ ان کی طرف سے ایمان لانے کا وعدہ ہے۔ تقدیر کا کام یہ ہے۔ یَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا الْقَوْلُ یہ لوگوں میں سے کافر یہ قول کریں گے۔
۲۔ اس میں کلر استفہام انکار کے معنی میں ہے۔ یعنی اس حالت میں ان کے لئے نصیحت کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ یہ جملہ مستاتفہ ہے اور ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہل ینذکرون یعنی کیا وہ نصیحت حاصل کریں گے؟ وَفَیْضًا نَّهَضْهُمْ فِیْ دَاوَالِیْہِ ہے اور وہ جملہ حال بن رہا ہے۔ یعنی اس حال میں کہ ان کے پاس شان والا رسول آیا تھا جس کی دلیل واضح تھی اور وہ ان کے لئے ایسی آیات اور ہجرات ظاہر کرنے والا تھا جو اس نصیحت کو واجب کرنے والے تھے۔

سچ انہوں نے آپ سے اعراض کیا اور کہا انہیں سکھایا گیا، سکھانے والا ایک عجمی غلام ہے جو بنو ثقیف کے ایک آدمی کا ہے۔ بعض نے کہا یہ جھوٹا ہے۔

یہ حکام ان کے قول سے بہت ناگوار ہوئے اور ان کا جواب ہے، یعنی ہم چالیس روز تک تم سے عذاب کو دور کرنے والے ہیں قیامت کا تو منقول مطلق ہے فعل فیہ کی صورت میں منصوب۔ اس سے مراد ان کی باقی ماندہ عمریں ہیں یا دنیا کی باقی ماندہ عمر ہے اَلْغَمَّ عَاوِلُوْنَ یہ لَکُمُ الْعَذَابُ آپ کی علت ہے۔

۵۔ یوم سے مراد یوم قیامت ہے یہ ظرف اس فعل کے متعلق ہے جس پر مُتَقَبُّونَ دلالت کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس تفسیر کا انکار کیا۔ امام بغوی نے ابھی سے انہوں نے مسروق سے روایت کیا ہے فرمایا ایک آدمی کئدہ کے حلقہ میں بیان کر رہا تھا کہ قیامت کے روز ایک دھواں ہوگا جو منافقوں کے کانوں اور آنکھوں کو ناکارہ بنادے گا اور مومنوں کو اس قدر تکلف ہوگی جیسے زکام لگ گیا ہو تو ہم گھبرا گئے۔ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نیک لگائے ہوئے تھے آپ غضبناک ہو گئے اور بیٹھ کر فرمایا جس علم نہ ہو تو کہے جسے علم نہ ہو تو کہے اللہ اعلم جب علم نہ ہو تو اللہ اعلم کہنا ہی علم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم سے فرمایا اقل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکفلین قریش نے اسلام قبول کرنے

میں تسامیل سے کام لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بددعا کی اسے اللہ! قریش کے خلاف میری مدد فرما کہ انہیں سات سال تک خشک سالی آئے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں خشک سالی آئی تھی انہیں خشک سالی نے آ لیا اس میں لوگ ہلاک ہوئے، مردار اور بڑیاں کھائیں، بھوک کی شدت کی وجہ سے آسمان اور زمین کے درمیان دھوئیں جیسی سفید چیز کود دیکھتے۔ ایوسفیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی اسے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں جبکہ آپ کی قوم ہلاک ہوتی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاروقیہ یوم قاضی السماء سے اس آیت تک آیات کی تلاوت کی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** سے مراد بدر کا دن ہے (1)۔ امام بخاری نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ پانچ چیزیں گزر چکی ہیں بدر کا دن روم، یثرب، چاند کا شق ہونا اور دھواں (2) امام بخاری نے حضرت ابن مسعود سے صحیح میں نقل کیا ہے کہ جب قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے میں مد سے بڑھ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کے قحط کی بددعا کی تو قریش بھی قحط آ لیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے بڑیاں کھائیں ایک آدمی آسان کی طرف دیکھتا تو بھوک کی شدت کی وجہ سے اسے دھوئیں جیسی چیز نظر آتی تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا تو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی یا رسول اللہ! مضر کے لئے بارش کی دعا کیجئے وہ تو ہلاک ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کی دعا کی تو بارش ہو گئی تو یہ آیت نازل ہوئی **إِنَّا كَاتِبُونَ الْعَذَابَ غُلًّا وَلَإِنَّكُمْ عَايِدُونَ** جب دوبارہ خوشحالی آگئی تو کفر کی طرف پھر پلٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آخری آیت کو نازل فرمایا (3) یہاں یوم سے مراد یوم بدر ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ۚ أَنْ أَذَّكَ إِلَىٰ آلِهِ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۚ وَأَنْ لَا تَعْلُوا عَلَى اللَّهِ ۚ إِنِّي آتِيكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۚ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُون ۚ

”اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیتا تھا ان کے پاس معزز رسول (۱) (اس نے فرمایا تھا) کہ میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لئے معزز رسول ہوں اور نہ سرکشی کرو اللہ کے مقابلے میں میں نے آیا ہوں تمہارے پاس اپنی رسالت کی روشن دلیل میں اور میں نے پناہ لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی کرتم مجھ پر پتھر اڑ کر سکو“

۱۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔ کفار کہہ سے پہلے ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو بھی آزمایا تھا ان کے پاس بھی عظیم الشان رسول آیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یا مومنوں کے ہاں اپنے حسب و نسب میں بڑا معزز تھا اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔
۲۔ یہاں ان مصدر یہ ہے۔ آپ نے فرعونوں سے فرمایا اپنی اسرائیل میرے حوالے کر دو انہیں میرے ساتھ جانے دو انہیں آزاد کر دو انہیں اذیتیں نہ دیا اس کا معنی ہے اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور میری دعوت کو قبول کرو۔ یہاں عباد اللہ سے مراد فرعون اور اس کی قوم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ان مفسرہ ہو کیونکہ رسول رسالت اور دعوت کے ساتھ ہی آتا ہے اور رسالت و دعوت میں قول کا

ساتھ تعبیر کیا۔

یہ فاسر میں فاء جزائیہ ہے۔ یہاں قول محذوف ہے، معنی یہ بنے گا اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اور فرمایا اگر بات اس طرح ہے تو اوت کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکل جاوے شک فرعون اور اس کی قوم تمہارا پیچھا کرے گی۔ نافع اور ابن کثیر نے فاسر میں ہمزہ وصلی پڑھا ہے یہ سری یسری سے مشتق ہے جبکہ باقی قراء نے اسری یسری سے ہمزہ قطعی پڑھا ہے یہاں عبادی سے مراد بنی اسرائیل ہیں جب فرعون کو یہ معلوم ہوا کہ تم نکل گئے ہو تو وہ تمہارا پیچھا کرے گا یہ جملہ مستانہ ہے۔

یہ دھوا یہ البحر سے حال ہے جس کا معنی کھلا ہوا، سورخ والا وسیع اور ساکن ہے، یعنی جب آپ اور اس کے ساتھی سمندر سے نکل جائیں تو اسے ملانے کے لئے اپنا عصا سمندر پر نہ مارنا۔ قنادہ نے کہا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر عبور کر لیا تو اس طرف مائل ہوئے کہ سمندر میں اپنا عصا ماریں تاکہ وہ ل جائے اور یہ بھی خوف ہوا کہ کہیں فرعون اور اس کے لشکر ان کا پیچھا نہ کریں تو اسے کہا گیا سمندر کو اسی طرح کھلا رہنے دیں جس طرح وہ تھا۔ رھوا مصدر ہے جو اسم فاعل کے معنی میں ہے اِنْهُمْ يَنْتَظِرُكُمْ فَتُؤَنِّجُهُمْ جملہ مستانہ ہے جو علت کی جگہ واقع ہے۔

یہ انہوں نے بہت سارے بغاوت، جیشے، کھیتیاں، مزین محافل اور خوبصورت گھر چھوڑے اور ایسی نعمتیں چھوڑیں جن سے وہ لطف اندوز ہو رہے تھے کَمُتَرَكُوْا اِلَّا اَجَلًا، جملہ مقررہ ہے۔

یہ کبلی نے کہا اس کا معنی یہ ہے جو میری نافرمانی کرتا ہے میں اس کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا معاملہ اسی طرح ہے اور فقہا کا عطف کلام محذوف پر ہے جو سلینا ہا ہے قَوْمًا مَّخْذُوْنًا سے مراد بنی اسرائیل ہیں یا اور ثناء کا عطف موقوفہ کو ا پر ہے۔

یہ اس جملے کا عطف سابقہ کلام کے مضمون پر ہے، یعنی کفار کو ہلاک کیا گیا تو ان پر آسمان و زمین نہیں روتے۔ یہ کلام اس چیز سے مجاز ہے کہ ان کی ہلاکت اور ان کے موجود ہونے کی کسی کو کوئی پرواہ نہیں۔ جس طرح اس کی نفی میں یہ کلام کی جاتی ہے بکت علیہم السماء وکسفت علیہم الشمس، یعنی آسمان ان پر رویا اور سورج کو گرہن لگ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ کلام اپنے حقیقی معنی میں ہے اس کا مومن کے خلاف معاملہ ہے جب مومن مرتبا ہے تو اس پر زمین و آسمان روتے ہیں۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بندے کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں۔ ایک دروازے سے اس کا عمل چڑھتا ہے اور دوسرے دروازے سے اس کا رزق نیچے اترتا ہے۔ جب اسے موت آ جاتی ہے تو دونوں اسے نہیں پاتے اور اس پر روتے ہیں (1) ابن جریر اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ان سے قَمَاتُ بَنَاتٍ عَلَيْهِمُ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ کی تعبیر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہاں مخلوقات میں سے ہر ایک کے لئے آسمان میں سے ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور اس پر عمل اوپر چڑھتا ہے جب مومن فوت ہوتا ہے تو آسمان کا وہ دروازہ بند کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ دروازہ ہر داتا ہے زمین کے جس حصے پر وہ نماز پڑھتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا تھا جب وہ نماز کی جگہ اسے نہیں پاتی تو وہ اس پر روتی ہے (2)۔

امام بغوی ابویعلیٰ اور ابن ابی حاتم نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے (3) حضرت ابن عباس کی روایت کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ نے قَمَاتُ بَنَاتٍ عَلَيْهِمُ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ (1- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 158 (قاری)) 2- الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 747 (احمدیہ) 3- تعبیر بغوی، جلد 6، صفحہ 122 (انجیریہ)

انٹرنٹ کی تلاوت کی۔ ابن جریر نے شرح ابن عیینہ حضرتی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مومن حالت سفر میں فوت ہوتا ہے اس کے رشتہ دار اس کے پاس موجود نہیں ہوتے تو اس پر زمین و آسمان روتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی قرأت کی قَمَا بَكَثَ عَلَيْهِمُ الْمَوْتُ اِذَا تَرَكُوا مِثْلَ مَا كَانُوا مَقْتَرِينَ روتے (1)۔ وَمَا كَانُوا مَقْتَرِينَ۔ کاعطف ہلکوا پر ہے یعنی انہیں مہلت نہیں دی جاتی۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ اَلْهُمَّ ۖ مِنْ فِرْعَوْنَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيًّا قَوِيًّا
اَلْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَخْرَجْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمِ عَلِيِّ الْعَلَمِيْنَ ۚ وَاتَيْنَاهُمْ مِنَ الْاٰلِيَّتِ مَافِيْهِ يَبْكُوْا اَلْمُهِنِّ ۝
”اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے (یعنی) فرعون (کی غلامی) سے بلاشبہ وہ بڑا متکبر (اور) حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پرست اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی۔“

۱۔ عذاب مہین سے مراد ان کے بیٹوں کا قتل، ان کی عورتوں کا زندہ رکھنا، مردوں کو غلام بنالینا اور ان سے سخت کام لینا ہے۔
۲۔ مِنْ فِرْعَوْنَ یہ مِنْ الْعَذَابِ سے بدل ہے۔ فرعون کو عذاب قرار دینا بطور مجاز ہے وہ لوگوں کو بہت زیادہ عذاب دیتا تھا اس لئے اسے عذاب قرار دیا گیا۔ یا لفظ فرعون سے پہلا عذاب کا لفظ محذوف ہے اس صورت میں یہ العذاب سے بدل کل ہو گیا
۳۔ فِرْعَوْنَ الْعَذَابِ سے حال ہے، کیونکہ یہ عذاب فرعون کی طرف سے واقع ہوتا تھا۔ یا مبتدا، محذوف کی خبر ہے۔ فرعون تکبر سرکش اور شرارت میں حد سے زیادہ تجاوز کرنے والا تھا، مِنْ اَلْمُسْرِفِيْنَ ۝ کان کی دوسری خبر ہے، یعنی وہ تکبر اور فضول خرچ تھا یا عیال میں بوجہ خیر ہے اس سے یہ حال ہے کیونکہ وہ ان میں اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ مکمل جملہ یا تو جملہ معترضہ ہے یا جملہ مستأنف ہے۔
۴۔ اَلْمُسْرِفِيْنَ سے مراد حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل ہیں۔ علی علیہ السلام میں ناخیر سے حال ہے، یعنی ہم جانتے تھے کہ بنی اسرائیل اس کے حقدار ہیں یا معنی یہ ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بنی اسرائیل بعض مواقع پر گمراہ ہو جائیں گے ہم نے انہیں تمام جہانوں پر منتخب کیا۔

۵۔ آیات سے مراد سمندر کا پھٹ جانا، سمندر کا سایہ دینا، امن اور سلوکی کا نازل ہونا۔ قتادہ نے بلاء کا معنی نعمت کیا ہے، یعنی اس میں واضح نعمت ہے۔ ابن زید نے کہا ان کی آزمائش، خوشحالی اور غنی کی صورت میں ہوتی پھر یہ آیت پر بھی کہ تَبْلُوْكُمْ بِالْاَسْفَارِ وَالْخَبَرِ فَيُثَبِّتُ (2)۔

اِنَّ هَٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَاْ اَلْاُولٰٓئِ وَ مَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِيْنَ ۝
فَاْتُواْ بِآبَآئِنَاْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اَهُمْ حَيٌّ اَمْ قَوْمٌ يَّبْعُ ۙ وَ النَّبِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ اَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَنْۢبِيَآءُ مَخْرُجِيْنَ ۝

”بے شک یہ (کفار کہہ) بھی کہتے ہیں کہ ہمیں (ہمارے لئے) مگر ہماری (نبی) پہلی موت اور نہ ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ بھلا ہمارے باپ دادوں کو تو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم سچے ہو س (اے لوگو ذرا سوچو) کیا یہ لوگ

بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ہم نے انہیں (بہشت و جہنم) ہلاک کر دیا ہے شک وہ مجرم تھے۔“

۱۔ ہولاء سے مراد قریش کے کفار ہیں کیونکہ منافقین انہیں کے متعلق یہودی ہے۔ فرعون اور اس کی قوم کا قصہ اس لئے ذکر کیا گیا تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ کفار کدہ بھی گمراہی پر اصرار کرنے میں انہیں اٹھانے کی طرح ہیں۔ انہیں بھی اس قسم کے عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے جو عذاب فرعونوں پر نازل ہوا تھا۔

۵۔ وہ کہتے اس امر کی انتہاء پہلی موت ہے جو دنیوی زندگی کو ختم کر دے گی اس میں دوسری موت کو ثابت کرنے کا مقصد نہیں جس طرح کہا جاتا ہے زید نے پہلا حج کیا اور مر گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا جب انہیں پہلی موت آئے گی پھر اس کے بعد زندگی ہوگی جس طرح تم پہلے مر تھے اور تمہیں زندگی دی گئی تو انہوں نے کہا وہ موت جس کے بعد زندگی دی گئی وہ پہلی ہے دوسری کے بعد زندگی نہ ہو گی اور ہمیں اس موت کے بعد دوبارہ تھانا ہایا جائے گا۔

۳۔ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو ہے، یعنی لکھار نے انہیں کہا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ موت کے بعد دوبارہ اٹھانا ممکن ہے تو ہمارے ان آیات و احوال کو زندہ کرو جو تو نے چھوئے ہیں اِن کَلِمَاتِہِ عَلَی قَلْبِہِ شَرْطَہٗ ہے جس کی جزا و محضوف ہے کیونکہ سابقہ کلام جزا و پرالٹ کرتا ہے اس لئے اسے جزا کی ضرورت نہیں جبکہ فائز و پائیدار کی شرط محضوف ہے۔

یہ قوت شوکت اور تعداد کی زیادتی میں یہ بڑھ کر ہیں، یا تنوع کی قوم بڑھ کر تھی اس میں استفہام، انکار اور تقریر کے معنی میں ہیں، یعنی قوم تنوع کی قوم سے بہتر نہیں بلکہ تنوع کی قوم تم سے بہت بہتر تھی۔ تنوع ایک آدمی کا نام ہے اس تنوع اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کے پیروکار بہت زیادہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا تھا کہ بہت سارے افراد تھے۔ انہیں تنوع اس لئے کہا گیا کیونکہ وہ یکے بعد دیگرے حکومت سنبھالے رہے۔

محمد بن اسحاق اور دوسرے لوگوں نے حضرت ابن عباس اور دوسرے لوگوں سے روایت کیا ہے کہ آخری قیام کا نام اسحاق اور کرب بن ملیک تھا (1) امام بغوی نے اس کا قصہ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے جبکہ میں نے سورۃ ق میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی توحید کی ہے لیکن قیام کی خدمت نہیں کی کیونکہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس کی قوم نے اس کو جھٹلایا تھا۔ محمد بن اسحاق نے مبتداء اور ابن ہشام نے تہجان میں ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف آوری کے موقع پر حضرت ایوب کے گھر ٹھہرے تھے اس گھر کو پہلے قیام نے بنایا تھا اس کا نام تہجان بن سعد تھا میں نے اس واقعہ کو سورۃ جمعہ میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَالَّذِينَ يَمُنُّونَ بِالْعُقُوبَةِ أُولَٰئِكَ نَعْتَدُ لَهُمْ أَجْرًا كَثِيرًا ۖ وَذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَنُفُوسٌ مُّسَوِّمَةٌ ۚ

یہ اسم موصول کی خبر ہے۔ مضاف و مضاف سے مراد مشرک ہیں جو چیز اس قوم کی ہلاکت کا باعث بنی اس کی یہ علت ہے اور اس کے تقاضا کرنے والے کا بیان ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِيسَى ۖ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِثْقَالُهُمْ أَجْعِينَ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَى

عَنْ مَوْلَى سَيِّدَاكَ لَهُمْ يُصْرُونَ ﴿١٠﴾ اَلَا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ اِنَّهُٗوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ ﴿١١﴾

”اور انہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر۔ انہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان و زمین کو مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ یقیناً فیصلہ کا دان ان سب کو (دوبارہ زندہ کرنے کے لئے) مقررہ وقت ہے۔ جس روز کوئی دوست کسی دوست کے ذرا کام نہیں آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ جسے سوائے ان کے جن پر اللہ نے رحم فرمایا ہے بے شک وہ سب پر غالب ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔“

ہم نے زمین و آسمان اور اس کے درمیان جو کچھ پیدا کیا یہ بحث اور باطل نہیں یہ جملہ سابقہ جملہ کے مضمون سے حال ہے کیونکہ وہ اپنے عین میں دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کے معنی کو لئے ہوئے ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے انکو والبعث والحال انہ ما خلقنا السموات والارض یعنی انہوں نے دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا جبکہ ہم نے زمین و آسمان کو فضول پیدا نہیں فرمایا بلکہ ہم نے انہیں اس لئے پیدا کیا تاکہ ہم اس سے اپنے وجود اور صفات کمالیہ پر دلیل قائم کریں نیز انسان کی آزمائش کے لئے انہیں پیدا کیا۔ جسے ہم نے زمین و آسمان کو اس لئے پیدا کیا تاکہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے واجب ہونے کو واضح کریں تاکہ ہم مطیع کو ثواب دیں اور گناہ گار کو عذاب دیں۔ یہ جملہ سابقہ جملہ کی تاکید اور اس کی وضاحت کرتا ہے۔

لیکن اکثر لوگ اس چیز کو نہیں جانتے کہ ان چیزوں کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ توحید پر استدلال کیا جائے اور لوگوں کو آزمایا جائے ان کے نہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں نظر فکر کی صلاحیت کم ہے اور وہ دنیا میں منہمک ہیں۔

یَوْمَ الْقَضٰی سے مراد یوم قیامت ہے جس میں حق کو باطل سے اور حق پرست کو باطل پرست سے الگ کیا جائے گا۔ وَیَقَاطِفُہُمْ سے مراد ان کے حشر اور جزا و عذاب ہے یہ جملہ بھی سابقہ جملہ کی وضاحت کرتا ہے کہ ان کی تخلیق کا مقصد استدلال اور آزمائش ہے۔ یَوْمَ لَا یُغْنٰی عَنْہُمْ الْقَضٰی سے بدل ہے یَوْمَ الْقَضٰی جس فعل پر دلالت کرتا ہے اس سے ظرف ہے، یعنی اس روز کوئی رشتہ دار کسی دوسرے رشتہ دار کو نہ نفع دے گا اور نہ ہی تکلیف دور کرے گا اور نہ ہی وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے ضمیر پہلے مولى کے لئے ہے کیونکہ معنی کے اعتبار سے وہ عام ہے۔

یہ مگر جنہیں معاف فرما کر اور ان کے حق میں شفاعت قبول فرما کر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ مؤمن ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے حق میں شفاعت کریں گے انہیں شفاعت کی اجازت بھی ہوگی۔ مستغنی محل رفع میں ہے کیونکہ وہ بصرون کی ضمیر سے بدل ہے یا یہ مستغنی ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب ہے وہ جسے عذاب دینے کا ارادہ کرے کوئی اسے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ سعید بن منصور نے ابوالکس سے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ کھجور اور مکھن لاتا اور کہتا زقوم چکمو کیونکہ یہ وہ زقوم ہے جس سے تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ڈراتا ہے (۱)۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقْوٰمِ ۙ صَعَامٌ اَلَا یَسْمِعُ ۙ کَاۡتِبُہُمْ ۙ یَعْنٰی فِی الْبَطْوٰنِ ﴿١٢﴾ لَّعَلّٰی

الْحٰیۡمِ ﴿١٣﴾

”بلاشبہ زقوم کا درخت لہ گناہ گار کی خوراک ہوگا۔ پچھلے تاجے کی مانند بیڑوں میں جوش مارے گا۔ جیسے کھولنا پانی جوش مارتا ہے۔“

لہ، ائم کا معنی بہت زیادہ گناہ کرنے والا ہے اس سے مراد کافر ہے یہ جملہ اور اب بعد جملے سابقہ کلام کا بیان ہے جس میں حق پرست اور باطل پرست میں فرق کیا گیا ہے۔

اسے گانٹھیلی بیان کی ایک اور خبر ہے۔ مہل سے مراد وہ معدنیات ہیں جو آگ میں پکھل جاتی ہیں ایک قول یہ کیا گیا تیل کی سیاہ چھٹ ہے قاموس میں اسی طرح ہے (1) یعنی یہ ان کی ایک اور خبر ہے انہیں کثیر اور حفص نے غلیٰ پڑھا ہے اس صورت میں حوض میر طعام اور زقوم کے لئے ہوگی مہل کے لئے نہ ہوگی کیونکہ جمل انہیں دو میں سے ایک سے حال ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں ضمیر شجرہ کے لئے ہوگی۔

اس زقوم کفار کے پیٹ میں یوں کھولے گا جس طرح گرم پانی کھولتا ہے۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین پر گرے تو تمام دنیا والوں کی زندگی کو کڑوا کر دے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کا یہی کھانا ہے اور کوئی کھانا نہیں (2) امام ترمذی نے امام نسائی ابن ماجہ ابن ابی حاتم ابن حبان حاکم اور بیہقی نے اس کی مثل روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ عبد اللہ بن احمد نے زوائد زہد میں اور ابونعیم نے المعجم و خولانی نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ کہ انسان دنیا سے جو حصہ لیتا ہے دنیا بھی اس سے اتنا ہی حصہ لے لیتی ہے

حُدُودًا فَاعْتَبِرُوا ۖ اِنِّیْ سَوَّآءُ الْجَٰعِلِیْنَ ﴿۱﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَاسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۳﴾ اِنَّ هَٰذَا لَمَّا كُنْتُمْ بِہٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴﴾

” (حکم ہوگا) اس (آیت) کو پکڑ لو پھر اسے تھمیت کر لے جاؤ جنہم کے وسط میں لہ پھر اٹھو اس کے سر کے اوپر کھولنا پانی (اسے) عذاب دینے کے لئے۔ لو پکھو تم بڑے معزز و کرم ہو جسے بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔“

لہ جنہم کے داروغوں سے کہا جائے گا اس گناہ گار کو پکڑو یہ جملہ اپنے قول کے ساتھ مل کر ان کی ایک اور خبر ہوگی۔ کوفہ کے قراء ابو جعفر اور ابو عمر نے فاعطوا کی تاء کو مکسور جبکہ باقی قراء نے مضوم پڑھا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں، یعنی اسے زبردستی جنہم کے وسط میں لے جاؤ عقل کا معنی کسی چیز کو ہر طرف سے پکڑ لینا ہے اور زبردستی کھینچنا ہے۔

لہ مراد یہ ہے کہ اس کے سر پر کھولنا پانی اٹھایا جائے گا تاہم مبالغہ کے لئے یوں کلام کی جاتی ہے صوا فوق واسہ عذابا ہو الحمیم۔ پھر عذاب کو حمیم کی طرف منصف کیا گیا تا کہ تخفیف کا فائدہ دے۔ یہاں من کو ذکر کیا تا کہ اس پر دلالت ہو کہ جس چیز کو پراٹھا گیا وہ اس نوع کا کچھ حصہ ہے۔

لہ اس سے پہلے زقوم محذوف ہے اس عذاب کا مزا پکھو تم اپنے آپ کو بڑا معزز خیال کرتے تھے۔ جزو نے انک کے جزو کو انکو کے ساتھ

پڑھا ہے۔ یعنی اس سے پہلے لام حرف جار محدود ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستأنف ہے۔ امام بخاری نے کہا مقاتل نے کہا جنم کا دارودہ اس جنمی کے سر پر ضرب لگائے گا اور داغ تک اس کے سر میں سوراخ کر دے گا اس میں کھولنا ہوا پانی اٹھ لے گا جو گرجی میں اٹھنا کو پہنچا ہوا ہوگا پھر اسے کہا جائے گا ذیٰ اُنْکَ اُنْتُ الْعَزِیْزُ الْکَوْنِیْمُ یہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ابو جہل کہتا تھا میں اس وادی کا سب سے معزز اور محترم ہوں۔ جنم کے دارودہ اسے یہ الفاظ شرمندہ کرنے کے لئے کہیں گے (1)۔ اموی نے مکر سے مغازی میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ابو جہل سے ملے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں کہوں اولیٰ لک فلاولیٰ تو ابو جہل نے اپنے ہاتھ سے کپڑا اتارا اور کہا تو اور میرا صاحب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو خوب جانتا ہے کہ میں اس وادی کا سب سے طاقتور اور عزت والا آدمی ہوں۔ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کر دیا اسے ذلیل و رسوا کیا اور ان کلمات کے ساتھ اسے شرمندہ کیا (2) اور اس آیت کو نازل فرمایا۔ ابن جریر نے قنادہ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

یہ وہی عذاب ہے جس میں تم شک کرتے تھے۔

إِنَّ الشَّقِیْنَ فِي مَقَامٍ أَمِیْنٍ ﴿۱﴾ فِي جَنَّتٍ وَعُیُونٍ ﴿۲﴾ یَلْبَسُوْنَ مِنْ سُندُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَطِّلِیْنَ ﴿۳﴾ كَذٰلِكَ وَرَوَّجْنٰهُمْ بِحُورٍ عِیْنٍ ﴿۴﴾

”یقیناً پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے۔ باغات میں اور (پتے ہوئے) چشموں میں۔ پہنے ہوئے ہوں گے لباس باریک اور دبیر ریشم کا آنے سانے بیٹھے ہوں گے۔ ہاں یونہی ہوگا اور ہم بیاہ دیں گے انہیں گوری گوری آہو چشم عورتوں سے۔“

۱۔ اہل مدینہ اور اہل شام نے مقام کوئیم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ مصدر میسی ہے اور اقامت کے معنی میں ہے، جبکہ باقی قراء نے نیم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ ظرف کا صیغہ ہوگا۔ اس جگہ کو امین اس لئے کہا گیا کیونکہ جو وہاں پہنچ جائے گا وہ تمام مصیبتوں اور وہاں سے منتقل ہونے سے محفوظ ہو جائے گا۔

۲۔ یہ مقام سے بدل ہے۔ بدل ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جگہ صاف ستھری ہے اور اس میں لطف عطا کرنے والے کھانے اور مشروبات ہوں گے۔

۳۔ یہ ان کی دوسری خبر ہے اس ضمیر سے حال ہے جو اس شہ فعل میں پائی جارہی ہے فی مقام اور امین جس کے متعلق ہے یا یہ جملہ مستأنف ہے۔ سندس باریک ریشم کو کہتے ہیں اور استبرق موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ اگر جنت کا کوئی کپڑا آج پہنا جائے تو جو اسے دیکھے گا وہ بے ہوش ہو جائے گا اور لوگوں کی آنکھیں اسے برداشت نہ کر سکیں گی۔ صابو نے تائین میں مکر سے نقل کیا ہے کہ ایک ہفتی حلقہ پہنے گا تو ایک وقت میں اس کے ستر ترک ہوں گے وہ ہفتی ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے تاکہ وہ ایک دوسرے سے مانوس ہوں۔

۴۔ کذلک خبر ہے اس کا مبتدا الامر ہے وَرَوَّجْنٰهُمْ بِحُورٍ عِیْنٍ قند کے مضمحل ہونے کے ساتھ حال ہے یا ان کی خبر پر اس کے ساتھ عطف ہے۔ معنی یہ ہوگا ہم نے انہیں حوروں کے ساتھ ملا دیا ہے اسی وجہ سے اس کا صلہ باء ذکر کیا ہے کہ عقد کاح کا ذکر نہیں کیونکہ اس

موقع پر ذوجتہ باہرۃ نہیں کہا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا اس کا معنی ہے ہم نے انہیں حوروں کے ساتھ جوڑا جوڑا بنادیا ہے جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے ساتھ مل کر جوڑا بن جاتا ہے حورہ عورتیں ہیں جو پاکیزہ صاف ستھری اور سفید رنگ کی ہوں گی ان کی سفیدی اور رنگ کی صفائی کی وجہ سے آنکھیں متحیر ہو جائیں گی۔ حور حوراء کی جمع ہے، عین عیناء کی جمع ہے جس کا معنی بڑی آنکھوں والی ہے۔ طبرانی نے ابوامامہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حور عین زعفران سے بنائی گئی ہے (1)۔ تہذیبی نے اسی کی مثل حضرت انس سے مرفوع اور حضرت ابن عباس سے موقوف روایت نقل کی ہے۔ مجاہد سے بھی اسی طرح روایت مروی ہے۔ ابن مبارک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حور عین کو مٹی سے پیدا نہیں فرماتا اللہ تعالیٰ انہیں کستوری کا فور اور زعفران سے پیدا فرماتا ہے (2)۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حور سمندر میں لعاب ڈالے تو اس کے لعاب کے سفاس کی وجہ سے سارا سمندر ٹٹھا ہو جائے (3)۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اگر حور زمین و آسمان کے درمیان اپنی پھٹی باہر نکالے تو تمام مخلوق اس کے حسن کی وجہ سے اس کی فریفتہ ہو جائے اگر وہ اپنی اور حسنی نکالے تو اس کے حسن کے سامنے سورج ایک دیئے کی صورت اختیار کر لے اور اس کی کوئی روشنی نہ رہے اگر حور اپنے چہرے کو باہر نکالے تو اس کا حسن زمین و آسمان کے درمیان کو روشن کر دے (4)۔

ہناد نے حبان بن اہلہ سے روایت کیا ہے کہ جب دنیا کی عورتوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو انہیں اعمال کی وجہ سے حور عین پر فضیلت دی جائے گی۔

يَذْعَبُونَ فِيهَا النَّجْمَ ۖ لَكَ بِهَا أَتُوبَتٌ ۖ لَا تَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۖ فَضَلَّامٌ مِّنْ رَبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْقَوْدُ الْعَظِيمُ ۖ فَإِنَّمَا يَسِيرُنَّ يُلَسَّاسًا لِّعَلَّهِمْ يَسْأَلُونَ ۖ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُونَ ۖ

”وہ منگو لیا کریں گے وہیں ہر جسم کا پھل اطمینان سے نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ بجز اس پہلی موت کے اور اللہ نے بچالیا ہے انہیں عذاب جہنم سے نہ محض آپ کے رب کی مہربانی سے بلکہ وہ بڑی کامیابی ہے (جس کی انہیں اس رزو تھی) جس میں ہم نے آسمان کو دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں جسے سو آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ھ“

۱۔ اس پھل کے قسم ہونے اور اس کی تکلیف سے وہ امن میں ہوں گے۔ یہ جملہ ایک اور حال ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ دنیا میں جو پھل بھی ٹٹھایا کڑوا ہو گا وہ جنت میں بھی ہو گا یہاں تک کہ شبہ بھی ہو گا۔ ابن ابی حاتم ابن جریر اور تہذیبی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے جنت میں جو پھل ہیں دنیا میں اس کے صرف نام ہیں۔
۲۔ یہ جملہ ایک اور حال ہے، یعنی وہ جنت میں موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے بلکہ ہمیشہ زندہ رہیں گے یہاں مستحکم منتقل ہے یا متصل ہے فیما۔ جس میں خیر آخرت کے لئے ہے اور موت آخرت کا پہلا مرحلہ ہے۔ یا ہاضمیر سے مراد جنت ہے اور میت موت کے ساتھ جنت

میں پہنچ جاتا ہے اور موت کے ساتھ ہی اس کا مشاہدہ کر لیتا ہے گویا اس کی موت میں واقع ہوئی یا نبی میں عموم اور موت کے متمتع ہونے کے مبالغے کے لئے استثناء ذکر کی گئی۔ گویا یہ فرمایا وہ جنت میں یا آخرت میں موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے۔ مگر اس صورت میں کہ مستقبل میں موت کا چکھنا ممکن ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَنْتَظِرُوْا اَمَّا لَكُمْ اَنْ تَقُوْلَ قَوْلًا فَاَتَاكُمْ اُولٰٓئِكَ سُلٰفٌ وَّوَقُّهُمْ عَذَابُ الْجَحِيْمِ یہ جملہ لایفادہ قون کے قائل سے حال ہے اور اس سے پہلے قدمخوف ہے یا ان کی خبر پر اس کا عطف ہے۔

سے فضلہ یہ مقدم فعل کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فضلو افضلا منه واعطوا کل ذلک عطاء منه، یعنی انہیں سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل کے طور پر دیا گیا یہ اللہ تعالیٰ پر لازم نہیں۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور نہ ہی جہنم سے اسے بچائے گا یہاں تک مجھے بھی مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ایسا ہوگا اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (1) یہی عظیم کامیابی ہے کہ کوئی اس میں تکلیف دہ چیزوں سے رنگاری اور مقاصد کا حصول ہے۔

یہ یسئلہ میں ہضمیر سے مراد قرآن ہے ہلسانک یہ ہضمیر سے حال ہے، یعنی ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں اتار کر آسان بنا دیا ہے تاکہ لوگ اس کو سمجھیں اور اس سے نصیحت حاصل کریں یہ جملہ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے ساتھ متصل ہے یہ اس صورت کا نتیجہ ہے۔

یہ یہ جملہ مخدوف شرط کا جواب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے وان لم یبذلکروا فادفع ابائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر جو عذاب آنے والا ہے اس کا انتظار کیجئے جس طرح وہ آپ پر آزمائش آنے کی انتظار کر رہے ہیں یا اس کا معنی ہے آپ اپنی فتح کا انتظار کریں جس طرح وہ اپنے گمان کے مطابق آپ پر قہر نازل ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ امام ترمذی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رات میں سورۃ دخان پڑھی ستر ہزار فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں (2)۔ انہیں سے ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کی رات سورۃ دخان پڑھی اس کے ساتھ گناہ بخش دیئے گئے (3)۔ طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ ابوامامہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن سورۃ دخان پڑھی اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے ایک گھر بناتا ہے (4)۔

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 377 (تذہبی)

2- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 112 (فاروقی)

3- جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 112 (فاروقی)

4- الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 737 (ذہبی)

سورہ جاثیہ

﴿اٰیٰہا ۳۷﴾ ﴿سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۲۵﴾ ﴿مَرْكُوْعًا ۴﴾

سورۃ الجاثیہ کی ہے، اس میں سترتیس آیات اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حَمْدٌ ۙ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَفِی خَلْقِكُمْ مَّوَاسِیٓتٌ ۙ مِنْ ذٰلِكَ لَیْتُمْ یُقِیْمُوْنَ ۝

”حامیم! اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین میں (اس کی یکتائی)، (قدرت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لئے اور (خود) تمہاری پیدائش میں اور اپنی حیوانات میں جن کو وہ پھیلا رہا ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔“

۱۔ اے اگر رحم کو مبتدا بنایا جائے تو تنزیل الکتاب اس کی خبر ہوگی اور اگر یہ حرف مقطعات ہوں تو اس صورت میں تنزیل الکتاب مبتدا ہوگی اور میں اللہ العزیز الحکیم اس کی خبر ہوگی عزیز صفت ذکر فرمائی کیونکہ وہ انتقام لینے میں غالب ہے اور حکم صفت ذکر فرمائی کیونکہ وہ تدبیر میں حکمت والا ہے اگر رحم کو مبتدا بنایا جائے تو صورت اللہ تنزیل کے متعلق ہوگا ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے کہ حم کے ساتھ قسم اٹھائی گئی ہے اور تنزیل الکتاب اس کی صفت ہے اور مابعد آیات اس کا جواب قسم ہیں۔

۲۔ آسمان و زمین میں ایسی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت کا معنی وہی ہو جو ظاہر طور پر سمجھا جا رہا ہے۔ یعنی زمین و آسمان میں مؤمنوں کے لئے نشانیاں ہیں یا اس کا یہ معنی ہوگا کہ ان کی تخلیق میں مؤمنوں کے لئے نشانیاں ہیں جس طرح مابعد آیت میں ہے۔

۳۔ تمہیں تطفہ دے ہوئے خون اور گوشت کے لقمے اور مکمل انسان کی صورت میں پیدا کرنے میں قدرت کی نشانیاں ہیں وَمَا لَیْکُمْ مِنْ ذٰلِکَ کَا عَظْفٍ لِّمَنْ خَصِرٌ پُر کرنا بھی جائز ہے تاہم زیادہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ اس کا عطف خَلْقُکُمْ پر کیا جائے کیونکہ جانوروں کا زمین میں پھیلا ہوا ہونا اس کی مختلف اقسام کا ہونا اور ان چیزوں پر مشتمل ہونا جس سے انسان کی زندگی مکمل ہوتی ہے ان میں ایسی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی وحدانیت اور کمالات پر دلائل ہیں۔ حمزہ، کسائی اور یعقوب نے آیات پڑھا ہے کیونکہ اس کا عطف ان کے اسم پر ہے جبکہ باقی قراء حضرات نے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ اس کا عطف ان کے اسم کے محل پر ہے۔ فرمایا ان دلائل سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے معبود برحق ہونے اور قیامت کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔

وَ اٰخِیَافَ النَّبِیِّ وَ التَّہَاوِیَّ وَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِزْقٍ فَاٰخِیَافُ

الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفَ الرِّيحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ⑤

”نیز گردش ہل و نہار میں اور جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے رزق (کاسبینہ) پھر زندہ کر دیا اس کے ذریعے

زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور ہواؤں کے ادھر ادھر چلنے میں نشانیاں ہیں ان کے لئے جو عقلمند ہیں۔“

۱۔ موسم گرما اور موسم سرما کے آنے جانے یا رات اور دن کے آنے جانے آسمان سے رزق نازل کرنے زمین کے خشک ہو جانے کے بعد اس کو سرسبز و شاداب کرنے اور ہواؤں کے رخ بدلنے میں عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ حمزہ اور کسائی نے ربیع کو واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس سے جنس مراد ہوگی جبکہ باقی قراء نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ ہوا مختلف سمتوں سے چلتی ہے جنہیں قبولِ دیور جنوب اور شمال کہتے ہیں۔ حمزہ، کسائی اور یعقوب نے آیات کو تبارکی جر کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ نیک نصب میں ہے جبکہ باقی قراء نے تاء کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر ہے وہ عامل فی اور ابتداء ہیں۔ یا اختصاص کے طریقہ پر آیات کو نصب دی گئی ہے۔ یا محیی ضمیر مضمضہ ہے اور آیات مرفوع ہے کیونکہ یہ خبر ہے۔ امام بیضاوی نے کہا یہاں تین آیات کا اختتام تین مختلف الفاظ پر کیا گیا ہے کیونکہ ان میں جو دلائل ہیں وہ وقت اور ظہور میں مختلف ہیں (۱) جبکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام کے محاسن کے اعتبار سے ہے ورنہ ایمان اور ایقان کا معنی ایک ہے کیونکہ عقل سلیم اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آسمان و زمین کے خالق پر ایمان لایا جائے۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ قُبَاهِيَ حَدِيثُ بَعْدَ اللَّهِ وَالتَّيْمُونِ ①

”یہ سیب نشانیاں ہیں اللہ کی (قدرت کی) ہم بیان کرتے ہیں انہیں آپ پر حق کے ساتھ پس وہ کون سی ایسی بات ہے

جس پر وہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد ایمان لائیں گے۔“

۱۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ مبتداء اور خبر ہے تَتْلُوهَا عَلَيْكَ حال ہے اس میں عامل اسم اشارہ کا معنی ہے۔ یا یہ مبتداء کی دوسری خبر ہے بالحق، تَلَّوْا کے فاعل سے یا مفعول سے حال ہے قُبَاهِيَ حَدِيثُ بَعْدَ اللَّهِ جزائیہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فان لم قوموا بآیات اللہ فیای حدیث بعد اللہ و آیت یومنون۔ یعنی اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں پر ایمان نہیں رکھتے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والے جو دلائل ہیں ان کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ کفار کسی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ابن عامر حمزہ کسائی ابو بکر اور یعقوب نے یُؤْمِنُونَ کو تو یومنون پڑھا ہے۔ اس صورت میں غائب کے صیغہ سے خطاب کی طرف التفات ہے جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔

وَيَلَّيْلًا أَقَالُ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُو عَلَيْكُمْ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا ②

لَمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ③

”بلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لئے۔ جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی وہ (کفر

پر) اڑا رہتا ہے خود کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں پس آپ اسے دردناک عذاب کا مژدہ عطا کریں۔“

لَا أَقَالُ کَافِرًا مَعْنٰی بہت ہی جھوٹا ہے آئینہ بہت زیادہ گناہ کرنے والا۔ اس سے نظر بن حارث مراد ہے یہ جملہ معترف ہے۔
 عَلٰی یُسْمَعُ اَلِیْتِ اللّٰہِ جملہ فعلیہ آئینہ کی صفت ہے شُئِلَ عَلَیْہِ یہ جملہ فعلیہ آیات سے یا ضمیر مرفوع سے حال ہے۔ ثُمَّ یُسْمَعُ کا سمع پر
 عطف ہے ثُمَّ کا لفظ اس لئے ذکر کیا تاکہ اس امر پر دلالت ہو کہ آیات سننے کے بعد بھی اصرار بہت ہی عجیب بات ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ
 ایمان سے تنکیر کرتے ہوئے اصرار کرتا ہے کان یہ مسئلہ سے مخفی ہے۔ اس کا اسم ضمیر شانِ محذوف ہے ثُمَّ یُسْمَعُ ہائے جملہ حال کے محل
 میں ہے، یعنی وہ نہ سننے والے آدمی کی طرح اصرار کرتا ہے۔ فَبَشِّرْهُ میں فاء سیدہ ہے اور بشارت ایسی خبر کو کہتے ہیں جو چہرے پر خوشی
 کے آثار کو ظاہر کر دے یہاں لفظ بشارت کا ذکر ایسی خبر کی صورت میں جو چہرے پر حزن کو ظاہر کرے بطور استہزاء ہے۔

وَ اِذَا عَلِمَ مِنَ الْبَیِّنَاتِ اَنَّہُ کَاٰفِرٌ وَّ اُولٰٓئِکَ لَہُمْ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ ۝
 مِنْ دُوْرِ اَیْہِمۡ جَہَنَّمَ ۚ وَلَا یُعْزِیۡ عَنْہُمْ مَّا کَسَبُوْا سِیّئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ
 دُوْرِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ ہٰذَا هُدٰی ۚ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا
 بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَہُمْ عَذَابٌ مُّزِیْجٌ ۝

”اور جب وہ آگاہ ہوتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی پر تو ان کا مذاق اڑانے لگتا ہے یہی وہ (بدقماش) ہیں جن کے
 لئے رسوا کن عذاب ہے ان کے آگے جہنم ہے اور ان کے ذرا کام نہ آئے گا جو انہوں نے (عمر بھر) کمایا اور نہ وہ کسی
 کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مددگار بنایا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ قرآن سراپادایت
 ہے اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا ان کے لئے دردناک عذاب ہے سخت ترین عذاب میں سے۔“

لَا اِذَا عَلِمَ کا عطف یسمع پر ہے۔ معنی یہ ہے جب قرآن میں سے کوئی چیز اس تک پہنچتی ہے تو اسے مذاق بنالیتا ہے اتحاد میں ہا
 ضمیر شینا کے لئے ہے اور فی آیت کے معنی میں ہے اس لئے ضمیر مونث ہے یا ضمیر آیت کی طرف لوٹ رہی ہے ہمزوا اسم مفعول کے
 معنی میں ہے ان تمام جھوٹوں کے لئے قیروں میں ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

یہ جملہ اُولٰٓئِکَ لَہُمْ میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے وراء اس جہت کا نام ہے جس کے مقابل شخص موجود ہے خواہ وہ پیچھے ہو یا
 سامنے ہو۔ جہنم کے سامنے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہنم کی طرف منہ کیے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کے پیچھے ہونے کا مطلب یہ
 ہے کہ جہنم ان کی موتوں کے بعد ہوگی۔ ان کے مال اور اولاد میں انہیں جہنم سے کچھ فائدہ نہ دیں گی اسی طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کو
 چھوڑ کر جن کو اپنا دوست بنایا ہے وہ بھی انہیں کوئی فائدہ نہ دیں گے یہاں اولیاء سے مراد یا تو وہ ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے
 یا وہ روستا ہیں جن کی وہ اتباع کرتے تھے یہاں ماصد یہ ہے یا موصول ہے یہ وَلَا یُعْزِیۡ وَلَا ہٰذَا ہٰذَا جملہ لہم کی ضمیر سے حال ہے وَلَہُمْ
 عَذَابٌ عَظِیْمٌ ایک اور حال ہے۔

یہ اسم اشارہ سے قرآن مراد ہے، یعنی قرآن سراپادایت ہے جس کے ذریعے انسان گمراہی سے ہدایت پاتا ہے یہ جملہ معترف ہے
 جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا ان کے لئے سخت ترین عذاب ہے۔ ابن کثیر یعقوب اور حفص نے الیم کو مرفوع پڑھا ہے
 کیونکہ عذاب کی صفت ہے جبکہ باقی قراء نے اسے رجز کی صفت پڑھا ہے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا کا عطف ہٰذَا ہٰذَا کی ہے۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ تَجْرَىٰ ۖ الْفُلْكَ فِيهِ بِأَمْرِ ۚ وَ لِيَتَّبِعُوا مِنْ قُصْلِهِمْ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّلْوٰتِ وَمَافِي الْأَرْضِ جِجِيْعًا مِّنْهُ
إِن فِي ذَٰلِكَ لَا يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٦١﴾

”اللہ ہے جس نے سحر کر دیا ہے تمہارے لئے سمندر کو تاکہ رواں رہیں اس میں کشتیاں اس کے حکم سے اور تاکہ (تم) بحری تجارت سے) تلاش کرو اس کا فضل اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کیا کرو۔ اور سحر کر دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اپنے حکم سے بے شک اس (نظام) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی سطح کو چکنا، ہموار بنایا لکڑی جیسی چیز اس کے اندر جانے کے بعد اس پر تیرنے لگتی ہے اور اس میں غوطہ لگانے میں کوئی رکاوٹ نہیں سمندر دور یا کو اس طرح اسی لئے بنایا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلتی رہیں اور تجارت غوطہ لگانے اور شکار کے ذریعے اس میں سے اپنا رزق کماد و قُصْلِهِم یہ تبتغوا کے محذوف مفعول بہ سے حال ہے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ اس کا عطف یَتَّبِعُوا پر ہے معنی یہ ہوگا تاکہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ اَللّٰهُ الَّذِي وَاَلَا جملہ ان آیات کے ساتھ متصل ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں کا ذکر تھا درمیان میں مختصر فہمیلے ہیں۔

۲۔ اس کا عطف سحر پر ہے مَافِي السَّلْوٰتِ سے مراد سورج، چاند، ستارے پانی اور برف وغیرہ ہیں مَافِي الْأَرْضِ سے مراد حیوانات نباتات معدنیات چشمے اور قہریں ہیں۔ جمیعاً یا تو تاکید ہے یا حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے چند امور کے لئے انہیں سحر کیا جن کا نفع تمہیں ہی پہنچتا ہے منہ جار مجرور موصولہ سے حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تمہارے لئے سحر کیا یا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ہوگی ہی جمیعاً منہ یا یہ مَافِي السَّلْوٰتِ کی خبر ہے یا مَافِي الْأَرْضِ کی خبر ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے زجاج نے کہا اس کا معنی ہے یہ سب اس کی طرف سے فضل ہے (۱)۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کرتے ہیں ان کے لئے ان میں بڑی نشانیاں ہیں۔

قُلْ لِلّٰهِ يَنْفَعُ وَ الْاِنِّى نَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٢﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَ مَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى
رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿٦٣﴾

”اے حبیب! فرمائیے اہل ایمان کو کہ درگزر کرتے رہیں ان لوگوں سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی تاکہ اللہ خود بدل دے ہر قوم کو جو وہ کیا کرتے تھے۔ جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لئے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے تو

اس کا وبال اس پر ہوگا پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔“

۱۔ امام بغوی نے کہا کہ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے نقل کیا ہے کہ بنی غفار کے ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ

میں گالی دی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا کہ اسے پکڑ لیں (۱) تو اللہ نے اس آیت کو نازل فرمایا یہاں قول کا مقولہ حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ جواب امر اس پر دلالت کرتا ہے جواب امر یغفر وا ہے معنی ہے بنے گا آپ انہیں کہیں کہ معاف کرو اگر آپ انہیں معاف کر دینے کا کہیں گے تو وہ معاف کر دیں گے اور درگزر سے کام لیں گے۔ لٰذٰی نَنْتَظِرُ لَا يُزِجُجُنَّ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان ایام کی توقع اور خوف نہیں رکھتے جن میں ان پر مصیبت آ سکتی ہے یہاں اس سے مراد کفار ہیں۔ عربوں کے ہاں جنگ کے واقعات کو ایام العرب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یعنی کفار ان اوقات کا خوف نہیں رکھتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی فتح اور ان کی جزاء کے لئے معین کر رکھا ہے۔ امام بخاری نے کہا قرطی اور سدی نے کہا یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ ابھی انہیں جہاد کا حکم نہیں دیا گیا تھا اور مشرک انہیں سخت اذیتیں دیا کرتے تھے۔ ان صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (۲) پھر اس آیت کا حکم جہاد والی آیت سے منسوخ کر دیا۔ ابن عابز حمزہ اور کسائی نے لندجوئی جمع مشکم کا صیغہ پڑھا ہے تاکہ عظمت شان کا اظہار ہو، جبکہ باقی قراء نے واحد مذکر عاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ابو جعفر نے واحد مذکر عاب مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس صورت میں فعل مصدر کی طرف منسوب ہوگا۔ کسائی نے یہی قول کیا ہے۔ یہاں جزاء سے مراد وہ چیز ہوئی جس کے ساتھ جزاء دی جاتی ہے کیونکہ جب مفعول یہ موجود ہو تو پھر مصدر کی مصدر کی طرف نسبت کرنا ضعیف ہوتا ہے۔ قوم سے مراد یا تو مومن ہیں پھر معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ مومنوں کو بدلہ عطا فرمائے گا کیونکہ وہ کفار کی اذیتوں پر صبر کرتے رہے ہیں یا تو قوم سے مراد کفار ہیں تو پھر معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کفار کو کامل جزاء دے گا۔ دنیا میں اس سے انتقام لینے کی وجہ سے ان کو سزا میں کوئی کمی نہیں کرے گا یا معنی یہ ہے دونوں قوموں کو ان کے اچھے برے عمل کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

جوانسان اچھا عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے ہی کرتا ہے کیونکہ اس کا ثواب اسے ہی ملتا ہے اور جو برا عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے ہی برا کرتا ہے کیونکہ اس کا برا انجام اسی کو دیکھنا ہوتا ہے۔ جب تم اپنے اعمال کی وجہ سے جزاء اور سزا کے مستحق بن جاؤ گے تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اگر اچھا عمل کیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے گا اگر برا عمل کیا ہوگا تو سزا دے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَءٰلَ الْكِتٰبَ وَالْحَكْمَ وَالنُّبُوۡكَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الصَّٰلٰتِ وَ
فَصَّلٰتُهُمْ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۱ وَآتٰیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۙ فَمَا أَصْبٰهُۤوا اِلاَّ مِنْ
بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِیَآۤیِیٰہُمْ ۙ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیۡمَا
كَانُوْا فِیۡہِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝۶۲

”اور بے شک ہم نے عطا فرمائی بنی اسرائیل کو کتاب حکومت اور نبوت اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا اور انہیں بزرگی دی (اپنے زمانے کے) اہل جہان پر۔ اور ہم نے انہیں دین کے معاملہ میں واضح دلائل دیئے ہیں آپس میں انہوں نے جھگڑا شروع نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ انہیں (حقائق) کا صحیح علم آ گیا محض باہمی حسد و عناد کے باعث یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔“

۱۔ یہاں اَلْمَلِئِکَۃ سے مراد تو رات آنکھیں اور زور ہے۔ حکم سے مراد علماء اور بادشاہ ہیں، یعنی حکم والے عطا کئے۔ نبوت کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کیونکہ بنی اسرائیل میں کثیر انبیاء ہو گزرے ہیں۔ پاکیزہ رزق سے مراد سن و سولگی اور دوسرے لذیذ کھانے ہیں اور انہیں اس زمانہ کے لوگوں پر فضیلت عطا کی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوا۔ فَطَنَهُمْ میں ہم نصیر بنی اسرائیل کی طرف اس اعتبار سے لوٹے گی کہ ان میں سے بعض (انبیاء) کو اس زمانہ کے لوگوں پر فضیلت عطا کی۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان سے بڑھ کر کوئی معزز نہ تھا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ان سے بڑھ کر کوئی محبوب تھا (۱) اس آیت میں یہ دلالت موجود ہے کہ خاص بشر خاص فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

۲۔ بِسْمِ اللّٰہِ سے مراد ایسے دلائل ہیں جو دین کو واضح کرنے والے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے انہیں ان چیزوں کا علم حاصل ہو گیا جس کا جاننا اور اعتقاد رکھنا واجب تھا۔ ساتھ ہی انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کی نشانیوں کا علم بھی حاصل ہو گیا۔ وہ آپ کو یوں پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ علم حاصل ہونے کے بعد انہوں نے دین کے معاملہ میں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اختلاف محض دشمنی، حسد اور خواہش نفس کی غلامی کی وجہ سے کیا، ان کی مخالفت کسی قطعی دلیل کی طرف منسوب نہ تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا اکثر یا بہتر فرقوں میں تقسیم ہونا کسی دلیل کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ وہ انہوں نے قطعہ کے مقابلے میں وہم کی پیروی کرتے تھے جس طرح معتزلہ نے فلاسفہ کی پیروی کی، جبکہ ان کا گمان یہ ہے کہ کافی اور اکتات کے لئے عقل کافی ہے جس طرح مجسمہ ہیں۔ انہوں نے کہا موجود کا جسم ہوتا ہے یا رخیسوں اور خارجوں کی طرح انہوں نے حد اور عناد کی پیروی کی۔ دین کے معاملہ میں جو وہ اختلاف کرتے تھے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کا مواخذہ کر کے اور ان کے اعمال کا بدلہ دے کر فیصلہ فرما دے گا۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِّ عَمَلٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ اِنَّهُمْ لَن يَغْنَوْا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَاِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَاللَّهُ وَكِي الْمُبْتَلِينَ ۝ هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝

”پھر ہم نے تجھ کو سب سے بدترین عمل پر دینا شروع کر دیا۔ آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں، یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کو قطعاً کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ہمیز گاروں کا دوست ہے۔ یہ یہ نصیرت افراد باتیں ہیں سب لوگوں کے لئے اور (باعث) ہدایت و رحمت ہے ان کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔“

۱۔ شریعت سے مطاطہ صراط مستقیم اور حق کا راستہ ہے جن پر تمام رسولوں کو مبعوث کیا گیا۔ عَلٰی شَرِّ عَمَلٍ سے مراد دوسرا مفعول ہے۔ امر سے مراد دین کا امر ہے تو اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ حق کے راستہ کی اتباع کریں یہاں فاء سببیہ سے وَ لَا تَتَّبِعْ میں امر چھ خطاب ظاہر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر امر آپ کی امت ہے۔ معنی یہ ہوگا آپ کی امت ان لوگوں کی اتباع نہ کرے جن کے پاس کتاب

الہی کا علم ہمیں خواہ وہ جبل مرکب ہو جیسے فلاسفہ کا علم یا جہل ہی ہو جیسے قریش کے سرداروں کا علم یا ان لوگوں کے پاس کتاب الہی کا علم تو ہو لیکن انہوں نے کتاب پر عمل کرنا جان بوجھ کر چھوڑ دیا وہ انہوں نے اس میں جمہوری اور غلط تادیبیں کر لی ہوں گو یاد و حقیقت میں کچھ علم ہی نہیں رکھتے جس طرح یہودیوں کے علماء اور گمراہ فرقوں کے علماء اور ان کا تعلق مسلمانوں سے ہی کیوں نہ ہو۔

[illegible]

ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں اس لئے انہیں اپنا دوست نہ بنائیں کیونکہ باہم اکٹھے ہونے کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہوتا ہے (جبکہ وہ ظالم ہیں اور ظلم سے دور رہتے ہو) اللہ تعالیٰ متقین کا دوست ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست بناؤ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور شریعت کے احکام کی اتباع کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ دونوں جملے اس قول سے کنایہ ہیں کہ وہ آپ کو کچھ نقصان نہیں دے سکتے کیونکہ ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پر پیڑہ گاروں کا دوست ہے ان دونوں دوستیوں میں کتنا فرق ہے اللہ تعالیٰ کی ودیقہ قوی ہے اس لئے وہ ظالم آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

اس اسم اشارہ سے مراد قرآن یا شریعت کی اتباع ہے، یعنی اس میں ایسے اسباب ہیں جو لوگوں کے لئے دونوں جہانوں میں ان کی کامیابی کی صورتوں کو ظاہر کرتے ہیں اس میں گمراہی سے ہدایت اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والی قوم کے لئے رحمت ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمُ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ مَعْيَاهُمْ وَمَعَانِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَرُجِّي لِكُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

”کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارکاب کرتے ہیں بدایوں کا کہ ہم بنادیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے (دونوں) کا جھینا اور مرنا پڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ تاکہ بدلہ دیا جائے شرس کو جو اس نے کمایا اور ان پر (قسطاً) قلم نہیں کیا جانے گا۔“

۱۔ اس جملے کا عطف هذا بھانوں پر ہے۔ اسم مطلقہ۔ ہے اس میں حمزہ انکار اور شمرندو کرنے کے لئے ہے اور اسم ضراب کے معنی میں ہے آیت کا معنی یہ ہو گا کہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ قرآن سراپا ہدایت ہے بلکہ جنہوں نے گناہ کئے وہ یہ گمان رکھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح بنادیں گے جو ایمان لانے اور اعمال صالحہ کیے۔ کَلَّا يَنْفَعُ الْهُنَا بِهٖ فَعَجَلَ كَآءُ دَوْرًا مِّنْهُوَ عَلٰی۔ یہ آیت مشرکین مکہ کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ مومنوں سے کہتے تھے جو تم دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارے میں کہتے ہو اگر وہ واقعہ تو ہم آخرت میں بھی تم سے فضیلت رکھنے والے ہوں گے جس طرح ہم دنیا میں تم سے بہتر حالت میں ہیں۔ حمزہ، کسائی اور حفص نے سو اداء منسوب پڑھا ہے۔ کَلَّا يَنْفَعُ الْهُنَا بِهٖ استعمال ہے یا یہ حال ہے یا مفعول ہے ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے اور کَلَّا يَنْفَعُ الْحَالِ ہے مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ یہ سوا کا فاعل ہے۔ دونوں ضمیریں پہلے اسم موصول کے لئے ہیں اگر دونوں ضمیریں دوسرے اسم موصول کے لئے

ہوں گی تو پھر سوا دوسرے اسم موصول سے حال ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے دونوں ضمیریں دونوں جماعتوں کے لئے ہوں تو سوا، کائناتین اُنھنْوات بدل ہوگا یا دوسرے اسم موصول یا پہلے کی ضمیر سے حال ہوگا۔ باقی قراء نے سوا کو مرفوع پر حابے کیونکہ یہ خبر مقدم ہے اور مَحْبُوطٌ لَھُمْ مَحْبُوطٌ مبتدأ ہے اور جملہ دوسرے مفعول سے بدل ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ جملہ مفعول ثانی ہو یا یہ جملہ مستأنف ہو اور اس انکار کا تقاضا کرنے والا امر کی وضاحت کرتا ہے یا یہ حال ہے اور ضمیریں دونوں جماعتوں کے لئے ہیں۔ معنی یہ ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ موت کے بعد وہ دونوں برابر ہوں یا مواخذہ نہ کئے جانے میں برابر ہوں جس طرح وہ دنیا میں رزق اور صحت میں برابر تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا دونوں ضمیریں دونوں جماعتوں کے لئے ہیں اور جملہ مستأنف ہے۔ معنی یہ ہوگا مومن دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا محبت اور محبوب ہوتا ہے، جبکہ کافر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہوتا ہے۔

وہ مساوات کا جو فیصلہ کرتے ہیں وہ کتنا ہی برا ہوتا ہے امام بغوی نے کہا سروق نے کہا اہل مکہ کے ایک آدمی نے مجھے کہا یہ تیرے بھائی حیم داری کی کیا قیام ہے اللہ کی قسم ایک رات صبح ہو چکی تھی یا صبح ہوئے والی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے آیت پڑھتے تھے رکوع کرتے سجدہ کرتے اور رو رہے تھے اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَشْیَآءَ اَنْ یَّجْعَلَ لَکُمُ الدَّیْنَ اَمْ لَیْسَ لَهُمْ اَعْمَلُوْا الصَّالِحِیْنَ (1)۔

ع۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا تاکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی قدرت اور صفات کمال پر دلالت کریں گویا یہ مذکورہ امور پر دلیل ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو فضول پیدا نہیں کیا بلکہ انہیں حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اس کی یہ شان اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلانے، گناہ گار اور نیکو کار میں فرق کرے اور اگر دنیاوی زندگی میں ایسا نہیں ہوا تو موت کے بعد ضرور ایسا ہونا چاہیے۔ نتیجہ کی کا عطف بالحق پر ہے کیونکہ وہ علت کے معنی میں ہے یا اس کا عطف محذوف علت پر ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ لوگ اس کے ذریعے صانع، اس کی قدرت اور اس کے عدل پر استدلال کریں اس کی اطاعت پر قائم رہیں اور ہر نفس کو اچھے برے عمل کی جزا دی جائے گی۔ نہ ان کے ثواب میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی ان کے عذاب میں اضافہ کیا جائے گا۔ یہاں اسے ظلم کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا، جبکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل بھی ظلم نہیں۔ اس میں مشاکل کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور یہ فعل کرتا تو یہ ظلم ہوتا جس طرح ابتلاء اور اختبار اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور سے صادر ہو تو وہ ظلم ہوتا ہے۔

اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْاِلٰهَہٗ ہٰوِلَہٗ وَاَصْلَہٗ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمِہٖ وَاَحْسَمَ عَلٰی سُبُوْحِہٖ وَقَلْبِہٖ

وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ عَشُوْطًا ۚ فَسَنُیْہِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰہِ ۚ اَفَلَا تَدَّکَّرُوْنَ ۝۱۱

”ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنالیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے بعد (لوگو!) کیا تم غور نہیں کرتے۔“

ع۔ قاء عاظف ہے۔ اس جملہ کا عطف محذوف کلام پر ہے۔ لہذا یہ کلام یہ ہوگی اَتَہْتَمُّ اَنْ یَّہْدِیْہُمْ فِیْہِیْہُمْ F

دی اور منہیات سے اعراض کرنا ترک کر دیا، اپنی خواہشات کی پیروی کی گویا اس کو اپنا معبود بنالیا۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت حسن اور قتادہ نے کہا وہ کافر ایسا ہے جس نے اپنا دین اپنی خواہشات کو بنالیا وہ کسی چیز کی خواہش نہیں کرتا مگر اسے اپنے اوپر سوار کر لیتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کما حقہ یقین نہیں رکھتا اس لئے ڈرتا، نہیں اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام کی ہوتی ہیں انہیں حرام نہیں جانتا۔ دوسرے علماء نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اپنا معبود خواہش نفس کو بنالیا ہے۔ اس کا نفس جو خواہش کرتا ہے تو وہ اس کی عبادت کرنے لگتا ہے (1) ابن جریر اور ابن منذر نے یہی روایت کیا ہے۔ امام بغوی نے سعید بن جبیر کا ایسا قول ذکر کیا ہے کہ عرب چتر سونے اور چاندی کی عبادت کرتے تھے اگر وہ پہلے سے خوبصورت چتر کو دیکھتے تو پہلے چتر کو پھینک دیتے اسے توڑ دیتے اور دوسرے کی عبادت کرنے لگ جاتے (2) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام شعبی نے کہا خواہش کو ہوی اس لئے کہتے ہیں کیونکہ یہ خواہش کرنے والے کو جنہم میں گرا دیتی ہے (3)۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے گمراہی کو مقدر کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی اور استعدا کے فساد کو جانتا تھا، ایک قول یہ کیا گیا کہ اس انسان کی تخلیق سے پہلے اس کے علم میں تھا کہ یہ انسان گمراہ ہو جائے گا۔ امام احمد نے ایک صحابی سے روایت کیا ہے جسے لوگ حضرت ابو عبد اللہ کہتے آپ کے ساتھی حضرت ابو عبد اللہ کی عبادت کرنے کے لئے آئے، جبکہ آپ در رہے تھے۔ ساتھیوں نے پوچھا کیوں روتے ہو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں یہ نہیں فرمایا تھا اپنی موبچیں کاٹ لو پھر اس پر ثابت قدم رہو یہاں تک کہ مجھے ملو تو ابو عبد اللہ نے کہا میں نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ فرمایا تھا لیکن ساتھ ہی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دائیں ہاتھ میں ایک مٹی بھری اور بائیں ہاتھ میں دوسری مٹی بھری فرمایا یہ (دائیں) اس (جنت) کے لئے ہیں اور یہ (بائیں) اس (جنہم) کے لئے ہیں مجھے کسی کی پروا نہیں اب میں کچھ نہیں جانتا کہ میں کس مٹی میں سے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی ہے اس لئے وہ نہ نصیحت کو سنتا ہے اور نہ آیات میں غور و فکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے کانوں پر پردہ ڈال دیا ہے اس لئے وہ ہجرت کی نظر سے آیات میں نظر و فکر نہیں کر سکتا۔ حمزہ نے غشوہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے غشوہ پڑھا ہے یہ بھی جائز ہے کہ من موصول ہو اور وہ صلہ کے ساتھ مل کر ایت کا مفعول اول ہو اور اس کا دوسرا مفعول محذوف ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی۔ اَرَايْتُمْ فَعَلَيْهِمْ۔

فہم بھیدی کا عطف و ایت پر ہے۔ اس میں استفہام انکاری ہے۔ معنی یہ ہوگا جب اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں گمراہی کو مقدر کر دیا ہے تو اب اسے کوئی ہدایت عطا نہیں فرمائے گا اور افر ایت والا جملہ جملہ مترغہ ہوگا۔ اَفَلَا تَكْفُرُونَ کا عطف محذوف کلام پر ہو گا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی۔ اَلَا تَعْقِلُونَ۔

ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ یہ کہا کرتے تھے رات دن ہمیں ہلاک کر دیتے ہیں (4) تو اللہ تعالیٰ نے مابعد آیت کو نازل فرمایا

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْدِيكُمُ إِلَّا اللَّهُ هُمْ وَمَا لَهُمْ

2- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 128 (اتحارہ)

4- الدر المنثور، جلد 5، صفحہ 758 (العلیہ)

1- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 128 (اتحارہ)

3- تفسیر بغوی، جلد 6، صفحہ 128 (اتحارہ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ هٰذَا نَذْرٌ مِّنْ عَلٰمٍ اَنْ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٥١﴾

”اور وہ کہتے ہیں نہیں (کوئی دوسری) زندگی، ہجر ہماری دنیا کی زندگی کے (میں) ہم نے مرنا اور زندہ رہنا ہے اور نہیں فنا کرتا ہمیں مگر زمانہ حال کا۔ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں وہ محض تخن (و تخمین) سے کام لے رہے ہیں۔“

۱۔ اس نیک کا عطف سابقہ کلام کے مضمون پر ہے، یعنی کافر اپنی خواہشات کی اتباع کر کے گمراہ ہو گئے اور انہوں نے یہ کہا کہ زندگی تو صرف دنیاوی زندگی ہے جس میں کسی وقت ہمیں موت آ سکتی ہے اور کسی وقت ہم زندہ ہوتے ہیں، اس میں زندگی کو دنیاوی زندگی پر محدود کرنے کا بیان ہے۔ یہاں مَمُوتٌ وَنَحْيَا کے الفاظ اس امر پر دلالت نہیں کرتے کہ ان کے نزدیک زندگی موت کے بعد ہوتی ہے کہ وہ صرف جمع کے معنی پر دلالت کرتی ہے، ترتیب پر دلالت نہیں کرتی۔ زجاج کا یہی قول ہے وَمَا يُغْنِيْكَ عَنْكَ عِطْفُ مَمُوتٌ وَنَحْيَا پر ہے، یعنی زمانے کا گزرتا نہیں ہلاک کر دیتا ہے۔ کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے اور اسے موت آ جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے تھے۔ دھر کا لفظ اصل میں اس مدت کو کہتے ہیں جو عالم کی پیدائش سے لے کر عالم ختم ہونے تک محیط ہوتا ہے پھر ہر طولی عرصہ کو بھی دھر کہہ دیتے ہیں۔ زمانہ کا اطلاق چھوٹی بڑی دونوں مدتوں پر ہوتا ہے۔ ان کے پاس کوئی علم نہیں کیونکہ علم یا تو بدیہی طور پر حاصل ہوتا ہے یا برہان کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ ان کے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں بلکہ دلیل تو اللہ تعالیٰ کے وجود پر قائم ہے جو حکیم بھی ہے اور قدیم بھی ہے۔ یہ جملہ قائلو کے فاعل سے حال ہے۔ وہ علم اور دلیل کے بغیر ہی فیصلہ کے جا رہے ہیں۔ یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دھر کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ ہی زمانہ (زمانہ کو پھیرنے والا) ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (۱) امام بغوی نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم تو یہ نہ کہا کراے زمانہ کی تباہی و بربادی کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں، رات دن میں ہی بھیجتا ہوں۔ اگر میں چاہوں تو اسے قبض کر لوں (۲) حدیث کا معنی یہ ہے تم میں سے جب کوئی زمانے کو گالی دیتا ہے تو اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ حادثات اور مصائب لانے والا زمانہ ہے، جبکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہوتا ہے، کوئی اور چیز اس میں مؤثر حقیقی نہیں تو تمہاری زمانے کو گالیاں اللہ تعالیٰ کی طرف پٹ آتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فان الله هو الدهر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمانے اور زمانے میں جو کچھ ہے اس کو پیدا فرمانے والا ہے تو تمہارا زمانے کو گالی دینا تمہارے اس گمان کے مطابق ہے کہ زمانہ انہیں پیدا کرتا ہے تو یہ شرک ہو گیا اس لئے ایسی بات کرنے سے اجتناب کرو۔

وَ اِذَا شِئْلُ عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتْهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا اِنَّاۤ اِنۡشَاۤءُ اٰلٰہِٕمَّاۤ اِنْ

كُنْتُمْ صٰدِقٰیْنَ ﴿٥٢﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِیْتُكُمْ ثُمَّ يَجْعَلُكُمْ اِلٰیٰیَوْمٍ اَقِیْمٰةٍ

لَا رٰیِبَ فِیْهِ وَلٰكِنَّا كُفِّرَ النَّاسُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿٥٣﴾

”اور جب ہر کھڑائی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تو (ان کے جواب میں) ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی ہجر اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو، فرمایا اللہ نے زندہ فرمایا ہے

تمہیں پھر وہی مارے گا تمہیں پھر جمع کرے گا تمہیں روز قیامت جس میں ذرا شبک نہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ ع۔

۱۔ تین تیر تیر کیب کلام میں ایٹنا سے حال ہے، یعنی جب ہماری آیات ان پر تلاوت کی جاتی ہیں جو واضح طور پر معتقدات کے خلاف امر پر دلالت کرتی ہیں یا موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر دلالت کرتی ہیں یا آیات کی حقیقت کو واضح کرنے والی ہیں تو ان آیات کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ اس چیز کا سہارا لیتے ہیں کہ ہمارے ان آباء و اجداد کو زندہ کر دو جو مر چکے ہیں اگر تم (مسلمان) دوبارہ اٹھائے جانے کے دعویٰ میں ہے تو۔ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ شرط ہے جو جزاء سے مستغنی ہے کیونکہ اس سے پہلے جو کلام ہے وہ اس جواب پر دلالت کرتی ہے۔ اسے بخت کا نام دینے کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے گمان کے مطابق کلام کی یا اس اسلوب کے مطابق کلام کی فَجَّيْنَاهُمْ مِنْهُمْ صُورَاتٍ وَجَعَلْنَا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جب کسی شے کی حالت متحقق نہیں ہوتی تو نفس شے کا تحقیق ہونا متنع ہے۔ اِذَا تَنَالَىٰ عَلَيْهِمْ كَاعْطَفَ قَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا پَر ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جس وقت چاہے گا تمہیں زندہ کر دے گا۔ جب تمہاری موت کا ارادہ کرے گا تمہیں موت عطا کرے گا جس طرح دلائل دلالت کرتے ہیں۔ پھر جزاء کے لئے قیامت کے روز تمہیں زندہ کرے گا۔ یہاں الی کا کلمہ زندہ ہے یا الی لام کے معنی میں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے جو پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت جزاء کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ جملہ سابقہ جملہ کی تاکید ہے لیکن اکثر لوگ اس پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں جانتے کیونکہ وہ سوچ بچار سم کرتے ہیں اور ان کی نظر و فکر میں کوئی پائی جاتی ہے۔ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ وَاَلَا جَمْلَةٌ جملہ متاثر ہے۔

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ يَوْمَ تَتَقَوَّمُ السَّاعَةُ ۖ يَوْمَ يَظْهَرُ
الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا
الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

”اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس روز سخت نقصان اٹھائیں گے باطل پرست۔ اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے صحیفہ (عمل) کی طرف (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ ع۔“

۱۔ پہلے خصوصی قدرت کا ذکر کیا اب عمومی قدرت کا ذکر ہے۔ اس جملے کا عطف خلق اللہ السموات والارض پر ہے۔ یَوْمَیْنِ پہلے یوم سے بدل ہے اور ظرف یخسر کے متعلق ہے، یعنی باطل پرستوں کا خسارہ ظاہر ہے کہ وہ جہنم میں ہی جائیں گے۔ ۲۔ اس جملے کا عطف یخسر پر ہے۔ امام بغوی نے کہا کہ جاپیہ کا معنی ہے گھٹنے کے بل بیٹھا ہونا یا حاکم کے سامنے خائیم کے بیٹھے کو کہتے ہیں جو فیصلے کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور فیصلہ کے لئے بیٹھوں گا۔ ہم نے اس کا ذکر سورہ حج میں هٰذِهِنَّ حُتُوبُ الْمُتَضَمِّنِ اِخْتَصَمُوْا فِیْ رَیْبِهِمْ کے ضمن میں کر دیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا کہ قیامت کے روز ایک ایسی گھڑی ہے جس کا دورانیہ دس سال کے برابر ہوگا جس میں تمام لوگ گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہوں گے یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان میں شامل ہوں گے آپ خدا کر رہے ہوں گے نفسی لا اسئلک الا نفسی اے

اللہ مجھے معاف کر دے میں اپنے سوا کسی کے بارے میں تجھ سے سوال نہیں کرتا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اللہ جابرہ رزاق جماعت یہ جثوہ سے مشتق ہے جس کا معنی جماعت ہے۔ جزری نے نہایت میں حضرت ابن عمر کی حدیث ذکر کی ہے ان الناس بصیرون یوم القیامتہ جناء جناء کو جتنی بھی روایت کیا گیا ہے جو جاث کی جمع ہے، یعنی قیامت کے روز اپنے اپنے کی پیچھے جماعت در جماعت چل رہے ہوں گے۔ جب یہ جاث کی جمع ہو تو پھر اس کا معنی ہوگا وہ گھٹنے کے بل بیٹھا ہوا ہے۔ عبد اللہ بن احمد نے زوائد بد میں اور بیہقی نے عبد بن ثانیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گو یا میں تمہیں جہنم سے پرے کر کے مقام پر اکٹھے دیکھ رہا ہوں پھر سفیان نے اس آیت کی تلاوت کی وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جاثیةً (2) ابن حجر نے کہا یہاں کرم سے مراد وہ بلند جگہ ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔

یعقوب نے عَلَّیْ اُمَّتٍ کے معنی میں کل منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ پہلے عَلَّیْ اُمَّتٍ سے بدل ہے یا اس کی تاکید لفظی ہے اور مابعد اس کی صفت ہے یا یہ قری کا دوسرا مفعول ہے، جبکہ جمہور قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور ثنی عَلَّیْ اُمَّتٍ کے معنی اس کے اپنے اعمال کے معنیوں کو پڑھنے کی دعوت دی جائے گی جس طرح فرمان باری تعالیٰ ہے اَفَرَأَیْتُمْ لِكُلِّ فِتْنَةٍ مَسْغُوفٍ وَعَلَّیْ اُمَّتٍ صَبِيحًا (3) حضرت انس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تمام نامہ اعمال عرش کے نیچے ہیں۔ جب حشر پڑھا ہوگا اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا۔ وہ دائیں بائیں ان صحیفوں کو اڑائے گی۔ اس میں سب سے پہلی تحریر ہوگی اَفَرَأَیْتُمْ لِكُلِّ فِتْنَةٍ مَسْغُوفٍ وَعَلَّیْ اُمَّتٍ صَبِيحًا (3) اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ تُعَذِّبُ ذَا الْجَلْمِ یَا تَوَحُّدٍ اَللّٰهُمَّ دُوسری صفت ہے یا دوسری خبر ہے اور اس سے پہلے قول مخدوف ہوگا۔ اَللّٰهُمَّ بِقَالَ لَہُم الیوم تجزونن یا یہ جملہ مستند ہے۔

هَذَا كَيْفًا يَطُوقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (4)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ (5) وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۖ اَفَلَمْ تَكُنْ اَلِیْتٰی تَسْئَلُ عَلَیْكُمْ فَاَسْتَلْبِزُّوْكُمْ وَ لَنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (6)

”یہ ہمارا نوشتہ ہے جو بولتا ہے تمہارے بارے میں سچ ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا یہی وہ روشن کامیابی ہے۔ اور جو لوگ کفر کرتے رہے (ان سے پوچھا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں پھر تم (من کر) تکبر کیا کرتے تھے اور تم لوگ (عادی) مجرم تھے۔“

۱۔ یہ تمہارے نامہ اعمال ہیں جن کو ہمارے حکم سے کرنا کا تین نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے ان اعمال کو لکھا ہے اس لئے کتاب کی اضافت اپنی ذات کی طرف کی۔ کتبائے ہذا کی صفت ہے اور خبر یَطُوقُ عَلَیْکُمْ ہے، یعنی جو کچھ تم اعمال کرتے رہے ہو اس کے بارے میں یہ صحیفے صحیح گواہی دیں گے یا کتبائے اور یَطُوقُ عَلَیْکُمْ دونوں اسم اشارہ کی خبریں ہیں یا بسطی حال ہے اور اس میں

عالم اسم اشارہ کا معنی ہے بالحق یعنی سچائی کے ساتھ۔ نہ اس میں اضافہ ہوگا اور نہ ہی کوئی کمی ہوگی۔ جو تم عمل کیا کرتے تھے ہم فرشتوں سے لکھوا لیتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ تَسْتَشْهِدُ لِمَا مَعْنٰی ہے ہم نسخہ لے لیتے ہیں اس کی صورت یہ تھی کہ فرشتے انسانوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں لے جاتے جن اعمال پر ثواب اور عقاب مرتب ہو اللہ تعالیٰ اسے باقی رکھتا اور لغو عمل ختم کر دیتا جس طرح عربوں کا قول ہے ہلم و اذهب یہ جملہ لیسطق کی علت بیان کر رہا ہے۔

یہ جملہ الیوم تجزون کی تفصیل ہے۔ اس کی رحمت میں جنت بھی شامل ہے الْقَوْدُ الْقَبِيضُ سے مراد ظاہر کا میاہی ہے کیونکہ وہ ہر آمیزش سے پاک ہے۔

اس آیت میں ہمزہ فنی کے انکار کے لئے ہے اور جس چیز کی نفی کی جارہی ہے اس کو ثابت کرتا ہے۔ افعلم میں فاء عاطفہ ہے۔ مابعد جملے کا عطف کلام محذوف پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَلْمَ بَاتِكُمْ دَسْلٰی فَعَلْمَ تَكُنْ اِيَّائِي تَعْلٰی عَلَيكُمْ اس سے پہلے قول اور معطوف حذف کر دیا گیا اور کلام سے جو مقصود تھا اسی پر اکتفاء کیا گیا اور قرینہ کی وجہ سے اس کلام کو ذکر کرنے کی ضرورت نہ رہی۔

یعنی کیا تم پر ہماری آیات تلاوت نہ کی گئی تھیں تو تم نے ان پر ایمان لانے سے تکبر کیا تھا۔ تم ایسی قوم ہو کفر اور جرم کرنا جن کی عادت ہے۔ مقابلہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ کلام یوں ہوتی و اما الذین کفرو ا فید خلکم ربہم فی غضبہ اس کے غضب میں سے جہنم بھی ہے لیکن کلام کو اس کی طرف بھیر دیا گیا۔ مقصود یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے اس پر آمادہ کیا جائے۔

وَ اِذَا قِيْلُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَا نَذِرُ بِهَا وَاِنَّ السَّاعَةَ اِنْ يُّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُتَّبِعِيْنَ ۝۱۰ وَ يَدَّ اِلَيْهِمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوْا وَاَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهِ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۱۱ وَ قِيْلَ الْيَوْمَ نَنَسُّكُمْ كَمَا نَسَّيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اَوْ مَا لَكُمْ الْتَاوْمَ وَاَلَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۲

”اور جب (تمہیں) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں تو تم (بڑے غرور سے) کہتے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے ہمیں تو یونہی ایک گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں اس پر (قطعا) یقین نہیں ہے اور ظاہر ہو گئے ان کے لئے بڑے نتائج ان کے کرتوتوں کے اور (ہر طرف سے) گھیر لیا انہیں اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور (انہیں) کہہ دیا گیا آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح اس تم نے فراموش کیے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔“

اس جملے کا عطف استکبر تو تم پر ہے، یعنی جب تمہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے۔ یہاں وعدہ سے مراد موعودہ (اسم مفعول) ہے یا اس سے مراد مصدر ہے یا وعدہ جس کے ساتھ متعلق ہے، یعنی دوبارہ اٹھنا حق ہے اور ضرور ہو کر رہے گا۔ حمرہ نے الساعۃ کو منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس کا عطف ان کے اسم پر ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ اس کا عطف ان کے اسم کے فعل پر ہے، یعنی قیامت ضرور واقع ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ جس بارے میں خبر دے اس کے خلاف ہونا محال ہے تو تم نے کہا ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے ان کا یہ قول قیامت کو عجیب و غریب جاننے کی وجہ سے تھا اور کہا ہم تو صرف گمان رکھتے ہیں ہمیں کچھ یقین نہیں۔ ظن کو ثابت کرنے اور باقی ماندہ چیزوں کی نفی کے لئے یہ کلام کی گویا یہ کہا ہم تو محض گمان رکھتے ہیں یا باقی چیزوں سے ظن کی نفی کرنے کے لئے یہ اسلوب اختیار کیا۔ ظن کو

نکرو اس لئے ذکر کیا تاکہ اس کی حقارت کا بیان ہو۔ معنی یہ بنے گا ہم وہم کے مرتبہ والا گمان رکھتے ہیں کیونکہ ظن کا اطلاق بعض اوقات علم پر بھی ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ اٰیٰتِنَا مُلْكًا اَوْ رَیْبًا ۚ بَعْضُ اَوْقَاتِ ظَنِّیْنَ کا اطلاق وہم پر بھی ہوتا ہے۔ پہلے ظن سے مراد علم ہے اور دوسرے ظن سے مراد وہم ہے ظن کی لفظی کو وہاں حَقُّنْ یُطِیْعُوْنَ کے ساتھ موقوف کیا۔

۳۔ دنیا میں جو وہ اعمال سیدہ کرتے رہے ان کی قباحت ظاہر ہوئی یا انہوں نے جو اعمال کئے ان کی جزا ظاہر ہوئی۔ اس کا عطف سابقہ جملہ کے مضمون پر ہے، یعنی جنہوں نے فکر کیا اللہ تعالیٰ اپنے غضب میں داخل کرے گا اور ان کے لئے اپنے اعمال کی جزا ظاہر ہوئی اور استہزاء کی جزا بھی ان پر نازل ہوگی۔

۴۔ اس جملہ کا عطف بد الہم پر ہے۔ آج ہم تمہیں عذاب میں اس طرح چھوڑ دیں گے جس طرح ایک بھلائی مٹی چیز کو چھوڑ دیا جاتا ہے جس طرح تم نے اس دن کی تیاری کو بھلا دیا تھا اور تم نے اس کی کوئی پروا نہیں کی تھی۔ لہذا کی یوم کی طرف اضافت اسی طرح ہے جس طرح صدر کی اضافت ظرف کی طرف ہوتی ہے، یعنی تم اپنے رب کی ملاقات کے دن کو بھول گئے تھے یا تم اپنے اعمال کی جزا کی ملاقات کے دن کو بھول گئے تھے۔ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور کوئی ایسا مددگار نہیں ہوگا جو تمہیں اس مصیبت سے نجات دے یہ دونوں جملے یا تو قبل متوال کے معطوف ہیں یا ناسخا کے مفعول بہ سے حال ہیں۔

ذٰلِکُمْ بِاٰیٰتِکُمْ اَتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَ غَرَّکُمْ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ۚ فَاَلِیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَلَهُ الْکِبْرِیَّا ۚ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝

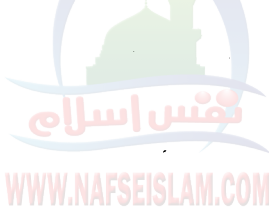
”یہ اس لئے کہ تم نے جہاں کھاتھا اللہ کی آیتوں کو مذاق اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا تمہیں دنیوی زندگی نے پس آج وہ نہیں نکالے جائیں گے آگ سے اور نہ انہیں توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ پس اللہ کے لئے ہیں سب تعزیریں جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا (اور وہی) سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور فقط اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت والا حکمت والا ہے۔“

۱۔ عذاب میں جنہیں اس لئے چھوڑا جا رہا ہے کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کے بارے کوئی سوچ و بچار نہیں کرتے تھے۔ یہاں ہزو وا اس مفعول کے معنی میں ہے۔ دنیاوی زندگی نے تمہیں دھوکا دیا، یعنی تمہارا یہ گمان تھا کہ دنیاوی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں اور نہ ہی کوئی حساب ہوگا۔ یہ جملہ آخر تک جملہ متاثرہ ہے حمزہ اور کسائی نے یُخْرَجُوْنَ کو معرف کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کا عطف اما الذین کفروا پر ہے اور ان سے یہ مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کریں کیونکہ اب توبہ کا وقت گزر چکا ہے۔ یہ عقیقی سے مشتق ہے جس کا معنی رضاء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ اس کی رضا اعمال سے حاصل کی جاسکتی ہے، جبکہ اس کا زمانہ گزر چکا ہے۔ نہا میں عقیقی کا معنی گناہ سے لوٹنا ہے۔ امام بغوی نے کہا ان سے یہ مطالبہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی

اطاعت کی طرف پلٹ آئیں (۱) مسند الیہ کو مقدم کرنا، جبکہ خبر جملہ فعلیہ ہے یہ تخصیص پر دلالت کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ کفار سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، جبکہ مومنوں کا معاملہ مختلف ہے۔

۱۔ ایمان لانے والوں اور جھٹلانے والوں میں وعدہ کو پورا کرنے کا وصف جمیل صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے رَبِّ الْعَالَمِينَ لفظ اللہ سے بدل ہے۔ لفظ رب کو مکرر ذکر کیا کیونکہ ہر چیز کی پرورش اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقل نعمت ہے جو اس کے کمال پر وال ہے۔ ان مرض اور الشُّبُوت میں حرف عطف کا ذکر کیا مقصود ان دونوں میں مغائرت کو بیان کرنا ہے، جبکہ رَبِّ الْعَالَمِينَ سے پہلے حرف عطف ذکر نہیں کیا کیونکہ دونوں معنی کے اعتبار سے متحد ہیں کیونکہ زمین و آسمان کا نبات کے عظیم افراد میں سے ہیں گویا یہ دونوں عالمین کے معنی میں ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے آثار زمین و آسمان میں ظاہر ہیں یا کہا جاسکتا ہے کہ طرف محذوف کے متعلق ہے۔ معنی ہوگا زمین و آسمان والے یہاں فیصلہ کرتے ہیں وہ غالب ہے کوئی اس پر غالب نہیں اور نہ ہی کسی کے لئے جائز ہے کہ اس پر اپنی بڑائی کا اظہار کرے اور اس نے جو بھی اندازہ لگایا اور فیصلہ کیا اس میں حکمت کا اظہار کیا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار (تہ بند) ہے ان میں کسی نے مجھ سے جھگڑا کیا میں اسے جہنم میں داخل کروں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔ امام مسلم نے اسے روایت کیا (۱)۔



سورة الاحقاف

﴿سَبَّحْتَ ۲۵﴾ ﴿سُورَةُ الْاَحْقَافِ ۲۶﴾ ﴿رَكْعَتَاهَا ۲﴾

سورة الاحقاف کی ہے، اس میں پینتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حَمَّ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاجَلٍ مُّسَمًّى ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا اُنْذِرُوا مُّعِضُوْنَ ۝ قُلْ اَسْرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَمْ رُوْنِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۝ اِذِ يُنَادِي بِكَيْسٍ قَبْلَ هٰذَا اَوْ اَشْرَدَ ۝ قَبْلَ عَلِيْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝

”حامیم اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب بہت دانا ہے۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور مدت مقررہ تک اور کفار اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے روگردانی کرنے والے ہیں اسے فرمائیے (اے کفار) کبھی تم نے (غور سے) دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) پکارتے ہو (بھلا) مجھے بھی تو دکھاؤ جو پیدا کیا ہے انہوں نے زمین سے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں کچھ حصہ ہے۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت اگر تم سچے ہو۔“

۱۔ اس کی تفسیر سورۃ چاشیہ میں گزر چکی ہے۔

۲۔ ہم نے آسمانوں زمین اور ان کے درمیان جو مخلوق بھی پیدا کی ہے وہ حق کے ساتھ پیدا کی۔ وہ مخلوق صانع کے موجود ہونے، اس کے قدیم ہونے اور اس کے حکیم ہونے پر دلیل ہے نیز جبرائے کے لئے دوبارہ اٹھانے کے برحق ہونے پر دلیل ہے جس طرح حکمت اور عدل کا تقاضا ہے ان کے لئے وقت مقرر کر دیا گیا جس وقت کے آنے پر زمین و آسمان ختم ہو جائیں گے اس اجل سے مراد یوم قیامت ہے۔ عَمَّا اُنْذِرُوا میں ماصدیر ہے یا ماصولہ ہے۔ ماصدیر ہو تو معنی ہوگا جنہوں نے انذار کا انکار کیا۔ ماصولہ ہو تو معنی ہوگا قرآن میں قیامت کے دن کے جس عذاب سے انہیں ڈرایا گیا تھا اس کا انکار کیا۔ وہ اعراض کرنے والے ہیں، وہ سوچ و پچار نہیں کرتے کہ یہ عذاب عقل کے اعتبار سے جائز ہے اور نقلی دلیل سے بھی ثابت ہو چکا ہے کیونکہ اس کے بارے میں اس نے بتایا جسے معجزات کی شہادت نصیب ہے۔ وہ اس کے لئے کوئی تیاری نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بغیر کسی دلیل کے اور چیزوں کی عبادت کرتے ہیں۔

۳۔ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار کو بھیجتے تھا وہ جن چیزوں کی تم پوجا کرتے ہو کیا انہوں نے کسی چیز کو پیدا کیا ہے؟ اگر پیدا کیا ہے تو

مجھے دکھاؤ اور یہم میں ہمزہ تفریع کے لئے ہے، یعنی مخاطب کو اس بات پر برا بھلا نہ کہو کہ وہ اقرار کریں۔ **عَمَّاذُ شَاقُوْا** میں ما استفہامی محل نصب میں ہے جو خلق کو مفعول بہ ہے یا یہ محل رفع میں ہے اور اسی شے کے معنی میں ہے۔ **وَمِنَ الْاَشْرَافِ** یہ ماہ کا بیان ہے **اَفَرَأَيْتُمْ شَيْئًا مِّنْ اَمٍّ مَّقْطُوْعٍ** ہے۔ معنی ہوگا بلکہ انہیں آسمانوں کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت حاصل ہے **فَاصْبِرْ لِّمَوَدُّنِ دُوْنِ اَنْذُو** صبر موصول لہ کر اور یہم کا مفعول اول ہے اور اور وئی والا جملہ دوسرا مفعول ہے۔ معنی یہ ہوگا ہے معبودوں کی حالت میں غور فکر کر کے بنانا یا عقل فیصلہ کرتی ہے کہ ان بتوں نے کائنات کی کوئی چیز پیدا کی ہے یا اس کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی چیز کے بنانے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں، یعنی اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تو پھر تم یہ کیسے فیصلہ کرتے ہو کہ یہ بت مستحق عبادت ہیں۔ آسمانوں کی تخلیق میں شرکت کی تخصیص اس لئے کی چونکہ بعض لوگوں کا وہم ہے عالم غلی (زمین) میں جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان میں عالم علوی (آسمان) کا عمل دخل ہوتا ہے تو ان سے سوال کیا گیا کہ کیا آسمان کی تخلیق میں ان بتوں کا کوئی عمل دخل ہے۔ جب ان کا عمل دخل نہیں تو یہ کس طرح عبادت کے مستحق بن سکتے ہیں۔

میرے پاس ایسی کتاب لے آؤ جو شرک کی دعوت دیتی ہو، جبکہ قرآن تو توحید کی دعوت دیتا ہے اور اسی کے بارے میں اظہار کرتا ہے۔ امام احمد نے حضرت ابن عباس سے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے **اَذْاَشْرَقَ فَرِيقٌ عَلَیْکَ** معنی کیا ہے یعنی علم سے کبھی ہوئی چیز (1) مجاہد اور نکرمة نے انکار کا معنی روایت کیا ہے۔ قادمہ نے اس کا معنی خاص کیا ہے۔ کبھی نے اس کا معنی باقی ماندہ کیا ہے۔ قاسموس میں ہے **الاشْرَقَ** یعنی باقی ماندہ شے (2)۔ علم غلی یعنی پہلے انبیاء کے علم سے جو حقیقی کی طرف منسوب ہو اور وہ کلام شرک پر دلالت کرے۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ **اِنْ لَّمْ یُضَیْقِیْنِ** شرط ہے جو جزاء سے مستثنیٰ ہے کیونکہ سابقہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے، یعنی عقلی اور نقلی کوئی ایسی دلیل نہیں جو ان بتوں کے مستحق عبادت ہونے پر دلالت کرے۔

وَمَنْ اَصْلًا وَمَنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَمَةِ
وَهُمْ عَنْ دُعَاہِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لِلّٰہِمْ اَعْدَاۗءٌ وَّکَانُوْا
بِعِبَادَتِہِمْ کٰفِرِیْنَ ۝۱۱

”اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بد بخت) سے جو پکارا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ اس کے پکارنے سے ہی غافل ہیں لے اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (رد و ہشمر) تو وہ معبودان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے۔“

لے اس جملے کا عطف قول کے مقولہ پر ہے، یعنی اس آدمی سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتا ہے اور ان سے حاجات طلب کرتا ہے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دیں گے، یعنی جب وہ بتوں کو بلاتا ہے بغرض محال اگر وہ ان کی آواز سن بھی لیں تب بھی وہ ان کی حاجت پوری نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے معانی کو نہیں جانتے اور نہ ان کی مصطفیٰ کی رعایت کر سکتے ہیں کیونکہ جو معبود انہوں نے بنائے ہیں یا تو معبود، مبادات ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ ہی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں یا ایسے اللہ کے بندے ہیں جو اللہ کے حکم کے تابع ہیں اور وہ اپنے احوال میں مصروف جس طرح حضرت عیسیٰؑ حضرت عزیرؑ اور فرشتے۔

۱۔ اس جملے کا عطف لاءِ یُسْتَجِیْبُ پر ہے، یعنی جب قیامت کا دن ہوگا تو یہی معبودان عبادت کرنے والوں کے دشمن ہوں گے، عبادت کرنے والوں کو تکلیف دیں گے، انہیں کوئی نفع نہ دیں گے اور وہ ان کی عبادت سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے تیرنا الیک ما کانوا ایانا یعبدون، یعنی اے اللہ یہ جو ہماری عبادت کرتے رہے ہیں ہم ان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ دونوں جہانوں میں ان کے لئے اس عمل میں کوئی نفع نہ ہوگا۔ دنیا میں ان کے اس عمل نے انہیں کوئی نفع نہ دیا تھا اور آخرت میں انہیں ان کا یہ عمل انہیں نقصان دے گا تو اس آدمی سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جس نے ان بتوں کی عبادت کی اور اللہ تعالیٰ جو سچا بصیر خیر قادر اور مجیب ہے اس کی عبادت کو چھوڑ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ کانُوا اِیْبَادَ تِهْمَ تَغْرِیْنِ میں جمع کی ضمیر ان عبادت کرنے والوں کے لئے ہے جو یہ کہتے ہیں وَاللّٰهُ بِمَا نَعْمٰ لَنَا مُشْرِکِیْنٌ ۝۱۰

وَ اِذَا تَمَثَّلَ عَلَيْهِمُ اٰیٰتُنَا یَنْتَبِہُ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰھُکُمْ لَمَّا جَاۤءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۱۱ اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفْتَرٰہُ قُلْ اِنْ اَفْتَرٰیۡتَہٗ فَلَا تَسْتَدِیْنُوْنَ لِیْ مِنْ اِلٰہِ سَیِّئًا ۝۱۲ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْہِ ۝۱۳ کُلٌّ بِہٖ شَہِیْدًا ۝۱۴ اٰیٰتِیْ وَبَیِّنٰتٌ ۝۱۵ وَهُوَ الْعَفْوَ الرَّحِیْمُ ۝۱۶

”اور جب پرہی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں جو روشن ہیں تو کہتے ہیں کفار حق کے بارے میں جب ان کے پاس آیا کہ یہ کھلا جادو ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اس کو خود گھڑ لیا ہے فرمائیے اگر میں نے اس کو خود گھڑا ہے تو تم اس طاقت کے مالک نہیں کہ مجھے اللہ سے چھڑا لو وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو وہ کافی ہے بطور گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔“

۱۔ اس جملے کا عطف والذین کفروا پر ہے یا بدعوا پر ہے جو ضمن بدعوایش ہے الحق سے مراد بھی آیات ہی ہیں اسم ضمیر کی جگہ یہاں اسم ظاہر ذکر کیا جس طرح الذین کفروا کو بھی ضمیر کی جگہ ذکر کیا کیونکہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو علیہم کی ضمیر سے مراد ہیں۔ مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ آیات حق میں ان کا صدق ظاہر ہے، جبکہ ان پر کفر اور گمراہی میں منہک ہونے پر مہر لگاتا ہے۔ جو نبی ان پر حق نازل ہوتا ہے تو سوچے سمجھے بغیر منہ سے کہا جھٹتے ہیں یہ واضح جادو ہے۔

۲۔ یا کہہ دیتے ہیں اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ یہاں اہم قطعہ ہے۔ استفہام انکار اور تعجب کے اظہار کے لئے ہے اور ان کے قول انہ سحر سے اضطراب ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کہوا اگر میں نے اسے اپنی طرف سے گھڑا ہے اور تمہارے سامنے بیان کر دیا ہے تم بھی میری اتباع کرو تم تو اس بات پر قادر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مجھے بچا سکو تو پھر میں اللہ تعالیٰ پر ایسا بہتان باندھنے کی کیسے جرأت کر سکتا ہوں اور جب تمہاری طرف سے مجھے نفع کی امید ہے اور نہ نقصان کا اندیشہ ہے تو میں اپنے آپ کو کیسے عذاب پر پیش کر سکتا ہوں۔ جو تم آیات کو جھٹلاتے ہو اور اسے جادو اور من گھڑت بات قرار دیتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ کُلٌّ یہاں باہر مذکور ہے اور، ضمیر محفل رفع میں ہے اور فاعل ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں گواہی دیتا ہے کہ میں سچا ہوں اور میں نے پیغام حق صحیح صحیح پہنچا دیا ہے کیونکہ اس نے مجھے مہجرات عطا فرمائے ہیں اور تمہارے جھوٹے ہونے اور آیات کا انکار

کرنے پر بھی گواہ ہے۔ وہ آیات کی جو تکذیب کرتے تھے اس کے بارے میں یہ آیت ان کے لئے وعید ہے۔ جو آدمی تو بہ کر لے اور ایمان لے آئے اس کے لئے آیت میں مغفرت اور رحمت کا وعدہ بھی ہے نیز اس میں یہ شعور بھی دلا یا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے معاملہ میں حلم سے کام لیتا ہے اور ان کے اتنے بڑے جرم کے باوجود جلدی عذاب نازل نہیں فرماتا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ①

”آپ کہنے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور میں (از خود) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف بھیجی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا۔“

لے بدعا، بدیعا کی مثل ہے جس طرح نصف، نصف کی مثل ہے، یعنی میں کوئی پہلا رسول نہیں کہ میں تمہیں ایسی چیز کی طرف دعوت دے رہا ہوں جس کی طرف مجھ سے قبل کسی نے دعوت نہ دی ہو۔ مجھ سے قبل کثیر رسول مبعوث کئے گئے تو معجزہ کی گواہی کے بعد تم کس لئے میری نبوت کا انکار کرتے ہو یا اس کا معنی یہ ہے میں ان چیزوں پر قادر نہیں جن پر پہلے رسول قادر نہیں تھے، یعنی تمہارے ہر بے معنی سوال کا جواب دینا اور تمہاری خواہشات پر معجزات کا ظہور میری شان نہیں۔

مَا يُفْعَلُ بِي میں مایا تو موصول ہے اور یہ عمل نصب میں ہے یا استغما یہ ہے اور محل رفع میں ہے اور الان فی کی تاکید بیان کر رہا ہے جو نفی مَا يُفْعَلُ بِي میں موجود ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کالائت وعزلی کی قسم ہمارا اور محمد کا معاملہ ایک جیسا ہے۔ اے ہم پر کوئی نفسیات نہیں اگر یہ اپنی طرف سے گھڑ کر ہمارے سامنے بیان نہ کرتا تو جس نے اسے مبعوث کیا ہے وہ ضرور اسے بتا دیتا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے والا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت لَيْسَ خَوْفُكَ لِلَّهِ مَا تَقْتَدِرُ مِنْ دُونِكَ وَعَاقِبَةُ الْأُمُورِ نَافِلَ فرمایا۔ صحابہ نے عرض کی اے اللہ کے نبی آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ جو سلوک کرنے والا ہے ہم اسے جان چکے ہیں۔ اب بتائیے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت لَيْسَ خَوْفُكَ لِلَّهِ مَا تَقْتَدِرُ مِنْ دُونِكَ وَعَاقِبَةُ الْأُمُورِ نَافِلَ فرمایا اور اس آیت کو نازل فرمایا وَيُثَبِّتُ اللَّهُ الرُّسُلَ وَمَنْ يُؤْمِنُ بِهِمْ إِنَّ اللَّهَ فَضْلًا كَثِيرٌ ② ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ کئے جانے والے سلوک کو واضح کر دیا (1) امام بغوی نے کہا یہ حضرت انسؓ قادمہ حضرت حسن بصری اور عمرہ کا قول ہے۔ یہ آیت اس آیت سے قبل نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر بتایا گیا تھا کہ آپ کی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں تو اس آیت کے ساتھ مذکورہ آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ میرے نزدیک یہ قول پسندیدہ نہیں کیونکہ کوئی بھی خواہ مخواہ یا بدیعتی مومنوں کے لئے وعدہ اور کافروں کے لئے وعید سے خالی نہیں۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ حکم نازل ہوا کہ آپ اپنے قبیلہ کو آنے والے خطرات سے آگاہ کریں، یعنی انہیں بتائیں کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو انہیں عذاب الہی کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس سورت میں یہ آیات بھی ہیں وَهَذَا كِتَابٌ مُخَصَّصٌ لِّسَاءِ عِزِّيَّةٍ لِّمَنْ يَخْلُبُنَ آلَ يَئُوسَ غَلَبُوا ۖ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ عَاقِبَةٌ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ③ وَهَذَا كِتَابٌ مُخَصَّصٌ لِّسَاءِ عِزِّيَّةٍ لِّمَنْ يَخْلُبُنَ آلَ يَئُوسَ غَلَبُوا ۖ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ عَاقِبَةٌ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ③ عَلَيْنِهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ④ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ تُوِيحُوا فِيهَا بِمَا كَانُوا فِيهَا سَاءَ لَمَّا كَانُوا ۖ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ عَاقِبَةٌ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑤

نہ تھا اور کتاب میں پہلے مذکور نہ تھا کیونکہ یہ تو کفار کے اس اعتراض کا تقاضا کرتا ہے کہ ہمارا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ایک جیسا ہے۔ ہم اپنے اوپر آپ کی کوئی فضیلت نہیں دیکھتے تو پھر اپنے آباء کے دین کو چھوڑنے اور رسولوں کی اتباع کا کیا فائدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان **لَيْسَ خَيْرُكَ اللَّهُ مَا تَقْتَدِرُ مِنْ ذُنُوبِكَ وَمَا تَأْتِيكَ مِنَ الْغُلَامِ وَتِلْكَ الْغُلَامِ وَتِلْكَ الْغُلَامِ** کو اس سال کے بعد نازل کرتا ہے ضرورت کے وقت سے بیان کو موخر کرنے کو لازم کرتا ہے جو محال ہے (1)۔

اگر یہ کہا جائے کہ امام بغوی نے اپنی سند سے خارجہ بن یزید سے روایت نقل کی ہے کہ ام العلاء انصار یہ کہا کرتی تھیں جب مہاجرین مدینہ طیبہ آئے تو انصار نے انہیں رہائش دینے کے لئے قرعہ اندازی کی۔ ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون آئے۔ وہ مر بیض ہو گئے۔ ہم نے ان کی تیمارداری کی پھر ان کا وصال ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں بھی آپ کے پاس حاضر ہوئی۔ میں نے کہا اے ابو مصائب تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے عزتوں سے نوازا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کس چیز نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت بخشی۔ میں نے عرض کی اللہ کی قسم میں کچھ نہیں جانتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک اس کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو موت آئی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اس کے لئے خیر ہوگی۔ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا، جبکہ میں اللہ کا رسول ہوں تو ام العلاء نے عرض کی اللہ کی قسم میں اس کے بعد کسی کے بارے میں ایسا تذکرہ نہ کروں گی۔ ام العلاء نے کہا بعد میں میں نے حضرت عثمان بن مظعون کو خواب میں دیکھا کہ ان کے لئے ایک چشمہ جاری ہے۔ میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آپ کا عمل ہے۔ یہ حدیث ان لوگوں کے قول کی تائید کرتی ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے روز میرے اور تمہارے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا اس کو میں نہیں جانتا اور نہ اس حدیث کا کیا معنی ہو سکتا ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی معین شخص کے بارے میں نجات اور ہلاکت کا حکم لگائے کیونکہ یہ علم غیب کا دعویٰ بن جاتا ہے۔ باطن اور سر کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ہاں اگر کسی آدمی کا ظاہر حال اچھا ہو تو اس کے بارے میں خیر کی امید کرنی چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا، جبکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین اور آخرین کے علوم عطا فرمائے ہیں۔ اس کے باوجود میں تفصیل سے نہیں جانتا کہ مخصوص عمل پر میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا تو تم نے ایک معین آدمی کے حق میں کیسے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت سے نوازا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا کیونکہ میں علم غیب نہیں جانتا۔ سیاق کلام اس تفسیر سے موافقت نہیں رکھتا کیونکہ سیاق کلام تو یہ ہے کہ کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ آپ ان کے دین کی بھڑی کریں اور آپ کو وہ یہ لالچ دیتے کہ وہ آپ کے لئے مال جمع کریں گے اور بغیر مہر کے آپ کی شادی کر دیں گے۔ اتباع نہ کرنے کی صورت میں وہ آپ کو اذیتیں دیتے اور آپ کو دھمکاتے تھے۔ اس آیت کے سیاق کا منہمک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ آپ کو ان سے کوئی لالچ نہیں، نہ ہی آپ ان سے ڈرتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ یہ اچھا یا برا جو ارادہ کر

رہے ہیں اس پر یہ قارئین کیونکہ خیر اور شر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے تو پھر اس آیت کا معنی یہ ہو گا کہ قلع اور غلست میں سے جو کچھ میرے ساتھ کیا جائے والا ہے میں اسے نہیں جانتا تاہم میں تمہاری کسی صورت بھی اتباع کرنے والا نہیں (1)۔

میں تو قرآن کی اتباع کروں گا، کسی حال میں بھی اسے نہ چھوڑوں گا۔ امام بیضاوی نے کہا کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی غیب کی خبروں کے بارے میں سوال کیا تھا جن کے بارے میں وہی نہیں آئی تھی، اس کا یہ جواب ہے یا مسلمانوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ انہیں مشرکوں کی اذیتوں سے نجات مل جائے انہیں اس مطالبہ کا جواب دیا گیا امام بغوی نے بھی یہی قول کیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا مَا أَذِيَّ مَنِ الْمُنْفَعُ فِي وَلَا يَكْلَمُ كَمَا مَعْنَى ہے کہ دنیا میں میرے اور تمہارے ساتھ جو سلوک ہونے والا ہے اسے میں نہیں جانتا۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے اس بارے میں تو آپ کو یقینی علم تھا کہ آپ جنت میں ہوں گے اور آپ کو جھٹلانے والے جہنم میں ہوں گے پھر ان کا اس تعبیر میں اختلاف ہے (2) حضرت ابن عباس نے کہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر ظلم و ستم بڑھ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا جیسے سونے والا خواب دیکھتا ہے، جبکہ آپ مکہ مکرمہ میں تھے کہ ایک ہموار زمین ہے اور وہاں سمجھور کے درخت ہیں اور آپ اس جگہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ آپ کے صحابہ نے آپ سے عرض کی آپ کب ہجرت کریں گے؟ آپ خاموش رہے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا مراد یہ ہے کہ میں نہیں جانتا میں اس جگہ رہوں گا یا تمہارے ساتھ اسی جگہ ہجرت کر جاؤں گا جو میرے لئے ظاہر کی گئی (3)۔

بعض علماء نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس دنیا میں میرا انجام کیا ہو گا؟ کیا میں دنیا سے اسی طرح پردہ کروں گا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہوئے یا مجھے شہید کر دیا جائے گا جس طرح کئی انبیاء کو شہید کیا گیا، جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا گیا تھا۔ اے تقدیر کرنے والو میں تمہارے بارے میں نہیں جانتا کہ تمہیں میرے ساتھ نکالا جائے گا یا تمہیں چھوڑ دیا جائے گا یا تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور اے جھٹلانے والو میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ تم پر پتھروں کی بارش کی جائے گی جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے گئے یا تمہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا جس طرح قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا تھا یا سائبہ جھٹلانے والی قوموں کے ساتھ جو طرز عمل اپنایا گیا تھا ان میں سے کون سا عمل تمہارے ساتھ اپنایا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ خبر دی کہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا۔ ارشاد فرمایا هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَ عَلَىٰ النَّبِيِّ مُحَمَّدٌ وَأُورَآپ کی امت کے بارے میں فرمایا۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ (ان آیات میں یہ بتا دیا گیا کہ آپ کے ساتھ اور آپ کی امت کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے والا ہے (4)۔

اور میں تو کفار کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ واضح شواہد کے ساتھ اور ایسے معجزات کے ساتھ جو میری تقدیر کرنے والے ہیں میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں علم غیب رکھتا ہوں اور نہ ہی مجھے تم پر مسلط کیا گیا ہے کہ میں تمہیں ایمان لانے پر مجبور کروں۔

قُلْ أَسْرَأَيْتُمْ إِنْ كَانِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَآءِيلَ

عَلَىٰ مَثَلِهِمْ ۖ وَإِنَّا سَتَبِزُّهُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

”فرمائیے کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو تو تم اس کا انکار کرو (تو اس کا کیا انجام ہوگا) حالانکہ گواہی دے چکا ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نیکین ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو۔“

۱۔ انہیں فرمائیے کہ مجھے بتاؤ کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہو، جبکہ اسے مشرکوں نے اس کا انکار کیا ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ وَفَعَلْنَاهُمْ دُحًى ۖ وَآوَا عَالِيَهُمْ دُحًى ۖ وَآوَا عَالِيَهُمْ دُحًى ۖ اسی طرح وَشَهِدْنَا شَافِعِينَ میں واو عاطفہ ہو۔ پھر معنی ہوگا مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے کی گواہی دے۔ قادمہ اور شحاک نے کہا یہاں گواہ سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں جو بنی اسرائیل کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ امام بخاری اور ترمذی نے حضرت انس سے محمد بن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن سلام کے خاندان کے ایک فرد سے، امام احمد اور یعقوب بن مسیفان نے حضرت عبداللہ بن سلام سے، تہذیبی نے موسیٰ بن عقبہ اور ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا جب میں نے حضور ﷺ کے متعلق سنا اور میں نے آپ کی صفت نام شکل و صورت اور جن چیزوں کی ہم آپ میں توقع رکھتے تھے کو پہچان لیا تو میں نے اس بات کو دل میں ہی رکھا اور اس پر خاموش رہا یہاں تک کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ جب آپ یہاں تشریف لائے تو ہمارے پردوں میں بنی عمرو بن نوف کی ہستی قیام کیا۔ ایک آدمی نے مجھے آپ کے آنے کی خبر اس وقت دی، جبکہ میں ایک کھجور پر چڑھا ہوا کام کر رہا تھا۔ میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نے پیچھے ہٹ کر دیکھا تو میں نے آپ کے آنے کی خبر سنی تو میں نے اللہ اکبر کہا تو پھوپھی نے کہا اگر تو حضرت موسیٰ بن عمران کے آنے کی خبر سنا تو اس سے زیادہ کچھ نہ کہتا۔ میں نے کہا اسے میری پھوپھی اللہ کی قسم ایہ آئے اللہ انحضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی اور آپ کے دین پر ہے۔ آپ کو اس دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے جس دین کے ساتھ حضرت موسیٰ کو بھیجا گیا تھا تو ان کی پھوپھی نے کہا یہ تو سنی ہوئی بات ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا پھر میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے نکل پڑا۔ جب میں نے آپ کے چہرے کو دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں۔ میں نے حضور ﷺ سے سب سے پہلی بات یہ سنی تھی۔ اے لوگو! کھانا کھاؤ، ایک دوسرے کو سلام دیا کرو وصلہ رحمی کیا کرو ذات کو نماز پڑھا کرو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ عرض کی اے محمد ﷺ میں آپ سے تین باتیں پوچھ رہا ہوں جنہیں صرف نبی ہی جانتا ہے۔ 1۔ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ 2۔ جنتوں کا پہلا کھانا کونسا ہے؟ 3۔ اولاد ماں یا باپ کی ہم شکل کیوں ہوتی ہے؟ 4۔ چاند میں یہ سیاہ دہرہ کیا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا جبرئیل امین نے ابھی ابھی مجھے ان کے بارے میں بتایا ہے۔ عبداللہ بن سلام نے کہا جبرئیل امین نے بتایا؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ہاں جبرئیل امین نے بتایا تو عبداللہ بن سلام نے کہا وہ فرشتوں میں سے یہودیوں کے دشمن ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ مشرق سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو مغرب کی طرف بانٹ کر لے جائے گی۔ جنتی سب سے پہلا کھانا جو کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کی بڑھی ہوئی چیز ہوگی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جاتا ہے تو بچہ باپ کا ہم شکل ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہوتا ہے تو بچہ ماں کا ہم شکل ہوتا ہے۔ جہاں تک چاند میں سیاہ دھبے کا تعلق ہے دونوں سورج روشن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے

فَرَمَاوُ جَعَلْنَا الْإِنَّمَالُ وَالنَّهَارَ سِتِينَ مَحْوًا إِنَّ الْإِنَّمَالُ وَهُوَ سَابِعِي جَوَانِدٍ مِّنْ قَدِّ كَيْتِهٖ وَهُوَ دَوَّي رُشْتِي كَامَاوُ بِنَا بَعِ تَوْحَضَرْتِ عَمِدَاللَّهِ بِنِ
 سلام نے یہ سن کر فوراً کلمہ شہادت پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنْتَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پھر اپنے گھر آئے۔ انہیں بھی اسلام
 قبول کرنے کا حکم دیا، وہ سب مسلمان ہو گئے اور اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔

پھر عبداللہ بن سلام حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کی مجھے علم ہے کہ یہودی خوب جانتے ہیں کہ میں ان کا سردار
 ہوں سردار کا بیٹا ہوں، ان میں سے سب سے بڑا عالم ہوں اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہوں تاہم وہ بڑے بہتان باز (۱) ہیں۔ اگر
 انہیں میرے اسلام لانے کا پہلے سے علم ہو گیا تو وہ مجھ پر ایسے ایسے جھوٹے بہتان باندھیں گے اور ایسی ایسی باتیں کریں گے جو مجھ
 میں نہیں ہیں پس پسند کرتا ہوں کہ مجھے اپنے گھر میں پہلے بٹھالیں۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلام کو پہلے گھر میں بٹھالیا پھر
 یہودیوں کی طرف پیغام بھیج دیا۔ یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اے جماعت یہود تم پر انوس ہے اللہ
 سے ڈرو قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں، میں تمہارے
 پاس پیغام حق لایا ہوں۔ اسلام قبول کر لو تو انہوں نے جواب دیا ہم تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ حضور ﷺ نے پوچھا
 عبداللہ بن سلام تم میں سے کس آدمی ہے تو یہودیوں نے جواب دیا وہ ہم میں سے بہترین ہے، بہترین فرد کی اولاد ہے۔ وہ ہمارا
 سردار ہے اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔ وہ ہم سے بڑا عالم ہے اور بڑے عالم کا بیٹا ہے۔ فرمایا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو تمہاری کیا
 رائے ہوگی تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اسے اس کام سے محفوظ رکھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلام کو کہا باہر آ جاؤ۔ وہ
 باہر آئے اور کلمہ شہادت پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اے جماعت یہود! اللہ سے ڈرو
 اور آپ جو پیغام تمہارے پاس لائے ہیں اسے قبول کرو۔ اللہ کی قسم تم اچھی طرح جانتے ہو یہ اللہ کے رسول برحق ہیں تم تو رات میں
 اس کا نام اور اس کی صفات لکھی ہوئی پاتے ہو۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں آپ پر ایمان لاتا
 ہوں۔ ان کی تصدیق کرتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں تو یہودیوں نے کہا تم جھوٹے ہو۔ تم ہم سب سے بڑے ہو اور سب سے بڑے
 کے بیٹے ہو اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اسی بات سے ڈرا کرتا تھا۔
 کیا میں نے آپ کو بتایا نہیں تھا یہ بہتان باندھنے والے دھوکے باز جھوٹے اور بد کردار ہیں۔ انہوں نے اپنا اور اپنے گھروالوں کا
 اسلام ظاہر کر دیا۔ اگلی پھو بھی بنت حارث بھی مسلمان ہو گئیں اور بہترین مسلمان بنیں (۶)۔

طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ عوف بن اشجی سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔
 آپ یہودیوں کی عبادت گاہ میں پہنچے۔ یہ ان کی عید کا دن تھا۔ انہوں نے ہمارا وہاں آنا پسند نہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے
 یہودیوں کی جماعت مجھے اپنی جماعت میں سے ایسے بارہ آدمیوں کے بارے میں بتاؤ جو یہ گواہی دیتے ہوں لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ
 رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ ہر اس یہودی سے جو آسمان کے نیچے رہ رہا ہے اپنے غضب کو ختم کر دے گا۔ وہ سب خاموش رہے، ان میں
 سے کسی نے بھی جواب نہ دیا پھر آپ وہاں سے واپس مڑے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی آپ کے پیچھے ہے۔ اس نے کہا اے محمد
 جہاں ہو ٹھہر جاؤ اور اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے جماعت یہود تم مجھے اپنی قوم میں کس حیثیت سے جانتے ہو؟ انہوں نے کہا

اللہ کی قسم ہم اپنی قوم میں تم سے بڑا عالم اور فقیہ کسی کو نہیں جانتے۔ اسی طرح تیرے باپ اور دادا سے بڑھ کر کسی کو بڑا عالم اور فقیہ نہیں جانتے پھر حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے وہی نبی ہیں جس کا ذکر تم تو رات میں پاتے ہو۔ انہوں نے کہا تم نے جھوٹ بولا پھر اس کا رد کیا اور اس کے بارے میں سخت غلط باتیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (1)۔

شیخین نے حضرت سعید بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے۔ کہ میں نے حضور ﷺ سے کسی زندہ کے بارے میں نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے مگر آپ نے حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں کہا انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَآءَ أَنِّي رَأَوْنِي رَأَىٰ رَأْسِ الْوَلَدِ مَعَهُ يَوْمَ أُحُدٍ۔ جو امام بخاری کے شیخ ہیں انہوں نے کہا امام مالک نے خود اپنی طرف سے اس آیت کو پڑھا ہے یا حضرت سعید بن وقاص کی حدیث میں یہ حصہ مذکور تھا (2)۔

ابن جریر نے عبداللہ بن سلام سے روایت نقل کی ہے آپ نے فرمایا وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَآءَ أَنِّي رَأَوْنِي رَأَىٰ رَأْسِ الْوَلَدِ مَعَهُ يَوْمَ أُحُدٍ۔ میں نے نازل ہوئی (3) اس تیسری صورت میں یہ آیت مدنی ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن سلام مدنیہ میں اسلام لائے تھے۔ علیؑ مدنیہ میں مثل کا لفظ زائد ہے۔ وہمیر قرآن کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اس بات کی گواہی دی کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یا معنی یہ ہوگا کہ جس طرح میں نے کہا بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے بھی ایسی گواہی دی کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام اسلام لائے آئے اور جماعت یہود تم نے ایمان لانے سے تکبر کیا، یعنی اہل امن میں حضرت حضرت عبداللہ بن سلام کے لئے ہے۔

مسروق نے اس بات کا انکار کیا کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام کے حق میں نازل ہوئی اور کہا اللہ کی قسم یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام کے حق میں نازل نہیں ہوئی کیونکہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، جبکہ حضرت عبداللہ بن سلام مدنیہ میں مسلمان ہوئے تھے (4)۔ یہ آیت اس استدلال کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَآءَ أَنِّي رَأَوْنِي رَأَىٰ رَأْسِ الْوَلَدِ مَعَهُ يَوْمَ أُحُدٍ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہادت دی اور تو رات میں شہادت میں خبر ہے کہ حضور ﷺ مسعود ہوں گے۔ علیؑ مدنیہ سے مراد وہ معانی ہیں جو تو رات میں موجود ہیں جو قرآن کی تصدیق کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ایمان لائے، جبکہ اسے جماعت قریش تم نے ایمان لانے سے تکبر کیا۔ (اِنْ كَانِ مِنْ عَشِيرَةِ اللَّهِ كَانَ لَأُتْمَلِكُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اِنْ كَانِ مِنْ عَشِيرَةِ اللَّهِ فَهِنَّ أَهْلٌ مِّنْكُمْ اَوْ اَنْتُمْ عَلَيْهِمْ۔ مخدوف جواب پر اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ دالالت کرتا ہے۔ یہ جملہ مستاتفہ ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ افعال شرط جیسے کَلَانَ مِنْ عَشِيرَةِ اللَّهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهِ، شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَآءَ أَنِّي رَأَوْنِي رَأَىٰ رَأْسِ الْوَلَدِ مَعَهُ اِنْ كَانِ مِنْ عَشِيرَةِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ سب نفی میں تو پھر ان میں حرف شرط ان استعمال کر نیکی کیا وجہ ہے جبکہ حرف ان تو شک کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔

میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں تمام جملوں میں واؤ جمع کے معنی پر دالالت کرتی ہے اور ان شرط کا کلمہ تو بخ کے لئے استعمال ہوا ہے، شک کی جگہ نفی افعال کا لا تا اس امر پر دالالت کرنے کے لئے ہے کہ عقل سلیم کے نزدیک اس کا انکار جائز نہیں، جبکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہے۔ جب اہل علم اس کی شہادت دے اور ایمان لے آئے تو پھر تکبر کرتے ہوئے اس کا انکار درست نہیں۔ یہ بھی

اس ارشاد کی مثل ہے۔ اَنْ لَّمْ يَكْفُرُوا بِمَا فِيْهِمْ ۖ وَاللّٰهُ عَلٰمٌ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَاَنْ حَيْرًا اَمَّا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ ۚ وَاِذْ لَمْ

يَهْتَدُوْا وَاِهْمَ فَسَبِقُوْنَا هٰذَا اِنْ لَّا قِيٰمٌ ۝۱

”اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے

اس کی طرف اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ (اجی) یہ تو وہی پرانا

جھوٹ ہے۔ لے“

۱۔ اس کا عطف قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا للحق پر ہے۔ ان کفار نے ان مومنوں سے کہا جو ان کی قوم سے تعلق رکھتے تھے اگر حضرت

محمد ﷺ کا دین حق ہوتا تو یہ ہم سے پہلے مومن نہ ہوتے بلکہ ہم سب سے پہلے ایمان لے آتے۔ ابن جریر نے قادم سے روایت کیا

ہے کہ مشرکوں میں چند لوگوں نے کہا ہم زیادہ عزت والے اور بہتر ہیں اگر اس دین میں کوئی خیر ہوتی تو فلاں فلاں اس کی طرف سبقت

نہ لے جاتے تو یہ آیت نازل ہوئی (۱)۔ ابن منذر نے عون بن ابی شداد سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کی ایک لونڈی

تھی جو حضرت عمر سے پہلے اسلام لائی تھی جس کا نام زمین تھا۔ حضرت عمر اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اسے مارتے تھے یہاں تک کہ

اس کے اوسان خطا ہو جاتے قریش کے کفار کے لئے اگر اس دین میں کوئی بھلائی ہوتی تو زمین ہم سے سبقت نہ لے جاتی تو اللہ تعالیٰ

نے اس آیت کو اس کے متعلق نازل فرمایا (۲)۔ ابن سعد نے اسی کی مثل سخاک اور حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے۔ امام بغوی

نے اس روایت پر اعتراض کرتے ہوئے کہ سابقہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی کہا کہ یہودیوں کا فروں نے

ان مسلمانوں کے بارے میں کہا جو انہی کی قوم سے تعلق رکھتے تھے اگر اس دین میں کوئی بھلائی ہوتی تو حضرت عبداللہ بن سلام اور آپ

کے ساتھی ہم سے سبقت نہ لے جاتے (۳)۔

اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا وَاِهْمَ فَسَبِقُوْنَا میں طرف مزد و فاعل کے متعلق ہے جو ظہر عنادھم یا ضلوا ہو سکتا ہے۔ یہ میں ضمیر سے مراد قرآن

ہے۔ اس جملے کا عطف قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پر ہے، یعنی ان کافروں نے قرآن سے اس طرح ہدایت حاصل نہ کی جس طرح اہل

ایمان نے قرآن سے ہدایت حاصل کی فَسَبِقُوْنَا میں فاعل یہ ہے کیونکہ یہ قول ان کے عناد اور گمراہی کے ظہور کا نتیجہ ہے۔ یہ

قول بھی ان کے اس قول کی طرح ہے اساطیر الاولین، یعنی یہ پہلے لوگوں کے جھوٹ ہیں جنہیں پہلے لوگوں نے گمراہ تھا پھر ان

سے محمد ﷺ نے اخذ کر لیا۔

وَمِنْ قَبْلِهِ كُتِبَ مُوَلًّیْ اِمَامًا وَرَحْمَةً ۖ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا عَرَبِيًّا

لَيُبَيِّنَ رَاٰیَیْنَ ظٰلِمُوْا ۙ وَبُشْرٰی لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَ اللّٰهِ ثُمَّ

اَسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلٰیہُمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

خٰلِدِيْنَ فِيْہَا ۚ جَزَاُہُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲

”حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آ چکی ہے اور یہ کتاب (قرآن) تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ بروقت خبردار کر دے ظالموں کو اور خوشخبری ہے نیکوکاروں کے لئے کہ یہ شک جن لوگوں نے کیا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے پس کوئی خوف نہیں انہیں اور نہ تنگیں ہوں گے بلکہ یہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں یہ جزاء ہے ان نیکیوں کی جو وہ کیا کرتے تھے۔“

۱۔ وہ قبیلہ کی ہضمیر سے مراد قرآن ہے اور جار مجرور کتب موسیٰ کی خبر مقدم ہے۔ کتاب سے مراد تورات ہے۔ اماما یہ قبیلہ کی ضمیر سے حال ہے۔ امام کا مثنوی ہے جس کی اقتداء و پیروی کی جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے رحمت ہے تاکہ وہ فلاح دارین حاصل کر لیں۔ یہ مکمل جملہ جملہ معترضہ ہے۔

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یا اپنے اعجاز کی وجہ سے حضور ﷺ کی تصدیق کرتی ہے۔ مصدق یہ کتاب کی صفت ہے۔ لسانا عربیہ یہ مصدق میں موجود اس ضمیر سے حال ہے جو کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے یا یہ کتاب سے حال ہے کیونکہ اس کی صفت مذکور ہونے کی وجہ سے وہ مکرر مخصوصہ بن چکا ہے اس میں عامل اسم اشارہ کا مثنوی ہے۔ ان دو تعبیروں کا فائدہ یہ ہے کہ دلالت سے یہ شعور دلایا جائے کہ قرآن حکیم تورات کی تصدیق کرتا ہے جس طرح یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حق ہے اور اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ یہ وہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا لسانا عربیہ یہ مصدق کا مفعول ہے یہ او اس کا مضاف محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی مصدق ذالسانا عربی۔ اس صورت میں اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہوگی۔

نافع بڑی اہم عامر اور یعقوب نے لینڈر کو لتنڈر خطاب کا صیغہ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کے ساتھ غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کا فاعل کتاب یا اللہ تعالیٰ کی ذات یا رسول اللہ ہوگا۔ اس کلام کا تعلق ہذا کتاب کے ساتھ ہوگا، یعنی یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی کہ آپ ذرائع یا یہ ذرائع ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور یہ خوشخبری ہے احسان کرنے والوں کے لئے۔ بشری یہ فعل محذوف کا مصدر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی ہمیشہ بشری با اس کا مفعول لہ ہے اور اس کا عطف لینڈر کے محل پر ہوگا۔ یہ تعبیر اس وقت ہی جائز ہوگی جب لینڈر کو غائب کا صیغہ پڑھا جائے، اس صورت میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی تاکہ اس کا فاعل اور مفعول لہ کے فعل کا فاعل ایک ہی ہو اور وہ فعل انزل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بشری مبتدا محذوف کی خبر ہو جو جو ہے۔ اس جملہ کا عطف ماقبل جملے پر ہوگا۔

۲۔ ہم نے استقامت کی تفسیر سورۃ حنم مسجدہ میں بیان کر دی ہے۔ ان خوش نصیبوں کو موت کے بعد کسی ناپسندیدہ چیز کے لاحق ہونے اور کسی محبوب چیز کے فوت ہونے کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔ فلا خوف میں فاء اس لئے ہے کیونکہ مبتدا میں شرط کا مثنوی پایا جاتا ہے۔ جسے خالدین اس ضمیر سے حال ہے جو اصحاب میں موجود ہے۔ اس میں عامل اسم اشارہ کا مثنوی ہے۔ یہ جملہ خوف کی کنی کی علت بیان کر رہا ہے۔ جزاء اس محذوف فعل کا مفعول مطلق ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی جو جزا جزاء، یعنی وہ جنت میں ہمیشہ اس لئے رہیں گے کیونکہ یہ ان کے علمی اور عملی ایسے اعمال کا بدلہ ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَبَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمَلُهُ
وَفُضِّلَهُ لِنُسْرَتِهِ إِحْسَانًا إِذَا بَدَأَكُمْ أَشْدَّكُمْ وَأَنْتُمْ كَارِهِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ

أَوْزَعْنِي أَنْ أَشْكُرَ بِعَمَلِكَ الْبَنَى أَلْمَمْتُ عَلَى وَعَلَى وَإِلَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا
تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي دِينِي ۖ إِنَّي نَسِيتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٢٠﴾

”اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے (اپنے حکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جتنا اس کو بڑی تکلیف سے اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس سینے لگ گئے یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی اسے میرے رب مجھے دالہا نہ تو فیض عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (درشد) کو میرے لئے میری اولاد میں راسخ فرمادے۔ بے شک میں تو بہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔“

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ میں الف لام عہد جاری کا ہے اور انسان سے مراد ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت علی شیر خدا سے بھی یہی مروی ہے، آپ نے کہا یہ آیت ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ کے والدین مسلمان ہوئے۔ مہاجرین میں سے آپ کے علاوہ کسی کے دونوں والدین اسلام نہیں لائے (1) سدی اور ضحاک نے کہا یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص کے حق میں نازل ہوئی (2) ہم نے ایک واقعہ سورۃ عنکبوت میں بیان کیا ہے ایک قول یہ کیا گیا۔ یہ الف لام ضمی ہے اگرچہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق یا حضرت سعد کے حق میں نازل ہوئی تاہم سیاق کلام اس قول کی تائید نہیں کرتا جس کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے۔

یٰۤاٰیُّہٖذِیْنَ جَارِجُورٍ کَاتِلُیْہِمْ مَّحْذُوفٌ فَعْلٌ کے ساتھ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی۔ یٰحَسَنُ وَالدِّیْہِ حضرت ابو بکر صدیق کے والدین حضرت ابوقحافہ، عثمان بن عمر اور ام الخیر بنت خریز بن معمر بن عرقمیں۔

کوفہ کے قراء نے باب افعال کا مصدر احسان پڑھا ہے۔ یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، جبکہ باقی قراء نے مجرد سے حنا پڑھا ہے اور یہ یو الدیہ ہے بدل اشتمال ہے۔ اس صورت میں احسان کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یو الدیہ کا اعتبار کیا گیا ہے۔ کوحا سے پہلے ذات کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ یہ امہ سے حال ہوگا یا یہ جملہ کی صفت ہے پھر یہ فعل کا مفعول مطلق ہوگا۔ اس کا معنی مشقت ہے۔ حجاز کے قراء ہشام اور ابو عمرو نے دونوں جملہ کوحا کو کاف کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے کاف کے ضم کے ساتھ پڑھا ہے، یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا جب کاف پر ضم ہوگا تو یہ ام ہوگا اور جب اس پر فتح ہوگا تو یہ مصدر ہوگا۔ حملتہ امہ کوحا اور وضعہ کوحا یہ دونوں جملہ معترضہ ہیں اور احسان کی علت بیان کر رہے ہیں۔ ان آیات میں یہ شعور بھی دلا جا رہا ہے کہ ماں احسان کی زیادہ مستحق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر پھر اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر پھر اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر پھر اپنے باپ کے ساتھ صلہ رحمی کر پھر اس کے بعد جو زیادہ قریبی ہے۔ حدیث سورۃ عنکبوت میں گزر چکی ہے۔ فصالح کا معنی چھڑانا ہے یہاں اس سے مراد دودھ پلانے کی مدت ہے۔ لازم ذکر کیا مراطلوم ہے یعقوب نے اسے فصلہ پڑھا ہے۔ دونوں مضاف کے حذف کے ساتھ مبتدا ہیں۔ تقدیر کلام یہ ہے مدۃ

حملہ و فصالہ اور ما بعد اس کی خبر ہے، یعنی حمل اور رضاعت کی مدت تیس ماہ ہے۔ یہ بھی جملہ مخرمہ ہے۔ طویل مدت میں مشقت کی شدت کو بیان کرنے کے لئے ذکر کیا۔ اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ (۱) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وفصالہ فی عامین کیونکہ دو سال چھ ماہ کے عرصہ میں سے دو سال نکل جائیں تو پیچھے چھ ماہ رہ جاتے ہیں۔ حمل کی کم سے کم مدت میں اسی عرصہ پر اتفاق ہے۔ تاہم زیادہ سے زیادہ عرصہ میں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے ہے اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ حضرت امام مالک سے کئی روایات مروی ہیں۔ چار سال سے پانچ سال اور سات سال۔ حضرت امام شافعی نے کہا چار سال۔ امام احمد سے دو روایات مروی ہیں مشہور روایت امام شافعی کے مذہب کے موافق ہے، جبکہ دوسری روایت امام ابوحنیفہ کے مذہب کے موافق ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ کا قول ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ اتنا عرصہ بھی نہیں ٹھہر سکتا جتنا کہ تگہ کا گھراؤ ہو۔ ایک روایت تگہ کے سامنے کی مقدار کے الفاظ ہیں امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس قسم کی بات سامع سے ممکن ہے کیونکہ مقداروں کو انداز سے معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے آپ کا قول صحیح ہو اور آپ کے تجربہ پر مبنی ہو جس طرح عمومی عادت ہے۔ جس طرح امام مالک اور امام شافعی کا قول تجربہ پر مبنی ہو۔ میں کہتا ہوں حمل کی کم سے کم مدت پراس آیت سے استدلال اس امر پر مبنی ہے کہ الانسان میں الف لام جنسی ہے۔ اگر الف لام عہد خارج کا ہو تو پھر اس آیت سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں ایک واقعہ کا بیان ہے۔ اس آیت سے امام ابوحنیفہ کے مذہب کا استدلال بھی درست نہیں کہ رضاعت کی مدت تیس ماہ ہے۔ اس کے متعلق اور رضاعت کے دوسرے مسائل کے متعلق مسائل سورۃ نساء میں گزر چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے عکرمہ نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب عورت نو ماہ تک حاملہ رہے تو انہیں ماہ دودھ پلانے۔ جب چھ ماہ تک حاملہ رہے تو پھر چوبیس ماہ دودھ پلانے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حنی اذا بلغ کا تعلق فعل محذوف کے ساتھ ہے جس کا عطف و وضعہ پر ہے تقدیر کلام یہ ہے رَبِّیْہَا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَیْنِ اَنْ

۱۔ تفسیر ابنی، ج 6، صفحہ 134 (التجاریہ)

(۱) قتادہ ابو الحارث بن اسود دینی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کی خدمت میں ایک عورت کو پیش کیا گیا جس نے چھ ماہ میں بچہ جنا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام سے اس بارے میں دریافت کیا۔ حضرت علی نے کہا اس پر رحم نہیں کیونکہ آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا واصلہا لعلھن شہراً اور دوسری جگہ فرمایا واصلہا فی عامین تو پھر حمل کی مدت چھ ماہ روگئی۔ حضرت عمر نے اس عورت کو چھوڑ دیا پھر میں ایک خبر پہنچی کہ ایک اور عورت نے بھی چھ ماہ کے عرصہ میں بچہ جنا۔ حضرت تابع بن جبر سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے انہیں خبر دی کہ جس عورت کو حضرت عمر کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا میں نے اس عورت کے حق میں دلیل دی تھی۔ اس عورت نے چھ ماہ میں بچہ جنا تھا۔ لوگوں نے اس کا بار منایا۔ میں نے حضرت عمر کا روقی سے عرض کیا آپ کیسے اس پر قلم کر سکتے ہیں آپ نے فرمایا ظلم کیا۔ میں نے عرض کی اس آیت کو پڑھیں و حملہ و فصالہ فلانوں شہراً اور دوسری آیت والودعات برھعن اولادھن حولین کاملین میں نے عرض کی حل کرتا ہوتا ہے؟ فرمایا ایک سال۔ میں نے عرض کی سال کتنے عرصہ کا ہوتا ہے؟ فرمایا ارہوہ۔ میں نے عرض کی چھ تیس ماہ پورے دو سال ہوئے۔ تاہم حمل کو اللہ تعالیٰ جتنا مقرر کر دے۔ یا جتنا پہلے کر دے حضرت عمر اس استدلال سے مطمئن ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے غلام ابوسعیدہ سے مروی ہے کہ ایک عورت کو حضرت عثمان کی خدمت میں پیش کیا گیا جس نے چھ ماہ میں بچہ جنا تھا حضرت عثمان نے فرمایا جس عورت کو میرے سامنے پیش کیا گیا ہے میرا خیال ہے اس نے نطفہ کا کام کیا ہے تو حضرت ابن عباس نے کہا جب رضاعت کا دورانیہ دو ماہ ہو تو حمل کی مدت چھ ماہ رہ جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ آیت پڑھی حضرت عثمان نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔

دونوں والدین نے اس کی تربیت کی یہاں تک کہ وہ جوان ہو گیا اور پھر چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا اور اس کی عقل کامل ہو گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت دوست بنے تھے جب آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی یہ جوانی کی عمر ہے جبکہ حضور ﷺ کی عمر بیس سال تھی اور اسٹھے شام کی طرف تجارت کے لئے گئے تھے جب چالیس سال کے ہوئے تو حضور ﷺ پر ایمان لے آئے اور اپنے رب کے حضور اتھاہ کی شاید راوی کو حضرت ابو بکر کی عمر چالیس سال ذکر کرنے میں سہو ہوا ہے کیونکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ عمروں میں دو سال کا فرق تھا۔

ورش اور بزی نے اوزعنی کی یاد کو مفتوح، جبکہ باقی قراء نے ساکن پڑھا ہے۔ معنی ہے مجھ پر الہام کر۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ مجھے یوں بنا دے کہ میں اپنے آپ کو ناشکری سے روک لوں۔ مجھے اور میرے والدین کو اسلام قبول کرنے کی جو نعمت عطا فرمائی ہے یا عمومی نعمت مراد ہے جو اسلام اور دوسری نعمتوں کو شامل ہے اس پر تیرا شکر ادا کروں اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو۔ صالحہ کو تعظیم کے لئے نکرہ ذکر کیا یا جنس میں سے ایک ایسی نوع کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر خدا شت کو قبول فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے ان کو غلاموں کو آزاد کیا جنہیں ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا اور بھلائی کے جس کام کا بھی آپ نے ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنی اولاد کے نیک ہونے کی بھی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمایا۔ آپ کی جتنی اولاد تھی سب مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ کے والدین اور اولاد سب مسلمان ہوئے تھے (1)۔ حضرت ابن عباس نے اسی طرح کہا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق کے والد ماجد حضرت ابوقافہ حضرت ابو بکر صدیق آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن اور ان کے صاحبزادے ابوبتیق نے صحابیت کا شرف حاصل کیا۔ کسی اور صحابی کو یہ شرف حاصل نہ ہوا (2)۔

میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں کفر سے ہر ایسے عمل سے جس سے تیری رضا نصیب نہ ہو یا ہر ایسے عمل سے جو تجھ سے مجھے غافل کر دے اور مخلص مسلمانوں میں سے ہوں۔ حتیٰ اذا بلغ سے لے کر آخر تک تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان پر الف لام عہدی ہے، اس سے معین شخص مراد ہے کیونکہ اگر یہ الف لام معنی ہو تو پھر یہ درست نہیں رہتا کیونکہ قدیمی نعمت کو چالیس سال تک دعا کے لئے مؤخر کرنا جائز نہیں۔ اصل میں یہ آیت ایک واقعہ کو بیان کرتی ہے کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق تقریباً چالیس سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اور شکر بھی وہی معتبر ہوتا ہے جو ایمان کی صورت میں ادا کیا جائے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابوقافہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے تھے، جبکہ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق کی عمر (تقریباً) ساٹھ سال تھی، جبکہ یہ آیت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی کیونکہ یہ سورت مکی ہے۔ جب حضرت ابو بکر صدیق کی عمر چالیس سال تھی تو اس وقت ابوقافہ کافر تھے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ احسان کرنے کا کیسے حکم دے سکتا ہے اور حضرت ابو بکر کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اَنْعَمْتُ عَلَىَّ وَعَلَىٰ قَوْمِي۔

ہم اس کے بارے میں یہ کہیں گے یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق انیس سال کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے اور ان کے والدین اس کے دو سال بعد ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق کی عمر چالیس سال تھی۔ شاید ابوقافہ کے اسلام

لانے کی یہی روایت صحیح ہے۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور ابوقحافہ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا تو پھر بھی کافر والدین کے ساتھ حسن سلوک کی معصیت جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ عبکوت میں فرمایا وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِس صورت میں نعت سے مراد ایسی نعت ہوگی جو دینی اور دنیاوی دونوں نعمتوں کو عام ہوگی۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انسان پر الف لام چسپی ہے تو اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا جب انسان مظلوم جسم کا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے پھر جب وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو عقل کے کامل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے۔ واللہ اعلم۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ تَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَتَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجُبَّةِ ۖ وَعدَّ الصَّدَقَ الَّذِينَ كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ وَالَّذِي قَالَ لِيُؤَدِّيُوا إِلَيَّ نَفْسًا أَنْ أَخْرَجَ وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي ۖ وَهَذَا يُسْتَغْفِرُ لِنَفْسِهِ إِنَّهُ كَانَ اللَّهُ حَقًّا قَبِيضًا ۖ وَمَا هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أَمْرِ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ۝

”یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن کو اللہ نے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے۔ یہ جنتیوں میں سے ہوں گے (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے۔ اور جس نے کہا اپنے والدین کو افسوس ہے تمہارے حال پر کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو اس کی کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ گزر چکی ہیں کئی صدیاں مجھ سے پہلے (ان میں سے تو کوئی اب تک زندہ نہ ہوا) اور اس کے والدین بارگاہ الہی میں فریاد کرتے ہیں (اور اسے کہتے ہیں) تیرا خدا خراب ہو ایمان لے آئینا اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ (جواباً) کہتا ہے نہیں میں یہ دھمکیاں مگر پہلے لوگوں کی فرسودہ کہانیاں لے چکی وہ (بد بخت) ہیں جن پر عذاب ہو چکا ہے عذاب کا فرما ان اگر وہوں میں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں جنوں اور انسانوں میں سے بے شک وہ سراسر گھمٹے میں تھے سو“

۱۔ اگر سابقہ آیت میں مذکور انسان سے مراد اصل ہو تو اولئک سے اشارہ ان افراد کی طرف ہوگا جو مستحقہ صفات سے متصف ہیں اور یہ تعبیر ظاہر ہے اگر انسان سے مراد حضرت ابوبکر یا حضرت سعد ہو تو پھر اشارہ آپ کی طرف اور اس فرد کی طرف ہوگا جو ان مذکورہ صفات سے متصف ہو۔ اس صورت میں حضرت ابوبکر اور حضرت سعد پر حکم عموم کے ضمن میں بطور کنایہ ہوگا۔ یہ صریح حکم سے بیخلاف ہے کیونکہ کنایہ کی صورت میں حکم گناہاں ہے جیسا دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی ہو۔ مہاجر عمل حسن تو ہوتا ہے لیکن اس پر ثواب نہیں ہوتا، جبکہ یہ ایسے عمل کا ذکر ہے جس پر انہیں ثواب دیا جائے گا اس لئے اسے احسن فرمایا یا یہاں صفت اپنے موصوف کی طرف منصف ہے، یعنی انہوں نے جو عمل کیا ہے ہم اسے قبول کرتے ہیں۔ یہ ان کے علاوہ کے عمل سے اچھا ہے اور ہم ان کے گناہوں سے صرف نظر کرتے ہیں اور ان میں سے کسی چیز پر انہیں سزا نہ دیں گے۔ جزوہ کسی اور شخص نے تقبل اور نتجاوز یعنی جمع متکلم کے صیغہ پڑھے ہیں۔

مقصود و عظمت بیان کرنا ہے اور احسن کو مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے ان دونوں کو واحد مذکر غائب مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور احسن کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ نائب فاعل ہے۔ فی الضلٰی الجَنَیَّ، اولنک کی دوسری خبر ہے یا عنہم اور عَنِ سَيِّئَاتِهِمْ میں جو صم ضمیر ہے اس سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا اس حال میں کہ وہ ان کی تعداد میں ہوں گے یا اس حال میں کہ انہیں ثواب دیا جائے گا یا ان میں وہ شمار ہو گئے۔ وعد الصدق مفعول مطلق ہے اور تاکید کا فائدہ دے رہا ہے کیونکہ عمل قبول کرنا اور گناہوں سے صرف نظر کرنا یہ بھی وعدہ ہے، یعنی میں نے تم سے سچا وعدہ کیا ہے۔ وعدہ کی صدق کی طرف اضافت اسی طرح ہے جس طرح حاتم الجود میں حاتم کی جود کی طرف اضافت ہے۔ یہ جملہ مستاتھ ہے۔ اس مذکورہ انسان کی جزاء کو بیان کرتا ہے۔

ج۔ جب والدین نے اسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور زبان سے اقرار کرنے کی دعوت دی۔ اسم موصول اپنے صلب سے مل کر مبتدا ہے۔ اس کی خبر انگلی آیت ہے۔ یہ جملہ مستاتھ ہے۔ سابقہ آیت میں جن افراد کا ذکر تھا ان کے مخالفین کے حکم کا بیان ہے۔ اف یہ ناپسندیدگی کے اظہار کا حکم ہے۔ نافع اور جنس نے اسے توین اور فاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ اکثر کثیر اور ابن عامر نے توین کے بغیر فاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے فاء کے کسرہ کے ساتھ توین کے بغیر پڑھا ہے۔ ہشام نے اعدا انسی کو ایک نوں مشدود کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے دو کمسور نوں کے ساتھ پڑھا ہے۔

نافع اور ابن کثیر نے یاء کو مفتوح پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کو ساکن پڑھا ہے۔ اس میں استنہام انکار اور توثیح کے لئے ہے جو اف کی علت کے مقام میں ہے، یعنی کیا تم مجھے اس بات کی دھمکی دیتے ہو کہ مجھے موت کے بعد قبر سے زندہ نکالا جائے گا جبکہ کئی صدیاں گزر چکی ہیں۔ قَدْ خَلَتْ الْقُرُونُ مِنِّي وَفِيَّ عَظِيمٌ، اخروج کے فاعل سے حال ہے۔ یہاں جملہ مخذوف ہے جس کا عطف اس جملہ پر ہے جس مخذوف جملہ کی تقدیر یہ ہے وَلَمْ يَخْرُجْ مِنْهُمْ، جبکہ اس کے والدین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں یہ دعا کرتے ہیں تجھ سے اللہ کی پناہ یا یہ التجا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق عطا فرمائے۔ ہما يستغفیان اللہ جملہ والدیہ سے حال ہے۔ ویلک فیصل مخذوف کا مفعول مطلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ہلکت ہلاکات۔ اس جملہ سے پہلے قول مقدر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے ویقولون له ویلک۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لا۔ دوبارہ اٹھائے جانے کا وعدہ حق ہے۔ ان وعد اللہ حق یہ جملہ ام کی علت کے محل میں ہے۔ وہ کا فر اپنے والدین سے کہتا ہے یہ پہلوگوں کے جھوٹ ہیں۔

امام بخاری نے یوسف بن ماحک کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ نے مروان کو گناہ پر وائی مقرر کیا۔ اس نے خطبہ میں یزید بن معاویہ کا ذکر کیا تاکہ حضرت معاویہ کے بعد اس کی بیعت کی۔ جائے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر نے کچھ فرمایا تو مروان نے اپنے کارندوں سے کہا اسے بڑا لوطو حضرت عبدالرحمن حضرت عائشہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وجہ سے حکومتی کارندے آپ کو نہ پکار سکے۔ مروان نے کہا یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِينَ قَالُوا لَوْلَا اِيَّاكَ لَفَكُنَّا مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تو حضرت عائشہ صدیقہ نے حجاب کے پیچھے سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری پاکدامنی کے علاوہ قرآن میں کوئی چیز ہمارے بارے میں نازل نہیں فرمائی (1) یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر مروان کی بات پر سخت غصینا کہ ہوئے، کہا یہ تو روم کے بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ بیٹے باپوں کے ملکوں کے وارث بن جاتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے سدی اور حضرت ابن عباس سے مروان کے قول کی مثل

روایت کیا ہے کہ یہ آیت عبدالرحمن کے اسلام لانے سے پہلے اس کے متعلق نازل ہوئی پھر وہ مسلمان ہو گئے اور بہترین مسلمان ثابت ہوئے۔ امام بخاری نے کہا حضرت ابن عباس، سہمی اور مجاہد نے کہا یہ آیت عبداللہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ عبدالرحمن کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کے والدین اسے اسلام کی دعوت دیتے تھے، جبکہ وہ انکار کرتا تھا اور کہتا میرے لئے عبداللہ بن جدعان، عامر بن کعب اور قریش کے سرداروں کو زندہ کرو تا کہ میں ان سے تمہاری باتوں کے بارے میں سوال کروں۔

میں کہتا ہوں جنہوں نے یہ کہا کہ یہ آیت عبدالرحمن بن ابی بکر کے حق میں نازل ہوئی اس کا انحصار مردان کی بات پر ہے۔ تم سن چکے ہو کہ مردان کا قول دشمنی پر مبنی تھا۔ امام بخاری نے کہا حضرت عائشہ صدیقہ نے اس بات کا انکار کیا کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ نے فرمایا فلاں آدمی کے حق میں نازل ہوئی تھی اور اس آدمی کا نام بھی لیا تھا۔ حافظ بن حجر نے کہا حضرت عائشہ کی فنی والی روایت سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے اور قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔ زجاج نے کہا جس نے یہ کہا کہ یہ آیت حضرت عبدالرحمن کے اسلام لانے سے پہلے ان کے حق میں نازل ہوئی۔ اگلی آیت ان کے قول کو باطل کر دیتی ہے (۱)۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں یہ فیصلہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ لوگ جہنمی ہیں کیونکہ حضرت عبدالرحمن تو طویل القدر صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ فی یہاں مع کے معنی میں ہے۔ بین النجین والذئب اسم کا بیان ہے قد خلت والا جملہ اسم کی صفت ہے فی اعم حق کے ساتھ متعلق ہے جو اسم موصول کا صلہ ہے اور اسم موصول اسم اشارہ کی خبر ہے اور مکمل جملہ والذئب قال یو الیہ یو کی خبر ہے اُنھم کا نوا الخیرین سے تہذیبیل ہے۔

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ ﴿٥٠﴾
يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلٰی النَّارِ اَاْذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِیْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاَسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٥١﴾

”اور ہر ایک کے لئے مرتبے ہوں گے ان کے اعمال کے مطابق اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور جس روز لا کر کھڑا کر دیا جائیگا کفار کو آگ کے سامنے (تو انہیں کہا جائیگا) تم نے فتنہ کر دیا تھا اپنی نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں اور خوب لطف اٹھایا تھا تم نے ان سے آج تمہیں رسوا کیا کا عذاب دیا جائے گا جو اس گھنڈے کے جو تم زمین میں ناحق کیا کرتے تھے اور جو تمہاری فائز مانیوں کے حق“

۱۔ انہوں نے جو اچھے اعمال کئے اس کی جزاء (۱) کے کئی درجات ہیں یا کیونکہ انہوں نے جو اچھے اعمال کیے ہیں اس کی وجہ سے ان کے کئی درجے ہیں۔ امام بخاری نے کہا حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت سے مراد یہ ہے جس نے پہلے اسلام قبول کیا اس کا درجہ بعد میں اسلام قبول کرنے سے بڑا ہے، اگرچہ اس نے صرف ایک گھڑی پہلے اسلام قبول کیا مقتاس نے کہا ہر ایک کے ان کے اعمال

1۔ تفسیر بخاری زیر آیت ہذا

(۱) اس تفسیر کی صورت میں ماموصول سے پہلے جزاء کا لفظ مضاف محذوف ہے۔ (مترجم)

کے مطابق نفل خاص ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ان کے اعمال کی جزاء دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا مومنوں اور کافروں میں سے ہر ایک جماعت کے اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے روز ان کے اعمال کے مطابق درجات اور منازل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے مطابق انہیں بدلہ عطا فرمائے گا۔ ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا جہنمیوں کے درجے پستی کے اعتبار سے اور جنتیوں کے درجے بلندی کے اعتبار سے ہوں گے۔

ابن کثیر ابو عمرو و ہشام اور عاصم نے لیو فیہم کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے مع تنکلم کا صیغہ پڑھا ہے۔ مقصود عظمت بیان کرنا ہے یہ محذوف فعل کی محذوف علت پر معطوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فَعَلْنَا ذَٰلِكَ اَوْ فَعَلَ اللّٰهُ ذَٰلِكَ لِجَحْمٍ وَ مُضَالِخٍ وَلِیُوْفِیْہُمْ۔ یعنی انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری جزاء دے گا اور کسی کے ثواب میں کمی یا عذاب میں اضافہ کر کے ظلم نہیں کرے گا۔ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ یہ جملہ لیو فیہم کی ضمیر منصوب سے حال ہے۔

یعنی اس روز کفار کو آگ کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ اصل کلام یوں ہے یعرض النار علیہم مبالغہ کے اظہار کے لئے اس میں قلب کیا گیا جس طرح عربوں کا قول ہے غُرِضْتُ النَّافَّةَ عَلٰی الْحَوْضِ۔ اذہبتم سے پہلے قول مقدّر ہے تقدیر کلام یوں ہے یَقَالُ لَہُمْ اذہبتم۔ ظرف یعنی یوم کو اذہبتم فعل نصب دے رہا ہے۔

ابن کثیر ابن عامر ابو جعفر اور یعقوب نے اذہبتم پڑھا ہے۔ ابن ذکوان نے دونوں ہمزوں کو اپنی اصل پر رکھتے ہوئے پڑھا ہے اور مد کے ساتھ نہیں پڑھا۔ ابن کثیر ابو جعفر یعقوب اور ہشام نے ہمزہ اور مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہشام نے ہمزہ کو اصل پر رکھتے ہوئے مد پڑھی ہی ہے، جبکہ ابن کثیر نے دوسرے ہمزہ میں تسخیل کی ہے، جبکہ باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ جملہ خبریہ پڑھا ہے، یعنی ہمزہ استفہام نہیں ہے۔ امام بغوی نے کہا دونوں لغتیں فصیح ہیں کیونکہ عرب تو بیخ کے لئے استفہام کا کلمہ لاتے ہیں اور کلمہ استفہام کو ترک بھی کر دیتے ہیں۔ طہات سے مراد لڈانڈ ہیں۔ یعنی تمہارے حق میں جو لڈانڈ مقدّر کئے گئے تھے تم دنیا میں ان سے لطف اندوز ہو چکے ہو۔ اب ان میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ فالیوم میں فاء سببہ ہے۔ اس جملہ کا عطف استمتم پر ہے، یعنی آج تمہیں ایسا عذاب دیا جائے گا جو ذلت و رسوائی عطا کرنے والا ہے۔ اس عذاب کا سبب تمہارا ناحق تکبر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نفرت ہے۔

امام بغوی نے کہا اللہ تعالیٰ نے کافروں کو تنبیہ کی کہ وہ دنیاوی لذات سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ نے دنیا کی لذات سے اجتناب کو ترجیح دی تاکہ آخرت کا ثواب حاصل ہو شیخین نے صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیحین میں روایت نقل کی ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ خالی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، اس پر کوئی بستر نہ تھا۔ اس چٹائی کے نشانات آپ کے جسم پر لگے ہوئے تھے۔ آپ نے چمڑے کے ایک تکیہ پر ٹیک لگائی ہوئی تھی جس میں بھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو کفرانی عطا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمانیوں اور دومیوں کو کفرانی عطا فرمائی ہے، جبکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا اے ابن خطاب کیا تو بھی یہ سوچتا ہے؟ وہ ایسی قوم ہیں جنہیں لذتیں دنیا میں جلدی عطا کر دی گئی ہیں (1) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت (2)۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت مروی ہے کہ حضور ﷺ کے گھر والوں نے کبھی بھی دو دن لگا تار جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا یہاں تک کہ حضور ﷺ نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا (1)۔ امام بخاری نے سعید مقبری اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جن کے سامنے بھی ہوئی بکری پڑی تھی۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ کو کھانے کی دعوت دی تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا حضور ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے ہیں، جبکہ آپ نے جو کی روٹی سے بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا (2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کبھی کبھی ایسا مہینہ بھی آ جاتا کہ ہمارے گھروں میں آگ نہ ملتی اور ہمارے پاس پانی اور سمجھور کے سوا کوئی چیز نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ انصاری عورتوں کو جزاء خیر دے۔ کبھی کبھی وہ ہمارے پاس دو دھتھہ کے طور پر بھیج دیتی تھیں۔

امام احمد امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ آپ لگا تار کی کئی راتیں بھوکے گزارتے تھے۔ گھر والوں کے پاس رات کا کھانا نہیں ہوتا تھا۔ ان کا اکثر کھانا جو کی روٹی ہوتا تھا (3)۔ امام ترمذی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جتنا ڈرایا گیا اتنا کسی اور کی نہیں ڈرایا گیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اذیتیں دی گئیں اتنی اذیتیں کسی اور کو نہیں دی گئیں مجھ پر تیس روز ایسے بھی گزرے کہ میرے اور بلال کے پاس کوئی ایسا کھانا نہیں تھا جسے لوگ کھاتے ہیں یا صرف وہ چیز تھی جسے بلال کی بغل سے چھپا لیا تھا (4)۔ امام ترمذی نے کہا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ مکہ سے باہر چلے گئے تھے اور آپ کے ساتھ صرف حضرت بلال تھے۔ حضرت بلال کے پاس صرف اتنا کھانا تھا جسے وہ بغل کے نیچے دبا لیتے تھے (5)۔ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ستر اصحاب سفد دیکھے۔ ان میں سے کسی کے پاس رواہ نہ تھی یا تو ان کے پاس صرف تیندھ تھا یا ایک لمبی سی چادر تھی جسے انہوں نے اپنے گلے میں باندھ رکھا تھا۔ یہ چادر کسی کی پنڈلی اور کسی کے فٹے تک پہنچتی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے چادر کو پکڑ کر رکھتے تاکہ کہیں ان کی شرمگاہ نہ کھل جائے (6)۔

امام بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں جو کی روٹی اور نمکین روغنی تیل لے آیا۔ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ رہن کے طور پر رکھی تھی اور گھر والوں کے لئے اس سے جو لئے تھے۔ میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا آل محمد نے کبھی بھی ایک صاع گندم اور ایک صاع دانے کے ساتھ شام نہیں کی تھی، جبکہ اس وقت آپ کے عقد میں نو عورتیں تھیں (7)۔ امام ترمذی نے ابوظہر سے روایت کیا ہے ہم نے حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بھوک کی شکایت کی، ہم نے پیٹ سے کپڑا ہٹایا نیچے ایک ایک چتر تھا۔ حضور ﷺ نے پیٹ سے کپڑا اٹھایا تو نیچے دو چتر تھے (8)۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ امام مسلم نے عبدالرحمن سے روایت کی ہے کہ تین آدمی حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آئے، جبکہ میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہا اے ابوجہر اللہ کی قسم ہمارے پاس کچھ بھی نہیں نہ کھانا ہے نہ سواری ہے اور نہ ہی دوسری ضروریات زندگی۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا جو تم چاہو

2۔ صحیح بخاری، جلد 5، صفحہ 2066 (ابن شہر)

1۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 187 (الکفر)

4۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 198

3۔ الترغیب والترہیب، جلد 4، صفحہ 187 (الکفر)

6۔ مشکوٰۃ الصالحین، جلد 3، صفحہ 119 (الکفر)

5۔ ایضاً

8۔ جامع ترمذی مع معارفہ الاحادیث، جلد 9، صفحہ 159 (الحدیث)

7۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 278 (وزارت تعلیم)

اگر تم چاہو تو ہماری طرف آ جاؤ ہم تمہیں وہ عطا کر دیں گے جس سے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی پیدا کر دے گا۔ اگر تم چاہو تو تمہارا معاملہ تمہارے سلطان کے پاس پیش کر دیں۔ اگر تم چاہو تو صبر کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مہاجر و انصار خفی انقراء سے جنت میں چالیس سال پہلے جائیں گے تو انہوں نے کہا ہم صبر کریں گے کسی سے کوئی سوال نہ کریں گے (1)۔

امام احمد نے معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں یمن میں بھجوا فرمایا عیش و عشرت سے دور رہنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش و عشرت میں نہیں پڑتے (2)۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی شیر خدا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو انسان تھوڑے روزے سے اللہ پر راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جائے گا (3)۔ امام بغوی نے عبد الرحمن بن عوف سے روایت کیا ہے کہ ان کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، جبکہ وہ روزہ نہ تھے فرمایا حضرت مصعب بن عمیر کو شہید کیا گیا، جبکہ آپ مجھ سے افضل تھے آپ کو ایک چادر میں لٹھن دیا گیا تھا اگر آپ کے سر کوڑھانا چاہتا تو پاؤں لٹگے ہوتے اگر پاؤں ڈھانچے چاہتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ میرا خیال ہے انہوں نے کہا حضرت عمر شہید ہوئے۔ جبکہ آپ مجھ سے بہتر تھے پھر ہمارے لئے دنیا کشادہ کر دی گئی یا فرمایا ہمیں دنیا دی گئی تھی میں ڈر رہا ہوں کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں جلد دیا جائے۔ پھر آپ پر رونے لگے یہاں تک کہ آپ نے کھانا چھوڑ دیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے میرے ہاتھ میں گوشت لٹاتا ہوا دیکھا پوچھا اسے جابر یہ کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے گوشت کی خواہش ہوئی میں نے اسے خرید لیا۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ اے جابر جب بھی تیری خواہش ہوگی تو خرید لے گا۔ کیا تو اس آیت سے ڈرتا نہیں اَذْهَبْنَاهُ فِیْ حَبَالِکُمْ اَللّٰہُ (1)۔ حضرت ابن عمر کی حدیث میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

حضرت جابر کی حدیث میں ہے کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ وہ اپنے پڑوسی اور اپنے پیچھا زاد بھائی کے لئے بھوکا رہے۔ رزین نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضرت عمر نے پانی طلب کیا آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا، جبکہ اس میں شہد ملا ہوا تھا فرمایا یہ بہت اچھا ہے لیکن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنتا ہوں۔ اَذْهَبْنَاهُ فِیْ حَبَالِکُمْ اَللّٰہُ وَاَسْتَغْنٰعْتُمْ بِمَا تُوْمِسُ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ جلدی (1) ہی نہ دے دیا جائے پھر آپ نے اس پانی کو نہ پیا۔

1۔ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 410 (تذہبی) 2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 244 (سار) 3۔ شعب الایمان، جلد 4، صفحہ 139 (اعلمی) 4۔ تفسیر بغوی زیر آیت ہذا

(1) حضرت سالم بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر ارشاد فرمایا کرتے تھے ہمارے پیش نظر لذات زندگی کا یہی مطلب نہیں کہ ہم ہماری کے بچہ کو بھونے کا حکم دینا چاہتے ہوں یا جانے۔ میرے کوئی روٹی پکانے کا کہیں کوئی روٹی پکائی جائے ہم کشش کو بہت میں ڈالنے کا حکم دیں اور اس کی ہمارے لئے فیضان بنائی جائے یہاں تک کہ روز چٹکوری آکھوں کی طرح ہو جائے پھر ہم اس کھانا کو کھا میں اور اس خیرہ کو چھین۔ بلکہ ہم تو یہ ارادہ کرتے ہیں کہ ہم اپنی نیکیاں آخرت کے لئے باقی رکھیں کیونکہ ہم نے اپنے اللہ کا فرمان سن رکھا ہے اَذْهَبْنَاهُ فِیْ حَبَالِکُمْ اَللّٰہُ۔

حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عمر بن خطاب ارشاد فرمایا کرتے تھے اگر میں چاہوں تو میں تم سے سب سے اچھا کھانا کھانے والا اور عمدہ لباس پہننے والا ہوں لیکن میں اپنی نیکیاں آخرت کیلئے چھوڑتا ہوں۔ ہمارے سامنے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمر شام تشریف لے گئے تو آپ کے لئے ایسا کھانا تیار کیا گیا جیسا کھانا پہلے آپ نے نہیں دیکھا تھا۔ فرمایا یہ ہمارے لئے ہے تو ان مسلمان انھار کے لئے کیا ہوگا جو اس دنیا سے چاہتے ہیں لیکن جو کوئی روٹی بھی پیٹ بھر کر کھائی افسوس ہوئی تو حضرت خالد بن ولید نے عرض کیا ان کے لئے جنت ہے تو حضرت عمر کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا پڑیں۔ فرمایا اگر ہمارے لئے یہ حقیر چیز ہیں اور ان کے لئے جنت تو وہ ہم سے بہت دور ہیں گئے۔ حمید بن بلال سے مروی ہے کہ حفص اگر حضرت عمر کے پاس شام کے کھانے پر آتے ہوئے۔ جب حضرت عمر کی خدمت میں کھانا پیش کیا جاتا تو وہ کھانا نہ کھاتے۔ حضرت (بقیہ حاشیہ صفحہ 18)

وَاذْكُرْ أَهْلَ عَادٍ إِذْ أَنْذَرْنَاهُمْ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتِ الْبُحُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

”(اے حبیب!) ذکر کرنا یہ انہیں قوم عاد کے بھائی (ہود) کا جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے
ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم
پر بڑے دن کا عذاب نازل ہو جائے۔“

اے احقاف! یہ مراد حضرت ہود علیہ السلام کی ذات ہے۔ آپ نے اپنی قوم عاد کو آنے والے خطرات سے آگاہ کیا۔ اذاپنے مضاف
ایہ سے مل کر احقاف سے بدل اشتغال ہے، یعنی جب وہ اپنی قوم عاد کو ڈرا رہے تھے اس کو یاد کرو۔ بالاحقاف میں باء، فی کے معنی میں
ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا احقاف عمان اور مہرہ کے درمیان واقع ہے۔ مقاتل نے کہا عاد کے گھر یمن میں حضرموت کے اس
علاقہ میں تھے جس کو مہر کہتے۔ مہر یہ اونٹ اسی جگہ کی طرف منسوب ہیں۔ وہ موسم بہار میں تجارت کے لئے گھروں سے نکل پڑتے۔
جب گرمی زیادہ ہو جاتی تو گھروں کو لوٹ آتے۔ یہ ارم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ قتادہ نے کہا ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ عاد ایک قبیلہ تھا جو
یمن میں آباد تھا۔ یہ سمندر کے کنارے اس ریگستان میں رہتا تھا جسے شحر کہتے۔ احقاف ہف کی جمع ہے جس کا معنی ایسا ریگستان ہے جو
مستطیل اور دم در دم ہو۔ ابن زید نے کہا ہف اس ریگستان کو کہتے ہیں جو پہاڑ کی شکل کا ہو لیکن پہاڑ بنتا بلند نہ ہو۔ کسانے نے کہا گول
ریگستان کو ہف کہتے ہیں (1)۔

اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں وَقَدْ خَلَّتِ الْبُحُرُ یہ جملہ معترضہ ہے یا یہ اندو کے فاعل سے حال ہے۔ بَيْنِ يَدَيْهِ سے
مراد حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء و رسل ہیں اور وَمِنْ خَلْفِهِ سے مراد حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور
دوسرے انبیاء و رسل ہیں۔ اَلَّا تَعْبُدُوا میں اس مفسرہ ہے اور یہ اندو کی تفسیر بیان کرتا ہے یا مصدر یہ ہے اور اس سے پہلے باء مقدر ہوگا
کیونکہ جب کسی چیز سے منع کیا جاتا ہے تو اس میں اس تکلیف سے خبردار کیا جاتا ہے۔ مانع، امین، کثیر اور عمرو نے الہی کو باء فتنہ کے

1۔ تفسیر بخاری زیر آیت ہذا

(ایہ حابہ صفیٰ کریم) عمر نے حفص سے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تو حفص نے عرض کیا اے امیر المؤمنین میرے گھر والے
میرے لئے جو کھانا بنا رہے ہیں وہ آپ کے کھانے سے نرم ہوتا ہے اس لئے آپ کے کھانے کی بجائے اس کھانے کو میں پسند کرتا ہوں تو حضرت عمر نے فرمایا
تیری ماں تجھے دوئے کیا تم جانتے نہیں اگر میں جاہوں تو میں ایک موٹا تازہ کچھوٹی عمر کا بچہ ذبح کرنے کا حکم دوں، اس کے بال اتار لئے جائیں اور
اسے کھوڑا جائے پھر میں آنے کے بارے میں حکم دوں جسے بار یک پڑے میں چھانا جائے پھر اس سے نرم نرم دہنی بنائی جائے۔ میں ایک صابن کھنکھس کے
بارے میں حکم دوں جسے پانی کے ایک بڑے برتن میں ڈال دیا جائے اس کا رنگ اسی طرح سرخ ہو جائے جس طرح ہرن کی آنکھ ہوتی ہے۔ حفص نے عرض
کی میں جانتا ہوں آپ عمر کھانوں کو پچھتاہے ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا تیری ماں تجھ پر روئے۔ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے جنت قدرت میں
میری جان ہے اگر مجھے یہ پانچ نہ ہوتا کہ قیامت کے دن نیکیوں میں کی کردی جا چکی تو میں ضرور تجھارے ساتھ مودہ اور نرم کھانوں میں شریک ہوتا۔

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ بصرہ سے ایک وفد حضرت موسیٰ کی قیادت میں حضرت عمر بن خطاب کی خدمت میں حاضر ہوا اور روز آپ کے
کھانے پر کوئی چیز لگی ہوئی تھی کبھی دیکھتے کہ اس پر دودھ لگا ہوا، کبھی اس پر خشک گوشت کا قیرہ بنا کر لگا دیا گیا ہوتا اور کبھی گوشت کا سالن ہوتا لیکن یہ بہت کم ہی
ہوتا حضرت عمر نے فرمایا میرا خیال ہے تم میرے کھانے کو اچھا نہیں جانتے اللہ کی قسم اگر میں جاہوں تو میں قسم ہے اچھا کھانا کھاؤں اور مودہ باس پیہوں
اور اچھی زندگی گزاروں میں میرا مالی اور دینی سرے سے ناواقف نہیں لیکن میں نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو نابود کیا ہے۔ اَذْخَبْنَاهُمْ مِّنْهَا وَجَدْنَاهُمْ جِثَامًا مَّخْلُوفًا

ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے یاء کو ساکن پڑھا ہے، یعنی اُنہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرو گے تو مجھے ڈر ہے کہ تمہیں اس دن کے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا جس کی آزمائش سخت ہوگی۔

قَالُوا اَجْئْتَنَا بِفِتْنَةٍ الْيَتِيمَا اِهْتِمَا قَاتِلَا مَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ
اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّا اُمِرْتُ بِهٖ وَلَكِنِّي اَمْرٌ كَمِثْلِكُمْ ۙ وَمَا تَجْهَلُوْنَ ۝

”وہ (برافروختہ ہو کر) بولے (اے ہودا!) کیا تم اسلئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کر دو۔ سہ آؤ (وہ عذاب) جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے رہتے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود نے فرمایا کہ نزول عذاب کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ میں (برابر) پہنچا رہا ہوں تمہیں وہ پیغام جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔“

۱۔ اَجْئْتَنَا میں استفہام تقریری ہے، یعنی یقیناً آپ اس لئے آئے ہیں تاکہ آپ ہمیں ان باتوں کی عبادت سے دور کر دیں اگر آپ اپنی دھمکی میں سچے ہیں تو شرک پر وہ عذاب لے آئیں۔ اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ شرط ہے جو جہلاء سے مستثنیٰ ہے کیونکہ سابقہ جملہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ تمہارے عذاب کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مستقبل میں جو وقت اس کا مقرر ہے۔ اس میں عذاب آ جائے گا۔ اسی وقت عذاب کے نہ آنے کی صورت میں میرا جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس میں میرا کوئی عمل دخل بھی نہیں کہ تم مجھ سے جلدی عذاب لانے کا مطالبہ کرو میں تو تمہیں وہی کچھ بتاتا ہوں جو میری طرف توحید احکام اور عذاب کے نازل ہونے کی خبریں وغیرہ کی وحی کی جاتی ہے۔ عذاب اس صورت میں نازل ہوگا اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے۔ نافع ابو عمر وادبر ہی نے یاء کے فقرے کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ میں تمہیں جاہل خیال کرتا ہوں کیونکہ تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ عظیم و قدیر ہے، جبکہ رسولوں کو تو مبعوث ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو خبردار کریں اور پیغام حق پہنچائیں۔ انہیں عذاب دینے اور عذاب طلب کرنے کے لئے مبعوث نہیں کیا گیا۔

فَلَمَّا سَاوَاكُمْ اَمَّا مُمْسِقِيْكَ اُوْدِيْتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّبِيْطٌ ۙ اَبْلُ هُوَ
مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ ۙ رَٰی بَعْضُكُمْ اَعْيٰنَ الْاٰلِيْمِ ۙ

”پس جب انہوں نے، دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان وادیوں کی طرف آ رہا ہے تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے (نہیں نہیں) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے۔“

۱۔ سَاوَاكُمْ میں ضمیر ما تعدنا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس سے عذاب مراد ہے یا یہ ضمیر مبہم ہے اور ما بعد اس کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ وہ عذاب بادل کی شکل میں تھا اور آسمان کے عرض سے نمودار ہوا اور ان کی وادیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ دو سال سے ان کے ہاں بارش نہیں ہو رہی تھی۔ بادل کو دیکھ کر وہ بڑے خوش ہوئے۔ ان کا واقعہ سورۃ اعراف میں مگر چکا ہے۔ کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برساے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یا حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا یہ بارش برسانے والا بادل نہیں جس طرح تم نے گمان کیا ہے بلکہ جس عذاب کو تم جلدی طلب کر رہے تھے یہ وہ عذاب ہے۔ یہ ہوا ہے جس میں عذاب ہے۔ ریح مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے

ہی ریح یا اموصول ماسے بدل ہے۔ فَنِيهَا عَذَابٌ يَرِيحُ کی صفت ہے۔ الیم یہ عذاب کی صفت ہے۔

تُدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا بَرَى إِلَّا مَسْكَنُهُمْ ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي
الْقَوْمَ الْمُنْجِرِينَ ۝

”جس نبس کر کے رکھو گے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بچ جان کے
(دوران) مکانوں کے اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔“

۱۔ وہ ہوا ان میں سے جس پر گزرے گی اور جس مال کے پاس سے گزرے گی اسے ہلاک کر دے گی۔ شدید آندھی آئی جس نے
نبیوں اور ان کی ساریوں کو اٹھالیا۔ یوں دکھائی دیتا تھا کہ یہ سب چیزیں نڈی دل ہیں۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے اس عذاب کو
پہچانا جنہوں نے یہ دیکھا کہ ان کے وہ اموال جو شہر سے باہر تھے ہوا انہیں زمین و آسمان کے درمیان اڑا رہی ہے۔ وہ لوگ واپس پلٹ
آئے اور اپنے دروازوں کو بند کر لیا سخت آندھی آئی اور اس نے ان کے دروازوں کو توڑ دیا اور انہیں زمین پر پھینکا۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو
حکم دیا تو ہوائے ان پر ریت ڈال دی۔ وہ سات راتیں اور آٹھ دن تک ریت کے نیچے چرے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو ہوا
نے انہیں ریت سے ننگا کر دیا۔ ہوائے انہیں اٹھایا اور ندر میں پھینک دیا۔

فَأَصْبَحُوا لَا بَرَىٰ كَاطْفٍ قَالَ اللَّهُ اور قال هو د مذبذوف پر ہے۔ عاصم حمزہ اور یعقوب نے یوی کو مضارع مجہول کا صیغہ پڑھا
ہے۔ انہیں قراء نے مَصْلُوكُمْ کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ یوی کا نائب فاعل ہے، جبکہ باقی قراء نے لا تعوی مخاطب کا صیغہ پڑھا ہے۔
خطاب حضور ﷺ کو ہے یا مخاطب کو خطاب ہے اور مَصْلُوكُمْ کو مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب پڑھا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو لکھلا کر کہتے ہوئے نہیں دیکھا کہ میں آپ کا
کو ادیکھتی تھی۔ آپ ہمیشہ مسکراتے تھے۔ جب آپ بادل یا ہوا دیکھتے تو پریشانی آپ کے چہرے پر دیکھی جاسکتی۔ متفق علیہ (۱)۔ امام
بخاری کے ہاں ایک روایت میں ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب لوگ بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، انہیں امید
ہوتی ہے کہ بارش نازل ہوگی۔ جب آپ بادل دیکھتے ہیں تو پریشانی کے آثار آپ کے چہرے سے عیاں ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا
اے عائشہ مجھے خوف ہوتا ہے کہیں اس میں عذاب ہی نہ ہو کیوں کہ ایک قوم کو ہوا سے عذاب میں مبتلا کیا گیا تھا۔ قوم نے عذاب کو
دیکھا تھا تو انہوں نے کہا یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسانے گا۔ آپ سے ہی ایک اور روایت مروی ہے جب ہوا چلتی تو حضور ﷺ
یوں دعا کرتے اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی اس میں جو خیر ہے اور جس خیر کے ساتھ تو نے اسے بھیجا ہے اس کا سوال کرتا ہوں۔
اس کے شر اس میں جو شر ہے اور جس شر کے ساتھ تو نے اسے بھیجا ہے اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ جب آسمان ابر آلود ہوتا تو آپ کا
رنگ بدل جاتا آپ کبھی باہر تشریف لے جاتے کبھی اندر تشریف لاتے کبھی رخ انور ادھر کرتے کبھی دوسری طرف کر لیتے۔ جب بارش
ہوتی تو کیفیت بدل جاتی تو میں نے یہ صورت پہچان لی اسی لئے میں نے سوال کیا فرمایا اے عائشہ شاید بات اسی طرح ہو جس طرح عاد
نے کہا تھا۔ فلما راہ عارضا مستقبل اودینہم قالوا هذا عارضا مطيرة (۲) ایک روایت میں ہے جب آپ بارش دیکھتے
تو فرماتے میں رحمت کا امیدوار ہوں۔ متفق علیہ۔

ابوداؤد نسائی ابن ماجہ اور شافعی کے نزدیک ایک روایت میں ہے کہ جب حضور ﷺ آسمان پر آمدی بابل وغیرہ دیکھتے آپ اپنا کام چھوڑ دیتے۔ آسمان کی طرف چہرہ انور کرتے اور یوں گویا تو اس میں جو شر ہے اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ (الحديث (1) حضرت ابن عباس سے مروی ہے جب بھی تیر ہوا چلتی تو حضور ﷺ مگنوں کے بل جھک جاتے اور اللہ تعالیٰ کی راگاہ اقدس میں یوں عرض کرتے اے اللہ اسے رحمت بنادے، اے عذاب نہ بنانا۔ (الحديث (2) اسے امام شافعی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنْهُمْ فِيمَا إِنْ مَكَّنْكُمْ فِيهِ ۖ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَعَاءً وَابْصَارًا ۖ أَفِيدَا ۖ فَمَا
أَعْنَىٰ عَنْهُمْ سَعُهُمْ ۖ وَلَا ابْصَارُهُمْ ۖ وَلَا أَفِيدَتُهُمْ ۖ مِنْ شَيْءٍ ۚ إِذْ كَانُوا
يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

”اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہیں دی اور ہم نے تمہیں کئے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور احاطہ کر لیا ان کا اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

۱۔ ہم ضمیر سے مراد قوم عاد ہے۔ فیصا میں ماموصول ہے یا موصوف ہے اور ان نافیہ ہے یہاں ماکہی بجائے ان نافیہ ذکر کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ لفظوں میں بکرا لازم نہ آئے یعنی ہم نے قوت اور مال میں انہیں نہیں قدرت دی تھی، تمہیں اس کی قدرت عطا نہیں کی یا ما شرطیہ ہے، اس کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر کلام کی صورت میں اس کا معنی یہ بنے گا ہم نے انہیں قدرت عطا کی اگر تمہیں بھی اتنی قدرت عطا کرتے تو تمہاری سرکشی زیادہ ہوتی، جبکہ پہلی تعبیر زیادہ واضح ہے کیونکہ ایک اور جگہ از شاد باری تعالیٰ ہے احسن المائتا قوم عاد شرکین کہتے تعداؤ قوت میں بڑھ کر تھے۔

ہم نے انہیں کان آنکھیں اور دل عطا فرمائے تاکہ وہ ان کے ذریعے نعمتوں کو پہچانیں اور نعمتیں عطا فرمانے والے کو پہچانیں اور اس کا شکر بجالانے پر مواظبت اختیار کریں۔ ان کے کانوں آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ من شئی میں من زائدہ ہے۔ اذ ظرف ہے مگر علت کے قائم مقام ہے کیونکہ جس کی طرف اذ مضاف ہو رہا ہے اس پر حکم مرتب ہوگا تو یہ ما اغنیٰ کی علت ہے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر نازل ہو گیا۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا وَكَّلْكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ وَهَٰذَا قَوْلُنَا لِجَعْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ۝

”اور ہم نے بر باد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے ارد گرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شاید وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں۔“

۱۔ حکم ضمیر سے مراد اہل مکہ ہیں۔ قوی سے مراد قوم ثمود اور قوم لوط کی بستیاں ہیں۔ یعنی ان بستیوں میں رہنے والے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ ان پر دلائل بار بار بیان فرمائے تاکہ اہل مکہ کفر سے باز آجائیں لَعْلَهُمْ يَرْجِعُونَ یہ صرف ناکہ علت ہے۔ اس میں خطاب سے غائب کے صیغہ کی طرف التفات ہے۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمْ الْآلِیْنَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ حُرْبًا إِيَّاهُ بَلْ صَلَّوْا عَنْهُمْ وَ
ذَلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْقَهُوْنَ ۝

”پس کیوں مدد نہ کی ان کی ان معبودوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب کے لئے (اپنے) خدا بنارکھا تھا بلکہ وہ تو ان سے روپوش ہو گئے اور یہ محض ان کا ڈھونگ تھا اور بہتان جو وہ باندھتے تھے۔“

۱۔ جن کو ان لوگوں نے معبود بنایا تھا جن کے وسیلہ سے وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتے تھے ان معبودوں نے انہیں عذاب سے نہ بچایا۔ وہ اپنے معبودوں کے بارے میں کہتے تھے هَلْ لَّا شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ کا پہلا مفعول اسم ضمیر جو اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے وہ محذوف ہے۔ قربانا اس کا دوسرا مفعول ہے اور الہیۃ دوسرے مفعول سے بدل ہے یا عطف بیان ہے یا الہیۃ دوسرا مفعول ہے اور قربانا اس سے حال ہے یا تقرب کے معنی میں ہو کر مفعول لہ ہے یا یہ مفعول مطلق ہے بلکہ جب عذاب نازل ہوا تو ان کی مدد کرنے سے ان کے معبود غائب ہو گئے اور ان کے لئے اپنے معبودوں سے مدد اسی طرح متمنع ہو گئی جس طرح اس آدمی سے مدد متمنع ہوتی ہے جو موجود نہ ہو۔ جن چیزوں کی یہ حیثیت ہے انہیں معبود بنانا ان کا جھوٹ اور حق سے انحراف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ذلک کا مشار الیہ ان کی مدد کی نفی ہے۔ اسم اشارہ مبتدا ہے اور الفکھم مضاف کے حذف کے ساتھ اس کی خبر ہے۔ معنی یہ ہوگا ان کی مدد اس لئے نہیں ہوئی کیونکہ یہ ان کے جھوٹ کا نتیجہ ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور مشار الیہ کے سبب کو بیان کرتا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت نقل کی ہے کہ جن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ وہ انیخہ میں قرآن حکیم کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن حکیم کو سنا تو کہا خاموش ہو جاؤ یہ کل نو جن تھے ان میں سے ایک زبیر بن جراح (۱)۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِبْرِیَّتِ یَسْتَعِیْنُونَ الْقُرْآنَ ۚ فَلَمَّا حَصَرُوا وَقَالُوا
أَنْصَبُوا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَى قَوْمِهِمْ مُنْذِرِیْنَ ۝ قَالُوا یَقُومُونَ إِنَّا سَبِعْنَا
كِتَابًا أَنْزَلَ مِنْ بَعْدِ مَوْسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِی إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى
طَرِیقٍ مُسْتَقِیْمٍ ۝ یَقُومُونَ ۚ أَجِیْبُوا دَاعِیَ اللَّهِ وَاعْبُوا بِهِ یَعْفُو عَنْکُمْ مِنْ
ذُنُوبِكُمْ وَیُجِزْکُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِیمٍ ۝ وَمَنْ لَا یُجِبْ دَاعِیَ اللَّهِ فَلَئِنَّ یَوْمَ یُعْذِرُ فِی
الْأَمْوَصِ وَلَیْسَ لَهُ مِنْ دُونِہِ أَوْلِیَاءُ ۚ أُولَٰئِکَ فِی صَلَٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

”اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن میں توجہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سناؤ یہ جب تلاوت ہو چکی تو بولے اپنی قوم کی طرف ڈرنا سناے ہوئے ۱۔ انہوں نے (جا کر) کہا اے ہماری قوم ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف ۲۔ اے ہماری قوم قبول کر لو اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور پچالے گا تمہیں دردناک

عذاب سے سچ اور جو قبول نہیں کرتا اللہ کی طرف پٹانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے) اور نہیں اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار ہے (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں سچ۔

۱۔ یہ جملہ آفریںک جملہ مقررہ ہے۔ مقصود حضور ﷺ کو تسلی دینا ہے۔ ہم نے آپ کی طرف جنوں کی ایک جماعت بھیجی۔ انفریائی جماعت کو کہتے ہیں جس کی تعداد اوس نے کم ہو۔ اس کی جمع انظار آتی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ نصیحتین کے سات جن تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں اپنی قوم کی طرف اپنا قاصد بنا کر بھیجا، جبکہ دوسرے علماء نے فرمایا ان کی تعداد تو تھی۔ امام بغوی نے فرمایا عام نے زہرین حمیش سے روایت کیا ہے کہ روز بعد ان نو جنوں میں سے تھا چھوٹے نے قرآن حکیم سنا تھا۔ یَسْبَحُونَ الْقُرْآنَ یہ نفر سے حال ہے۔ جب وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یا جب انہوں نے قرآن حکیم سنا تو جنوں نے ایک دوسرے کو کہا نا مشر بہ جاؤ تاکہ ہم قرآن حکیم کو سنیں۔ جب حضور ﷺ قرأت سے فارغ ہوئے تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے تاکہ حضور ﷺ کے حکم سے دوسرے جنوں کو ڈرائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔ ہم نے جنوں کے اس واقعہ کو سورہ جن میں بیان کیا ہے۔

عطاء نے کہا ہے ان جنوں کا پہلا دین یہودیت تھا (۱) میں کہتا ہوں شاید ان کے قول انہوں میں بھی مؤنسلی کا مطلب یہ ہے جو تورات کی ناسخ ہے۔ انجیل اور زبور کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ دونوں تورات کے اکثر احکام کی ناسخ تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وَفَعَلْنَا الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالْزُكُورَ وَالْأُنْثَىٰ ۖ ﴿۱۰﴾ اور آپ کے قول کی حکایت کرتے ہوئے کہا وَلَا حِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي فِي حُزْمَةِ عَالِمِكُمْ یعنی تاکہ میں تم پر بعض ان احکام کو حلال کروں جنہیں تم پر حرام کیا گیا ہے۔ لہذا یسین ۱۰ سے مراد تورات، انجیل اور دوسری آسمانی کتابیں ہیں۔ مفسرین کا تو انمول کے فاعل سے حال یہ یا کتاب یا دوسری صفت ہے یہ قرآن حکیم عقیدہ حقہ اور شریعت کے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

سبحان اللہ سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے جو اسلام کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے ان گناہوں کو بخش دے گا جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں جو حقوق العباد ہیں۔ صرف ایمان لانے سے معاف نہیں ہوتے نیز تمہیں درود ناک عذاب سے بچاؤ دے گا۔ ان جنوں کی دعوت کو ستر جنوں نے قبول کیا وہ مب حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور لٹھام میں آپ سے ملے۔ حضور ﷺ نے انہیں قرآن سنایا۔ آپ نے انہیں چند چیزوں کا حکم دیا اور چند چیزوں سے انہیں منع کیا۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ حضور ﷺ جنوں اور انسانوں سب کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ہم نے سورۃ جن میں مومن جنوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ذکر کر دیا ہے۔

ہے جو اللہ تعالیٰ کے واسطے یہی حضور ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کرے تو اللہ تعالیٰ جب اسے عذاب دینے کا ارادہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتا اور نہ اس کے کوئی ایسے دوست ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھ سکیں۔ تینیس اُمّ مَنُورِہِ اَوَّلِیَا عَلَیْہِ جملہ تینیس مُنَجِّجِہِ کے فاعل سے حال ہے اور جملہ شرطیہ جملہ معترضہ ہے۔ جن لوگوں نے حضور ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ ادا و ضائع گمراہی میں ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْ يَخْلُقْهُمْ يَوْمًا

اور زخمی کر دیا۔ وہ نبی اپنے چہرے سے خون صاف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ میرے مقام و مرتبہ کو نہیں جانتے۔ متفق علیہ (1)۔

اے محبوب آپ کفار کے قریش کے بارے میں عذاب نازل ہونے کی بددعا نہ کریں کیونکہ وقت مقررہ میں ان پر عذاب ضرور نازل ہوگا۔ گویا قوم کی مخالفت کی وجہ سے آپ کا دل تنگ ہوا تھا تو آپ نے یہ پسند کیا کہ جو انکار کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو تو اللہ تعالیٰ نے صبر اور جلدی ترک کرنے کا حکم دیا پھر یہ خبر دی کہ جلد ہی عذاب نازل ہوگا گویا جب وہ آخرت میں عذاب دیکھیں گے تو وہ خیال کریں گے کہ وہ دنیا میں بہت تھوڑا وقت رہے ہیں گویا وہ اس کی ہولناکی دیکھ کر دنیا میں ٹھہرنے کے عرصے کو مختصر خیال کریں گے یہاں تک کہ وہ گمان کریں گے کہ وہ تو صرف ایک گھڑی دنیا میں ٹھہرے ہیں اگرچہ وہ طویل عرصہ تک دنیا میں رہے تھے لیکن جب وہ وقت ختم ہو گیا تو گویا وہ وقت تھا ہی نہیں۔ **كَانَ كَذِبًا لَّيْلُهُ يَوْمَئِذٍ وَاللَّيْلَةُ لَا تَسْمَعُ حُجَّتَ الْوَالِئِ** جملہ کی علت کے محل میں ہے پھر فرمایا اسی چیز کی تمہیں نصیحت کی گئی یا یہ سورت یا یہ قرآن اور جو کچھ اس میں وضاحت ہے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کافی ہے یا یہ رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ ہے۔ بلاغ کو کفرہ اس لئے ذکر کیا تاکہ تعظیم اور تحجیم کا اظہار ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا بلاغ مبتدا ہے اور لہضم اس کی خبر ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے، یعنی ان کے لئے وقت ہے جس تک وہ پہنچیں گے۔ گویا جب وہ اس وقت تک پہنچیں گے اور اس میں جو کچھ ہے اسے دیکھیں گے تو اپنی عمر کی مدتوں کو چھوٹا خیال کریں گے۔

فَقُلْ لِّهَٰذَا فِيهِ میں استفہام انکاری ہے، یعنی عذاب کے ساتھ کسی کو بھی ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ مگر انہیں لوگوں کو جو نصیحت حاصل کرنے اور اطاعت سے خارج ہیں۔ زجاج نے کہا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کے ہوتے ہوئے کوئی ہلاک نہیں ہوتا مگر فاسق قوم ہی ہلاک ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ایک قوم نے کہا اس آیت سے بڑھ کر کوئی اور آیت نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی قوی امید ہو (2)۔

نفس اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

حالت کو بہتر بنایا اور جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں انہیں ہمیشہ کے لئے داخل کر کے ان کی حالت کو درست کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا معنی ہے دنیاوی زندگی میں انہیں محفوظ رکھا (۱) ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ پہلی آیت میں مذکور کافروں سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور اس آیت میں مذکور مومنین سے مراد انصار ہیں (۲) میں کہتا ہوں لفظ عام ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۱۰ فَاِذَا لَقِيتُمْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبِ الرِّقَابِ ۙ حَتّٰى اِذَا اَخْلَسْتُمْهُمْ فَأَشْرَدُوْا فَاِذَا لَقِيتُمْ الْفَرَسَ فَاَمَّا مِّنْۢ بَعْدِ وَاَمَّا فِدَاۤءٌ حَتّٰى تَصْعَرَ الْعُرْبُ اَوْ دَاسَرَهَا ۗ ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوْا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُوْنُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۱۱

”یوں (۱) اس لئے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ باطل کی پیروی کرتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ حق کی پیروی کرتے تھے جو ان کے رب کی طرف سے تھا اسی طرح اللہ بیان کرتا ہے لوگوں کے لئے ان کے حالات ۱۔ پھر جب (میدان جنگ میں) تمہارا کفار سے آسنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو عریاں بعد از ان یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یہی حکم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے اور جو مار ڈالے گئے اللہ کی راہ میں ہیں اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا۔“

۱۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ سے مراد اضلال (گمراہ کرنا) نعمتوں کی ناشکری اور اصلاح وغیرہ، جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے وہ مراد ہے۔ ترکیب کلام میں یہ مبتدا ہے اور ما بعد اس کی خبر ہے۔ آیت کریمہ میں باطل سے مراد شیطان ہے اور حق سے مراد قرآن کریم ہے۔ اَمْثَالَهُمْ میں ضمیر سے مراد لوگ ہیں یا جن دو جماعتوں کا ذکر کیا گیا تھا وہ مراد ہیں۔ معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے یہ مثالیں بیان فرماتا ہے تا کہ لوگ ان دونوں جماعتوں کی مثالوں سے عبرت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے عمل کو باطل کی اتباع، ان کے خائب و خاسر ہونے کو عمل ضائع کر دینے، مومنوں کے عمل کو حق کی اتباع کرنے اور ان کی کامیابی کو نعمتوں کے بخشش کی صورت میں بیان فرمایا ہے۔ ۲۔ آیت کریمہ میں لقاء سے مراد دشمنوں سے جنگ کرنا ہے۔ ضرب الرقاب مفعول مطلق ہے، اس کا فعل محذوف ہے۔ اصل میں کلام یوں تھی فاضربوا الرقاب ضربوا فعل کو حذف کر دیا گیا اور مصدر کو فعل کے قائم مقام رکھ دیا گیا پھر مصدر کو مفعول بہ کی طرف مضاف کیا ہے تاکہ یہ کاید اور اختصار کا فائدہ دے۔ قتل کو ضرب الرقاب سے تعبیر کیا۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ جنگ میں جہاں تک ممکن ہو گردن کو اڑایا جائے کیونکہ اس سے عموماً موت واقع ہوتی ہے، جبکہ دوسرے زخموں سے ایسی صورت حال نہیں ہوتی۔ فرمایا جب تم انہیں خوب قتل کر لو اور ان سے سختی کے ساتھ بٹ چکو تو انہیں قید کر لو۔ اَخْلَسْتُمْهُمْ یہ مشتق ہے۔ یعنی انہیں مضبوطی سے باندھ لو تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ وثاق کو واؤ کے کسرہ اور فتح دونوں صورتوں میں اس کا معنی رہی ہے۔ مناور فدا، ترکیب

کلام میں مقبول مطلق ہیں۔ ان کے فضل محدود ہیں۔ تقدیر کلام کا معنی یوں ہے کہ انہیں گرفتار کرنے کے بعد بطور احسان آزاد کر دو۔ یا فدیے لے کر آزاد کر دو امام بغوی نے فرمایا علماء نے اس آیت کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم نے یہ کہا اس آیت کا حکم اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَيْفَ حَبِطَتْ اَعْيُنُهُمْ** اور اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَاِمَّا شَقِيقَتُهُمْ فَانْظُرْ فِي الْغُرَبِ فَسَبِّحْهُمْ مَعَنَ خَلْقِهِمْ** سے منسوخ ہے۔ قرادہ ضحاک سہری اور ابن جریج کا یہی قول ہے، اور زاعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ میں کہتا ہوں **فَسَبِّحْهُمْ مَعَنَ خَلْقِهِمْ** کو اس آیت کا ناخ بنانا درست نہیں، جبکہ **اَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ** کا حکم بعض مشرکوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ قیدیوں کو غلام اور ذی بنانا ہمارے احناف اور مالکیہ کے نزدیک درست ہے۔ اس آیت کا حکم ظنی ہے کیونکہ یہ ایسا عام ہے جس میں سے بعض افراد خاص ہیں اس وجہ سے وہ اس آیت کی ناخ نہیں بن سکتی کیونکہ اس کا حکم قطعی ہے۔

دوسرے علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ حکم آیات میں سے ہے۔ کفار میں سے جو لوگ گرفتار کیے جائیں ان کے بارے میں امام ابو اختیار ہوتا ہے کہ وہ انہیں قتل کرنے کا حکم دے۔ انہیں غلام بنالینے کا کہے ان پر احسان کرے اور بغیر عوض کے آزاد کر دے یا مال لے کر یا مسلمان قیدیوں کی صورت میں فدیہ لے کر آزاد کر دے۔ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت حسن بصری حضرت عطاء اکثر صحابہ اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ امام ثوری امام شافعی امام احمد اور امام احناف کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوئی اور ان کی حکومت مضبوط ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے بارے میں یہ حکم ارشاد فرمایا کہ چاہو احسان کرو یا فدیہ لو اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضور ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء نے اسی پر عمل کیا ہے (1)۔ میں کہتا ہوں یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان **مَا كَانَ لِشَيْءٍ اَنْ يَكُونَ لَكَ اَسْمٰى اِلَّا اَنْ تَكُونَ لَكَ اَسْمٰى** کے لئے ناخ ہے کیونکہ یہ آیت غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر قیدیوں پر احسان فرمایا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ مکہ کے اسی (80) آدمی اسلحہ سے لیس محکم پہاڑ سے اترے وہ حضور ﷺ اور صحابہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ حضور ﷺ نے صحابہ نے انہیں پکڑ لیا اور حضور ﷺ نے انہیں قتل کرنے کا حکم نہ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا **وَهُوَ الَّذِي كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَارْتَدَّ بِكُمْ عَنْ اَمْنِكُمْ** اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (2)۔ میں نے قیدیوں کے احکام علماء کا اختلاف اور اس بارے میں احادیث سورۃ انفال کی آیت **مَا كَانَ لِشَيْءٍ اَنْ يَكُونَ لَكَ اَسْمٰى اِلَّا اَنْ تَكُونَ لَكَ اَسْمٰى** میں بیان کر دی ہیں۔ حرب سے جنگ کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ اوزار سے مراد اسلحہ ہے۔ معنی ہے حتی کہ جنگ ختم ہو جائے اور مسلمان یا جسے چاہو دہائی گئی اس کے علاوہ کوئی باقی نہ رہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اوزار سے مراد گناہ ہیں مطلب یہ ہوگا کہ مشرک کفر سے توبہ کر لیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے حرب کا معنی جنگ ہے پھر معنی یہ ہوگا کہ تہارہی جنگ اور قتال مشرکوں کے اسلحہ اور ان کے اعمال کی قباحتوں کو ختم کر دے، یعنی وہ مسلمان ہو جائیں یا اس کا معنی یہ ہے مشرکوں کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کے ساتھ انہیں کمزور کر دو یہاں تک کہ تمام دوسری قومیں اور دینوں والے اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ ختم ہونے کو قتل یا قیدی احسان یا فدیہ یا سب کی غایت بنایا ہے، یعنی یہ احکام جاری رہیں گے یہاں تک کہ ان کی شرکت ختم ہو جائے اور مشرکوں کے ساتھ جنگ نہ رہے۔ یہ صورتحال اسی وقت ہوگی جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک جماعت حق پر ہوتے ہوئے جنگ کرتی رہے گی اور اپنے مخالفین پر غالب رہے گی یہاں تک کہ ان میں سے آخری آدمی دجال سے جنگ کرے گا اسے ابوراد نے روایت کیا ہے (1) امام باغوی نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب سے مجھے مبعوث کیا اس وقت سے جہاد جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا یہاں تک کہ میری امت کا آخری فرد دجال سے جنگ کرے گا۔ ذلک مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے الآخر فیہ ذلک یا اسم اشارہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی ذلک ثابت یا یہ محذوف فعل کا مقول ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی افعلو! بیہم ذلک اس صورت میں یہ جملہ سابقہ کلام کی تاکید ہے۔

انصہر کا معنی انتقام لیا، یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کفار کو ہلاک کر کے ان سے انتقام لے لیتا اور تمہیں جہاد کا حکم نہ دیتا لیکن اس نے تمہیں حکم دیا کہ جہاد کرو تا کہ تم میں سے بعض کوفہ کے ساتھ آ زمانے، یعنی مومنوں کو کفار کے ساتھ آ زمانے تا کہ مومن ثواب کے مستحق بن جائیں اور کافروں کو مومنوں کے ساتھ آ زمانے، یعنی مومنوں کے ہاتھوں انہیں جلدی سزا دے تا کہ بعض کفر سے باز آجائیں اور بعض جہنم کے مستحق بن جائیں۔ اس جملہ میں جہاد کی حکمت بیان کی، جبکہ مومنوں کو جہاد کا مکلف کیے بغیر کفار کو نیست و نابود کرنا اللہ تعالیٰ کیلئے ممکن تھا۔ بصرہ کے قراء اور اہل حصن نے قتلوا کو مجرد سے ماضی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضمیر سے مراد شہداء ہیں، جبکہ باقی قراء نے مقاتلہ سے قاتلوا پڑھا ہے۔ اس صورت میں واؤ ضمیر سے مراد مجاہدین ہیں۔ قلن یضل یہ جملہ خبر ہے اور اس کا مبتدا اسم موصول ہے مبتدا میں کیونکہ شرط کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے خبر پر فاء کو ذکر کیا، یعنی گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ان کے اعمال ضائع نہیں کرے گا بلکہ ان کی خطاؤں کو معاف کر دے گا اور ان کی نیکیوں پر انہیں بدلہ عطا فرمائے گا۔ براؤ متبقی اور اصفہانی نے ترغیب میں حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شہیدین قسم کے ہیں ایک وہ آدمی جو اپنی جان اور مال کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل پڑتا ہے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے۔ وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ جہاد کرے گا اور شہید ہوگا اس کی یہ نیت تھی کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کرے۔ اگر وہ مر گیا یا قتل کر دیا گیا تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ عذاب قبر سے اسے نجات مل جائے گی بڑی گھبراہٹ میں امان نصیب ہوگی۔ جو زمین کے ساتھ اس کی شادی کی جائے گی۔ غزت والا لباس اسے پہنایا جائے گا اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا۔

دوسری قسم کا شہید وہ ہے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ گھر سے نکلا۔ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے یہ بھی ارادہ کرتا ہے کہ وہ قتل تو کرے لیکن شہید نہ ہو اگر اس مجاہد کو موت آ جائے یا اسے شہید کر دیا جائے تو اس کے گھٹنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملے ہوں گے، جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوں گے۔ شہید کی تیسری قسم وہ ہے جو اپنے مال اور جان کے ساتھ گھر سے نکلتا ہے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ وہ یہ ارادہ رکھتا تھا کہ وہ قتل کرے اور اسے قتل کر دیا جائے۔ اگر وہ مر گیا یا شہید کر دیا گیا تو وہ قیامت کے روز یوں آئے گا کہ وہ تلوار سونے ہوئے اپنے کندھے پر رکھے ہوئے ہوگا، جبکہ لوگ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔ یہ شہداء کہیں گے ہمارے لئے جگہ کھلی کر دو کیونکہ ہم نے اپنے مال اور جانیں اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کی ہیں یہاں تک کہ وہ عرش کے نیچے نور کے منبر کے پاس آئیں گے اور ان پر بیٹھ جائیں گے وہ دیکھیں گے کہ لوگوں کے درمیان کیسے فیصلہ ہوتا ہے۔ انہیں موت کا کوئی غم نہ ہوگا اور نہ ہی

برزخ میں انہیں آزمائش میں ڈالا جائے گا نہ انہیں حساب میزان اور پل صراط پریشان کرے گا۔ وہ جس چیز کا سوال کریں گے انہیں عطا کی جائیگی وہ جس چیز کے بارے سے سفارش کریں گے ان کی شفاعت تسلیم کی جائے گی جنت میں جو چیز چاہیں گے انہیں وہ دی جائے گی۔ جنت میں جہاں چاہیں گے انہیں وہاں ٹھکانا دیا جائے گا (1)۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے دن نازل ہوئی مسلمانوں میں دشمنی اور شہید ہر طرف پھیلے ہوئے تھے (2) مشرکوں نے یہ نعرہ لگایا تھا اعلیٰ اعلیٰ ہبل مسلمانوں نے یہ نعرہ لگایا تھا اللہ اعلیٰ و اَجَلُ مشرکوں نے کہا: اِنَّا لَنَا الْعَزْزٰی وَلَا عَزْزٰی لَکُمْ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کہو: اللہ مَوْلَاکُمْ وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ۔

سَمَّيْهِمْ وَيُصْلِحْ بِاَلْهَمِ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَہَاہُمْ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ
اْمُؤْمِنُوْا اِنْ تَتُصَّرُّوْا لِلّٰہِ یَصْرَحْکُمْ وَیَنْتِیْثُ اَقْدَامُکُمْ ۝

”وہ پہنچا دے گا انہیں بلند مدارج پر اور رسوا کر دے گا ان کے حالات کو اور داخل کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرادی تھی اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدان جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔“

۱۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کی طرف راہنمائی کرے گا اور آخرت میں بلند درجات کی طرف راہنمائی کرے گا اور دونوں جہانوں میں ان کے احوال کو درست کرے گا۔ دنیا میں ان کے احوال کی درستگی کا مطلب یہ ہے کہ جنہیں شہید نہیں کیا گیا۔ انہیں شہداء میں داخل کیا جائیگا یا جب وہ جہاد کے لئے نکلے اور اس بات پر راضی ہوئے کہ انہیں شہید کر دیا جائے تو انہیں دونوں جہانوں میں بدلہ دیا جائے گا جہاں تک آخرت میں ان کے احوال درست کرنے کا تعلق ہے تو جنہیں شہید کیا گیا اور جنہیں شہید نہیں کیا گیا سب کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ ان کی نیکیاں قبول کی جائیں گی اور ان پر دعویٰ کرنے والے راضی ہو جائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ انہیں بدلہ دے کر ان سے راضی کر دے گا۔

ابو نعیم نے سہل بن سعد سے حدیث میں بزار اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر سے نقل کیا ہے دونوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کے قرضے قیامت کے دن چکائے گا ایک وہ شخص جسے اندیشہ ہو کہ دشمن مسلمانوں کے علاقہ پر حملہ کرے گا اس کے اپنے پاس وسائل نہ ہوں وہ کسی سے قرض لے لے اس سے اسلحہ خریدے اور جہاد میں اس کے ساتھ قوت حاصل کرے اور قرض ادا کرنے سے پہلے مر جائے اللہ تعالیٰ اس کا قرضہ ادا فرمائے گا۔ دوسرا آدمی وہ ہے جس کا کوئی مسلمان بھائی فوت ہو گیا اسے کفن دینے کے لئے اس کے پاس کچھ نہ تھا اس نے قرض لیا اور کفن خریدا اور مر گیا، جبکہ قرض ادا کرنے پر قادر نہ تھا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا قرضہ بھی ادا کرے گا۔ تیسرا وہ شخص ہے جسے خوف ہوا کہ وہ بدکاری میں نہ پڑے اس نے قرض لے کر عورت سے نکاح کیا وہ مر گیا اور قرض ادا نہ کر سکا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی طرف سے قرض ادا کرے گا (3)۔ طبرانی نے حسن سند کے ساتھ اوسط میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز جب تمام مخلوقات جمع ہوگی جنتوں کے جنت میں اور جہنموں کے جہنم میں داخل ہونے کا فیصلہ ہو جائے گا تو ایک منادی کرنے والا ندا کرے گا اے لوگو! ایک دوسرے پر کیے جانے

والے ظلم کو چھوڑ دو تمہارا ثواب اللہ تعالیٰ پر ہے (1)۔

جنت میں ان کے مکانات کو واضح فرما دے گا یہاں تک کہ وہ بغیر کسی سے پوچھے اپنے اپنے مکانات تک پہنچ جائیں گے گو یا جب سے انہیں پیدا کیا گیا ہے اس وقت سے ان کی رہائش گاہیں ہیں تو جس طرح وہ دنیا میں اپنے گھر اور اہل خانہ تک بغیر راہنمائی کے پہنچ جاتا ہے۔ اس سے زیادہ آسانی کے ساتھ جنت میں اپنے گھر اور بیوی اور خادموں تک پہنچ جائے گا۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا دنیا میں تم اپنی بیویوں اور غور توں سے متعارف نہیں جتنے جتنی اپنی بیویوں اور گھروں سے متعارف ہیں۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ایک طویل حدیث میں اسے روایت کیا ہے۔ اسی طرح طبرانی، ابوالکلی اور بیہقی نے بحث میں اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسول کی مدد ہے، یعنی اے مومنو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے رسول کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ دشمنوں کے خلاف تمہاری مدد فرمائے گا اور اسلام کے حقوق ادا کرنے اور کفار کے خلاف جہاد کرنے میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَا أَلَهُمْ وَأَصْلَ أَعْمَالُهُمْ ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنْزِلَ
اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۖ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ
مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ۖ

”اور جنہوں نے (حق کا) انکار کیا خدا کرے وہ منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ ان کے اعمال کو برباد کر دے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال میں تو کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ خود کو دیکھ لیتے کہ کیسا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کفار کے لئے اسی قسم کی سزائیں ہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے۔ اور کفار کا کوئی مددگار نہیں ہے۔“

۱۔ تعسا ایسے فعل کا مفعول مطلق ہے جس کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے فتعسوا تعسایہ جملہ الذین اسم موصول کی خبر ہوگا یا فعل اسم موصول کا نصب دے رہا ہے اس کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی ہے ان کے لئے رحمت سے دوری ہے۔ ابو العالیہ نے کہا اس کا معنی ہے ان کے لئے گراوٹ اور پستی ہے۔ ضحاک نے کہا ان کے لئے خار ہے۔ ابن زید نے کہا ان کے لئے دوری ہے۔ فرماوے نے کہا تباہی بدوعا کے طور پر استعمال ہوا اور مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے دنیا میں ان کے لئے لڑکھانا ہے اور آخرت میں جہنم میں گرنا ہے، جبکہ ایک آدمی لڑکھانا جائے اور اس کے کھڑا ہونے کا وہ ارادہ نہ کرے تو اس وقت کہا جاتا ہے۔ تعسا اسکی ضد لعا ہے (2)۔ قاموس میں تعس کا معنی بلاست ہے لغزش گرنا برائی دوری اور پستی ہے (3)۔ فرمایا ان کے اعمال ضائع کر دیئے کیونکہ وہ شیطان کی اطاعت کر رہے تھے وَأَصْلُ أَعْمَالِهِمْ کا عطف

اس فعل پر ہے جس نے تعسا کو نصب دی۔

۱۔ ان کے حق میں یہ بتائی اور گمراہی اس لئے مقدری کیونکہ انہوں نے قرآن کو ناپسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں توحید اور ایسے احکام کا حکم ہے جو ان چیزوں کے مخالف ہے جس سے وہ مانوس ہیں اور ان کے نفس جن کی خواہش کرتے ہیں۔ احیط اعمالاً کو دوبارہ ذکر فرمایا تاکہ اس بات کا شعور دلایا جائے کہ یہ کفر کے لوازمات میں سے ہے، یعنی جب کفر ہوگا تو اعمال ضرور ضائع ہوں گے۔

۲۔ حرف استفہام انکار کے لئے ہے اور اس میں فاء عاطفہ ہے اور جملہ کا عطف محذوف کلام پر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے اَلَمْ يَخْرُجُوا فَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ - فَيَنْظُرُوا لِنَفْسٍ كَاجَابِ ہے یا یہ لم یسیروا کا معطوف ہے۔ اَلَّذِينَ مِنْ جِبِلِّهِمْ سے مراد وہ قومیں ہیں جنہوں نے سابقہ رسولوں کو جھٹلایا، یعنی کیا انہوں نے سابقہ قوموں کے انجام کو نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گھر والوں کی اولادوں اور ان کے اموال کو کیسے ہلاک کر دیا۔ کافرین سے مراد اہل مکہ ہیں۔ اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کیا تاکہ ان کے کفر پر ہر لگ جائے، یعنی کافروں کے لئے اسی سزا جی سزا ہے، یعنی حاضری سے مراد تلک العاقبہ ہے یا اس سے مراد عقوبت اور ہلاکت ہے۔ اس پر دمر کا لفظ دلالت کرتا ہے۔

۳۔ ذلک اسم اشارہ سے مراد مسلمانوں کی مدد اور کفار پر غلبہ ہے۔ مولیٰ کا معنی دوست اور مددگار ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی تائید کرتا ہے انہیں توفیق دیتا ہے ان کے معاملے کو درست کرتا ہے اور شیطان کے وسوسوں کو ان سے دور کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے إِنَّ عِبَادِيَ لَيَنْصُرُنَّ لَكَ عَلَيْنَهُمْ سُلْطٰنٌ آیت میں کافرین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے کفر اور شیطان کے غلبہ کو مقدم کیا۔

إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَمْشُونَ فِيهَا يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ
مَشْهُوِيَّةٌ ۖ وَكَانَ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْتَكَ
أَهْلَكَهُمْ فَلَا تَنْصُرُهُمْ ۖ

”جے کہ اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے (سدا بہار) باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور ٹھنڈا کھانے (پینے) میں مصروف ہیں ڈنگروں کی طرح حالانکہ آتش جہنم ان کا کھانا ہے۔ اور بہت سی ایسی بستیوں تھیں جو قوت و شوکت میں تہا رہی اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے کینوں کو ہلاک کر دیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا۔“

۱۔ یعنی جنہوں نے کفر کیا وہ دنیاوی نعمتوں سے تھوڑے دن لطف اندوز ہوں گے گمناٹا جگہ میں ماصدر یہ ہے اور تامل اسکی صفت ہے، یعنی وہ جو پاؤں کی طرح لالچ کرتے ہوئے کھاتے ہیں، جبکہ انعام کرنے والے سے غافل ہوتے ہیں۔ اس کا شکر بخا نہیں لاتے اور انجام سے بے خوف ہوتے ہیں ان کے لئے جہنم ٹھکانہ ہے۔ وَالنَّارُ مَشْهُوِيَّةٌ یہ جملہ تاملوں کے فاعل سے حال ہے۔

۱۔ گائین قرین قرینۃ مبتدا ہے اور قرینہ سے مراد ہستی والے ہیں۔ مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ پر مضاف کے احکام جاری کئے گئے ہیں۔ اَشْتَقُوقُۃً یہ جملہ قرینہ کی صفت ہے۔ مضاف الیہ کا اختیار کرتے ہوئے ہی ضمیر ذکر کی۔ اخو جنک فعل کو قرینہ کی طرف منسوب کیا اور مراد ہستی والے ہیں۔ آپ کے ہستی سے نکالنے کی نسبت ان کی طرف بطور منسوب ہے کیونکہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے ان کی اذیتوں کی وجہ سے نکلے تھے۔ ابولہٰی نے نقل کیا ہے اور بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ سے غارتوری کی طرف نکلے تو آپ مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا تو اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے اللہ تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ کے شہروں میں سے مجھے بھی سب سے زیادہ محبوب ہے اگر یہ شرک مجھے نہ نکالے تو میں تجھ سے نہ نکلتا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ اَهْلُکُمْ یٰۤاَهْلَکُمْ یہ مبتدا گائین قرین قرینۃ کی خبر ہے۔ ہم ضمیر جمع ذکر کی کیونکہ قرینہ سے مراد قرینہ والے لوگ ہیں۔ فَلَا تَحْزَنْ لَہُمْ میں حال ماضی کی حکایت ہے۔ یعنی اس وقت ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَیِّنَةٍ مِّنْ رَبِّہٖ کَمَنْ لَّدُنَّۤہٗ سُوۡءٌ عَلَیْہِ وَاَتَّبَعُوۡا اٰھُوۡاۤءَہُمْ ۝۱
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوۡنَ ۚ فِیْہَا اَنْہٰرٌ مِّنْ مَّاءٍ غَیْرِ اَسِیۡنٍ ۚ وَ اَنْہٰرٌ مِّنْ
لَّیۡنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُہٗ ۚ وَ اَنْہٰرٌ مِّنْ حَمِیۡمٍ لَّدَیۡکَ لِلشَّٰرِبِیۡنَ ۚ وَ اَنْہٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ
مُّصَفًّی ۚ وَ لَہُمْ فِیْہَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ وَ مَغْفِرَۃٌ مِّنْ رَبِّہُم ۚ کَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی
النَّارِ وَ سُقُوۡا مَآءً حَمِیۡمًا فَفَقَطَّۤا مَعًاۤءَہُمْ ۝۲

”کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کے پاس سے اس (بد بخت) کی مانند ہے یا راستہ کر دیئے گئے جس کے لئے اس کے برے اعمال اور وہ بھڑکی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی ۱۔ احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور نہریں ہیں شراب کی بولند بخش ہے پینے والوں کے لئے اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور (مزید برآں ان کے لئے) بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے (سوچو!) کیا یہ ان کی مانند ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھوٹا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنکھوں کو۔“

۱۔ حرف استفہام انکار کے لئے ہے۔ فاء عاطفہ ہے مابعد جملے کا عطف کلام محذوف پر ہے۔ تقدیر کلام کا معنی یہ ہوگا کیا مومن جس کا اللہ تعالیٰ مددگار ہے اور کافر جس کا کوئی مددگار نہیں برابر ہو سکتے ہیں تو کیا وہ انسان جو اپنے رب کی جانب سے عطا کردہ واضح دلیل پر ہو۔ ان لوگوں جیسا ہو سکتا ہے شیطان نے جن کے لئے برے اعمال کو مزین کیا ہو اور ان لوگوں نے اپنی خواہشات کی اتباع کی ہے۔ آیت میں چیتہ سے مراد قرآن یا قرآن اور دوسرے دلائل ہیں۔ سوء عمل سے مراد شرک اور نافرمانیاں ہیں۔

۲۔ ضمیر عامہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے وَعِدَ بَہَا الْمُتَّقُوۡنَ۔ مثل الجنة مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے یُنٰلٰی عَلَیْکُمْ اَیْکَ قَوْلٍ یہ کیا گیا اس کی خبر کمن ہو خالد فی النار ہے۔ اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی اَهْلُ اَهْلٍ

الْحَبَّةُ كَمَثَلٍ مَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ يَأْتِدِرْ كَلَامُ يَهْوَى أَفْضَلُ الْحَبَّةِ كَمَثَلٍ جَزَاءُ مَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ۔ اس سے پہلے حرف استنہاف حذف کر دیا گیا کیونکہ اس کی مثل میں حرف استنہاف موجود ہے۔ مقصود یہ بیان کرنا ہے جو واضح دلیل کو یکڑنے والے اور خواہش نفس کی نفاذی کرنے والے کو برابر تصور کرتا ہے اس آدمی کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو جنت اور دوزخ میں برابری کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا مبتدا کی خبر فیضاً آٹھٹھ ہے اور کن ماہ یہ انہار کی صفت ہے اگر فیضاً آٹھٹھ والا جملہ مثل الحبة کی خبر نہ ہو پھر یا تو یہ جملہ جملہ متاقد ہوگا اور مثل الحبة کی وضاحت کرے گا اور یہ ضمیر عائد محمد وف سے حال ہوگا۔ ابن کثیر نے اس کو تصریح صورت میں اور باقی قراء نے مدکی صورت میں پڑھا ہے۔ اس لفظ میں یہ دونوں لغتیں ہیں، یعنی نہ اس کا ذائقہ بدلے گا اور نہ ہی خوشبو بدلے گی جس طرح دنیا کے پانی کا ذائقہ اور رنگ زیادہ دیر پھرنے کی وجہ سے بدل جاتا ہے۔ جنت میں دودھ کی نہریں ہوں گی ان کا ذائقہ بھی نہیں بدلے گا جس طرح دنیا کے دودھ کا ذائقہ بدل جاتا تھا اور اس میں لذیذ شراب کی نہریں ہیں۔ لذیذ یہ لذیذ کو مٹھ سے یا یہ مصدر ہے اور اس سے پہلے مضاف محمد وف ہے اور پھر حرکتی صفت ہے یا مبالغہ کے اظہار کے لئے مصدر کے ساتھ ہی صفت ذکر کر دی۔ اس شراب میں پینے والوں کے لئے نہ بدبو ہوگی اور نہ ہی نشہ کی وجہ سے سر درد وغیرہ ہوگا، جبکہ دنیا کے شرابوں کی نوعیت الگ ہوتی ہے کیونکہ انہیں پینے وقت بدبو آتی ہے اور اس میں ساف شہد کی نہریں ہیں اس میں گوند اور کھمی کا فضلہ وغیرہ شامل نہیں ہوگا۔

معاویہ بن حیدر سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنت میں پانی شہد دودھ اور شراب کے سمندر ہیں پھر ان سے نہریں نکالی جاتی ہیں (1) اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ اسی طرح امام بیہقی نے اسے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی نہریں کستوری کے پھاڑ سے نکلتی ہیں (2) اسے ابن حبان حاکم بیہقی بطبرانی اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ مسروق سے مروی ہے کہ جنت کی نہریں بغیر کسی کھائی کے چلتی ہیں (3) اسے ابن مبارک اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شائد تم گمان کرتے ہو گے کہ جنت کی نہریں زمین کے اندر نالوں میں چلتی ہوں گی نہیں اللہ کی قسم وہ زمین کے اوپر بہتی ہیں، اس کے دونوں کناروں پر سونے کے خیمے ہوں گے اور مٹی کستوری کی ہوگی (4)۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سحان! ایمان خرات اور نیل جنت کے دریا ہیں اسے امام مسلم نے روایت کیا (5) حضرت عمر بن عوف سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار دریا جنت کے دریا ہیں۔ نیل فرات سیحان اور جیحان۔ چار پھاڑ جنت کے پھاڑ ہیں۔ احد طور لبنان درقان (6)۔ کعب الاحبار سے مروی ہے کہ نیل کا دریا شہد کا دریا ہے۔ دریا سے دریا سے دریا سے دریا ہوگا۔ دریا سے فرات جنت میں شراب کا دریا ہوگا اور دریا سے سحان جنت میں پانی کا دریا ہوگا۔ اسے امام بیہقی نے روایت کیا (7)۔ امام بغوی نے کعب کا قول نقل کیا ہے۔ دریا سے دریا جنت کے پانی کا دریا ہے۔ دریا سے فرات ان کے دودھ کا دریا ہے اور مصر کا دریا ان کے شراب کا دریا ہے اور دریا سے سحان ان کے شہد کا دریا ہے۔ یہ چاروں دریا کوثر سے نکلتے ہیں۔

وَاللَّهُ فِيهَا مِائَاتُ لَحْنٍ الْعَمَلِ كَمَا عَطَفَ فِيهَا آفَئْطُہُ پڑ ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نہریں میٹھا اور کڑوا جو بھل بھی ہے وہ جنت

1۔ جامع ترمذی مع عاصمۃ الاذنی، جلد 10، صفحہ 31 (اعلیٰ)

2۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 7، صفحہ 3217 (ابن حزم)

4۔ ایضاً

6۔ معجم کبیر، جلد 17، صفحہ 18 (اعظم و احکم)

3۔ الدر المنکور، جلد 1، صفحہ 82 (اعلیٰ)

5۔ مجمع مسلم، جلد 2، صفحہ 380 (قدیمی)

7۔ روح المعانی، جلد 26، صفحہ 48 (اتر العری)

میں بھی ہوگا۔ یہاں تک کہ جنت میں تنہا بھی ہوگا۔ اسے ابن ابی حاتم اور ابن منذر نے اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے جنت میں جو پھل ہیں دنیا میں ان کے صرف نام ہی ہیں (1)۔

اسے ابن جریر ابن ابی حاتم اور مسدد نے اپنی مسند ہناد نے زہد میں اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا مٹی جنت کا پھل نہیں توڑے گا مگر اس کی جگہ اس جیسا پھل پیدا کر دیا جائے گا (2)۔ فرمایا ان کے لئے ان کے رب کی جانب سے مغفرت ہے، وہ ہمیشہ ان سے راضی رہے گا، جبکہ ان پر احسان بھی فرمائے گا، جبکہ دنیا میں آقا کا غلام کے ساتھ معاملہ مختلف ہوتا ہے کیونکہ آقا دنیا میں بھی غلام سے ناراض بھی ہو جاتا ہے۔ وَمَغْفِرٌ لِّقَوْمٍ نَّيِّبٌ کا عطف محذوف کلام پر ہے یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی۔ اِنَّهُمْ مَغْفِرٌ لِّقَوْمٍ نَّيِّبٌ۔

اگر مثل الحنة مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو یا اس کی خبر فَيْضًا اَنْهَضَ ہے تو گنہگار خالین فی الظاہر ہے مبتدا محذوف کی خبر ہوگی۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِيْ تِلْكَ الْحَنَةِ كَغَنٍّ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ یا كَغَنٍّ يُنْفِئُكَ سے بدل ہے اور درمیان میں کلام جملہ معترضہ ہے تاکہ دونوں جماعتوں میں امتیاز قائم ہو جائے جن میں سے ایک کے لئے برے اعمال مزین کیے گئے ہیں اور دوسری جو رب کی طرف سے واضح ہدایت پر ہے قصود اس کا یہ ہے کہ جو وہ مساوات کا دعویٰ کرتے تھے اس پر انکار کو مزید واضح کیا جائے کہ ایسا کسی صورت میں بھی نہیں ہو سکتا۔

وَتُغَوَّاهُ مَا كَوَّنَهَا كاعطف ہو خالد پر ہے۔ واحد کی ضمیر من کے لفظ کی وجہ سے ہے اور مسقوا جمع کی ضمیر من کے معنی کے اعتبار سے ہے، یعنی انہیں ایسا گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا اور آنتیں دیر سے نکل آئیں گی۔ ابن منذر نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ مومن اور منافق حضور ﷺ کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔ حضور ﷺ جو ارشاد فرماتے مومن اس کو سننے اور یاد کر لینے منافق سننے اور اسے یاد نہ کرتے۔ جب مجلس سے باہر نکلتے تو منافق مومنوں سے پوچھتے تھے کہ آپ نے ابھی ابھی کیا فرمایا ہے تو ابعدایت نازل ہوئی (3)۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتَّىٰ اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا
الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اِنْفَاقًا ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْا
اَهْوَاَءَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا ۙ اَزَادْهُمْ هُدًى ۙ وَالَّذِيْنَ تَقَوَّلْتُمْ ۙ

”اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو کان لگاتے رکھتے ہیں آپ کی طرف حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (کہ وہ افرامیے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے یہی وہ (بد بخت) ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشوں کی۔ اور جو لوگ راہ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے۔“

لہ اس کا عطف والذین کفروا پر ہے۔ درمیان میں معترضہ جملہ ہیں یہ منافق لوگ ہیں جو حضور ﷺ کا فرمان تو سنتے ہیں لیکن

اسے یاد نہیں کرتے اور نہ ہی اسے سمجھتے ہیں۔ وجہ اس کی سستی اور غفلت ہے یا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے ارشاد کو حق نہیں سمجھتے۔ یسوعیہ کی واحد ضمیر من کے لفظ کے اعتبار سے ہے اور خوجوا کی جمع کی ضمیر من کے معنی کے اعتبار سے ہے، یعنی جب منافق حضور ﷺ کی مجلس سے باہر نکلتے ہیں تو وہ صاحب علم (مسلمانوں) سے کہتے ہیں ابھی ابھی حضرت محمد ﷺ نے کیا کہا ہے انفا یہ انف الشی سے مشتق ہے جس کا معنی اس شے کا اگلا حصہ ہے۔ اسی وجہ سے ناک کو بھی انف کہتے ہیں۔ اسی سے استنصف اور استنصف فعل مشتق ہیں۔ انفا ظرف ہے اور قرینی وقت مراد ہے۔ یہ قال کی ضمیر سے حال ہے۔ ابن کثیر نے انفا کو ہمزہ کے قصر کی صورت میں، جبکہ باقی قراء نے مد کی صورت میں پڑھا ہے۔ دونوں لغتوں کا معنی ایک ہی ہے۔ انہوں نے یہ بات علم حاصل کرنے یا استہزاء کے طور پر کہی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے کلام کو سننے اور سمجھنے میں سستی کی اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ اسی وجہ سے انہوں نے حضور ﷺ کے کلام کا مذاق اڑایا۔

یہ جنہوں نے حضور ﷺ کے کلام سے ہدایت حاصل کی، یعنی مومن تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے کلام کی برکت سے ہدایت علم نصیب سے اور ان کے شرح صدر میں اضافہ فرمایا اور انہیں تقویٰ عطا فرمایا، یعنی احکامات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائی اور ان کے لئے ایسی چیزوں کو واضح فرمایا جس کے ذریعے وہ جہنم کی آگ سے بچ سکتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں تقویٰ کا ثواب عطا فرمایا (1)۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنَّى لَهُمْ إِذْ جَاءَتْهُمْ ذِكْرُهُمْ ۝

”پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں قیامت کا کہ آ جائے ان پر اچانک بے ٹک انکی نشانیاں تو آ ہی گئی ہیں (تو جب قیامت ان پر آگئی) تو اس وقت ان کو کبھی ناصیب ہوگا۔“

۱۔ هل نفی کے معنی میں ہے۔ یَنْظُرُونَ کی ضمیر سے مراد کفار مکہ ہیں، اَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً یہ السَّاعَةَ سے بدل اشتمال ہے۔ معنی یہ ہوگا قیامت اچانک آنے والی ہے کوئی چیز اس کو نہیں روک سکتی اور قیامت کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔ جملہ استغفار میرے معذوف شرط کی جزاء ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے اِنْ لَمْ يَنْتَظِرُوا وَلَمْ يَنْتَظِرْ غَوَا فِي الطَّاعَةِ فَلَا يَنْتَظِرُونَ لِلتَّوْبَةِ وَالطَّاعَةُ الْاَوْفَى وَفَتَّ اَنْبَاَن السَّاعَةِ معنی یہ ہوگا اگر وہ توبہ نہ کریں اور اطاعت میں جلدی نہ کریں تو وہ توبہ اور اطاعت کے لئے قیامت آنے کا ہی انتظار کر رہے ہیں، جبکہ اس وقت انہیں توبہ کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ہی وہ اطاعت کی طاقت رکھیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں تم میں سے ایک آدمی (توبہ کرنے کیلئے) سرکش بنائے وہاں خوشحالی ہر چیز بھلا دینے والے فقر خشیانے والے بڑھاپے تیار کرنے والی موت اور دجال کی آمد کا انتظار کرتا رہتا ہے، جبکہ دجال۔ بت بڑی مصیبت ہے جو غائب ہے اسی طرح ایک انسان توبہ کرنے کے لئے قیامت کا انتظار کرتا ہے، جبکہ قیامت سب سے بڑی مصیبت ہے اور سخت کڑوی ہے (2) فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا قیامت کے آنے کی علت بیان کر رہا ہے۔ اشرطہ کا مطلب علامات ہیں، ان نشانوں میں سے ایک شق قمر (چاند کا پھٹنا) بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اِنْ شَهِدَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الظُّلُمُ ۝ انہیں نشانوں میں سے ایک دھواں بھی ہے۔ انہیں میں سے ایک حضور ﷺ کی بعثت بھی ہے۔

امام مسلم ابن ماجہ نے حضرت سہیل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ درمیانی اور شہادت والی انگلی سے اشارہ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا (1)۔

امام احمد ابن ماجہ اور امام ترمذی نے حضرت انس سے اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ میں تمہیں ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جسے میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے جسے میرے سوا کوئی اور بیان نہیں کرے گا۔ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کی نشانیاں یہ ہیں کہ علم اکٹھا دیا جائے گا، جہالت زیادہ ہو جائے گی، بدکاری عام ہو جائے گی شراب کثرت سے پیا جائے گا، مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں زیادہ ہو جائیں گی یہاں تک کہ چچاس عورتوں کے مقابلہ میں ایک مرد ہوگا (2) ایک روایت میں ہے علم کم ہو جائے گا اور جہالت غالب آ جائے گی۔ متفق علیہ

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ گفتگو کر رہے تھے کہ ایک بدو آ گیا اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی تو آپ نے فرمایا جب امانت ختم ہو جائے تو قیامت کا انتظار کر۔ اس نے عرض کی امانت کس طرح ضائع ہوگی؟ فرمایا جب امور اہل لوگوں کے سپرد کیے جائیں گے تو اس وقت قیامت کا انتظار کرنا اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (3) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مال غنیمت چند افراد کو دیا جائے گئے امانت کو مال غنیمت سمجھا جانے لگے زکوٰۃ کو جتنی شام کیا جائے گئے، دین کے علاوہ اور مقاصد کے لئے علم پڑھا جائے، مرد اپنی بیوی کی بات مانے اور ماں کی نافرمانی کرے، اپنے دوست کو قریب کرے اور اپنے باپ کو دور کرے۔ مساجد میں آوازیں بلند ہونے لگیں، فاسق قوم کا سردار بن جائے۔ قوم کا رئیس سب سے کمینہ انسان ہو اور ایک انسان کمینہ انسان کے شر سے بچنے کے لئے اس کی عزت کرے، گانے والی عورتیں اور بجانے والے آلات زیادہ ہو جائیں، شراب کثرت سے پی جائے۔ امت کے بعد والے لوگ امت کے پہلے لوگوں پر لعن طعن کریں تو اس وقت سرخ آندھی ڈالنے زمین میں دھنسا، خشکیاں بگڑ جائیں، پتھروں کی بارش اور پے درپے نشانوں کے ظاہر ہونے کا انتظار کرو جس طرح بار کا دھماکا کٹ دیا جائے تو اس کے موتی یکے بعد دیگرے گرتے ہیں۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے (4)۔

حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میری امت چند روز کام کرے گی تو ان پر مصیبت (قیامت) واقع ہو جائے گی۔ حضرت علی نے ان چند روز چیزوں کا ذکر کیا لیکن اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ علم دین کے علاوہ اور مقاصد کے لئے سیکھا جائے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آدمی دوست سے حسن سلوک کرے اور باپ پر ظلم کرے اور فرما شراب پیے اور ریشم کا لباس پہنے۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا (5)۔ فالان ثم میں غزا آئی ہے اور اس کی شرط محذوف ہے۔ معنی یہ ہے اگر قیامت اچانک آگئی تو وہ اس وقت وہ کیسے نصیحت حاصل کریں گے اور ذکر کریں گے کیونکہ اس وقت انہیں نصیحت کوئی نفع نہ دے گی۔

فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرُوا لِذَنبِكُمْ وَلِسُلُومِينَكُمْ وَالْمُؤْمِنَاتُ ۚ
اللَّهُ يَعْلَمُ مَن يَقُولُ كَذِبًا ۖ وَمَنْ يَكْتُمُهُ ۖ

اللَّهُ يَعْلَمُ مَن يَقُولُ كَذِبًا ۖ وَمَنْ يَكْتُمُهُ ۖ

1- صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 406 (قدیمی)

2- صحیح بخاری، جلد 5، صفحہ 2005 (ابن کثیر)

3- صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 14 (دزارت تعلیم)

4- جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 43 (العلیہ)

5- جامع ترمذی مع عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 43 (العلیہ)

”پس آپ جان لیں کہ انہیں کوئی معبود بجز اللہ کے اور دعائے ناکہ کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لئے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنے کی جگہوں کو۔“

۱۔ اللہ میں ضمیر ضمیر شان ہے اور فاعلم میں فاء ضمیر ہے۔ معنی یہ بنے گا جب آپ یہ جان چکے ہیں کہ مومن سعادت مند ہیں اور کافر بد بخت ہیں تو اسے محمد ﷺ آپ جس حال پر ہیں اسی پر استقامت کا مظاہرہ کریں وہ کیا چیز ہے جس پر آپ ہیں۔ وہ یہ ہے کہ آپ وحدانیت کا علم رکھتے ہیں اپنے احوال کی اصلاح کرتے ہیں اور ایسے افعال بجالاتے ہیں جو قیامت کے روز نفع دینے والے ہیں۔ ان کے ساتھ نفس کی تمحیل ممکن ہے اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے۔ یہ حکم نفس میں عاجزی اور انکساری پیدا کرنے کے لئے ہے۔ ساتھ ہی اس کی کوغابہ کرنے کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مقابل عبادت میں پائی جاتی ہے، جبکہ حضور ﷺ کو گناہوں سے معصوم پیدا کیا گیا اور آپ کی ذات گناہ و صغیرہ اور کبیرہ سے پاک ہے۔ اس حکم کی حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے آپ کی امت آپ کی اس سنت (۱) پر عمل کرتے۔ حضور ﷺ نے خود بھی ایسا کیا فرمایا میرے دل پر بھی میل سا آ جاتا ہے تو میں دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں (۱) اسے امام مسلم امام احمد ابوداؤد و ترمذی نے اس حدیث سے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں شاید حدیث میں دل پر رنگ آ جانا یہ امکان کی وہ تاریکی ہے جسے صوفی اپنے اندر پاتا ہے اور اس کے بعد وہ اپنے کمالات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی معرفت اس آدمی پر حرام ہے جو اپنے آپ کو فرنگی کافر سے برائیں جانتا۔ آپ سے عرض کی گئی اس چیز کا کیسے تصور کیا جاسکتا ہے، جبکہ وہ اپنے آپ کو مومن برحق خیال کرتا ہے اور کافر کو لازمی کافر خیال کرتا ہے کفر پر ایمان کی فضیلت کو تسلیم کرتا یہ ضروریات دین میں سے ہے۔

حضرت مجدد نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہر ممکن جو موجود ہے وہ امکان کی تاریکی سے خالی نہیں، جبکہ وجود کا نور اللہ تعالیٰ کی ذات سے عاری ہے اسے حاصل ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان رکھنے والا عموماً اپنے اندر عدم اور امکان کی جانب تو دیکھتا ہے اور اپنے اندر وجود اور دوسرے کمالات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عارضی چیز پاتا ہے۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت ہوتی ہے إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَالٍ ثُمَّ إِذْ دَنَا إِلَيْهِ فَوَلَّى أَخْلَبًا اور اپنے علاوہ جو چیز بھی موجود ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کا فیض ہی خیال کرتا ہے تو اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو ہر دوسری چیز سے برائی خیال کرے گا۔ یہ معرفت اس معرفت کے متضاد نہیں جس میں یہ ہے کہ ایمان

۱۔ صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ 346 (قدیمی)

(۱) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ذکر اور استغفار کو لازم پکڑو۔ ان کی کثرت کیا کرو کیونکہ انہیں نے کہا میں نے لوگوں کو گناہوں کے ذریعے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ذکر اور استغفار سے ہلاک کیا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے انہیں خواہشات کے ساتھ ہلاک کیا، جب کہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ عبادت یافتہ ہیں۔ بخیر بنی طہ بن عبید اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت طلحہ کو شکین دیکھا تو کہا کہ چھوڑ دو؟ حضرت طلحہ نے جواب دیا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا میں ایک ایسا عجم جانتا ہوں جو بندہ بھی اسے موت کے وقت اپنی زبان سے ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دور فرادے گا۔ اس کے رنگ کو روشن کر دے گا۔ اسے وہ چیز عطا کرے گا جو اسے خوش کرے گی۔ آپ سے دریافت کرنے سے مجھے کسی چیز نے نہیں روکا مگر یہ کہ میں سوال کرنے پر قادر تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا یعنی حاضری اور سوال سے کوئی چیز مانع نہ تھی جب پابندی چھو سکتا تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا وہ میں جانتا ہوں اس نکتہ سے بڑھ کر کوئی اور نکتہ نہیں ہو سکتا جس کے بارے میں حضور ﷺ نے اپنے چچا کو حکم دیا تھا کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے تو حضرت طلحہ نے کہا اللہ کی قسم یہ وہی ہے۔ حضرت عثمان بن عفان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو فوت ہوئے اس حال میں کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ جانتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

کفر پر فضیلت رکھتا ہے کیونکہ ملاحظات حیات، علم کی وسعت اور اوراکات مختلف ہیں غافل کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ وجود اور اپنے کمالات کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

آپ مومنوں کے حق میں دعا کر کے ان کے گناہوں کی بخشش بھی طلب کریں اور انہیں ایسے امور کی ترغیب دیں جو ان کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں۔ یہاں حرف جار لام کو دو بارہ ذکر کیا اور ذنب مضاف کو حذف کر دیا۔ مقصود یہ شعور دلانا ہے کہ مومنوں کو اس کی اشد ضرورت ہے اور ان کے گناہ بھی بہت زیادہ ہیں اور یہ ایک اور جنس ہے۔ امام بغوی نے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اس قوم کیلئے بڑا اعزاز ہے کہ اس نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اپنی امت کے لئے بخشش کی دعا کریں جبکہ حضور ﷺ ایسے شفاعت کرنے والے ہیں جن کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا **مَنْ تَقَلَّبْتُمْ** سے مراد تہاراد نیا میں اپنے اعمال میں ادھر ادھر جاتا ہے اور **مَثُوبُكُمْ** سے مراد آخرت میں جنت یا دوزخ کی طرف جاتا ہے مقابل اور ابن جریر نے کہا ہے **مَنْ تَقَلَّبْتُمْ** سے مراد دن کے وقت کام کاج میں مصروف ہونا اور **مَثُوبُكُمْ** سے مراد رات کے وقت اپنے بستر پر آرام کرنا ہے مکرر نہ کرنا ہے **مَنْ تَقَلَّبْتُمْ** سے مراد آج یا کچھ دنوں سے ماؤں کے رحموں میں آنا اور **مَثُوبُكُمْ** سے مراد زمین میں قیام کرنا ہے ابن کثیر نے کہا **مَنْ تَقَلَّبْتُمْ** سے مراد پشت سے پیٹ کی طرف آنا ہے اور **مَثُوبُكُمْ** سے مراد قبروں میں ٹھہرنا ہے مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں (1) اس لئے احتیاط سے کام لو یہاں خطاب مومنوں اور دوسرے لوگوں کو ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِنَّ أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِّرَ فِيهَا الْقِتَالُ لَأَرَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ

”اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتنی کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں) پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (خفا کا) روگ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں آپ کی طرف جیسے سمجھتا ہے جس پر موت کی فشی طاری ہو۔ پس ان کیلئے بہتر یہ حال۔“

۱۔ وہ جہاد کے حریص ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں کہ ہمیں جہاد کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا۔ جب ایسی واضح آیت نازل ہوتی ہے جس میں جہاد کا حکم ہوتا ہے۔ قرآن نے کہا ہر وہ سورت جس میں جہاد کا ذکر ہے وہ حکم ہے (2) کیونکہ قتال کی فریضیت نے ان تمام احکام کو منسوخ کر دیا جس میں صلح کا حکم دیا گیا تھا۔ اسے منسوخ نہیں کیا گیا اسی لئے یہ حکم قیامت تک باقی رہے گا۔ ہر وہ سورت جس میں قرآن کا ذکر ہے وہ سورت منافقوں پر سب سے شدید ہے۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں کمزوری اور بزدلی ہے وہ آپ کو یوں دیکھتے ہیں گویا ان پر موت غالب آ چکی ہے۔

طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَقَدْ صدَّقُوا اللَّهَ لَكَ خَيْرٌ أَلَيْسَ

فَهِلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَتَقَطَّعُوا اَسْرَاحَكُمْ ۝

”کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے پھر جب حکم ناسخ ہو چکا تو اگر وہ سچے رہے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ پھر تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کر دو گے اپنی قراہتوں کو۔“

۱۔ ان کے لئے بہتر تو یہ تھا کہ جہاد میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور یہ کہتے ہم نے حکم سنا اور اس کی اطاعت کی جب معاملہ سخت ہو گیا، یعنی جن کے ذمہ امور کی تدبیر تھی انہوں نے جہاد کا پختہ ارادہ کر لیا اگر وہ اس انتظام میں سچے ہوتے جو انہوں نے جہاد کی رغبت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور کی تھی تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ عزم فعل کو الامر کی طرف منسوب کرنا حجاز کے طور پر ہے یا عزم الامر کا معنی ہے جب جہاد لازم اور فرض ہو گیا۔ فَلَوْ صَدَقُوا یہ اِدْاعَاۃً مَّا مَوْزُوکِ جزاء ہے ایک قول یہ کیا گیا جزاء محذوف ہے اور یہ جملہ مستاتھ ہے تقدیر کا لام یہ ہے۔ فَاِذَا عَزَمْتَ الْاَمْرَ لَوْ نَصَلُّوْا اللّٰهَ وَاَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَکَانَ خَبِیْرًا اَللّٰهُمَّ یعنی جب جہاد فرض ہو گیا تو وہ اپنے قول میں سچے ثابت نہ ہونے اگر وہ سچے ہوتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

۲۔ فَهِلْ عَسَيْتُمْ میں غائب کے صیغہ سے خطاب کے صیغہ کی طرف التفات ہے، یعنی اسے بزدلو اگر تم جہاد کے حکم میں رسول اللہ کی متابعت سے اعراض کرو تو کیا تم سے یہ توقع کی جانے لگے کہ زمین میں فساد برپا کرنے لگو گے اور اپنی رشتہ داری کو ختم کر لو گے، یعنی ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ شرط ہے جو جزاء سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ شرط ایسے جملہ کے درمیان واقع ہو رہی ہے جو جزاء پر دلالت کرتا ہے۔ زمین میں سے فساد برپا کرنے سے مراد کفر اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنا ہے۔ قطع رحمی سے مراد جہاد رشتہ داروں کی مخالفت ہے۔ اَنْ تُفْسِدُوْا اپنے مطلق سے مل کر عسیم کا مفعول ہوگا اصل استغماہ یا انکار کے لئے ہے، یعنی تمہیں ایسا طریقہ نہیں ملے ایسا نہ چاہئے کہ تم سے یہ توقع کی جانے لگے کہ کفر یا فرامانی اور قطع رحمی (۱) کے ذریعے تم زمین میں فساد برپا کرو گے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاصْبِرْهُمْ وَاَعْمٰی اَبْصَارُهُمْ ۝ اَفَلَا یَتَذَكَّرُوْنَ
الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝

”یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پھر (حق سننے سے) انہیں بہرہ ور نہ کیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے قرآن میں یا میں (ان کے) دلوں پر قفل لگا دیئے گئے ہیں۔“

۱۔ زمین میں فساد برپا کرنے والے اور قطع رحمی کرنے والے ہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رستوں سے دور کر دیا ہے۔ حق

(۱) حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عمر بن خطاب کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے ایک چٹھنے چلانے والے آدمی کی آواز کو سنا۔ آپ نے فرمایا اسے برفاد نکھویہ وادکیس؟ برفاد نے دیکھا پھر وہ ادکیس آیا عرض کی قریش کی ایک بچی کی ماں فروخت کی جا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا مہاجرین و انصار کو بلاؤ چکھو وقت بھی نہ گزرا تھا کہ گھراؤ کر دیکھا۔ حضرت عمر نے اللہ تعالیٰ کی حمد و تحریف کی پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ حضور ﷺ کی شریعت میں قطع رحمی کا کیا حکم ہے؟ صحابہ نے عرض کی علم نہیں ہے۔ فرمایا اسی وجہ سے قطعی رحمی میں تمہاری یہ حالت ہو گئی ہے پھر آپ نے فَهِلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتَقَطَّعُوا اَسْرَاحَكُمْ پڑھی پھر فرمایا اس سے بڑھ کر قطع رحمی کیا ہوگی کہ تمہارے درمیان ایک آدمی کی ماں فروخت کی جائے گی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں فراموش عطا فرما رکھی ہے۔ لوگوں نے عرض کی جو مناسب سمجھیں وہ کریں تو حضرت عمر نے تمام علاقوں میں یہ حکم لکھ بھیجا کہ کسی آزاد کی ماں کو نہ بیچا جائے کیونکہ یہ قطعی رحمی ہے جو جائز نہیں۔

خفے سے بہرہ کر دیا ہے اور حق دیکھنے سے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ اسم اشارہ مبتدا ہے اور اسم موصول اپنے صلت کے ساتھ مل کر خبر ہے۔ یہ سابقہ جملہ میں جو انکار کا معنی پایا جا رہا تھا یہ اس کی علت بیان کر رہا ہے ایک قول یہ کیا گیا اللہین فی قلوبہم مرض سے مراد منافق ہیں اور مرض سے مراد شک اور اتفاق ہے اور فالوی لہم سے مراد ان کے لئے سخت ہلاکت ہے اور اولیٰ ویل سے ان کے وزن پر ہے یا یہ ویل سے مشتق ہے۔ جس کا معنی قرب ہے۔ یہ آل سے فعلی کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی ہے ان کے لئے بد دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناپسندیدہ چیز کو ان پر مسلط کر دے یا ان کا معاملہ انہیں کی طرف پلٹ جائے۔ طاعۃ وقول معروف یہ مبتدا ہے جس کی خبر محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی طَاعَةً وَ قَوْلًا مَعْرُوفًا خَيْرٌ لَّهُمْ۔ یا ان کے قول کی حکایت ہے، یعنی وہ کہتے ہیں ہمارا معاملہ اطاعت اور اچھی بات کرنا ہے جو بات انہوں نے کی تھی اگر وہ اس میں سچے ہوتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا لیکن انہوں نے جھوٹ بولا تو کیا اب تم سے توقع رکھی جائے کہ اگر تم لوگوں کے امیر بن جاؤ تو ان پر ظلم کر کے زمین میں فساد برپا کرو گے۔ یہ آیت کریمہ بنی امیہ اور بنی ہاشم کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس شان نزول پر حضرت علی شیر خدا کی قرأت بھی دلالت کرتی ہے کہ ان تو لیسم پڑھا ہے، یعنی تاء اور واؤ کو مضموم پڑھتے ہوئے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اگر تم ظالم حاکم بننا دو اور خود بھی ختم میں ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور لوگوں پر ظلم کرنے لگو، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے، انہیں بہرہ کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ ابن جوزی نے کہا قاضی ابویعلیٰ نے اپنی کتاب المستند الاصول میں اپنی سند سے صالح بن احمد بن حنبل سے روایت کیا کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا اے میرے ابا جان بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم یزید بن معاویہ کو پسند کرتے ہیں تو حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا اے بیٹے! کیا کسی مومن کے لئے جائز ہے کہ وہ یزید سے محبت کرے۔ ایک بندہ یزید پر لعنت کیوں نہیں کرتا، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اس پر لعنت کرتا ہے۔ میں نے عرض کی اے میرے والد ماجد اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں کہاں یزید پر لعنت کرتا ہے۔ فرمایا جہاں اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے تو پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا۔

یہ کیا وہ قرآن حکیم اور اس میں جو نصیحتیں اور تنبیہات ہیں ان میں غور و فکر نہیں کرتے اگر وہ غور و فکر کرتے تو ان کے لئے حق واضح ہو جاتا۔ یہاں استفہام انکار اور توقع کے لئے ہے اور قاء عاطفہ ہے اور اس کا عطف محذوف کلام پر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی اَيُّغْفَلُونَ فَلَا يَنْدُرُونَ الْفُرْقَانَ فرمایا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ یہاں کنایہ کی صورت میں کلام کی دلوں کو الماریوں سے تشبیہ دی اور ان کے مناسب تالوں کو ثابت کیا۔ بطور تشبیہ کے تالوں کو دلوں کی طرف منصف کیا۔ مقصود یہ دلالت کرنا ہے کہ یہ تالے ان دلوں کے مناسب ہیں اور انہیں کے ساتھ ہی خاص ہیں، عام تالوں جیسے نہیں۔ یہ کلام اصل میں کنایہ ہے اس بات سے کہ ان کے دلوں میں استعداد اور قابلیت ہی نہیں کہ وہ صحیح حاصل کریں اگر بالفرض وہ غور و فکر کریں بھی تو وہ قرآن کی نصیحتوں کو نہ سمجھ سکیں گے۔ یہاں قلوب کو گمراہ ذکر کیا ہے کیونکہ اس سے مراد ان کے بعض دل ہیں یا اس بات کا شعور دلایا جا رہا ہے کہ کتنی اور جہالت کی زیادتی میں ان کا معاملہ بہم ہے گویا وہ پوشیدہ غراناہ ہیں۔ امام بغوی نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو پڑھا تو یمن کے ایک نوجوان نے عرض کیا بلکہ ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ

(۱) ابن بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کو پڑھا تو ایک نوجوان جو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں موجود تھا عرض کیا کہ ہوا اللہ کی قسم بلکہ ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کے تالے کھولے۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے اس آیت کو تلاوت کیا تو اسے عامل ناخوش تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔ از مؤلف غفرلہ۔

انہیں کھول دے وہ نوجوان حضرت عمر کے دل میں رہا جب آپ کو غلیظ بنایا گیا تو آپ نے اس سے (۱) مدد چاہی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ الشَّيْطَانُ
سَوَّلَ لَهُمْ ۖ وَآمَلَ لَهُمْ ۝

”بے شک جو لوگ چنیدہ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے باوجودیکہ ان پر ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی۔“

۱۔ جو ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف پلٹ گئے۔ عروہ نے کہا اس سے مراد اہل کتاب کفار ہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کو پہچان لیا تھا اور آپ کی صفات کو تورات میں دیکھا تھا پھر بھی آپ کا انکار کیا۔ حضرت ابن عباسؓ، ضحاک اور سدی نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں (۱) فرمایا شیطان نے گناہ کبیرہ کے ارتکاب کو ان کیلئے آسان بنا دیا۔ سول یہ سوال ہے مشق ہے جس کا معنی نری چاہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا شیطان نے انہیں شہوات پر برا بھینٹ کیا۔ اس صورت حال میں یہ سول سے مشق ہے جس کا معنی آرزو ہے۔ اہل بصرہ نے اہلی کو ماضی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی اعلیٰ جبکہ مجاہد نے واحد متکلم مضارع کا صیغہ پڑھا ہے جو باب افعال سے مشتق ہے یہی قرأت یعقوب سے بھی مروی ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا میں انہیں مہلت دیتا ہوں اس سے پہلے واؤ حالیہ ہوگی یا مستاتھ ہوگی، جبکہ باقی قراء نے باب معال سے واحد مذکر غائب فعل ماضی کا صیغہ پڑھا ہے۔ معنی ہوگا شیطان نے انہیں طویل آرزوئیں دلائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهِ جَمْعُ مِثْلِهِ مِثْلَهُ
ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا الَّذِينَ نَبَا كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنِيْعُهُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ سِرَّهُمْ ۝ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَصْرِيُونَ وَجُوهُهُمْ وَأَدْبَارُهُمْ ۝
ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا آسَخَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَحَبِطَ عَمَلُهُمْ ۝

”یہ اس لئے کہ انہیں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے اتارا کہ ہم تمہاری ایک بات میں اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشوروں کو جانتا ہے۔ پس ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگا دیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ یہ درگت اس لئے بنی کہ انہوں نے بیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھا اور ناپسند کیا اس کی خوشنودی کو پس اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔“

۱۔ شیطان کا درغلانہ اور اللہ تعالیٰ کا اسے مہلت دینا محض اس سبب سے ہے کہ جن یہودیوں نے حضور ﷺ کا انکار کیا، جبکہ تورات میں حضور ﷺ کے اوصاف پہچان چکے تھے انہوں نے منافقین سے کہا یا منافقوں نے یہودیوں سے کہا یا ان دونوں جماعتوں میں سے ایک سے شرکوں سے کہا کہ بعض معاملات میں ہم تمہاری اطاعت کریں گے۔ جیسے انہوں نے کہا تھا کہ ہم جہاد میں شرکت نہیں کریں گے یا اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو ہم (منافق) بھی تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے یا حضور ﷺ سے دشمنی میں ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَاللَّهُ قَالُوا کے قائل سے حال ہے۔

ابوبکر کے علاوہ کوئہ کے قراء نے اسرار کے ہمزہ کو کسور پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے مفتوح پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ سر کی جمع ہے۔ ان کے رازوں میں سے ایک یہ بات بھی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمادیا۔

۱. تکلیف میں فاء سیدہ ہے اور استفہام تعجب کے اظہار کے لئے ہے اذ اظرفہ فعل محذوف کے متعلق ہے تقدیر کلام یہ ہے فکلیف یختالون اذا توفیہم الملائکہ ترکیب کلام میں یتشرکون ملائکہ سے حال ہے، یعنی جب فرشتے لوہے کے ہتھوروں کے ساتھ ان کے منہ اور پشتوں پر ضربیں لگائیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا۔

اس طرح روح قبض کرنے کی محض وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کی پیروی کی جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تورات کو چھپایا اور حضور ﷺ کا انکار کیا (1) اور انہوں نے ایسی چیزوں کو ناپسند کیا جو اس کی رضا کا باعث تھے جیسے ایمان، جہاد اور اطاعت وغیرہ تو اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَصْحَابَهُمْ ۖ وَكَوْنُ نِسَاءٍ
لَا يَرْجِيْنَهُمْ فَلَاحِقَهُمْ بِسِيمِهِمْ وَلَنَعْرِفَهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ۝
وَلَنُبَيِّنْ لَكُمْ حَتَّى تَعْلَمُوا السُّبُحِينَ مِنْكُمْ وَالضَّيِّقِينَ وَتُبَيِّنُوا أَحْبَابَكُمْ ۝

”کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں کرے گا ان کے دلی کھٹوں کو۔ اور اگر ہم چاہتے ہیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو۔ اور ہم ضرور آدھ زائمن گئے تمہیں تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم پر کھس گئے تمہارے حالات کو۔“

۱. ام مقطوعہ ہے اور مل کے معنی میں ہے۔ کلام الشیطان سولہم یا ام علی قلوب افعالہا کے ساتھ متعلق ہے۔ مرض سے مراد نفاق ہے۔ معنی ہوگا بلکہ جن لوگوں کے دل میں نفاق کا مرض ہے۔ انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور مومنین پر ان کے کینے کو ظاہر نہیں فرمائے گا۔

۲. اگر ہم چاہتے تو ہم آپ کو ان کے بارے میں آگاہ کرتے اور آپ کو ان کی پہچان کرا دیتے۔ یہ جملہ محضرہ ہے اور جن کو مقدر مانتے کے ساتھ حال ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی وَنُخِّنْ لَوْ نَشَاءُ لَا وَنُفَاتِحَهُمْ فرمایا تو آپ ان کی نشانیوں سے انہیں پہچان لیتے فلعرہفہم میں لام جواب کے لئے ہے جسے معطوف میں مکرر ذکر کیا امام بغوی نے کہا حضرت انس نے فرمایا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد منافقوں کی کوئی چیز آپ ﷺ پر چلی نہ تھی۔

فرمایا آپ انہیں گفتگو کے لہجہ سے پہچان لیتے ولعرہفہم فی لحن القول یہ بھی جواب قسم ہے اور قسم محذوف ہے۔ لحن القول کا معنی ہے کلام کو اپنی اصل جہت سے اشارہ اور مخفی معنی کی طرف پھیر دینا آیت کا معنی ہوگا آپ انہیں پہچان لیں گے کہ وہ آپ کی اور مسلمانوں کی اشارہ کے ساتھ توہین کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور مدح کی صورت میں مذمت کرتے ہیں۔ امام بغوی نے کہا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جو منافق بھی حضور ﷺ کے سامنے گفتگو کرتا آپ اسے پہچان لیتے

تھے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے اچھے برے اعمال کو جانتا ہے کیونکہ وہ اعمال جن کی ذات میں فتح پایا جاتا ہے۔ جیسے کفر اور زمانا ان کے علاوہ جتنے بھی افعال ہیں وہ سب نبیوں پر منحصر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ انہیں کوئی نہیں جانتا۔ اس وجہ سے وہ تمہاری نبیوں کے مطابق تمہیں بدل دے گا۔

سہم جہاد کا حکم دے کر تمہیں آزمائیں گے۔ یہ جملہ محذوف قسم کا جواب ہے تاکہ امر کے متحقق ہونے کے بعد بھی اسے جان لیں جس طرح اس کے متحقق ہونے سے پہلے جانتے تھے کہ یہ امر اسی طرح واقع ہو گا یا اس کا معنی ہے کہ ہم الگ الگ کر لیں یا اس کا معنی ہے تاکہ ہمارے دوست پہچان لیں کہ تم میں سے کون مجاہد ہے اور مشقتوں پر صبر کرنے والا ہے اور تمہاری ان خبروں کو جانچ لیں جو تمہارے اعمال کو خبر دیتی ہیں جس کے پاس ان کا حسن اور قباحت ظاہر ہو جائے یا تمہارے ایمان لانے اور مومنوں کے ساتھ دوستی کو پرکھ لیں کہ اس میں صداقت ہے یا جھوٹ ہے۔ البتہ کہ آیت میں موجود تینوں افعال کو واحد کرنا غائب کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس صورت میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور یہ اللہ بعلم کے موافق ہوگا۔ جبکہ باقی قراء نے جمع حکلم کا صیغہ پڑھا ہے اور نحن نملوا کی تقدیر پر آخری فعل وَنَمْلُوا آخِیْرًا کو بھی واؤ کے سکون (ا) کے ساتھ پڑھا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَصْرِفُوا اللَّهُ شَيْئًا وَسَيُحْطِ أَعْمَالُهُمْ ۝

”بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور لوگوں کو بھی روکتے رہے اللہ کی راہ سے اور مخالفت کرتے رہے رسول (کریم) کی باوجود کچھ ظاہر ہو چکی تھی ان کے لئے راہ ہدایت وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔“

۱۔ جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو ایمان لانے اور رسول کی اتباع سے روکا اور حقیقت حال واضح ہونے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اس سے مراد بنو قریظہ بنو نضیر اور قریش کے وہ سردار ہیں جنہوں نے غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے لشکر کو کھانا کھایا۔ یہ بھی بارہ سردار تھے اور اپنی باری پر لشکر کو کھانا کھاتے تھے۔ فرمایا وہ اپنے اس طرز عمل سے اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ وہ اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچائیں گے ان کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے اور آخرت میں اپنے اعمال کا بدلہ نہیں پائیں گے یا ان کے عمل پر دنیا میں کوئی فائدہ مرتب نہ ہوگا کیونکہ بدر میں انہیں شکست ہوئی تھی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد غزوہ بدر میں کفار کے لشکر کو کھانا کھانے والے ہیں۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصْنَعُونَ آفْوَالًا لَهُمْ لِيَصْدُوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُفْعِلُوْهُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ فَحَسْرَةً لَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۱)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کریم) کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو۔“

۱ تفسیر بخاری زیر آیت ۱۷۱
(۱) اس عبارت میں تسامع واقع ہوا ہے۔ اس عبارت کی غرض یہ ہے کہ روایں نے نملو کو واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

۱۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان میں شک اور نفاق یا ان اعمال پر فخر کر کے انہیں ضائع نہ کرو۔ بکلی نے کہا: کھادے اور شہرت کے حصول کی خاطر اس فعل کو بجا لائے کہ انہیں باطل نہ کرو۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا: نافرمانی اور گناہ کبیرہ کے ذریعے انہیں ضائع نہ کرو۔ ابن ابی حاتم اور محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلوٰۃ میں ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ یہ خیال کرتے تھے کہ جب انسان لا الہ الا اللہ پر یقین رکھتا ہو تو کوئی گناہ بھی اسے نقصان نہیں دیتا جس طرح شرک کی صورت میں کوئی اچھا عمل فائدہ نہیں دیتا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو وہ ڈرنے لگے کہ گناہ کی وجہ سے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ امام بغوی نے بھی ان سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ مقاتل نے کہا: اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ پر احسان نہ جتاؤ ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے (۱)۔ مسئلہ: جس نے نماز روزہ حج عمرہ یا اس جیسا کوئی عمل نفل کے طور پر شروع کیا تو اس پر اس عمل کو مکمل کرنا واجب ہے۔ ظاہر روایت کے مطابق اسے توڑنا جائز نہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے۔ عذر کی صورت میں توڑنا جائز ہے۔ ہدایہ نقد وردی اور دوسری کتب کے مؤلفین نے یہ بیان کیا ہے۔

کیا نفل روزہ توڑنے کے لئے مہمان نوازی عذر ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے ہاں یہ عذر ہے۔ ایک قول کیا گیا کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا زوال سے پہلے تو یہ عذر ہوگا زوال کے بعد یہ عذر نہیں ہوگا۔ ہاں اگر روزہ نہ توڑنے کی صورت میں والدین کی نافرمانی ہوتی ہو تو دوپہر کے بعد روزہ توڑنا جائز ہے۔ اگر کسی نے نفل نماز یا روزہ شروع کرنے کے بعد اسے توڑا تو اس کی قضاء واجب ہوگی۔ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے، جبکہ امام مالک اور شافعی کی ایک روایت میں امام ابو حنیفہ سے بھی یہی مروی ہے کہ نفل روزہ کو عذر کے بغیر توڑنا بھی مباح ہے۔ تاہم اس کی قضاء واجب ہوگی۔

امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا نفل عمرہ اور عمرہ کو مکمل کرنا واجب ہے اگر انہیں توڑا تو قضاء بھی واجب ہوگی۔ نماز روزہ اور دوسرے نفل افعال کا حکم اس سے مختلف ہے۔ ان دونوں امر کے نزدیک انہیں مکمل کرنا مستحب ہے اور اسے انہیں توڑنے کی بھی اجازت ہے اور بعد میں اس کی قضاء بھی نہ ہوگی۔

ہماری دہلی ہے آیت ہے اگرچہ اس کا شان نزول تو یہ ہے کہ اعمال کو شک، نفاق، معاصی، دکھلاوے، شہرت اور اظہار فخر کے ساتھ اعمال کو باطل کرنے سے روکا جا رہا ہے لیکن اپنے الفاظ کے اعتبار سے یہ حکم اسے بھی شامل ہے کہ انسان کسی عمل کو مکمل کرنے سے پہلے فاسد کر کے اسے باطل کر دے کیونکہ جتنا عمل کیا جا چکا ہے وہ عبادت اور عمل ہے اسی طرح اس عمل کو مکمل کرنے کے بعد اسے گناہ کبیرہ دکھلاوے، شہرت یا فخر کر کے باطل کرنے سے منع ہے۔

ہمارے پیش نظر احادیث طیبہ بھی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت عروہ سے مروی ہے جسے وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خضہ کی خدمت میں ایک بکری بطور ہدیہ پیش کی گئی، جبکہ ہم دونوں روزے سے تھیں۔ حضرت خضہ نے مجھے روزہ افطار کرا دیا۔ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو ہم نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا اس کی جگہ ایک اور روزہ رکھ لیں (۲)۔ اسے امام احمد نے سفیان بن حصین کے واسطے سے حضرت عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا۔ امام ترمذی نے جعفر بن برقان کے واسطے سے حضرت عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے

کہ میں اور حضرت حفصہ روزے سے تھیں، ہمیں کھانا پیش کیا گیا۔ ہم نے اسے پسند کیا اور کھالیا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ حضرت حفصہ نے مجھ سے جلدی کی عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم روزے سے تھیں، ہمیں کھانا پیش کیا گیا، جس کی ہمیں شدید طلب تھی۔ ہم نے اسے کھالیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اس کی جگہ ایک اور روزہ رکھ لیتا۔

ابوداؤد اور نسائی نے زویل سے اور انہوں نے عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اسے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے اسے معطل قرار دیا ہے کیونکہ زویل کا عروہ سے سماع ثابت نہیں اور نہ ہی یزید کا زویل سے سماع ثابت ہے۔ امام ترمذی نے کہا اس حدیث کو صالح بن ابی الاحضر اور محمد بن علی بن ابی حفصہ نے زہری سے، انہوں نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ سے اسے روایت کیا ہے۔ مالک بن انس، معمر بن عبد اللہ بن عمرو بن زیاد بن سعد اور کئی دوسرے حفاظ نے زہری سے اور زہری نے حضرت عائشہ سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ اس میں وعدہ کا ذکر نہیں، یہ سند زیادہ صحیح ہے کیونکہ ابن جریج سے مروی ہے کہ میں نے زہری سے پوچھا کیا حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے تمہیں یہ روایت بیان کی ہے تو زہری نے جواب دیا میں نے عروہ سے اس بارے میں کچھ نہیں سنی بلکہ ہم نے سلیمان بن عبد الملک کے زمانہ میں ایسے آدمی سے روایت سنی جس نے حضرت عائشہ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔

ابن ہمام نے کہا امام بخاری کا قول اس امر پر مبنی ہے کہ آپ کے نزدیک متصل روایت کے لئے ہم عصر ہونے کے ساتھ ساتھ ملاقات بھی شرط ہے، جبکہ زیادہ پسندیدہ نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں راوی ہم عصر ہیں تو اتصال کے لئے یہی کافی ہے اگر اس روایت کا امام بخاری اور امام ترمذی کے نزدیک معطل تسلیم کر ہی لیا جائے تو یہ صرف اس سند تک محدود رہے گا۔ اس حدیث کا معطل ہونا اس وقت لازم آئے گا اگر اس کی کوئی اور سند نہ ہو لیکن ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں جریج بن حازم سے، انہوں نے یحییٰ بن سعید سے، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ میں اور حضرت حفصہ نے نفل روزہ کی صورت میں صبح کی۔ ابن ابی شیبہ نے اسے ان سندوں کے علاوہ ایک اور سند سے نصیف سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے روزہ کی حالت میں صبح کی، طبرانی نے اپنی معجم میں نصیف کی حدیث مکرر سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ روزے سے تھیں۔ بزار نے ایک اور سند سے حماد بن ولید سے، انہوں نے عبد اللہ بن عمرو سے، انہوں نے حضرت نافع سے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے روزے کی حالت میں صبح کی۔ لیکن حماد بن ولید ضعیف ہے۔

طبرانی نے ان سب سے مختلف اوسط میں روایت کیا ہے کہ ہمیں سوئی بن ہادون نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں محمد بن مہران نے روایت کیا، کہا اسے محمد بن ابی سلمہ کی نے محمد بن عمرو سے، انہوں نے ابوسلمہ سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کو ہدیہ پیش کیا گیا، جبکہ وہ روزے سے تھیں۔ دونوں نے اس تحفہ سے کچھ کھالیا پھر اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اس کی کسی روز قضاء کر لیتا اور آئندہ ایسا نہ کرتا۔ ابن ہمام نے کہا یہ حدیث ثابت ہوگئی۔ اب اس کو رد کرنے کی کوئی صورت نہیں اگرچہ اس کی تمام سندیں ضعیف ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اس کی سندیں متعدد ہیں اور بہت زیادہ ہیں اسے کیسے رد کیا جاسکتا ہے، جبکہ اس کی بعض سندیں ایسی ہیں جو قابل حجت ہیں۔

میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔ ابن جوزی نے جو یہ کہا کہ آقا ﷺ کا یہ امر کہ اسے کسی دوسرے دن

رکھ لینا۔ اسے احتساب پر محمول کریں گے۔ تو یہ بغیر کسی سبب کے امر کا ظاہر تھا قضا کے خلاف معنی کرتا ہوگا، جبکہ اس میں ایسے قرائن موجود ہیں جو ظاہر معنی لینے کا تقاضا کرتے ہیں، جبکہ یہ آیت کریمہ لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ جُنَادٍ مِّنْ دُونِہَا اس کی تاکید بیان کرتی ہے (1)۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت اس حدیث کی تاکید بیان کرتی ہے، جبکہ دونوں کی مخالفت ظاہر ہے کیونکہ آیت اس میں ظاہر ہے کہ روزہ شروع کرنے کے بعد توڑنا ممنوع ہے، جبکہ روزے کی قضا کے بارے میں کوئی دلالت نہیں۔ جبکہ حدیث تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ قضا کے واجب ہونے کے ساتھ روزہ افطار کرنا جائز ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ روزہ افطار کرنے کے منع کرنے پر آیت کی دلالت قضا کے واجب ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ باطل نہ کرنے کا مطلب یہ ہے اسے مکمل کرنا واجب ہے۔ جب کوئی شے واجب ہو تو فوت ہونے کی صورت میں اس کی مثل کی قضا واجب ہوتی ہے اگر اس کی مثل ہو۔ قضا اس وقت واجب ہوتی ہے جب مکمل کرنا واجب اور افطار کرنا حرام ہو۔ حضور ﷺ کے فرمان آئندہ ایسا نہ کرنا یہ افطار کرنے کی حرمت پر صریح ہے۔ امام ابوحنیفہ سے ظاہر روایت بھی یہی ہے۔

اس باب میں بہت زیادہ دوسری احادیث بھی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جسے دارقطنی نے ظہر بن یحییٰ سے، انہوں نے اپنی چھو بھی عائشہ سے، انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے فرمایا میں روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ کو حلوہ پیش کیا گیا فرمایا میں اسے کھاتا ہوں اور اس کی جگہ ایک اور روزہ رکھوں گا (2)۔ دارقطنی نے کہا الفاظ کی زیادتی کو ابن عیینہ سے محمد بن عمرو ابوالعاس باہلی کے علاوہ کسی راوی نے ذکر نہیں کیا۔ شاید محمد بن عمرو کو شبہ لاحق ہو گیا۔ حافظ نے کہا لیکن نسائی نے محمد بن منصور سے، انہوں نے ابن عیینہ سے روایت کیا ہے۔ امام شافعی نے بھی ابن عیینہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور یہ ذکر کیا کہ ابن عیینہ نے اپنی موت سے ایک سال پہلے اسے ذکر کیا۔ حافظ بن حجر نے کہا آخری عمر میں ابن عیینہ کے حافظ میں کچھ خرابی آ گئی تھی۔

انہیں روایات میں سے ایک روایت کو دارقطنی نے اپنی سند سے محمد بن ابی حمید سے، انہوں نے ابراہیم بن حمید سے روایت کیا ہے کہ ابوسعید خدری نے کھانا تیار کیا اور حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کو دعوت دی۔ ایک آدمی نے کہا میں روزے سے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے بھائی نے تیرے لئے کھانا تیار کیا ہے۔ اب روزہ افطار کر دو اور اس کی جگہ کسی اور دن روزہ رکھ لینا (3)۔ دارقطنی نے کہا یہ مرسل روایت ہے۔ ابن جوزی نے کہا محمد بن ابی حمید کو کوئی چیز نہیں۔ نسائی نے کہا وہ ثقہ نہیں۔ ابن حبان نے کہا وہ قابل حجت نہیں۔

انہیں روایات میں سے ایک روایت کو دارقطنی نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے ایک صحابی نے کھانا تیار کیا اور حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کو دعوت دی جب کھانا آ گیا تو ایک صحابی الگ تھلک ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تیرے بھائی نے اتنا ہتھام کیا پھر تم کہتے ہو میں روزے سے ہوں، کھانا کھاؤ اور اس کی جگہ ایک اور دن روزہ رکھ لینا (4)۔ اس کی سند میں عمر بن حلیف ہے۔ ابن عدی نے کہا اس پر حدیث وضع کرنے کی تہمت لگائی جاتی تھی۔ ابن حبان نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

انہیں روایات میں سے ایک روایت کو دارقطنی نے قوبان کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں روزے سے تھے، طبیعت میں اضمحال پیدا ہوا اور قے آنے لگی۔ آپ نے قے کی پھر پانی منگوایا اور وضو کیا پھر روزہ افطار کر دیا۔

2۔ سنن الدار قطنی، جلد 2، صفحہ 177 (الحاجن)

4۔ سنن الدار قطنی، جلد 2، صفحہ 178 (الحاجن)

1۔ فتح القدیر شرح بدایہ، جلد 2، صفحہ 86 (مصطفیٰ محمد)

3۔ سنن الدار قطنی، جلد 2، صفحہ 177 (الحاجن)

میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہے؟ وضو فرض ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر روزہ فرض ہوتا تو تم اسے قرآن میں پاتے کہنا پھر آپ نے اگلے دن روزہ رکھ لیا۔ میں نے آپ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو میں نے روزہ افطار کیا تھا یہ اس کی جگہ ہے (1) اس سند میں متبہ بن سلکین ہے۔ دارقطنی نے کہا وہ متروک الحدیث ہے۔ انہیں روایات میں سے ایک روایت وہ ہے جسے دارقطنی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ محمد بن ابی حمید شاک بن حمزہ سے، انہوں نے منصور سے، انہوں نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک روز نفل روزہ رکھا پھر اسے توڑ دیا۔ حضور ﷺ نے ایک اور دن اس کی قضا کا حکم دیا۔ یحییٰ نے کہا شاک کچھ بھی نہیں۔ ابو زرہ نے کہا محمد بن حمید جھوٹا ہے۔

امام شافعی اور امام احمد نے کئی احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے پہلی حدیث وہ ہے جسے جویریہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے روزان کے ہاں تشریف لائے، جبکہ آپ روزے سے تھیں مگر فرمایا کیا تم نے نفل روزہ رکھا تھا عرض کی نہیں فرمایا کل روزہ نہیں کھوگی۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا روزہ توڑ دو۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا (2)۔ امام احمد نے ابو عمر سے روایت کیا کہ حضور ﷺ حضرت جویریہ کے ہاں تشریف لے گئے پھر اسی طرح کی حدیث ذکر کی۔

دوسری حدیث وہ ہے جسے حضرت عائشہ صدیقہ نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ آپ کے پاس تشریف لاتے تو پوچھتے کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جو تم مجھے کھاؤ تو ہم کہتے ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں تو آپ فرماتے میں روزے سے ہوں پھر بعد میں کوئی چیز آگئی تو عرض کی ہمارے پاس یہ تھنہ بھیجا گیا ہے۔ ہم نے آپ کے لئے چھپا رکھا ہے۔ پوچھا کیا ہے؟ عرض کیا حلوہ ہے۔ فرمایا میں نے صبح کے وقت تو روزہ رکھ لیا تھا پھر آپ نے کھانا کھالیا (3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے اور ربیعہ نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ ان کے حجرہ میں تشریف لائے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کی کوئی چیز نہیں۔ فرمایا تو پھر میں روزے سے ہوں۔ حضرت عائشہ نے بیان کیا ایک اور دن آپ تشریف لائے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے میں نے عرض کی موجود ہے فرمایا تو پھر میں روزہ افطار کرتا ہوں اگرچہ میں نے روزہ رکھ لیا تھا (4)۔

تیسری حدیث ام سلمہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ صبح کرتے، جبکہ آپ کا ارادہ روزہ رکھنے کا ہوتا پوچھتے کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ کیا تمہارے پاس کوئی چیز آئی ہے؟ تو ہم عرض کرتے کیا آپ نے صبح کے وقت روزہ نہیں رکھ لیا تھا تو فرماتے یقیناً روزہ رکھا تھا لیکن روزہ جب نذر اور رمضان کی قضا کا نہ ہو تو اس کے توڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے (5) اس کی سند میں عبید اللہ عزری ہے جو ضعیف ہے۔

چوتھی حدیث ابو خلیفہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی اور ابو درداء کے درمیان مواخات قائم کی۔ حضرت سلمان ابو درداء کی ملاقات کے لئے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ام درداء خستہ حالت میں ہیں۔ حضرت سلمان فارسی نے پوچھا یہ تو نے کیا حالت بنا رکھی ہے تو انہوں نے فرمایا میرے بھائی ابو درداء کو دنیاوی معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ حضرت ابو درداء، تشریف لائے اور حضرت سلمان فارسی کے لئے کھانے کا بہت نام کیا اور حضرت سلمان فارسی سے کہا کھانا کھائیں میں تو روزے سے ہوں۔

1- سنن الدارقطنی، جلد 2 صفحہ 178 (بخاری)

2- صحیح بخاری، جلد 1 صفحہ 266 (وزارت تعلیم)

3- سنن نسائی، جلد 4 صفحہ 194 (اریان)

4- سنن ترمذی، جلد 4 صفحہ 275 (المنکر)

5- سنن الدارقطنی، جلد 2 صفحہ 175 (احسان)

حضرت سلمان فارسی نے کہا میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک آپ نہیں کھائیں گے۔ جب رات آئی ابودرداء عبادت کے لئے تشریف لے جانے لگے اور حضرت سلمان فارسی نے کہا آپ سو جائیں۔ حضرت ابودرداء سو گئے پھر عبادت کے لئے جانے لگے تو حضرت سلمان فارسی نے کہا سو جائیں۔ جب رات کا آخری پہر ہوا تو حضرت سلمان نے فرمایا اب اشو۔ دونوں نے نماز پڑھی۔ حضرت سلمان فارسی نے حضرت ابودرداء سے کہا بے شک تیرے رب کا تجھ پر حق ہے، تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے، تیرے گھروالوں کا تجھ پر حق ہے۔ ہر حقدار کو حق ادا کرو۔ حضرت ابودرداء حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب بات ذکر کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا سلمان فارسی نے سچ کہا (۱)۔

میں کہتا ہوں یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ روزہ توڑنا جائز ہے۔ جہاں تک قضاء واجب نہ ہونے کا تعلق ہے ان میں ایسی کوئی بات نہیں۔ حضرت جویریہ دانی روایت اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ صرف جمعہ کے روز روزہ رکھنا مکروہ ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کا روزہ نہ رکھو۔ ہاں اس صورت میں کہ تم اس سے ایک روز پہلے روزہ رکھو یا ایک روز بعد میں روزہ رکھو۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ امام مسلم نے ان الفاظ کے ساتھ بھی روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے صرف جمعہ کے روزہ کیا اور روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔

امام شافعی کے پیش نظر اور احادیث بھی ہیں جو ضعیف ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت ام ہانی سے مروی ہے، اس کی کئی سندیں ہیں اور کئی الفاظ میں یہ مروی ہے۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے حماد بن سلمہ نے سماک بن حرب سے، انہوں نے ہارون بن ام ہانی سے انہوں نے حضرت ام ہانی سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مشرب پیا اور حضرت ام ہانی کو عطا کیا تا کہ وہ اسے پی لے تو حضرت ام ہانی نے کہا میں روزے سے ہوں لیکن میں اسے بھی ناپسند کرتی ہوں کہ آپ کا جموٹا واپس کروں۔ فرمایا اگر یہ رمضان کا قضاء روزہ ہے تو اسے کسی اور دن رکھ لینا اگر یہ روزہ نفل ہے تو چاہو اس کی قضا کر لینا چاہو تو قضاء نہ کرنا۔ امام احمد امام ترمذی اور دوسرے محدثین نے سماک سے، انہوں نے ہارون سے، انہوں نے حضرت ام ہانی سے، ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی کہ آپ کی خدمت میں مشروب پیش کیا گیا۔ آپ نے اس میں سے پیا پھر مجھے عطا کیا، میں نے اس کو پیا اور عرض کیا میں نے تو نافرمانی کی۔ آپ نے پوچھا وہ کیسے تو میں نے عرض کی میں تو روزے سے تھی۔ میں نے اسے توڑ دیا ہے۔ فرمایا کیا یہ قضاء کا روزہ تھا؟ میں نے عرض کی نہیں تو فرمایا تو پھر اس کا توڑنا تجھے کوئی نقصان نہیں دے گا۔ سماک بن حرب قائل اعتماد راوی نہیں جب وہ اکیلا ہو۔ امام نسائی نے بھی یہی کہا ہے۔ امام بیہقی نے کہا اس کی سند میں اعتراض ہے۔ ابن قحطان نے کہا ہارون مجہول ہے اس کے بارے میں صحیح معلومات نہیں۔

میں کہتا ہوں ہارون کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ہارون حضرت ام ہانی کا بیٹا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ آپ کا پوتا ہے۔ ایک قول کیا گیا یہ آپ کا نواسہ ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی کی روایت کے الفاظ قضاء کے واجب نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتے۔

ابوداؤد داری اور دوسرے محدثین نے جریر سے، انہوں نے یزید بن زیاد سے، انہوں نے عبداللہ بن حارث سے، انہوں نے حضرت ام ہانی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا جس روز مکہ مکرمہ فتح ہوا تو حضرت فاطمہؓ آئیں اور حضور ﷺ کی بائیں جانب بیٹھ

گئیں اور حضرت ام ہانی حضور ﷺ کے دائیں جانب بیٹھی ہوئی تھیں۔ ولیدہ ایک برتن لائیں جس میں مشروب تھا۔ میں نے برتن پکڑا اور اس میں سے پی لیا پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں تو روزے سے تھی اور روزہ توڑ دیا۔ آپ نے پوچھا کیا آپ کسی روزے کی قضاء کر رہی تھیں عرض کی نہیں تو آپ نے فرمایا اگر وہ نفل روزہ تھا تو پھر روزہ توڑنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اسے امام احمد نے روایت کیا کہ ہمیں محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہمیں شعبہ نے، انہیں جتہ نے انہیں ام ہانی نے بیان کیا، جبکہ وہ جتہ کی وادی تھیں کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے روز ان کے گھر تشریف لائے۔ آپ کی خدمت میں برتن پیش کیا گیا۔ آپ نے اس میں سے پیا پھر آپ نے مجھے عطا کیا۔ میں نے عرض کی میں تو روزے سے ہوں۔ فرمایا نفل روزہ رکھنے والا اپنے آپ کا مالک ہوتا ہے اگر چاہو تو روزہ رکھو اگر چاہو تو روزہ دو اور اسے ابو داؤد و طیالسی کی حدیث سے بھی روایت کیا ہے کہ ہمیں شعبہ نے روایت کیا، انہوں نے جعدہ سے، انہوں نے ابوصالح سے، انہوں نے حضرت ام ہانی سے روایت کیا کہ حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لائے آپ نے پانی پیا پھر حضرت ام ہانی کو عطا فرمایا تو انہوں نے پانی پی لیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں تو روزے سے تھی یا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نفل روزہ رکھنے والا اپنے آپ کا مالک ہوتا ہے اگر چاہے تو روزہ رکھے اگر چاہے تو افطار کرے۔ امام ذہبی نے کہا جعدہ کا ابوصالح سے روایت کرنا معروف نہیں۔ امام بخاری نے کہا اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ فتح مکہ کے ذکر کی وجہ سے حدیث میں ایک اور خرابی پیدا ہوگئی ہے کیونکہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ فتح مکہ تو رمضان شریف میں ہوا تو پھر رمضان شریف میں رمضان کی قضاء یا نفل روزے کا قصور کیسے کیا جاسکتا ہے؟

ابن ہمام نے امام ابو حنیفہ سے مروی منہج کی روایت کو پسند کیا اور کہا کہ نفل روزہ رکھنے والے کے لئے عذر کے بغیر بھی روزہ افطار کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے اور روزہ توڑنے کی صورت میں اس پر قضاء واجب ہوگی۔ اس حدیث کی وجہ سے جس سے امام ابو حنیفہ نے استدلال کیا ہے اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے گا۔ اور کہا آیت میں ابطال سے مراد اس کو اس حالت سے خارج کرنا ہے جس پر کوئی فائدہ مرتب ہو اور اس کو اس طرح بنادیا جائے گویا وہ بالکل پایا ہی نہیں گیا۔ جہاں تک قضاء کے ارادہ سے اسے باطل کرنے کی آیت میں اس سے منع کرنے پر کوئی دلالت موجود نہیں۔

میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے فرمان لا یبطلوا میں مصدر مکرر ہے جو نفی کے تحت داخل ہے جو جہنم کے ابطال کو شامل ہوگا۔ جس نے روزہ اور نماز کو شروع کرنے کے بعد توڑا تو اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس نے عمل کو باطل کر دیا۔ جہاں تک قضاء کا معاملہ ہے وہ ایک اور عمل ہے جو اس عمل کی کمی پوری کرتا ہے۔ اس لئے عذر کے بغیر نفل روزہ رکھنا جائز نہیں، یہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ احادیث اگرچہ روزہ توڑنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں تاہم تعارض کی صورت میں آیت کو اخبار احاد پر مقدم کرنا واجب ہے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ آیت حرمت ثابت کر رہی ہو اور احادیث روزہ توڑنے کی ایاحت کو ثابت کرتی ہوں اس لئے احتیاط ایسی ہے کہ حرمت ثابت کرنے والی دلیل کو ایاحت ثابت کرنے والی دلیل پر مقدم کیا جائے۔ ہماری دلیل یہ بھی بن سکتی ہے کہ نفل حج اور نفل عمرہ پر قیاس کریں۔ ان دونوں کو فاسد کرنا جائز نہیں۔ اگر انہیں توڑا جائے تو ان کی قضاء واجب ہوتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ هُمْ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۖ فَلَا تَهْنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ ۖ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۚ وَاللَّهُ

مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَّزِكُمَ آبَعَابُكُمْ ⑤

”بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکتے رہے پھر وہ مر گئے کفر کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ (اے فرزندانِ اسلام!) ہمت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو تم ہی غالب آؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال (اور کوششوں) کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔“

یہ جملہ اِنَّ اِلٰہَیْہِمْ کُفْرًا وَاَوْصَافًا کے ساتھ متصل ہے۔ یہ اصحابِ قلیب کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کا حکم عام ہے، یعنی جس کی موت بھی کفر پر ہوئی اس کے لئے یہی حکم ہے۔

۱۔ جہاد سے کمزوری نہ دکھاؤ اور نہ ہی ابتداء میں صلح کا پیغام دو۔ ابو بکر اور حمزہ نے مسلم کوسین کے سرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جبکہ باقی قراء نے اسے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ تدعو الی اللہ فی سبیلہ کے مقتدر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ معنی یہ ہوگا کفار کو صلح کی دعوت دینے میں پہل نہ کرو یا۔ لا تنھوا کے جواب میں ان کے مضمحل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صلح میں پہل کرنے سے منع اس لئے کیا کیونکہ یہ بزدلی کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صالح مومنوں کے ساتھ مدد کا جو وعدہ کیا ہے اس کی وجہ سے تم غالب رہو گے۔ وَاَنْتُمْ اِلٰہُ غُلُوْنٍ یہ جملہ تدعون کے فاعل سے حال ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اس کی معیت بلا کیف ہے کیونکہ ایمان اللہ تعالیٰ کی محبت کا لفظ خدا کرتا ہے اور انسان کا انجام بھی اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ انسان محبت کرے۔ یہاں وَاَوْصَافًا ہے اور یہ جملہ بھی تدعو کے فاعل سے حال ہے یا غفلتوں کے فاعل سے حال ہے۔ اعراب میں یہی کیفیت وَلَنْ يَتَّزِکُمْ آبَعَابُكُمْ کی ہے۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں کمی نہیں کرے گا یہ وترہ فقرہ سے شق ہے۔ اس کا معنی ہے حق میں کمی کی کہ حضرت ابن عباسؓ مقابل قتادہ اور ضحاک نے کہا اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال صادق کو باطل نہیں کرے گا (1)۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ⑥ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَّتَتَّقُوْا يُؤْتِیْکُمْ اُجُوْرَکُمْ وَّ

لَا یَسْئَلْکُمْ اَمْوَالُکُمْ ⑦ اِنْ یَسْئَلْکُمْ هَآفِیْ حِفْظِکُمْ یَبْخُلُوْا اَوْ یُخْرِجْ اَصْعَابُکُمْ ⑧

”یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور وہ نہ طلب کرے گا تم سے تمہارے مال۔ اگر وہ طلب کرے تم سے تمہارے مال اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو اور (یوں) ظاہر کر دے گا تمہاری ناگوار یوں کو۔“

۱۔ دنیاوی زندگی میں جب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو وہ باطل ہے کیونکہ ذکر کے بغیر اس پر کوئی قابل ذکر فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا دنیاوی اور دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے (2)۔ فرمایا دنیاوی زندگی تمہیں ایسی چیزوں سے غافل کر دیتی ہے جو تمہیں دائمی زندگی عطا کر سکتی ہیں۔ فرمایا اگر تم دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام پر عمل کر کے اور حیرتوں سے اس سے تمہیں روکا ہے اس سے رک کر عذابِ الہی سے بچو تو اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہیں ایمان اور تقویٰ

کا اجر عطا فرمائے گا۔ اس وقت تمہاری دنیاوی زندگی آخرت کی بھشتی ہوگی اور لہو و لعب نہ ہوگی۔ فرمایا وہ تم سے تمہارے اعمال کا سوال نہیں کرتا کیونکہ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں۔ وہ تمہیں ایمان لانے اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ تمہیں جنت کی صورت میں بدلہ عطا فرمائے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ وَمَا أَرْبِئُكُمْ مِنْهُ يَرْبِئُكُمْ أَلَيْسَ كَمَا سَأَلْتُمْ عَنْ شَيْءٍ لَا يَعْلَمُ اللَّهُ تَعَالَىٰ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ الْغُيُوبِ ۚ اور اس کا رسول صدقات میں تمام مال صدقہ کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ وہ تو ایک چھوٹا سا حصہ خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جیسے مال میں سے چالیسواں حصہ یا اس سے بھی کم کا مطالبہ کرتا ہے جیسے ایک سو بیس بکریوں میں سے ایک بکری اس لئے خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ دو۔

ابن عبیدہ کا بھی یہی قول ہے۔ نہ اسی پر اس آیت کا سیاق بھی دلالت کرتا ہے۔ یہ آیت اس وہم کو دور کرتی ہے جو دنیا کی مذمت ایمان اور تقویٰ کی تعریف سے پیدا ہوا تھا۔ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسی وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا تم سے (تمام) مال کا مطالبہ نہیں کرتا پھر تمام کا مطالبہ نہ کرنے کی علت بیان فرمائی اگر وہ تم سے تمام مال کا مطالبہ کرتا اور تمہیں مشقت میں ڈال دیتا۔

۱۱. اعضاء کا معنی مبالغہ کرنا اور انتہاء تک پہنچنا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے مونچھوں کو بالکل قریب سے کاٹو۔ فیحکمکم کا عطف شرط پر ہے تو تم بخل سے کام لیتے اور سارا مال نہ دیتے۔ تبخلوا یہ شرط کی جزاء ہے۔ یخرج میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس کی تائید وہ قرأت بھی کرتی ہے جس میں اس صیغہ کو جمع حکم کا صیغہ پڑھا ہے۔ یا ضمیر بخل کے لئے ہے کیونکہ بخل بغض کا سبب ہے۔ قتادہ نے کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مال کے خرچ کرنے کے مطالبے سے بغض باہر نکل آتا ہے۔

هَآأَنْتُمْ كَذَّابُونَ لَتَنْفُقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَن يَبْخُلُ ۚ وَمَنْ يَبْخُلْ
فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَنِ نَفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ ۚ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِنْ تَسْكُنُوا يَسْكُنُوا
فَوَمَا عَزَيْبُكُمْ أَنْ تَبْخُلُوا ۚ أَمْ أَنْتُمْ لَمْ تُؤْمِرُوا أَنْ تَبْخُلُوا ۚ

”ہاں تم ہی وہ لوگ جو تمہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بھی بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بخل کر رہا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اس کے) محتاج ہو۔ اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔“

۱۲. حارث تنجیبہ ہے، انتم مبتدأ ہے اور ہولاء اس کی خبر ہے یا حولا منادی ہے اور حرف ندا محذوف ہے اور مبتدأ کی خبر تدعون ہے یا ہولاء اسم موصول، تدعون اس کا صلا ہے۔ موصول صلہ ل کر انتم کی خبر ہے۔ یعنی تم ہی وہ لوگ جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ یہاں مال خرچ کرنے سے مراد ان اموال کا خرچ کرنا ہے جن کا خرچ کرنا فرض ہے۔

۱۳. سَبِيلِ اللہ عام ہے جو جہاد زکوٰۃ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو زکوٰۃ اور فرض صدقات کی ادائیگی میں بخل کرتے ہیں تو جو انسان بخل کرتا ہے وہ اپنے ساتھ ہی بخل کرتا ہے کیونکہ خرچ کرنے کا فائدہ اور بخل کا نقصان اسی انسان کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ عرض کیا یا رسول

اللہ ﷺ ہم سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو تو حضور ﷺ نے فرمایا اس کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور وارث کا مال وہ ہے جو اس نے پیچھے چھوڑا۔ اسے امام بخاری اور امام نسائی نے روایت کیا (1)۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے۔ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے اللہ روکنے والے کو ہلاک کر دے۔ متفق علیہ (2)۔ حضرت اسماء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خرچ کرو اور شمار نہ کرو نہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتوں کو شمار کرے گا۔ مال اپنے پاس خزانہ نہ کرو نہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی نعمتیں روک لے گا۔ جتنا ہو سکے خرچ کرو۔ متفق علیہ (3)۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابن آدم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا۔ متفق علیہ (4)۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے صدقات اور طاعات سے غنی ہے، جبکہ تم فقراء ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دنیاوی اور اخروی ضرورتوں کی وجہ سے ہی تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَالْاَشْهُمُ الْفَقْرَاءُ وَالْاَجْمَلُ قَائِمًا يَمْشِي عَلَى غَنٍّ فَلْيَسِّرْہِمْ کی علت بیان کر رہا ہے۔

اے عربو! اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کے رسول کی اطاعت اور اسکی راہ میں خرچ کرنے سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا جو ایمان لے آئے گی اور تقویٰ اختیار کرے گی وہ تمہاری طرح نہ ہو سکے بلکہ وہ تم سے زیادہ مطیع ہو سکے ان تینوں کا عطف ان تو منوا پر ہے۔ کبھی نہ کہا اس قوم سے مراد کنندہ اور نفع کی قوم ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا اس سے مراد غمی لوگ ہیں۔ مکرہ نہ کہہ اس سے مراد فارس اور روم کے لوگ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیون لوگ ہیں جن کے بارے میں یہ آیا ہے کہ اگر ہم نے اعراض کیا تو انہیں ہماری جگہ رکھ لیا جائے گا پھر وہ ہمارے جیسا طرز عمل بھی نہ اپنائیں گے تو حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مار فرمایا یہ اور اس کی قوم۔ اگر دین شریاکے پاس بھی ہو تو فارس (۱) کے لوگ اسے حاصل کر لیں گے۔ اسے امام بغوی نے روایت کیا۔ امام ترمذی اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز ابن حبان نے اسے روایت کیا۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ اشرف المخلوقات۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

1- صحیح بخاری، جلد 5، صفحہ 2366 (ابن کثیر)

2- صحیح مسلم، جلد 7، صفحہ 83 (ابن کثیر)

3- صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 331 (قدیمی)

4- صحیح مسلم، جلد 7، صفحہ 69 (ابن کثیر)

(۱) صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، بطرانی میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا اگر ایمان شریاکے پاس بھی ہو تو فارس کے لوگ اسے حاصل کر لیں گے۔ ابوہم نے علیہ میں حضرت ابن مسعود سے ہی ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، اگر علم شریاکے ساتھ لک رہا ہوگا تو فارس کے لوگ اسے حاصل کر لیں گے۔ شیرازی نے القاب میں قیس بن سعد بن عبادہ سے روایت کیا انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا۔ بطرانی نے قیس کی حدیث میں اضافہ کیا ہے۔ عرب اسے نہ پائیں گے فارس کے لوگ اسے پائیں گے۔ شیخ محمد بن یوسف صالح شافعی نے کہا۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فارس کا کوئی آدمی بھی علم میں آپ کے مقام تک نہیں پہنچا اور نہ ہی آپ کے اصحاب کے علم تک پہنچا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے دادا فارس میں سے ہی تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی اولاد میں سے بھی دین میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ ان میں ابوعلی شرف الدین قلندر قطب جمال قطب برہان حائوسی قطب عبداللہ دس گنگوہی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

تفسیر مظہری کا اختتام سورہ محمد (ﷺ) کے اختتام کے ساتھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ میرا خاتمہ بھی اسی پر ہو جس پر حضور ﷺ کی امت کے بہترین لوگوں کا خاتمہ ہوا۔ اسے اللہ! اس تفسیر کے ختم کا ثواب حضور ﷺ آپ کے صحابہ کرام اولاد و عظام ازواج مطہرات اور اولیاء امت کو بطور ہدیہ پیش فرما۔ خصوصاً حضرت شمس الدین حبیب اللہ مظہری کی روح کو عطا فرما جن کے نام پر میں نے اس تفسیر کا نام رکھا ہے۔ نیز آپ کے مشائخ عظام کو ثواب سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نوازشات حضور ﷺ کی تمام امت پر ہوں۔ آج منگل ستائیس جمادی الاول 1208ء ہے۔

حسن اتفاق سے تفسیر مظہری کے ترجمہ اور نظر ثانی کا اختتام بھی سورہ محمد (ﷺ) پر ہوا۔ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہی التجا کرتا ہوں جو حضرت مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور اپنے مربی کریم حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ بہشتیہ کے تمام بزرگوں کے درجات کی بلندی کے لئے دعا گو ہوں۔

محمد بوستان

مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

